راج ترنگنی

جلد ۱



ترجمہ

ٹھاکر اچھر چند شاہپوریہ

مکمّل
راج ترنگنی

جلد اوّل

سنسکرت کی نہایت مشہور اور مستند تاریخ مصنفہ
پنڈت **کلہن** کا اُردو ترجمہ جو قدیم فرمانروایان کشمیر کے
مفصّل حالات کا خزینہ اور ان کے عروج و زوال کی منہ بولتی تصویر ہے

مترجمہ

ٹھاکر اچھر چند شاہپوریہ

چنار پبلشنگ ہاؤس۔ سرینگر کشمیر

بار دوم ——— ۱۹۹۳ء

ناشر ——— چنار پبلشنگ ہاؤس سرینگر۔ کشمیر

قیمت ——— ۴۰۰/- (روپے) مکمل سیٹ

نام کتاب ——— راج ترنگنی۔ کلہن

مطبوعہ ——— جے، کے آفسٹ پرنٹرز۔ دہلی

عرض ناشر

کشمیر جسے فردوس بلکہ خوابوں کی سرزمین سے تعبیر کیا جاتا ہے نہ صرف اپنی جمالی و رعنائی کی وجہ سے ساری دنیا میں مشہور و معروف ہے بلکہ کشمیر کا اپنا شاندار ماضی بھی ہے۔

کشمیر جن کا ظاہری نقش و نگار اتنے دل ربا دل پذیر اور دل آویز ہیں کہ ایک بار نگاہوں میں بس جائیں تو دل کی گہرائیوں میں سما جائیں۔ ماضی بھی تاریخی اعتبار سے اتنا ارفع و اعلیٰ ہے کہ ایک بار اس کے ماضی میں جھانک کر دیکھیں تو نگاہ دل کی گہرائیوں میں تجلیاں بکھیر دے اس جنت ارض کشمیر کی تاریخ کو صدیوں پر محیط مورخوں نے قلم بند کیا ہے۔ جو کہ آج کل بھی نہ معلوم کتنی لائبریریوں میں بند پڑا ہوا ہے۔

اب ہمارے ادارے نے ایک منصوبہ تشکیل دیا ہے کہ کشمیر کی تاریخ پر جس صاحب نے جس بھی طریقے پہ جو کچھ لکھا ہو اور کسی بھی زبان میں لکھا ہو اس کو نئے سرے سے نئی آن و بان کے ساتھ طبع کیا جائے اس سلسلے کی ابتدا ہم نے "تاریخ کشمیر" محمد دین فوق سے کی۔

اب کلہن کی راج ترنگنی شائع کر رہے ہیں ہم نے اس کتاب کو بغیر کسی قطع و برید کے اپنی اصلی حالت میں شائع کیا تاکہ آج کل کا مورخ تاریخ لکھتے وقت ہر ایک کے نقطۂ نظر کو سمجھ سکے۔

ادارہ ذاتی طور کسی بھی مکتبۂ فکر سے وابستہ نہیں ہے اگر اللہ کی عنایت اور آپ کا وسعت تعاون ساتھ رہا تو عنقریب ہم کئی کتابیں جس میں لارنس کی "ویلی آف کشمیر" شامل ہے شائع کر رہے ہیں۔

ناشر

مکمّل

راج ترنگنی

جلد اوّل

سنسکرت کی نہایت مشہور اور مستند تاریخ مصنفہ پنڈت کلہن کا اُردو ترجمہ جو قدیم فرمانروایان کشمیر کے مفصّل حالات کا خزینہ اور ان کے عروج و زوال کی منہ بولتی تصویر ہے

مترجمہ

ٹھاکر اچھر چند شاہ پوریہ

چند ضروری اشارات

(۱) چونکہ کتاب ہذا میں نوٹوں کی تعداد ایک ہزار سے بھی زیادہ ہے۔ اس لئے شروع سے لے کر آخیر تک دونوں جلدوں کے نمبروں کا سلسلہ ایک ہی قائم کیا گیا ہے تاکہ کسی نمبر کا نوٹ تلاش کرنے میں تکلیف نہ ہو۔

(۲) نوٹوں میں جہاں کہیں حوالے کے طور پر جونراج۔ شری وریا پرجا بھٹ اور شُک کی راج ترنگنی کا ذکر آیا ہے وہاں مصنف کا نام دیا ہوا ہے لیکن جس جگہ صرف ترنگ اور شلوک کے نمبر دیئے ہوئے ہیں۔ اس سے مراد کلہن کی راج ترنگنی (سنسکرت کی اصل کتاب) سے ہے۔

(۳) لوکک سمتوں کے ساتھ جو سنین عیسوی درج ہیں۔ وہ سٹائن صاحب کے حساب کے مطابق ہیں

ٹھاکر اچھر چند شاہپوریہ

تمہید

میں آج اس کتاب کو امید اور تذبذب دونوں قسم کے احساس اپنے دل میں
لے کر اردو خواں پبلک کے روبرو پیش کرتا ہوں۔ تذبذب صرف اس بات کا ہے
کہ پبلک جسکا مذاق ادنےٰ درجہ کے لٹریچر سے بہت کچھ بگڑ چکا ہے۔ جو اردو کتابوں
کو زیادہ سے زیادہ صرف اس قدر وقعت دینا پسند کرتی ہے۔ کہ انہیں پڑھ کر پھینک
دیا جائے۔ میرے اس ناچیز تحفہ کو کس نگاہ سے دیکھے گی؟ امید جس کے ساتھ
مسرت قلبی کا جزو بھی شریک ہے۔ اس بارے میں ہے کہ یہ کتاب قریب مستقبل
میں ہندوؤں کی صحیح تاریخ کی تعمیر کا ایک پتھر ثابت ہونے والی ہے۔ قدیم
ہندوؤں پر جو الزام قائم کیا جاتا ہے۔ کہ ان میں تاریخ نگاری کا مادہ موجود نتھا
یہ اس الزام کو رد کرنے کی ایک ابتدائی کوشش ہے۔ وہ وقت عنقریب آنیوالا
ہے۔ جبکہ مختلف حامیاں ملت کی کوششوں سے ہندوؤں کا آزادانہ طور پر
ایک عظیم الشان تاریخی ذخیرہ جمع ہو جائے گا۔ لیکن اس ذخیرہ کا ایک ہی وقت
ظہور میں آجانا امر محال ہے۔ پس اس کتاب کو اس ذخیرہ کا ایک جزو اسی عمارت

کی ایک اینٹ۔ اسی بحر کا ایک قطرہ یا اسی کل کا ایک پرزہ تصور کرنا چاہیئے۔

راج ترنگنی جسکا یہ ترجمہ ہے۔ وہ مشہور و معروف تاریخی کتاب ہے جسے آج سے ساڑھے سات سو سال قبل نامی گرامی شاعر کلھن پنڈت نے راجہ جے سنگھ والئے کشمیر کے عہد میں ۱۱۴۸ء میں بزبان سنسکرت لکھا تھا۔ اسمیں۔ پانچہزار سال سے زیادہ عرصہ کے تاریخی حالات یکجا کئے گئے ہیں۔ فی الحقیقت یہ ہندو راجگان کشمیر کے عروج و زوال اور ان کی عظمت اور پامالی کا ایک دلفریب مرقع ہے۔ جسے دیکھنے سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ کسی قوم کے جاہ و جلال یا پستی و درماندگی کا انحصار بدرجہ اتم اس کے فرمانرواؤں پر ہوتا ہے۔

ہندوستانی اور یورپین مورخ یکساں طور پر اس بات کو تسلیم کر چکے ہیں۔ کہ راج ترنگنی کشمیر قدیم کی نہایت معتبر تاریخ ہے۔ یہ وہ کتاب ہے۔ جو ہندوؤں کی گذشتہ عظمت کی تصویریں ناظرین کی آنکھوں کے روبرو دکھلا دیتی ہے۔ اور جس نے اس لحاظ سے اس تاریکی کو جو مفروضہ طور پر ہندوستان کی تاریخی دنیا پر چھائی ہوئی تھی دور کرنے میں بہت کچھ حصہ لیا ہے۔ زمانہ کے انقلاب کے ہاتھوں جب سنسکرت لٹریچر کی کساد بازاری وقوع میں آئی تو اس کے ساتھ ہی یہ بیش بہا تاریخ بھی قعر فراموشی میں جا پڑی۔ اور یہاں تک آنکھوں سے پنہاں ہی کہ زمانہ حال کے نوجوان اس کے نام تک سے ناآشنا ہو گئے۔ لیکن ہم یورپ کے محققوں اور علوم مشرقیہ کے ماہروں کے جہاں تک ممنون احسان ہوں تھوڑا ہے کیونکہ ان کی محنتوں کا نتیجہ آج اس قدیم تصنیف کی برقراری کی صورت میں دیکھتے ہیں۔ اگر مستشرقین یورپ اس طرف توجہ نہ دیتے۔ تو ممکن ہے کہ بعض سنسکرت تصانیف کی طرح یہ کتاب بھی آج صفحہ عالم سے محو ہو جاتی۔

مجھے اس موقعہ پر اس معاملہ پر بحث نہیں کرنا ہے کہ جب مہذب دنیا کو اس

کتاب کی موجودگی کی خبر ہوئی تو اسے کس تجسس اور محنت سے پیدا کیا گیا۔ نہ اس بات سے کچھ سروکار ہے کہ اس کے کتنے غلط یا صحیح ایڈیشن چھاپے گئے۔ ہاں اس قدر سرسری طور پر بیان کر دینا سا سب معلوم ہوتا ہے۔ کہ انگریزی زبان میں اس کے مشہور تراجم فی زمانہ صرف دو ہی دیکھنے میں آتے ہیں۔ جن میں سے ایک تو وہ ہے۔ جو بابو جوگیش چندر دت نے جو بابو رمیش چندر دت آنجہانی مشہور و معروف مؤرخ دیانتیشن کے بھائی ہیں۔ کلکتہ ایڈیشن کے ٹیکسٹ کی بناء پر کیا ہے۔ اور دوسرا وہ جو مسٹر ایم۔ اے سٹائین سابق رجسٹرار پنجاب یونیورسٹی نے متعدد مسودوں اور ٹیکا کاروں کے ٹیکا کی بناء پر مختلف پنڈتوں کی مدد سے سرانجام دیا۔ اور جو لندن میں چھپا ہے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ مسٹر دت کا ترجمہ بجائے خود ایک قابل داد چیز ہے۔ لیکن جو محنت سٹائین صاحب نے اس کام پر صرف کی ہے۔ اس کا اندازہ بہت کم ہندوستانی اہل قلم لگا سکتے ہیں۔ مختصر یہ ہے۔ کہ انہوں نے اپنی آزادانہ تحقیقات سے راج ترنگنی کے مختلف واقعات کی تاریخی اہمیت ثابت کر دکھائی ہے۔ اور اس کتاب کے ترجمہ کی وقعت اپنے نوٹ و حواشی کے ذریعہ دو بالا کر دی ہے۔

میں مانتا ہوں۔ کہ جو لطف کسی کتاب کو اس کی اصلی صورت میں دیکھنے سے حاصل ہوتا ہے وہ اس کے ترجمہ کے مطالعہ سے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا۔ ایک مشہور اہل الرائے کا قول ہے۔ کہ اگر کوئی شخص کسی قوم کے صحیح حالات معلوم کرنا چاہے۔ تو اسے لازم ہے کہ اس کے لٹریچر کا اس کی اپنی زبان میں مطالعہ کرے۔ لیکن زمانہ کی زبردست رَو نے سنسکرت پڑھنے پڑھانے والوں کو ہندوستان سے معدوم کر دیا چند ایک عالموں کے وجود سے جن کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے۔ ہرگز اس بات کی توقع نہیں ہو سکتی۔ کہ وہ اس بیش بہا تاریخی خزانہ کی اشاعت کا ذریعہ بن سکیں۔ اس صورت میں اس کتاب کا مطلب عام فہم بنانے اور اسے ہندو قوم کے

ہاتھوں تک پہنچانے کا سوائے اس کے کوئی ذریعہ نظر نہ آیا۔ کہ کتاب مذکور کا ترجمہ عام فہم سلیس اور بامحاورہ ہندوستانی میں کیا جائے۔ ان مقاصد کو مدنظر رکھ کر یہ کتاب جو زیادہ تر سٹائین صاحب کے ترجمہ پر مبنی ہے۔ لیکن جس میں مسٹر دت کے ترجمہ و دیگر اردو تراجم سے بھی خاطر خواہ مدد لی گئی ہے پبلک کے روبرو پیش کیجاتی ہے۔

اس سے پہلے بعض حضرات نے اس کتاب کی اشاعت پہ توجہ دی۔ لیکن ہر حالت میں ان کی کوششوں میں ایک بڑا نقص یہ قائم رہا۔ کہ ہر ایک نے اپنے مذاق اور مذہبی عقیدہ کے مطابق اصل کتاب کو کانٹ چھانٹ کر اس کی شکل ہی تبدیل کر دی۔ یہی باعث ہے کہ بحالت موجودہ جسقدر کشمیر قدیم کی برائے نام تاریخیں موجود ہیں۔ وہ گویا مترجم یا مولف کے ذاتی خیالات کا عکس ہیں۔ اصل کتاب کی خوبیاں اول تو ان میں بالکل ہی ناپید ہیں۔ اور جو کہیں کہیں نظر بھی آتی ہیں۔ تو ان کے معنی اس قدر بگاڑ دئے گئے ہیں۔ کہ بادی النظر میں کوئی شخص دونوں کی مطابقت پر یقین نہیں کر سکتا ہے۔

ایک پبلشر کی حیثیت میں اس کتاب کو ناظر کے ہاتھ میں دیتے ہوئے میرا صرف اسی قدر پرولوگ پر اکتفا کرنا شاید زیادہ موزون ہوتا۔ لیکن بعض باتیں مجھے اس بیان کو ختم کرنے سے پہلے چند اور الفاظ بھی کہہ ڈالنے پر مجبور کرتی ہیں۔ جو ہندوستان کی موجودہ تمدنی حالت پہ نظر کرتے ہوئے لکھ دینے ضروری معلوم ہوتے ہیں۔ میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ یہ کتاب جس زمانہ کی تصنیف ہے سارا اول سے آخر تک اسی کے رسم ورواج اور مذہبی عقائد میں رنگی ہوئی ہے۔ اس کے ابتدائی حصوں میں بعض باتیں ایسی بھی درج ہیں۔ جو آج کل کی سائنٹفک روشنی میں بعید از قیاس اور ناممکن الوقوع خیال کیجاتی ہیں۔ میں یہ بھی مانتا ہوں۔ کہ مذہب کو تاریخ سے جدا رکھنا کسی مورخ کا فرض اولے ہونا چاہیے۔ تاہم میں ان لوگوں کے خیالات کی عزت کرتا ہوا جو مجھ سے اس بارہ میں اختلاف رائے رکھتے ہوں۔ یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتا۔ کہ اس کے

ہرگز یہ معنی نہیں ہو سکتے۔ کہ ہم تاریخ کے کسی واقعہ کو محض اس لئے قلم زد کر دیں کہ وہ ہمارے مذہبی عقائد سے مطابقت نہیں رکھتا۔ تاریخ قدیم کے فوق الفطرت واقعات کو ہمیں ویسی ہی تقدیس کی نگاہ سے دیکھنا چاہیئے۔ جیسے کسی مذہب کے عقائد کو خواہ وہ کتنے بھی بعید از عقل یا خارج از فہم ہوں دیکھا جاتا ہے۔

میرا ایک راسخ الاعتقاد ہندو دوست اس بات کا معتقد ہے کہ راجہ ہرِیشچندر جسم سمیت سورگ کو چلا گیا تھا۔ ایک سکھ اس بات پر مُصر ہے کہ گورونانک صاحب جسم فانی کے ساتھ ہی عالم جاودانی کو سدھار گئے تھے۔ پیروانِ ملت اسلام اس بارے میں یقین واثق رکھتے ہیں کہ حضرت محمدؐ صاحب واقعتاً میں خداوند تعالیٰ سے ملنے آسمان پر تشریف لے گئے تھے اور ہمارے عیسائی بھائی حضرت عیسےٰ کے قبر سے نکل کر مع جسم کے آسمان پر پہنچ جانے کو درست مانتے ہیں۔ جب معاملات کی یہ صورت ہے تو میری دانست میں کسی مذہب کے پیرو کو بھی اس بات کا حق حاصل نہیں کہ وہ راج ترنگنی کا مطالعہ کرنے کے بعد راجہ پرورسین ثانی یا راجہ سِدھ کے زندہ سورگ میں پہنچ جانے کو ناقابل یقین خیال کرے۔ ہمارے لئے اس قسم کے واقعات ایک ہالہ تقدیس کے اندر چُھپے ہوئے ہونے چاہیئیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہمارا ضمیر ان کے وقوع پذیر ہونے کا قائل نہ ہو۔ نہ سہی۔ بہر نوع ہمیں اس بات کا حق حاصل نہیں کہ ہم انہیں بے سوچے سمجھے فرضی اور من گھڑت تسلیم کر کے ان پر اعتراض کرنے لگ جائیں۔

میں اپنے منشا کو چند ایک مثالوں کے ذریعہ واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں ایک مسلمان اس بات کا معتقد ہے کہ کعبہ کا سنگ اسود کسی زمانہ میں جاندار فرشتہ تھا لیکن بعد میں بددُعا کی وجہ سے پتھر بن گیا مگر وہ برہمنوں کی بددعا سے راجہ دامودر ثانی کے سانپ بن جانے کے واقعہ پر یقین نہیں کرتا ہے۔ ایک راسخ الاعتقاد ہندو گوتم کی بددُعا سے اہلیہ کا پتھر ہو جانا قرین قیاس سمجھتا ہے لیکن راجہ دامودر کے واقعہ

کو مورخ کی گپ قرار دیتا ہے۔ ایک عیسائی محقق حضرت عیسیٰ کے کئی ایک مُردوں کو زندہ کر دینے کا قائل ہے مگر وزیر سندھی متی کے جوگنیوں کے ہاتھوں دوبارہ زندہ ہونے کو سراسر باطل اور محض دروغ ٹھہراتا ہے۔ ایک یہودی ہر چند کہ حضرت موسیٰ کی قوم کے لئے ہر روز صبح کے وقت آسمان سے من و سلوا کا اُترنا صحیح سمجھتا ہے تاہم راجہ تونجن کے عہد میں اس کی قحط زدہ رعایا کے لئے صادق القول رانی داک پشا کی دعا کی تاثیر سے ہر ایک گھر میں کبوتروں کا پہنچنا خلاف قیاس اور سربسر مبالغہ آمیز سمجھتا ہے۔ دونوں حالتوں کا مقابلہ کر کے فرمائیے۔ انصاف اسی کا نام ہے؟ اگر آپ تعصب کے چشمہ کو اُتار کر ایک آزاد اور راست گفتار مورخ کے ساتھ ساتھ عہد عتیق کے واقعات کی تصاویر دیکھنے کے خواہشمند ہوں تو مناسب طریق عمل یہی ہو سکتا ہے کہ فوق الفطرت واقعات کو اسی نگاہ سے دیکھیں جیسے مذہبی اُمور کو دیکھتے ہیں یعنی دیکھیں سمجھیں اور دم نہ ماریں۔

سطور بالا میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے یہ مطلب نہیں کہ راج ترنگنی کے ہر ایک واقعہ کو درست تسلیم کر لینا ہی ضروری ہے۔ مدّعا صرف اس قدر ہے کہ جو لوگ اپنی مذہبی کتابوں کے معجزات اور بادی النظر میں خلاف قیاس واقعات کی درستی کے قائل ہوتے ہیں۔ انہیں کسی تاریخی کتاب کی تحریر میں محض اس بنا پر دست اندازی کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہو سکتا کہ اس کے خاص خاص واقعات ان کی سمجھ میں نہیں آتے۔ یا اس قدر دقیق ہیں۔ کہ ان تک ان کی عقل کام نہیں دے سکتی۔ ہمارے اس خیال کی اہمیت اس وجہ سے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ اس زمانہ کی کوئی اور معتبر تاریخ موجود نہیں تاکہ دونوں کی تطبیق سے کوئی آزادانہ اخلاقی فیصلہ صادر کیا جا سکے۔

اسی ضمن میں، میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ جن باتوں کو آج سے سو سال پہلے ہم بالکل بعید از فہم و خارج از امکان قرار دیتے تھے۔ وہ اب ممکن الوقوع سمجھی جانے

لگی ہیں۔ فی الحقیقت ان میں سے اکثر تو ایسی ہیں جن پر فی زمانہ عمل ہو رہا ہے۔ سائنس ایک جادو ہے۔ اور سائنس دانوں کے کرشمے شعبدہ بازوں کے حیرت میں ڈالنے والے کھیلوں سے کم درجہ نہیں رکھتے۔ لیکن اس بات کو سمجھ لینا ضروری ہے۔ کہ دنیا میں صرف تاریخ ہی اپنے آپ کو نہیں دہراتی۔ ہر چیز جسمیں سائنس بھی شریک ہے اپنے آپ کو دوہراتی ہے۔ جو سائنٹیفک انکشافات و ایجادات آجکل ہمیں محو حیرت کئے دیتی ہیں ایک زمانہ میں یقیناً ہمارے اسلاف کو معلوم تھیں۔ ہندوستان۔ چین۔ اور مصر۔ بابل اور یونان میں سائنس اس وقت اپنی عجیب و غریب روشنی نمودار کر چکی ہے۔ جبکہ ایک عالم تاریکی میں چھپا پڑا تھا۔ آج سے تیس سال اس طرف کوئی شخص ہندو بزرگوں کے یوگ کی حیرت خیز طاقتوں کا قائل نہ تھا۔ مگر موجودہ علوم مسمریزم و ہپناٹزم کے ماہران کی معلومات پر صاد کر رہے ہیں۔ ایک وقت تھا جبکہ لوگ سنجے کے کئی کوس کے فاصلہ پر بیٹھ کر دھرتا شٹر کو میدان جنگ کی خبریں بتلانے کو محض مبالغہ ہی مبالغہ خیال کرتے تھے۔ لیکن جب گلیلو نے دوربین ایجاد کی تو سارے عالم پر یہ بات واضح کر دی کہ مہابھارت کا یہ واقعہ حشیش کے خواب کا درجہ نہ رکھتا تھا۔ ٹارشل کی ایجاد سے پہلے لوگ اس بات کے ماننے کو ہرگز تیار نہ تھے کہ ایک زمانہ میں راگھو برہمن نے آسمان پر مصنوعی چاند پیدا کر کے دکھا دیا تھا۔ جب تک برقی قوت کا پتہ نہ لگا تھا کسی شخص کو اس بات کی صداقت پر اعتبار نہ آتا تھا۔ کہ جنگ کے موقعہ پر زمانہ سلف کے ہندو تیروں کی طاقت سے دشمن کی فوجوں کو بیہوش کر دیا کرتے تھے۔ کہتے ہیں قدیم بھارت ورش کے رشی حکما مینہ برساتے تھے۔ اس اچنبھے کی توضیح ان یورپین عالموں سے کرائیے۔ جو آجکل مصنوعی طور پر بارش کرنے کے طریقوں پر غور کر رہے ہیں۔ ایسے ہی جب راجکماری اوکھا جادو بنسی شہزادہ پر نادیدہ فریفتہ ہو گئی۔ لیکن مطلوب کا نام اور پتہ دینے سے قاصر رہی۔ تو اسکی بے چینی دیکھ کر چتر ریکھا نے جو اسکی مصاحبہ تھی۔ اسکی ذہنی تصویر

اتار دی۔ اور جتلا دیا۔ کہ وہ شہزادہ فلاں ہے۔ قدیم ہندوؤں کی روایات میں ہوائی جہازوں کا ذکر منکر آجکل کے نوجوان ہنس دیا کرتے تھے۔ لیکن اب جبکہ مغرب میں آلات پرواز اور ہوائی جہاز دن بدن ترقی کرتے جارہے ہیں۔ اس بارے میں لوگوں کے تمام شکوک رفع ہوتے جاتے ہیں۔ قدیم مصر میں ایک خاص دیوتا کی پجارن عورت کو دختر آفتاب کہا کرتے تھے۔ اس کے اختیارات اس قدر وسیع ہوتے تھے۔ کہ بادشاہ تک کو اس کے احکام کے آگے سر تسلیم خم کرنا پڑتا تھا۔ اس عورت کو خبر رسانی کے جو وسائل حاصل تھے وہ آجکل کے سائنس والوں کو محو حیرت کرنے والے ہیں۔ شام کے وقت جب وہ باغ میں سے گذرتی تو روش کے دونوں جانب روشنی کے حروف میں دن بھر کی خبریں کسی پوشیدہ کل کے ذریعہ خود بخود لکھی جاتیں۔ اور تھوڑی دیر کے بعد خود ہی مٹ جایا کرتی تھیں۔ مصر کے میناروں اور ابوالھول کی تعمیر اب تک بڑے بڑے انجنیروں کی عقل چکر میں لا دیتی ہے کہ ہزار ہا ٹن وزنی پتھر کئی کئی سو فٹ کی بلندی تک کیونکر اٹھایا جاسکا ہوگا۔ مصر کی حنوط کی ہوئی لاشیں بخت نصر فرمانروائے بابل کی ملکہ کا معلق باغ اور قدیم اہل چین و یونان کی حیرت خیز ترقیات گو بادی النظر میں ایک عجیب و غریب معما معلوم ہوتی ہیں۔ تاہم سائنس شب و روز ان کے امکان کو ثابت کر رہی ہے۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ ابھی اس بارہ میں کیسی کیسی عجیب باتیں پردہ غیب سے نمودار ہونے والی ہیں۔

ان تمام واقعات پر نظر رکھتے ہوئے ہم اسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ کہ قدیم تاریخی واقعات کی چھان بین میں۔ ہمیں کسی صورت میں عجلت اور جلد بازی سے کام نہ لینا چاہیے۔ سطور بالا میں ان عجیب و غریب ترقیات کی جو قدیم دنیا کے لوگ حاصل کر چکے تھے صرف چند ایک مثالیں بطور مشتے نمونہ از خروارے پیش کی گئی ہیں۔ اور ان کے سلسلہ کو حد نامتناہی تک بڑھایا جاسکتا ہے۔ لیکن ہمارے اس سبق کو حاصل کرنے کے

لئے کہ معلومات قدیم کا جس قدر مصالحہ بھی ہمیں حاصل ہو اس کی پورے طور سے حفاظت کریں اور اپنے نقطۂ خیال سے ناممکن سمجھ کر نظر انداز نہ کر دیں بصرف ان کا بیان ہی کافی ہوگا۔

مجھے افسوس ہے کہ اس بحث کی دلچسپی نے میرے قلم سے مضمون کی طوالت کو نظر انداز کرا دیا ہے لیکن میری دانست میں ان امور کا ذکر دیا جانا ازبس کہ ضروری تھا کیونکہ انہی خیالات کو ملحوظ رکھ کر اصل راج ترنگنی کا یہ مکمل ترجمہ شائع کیا جاتا ہے۔ ہر شخص اس بات کا مختار ہے کہ وہ کسی واقعہ کی درستی کو تسلیم کرے یا نہ کرے لیکن ہم اصل کتاب کا ایک فقرہ بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہتے۔ وقت آئے گا جبکہ یہ قیمتی ذخیرہ ہندوستان کی مستند تاریخ لکھنے والے کے لئے بے حد کار آمد ثابت ہوگا اور اس سے پورے طور پر مدد لی جا سکے گی۔

یہ کتاب کلہن پنڈت کی اصلی تصنیف کا لفظ بلفظ اردو ترجمہ ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ النکار شاستر کے مطابق لائق مصنف نے جو استعارات و تشبیہات اپنی کتاب میں باندھی ہیں۔ انہیں ان کی مناسب صورت میں اردو خواں پبلک کے روبرو پیش کیا جائے۔ اس اعتبار سے السنہ اردو میں سنسکرت لٹریچر کی نخل بندی کا گویا یہ پہلا موقعہ ہے۔

میں آج اس کتاب کو امید اور تذبذب دونوں قسم کے احساس اپنے دل میں لے کر اردو خواں پبلک کے روبرو پیش کرتا ہوں کیونکہ میں نہیں کہہ سکتا کہ علمی مذاق رکھنے والے حضرات کہاں تک اس کی قدر کریں گے۔ لیکن پھر بھی ان دونوں میں امید کا عنصر غالب ہے۔ کیونکہ آج تک دنیا میں کبھی کسی قسم کی محنت رائیگاں نہیں گئی۔ اسی باعث میں پوری امید کرتا ہوں کہ حضرات ناظرین اس کا بغور مطالعہ کرنے سے یقیناً محظوظ ہوں گے۔

بالآخر میں ٹھاکر بھگت رام اور ٹھاکر لچھمن سنگھ کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں جنکی حوصلہ افزا تحریک نے مجھے اس مشکل کام پر آمادہ کیا اور جنکی عملی امداد نے بھی ایسی ضخیم کتاب کو اردو لباس میں عوام کو پیش کرنے کا موقع دیا۔

علاوہ ازیں میں لالہ گنگا بشن اور پنڈت گوپالداس کا بھی بوجہ ان کی قلمی امداد کے بہت کچھ ممنون ہوں لیکن سب سے بڑھ کر میرے اور قارئین کے شکریہ کے مستحق لالہ تیرتھ رام جی فیروزپوری ہیں جنہوں نے اس کتاب کے ترجمے۔ اس کے فٹ نوٹوں اور دیباچہ وغیرہ کی ترتیب میں باوجود اپنی عدیم الفرصتی کے شروع سے لے کر آخیر تک میرا ہاتھ بٹایا ہے۔ درحقیقت اس کتاب کے ترجمہ کے لئے ایسے ہی بالیاقت۔ نکتہ رس اور وسیع معلومات رکھنے والے شخص کی امداد کی ضرورت بھی تھی۔

اچھر چند شاہ پوریہ

دیباچہ

"حقیقی شاعروں کی وہ طاقت واقعی قابل تعریف ہے جو خواہ کیسی بھی ہو امرت کی ندی پر بھی فوقیت رکھتی ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ ان کی اپنی شہرت اور نیز دوسروں کی ناموری غیرفانی ہو جاتی ہے۔ سوائے شاعروں کے...... اور کون ہے جو زمانہ ماضی کے دلفریب کارناموں کو لوگوں کی نظروں کے سامنے لا سکتا ہے؟"

(کلہن پنڈت)

ہماری وسیع تعلیم میں علم تاریخ کے مطالعہ کو صرف اس لئے مستند درجہ دیا گیا ہے کہ ہم میں سے ہر شخص آسانی کے ساتھ اس بات کو معلوم کر سکے کہ ہم کیونکر اپنی موجودہ حالت تک پہنچے ہیں۔ ہر ایک آنے والی نسل کو ابتدا سے اپنے ارتقا کے حالات کی تحقیق کی مصیبت اٹھانا اور قدیم خیالات، حالات اور معلومات کا سراغ لگانے میں دردسری نہ مول لینی پڑے۔ بلکہ لوگ متقدمین کے تجربات اور معلومات کو پیش نظر رکھ کر بغیر کسی دقت کے ان سے مستفید ہوں۔ اور اعلےٰ مقاصد کے حصول کی طرف توجہ دے سکیں۔

(پروفیسر میکسمولر)

یہ امر یقینی ہے کہ جو لوگ تاریخ کے کھوپرے کو نہ توڑیں وہ کبھی مغز تک نہیں پہنچ سکتے۔ دوردراز ممالک کی سیاحت اور عہد گذشتہ کے واقعات کا مطالعہ کرنے

کا حقیقی فائدہ یہی ہے کہ لوگوں کو اس تنگ خیالی سے بچایا جائے جو اس صورت میں یقینی ہوتی ہے کہ ان کا تعلق صرف ایک ہی نسل اور ایک ہی مقام سے رہے کیونکہ اس حالت میں وہ مستثنیات کو قواعد معینہ اور اتفاقیہ امور کو اسباب لازم میں ملاجلا دیتے ہیں؛

(لارڈ میکالے)

تاریخ کا تعلق زیادہ تر بنی نوع انسان کے اس زمانہ کے افعال سے ہے جبکہ تہذیب اس قدر ترقی کر چکی تھی کہ لوگ ملکی تمدن کے رشتہ میں منسلک ہونے لگے۔ اور اس کا خاص منشاء سلطنتوں اور حکومتوں کی ابتداء۔ ترقی اور زوال اور قوموں کے عروج و پسماندگی کے حالات کو برقرار رکھنا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آسمان کے تلے ہر چیز میں لامحدود تبدیلی واقعہ ہوتی ہے۔ اور جو حالتیں افراد کو پیش آتی ہیں انہی کا سامنا قوموں کو بھی کرنا پڑتا ہے۔ ہر ایک قوم پر شباب کا ایک خوشگوار موسم آتا ہے جبکہ اس کی تمام طاقتیں نمودار ہونے لگتی ہیں۔ پھر بالغ مردانگی کا زمانہ آتا ہے۔ جب بیرونی عظمت کے ساتھ اندرونی خوشحالی بھی مشترک ہوتی ہے۔ اور آخر کار بڑھاپے کا بھی ایک زمانہ پیش آتا ہے جب وہی طاقتیں بتدریج ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ حتےکہ ایک وقت آتا ہے۔ جب انسانی موت کی طرح اس قوم کو بھی ایک ایسی حالت میں سے گذرنا پڑتا ہے کہ یا تو وہ اپنے اندر کسی طاقت ور قوم کے لئے جگہ بنا جاتی ہے یا کسی غیر باثر قوم کی مطیع ہوجاتی ہے۔ ہر ایک قوم کے ابتدائی زمانہ میں زیادہ تر تاریخی جنگی معرکوں کا ذکر پایا جاتا ہے۔ دوسرا حصہ حکومت اور قانون سازی اور آرٹ اور لٹریچر کی ذہنی ترقیات میں بسر ہوتا ہے۔ تیسرا یا آخری زمانہ وہ ہوتا ہے جسمیں اجتماعی حقوق اور مختلف طبقات کے مدارج کی نسبت آپس میں جھگڑے فساد چھڑتے ہیں۔ اور نیز اس قسم کی پیچیدگیاں پیش آتی ہیں جو کسی مہذب اور حد سے زیادہ شائستہ قوم کو پیش آسکتی ہیں:

اس طرح پر صدیوں اور قرنہا کے تجربہ نے لوگوں پر یہ بات واضح کردی ہے کہ

حب الوطنی۔ عمدہ شہریت اور زندگی کی سادگی۔ سلطنتوں اور قوموں کی عظمت کا موجب ہوتی ہے۔ اور اندرونی فسادات کمزوری اور بزدلی اور عیش و نشاط کا شوق آخرکار انہیں قعر ذلالت اور غارتباہی میں جھونکنے کا موجب ثابت ہوتا ہے۔

زمانہ سلف کی تاریخ

اس میں کلام نہیں کہ فن تحریر کی ایجاد سے پہلے بھی بے انتہا قومیں اور سلطنتیں صفحہ عالم پر نمودار اور محو ہو چکی ہیں۔ اپنے وقت میں انہوں نے ایک دوسرے سے لڑائیاں بھی کیں اور دیوانی ضوابط بھی قائم کئے۔ لیکن اس زمانہ کی کوئی تحریر موجود نہ ہونے کے باعث ہمیں جو معلومات حاصل ہو سکتی ہیں وہ غیر معتبر اور غیر مکمل ہیں۔ اس قسم کی گزری ہوئی قوم کی نسبت واقفیت حاصل کرنے کا ذریعہ ان کے مذہبی یا قومی گیت۔ بعض اوقات وہ کہانیاں جو زبان زد عام چلی آئی ہوں۔ اور ایک سے دوسرے شخص تک پہنچنے میں عجیب و غریب مبالغے حاصل کر چکی ہوں۔ یا ان کے علاوہ حد بندی کے پتھر قبریں یا مقبروں کے کتبے۔ قدیم عمارات کے کھنڈر۔ عمارتی کتبے۔ سکے۔ اوزار۔ ہتھیار وغیرہ ہو سکتے ہیں۔ اس صورت میں اس زمانہ کے حالات کو جبکہ فن تحریر کی ایجاد ہوئی تھی مبالغہ آمیز یا بعض صورتوں میں فرضی خیال کرنا چنداں غیر موزون نہیں ہو سکتا۔ البتہ اس زمانہ کی تاریخ یقیناً معتبر ہے جسکا مصنف معاصرانہ واقعات کا ذکر کرے۔ یا اپنے مضمون کو اس عرصہ تک محدود رکھے جس کے لئے براہ راست تحریری حالات حاصل ہو سکیں۔ جوں جوں تہذیب ترقی کرتی جا رہی ہے تاریخی واقعات کا علم زیادہ واضح اور معتبر ہوتا جاتا ہے۔ حتےٰ کہ تحریری واقعات کی کثرت محقق کے سامنے ایک اور قسم کی مشکل پیش کر دیتی ہے۔

یورپ کی ابتدائی تاریخ

جو لوگ محض ہندوؤں کو اس بارہ میں قصوروار ٹھہراتے ہیں کہ زمانہ قدیم میں انہیں تاریخ

نگاری کا شوق نہ تھا۔ وہ اس بات کو حیرت کے ساتھ سنیں گے کہ یورپ میں لوی پاس ڈایا کونس۔ جورینیڈ رس وغیرہ نے جو قدیم تاریخیں لکھی ہیں ان کی معلومات کا دارومدار محض قدیم روایات اور قومی گیتوں پر ہے۔ مانا کہ اس قسم کے مصالح کو استعمال کرنے سے بالخصوص اس صورت میں کہ اسے روشن ضمیری سے برتا جائے۔ محقق بہت سی مطلب کی باتیں معلوم کر سکتا ہے۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ ایسی کتابوں میں اصلی واقعات اور فرضی کہانیاں ایک ایسے طریقہ پر ایک دوسرے سے ملائی ہوئی ہوتی ہیں کہ انہیں جدا کرنا امر محال نظر آتا ہے۔ سکے کتبے اور عمارتیں بجائے خود بہت سی تاریخی واقفیت بہم کر سکتی ہیں۔ اوران کے علاوہ جرمنی۔ انگلستان۔ فرانس وغیرہ میں جو ہمن قوم کے لوگوں کی قبریں دیکھی جاتی ہیں۔ وہ بھی تاریخی معلومات کا ایک عظیم ماخذ ہیں۔ سوئٹزرلینڈ اور جرمنی کی جھیلوں کے عمیق حصوں میں بعض مینار پائے گئے ہیں جو اس جگہ کسی نہایت قدیم قوم کے آباد رہنے پر دلالت کرتے ہیں۔ لیکن ایسے ذرائع سے اس نسل کی ابتدا اور نوعیت کی نسبت کوئی خاص یا معینہ واقفیت حاصل نہیں ہو سکتی۔ غرض یہ سب باتیں اس امر کا بین ثبوت ہیں۔ کہ قدیم واقعات کا تاریخی صورت میں قلم بند نہ کیا جانا کچھ ہندوستان ہی سے مخصوص نہ تھا بلکہ مغرب کے ان بلاد میں بھی جنہیں آج اپنی تہذیب و شائستگی پر ناز ہے یہی حالت تھی۔

ازمنہ سابقہ کی تاریخ نگاری

تاریخ نگاری کی ابتدائی کوششوں کے متعلق جہاں تک تحقیق ہوا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس بارہ میں یورپ کے اندر سب سے پہلی کوشش یوری پڈیز نے جو یونان کے حکیم سقراط کا شاگرد تھا۔ کی تھی۔ یہ شخص فیلقوس کے زمانہ میں گذرا ہے۔ اور اس نے جو محنت کی ہے وہ بجائے خود بہت کچھ قابل داد ہے۔ اس کے مقابلہ میں روما کی قدیم ترین تاریخ وہ ہے۔ جو جولئیس ڈنیٹس نے ۱۹۰ق م میں لکھی تھی۔

لیکن انگلستان میں اس طرف سب سے پہلی جو کوشش کی گئی وہ ۱۳۰۰ء میں عمل میں آئی۔ جو مقابلتہً ایک طویل عرصہ بعد کا زمانہ ہے۔ اس کے مقابلہ میں ہندوستان کی رامائن اور مہابھارت جو دو مشہور تاریخی کتب ہیں۔ نہایت قدیم زمانہ کی لکھی ہوئی ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دوسرے ملکوں کی بہ نسبت تاریخ نگاری کا فن ہندوستان میں بہت پہلے سے موجود تھا

ہندوستان کی تاریخ قدیم

لیکن بار ہا یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ اگر قدیم ہندو تاریخ نگاری کے ضروری اوصاف رکھتے تھے تو کیا باعث ہے کہ اس زمانہ کی مکمل یا مسلسل تاریخیں آجکل کہیں نظر نہیں آتیں؟ اس بارہ میں ہندو یا مسلمان محقق ایک دوسرے کے متضاد رائے رکھتے ہیں ہندوؤں کا بیان تو یہ ہے۔ کہ قدیم ہندوستان کی تاریخیں لکھی ضرور گئی ہیں لیکن چند غیر ملکی حملہ آوروں نے کتب خانہ سکندریہ کی طرح انہیں معہ دیگر کارآمد کے جلاکر برباد کر دیا ہے جنگیزی غول مغلیہ اور اسی قسم کے دوسرے چند حملہ آوروں نے جن کا واحد خیال اپنے ویران اور اُجاڑ مقام کو آباد کرنے کے لئے ہندوستان کو ہر پہلو سے برباد کرنے کا تھا۔ ان بیش قیمت تصانیف کو بھی اندھا دھند جمع کئے ہوئے لوٹ کے مال میں شامل کر لیا تھا۔ اور جب ان سے انہیں کوئی خاص فائدہ حاصل ہوتا نظر نہ آیا تو بالآخر انہیں جلا دیا برباد کر دیا گیا۔ بخلاف اس کے مسلمانوں اور ان کے ساتھ یورپین محققوں کے ایک گروہ کو اس بات پر اصرار ہے کہ قدیم اہل ہنود کی تاریخ کبھی لکھی ہی نہیں گئی۔ اور نہ انہیں وقائع نگاری کا شوق تھا۔ دونوں فریق اپنے اپنے دعوئے کے ثبوت میں بڑی بڑی دلیلیں پیش کرتے ہیں لیکن ایک آزاد محقق کا فرض ہے کہ وہ فریقین کے دلائل سُن کر بغیر کسی طرفداری کے ان نتائج کو حاصل کرنے کی کوشش کرے جو واقعات سے ثابت ہوں۔

کسی حق پسند کو اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ چند مسلم حملہ آوروں نے بھی ہندوستان کے قدیم لٹریچر کو ضرور صدمہ پہنچایا ہے۔ یونانیوں نے مصر کے سفنکس یا ابوالہول کی ظاہری صورت محض اس بنا پر بگاڑ دی تھی کہ وہ ایک قدیم تہذیب کی یادگار تھی اس قوم کے ایک فرمانروا نے خزانہ کی تلاش میں اہرام مصر کو کھدوانا شروع کر دیا تھا۔ مسلمانوں نے دہلی کے ایک قدیم یادگاری مینار کی کسی قدر ہیئت تبدیل کر کے اسے قطب مینار کا نام دے دیا تھا۔ اس لئے یہ بات چنداں بعید از توقع نہیں ہو سکتی کہ ہر ایسی قوم جو بلحاظ تہذیب و شائستگی نصف النہار پر پہنچ چکی ہو مستعدد چوٹی کی تصانیف کو ضائع کر دے یا جلا دے کیونکہ اس زمانہ میں فاتح قوم کی فوج کے لئے مفتوح ملک کا تاریخی اور علمی خزانہ محض ایک بے حقیقت شے ہو گا۔ یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ محمد بن سام نے جو سلطان بختیار خلجی کا جرنیل تھا۔ نالندہ اور اودونت پوری کے کتب خانے جلا دئے تھے۔ ایسے ہی علاؤالدین خلجی نے انہلواڑہ اور پٹن اور فیروز شاہ تغلق نے گوہانہ میں بہت سی کتابیں آگ کی نذر کی تھیں اس طرح ایک دو مغل تاجداروں پر بجا طور پر الزام دیا جاتا ہے کہ انہوں نے جو کتابیں جہاں تک ان کے ہاتھ لگیں بلا سوچے آگ کی بھینٹ کیں۔ ایسی حالت میں زمانہ حال کے بعض اصحاب کا اپنے قدیم ہم قوموں کی کرتوت پر پردہ پوشی کی کوشش کرنا چنداں موزوں یا انسب نہیں کہا جا سکتا۔

یہ امر مسلمہ ہے۔ کہ قدیم ہندو صنعت و حرفت۔ دستکاری، معماری، سنگ تراشی شاعری، موسیقی، ڈراما وغیرہ میں معراج کمال کو پہنچ چکے تھے۔ ریاضی اور حساب میں انہیں ید طولےٰ حاصل تھا۔ اس حالت میں یہ کیونکر قرین قیاس ہو سکتا ہے۔ کہ وہ تاریخ نگاری کے فن سے نابلد ہوں۔ بالخصوص اس صورت میں کہ جب بعض تاریخی کتابیں جو زمانہ کی دست و برد سے بچ رہی ہیں۔ اب تک دیکھی جا سکتی ہیں اور اس

بات کو صاف طور پر ثابت کرتی ہیں۔ کہ ان کے مصنف اور بھی اس قسم کی کتابیں لکھنے کے اہل تھے۔

قدیم ہندوؤں کا معراج ترقی

اس بات سے کسی شخص کو انکار نہیں ہو سکتا کہ زمانہ قدیم کے آریہ ہندوؤں نے ہر فن اور شعبہ میں اس درجہ ترقی حاصل کر لی تھی۔ جس کا اندازہ کر کے آج حیرت ہوتی ہے۔

جیکالیٹ صاحب اپنی کتاب "بائیبل آف انڈیا" میں اس بات کو صاف لفظوں میں تسلیم کرتے ہیں۔ کہ:۔

> جملہ علوم و فنون کا منبع آریہ ورت ہے اور تمام علوم اور اکثر مذاہب اسی ملک سے پھیلے ہیں۔

نیائے شاستر (منطق) کے موجد گوتم رشی تھے۔ ویدانت کے عالمگیر خیالات ویاس جی کے دماغ میں پیدا ہوئے۔ یوگ کی حیرت خیز طاقتوں کا اظہار پاتنجل رشی نے کیا۔ سانکھ کا نرالا قانون کپل نے ترتیب دیا۔ علم ہیئت و ریاضی کے موجد ہندو ہی تھے آیورویدا اور جراحی میں انہوں نے کمال پیدا کیا۔ ہندوستان ہی کے پنڈتوں نے دوربینوں کی مدد سے آسمان کے تمام ستاروں کی چھان بین کی تھی۔ ہفتہ کے دن انہی کے مقرر کئے ہوئے ہیں۔ لیتھرج صاحب جنہیں کسی طرح پر ہندوؤں کا طرفدار نہیں کہا جا سکتا اپنی مختصر تاریخ ہند اردو ایڈیشن ۱۸۹۳ء کے صفحہ ۲۳۸ پر لکھتے ہیں:۔

> چھ ویدانگوں میں سے تیسرے ویدانگ کا نام ویاکرن یعنی صرف و نحو ہے۔ پانی جو علم صرف و نحو میں ایک نہایت عالم و فاضل گذرا ہے۔ اس کا ویاکرن بڑا مشہور ہے اور یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ پانی بودھ مذہب کے بانی بدھ سے کچھ پیشتر گذرا ہے۔

یہی صاحب اپنی کتاب مذکور کے صفحہ ۳۰ پر مہرشی بدھ کی پیدائش کا زمانہ "سنہ عیسوی

سے قریب پانسو برس پہلے کا قرار دیتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں جبکہ دوسرے ملک جہالت کی تاریکی میں چھپے ہوئے تھے ہندوستان میں صرف و نحو کا علم غائت درجہ کی لطافت حاصل کر چکا تھا۔

لیکن ہمیں اوپر والے حوالے کا ابھی کچھ اور حصہ بھی درج کرنا ہے۔ لکھا ہے:۔

آخر ویدانگ میں جوتش یعنی علم نجوم داخل ہے۔ اس فن کی نہایت پرانی کتاب جو موجود ہے وہ پراسر کی تصنیف سے ہے۔ مگر آریہ بھٹ جو ۳۰۰ء میں گذرا ہے وہ علم جوتش کا بڑا مصنف گنا جاتا ہے۔ اس نے زمین کی روزانہ محوری گردش کا حال لکھا ہے اور نیز بعض اور ایسی باتیں بھی دریافت کی تھیں۔ جو اس زمانہ کی حیثیت سے بہت بڑھ چڑھ کر تھیں۔ اس علم میں ایک اور مصنف بھاسکر چاری نام ۱۱۱۴ء کے قریب مقام بیدر علاقہ دکن میں پیدا ہوا۔ کہتے ہیں کہ اس نے علم ریاضی کا ایک ایسا مسئلہ دریافت کیا تھا جو زمانہ حال کے ریاضی دانان یورپ کے مسئلہ جزیات سے بہت مشابہ ہے۔

یہی بھاسکر چاری یا بھاسکر آچارج تھا جس نے سب سے پہلے کشش ثقل کو دریافت کیا۔ نیوٹن جو سیب کو درخت سے گرتے دیکھ کر سوچ میں پڑ گیا تھا ابھی پیدا بھی نہ ہوا تھا۔ حساب و مساحت جبر و مقابلہ سب ہندوؤں کی دماغی محنت کے آثار ہیں۔ سنسکرت کی پرانی کتاب سلب موتر میں اقلیدس کی اشکال موجود ہیں۔ جیسا کہ پچھلے دنوں پروفیسر دھرج داس دت نے کلکتہ کے رسالہ ماڈرن ریویو میں لکھ کر ثابت کیا تھا کہ قدیم ہندوؤں میں زراعت کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی تھی۔ بحالیکہ مغرب والوں کی توجہ اب اس طرف پڑنے لگی ہے۔

ہندوؤں کی تاریخیں کس شکل میں ہیں اس تفصیل کا اجمال یہ ہے کہ قدیم آریہ ہندو آرٹ اور

سائنس کے ہر شعبہ میں اس قدر ترقی حاصل کر چکے تھے۔ کہ ان کی نسبت یہ کہدینا کہ وہ تاریخ نگاری سے مس نہ رکھتے تھے گویا ان کی علمی واقفیت کی توہین کرنا ہے۔ البتہ فریقین میں اس بارہ میں جو غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے اس کی ایک وجہ وہ اختلاف ہو سکتا ہے جو قدیم وجدید تاریخ نویسی میں پایا جاتا ہے۔

جس طرح اہل ہند کی طبائع دیگر ممالک کے باشندوں کے خواص طبیعت سے مختلف ہیں۔ اسی طرح ان کی علمی کتابوں میں بھی بمقابلہ اہل مغرب زمین و آسمان کا فرق پایا جاتا ہے مخفی نہ رہے۔ کہ یہ فرق صرف تاریخ نگاری تک ہی محدود نہ تھا۔ بلکہ ان کا فلسفہ۔ نظم۔ فن تعمیر وغیرہ سبھی باتیں ان سے جدا تھیں۔ اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ قدیم ہندوستان میں تاریخ لکھی ضرور گئی ہے۔ لیکن ایک ایسے ڈھنگ پر کہ اسکی تحقیق صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں۔ جو اس زمانہ کے تمدن و رواجوں سے پورے طور پر واقف ہوں۔ جس طرح بعد میں عرب میں وقوع پذیر ہوا۔ ہندوستان میں اسوقت ہر مضمون کو بصورت نظم ادا کرنے کا طریق زیادہ پسند کیا جاتا تھا۔ رزم و بزم کے واقعات جو اس طرح پر منظوم کئے جاتے تھے وہ شروع شروع میں تو بھاٹوں اور کویوں (شاعروں) کو حفظ یاد رہا کرتے تھے۔ بعد میں جوں جوں فن تحریر کا رواج ترقی پکڑتا گیا۔ یہی نظمیں تاریخی حیثیت میں کتابی صورت اختیار کرتی گئیں۔

چنانچہ اب بھی متعدد تصانیف اس قسم کی موجود ہیں۔ جن سے محققان وسیع النظر اور مورخان باخبر کسی مکمل تاریخ کے لئے زمانہ حال کی ضروریات کے مطابق کافی معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ سب سے پہلے پرانوں کو لیجئے۔ کیمبرج صاحب اپنی تاریخ مذکور کے صفحہ ۳۰۸ پر رقم طراز ہیں۔

> آن (پرانوں) میں صرف دیوتاؤں ہی کے نسب نامے اور تذکرے نہیں ہیں بلکہ بادشاہوں اور بڑے بڑے بہادروں کے کرسی نامے درج ہیں جنہیں سے بعض

ایسے ہیں کہ ان سے کچھ کچھ تاریخی حالات دریافت ہوتے ہیں۔"

ایسے ہی مختلف والیان ریاست کے عہد حکومت کے انفرادی تذکرات سے بہت کچھ تاریخی واقفیت حاصل ہو سکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ فارسی زبان کی قدیم شاعری کی طرح ان میں بھی استعارات و تشبیہات کی کثرت اور رنگین بیانی کے استعمال سے گونہ پیچیدگی پائی جاتی ہے تاہم کوئی محقق چاہے تو ان سے بہت کچھ معلومات حاصل کر سکتا ہے۔ ہندوستان کی قدیم تاریخی نظمیں گویا تاریخ ہی ہیں۔ بعض حملہ آوروں کی دستبرد کے باوجود اب بھی جیسلمیر اور پٹن کے کتب خانوں میں اور راجپوتانہ کے رجواڑوں کے پاس کثیر التعداد تاریخی مضمون کی کتابیں ملتی ہیں۔ جن سے زمانہ موجودہ کے نقطۂ خیال کے بموجب ایک مسلسل تاریخ مرتب ہو سکتی ہے۔

مشہور و معروف مورخ بابو رومیش چندر دت جنکی تحریر بطور ایک سند کے مانی جاتی ہے اپنی تمہید میں جو انہوں نے مسٹر جوگیش چندر کے راج ترنگنی کے ترجمے کے شروع میں لکھی ہے اس بارہ میں حسب ذیل رائے کا اظہار کرتے ہیں۔

زمانہ سلف کے اہل ہنود کی کوئی معتبر تواریخ نہ ہونے کا افسوس سر ولیم جونز کے زمانے سے چلا آتا ہے۔ ہندوستان کے زمانہ قدیم کی مسلسل تواریخ قلم بند کرنے کی متواتر کوششیں کی گئی ہیں۔ مگر ہر ایک کوشش میں خواہ وہ کیسی ہی دانائی سے شروع کی گئی اور بڑی محنت اور استقلال سے کی جاتی رہی تھی بجز مایوسی اور ناکامیابی کے کچھ حاصل نہیں ہوا۔ اور زمانہ قدیم کی بابت تحقیقات کرنے والے ناکامیاب محققوں نے آخر اپنی رائے قائم کرلی ہے۔ کہ اب اس کام کی تکمیل کی کوئی امید باقی نہیں وہ قوم جس نے زمانہ قدیم میں علم عروض سیاق اور کئی ایک دیگر علوم کو اس قدر عجیب و غریب کامیابی کے درجہ تک پہنچایا ہمیشہ بغیر تواریخ کے ہی رہیگی۔ اور کہ ہندوستان کے گذشتہ زمانہ کے حالات ہمارے لئے ایسے ہی رہینگے جیسے کہ ایک

کتاب جو سات مہریں لگا کر بند کی گئی ہو اور یہ مہریں کبھی نہ ٹوٹیں گی۔"

جہاں ہم زمانہ قدیم کے ہندوؤں کی کوئی تواریخ نہ ہونیکا متقدمین سے ملا افسوس کرتے تھے وہاں ہم انکی اس رائے سے کہ ہندوستان کے قدیم زمانہ کے حالات ہمارے لئے ایک بالکل سربمہر کتاب کی طرح ہیں کبھی اتفاق نہیں کر سکتے۔ جہاں ہم اس بات میں ان سے اتفاق کرتے ہیں کہ ہندوستان کے قدیم زمانہ کی مسلسل تواریخ لکھے جانیکی امید نہیں وہاں ہمارا یقین ہے کہ خواہ ہمیں ایک مسلسل تواریخ معلوم نہ بھی ہو پھر بھی قدیم ہندوؤں کی نسبت بہت سی مفید اور دلچسپ باتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔ جہاں ہمیں امید نہیں کہ ہم کبھی ان بڑی بڑی لڑائیوں اور مختلف حکمران خاندانوں اور مشہور واقعات کے جو زمانہ قدیم میں ہندوستان میں ہوئے موجودہ ماخذوں سے مسلسل حالات تیار کر سکیں گے وہاں ہمیں یقین ہے کہ اس وسیع مصالح سے مورخوں کو ان بزرگوں کی اصلی تواریخ اور ان کی عجیب شائستگی ضرور معلوم ہو جائیگی۔ اور وہ دیانت داری اور درستی سے آخرکار انکی قومی ترقی اور ان کے گڈریوں اور کاشتکاروں کی صورت میں دریائے سندھ کے کناروں پر آباد ہونے کی تاریخ سے لے کر طاقتور اور خود مختار سلطنتوں کے قائم کرنے تک اور تمام ہندوستان میں مذہب علم اور ہنر کی عجیب و غریب ترقی پھیلانے کے حالات کا ایک خاکہ ضرور بنا سکیں گے۔ اگر ہمیں اس کام میں کامیابی ہو جائے اور اگر ہم معلوم کر لیں۔ کہ کس طرح ہندو قوم نے آہستہ آہستہ ترقی کرتے ہوئے اپنی شائستگی حاصل کی اور اگر ہمیں ہر ایک منزل یا زمانہ کی شائستگی کا پتہ لگ جائے۔ تو پھر ہمیں ہندوستان کی تواریخ کو مکمل کرنے کے لئے راجاؤں یا انکی لڑائیوں کی فہرست نہ ہونے کا چنداں افسوس نہ رہیگا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے متقدمین کی ناکامیابی زیادہ تر ان کے غلط راستہ پر چلنے کی وجہ سے تھی۔ انہوں نے اپنی تمام کوشش ہندوستان کے مختلف حصوں اور سلطنتوں

کے راجاؤں کی ایک فہرست بنانے میں صرف کردی۔ سرولیم جونز اور ان کے ساتھی محققوں نے پرانوں کی متواتر چھان بین کی اور کئی دفعہ فہرستیں بنائی گئیں۔ مگر تمام کی تمام کم و بیش غلط اور فضول تھیں۔ ان کے بعد کئی اور محققوں نے بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی۔ اور مسٹر ایچ۔ ایچ ولسن صاحب نے ہمیں ہندوستان کے چند قدیم سے قدیم حکمران خاندانوں کی ایک فہرست تیار کردی لیکن ہمارا یقین ہے کہ یہ فہرستیں قریباً غلط ہیں بالفرض اگر انہیں درست بھی مان لیا جائے تو سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ ہمیں سورج بنسی یا چندر بنسی خاندان کے راجاؤں کے ناموں کی لمبی لمبی فہرستوں سے کیا فائدہ حاصل ہوگا؟ اگر ہندوستان میں (شمال میں) کشمیر سے لے کر (جنوب میں) دراوڑ اور کرناٹک تک ہر سلطنت کے راجاؤں کی ایسی ایسی فہرستیں تیار کرنا بھی ممکن ہو تو بھی ہمیں ہندوستان کی اصلی تواریخ کا اتنا ہی پتہ ملے گا جتنا کہ ان کی عدم موجودگی میں۔ اور ملک کی سچی تواریخ پھر بھی ہمارے لئے ایک سات مہروں سے بند شدہ کتاب کی طرح رہیگی"۔

"خوش قسمتی سے جب سے زمانہ قدیم کے حالات کی تحقیقات کے طریقوں میں ترقی ہوئی تب سے ایسی کوشش چھوڑ دی گئی ہیں اور ہمیں یہ سبق مل گیا ہے کہ ہم کو اس سے بہتر طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ موجودہ محققین کی کوششوں نے عموماً اور میکس مولر صاحب کی کوشش نے خصوصاً ہمیں یقین دلا دیا ہے۔ کہ جن وسائل سے ہندوستان میں آہستہ آہستہ شائستگی نے ترقی کی وہ معلوم کئے جا سکتے ہیں اور اس مصالحہ کے مطالعہ سے جو ہمارے پاس موجود ہے۔ اگرچہ ہمیں لڑائیوں یا راجاؤں کی تفصیلیں معلوم نہیں ہو سکتیں لیکن قوم کی ہر ایک زمانہ کی ترقی کے حالات دستیاب ہو سکتے ہیں۔ کوئی بڑی قوم کبھی بھی اپنے خیالات اور کارہائے عظیم کے حالات قلم بند کئے بغیر نہیں گذر جاتی۔ اور اگر ایسے ریکارڈ ہندوستان میں بغیر کسی ارادے یا خواہش کے

چھوڑے گئے ہیں تو وہ اور بھی زیادہ معتبر ہیں۔ کیونکہ انکی پن چھان نہیں کی گئی۔ ہر ایک زمانہ اپنے وقت کے لٹریچر میں اپنے خیالات اور شائستگی کی ایک تصویر چھوڑ گیا ہے۔ اور جب ہم ان تصویروں کو اکٹھا کریں اور آہستہ آہستہ بڑھ کر جوان ہوتی یا بڑھاپے کے باعث نحیف اور نزار ہوتی ہوئی قوم کے خط وخال کا مقابلہ کریں تو ہمیں ایک نظر میں ہندو قوم کی تمام تواریخ اور اسکی شائستگی معلوم ہو جاتی ہے۔ نہ تو کہیں سلسلہ ٹوٹتا ہے۔ اور نہ ہی کوئی کڑی گم ہوتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ اگر ہمیں سوسائٹی میں کوئی بڑی تبدیلی واقع ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ تو ساتھ ہی اس کے اسباب بھی موجود پاتے ہیں۔ اور چار ہزار سال کی مکمل مسلسل اور سچی تواریخ جسکا دنیا کی کوئی اور قوم دعوےٰ نہیں کر سکتی۔ ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ اور وہ ایسی صاف جلی قلم سے لکھی ہوئی ہے کہ دوڑتا ہوا آدمی بھی اسے پڑھتا چلا جاتا ہے۔"

"اب ہم ایسے طریقہ پر چل رہے ہیں جسمیں کوئی شک نہیں کہ اس کے ذریعہ موجودہ نسل کی محنتوں کے نتائج بڑے ہی بارآور اور مفید ثابت ہونگے۔ یہ سچ ہے۔ کہ ہندوستان کے زمانہ قدیم کی تواریخ ابھی لکھی جانی ہے۔ مگر مصالح جو ہم اس کے لئے جمع کر رہے ہیں وہ اتنا گراں بہا اور بافراط ہے کہ اس میں سے ایسی تواریخ کے نکالنے کے لئے ابھی بہت بڑے وقت کی ضرورت ہے۔ اور ہمیں مختلف زبانوں کی کتابوں۔ ان کے قوانین اور ہندوستان کی اقوام کی شائستگی کی مختلف حالتوں کے متعلق سالہا سال تک صابرانہ تحقیقات اور نکتہ چینی کرنی پڑے گی۔ اور ایسی تحقیقات کے بعد بھی زیادہ گہری تفصیلات میں بہت کچھ باتیں ایسی ہونگی جنکا ہمیں کچھ پتہ نہیں ملے گا اور جو مشکوک رہینگی۔ مگر باوجود اس کے بڑی درستی اور صفائی کے ساتھ ایک قوم کی تواریخ کا ایسا عام خاکہ تیار ہو جائیگا۔ جس کے ذریعہ ایک فلسفہ داں مورخ بڑی خوشی سے اس قوم کی ترقی کا جو دنیا سے الگ پڑی ہوئی ہے۔ اور جو چار ہزار

سال کے عرصہ میں اپنی شائستگی کو بغیر کسی روکاوٹ کے درجہ بدرجہ حل کرتی رہی ہے پتہ لگائیگا۔"

اسی طرح سٹاین صاحب اپنے ترجمہ راج ترنگنی کے دیباچے کے ابتدا میں لکھتے ہیں۔

اکثر یہ بات کہی جاتی ہے کہ ہندوستان کی ہندوؤں کے زمانہ کی کوئی تاریخ موجود نہیں۔ یہ بیان اس صورت میں راست سمجھا جاسکتا ہے۔ کہ ہم تاریخ کو سائنس اور آرٹ کا ایک شعبہ سمجھ کر ہندوستان کی تاریخ کا مقابلہ اس اعلےٰ درجہ کی کلاسیکل نثر سے کریں جو تاریخ کی صورت میں ہمیں حاصل ہے۔ البتہ جس صورت میں تاریخ سے مطلب تاریخی ترقی یا اس کے مطالعہ کے لئے اسباب کا اجتماع لیا جائے تو پھر یہ بیان غلط ثابت ہونے لگتا ہے۔ جس قسم کی تاریخ روما یا یونان میں مروج تھی یا جس قسم کی آجکل یورپ میں پائی جاتی ہے اسکی نظیر گو قدیم ہندوستان کے شاستروں میں کہیں نہیں ملتی۔ تاہم اگر کوئی شخص تاریخ کے مطالعہ کا شایق ہو تو اس کے لئے اس بارہ میں کافی مصالحہ مہیا ہو سکتا ہے۔ قدیم تاریخ کے ماخذ محض کتبے سکے یا عام آثار قدیمہ ہی نہیں ہیں۔ بلکہ کامل تحقیقات نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ واقعات یا روایات کی قلمبند شدہ کیفیتیں بھی قدیم ہندوستان میں موجود ہوا کرتی تھیں۔

"یہ موقعہ اس قسم کا نہیں ہے۔ کہ یہاں ان بواعث پر بحث کیجائے جو ہندوستان کے السنہ تاریخ کے مغربی طریق پر ترقی پذیر ہونے کی راہ میں حائل ہوئے۔ ان اسباب کا بہت بڑا تعلق ہندوستانی خیالات اور تربیت کی ان خصوصیتوں سے ہے جو ہندوستانی محققوں کے خالص تاریخی واقعات کی تلاش کی راہ میں حائل ہوتی اور انہیں تاریخی ترقی اور تبدیلی کی نسبت کسی خاص احساس تک پہنچنے سے روکتی رہی ہیں۔

انہی بواعث کا بالواسطہ نتیجہ یہ ہے کہ ہمیں لٹریچر کی ایسی شاخوں میں ہندوستان
کی تاریخی معلومات کا بہت بڑا ذخیرہ ملتا ہے۔ جو یورپ کے کسی تاریخی محقق کو اپنے
میدان کی حدود سے باہر نظر آتی ہیں۔ زمانہ قدیم کے واقعات کی جو باتیں روایتی
طور پر لوگوں کو یاد رہ گئی تھیں وہ فرضی اور مصنوعی قصوں کہانیوں کے ساتھ
مل ملاکر ہندوستان کی رزمیہ نظموں، پرانوں وغیرہ کی صورت اختیار کر چکی ہیں
اور گمان کی تحریر کا مدعائے عظیم تعلیمی اور مذہبی تھا تاہم کسی حد تک ان میں
تاریخی پہلو بھی موجود پایا جاتا ہے۔"

ہر چند کہ ہمیں ان تمام خیالات سے جن کا سٹائن صاحب نے سطور بالا میں ذکر کیا ہے پورا
اتفاق نہیں تاہم اس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان میں فن تاریخ نگاری
کے وجود کو مغربی محقق بھی تسلیم کر چکے ہیں۔ اس کے بعد جو اعتراض قدیم ہندوؤں پر باقی
رہ جاتا ہے وہ محض یہ ہے کہ ان کی تاریخ نویسی مسلسل نہ ہوتی تھی اور اس کے ثبوت
میں رامائن اور مہابھارت کو پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ اعتراض محض ہندوؤں پر وارد
نہیں کیا جا سکتا البتہ اس زمانہ کے معیار تاریخ نویسی پر کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ سنسکرت
کو چھوڑ کر یونانی اور لاطینی زبانوں کو بھی دیکھا جائے تو ہومر کی تصانیف یا بعض رومی
مورخوں کی کتابیں کسی طرح اس بارہ میں ان کتابوں پہ فوقیت رکھتی نظر نہیں آتیں
جیسا کہ کلہن نے خود ایک مقام پر ظاہر کیا ہے اس سے پہلے کے مورخوں نے زیادہ تر جدا
جدا فرمانرواؤں کے عہد کے حالات ہی حوالہ قلم کئے تھے۔ یہ حالت سنہ ۱۱۰۰ء سے پہلے
کی تھی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان مورخوں میں یہ طریقہ اس کے ایک مدت بعد تک
جاری رہا اور مختلف مصنف بہت کر کے اپنی بادشاہوں کے حالات قلم بند کرتے رہے
جن کے دربار سے انہیں وظائف وغیرہ ملا کرتے تھے۔ چنانچہ سیتھرج صاحب اپنی تاریخ
ہند (ایڈیشن مذکورۃ الصدر) کے صفحہ ۷۴۲ پر لکھتے ہیں۔

"عتبی نے امیر سبکتگین اور اس کے بڑے نامی گرامی بیٹے اور جانشین محمودؒ کے عہد کی تاریخ لکھی ہے جسکا نام تاریخ یمینی ہے، حسن نظام نے محمد غوری اور قطب الدین ایبک اور شمس الدین التمش کا تذکرہ تحریر کیا ہے۔ اس کتاب کا نام تاج المعاصر ہے اور یہ ۱۲۱۰ء کے قریب دلی میں تصنیف ہوئی ہے اس۔۔ ۔۔۔۔ کا کچھ حصہ منظوم ہے۔۔۔۔۔۔ ان کے علاوہ اور بھی بعض مورّخ ہیں مثلاً عبد القادر بدایونی اور نظام الدین احمد جنہوں نے اکبر کے زمانہ میں تاریخیں لکھیں، اور معتمد خاں مصنّف جہانگیر نامہ اور محمد بن صالح مصنف شاہجہاں نامہ اور مرزا محمد قاسم مصنف عالمگیر نامہ اور سید غلام حسین خاں جو نواب علی وردی خاں کا رشتہ دار تھا۔ اس نے ۱۷۸۳ء میں ہندوستان کی تاریخ لکھی جس میں ۱۸ ویں صدی کے واقعات تحریر کئے"!

اس کے مقابلہ میں راج ترنگنی کا ۱۱۴۸ء میں تصنیف کیا جانا اس امر کی بیّن دلیل ہے۔ کہ مسلسل تاریخ نویسی میں بھی ہندو مسلمانوں سے ایک مدت پہلے ابتدا کر چکے تھے لیکن اس جگہ آکر پھر وہی سوال پیدا ہو جاتا ہے۔ کہ راج ترنگنی کی دوسری باقی کتابیں کہاں گئیں؟ کیونکہ یہ ناممکنات سے ہے۔ کہ اس کے بعد یا اسی کے زمانہ میں کوئی اور اسی ڈھنگ کی کتاب تصنیف ہی نہ کی گئی ہو۔

مورخ کے ضروری اوصاف { صفحات آئندہ میں اس معاملہ پر پورے طور سے بحث کی جائے گی کہ ایک مغربی محقق نے مورخ کے اندر راست بیانی کی اعلےٰ صفت کے موجود ہونے پر کس قدر زور دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر مورخ اپنی تصنیف میں خالص راست بیانی سے کام نہ لے تو اس کی تاریخ ایک فسانہ یا فرضی داستان سے زیادہ وقعت نہیں رکھ سکتی۔ لیکن اس معیار پر عمل کرنا ایک نہایت مشکل کام ہے بالخصوص اس وجہ سے کہ معاصرانہ واقعات کو

حوالہ قلم کرتے ہوئے فرمانروائے وقت کا خوف سر پر سوار ہوتا ہے۔

آخری نقص کے نامُدہ جانے کا اس صورت میں بہت کچھ احتمال ہوتا ہے۔ کہ کوئی تاریخی کتاب کسی فرمانروا کو خوش کرنے کے لئے یا اس کے حکم سے تیار کیجائے۔ مسلمان مورخوں میں یہ عیب بہت بڑی حد تک پایا جاتا ہے جسکا باعث یہ ہے کہ اکثر تاریخیں بادشاہوں کے معاصرانہ کارنامجات کی تفصیل پر مشتمل ہیں۔ فردوسی اور عنصری سے لے کر "جو دونوں محمود غزنوی کے دربار کی زیب و زینت تھے" ہم جسقدر مورخوں پر نظر ڈالتے ہیں ان میں اکثر ایسے دکھائی دیتے ہیں جو اس بادشاہ کے جس کے حالات یا جس کے آبا و اجداد کے کارنامے انہوں نے قلمبند کئے ہیں وظیفہ خوار یا تنخواہ دار ملازم تھے۔ بیتھرج صاحب اپنی تاریخ کے صفحہ ٢٤٥ پر لکھتے ہیں۔

"فرشتہ ہند میں نہایت مشہور مورخ گذرا ہے وہ ١٥٧٠ء کے قریب احمد نگر میں پیدا ہوا اور ١٥٨٩ء سے لے کر ١٦١٢ء تک ابراہیم عادل شاہ ثانی والئے بیجاپور کے دربار میں رہا اس نے اپنے آقا ابراہیم عادل شاہ ثانی کے نام پر ...... تاریخ لکھی ہے اس ...... کا نام تاریخ فرشتہ ہے"

آگے چل کر ہم دیکھتے ہیں کہ ابوالفضل نے جو اکبر کا وزیر اعظم تھا، اکبر نامہ لکھا ضیاء الدین برنی اور شمس سراج عفیف نے بادشاہ وقت فیروز تغلق کے عہد میں تاریخ فیروز شاہی تالیف کی۔ جہانگیر نامہ شاہجہاں نامہ اور عالمگیر نامہ کی نسبت جیسے قبل ازیں تحریر کیا جاچکا ہے وہ بھی بادشاہان وقت یعنی علی الترتیب نورالدین جہانگیر شہاب الدین شاہجہاں اور محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں لکھے گئے تھے۔ امیر خسرو نے بھی جو ایران سے بھاگ کر شاہ بلبن کے دربار میں پناہ گزین ہوا تھا دو تاریخی مثنویاں بہت کچھ مبالغہ آمیزی کے ساتھ لکھی ہیں جنمیں سے ایک میں تو خضر خاں اور دیول دیوی کے عشق کا قصہ ہے۔ اور دوسری میں بادشاہ کیقباد اور اس کے والد بغرا خاں

کی ملاقات کی کیفیت ہے بخلاف اس کے ہندو مورخوں کا شیوہ ہمیشہ راست بیانی پر کاربند ہوتا تھا کلہن کی راست گفتاری کی داد ٹائن صاحب جیسے ثالث اور غیر طرفدار شخص نے دی ہے۔ اور اس کا ذکر مفصل طور پر صفحات آئندہ میں کیا جائے گا۔ یہاں پر ایک اور مثال کے ذریعہ ثابت کیا جاتا ہے کہ صداقت کی سپرٹ۔ ہندو مورخوں میں کس حد تک کام کرتی رہی ہے اور انہوں نے اپنی جان کو معرض خطر میں دیکھتے ہوئے بھی راستی کو کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔

بوندی کے راجہ رام سنگھ نے سورج مل کو جو ایک مشہور کوی اور اس کے دربار کا رتن تھا اور جس کی ساری عمر اسی خاندان کی خدمت میں گذر گئی تھی بوندی کی مسلسل تاریخ لکھنے کا حکم دیا۔ سورج مل خاندانی کوی تھا۔ راج گھرانے کے تمام واقعات اسے یاد تھے کتاب لکھنے لگا اور سابقہ حکمرانوں کے حالات ختم کر کے رام سنگھ کے حالات کو ابھی شروع ہی کیا تھا کہ اس نے معہ کتاب کے طلب کیا مگر جب دیکھا کہ اس کی عادت و اطوار کا صاف طور پر بیان کرتے ہوئے ان برائیوں کا بھی اظہار کیا ہوا ہے جنہوں نے اس کے نام پر بٹہ لگایا ہے تو اس نے ان واقعات پر پردہ ڈالنے کی درخواست کی اور کہا

"سورج مل! دیکھو میں ان برائیوں کو نہیں جانتا تھا اور یہ نادانستہ ہو گئی ہیں آئندہ کے لئے میں ان کو ترک کرتا ہوں اور کبھی اس قسم کی زیادتی نہیں کرونگا"

رام سنگھ کی زبان سے جونہی یہ الفاظ نکلے سورج مل نے جھٹ قلم اٹھا کر لکھدیا "مہاراج کے حضور میں ونش بھاسکر" یہاں تک سنایا گیا اور جب انہوں نے اپنی ان زیادتیوں کی اصلیت معلوم کی تو آئندہ کے لئے محترز رہنے کا بیان کیا" اتنا لکھ چکنے کے بعد سورج مل نے کہا مہاراج آپ جو کر چکے ہیں وہ تو اتہاس میں ضرور درج ہو گا البتہ اگر آپ آئندہ محترز رہیں گے تو تاریخ میں آپ کے نام کے ساتھ

برائی نہیں آئیگی"۔ رام سنگھ نے پھر کہا۔ "لیکن تم ان پچھلی زیادتیوں پر بھی پردہ ڈالو اور ایسا خیال کر دگو یا کچھ ہؤا ہی نہ تھا"۔ سورج مل نے جواب دیا۔ "مہاراج یہ نہیں ہو سکتا میرا جسم آپ کا ہے مگر میں اپنا دھرم آپ کے حوالے نہیں کر سکتا میں اپنے فرض کو پورا کرونگا اور کبھی بھی دھرم سے نہ گرونگا"

رام سنگھ کو قبل ازیں خیال تھا کہ سورج مل میرا نمک پروردہ ہے جس طرح کہوں گا مان جائیگا ایسا خشک جواب سن کر طیش میں آگیا اور کہنے لگا "تمہیں ضرور ایسا کرنا پڑے گا"۔ سورج مل نے بڑی شانتی سے جواب دیا۔ "میں جھوٹ نہیں لکھ سکتا۔ البتہ اگر آپ سچے واقعات سننا نہیں چاہتے تو میں آئیندہ لکھنا بند کر دونگا"۔ رام سنگھ نے غصہ سے بھری ہوئی آواز سے کہا "ہاں! ہاں بند کر دو آئیندہ لکھنا چھوڑ دو۔ اس لکھے کو مٹا دو ورنہ ریاست سے نکل جاؤ بس ان دونوں باتوں میں سے ایک کرنی ہوگی"۔

سورج مل چپ چپ دربار سے نکل کر گھر کو چلا آیا اور رخت سفر باندھ وطن کو خیر باد کہہ رت لابھ نامی ایک اور ریاست کو روانہ ہؤا۔ یہاں کا حکمران بلونت سنگھ بڑا علم دوست تھا معہ امیروں اور وزیروں کے اس کے استقبال کو آیا اور باعزت اپنے شہر میں لے گیا چونکہ وہ چاہتا تھا کہ یہ ہمیشہ کے لئے یہیں رہے اس لئے اس نے دس ہزار کی جاگیر دینے کا ارادہ ظاہر کیا مگر سورج مل نے جواب دیا "جب تک رہنا پڑیگا یہیں رہوں گا مگر جاگیر لے کر اس خاندان کو بدنام نہیں کرونگا جس کا نمک پشت بہ پشت کھاتا چلا آیا ہوں۔ والئے بوندی کا کوی ہو کر تمہاری ملازمت اختیار کروں میرے خیال میں یہ مہاراج رام سنگھ کی ہتک ہے"۔ یہ جواب سن کر بلونت سنگھ خاموش ہو گیا لیکن جب یہ خبر رام سنگھ کو پہنچی اور اسے بتلایا گیا کہ وہی سورج مل جو تیرے منہ پہ تیری برائیاں ظاہر کرنے سے نہیں جھجکا وہ کس طرح باہر جا کر تیری ہتک کے

خیال سے تیری دی ہوئی جاگیر سے بھی زیادہ کی جاگیر پر لات مار دیتا ہے تو وہ اسکی اخلاقی جرات اور وفاداری پر عش عش کر اٹھا اور اپنا خاص وزیر اس کے پاس بھیکر ایک معذرت نامہ کے ذریعہ اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور بوندی میں واپس آنے کی درخواست کی۔ سورج مل بھی بغیر ایک حرف شکایت زبان پر لانے کے چلنے کے لئے تیار ہو گیا مگر اس موقعہ پر بلونت سنگھ نے پھر کہا "سورج مل! تم جاتے تو ہو مگر نقصان اٹھاؤگے۔ رام سنگھ تم سے وہی کروانا چاہے گا جو تم نے کرنا نہیں اس پر جان بھی گنوا بیٹھو گے"۔ سورج مل نے مسکرا کر جواب دیا "دھرم تو میں چھوڑنے کا نہیں جسم البتہ قاکا ہے اسے اگر تکلیف دیگا تو کچھ پروا نہیں اس کے حکم سے یہ باہر آیا تھا اسی کے حکم سے پھر بوندی جاتا ہے۔ بلونت سنگھ حیران رہ گیا اور کہنے لگا "وہاں تمہیں آٹھ ہزار کی جاگیر ملتی ہے بس بیس ہزار کی دیتا ہوں یہیں رہو میں تمہاری بڑی قدر کرونگا"۔ سورج مل نے جواب دیا اس کا جواب وہی ہے جو آتے وقت تمہاری دس ہزار کی جاگیر میتے وقت دے چکا ہوں" بلونت سنگھ نے کہا "وقت گنوا رہے ہو پچھتاؤگے پھر ایسا دینے والا نہیں ملیگا" سورج مل نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "تم بھی یاد کروگے پھر کبھی ایسا نہ لینے والا نہیں ملیگا"۔

قصہ طویل ہے مختصر یہ کہ سورج مل بوندی میں واپس آیا وہی رام سنگھ جس نے غصہ میں اسے جلاوطن کر دیا تھا اب اسکی پیشوائی کے لئے آیا۔ سورج مل کی باقی عمر اسی راجہ کی خدمت میں بسر ہوئی۔ اس کے بعد رام سنگھ نے کئی مرتبہ کتاب مکمل کرنے کو کہا۔ مگر اس نے منظور نہ کیا اور آخر اس کے انتقال پر اسے بدرجہ تکمیل کو پہنچایا گیا۔ یہی "ونش بھاسکر" نامی کتاب بوندی کی نہایت معتبر اور مشہور تاریخ ہے۔

سطور بالا میں ایک راستی پسند مورخ کا قصہ تمثیلاً درج کیا گیا ہے اس کے مقابلہ میں ہم فردوسی ایسے بیسیوں اسلامی مورخ دیکھتے ہیں۔ کہ جن کی

جنکی تاریخ نگاری کے سمند کو تازیانہ لگانے والا محض دولت کا لالچ تھا۔ بھلا ایسے مورخوں کی تصانیف کو کہاں تک بنظر اعتبار دیکھا جا سکتا ہے جو سمجھتے ہیں کہ ہماری کتاب جسقدر ضخیم ہوگی اسی قدر معاوضہ کی رقم بڑھ جائے گی اور جنہیں وقت پر موعودہ رقم نہیں ملتی تو اسی بادشاہ کی شان میں مذمت کے اشعار لکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس مسئلہ پر جس قدر بحث کی گئی ہے اس سے ہمارا منشا حاشا وکلاّ کسی قسم کی بدگمانی کسی فریق یا خاص قوم کے افراد کی نسبت پھیلانے کا نہیں ہے بلکہ جو کچھ لکھا گیا ہے اس میں امر بحث طلب یہی ہے کہ تاریخ نویسی یا صحیح تاریخ نویسی کسی خاص قوم یا قوموں کے ورثہ میں نہیں آئی بلکہ ہر قوم نے جو لٹریچر اور آرٹ کے مختلف شعبوں میں مہارت رکھتی تھی اس میں حصہ لیا ہے۔ گو یہ دوسری بات ہے کہ متعدد وجوہ سے آج ان میں سے کسی کی نسبت اچھے یا کسی کے متعلق برے خیالات پھیلے ہوئے ہیں۔

راج ترنگنی ہمیں کیا سکھاتی ہے؟ } راج ترنگنی قدیم فرمانروایان کشمیر کے عروج اور زیادہ تر ان کے زوال کی تصویر ہے جسے ایک زبردست راستی پسند مصنف نے صحیح حالات میں تیار کر کے ہماری نظروں کے آگے رکھ دیا ہے اس کے مطالعہ سے جو بہترین سبق حاصل ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ جب کسی قوم کا ستارہ معراج ترقی پر ہو تو قدرتی طور پر اس کے ہر فعل اور ہر ایک حرکت میں خوبیاں پائی جاتی ہیں اور وہی خوبیاں اس قوم کی سرافرازی کا موجب بن کر اسے تاریخ کے آسمان پر درخشندہ ستاروں کی مانند چمکا کر دکھاتی ہیں حتیٰ کہ اس کے افراد کو نیک و بد کی تمیز نہیں رہتی۔ اس وقت قانون قدرت اپنے نہ بدلنے والے قواعد کو عمل میں لاتا اور اس قوم کو اوج ترقی سے گرا کر اس طرح قعر ذلالت میں دھکیل دیتا ہے کہ اس کا نام و نشان تک صفحہ ہستی سے مٹا دیتا ہے۔ یہی اس قوم کے گناہوں کا کفارہ ہو سکتا جو معینہ اصول حکومت کی

خلاف ورزی کرے۔ ازل سے قدرت کا طرزِ عمل یہی چلا آتا ہے اور ابد تک یہی چلا جائے گا۔ اسی کی دلچسپ مگر دل سوز اور رقت انگیز لیکن عبرت خیز مثالوں سے صفحات تاریخ سیاہ ہیں۔

رامائن اور مہابھارت کے قصے ہمارے اس بیان کی زبان حال سے تصدیق کرتے ہیں۔ یہ موقع نہیں کہ ان میں سے بعض واقعات تمثیلاً اخذ کر کے ناظرین کے روبرو پیش کئے جائیں۔ نہ ایسا کرنے کی چنداں ضرورت محسوس ہوتی ہے کیونکہ قریب قریب ہر شخص جو تاریخ قدیم سے دلچسپی لیتا ہے ان کے عام مطالب سے واقفیت رکھتا ہے۔ جو حشر رامائن کے راون اور مہابھارت کے کوروں کا ہوا وہی جادو بنسیوں کا اس وقت ہوتا دیکھا گیا جب وہ ساحل بحر یر پر ہاس کشینز میں ولیم کے بے نشان ہو گئے۔ اہل بابل کے عروج کا زمانہ قائل ہے نہایت قدیم زمانہ میں انہوں نے وہ وہ ترقیات حاصل کر لی تھیں جن کا ذکر پڑھ کر آج کل کے لوگوں کو حیرت ہوتی ہے رسالہ بیسویں صدی بابت ماہ فروری ۱۹۰۷ء میں ایک مضمون اہل بابل کی تحریرات کے عنوان سے چھپا تھا جس میں سے ذیل کا اقتباس دلچسپی سے پڑھا جائیگا۔

"یونیورسٹی شکاگو نے چند لوگ بابل کے کھنڈرات میں اس سلطنت عظیم کے طرز تحریر معلوم کرنے کے لئے بھیجے تھے۔ ان کو دو ہزار اینٹیں ملی ہیں جن پر زبان شوری میں لکھا ہوا ہے اندازہ لگایا جاتا ہے کہ یہ تحریرات ...۵ برس قبل از عیسیٰ یا اب سے ...۷ برس پیشتر کی لکھی ہوئی ہیں۔ یہ اینٹیں مختلف قدوقامت اور مختلف شکل وصورت کی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ لوگ ان کو ان پر جو کچھ چاہتے تھے لکھ لیتے تھے اور پھر ان کو دھوپ میں سکھا لیا کرتے تھے اسکے بعد یہ اینٹیں مربع بننے لگیں اور ان پر لکھ لکھ کر بچوں کو سکھلانے لگے۔ جیسے آجکل تختیاں ہوتی ہیں بلطف یہ ہے کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ خطوط بھی انہی اینٹوں

پر لکھے جایا کرتے تھے اور ان کا لفافہ بھی اینٹ ہی کا ہوا کرتا تھا اور اس لفافہ پر کاتب اپنی مہر کر دیتا تھا۔ مکتوب الیہ اس مہر یا دستخط کو دیکھ کر لفافہ توڑ دیتا تھا اور پھر خط پڑھ لیتا تھا۔"

ترقی کے زمانہ میں بابلیوں کی سائنٹیفک معلومات صرف یہیں پر ختم نہیں ہو گئیں مولوی ضیاء الدین صاحب اکمل اپنی "تاریخ قدیم" کے صفحہ ۲۱۴ پر ان کی نسبت لکھتے ہیں

"..... بابلونی سورج گرہن کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس وقت چاند سورج اور زمین کے درمیان حائل ہو جاتا ہے سورج چاند۔ ستاروں اور سیاروں کی مختلف حرکات اور ان کے باہمی فاصلوں کی نسبت ان کے معلومات زمانہ حال سے کم نہ تھے کیونکہ بہت سے نتائج انہی کے وقت سے مانے جاتے ہیں یونان کو ان کے علم کا ایک حصہ معلوم تھا جس پر آج یورپ کے علما مونچھوں پر تاؤ دیتے ہیں غالباً بابلونیوں کے پاس دوربین بھی ہو گی کیونکہ ایسے مشاہدات میں اس آلہ کا ہونا ضروری ہے کھنڈرات میں سے بہت سے کتبے ایسے پائے گئے ہیں جنمیں نجوم کے ذریعہ پیشین گوئیاں کی ہوئی ہیں ..... جیسا کہ آجکل یورپ میں موسم کے تغیر اور بارش وغیرہ کی نسبت پیشین گوئیاں کرتے ہیں بابلونیوں میں بھی یہ رواج عام تھا حتیٰ کہ وہ زلزلہ وغیرہ کی نسبت بھی پیشین گوئیاں کیا کرتے تھے۔"

یہ حالت ان کی عروج کے زمانہ میں تھی لیکن جب زوال کے دن آئے تو انکی بد اخلاقی اور بے حیائی انتہا درجہ کو پہنچ گئی۔

"بابلونی غیر ملکوں کے لوگوں کو مائل کرنے کے لئے بڑی سے بڑی بے شرمی کو روا سمجھتے تھے ہر ایک عورت پر فرض تھا کہ اپنی عمر میں ایک دفعہ بلقیس کے مندر کو جائے اور وہاں جو کوئی سر عام اس کا طلبگار ہو اس سے ہم آغوشی کرے۔

بجائے نکاح کرنے کے بابلوی کنواری لڑکیوں کو منڈی میں لے جاکر عام کے سامنے نیلام کرتے تھے اس سے بھی مقصد یہی تھا کہ دور دور سے حسین لڑکیوں کے نظارہ کے لئے لوگ بابلوں کو آویں اور یوں طالبان زر نقدی کھری کریں"۔

اس میں کچھ بھی شک نہیں ہے کہ بابلونیوں کا بالآخر جو حشر ہوا وہ خواہ کسی پیغمبر کی بد دعا سے ہوا خواہ خدائی پھٹکار کے باعث بہر نوع ان کی ریاکاری اس حد کو پہنچ گئی تھی کہ وہ اسی انجام کے مستحق تھے کرتیس ایک یونانی مورخ لکھتا ہے

"اجنبی لوگ کسی لڑکی کے والدین کو حسب المطلب کچھ رقم ادا کر کے ہم بستری کی اجازت حاصل کر سکتے تھے"

نکلس وسکس ایک اور مورخ یونان ان کے آخری ایام کی اخلاقی حالت کا نقشہ بدیں الفاظ کھینچتا ہے

"بابلونیوں کی لڑکیاں ملایم الطبع اور نازک بدن تھیں جوانمرد ان کی رنگین پوشاکوں پر نظر کرنے کو رتبہ اعلےٰ سمجھتے تھے ان کی بالیاں قیمتی اور ملائم لباس قابل دید بنتے ہر ایک شخص بہت سی شادیاں کرتا تھا شراب خوری عام تھی اکل و شرب پر فضول خرچیاں کرتے تھے۔ میزیں سونے اور چاندی کے برتنوں سے لدی نظر آتی تھیں قصہ مختصر بابلونی ہر طرح کی عیش و عشرت پر فدا تھے"

معصیت اور بدکاری گو عارضی وقت کے لئے کسی قوم کی خواہشوں کو پورا کر دے تاہم اس کا انجام ہمیشہ تباہی اور بربادی ہی ہوتا ہے آخری ایام میں بابلونیوں کے اندر وہ تمام عیوب پیدا ہو گئے تھے جو کسی رو بتنزل قوم میں پیدا ہو سکتے ہیں تاریخ قدیم میں مذکور ہے۔

"...... بابلونی بڑے ظالم تھے مفتوحہ قوموں کو ایک ملک سے دوسرے ملک کو جلا وطن کرنا تکلیف دہ اور طویل قید اور مغلوبوں کے بچوں کا ان کی آنکھوں کے سامنے قتل کرنا معمولی سزائیں تھیں ...... بادشاہ وزیر اعظم تک کو ایک اشارہ

سے قتل کرا سکتا تھا اور اگر رعیت بادشاہ کی دشمن ہو جاتی تھی تو وہ بھی بادشاہ کو نہایت ذلت سے مار ڈالے بغیر آرام نہ لیتی تھی۔ اکثر گرم کڑاہی میں پھینک کر اسے جلا دیتے تھے ان تمام ظلموں کی بنا غرور تھا غرور جو ایک مہلک مرض ہے کامیابی کے وقت کم و بیش ہر قوم پر غلبہ کرتا ہے اور انجام کار تباہی کا باعث ہوتا ہے بابلی غرور و تکبر میں تمام ایشیائی قوموں سے بڑھ چکے تھے جس وقت بخت نصر (بنوچد نذر) نے ارد گرد کی ریاستوں کو فتح کر کے شہر بابلیوں کو مالا مال کیا۔ اس وقت تکبر نے بے اختیار اس کے منہ سے نکلوا دیا کیا یہ بابلون وہی ہے جسے میں نے اپنی طاقت بے مثال کے اظہار اور اپنی ذات اعلیٰ کی عزت کے لئے بنایا ہے۔ الغرض یوں بے خودی سے اس قوم کا دماغ پر تعلی ہو گیا تھا"۔

جب اہل بابل تکبر نخوت۔ اوباشی۔ ریاکاری اور بے حیائی کی غار میں گر پڑے تو بالآخر سائرس نامی شاہ فارس نے ان پر حملہ کر دیا۔ بابلونیوں کی یہ حالت تھی کہ:۔

"تمام باشندگان شہر شراب پی پی کر بے خود ہو گئے تھے سائرس کی ابتدائی ناکامیوں نے ہر طرح کا خطرہ ان کے دل سے دور کر دیا تھا تمام نشہ میں غل مچاتے اور گاتے بجاتے رہے سائرس نے بھی ادھر اپنے کام کی تکمیل کی اور دریا کے روانی کے راستہ کے بعد دیگرے سپاہیوں کو شہر میں داخل کرنا شروع کر دیا بے خبر اور غافل شہریوں پر یکایک برق شرر بار کی طرح جا گرے اور قتل عام کرتے ہوئے محل شاہی میں جا پہنچے جہاں شہزادہ کو بدکاری میں مشغول پایا اور قتل کر دیا سائرس شہر بابل کو فتح کر کے......"

یہ اس قوم کے زوال کی ابتدا تھی جس کے بعد وہ اس نوبت کو پہنچی گئی کہ آج صفحہ عالم پر صرف چند شکستہ کھنڈرات کے سوا کوئی نشان اس کا باقی نہیں رہا بابلونیوں کے برابر کی شہرت رکھنے والی دوسری قدیم قوم، اسیرین ہو گذری ہے جس

کا دارالسلطنت نینوہ تھا اور اسی سے اس بات کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ قوم جو اس پر حکمران تھی کس قدر عظمت اور عروج کو حاصل کر چکی ہوگی نینوہ کی حدود کی نسبت وارڈ اینڈ لاک کی باتصویر تاریخ عالم میں مذکور ہے۔

لیارڈ صاحب کا خیال ہے کہ نمرود کویونجک۔ خورسا باد اور قرملس کے جو کھنڈرات موجود ہیں اور ایک وسیع چوکور احاطہ کی صورت میں دیکھے جاتے ہیں حقیقت میں ایک ہی پرانے شہر کے مختلف حصے ہیں اور مجموعی طور پر یہ حصے اس تفصیل سے بہت کچھ مشابہ ہیں جو ڈایوڈورس نے شہر نینوہ کی نسبت بیان کی ہے صاحب موصوف کی رائے یہ ہے کہ کھنڈرات کے چاروں حصے چار محلات شاہی کے آثار ہیں جنمیں سے ہر ایک کسی خاص حصہ شہر میں بنا ہوا تھا بادشاہ وقتاً فوقتاً ہر حصہ شہر کے اندر بنے ہوئے محل میں قیام پذیر ہوتا تھا۔ محل کے گرد دیواریں اور مورچے بنے ہوا کرتے تھے اور اندر رہائشی مکان کے علاوہ شکار گاہیں اور باغ موجود ہوتے تھے جو درختوں باغوں اور اناج کے کھیتوں کے درمیان واقع ہوا کرتے تھے سب سے قدیم حصہ غالباً وہ تھا جہاں دریائے زب دریائے دجلہ میں جا داخل ہوتا تھا اور جس جگہ نمرود کا موجودہ گاؤں واقع ہے چھوٹے درجہ کے درمیانی رخ کے مکانات غالباً بہت جلد منہدم ہو گئے ہوں گے کیونکہ گذشتہ چند سال کے عرصہ میں ان کا کوئی حصہ بھی دیکھنے میں نہیں آیا گو کھنڈرات کی کثرت کی یہ حالت ہے۔ کہ کوئی مزدور ہل چلانے لگے تو ضرور وہاں سے کسی قدیم مقام رہائش کے آثار نکل آتے تھے نینوہ کی وسعت کی نسبت جو کچھ بیان کیا جاتا ہے اس میں غالباً مبالغہ آمیزی سے کام نہیں لیا جاتا کیونکہ اس قوم میں عورتوں کو جدا رکھنے کی وجہ سے مکانات یقیناً زیادہ درکار ہوتے ہونگے۔

اسیرین قوم نے بھی ایک زمانہ میں حیرت خیز عروج حاصل کیا تھا لیکن آخری ایام میں ان کے اندر رفتہ رفتہ وہ عیب پیدا ہونے لگے جو اکثر ان قوموں میں پائے جاتے ہیں جو زوال کی گھاٹی پر اترتی چلی جا رہی ہوں ان کے ظلم وستم کی کوئی حد نہ رہی تاریخ قدیم میں مذکور ہے۔

سپاہی دشمنوں کے سر کاٹ کر بادشاہ کو دکھانے لاتے تھے اس رسم کی بدولت سپاہ غنیم اکثر فنا ہو جایا کرتی تھی ...... اسیرین یوں بھی تو مخالفوں کی ظلمی سرزنش کیا کرتے تھے مگر خصوصاً باغیوں پر بڑی جفا روا رکھتے تھے۔ قیدیوں کے ہونٹوں میں سوراخ کر کے بالیاں ڈالتے تھے اور یکے بعد دیگرے بادشاہ کے پاس لاتے تھے کسی پر تکبرے بادشاہ ٹانگ دھر دیتا تھا کوئی معاف اور کوئی قتل کیا جاتا تھا اور بعض کو غلام بنا لیتے تھے"

بے حیائی میں یہ قوم بھی بابلونیوں سے کسی طرح گھٹ کر نہ تھی چنانچہ ان کے ہاں بھی

بلیتس (ایک دیوی) کے مندر میں ہر عورت کو ایک دفعہ اس غرض سے جانا پڑتا تھا کہ جو شخص سب سے پہلے اس کا خواستگار ہو اس سے ہمبستری کرے ہیرڈوٹس اور کئی اور مورخین اس رسم کا ذکر کرتے ہیں"

بتدریج اسکی اخلاقی حالت اور بھی زیادہ خراب ہوتی گئی حتے کہ ہم دیکھتے ہیں

اس شہر کی بدکاری اور بدلی پایہ کمال کو پہنچ گئی ایک بزدل بادشاہ نے تخت سلطنت پر جلوس کیا اور شب و روز عیش وعشرت میں بسر کرنے لگا مگر لوگوں کا فور ملب انہیں لالہ زرک گناہ کی ترغیب دیتا گم شہر میں بدکاری کے وہ وہ سامان بے تھے کہ فرشتوں کا بھی دل ہل جاتا تھا"

یہ حالت ایک عرصہ تک قائم رہی اور باوجود ان تمام کمزوریوں کے اسیرین اپنے ملک کو محفوظ کئے رہے لیکن تابکے؟ تہذیب اور شائستگی بلاشبہ باشندگان ملک کو طا-

عیش وعشرت بنا دیتی ہے اور عیش وعشرت میں پڑکر قوی سے قوی قوم بھی ضعیف و ناتواں ہوجاتی ہے آخر کار جب اسیریا لوگوں میں بد چلنی اور بدکاری درجہ انتہا کو پہنچ گئی اور بادشاہ وقت کے مظالم کا پیالہ لبریز ہوگیا تو قدرت نے ان کی سرکوبی کے لئے سیتھ (یا سیس) نامی ایک جنگلی قوم کو جو ایک زمانہ میں ہندوستان میں بھی وارد ہوچکی ہے پیدا کردیا اس قوم کا تاریخوں میں عجیب وغریب حال مذکور ہے چنانچہ لکھا ہے کہ

سیس جہاں کہیں کسی دشمن کو قتل کرتے تھے اس کے خون کو پی لیتے تھے اور اس کا گلا کاٹ کر بادشاہ کو مقتول کا سر دکھلاتے تھے بعد ازاں سر کی چمڑی اتار کر اپنی لگام کے ساتھ لٹکا دیتے تھے دشمن کے ہاتھ اور بازو کو چھیل کر چمڑے سے ترکش بناتے تھے اور مقتول کی کھوپری کو پانی پینے کے لئے استعمال کرتے تھے...... مندر میں ننگی تلوار کو پوجتے تھے اور اس کے سامنے آدمی یا جانوروں کو ذبح کرکے پانی تلوار پر ڈالتے تھے اور مفید دشمنوں کا قیمہ بناتے تھے سیس...... تمام باشندوں کو قتل کرتے اور شہروں کو جلاتے آگے بڑھے اور فصلوں کو چپٹ کردیا...... اس ظالم اور جفا کار قوم نے اپنے مفتوحہ ملکوں میں سوائے کھنڈرات اور برباد شہروں کے اور کوئی نشان نہ چھوڑا۔ ملک اسیریا خصوصاً ان کی حملہ آوری سے ایسا ضعیف ہوگیا کہ ان کا راج اب برائے نام ہی تھا...... قصہ مختصر سلطنت اسیریا جس نے تاریخ قدیم میں اس قدر شہرت حاصل کی ہے ان خرابیوں کے باعث صفحہ ہستی سے نابود ہوگئی"

ایشیا کی ان قوموں کا ذکر کرتے ہوئے جنہوں نے اوج ترقی پر پہنچکر اپنے اعمال بد اندرونی بدنظمی اور اوباشی کے باعث اپنے آپ کو تباہ کیا قوم مید کا ذکر کرنا بھی

ضروری معلوم ہوتا ہے۔ زمانہ قدیم میں ملک میدیا میسوپوٹیمیا کے مشرق میں واقع تھا اور اس کے شمال میں جھیل کیسپین، شمال مغرب میں آرمینیا مغرب میں آسیریا اور جنوب میں ایران واقع تھا۔ یہاں کے باشندے آجکل کے ایرانیوں کی طرح نسل آریہ سے تھے اس قوم کے عروج کا یہ حال تھا کہ اس کی مملکت دریائے سیحوں سے لے کر دریائے ستلج تک پھیلی ہوئی تھی۔ طاقتور اس قدر تھی کہ توریت میں مذکور ہے کفار میں سب قوموں سے طاقت ور اور سارے کافروں سے زیادہ خطرناک" تمدن کا اثر ایسا زبردست تھا کہ اسکا اثر آجتک پارسی قوم میں پایا جاتا ہے چنانچہ اسی قوم کی نسبت مذکور ہے کہ مردوں کو نہ جلاتے اور نہ دفن کرتے تھے کیونکہ اس سے عناصر کی بے ادبی ہوگی مردوں کو بلند مکان پر جو چاروں طرف لوہے کی سلاخوں سے بند ہوتا تھا پھینک دیتے تھے تاکہ چیلیں وغیرہ انہیں کھا جائیں"۔ پارسیوں کے دخمے یا ٹاورز آف سائلنس اسی طرز پر بنے ہوئے آجتک دیکھے جاتے ہیں۔

یہ حالت تو اس کے ترقی کے زمانہ کی تھی لیکن آخر کار آصفائی

ملک میدیا کا زوال بدانتظامی کے باعث شروع ہوا۔۔۔۔ ملک کے رعب وداب میں فرق آنے لگا ابتدائی فتوحات نے قوم میدیا کو مغرور اور امن پرست بنا دیا تھا۔۔۔۔۔ الغرض استیاگس کی غفلت اور کمزوری نے سارس (شاہ فارس) کو زبردست ہونے کا موقعہ دیا"۔

سطور بالا میں سارس شاہ فارس کا ذکر ایک سے زیادہ مرتبہ آیا ہے جس سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ یہ فارس کا کوئی نہایت زبردست بادشاہ گذرا ہے اور واقعہ میں یہ خیال درست ہے اس بادشاہ کے زیر حکومت قدیم فارس بہت بڑے عروج تک پہنچ گیا تھا ایک دنیا اہل فارس کے نام سے کانپتی تھی تاریخ میں لکھا ہے

جب سارس ۴۰ سال کا ہوا تو اس نے تمام ایشیا کو سپاہ فارس کے سامنے عاجز

پایۂ تخت بابلونیا جو تہذیب اور طاقت میں ایک وقت دنیا میں بے نظیر تھا برباد ہو گیا شہر بابل جو چند سال پہلے صنعت و آرائش کا مخزن تھا شہر خاموشاں کی طرح یاس و بیکسی کا گھر بن گیا دریائے سندھ سے لے کر مصر تک فارس کا پھریرا لہراتا ہوا نظر آتا تھا قوم سمیت کا نام جس نے تہذیب میں اس قدر ترقیاں کی تھیں آس پاس کی قوموں کو فراموش ہونے لگا اور آریہ نسل کے لوگ جا بجا پھیلنے لگے"

مشہور مورخ ہیروڈوٹس فارس کے اس الوالعزم بادشاہ کے عادات کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے:۔

بادشاہ سارس نہایت چالاک الوالعزم اور بہادر تھا فنون جنگ سے بھی وہ بخوبی واقف تھا سعایا کے ساتھ خوش خلق اور مہربان تھا مگر حد اعتدال سے کبھی تجاوز نہیں کرتا تھا جب قوم ایونی (لفظ یونان اسی سے لیا گیا ہے) نے سارس کے مفتوح ہو جانے کا حال سن کر سارس کی اطاعت قبول کرنے کے لئے ایک پیغام روانہ کیا تو سارس نے یوں جواب دیا ایک ماہی گیر مچھلیوں کا ناچ دیکھنا چاہتا تھا اس نے ہزار بیری بجائی مگر مچھلیاں خاموش رہیں آخر کار اس نے جال ڈال کر ان کو پانی سے باہر نکالا تب تو ساری کی ساری ناچنے لگیں مگر ماہی گیر نے کہا کہ اب میں تمہارا ناچ دیکھنے سے باز آیا جب میں چاہتا تھا تب تو تم ناچتی ہی نہیں تھیں"

یہ زمانہ قوم فارس کے عروج کا تھا۔ اس زمانہ کے:۔

"فارسی میدان جنگ میں نہایت بہادر اور قوی حوصلہ تھے جس زمانہ میں انہوں نے فتوحات کا خیال کیا ہے تو کوئی مشرقی یا مغربی قوم تاب مقاومت لا نہیں سکی اور آخر میں یونانیوں پر بھی حملہ کر دیا..... زمانہ قدیم کے تمام شاہان فارس جنگ کے شوقین تھے اور ملک گیری اور سپاہ گری نے انہیں کبھی چین

نہ تھا یونانی مورخین اس بات پر بہت زور دیتے ہیں کہ فارسی نہایت راستباز اور صاف دل لوگ تھے۔ باقی مورخ بھی یہی کہتے ہیں کہ شہسواری تیراندازی اور صداقت میں یہ قوم بے نظیر تھی۔ قرضداری۔ خرید فروخت اغرض ہر ایک بات جس میں جھوٹ کو دخل ہو سکے انہیں ناپسند تھی۔"

اس زمانہ میں ان کی پوشش بھی بالکل سادہ تھی فضول خرچی سے کچھ سروکار نہ تھا چنانچہ سپاہی کرتہ اور پاجامہ چمڑے کا پہنا کرتے تھے اور ان میں نمدو رلوٹوپیوں کا رواج تھا۔ میدان جنگ میں تیروکمان خنجر اور کلہاڑی سے کام لیتے تھے۔

لیکن جیسا کہ اکثر ہوتا ہے جب اس قوم کے زوال کے ایام قریب آئے تو ان میں عیاشی بڑھتی گئی۔

"فارسی جوں جوں عیش و عشرت کے توتین ہوتے گئے سوم بدان میں پہلنے لگیں بالوں کو گھونگھری دار بنانا مصنوعی بال پہننا اور اس قسم کی ہزاروں اور واہیات رسمیں لوگوں نے اختیار کرلیں بعض ننگ خلائق ...... قوت باہ کے نسخوں کی ازحد فکر کرنے لگے خدا نے تو انہیں اشرف المخلوقات پیدا کیا تھا۔ مگر حیف صد حیف کہ وہ حیوانانی طاقتیں حاصل کرنے کے لئے اپنی کوشش اور توجہ کو صرف کرنے لگے...... عورتوں کے لئے کوئی کام وغیرہ کرنا باعث شرم تھا اور نکمے بے فکر شہوانی خیالات کے سوا اور کسی بات کی ان کو سوجھتی نہ تھی بناوٹ اور آرائش کے لئے علیحدہ علیحدہ نوکر تھے عیش و عشرت کے بڑھانے کے لئے نت نئی ایجادیں ہوتی تھیں۔ سلانے کے لئے الگ اور جگانے کے لئے الگ نوکر تھے چال چلن کا حال روز بروز بگڑنے لگا لواطت انہوں نے یونانیوں سے سیکھی اور بلیتس کے مندر میں معصیت کرنا جس کا پیشتر ذکر ہوچکا ہے انہوں نے وہ تم اسیرین سے سیکھا۔"

کسی نے سچ کہا ہے کہ تکبر ہی قوموں کے زوال کا باعث ہوتا ہے، کیونکہ یہ انہیں گنہگار بناتا اور گناہ تباہی لاتا ہے ایک زمانہ وہ تھا کہ فارسی دنیا کی تمام اقوام پر فضیلت رکھتے تھے وہ ایشیا کے بہت بڑے حصہ پر قابض تھے اور یورپ اور افریقہ کے عمدہ ترین املاک ان کے باجگذار تھے آخرکار یہی کامیابیاں ان کے دل میں تکبر پیدا کرنے کا موجب ثابت ہوئیں، جس وقت سے کبر و نخوت ظہور میں آئے ان کی ترقی کا راستہ بند ہو گیا اور وہ دن بدن تنزل کی غار میں گرتے گئے جسکا نتیجہ یہ ہؤا کہ ان میں قسم قسم کی بدکاریاں پھیلنے لگیں ہر شخص کا مقولہ یہ تھا کہ آج ہی آج میں جو کچھ کھایا پیا اور عیش منایا جا سکے منا لینا چاہیئے۔ مبادا کل کو بادشاہ کے قہر کا نشانہ بنکر دنیا و مافیہا کو خیر باد کہنا پڑے غرض شاہ و گدا امیر و فقیر سبھی عیاشی اور اوباشی میں پڑے ہوئے تھے ان کے مظالم اس قدر بڑھ گئے تھے کہ ان کا ذکر پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں

"زمین میں آدھا جسم گاڑ کر پتھروں سے مروانا۔ راکھ میں زندہ دفن کر دینا زبان کو پکڑ کر حلق سے کھچوا کر نکال دینا چمڑی اتار کر مظلوم کو دار پر چڑھانا اور سب سے سنگین طریقہ یہ تھا کہ انسان کو دو کشتیوں کے درمیان یوں باندھتے تھے۔ کہ سر اس کا اوپر رہتا تھا اور کشتیوں کو دریا میں چھوڑ دیتے تھے اس سزا سے مظلوموں کو جو عذاب ہوتا تھا احیطہ تحریر سے باہر ہے کبھی کبھی وہ بیچارہ سترہ روز تک زندہ رہتا تھا اللہ رے تغیر! ایک تو وہ زمانہ تھا کہ فارسی جنگ کے وقت دشمن پر رحم کھا کر اسے رہا کر دیتے تھے قیدیوں کی جان بخشی کر دیتے تھے اور کسی قسم کا عذاب دینا انہیں گوارا نہ تھا اور پھر زوال کے وقت وہ ایسے سنگدل ہو گئے کہ ذرا سی خطا پر سزائے قتل عام کا حکم ہو گیا"

فارسیوں کے زوال کے ایام کا سب سے مشہور بادشاہ دارا گذرا ہے جس کی اس لڑائی کا حال جو سکندر اعظم سے ہوئی سب تاریخ والوں پر روشن ہے ہر چند کہ یہ

بادشاہ بڑا عاقل و فرزانہ تھا لیکن

"افسوس ہے کہ دارا کی تخت نشینی سے پہلے مرض زوال ملک پر کافی اثر کر چکا تھا اس لئے اس بادشاہ کی دانائی اور لیاقت جس میں کوئی بھی شک نہیں کر سکتا اس مریض جاں بلب (ملک فارس) کو شفا دینے کے قابل نہ تھی"۔

نتیجہ یہ ہوا کہ روز بروز ملک زوال پذیر ہو گیا حتےٰ کہ آج جو فارس یا ایران نقشہ پر ہم دیکھتے ہیں وہ اس زمانہ سے ایک بالکل ہی علیحدہ صورت میں نظر آتا ہے وہ فارسی قوم جس نے یورپ اور افریقہ تک میں جھنڈا گاڑا تھا اپنے اعمال کی وجہ سے فنا ہو چکی ہے جیسا کہ وہ تمام قومیں جو برے اعمال کرنے لگتی ہیں ہو جاتی ہیں قدیم مصری بھی بابلونیوں۔ فارسیوں وغیرہ کی طرح ایک زمانہ میں بہت بڑے عروج کو حاصل کر چکے تھے ملکی فتوحات کے علاوہ انہوں نے ذہنی ترقیات بھی اعلےٰ درجہ کی حاصل کر لی تھیں۔ اہل ہنود کی طرح یہ بھی آواگون کے قابل تھے چنانچہ وارڈ اینڈ لاک کی باتصویر تاریخ عالم میں مذکور ہے:۔

مصریوں کا عقیدہ تھا کہ موت کے بعد بھی ایک زندگی ہوتی ہے جس میں بدوں کو سزا اور نیکوں کو جزا ملتی ہے۔ جب مردہ شخص کی روح تمام مخالفانہ طاقتوں پر غالب آ اور ہر ایک خطرناک راستہ میں سے گذر چکتی ہے تو اسے انصاف کی دیوی طبقات زیرین کے آستانہ پر دوہری صداقت کے ہال میں لے جاتی ہے جہاں اوسائرس دیوتا کے تخت کے سامنے جو زیست کا مجسمہ ہے اور ۴۲ ججوں کی موجودگی میں اسکا بڑی سختی سے امتحان لیا جاتا ہے اور مردہ شخص کے دل کو انصاف کے ترازو میں تولا جاتا ہے۔ جسکا نتیجہ تھوٹ جو فن تحریر کا دیوتا ہے لکھ لیتا ہے انصاف پسندوں کی روحیں شتر مرغ کے پروں سے آراستہ ہو کر رع کے دیوتا کے علاقہ میں داخل ہوتی ہیں جہاں مختلف مدارج میں ان کی

عظمت کے اعتبار سے انہیں دیوتاؤں کے ساتھ ملا دیا جاتا ہے بخلاف اس کے بدکاروں کی روحوں کو پاک ہونے کے لئے تاریکی کے ملک میں بھیجدیا جاتا ہے

ان سطور کے مطالعہ سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ قدیم مصری یہاں تک ترقی حاصل کر چکے تھے کہ ہندوؤں کی طرح مذہبی لطافتیں پیدا کر سکتے تھے اس جگہ اس معاملہ پر بحث کرنا جملہ معترضہ معلوم ہو گا کہ ان لوگوں کی سب باتیں ہندوؤں سے یہاں تک ملتی جلتی تھیں کہ یہ اندازہ کر لینا بعید از انصاف نہ ہو گا کہ وہ ہندوؤں ہی کی ایک شاخ تھے جو ان سے جدا ہو کر مصر میں جا آباد ہوئے تھے کیونکہ ان کا گائے بیل وغیرہ کی پرستش کرنا اور ان کے فارسیوں کے ہاتھوں ذبح کئے جانے پر کشت و خون تک تیار ہو نا اسی بات پر دلالت کرتے ہیں لیکن ہمیں سر دست ان باتوں کو چھوڑ کر ان کی ترقی کی حالت دکھانا ہے تاریخ مذکور میں آگے چل کر لکھا ہے :-

سزا و جزا کے اس مسئلہ کے ساتھ ہی باشندگان مصر روحانی تناسخ یا آواگون کے بھی قائل تھے اور اسے روح کو پاک کرنے کا ایک ذریعہ خیال کرتے تھے ان کا خیال تھا کہ مردوں کی روحیں پھر کبھی واپس اس زمین پر آتی اور اپنے گناہوں کی کمی بیشی کے لحاظ سے مردوں یا حیوانوں بالخصوص پرندوں کے جسم میں داخل ہو جاتی ہیں تاکہ اپنی دنیاوی عہد زندگی پورا کر جائیں انکی یہ آمد و رفت اس وقت تک قائم رہتی ہے حتےٰ کہ موت کا منصف انہیں پاک خیال کرنے لگتا ہے اور پھر انہیں اپنی حنوط کی ہوئی لاشوں میں بسنے کی اجازت دیتا ہے جو پہلی موت کے بعد سے اب تک موجود ہوتی تھیں۔ تاکہ وہ روشنی اور زندگی کے آسمانی طبقات میں جا داخل ہوں بخلاف اس کے جو لوگ کسی دیوتا کو نہ مانتے ہوں ان کی روحیں ہمیشہ کے لئے عذاب میں ڈال دی جاتی تھیں۔

یہ تو ان لوگوں کی ذہنی اور مذہبی ترقی تھی۔ لیکن دنیاوی ترقی میں بھی وہ کسی طرح کم نہ تھے جسکا ثبوت اہرام مصر اور ابوالہول کے وجود سے ملتا ہے طوالت کے خوف سے ہم ان بواعث کی مفصل کیفیت کو نظر انداز کرتے ہیں جنسے اس قوم کا زوال ظہور میں آیا لیکن اس میں شک نہیں کہ سب سے بڑا سبب ان کی عیش پرستی اور انتظامی خرابی تھی۔

ان کی عظمت کے دن اب قریب الاختتام تھے جب اماسس کو سایس کے مندر کے صحن میں دفن کر دیا گیا تو فارس کے بادشاہ کمبیس نے اس مشہور قدیم ملک سے جنگ چھیڑ دیا اماسس کا بیٹا سمنٹیس پیلوسیم (سویز) کے قریب ایک خونریز لڑائی میں ۵۲۵ ق م میں مغلوب ہوا اور اسکی سلطنت اہل فارس کے ہاتھ میں چلی گئی"

اس طرح پر گویا اس عظیم الشان قوم کے عروج کا خاتمہ ہوا۔

زمانہ قدیم میں ایک اور نہایت مشہور بحری قوم فنیشین یا فنکی گذری ہے جو بحیرۂ شام اور لبنان کے سواحل کے درمیان آباد تھی۔ محنت اور ذہنی ترقی کی بدولت اس قوم نے بہت سی عجیب وغریب ایجادات دنیا کے روبرو پیش کی تھیں جن میں چند ایک شیشہ سازی۔ ارغوانی رنگ وغیرہ ہیں اور انہوں نے ہی سب سے اول آوازی تحریر کا فن ایجاد کیا تھا۔ کاتنے بنانے۔ بننے۔ معماری اور دوسری صنعتوں اور حرفتوں میں بھی اس قوم نے خوب نام پیدا کیا تھا۔ عروج کے زمانہ میں ان کی تجارت یہاں تک ترقی کر چکی تھی کہ مشرق کا سونا اور موتی۔ افریقہ کا ارغوانی رنگ ہاتھی دانت اور شیروں کی کھالیں۔ عرب کا عود۔ مصری کپڑے اور ظروف گل اور یونانی شراب۔ قبرس کا تانبہ۔ ہسپانیہ کی چاندی۔ انگلستان کا رانگہ اور ایلبا کا لوہا۔ انہی کے ہاتھوں میں سے گذرتا تھا

ان کی بحری سیاحتوں کی نسبت یہاں تک سنا گیا ہے کہ مصری بادشاہ نیکو کے زیر کمان انہوں نے تین سال کے عرصہ میں افریقہ کے جنوبی حصہ کے گرد چکر لگایا تھا وہ نہ صرف کپڑا بن شیشہ بنا اور رنگ تیار کر سکتے تھے بلکہ ہاتھی دانت سونے اور دھاتوں کے ظروف اور ہر قسم کے زیورات تیار کرنے کے بھی اہل تھے لیکن ایام زوال میں ان کی یہ حالت ہو گئی کہ مورخوں کو ان کی نسبت لکھنا پڑا۔

ان کا مذہب زیادہ تر وحشیانہ مظالم اور بداخلاقی کے رواجات کا مرکب تھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مدعا اوباشی اور وحشیانہ حرکات کو قابو میں رکھنے کی بجائے زیادہ تر انہیں بڑھانا تھا دولت مند فنکی اکثر کاہل آرام طلب اور عیش پسند پائے جاتے تھے اب ان کی زندگیوں کا مقصد اعلےٰ دولت حاصل کرنا نہیں تھا اور نہ ان کی بنا کسی معینہ اخلاقی اصول پر قائم تھی جس طریق پر وہ سورج کے دیوتا بعل اور پیدائش اور افزائش کی دیوی اشترہ کی پوجا کرتے تھے وہ بے حد اخلاق سے گرا ہوا اور اوباشانہ تھا۔

کچھ تو نفس پرستی کا یہ مذہب اپنی بداخلاقی ہی کے باعث قابل نفرت تھا کچھ وہ طریقہ جس کے مطابق یہ لوگ تباہ کن اور قاتلانہ جنگ کی طاقتوں آگ کے دیوتا مولوچ اور برچھے سے مسلح اشترے کی جسکی نسبت عام عقیدہ یہ تھا کہ وہ اشترہ دیوی کے ساتھ ملکر ایک دیوتائی وجود کی صورت میں ہے پرستش کرتے تھے وہ اپنے ظالمانہ اور بے رحمانہ مراسم کے باعث نہایت خوفناک اور بھیانک تھا۔

انسان بالخصوص بچے اور جوان جو بنی نوع آدم کے قبضہ کی نہایت قیمتی چیزیں ہیں قربانی کے طور پر خشمناک اور طاقت ور دیوتا مولوچ کی نذر کئے جاتے تھے اور جب آگ میں جلتے وقت ان کی دردناک چیخیں سنائی

دینے لگتیں تو یہ لوگ خوب زور زور سے بانسریاں اور نقارے بجاتے تھے تاکہ ان کے شور و غل میں وہ آوازیں دب جائیں۔ نوعمر کنواری لڑکیوں کو سیبلن کی ریامنت کیش دیوی استرتے پر قربان کیا جاتا تھا اور پجاری اور پرستار ان دیوتوں کے موقعوں پر اپنے آپ کو بے طرح زخمی اور مجروح کرتے تھے غرض اس زمانہ میں ان کی مجموعی حالت یہ تھی کہ ان میں بعض مراسم شہوت پرستی کے متعلق بعض وحشیانہ اور بعض ریاضانہ موجود تھے ان میں عیش پرستی اور بے حد فضول جوش پایا جاتا تھا لوگ بوجہ ضدی بن چکے تھے زمانہ کاہلی کو بہت پسند کرتے تھے اور ہر قسم کے ظلم و ستم پر شیدا تھے؛

اس حالت کو پہنچنے کے بعد روز بروز فنگی زوال پذیر ہوتے گئے اور یہاں تک گرے کہ آج صفحہ ہستی سے ان کا نام و نشان بھی مٹ گیا ہے۔ کوئی قوم فی زمانہ ایسی نہیں جس کی نسبت کہا جا سکے کہ وہ قدیم فنکیوں کی جانشین ہے

ایشیا اور افریقہ کی ان قدیم قوموں کی طرح یورپ میں بھی قدیم رومی اور یونانی بہت بڑا عروج حاصل کر چکے تھے یونان کی قدیم عظمت سے ہر شخص واقف ہے سقراط بقراط و افلاطون۔ ارسطاطالیس وغیرہ سب بڑے بڑے حکما اسی ملک میں ہو گذرے ہیں اس قوم کی بہادری کے معرکے اس وقت تک صفحہ عالم سے معدوم نہیں ہو سکتے جب تک بہادرانہ کارناموں کو سن کر انسانی خون جوش میں آنے کی تاثیر رکھتا ہے تھرناپلی کے درہ میں جس بہادری کا اظہار سپارٹا والوں نے کیا تھا وہ ایسی نہیں کہ انسان اس کی کیفیت سے اور متاثر نہ ہو اس موقعہ پر سرکیز شاہ فارس ۷۰۰۰۰۰ سپاہ اور ۱۲۰۰ بڑے بڑے جہازوں کا بیڑا ہمراہ لے کر یونان پر حملہ آور ہوا تھا تھسلی کا علاقہ مارے خوف کے چپ چاپ مطیع ہو گیا فوج اتنی بڑی اور عظیم الشان تھی کہ اسے جو دیکھتا تھا ہراساں ہو جاتا۔

سمندر کی ایک شاخ کو عبور کرنے کے لئے اس پر دو پُل بنائے گئے تھے جن پہ سے ساری فوج متواتر سات دن تک گذرتی رہی اس میں ہر قوم اور ہر رنگ کے آدمی موجود تھے ایشیا، خدام اور فوجی ملازموں کا گروہ ساتھ تھا - لاانتہا رتھیں ہمراہ تھیں جن میں عورتیں - باندیاں - آدمی - زنانہ اور مردانہ نوکر سوار تھے ان کے علاوہ گاڑیاں - لدو جانور اور ہر طرح کا سامان طمطراق تھا - ہر قوم کا سپاہی اپنی قومی پوشاک اور اسلحہ پہنے ہوئے تھا - بھاری بھاری ہتھیاروں سے مسلح فارسی اپنے بادپا گھوڑے پر نیم برہنہ عرب اپنے اونٹ پر - سکی اور مشرقی ایرانیہ کے لوگ کمان اور کلہاڑیاں لئے ہوئے اور ایشیا کوچک اور کوہ قاف کی قومیں بنی ہوئی ڈھالیں اور چوبی خود لگائے ہوئے تھیں - ان کے علاوہ ایتھیوپیا کے جوان چیتوں اور شیروں کی کھالیں پہنے ہوئے تھے

تھسلی کو مطیع ہوتے دیکھ کر بیوشیا - آرگس اور بعض دوسرے چھوٹے چھوٹے علاقے بھی اطاعت پذیر ہو گئے اور فوج جسکا حوصلہ ان سعید فالوں سے اور بھی بڑھ چکا تھا خوفناک صورت بنائے آگے بڑھے چلی آئی -

یہ وہ وقت تھا جب یونانیوں نے دنیا پر یہ بات واضح کر دی کہ قومی اتحاد بہادری اور حب الوطنی سے کیا کچھ کر سکتی ہیں -

اس امر کا اعلان کر دیا گیا کہ ہر قسم کے اندرونی فسادات کو بالائے طاق رکھ دیا جائے ..... ماہ جولائی میں جبکہ یونانی قوم کی آلمپک کھیلیں ہو چکی تھیں سرکسیز شاہ فارس اپنی عظیم الشان فوج لئے تھرماپلی کے تنگ درہ کے قریب پہنچ گیا جسکی محافظت لیسی ڈیمونیا کا بادشاہ لیونیڈس کر رہا تھا اس کے ہمراہ صرف ۳۰۰ اہل سپارٹا اور ایک ہزار معاون تھے ان بہادروں نے اس بات کا حلف اٹھا لیا کہ ہم اپنے آپ کو ملک کی

خاطر قربان کر دینگے اور جب تک دم میں دم ہے ملک کو دشمن کا اطاعت پذیر نہ ہونے دینگے"۔

اس کے بعد جو کچھ وقوع پذیر ہوا اسکی کیفیت نہایت دلچسپ پیرایہ میں مس شارٹ ہیمینگ نے اپنی کتاب "اے بک آف گولڈن ڈیڈس" میں لکھی ہے۔

"اتنے میں ایک فارسی گھوڑے پر سوار درہ کا معائنہ کرنے آیا وہ دیوار سے پرے کی طرف نگاہ نہ دوڑا سکتا تھا البتہ اس کے سامنے اور فصیلوں پر اس نے اہل سپارٹا کو دیکھا جنمیں سے بعض کھیل کود میں مصروف تھے اور بعض اپنے لمبے بالوں میں کنگھی کر رہے تھے اس نے دوبارہ بادشاہ کے پاس جا کر اس واقعہ کی اطلاع دی اتفاق سے سرکسیز شاہ فارس کے کیمپ میں ایک جلا وطن سپارٹن شہزادہ ڈیمارٹس نامی موجود تھا جو اب اپنے ملک کے خلاف ہو کر دشمن کا مشیر بنا ہوا تھا سرکسیز نے اسے بلا کر پوچھا تمہارے ہموطن دیوانے ہیں کہ بھاگنے کی بجائے اس قسم کی لغو باتوں میں مصروف ہیں۔ لیکن ڈیمارٹس نے اس کا جواب یہ دیا کہ غالباً کسی خونریز لڑائی کی تیاریاں ہو رہی ہیں کیونکہ اہل سپارٹا جب کسی خاص خطرہ میں پڑنے والے ہوں تو اپنے بالوں کو بڑی احتیاط سے آراستہ کیا کرتے ہیں لیکن سرکسیز کو اس بات پر مطلق باور نہ آسکا کہ اتنی چھوٹی سی جمعیت میری فوج کے دل بادل کا مقابلہ کر سکتی ہے بس وہ چار دن تک اس بات کا منتظر رہا کہ شاید یہ لوگ خود بخود بھاگ جائیں۔ لیکن جب ان کے بھاگنے کی کوئی علامت نظر نہ آئی تو لاچار حملہ کر دیا گیا"۔

تاریخ بتاتی ہے کہ جب شاہ فارس نے ایک آدمی بہ پیغام دیکر لیونیڈس کے پاس

بھیجا کہ بہتر ہو تم اپنے ہتھیار خود بخود رکھ دو تو اس بہادر جرنیل نے جواب دیا اُسے کہ دینا کہ خود آکر لے جائے" پھر جب اس پیغام بر نے کہا کہ دشمن کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ان کے لاانتہا تیروں اور برچھوں میں سورج چھپ جاتا ہے تو یہ کہنے لگا "معافی نہیں ہم سایہ ہی میں لڑینگے" شاہ فارس نے درہ میں سے گذرنے کی بہتیری کوشش کی لیکن گو اس کے ہزاروں سپاہی دشمن کے برچھوں اور تلواروں سے مرگئے گو اسکی "غیر فانی" فوج کے دس ہزار جوان بھی کام آئے تاہم وہ اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہو سکا کیونکہ سپارٹا والوں نے درہ کے تنگ حصہ پر قبضہ جما رکھا تھا جس میں سے ہو کر صرف دو دو چار چار آدمی آسکتے تھے جنہیں وہ ساتھ کے ساتھ مارتے جاتے تھے۔ آخر کار ایفیالٹس نامی ایک دغاباز یونانی نے دشمن کے ساتھ ملکران کی فوج کا ایک حصہ کوہ اٹیا کی بلندی پر سے ایک پگڈنڈی کے راستہ گذار دیا اس جگہ ایک ہزار فوسین لوگ پہرہ کے لئے متعین تھے لیکن وہ دشمن کو دیکھتے ہی فرار ہوگئے آخر کار جب لیونیڈس نے دشمن کو سر آپہنچا ہوا دیکھا تو اس نے اپنے ۳۰۰ سپارٹن جوانوں کو ملک کی خاطر کٹ مرنے پر آمادہ کیا انہوں نے ایک دوسرے کی طرف پیٹھ کرکے ایک دائرہ کی صورت بنالی اور شیروں کی طرح پورے جوش سے اس وقت تک لڑتے رہے حتےٰ کہ ان میں سے ایک بھی زندہ نہ رہا مس ینگ لکھتی ہیں

> لیونیڈس کے پاس کیمپ میں اس کے دو رشتہ دار تھے جو ہرکولیز کا خون اپنی رگوں میں رکھنے کے مدعی تھے اس نے چاہا کہ انہیں سپارٹا والوں کے نام خطوط اور پیغامات دیکر بھیجدوں اور اس طرح مرنے سے بچالوں لیکن ان میں سے ایک نے جواب دیا میں لڑنے آیا ہوں چٹھیاں لیجانے نہیں آیا دوسرے نے جواب دیا میرے کارنامے وہ سب کچھ بتادینگے جو سپارٹا جاننا چاہتا ہے ..... غرض یہ مختصر سا گروہ پہاڑی پر پہلو بہ پہلو کھڑا ہوکر

آخری دم تک لڑتا رہا۔ بعض تلواروں سے لڑے بعض خنجروں سے بعض ہاتھوں سے
اور بعض دانتوں سے بھی حتیٰ کہ جب سورج غروب ہؤا ان میں سے ایک بھی زندہ
نہ تھا مقتولوں کا ایک ڈھیر لگا ہؤا تھا جس پر تیر چمک رہے تھے۔"

جس جگہ جانبازوں کا یہ گروہ کام آیا وہاں پر ان کے اعزاز میں ایک کتبہ کندہ کیا
گیا تھا جس کے الفاظ یہ تھے

"اے مسافر جا سپارٹا سے کہہ دے کہ اس جگہ تیرے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ہم
نے اپنی جان دی"

اب لیونیڈس کی ہڈیاں غبار راہ بن کر اڑ چکی ہیں نہ وہ ستون باقی ہے اور نہ وہ کتبہ
وہ جگہ ہی بدل گئی ہے اور اس کی بجائے نئی زمین دیکھنے میں آتی ہے وہ یونانی اور
سپارٹا والے بھی اب باقی نہیں رہے ان کی عظمت کی صرف کہانیاں باقی رہ گئی ہیں
لیکن پتھر یا پیتل سے زیادہ پائدار اور میدان جنگ سے بھی زیادہ مضبوط لیونیڈس
کا نام ہے اس واقعہ کو گذرے دو ہزار تین سو سال ہو چکے ہیں لیکن اس زمانہ سے
لے کر اب تک اس بات کی یاد نے کتنے دلوں میں جوش پیدا کیا اور کتنے بازوؤں
کو جو حوصلہ ہار بیٹھے تھے ہمت دی ہے کہ تھرما پیلی کے درہ پر سپارٹا والوں نے
شکست کھائی تھی مگر ایسی شکست جو فتح سے بھی بدرجہا بہتر تھی

ایک اور مشہور یونانی سکندر اعظم فاتح دنیا کے واقعات اس قدر مشہور ہیں کہ
ان کے اس جگہ دوہرانے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی وہ ایک بہادر باپ کا بہادر
بیٹا تھا اس کی طرح اس کے باپ فیلقوس کی بہادری کے بھی بہت سے قصے مشہور
ہیں۔ "پرسی انیکڈوٹس" نامی کتاب میں فیلقوس کی نسبت لکھا ہے

میدان جنگ میں کبھی کوئی جنگجو اس سے زیادہ دلیر یا جوشیلا نہیں
دیکھا گیا ڈیموستھنیز جس کی نسبت کبھی اس بات کا شبہ نہیں ہو سکتا کہ اس

نے اسکی چاپلوسی مد نظر رکھ کر کچھ لکھا ہو بیان کرتا ہے کہ ایک بار میں نے اسے دیکھا کہ گو وہ بے طرح زخمی ہو رہا تھا اسکی ایک آنکھ باہر کو نکلی ہوئی تھی اس کی ہنسلی ٹوٹ چکی تھی اس کے دونوں ہاتھ اور پاؤں کٹ چکے تھے تاہم وہ بڑے حوصلے کے ساتھ ہر قسم کے خطرات کا مقابلہ کرتا پھر رہا تھا وہ اس صورت میں بڑی خوشی سے اپنے جسم کا کوئی حصہ قسمت کے حوالہ کر دینے کو آمادہ رہتا تھا کہ باقی حصوں کو بچا کر عزت اور شان و شوکت کی زندگی بسر کر سکے۔"

لیکن یہ سب باتیں یونان کے عروج کے دنوں کی ہیں۔ ایام زوال میں اس ملک کی بھی وہی حالت ہو گئی تھی جو اکثر ممالک کی ہو جایا کرتی ہے چنانچہ فیلقوس ثالث کے عہد حکومت کی نسبت ہم وارڈ اینڈ لاک کی باتصویر تاریخ عالم میں پڑھتے ہیں کہ

"فیلقوس ایک دلیر اور اولوالعزم نوجوان تھا۔ جس نے اپنے عہد حکومت میں بہت کچھ جنگی قابلیت کا اظہار کیا لیکن اسے یونان سے بالکل محبت نہ تھی اور تمام علاقوں پر یکساں طور سے اپنی حکومت قائم کرنے کے لئے وہ تمام باتوں کو مناسب اور واجب خیال کرتا تھا اس کے عہد حکومت کی ابتدا میں اکائن اور ایطولیئین لوگوں میں ایک جنگ چھڑی جو ۲۲۱ء ق م سے ۲۱۵ء ق م تک جاری رہی ...... جان و مال کا تحفظ باقی نہ رہا تھا دیوتاؤں کے مندر بھی بغیر کسی تاسف کے لوٹے جاتے تھے اس تباہ کن لڑائی نے اضلاع یونان کی آخری طاقت بھی شکست کر دی اور سپارٹا ...... کی طاقت اور تمدنی انتظام جو کچھ باقی تھا دور ہو گیا ...... اس کے بعد آپس کے لڑائی جھگڑوں کا سلسلہ حد نا متناہی تک بڑھتا گیا جس کے باعث اہل روما کی طاقت غالب آتی گئی جو بطور ثالث کے مختلف فریقوں میں تصفیہ کرا دیا کرتے تھے۔"

جس طرح ہندوستان میں اس وقت جب کہ ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کا رہا سہا چراغ گل ہو چکا تھا۔ ہر طرف مختلف صوبے خود سر ہوئے تھے ایک طرف پنڈاروں کا زور تھا دوسری طرف ٹھگوں کا۔ سکھ بجائے خود ایک طاقت بن چلے تھے اور مرہٹوں نے پھر ایک بار ہندوؤں کی گئی گذری حکومت کا سماں باندھ دیا تھا۔ ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک انگریزوں کی منصفانہ حکومت کو طمانیت اور مسرت کی نظر سے دیکھا جانے لگا تھا اور اہل ہند تہ دل سے انہیں ملک گیری کی کوششوں میں مدد دیتے تھے ایسے ہی یونان کی حکومت کے زوال پذیر ہوتے وقت دیکھا گیا اہل روما جو انگریزوں کی مانند زیادہ تر ثالث کا کام سرانجام دیتے تھے ملک کو تباہی سے بچانے والے خیال کئے جاتے تھے چنانچہ تاریخ عالم جلد ا کے صفحہ ۳۰۱ پر مذکور ہے:-

اس کے چند سال بعد ۱۸۳ء ق م میں فلوپمین ایک لڑائی کے دوران میں دشمنوں کے ہاتھ میں پڑ گیا...... اور اسے زہر کا پیالہ پینے پر مجبور کیا گیا یونانیوں میں یہ آخری شخص تھا جس کے اندر بہادر کمانڈر اور تربیت یافتہ مدبر کی ضروری صفات کے علاوہ صداقت، سادگی اور دیانتداری اس درجہ کی موجود تھی کہ ایرسٹائیڈس اور ملٹیاڈیس یاد آتے تھے اس کے مرنے کے بعد اکائین لیگ کی طاقت زوال پذیر ہوتی گئی اور اہل روما بڑی سہولیت سے بغیر کسی خاص جد جہد کے ملک پر قابض ہوتے گئے اول اول جب اضلاع یونان مقدونیہ کے اقتدار سے باہر ہوئے تو اس آزادی کو ایک نعمت غیر مترقبہ خیال کیا جاتا تھا لیکن جلدی ہی مختلف فریقوں کے فساد اور اندرونی بدنظمی اور قانون کی خلاف ورزی کے باعث لیڈروں کا زور اس قدر بڑھ گیا کہ جان، مال اور جائداد کوئی چیز محفوظ نہ تھی غریب اور مقروض لوگ جو جد وجہد امیروں اور قرضخواہوں

کے جنگل سے بچپنے کے لئے کرہے تھے اس نے شہری زندگی کو بیخ و بن تک ہلا دیا اور آخر کار جب اہل روما کا اقتدار غالب ہوا اور ملک میں امن و امان برقرار ہو گیا تو سب لوگوں نے اس اطاعت پذیری کو رضامندی کی نظر سے دیکھا"

قوموں کی تاریخ اس لحاظ سے بیحد مطابقت کھاتی ہے کہ ان کے عروج اور زوال کے بواعث اکثر حالتوں میں نہایت قریبی طور پر مشابہ ہوتے ہیں۔ سطور بالا میں جن مختلف قوموں کی بلندی اور پستی کی تصاویر دکھائی گئی ہیں ان سے واضح ہو گیا ہو گا کہ جب کوئی قوم عروج سے زوال کی طرف آنے لگتی ہے تو اس کے اندر مختلف خرابیاں خود بخود قدرتی طور پر پیدا ہو جاتی ہیں اقوام قدیم کے یہ تمام خاکے جو ہم نے اوپر کھینچے ہیں قدیم اہل روما کے عروج و زوال کی تصویر دکھلائے بغیر نامکمل رہیں گے جسکی نسبت انہوں نے اپنی ایک نظم کے دوران میں لکھا ہے

رومی عقاب اپنے دوہرے شکار کو پکڑ کر غرور کے ساتھ بلندی پر جا بیٹھا یہاں ایک ہزار برس تک وہ اپنے پروں کو پھڑپھڑاتا رہا حتےٰ کہ آخر کار طوفان کے تھپیڑے کھا کر اور بڑھاپے سے کمزور ہو کر اپنے بلند نشیمن سے سر کے بل نیچے کی طرف آ رہا اور اسے گرتے دیکھ کر ساری قومیں کانپ اٹھیں"

روئے زمین پر جتنی نامور قومیں ہو گذری ہیں ان میں رومیوں کا مرتبہ بہت بلند ہے ان کا عروج لاثانی اور زوال عدیم النظیر۔ زمانہ حال کی روشنی میں قدیم رومیوں کے کیرکٹر اور ان کی بہادری کو دیکھا جائے تو عجیب عبرت حاصل ہوتی ہے زمانہ ترقی میں ان کے اندر ایسے ایسے بہادر مرد گذرے ہیں کہ جو ملک کی خاطر جان و مال عزت و حرمت ہر بات قربان کرنے کو تیار ہوتے تھے۔ نپولین کی طرح ہر ایک رومی سپاہی لفظ ناممکن کے معنی ہی نہ جانتا تھا۔ میکس نے ایک نظم لکھی ہے۔ جسکا ابتدائی سٹانزہ یہ ہے۔

وہ ایک شریف رومی سپاہی تھا جو روما کے شاہی زمانہ میں ہو گذرا ہے کہ جس نے ایک بزدل ڈینگیں مارنے والے کو قلعہ کے سامنے کھڑے ہو کر یہ کہتے سنا وہ تو ایک مضبوط قلعہ میں محصور ہیں اور اسے سر کرنے کا کوئی راستہ نہیں ہے لیکن اس بہادر نے یہ سن کر کہا آگے بڑھو۔ آگے بڑھو میں راستہ تلاش کروں گا یا بنا لونگا"

ان کی حب الوطنی کا یہ عالم تھا کہ پرسی انیکڈوٹس کی جلد اول میں مذکور ہے:۔
مصری ڈیٹس کی فوجوں سے جنگ کرتے ہوئے جب پومپونیس نامی روما کا ایک نائب مجروح ہو کر زیر حراست کر لیا گیا تو اسے مصری ڈیٹس کے روبرو پیش کرنے لے گئے۔ آخرالذکر نے اس سے پوچھا اگر تمہاری زخموں کی خبر گیری کی گئی اور تم اچھے ہو گئے تو کیا پھر ہمارے دوست بنجاؤ گے؟

پومپونیس نے ایک صادق رومی کی پوری وفاداری کے ساتھ جواب دیا "نہیں مصری ڈیٹس ہرگز نہیں اس وقت تک نہیں جب تک تو رومیوں کا دشمن ہے ان کا دوست بنجا اور پھر پومپونیس تیرا سب سے پہلا دوست ہوگا۔

ان میں خودداری اس قدر تھی کہ مورخوں کا بیان ہے اہل روما اپنے آپ کو دیوتاؤں کی اولاد دیا یا کرتے تھے" جیسا کہ ہر قوم میں دیکھا جاتا ہے ایام عروج میں ان کے اندر بھی اعلٰے ترین خوبیاں اور نیکیاں پائی جاتی تھیں تاریخ شاہد ہے کہ

یہ روما کی جمہوری سلطنت کا ارفع ترین زمانہ تھا اس زمانہ میں قوم کے اندر صدرجہ کی نیکی۔ اخلاق کی بے حد پابندی اور زندگی میں موزون سادگی پائی جاتی تھی۔ دولت اور عیش و عشرت کے خیال میں اس وقت تک لوگ نہ پھنسے تھے زمانہ گذشتہ کے ابرسٹائیڈس کی طرح کرمیس اور مینرشنس اس قدر افلاس کی حالت میں مرے کہ گورنمنٹ کو ان کی لڑکیوں کا گذارہ مقرر کرنا پڑا اور جب مشہور و معروف فیبکس سیکسی مس مرا تو اس کی تجہیز و تکفین کے تمام اخراجات

اس کے دوستوں نے چندہ کرکے پورے کئے تھے ان دنوں صرف نیکی اور روحانی شرافت کی قدر و عزت کی جاتی تھی۔ بہادری شجاعت اور فوجی کارناموں میں امیر اور غریب دونوں ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔ جماعتی تعصب کی جگہ حب الوطنی کے احساس نے لے لی تھی فیر شیس نہ تو پیرس کے سونے کی طمع میں آکر راہ راست سے منحرف ہوا تھا اور نہ اس ہاتھی کو دیکھ کر خائف ہوا تھا جو پردہ کے پیچھے چھپا ہوا تھا

دنیا کی بہت کم قوموں نے وہ عروج دیکھا ہوگا یا دیکھیں گی جو قدیم روما کو نصیب ہوا۔ لیکن افسوس ہے کہ زوال ہر قوم کی آنکھوں پر پٹی باندھ دیتا ہے وہی رومی جو ایک زمانہ میں سادگی کو عیش و عشرت اور عسرت کو امارت پر ترجیح دیتے تھے بالآخر اس قدر عیاش اور کاہل ہے کہ دونوں دو حالتوں کا مقابلہ کرکے حیرت ہوتی ہے۔ جس روما میں مرتس آریلیس جیسی پاک روحیں پیدا ہوتی تھیں انسان کا خون بہتا۔ دیکھیے کا اس قدر شائق ہوا کہ اسکی زمین پر بنی آدم کا لہو پانی کی طرح بہ نکلا عیش پسندی کے زمانہ میں انہیں سب سے زیادہ دلچسپی مختلف ظالمانہ کھیلوں سے تھی جن میں خاص طور پر قابل ذکر شمشیر زنوں کے کرتب ہیں۔ قاعدہ یہ تھا کہ لوگ ایک وسیع میدان کے گرد دائرہ کی صورت میں بیٹھ جاتے تھے اور ان کے مجمع میں بادشاہ اور اہلکار بھی موجود ہوتے تھے پھر اس میدان میں حد درجہ کے بیدردانہ کھیل ہوتے تھے دیکھیے اس بارہ میں مس ینگ کیا لکھتی ہیں

جوں جوں اہل روما زیادہ مغرور اور عیش پسند ہوتے گئے ان کی حالت اس قسم کی بنتی گئی کہ کوئی شخص جو ان کے لئے کھیل اور ضیافت طبع کا سامان پیدا نہ کرے انہیں خوش نہ کر سکتا تھا جب کوئی شخص کسی سرکاری عہدہ پر مامور ہونا چاہتا تو اس کا فرض ہوتا تھا کہ اہل شہر کو اس قسم کے

کے کھیل دکھا کر خوش کرے جنہیں دیکھنے کے وہ عادی تھے اور جب لوگوں میں بدامنی پھیلتی تو ان کا نعرہ مدنظر ہی ہوا کرتا تھا یعنی "روٹی اور کھیل کیونکہ انہی کی پرواہ تھی"

قدیم روما میں کھیلوں کے اس قسم کے جسقدر میدان موجود تھے ان میں زیادہ قابل ذکر کولیزیم تھا جسے شہنشاہ دسپیسین اور اس کے بیٹے ٹیٹس نے بنوایا تھا ایک زمانہ میں اس وسیع عمارت کے اندر ... تماشائی بیٹھ سکتے تھے مگر اب اس کے صرف آثار باقی ہیں گو انہیں بھی ہفت عجائبات روزگار میں سے تصور کیا جاتا ہے

اس کولیزیم میں جس قسم کے وحشیانہ کھیل ہوا کرتے تھے خیال پیدا ہوتا ہے کہ واقعی رومی خود اپنی تباہی کا سامان کر رہے تھے دنیا میں ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ایک شخص حد سے زیادہ سر اٹھائے اور قدرت اس کا سر کچل نہ ڈالے جب آندھی چلتی ہے تو بلند ترین اور زیادہ سرکش درختوں کو سب سے پہلے بنیاد سے اکھاڑتی ہے دریا کی طغیانی میں بڑے بڑے درخت بہ جاتے ہیں لیکن گھاس کے تنکے جو سر جھکا لیتے برباد ہوتے ہیں اسکی رو سے محفوظ رہتے ہیں۔ رومیوں نے جس قدر سرکشی اختیار کی تھی ان میں جسقدر غرور پیدا ہو چکا تھا اور وہ آرام پسندی اور کاہلی کے جسقدر دلدادہ ہو گئے تھے اس پر نظر رکھتے ہوئے ہمیں سب سے بڑھ کر حیرت اس بات کی ہوتی ہے کہ اتنی مدت بھی وہ کیونکر صفحہ ہستی پر برقرار رہ سکے، لیکن اس سوال کا جواب ہمارے کانوں میں یہ پڑتا ہے کہ "خدا کی چکی آہستہ لیکن خوب پیستی ہے"۔ واقعی رومی اس چکی کے پاٹ میں آ کر پسے اور خوب پسے۔ ایسے پسے کہ آج صرف ان کی داستانیں باقی رہ گئی ہیں کوئی قوم یہ کہنے کے قابل باقی نہیں رہی کہ ہم ان قدیم رومیوں کی مورث ہوں جو آخر کار ایک بیگناہ کا خون ہوتا دیکھ کر اپنے مظالم سے بے وقت تائب ہوئے تھے۔

اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کھیلوں کی بھی کسی قدر مجمل کیفیت بیان کر دی جائے جنہیں قدیم اہل روما اس قدر خوشی اور طمانیت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ چارلٹ ایم ینگ صاحب اپنی بک آف گولڈن ڈیڈس میں لکھتی ہیں۔

جب شہنشاہ بیٹھ کر اشارہ کر دیتا تو کھیل شروع ہو جاتے تھے بعض اوقات کھیلوں کی ابتدا ایک رسی پر چلنے والے ہاتھی سے ہوتی تھی جو عمارت کی چوٹی تک چڑھ کر رسی ہی کے سہارے نیچے اترا آتا تھا اس کے بعد ایک ریچھ عمر رسیدہ رومی عورت کی پوشاک میں پالکی پر بیٹھا باہر نکلتا جسے معاً دمیوں نے اٹھایا ہوا ہوتا تھا۔ کیونکہ اس زمانہ میں عورتوں کے باہر جانے کا یہی طریقہ ہوتا تھا ایک اور ریچھ وکیلوں والے کپڑے پہنے آگے بڑھتا اور اپنی پچھلی ٹانگوں کے بل کھڑا ہو کر اسی قسم کی حرکات کرتا تھا گویا کسی مقدمہ کی پیروی کر رہا ہے لیکن کولیزیم محض اس قسم کے معصومانہ کھیلوں کے لئے مخصوص نہ تھا اس میں جنگلی جانوروں کو ایک دوسرے سے لڑائی کرائی جاتی تھی اس قسم کے ڈرامے کئے جاتے تھے کہ جنمیں ایک سے زیادہ شخصوں کے مارے جانے کی کیفیت بھی آئے اور وہ خاص موقعہ آتا تو ان ایکٹروں کو حقیقت میں اسی طریقہ پر مار دیا جاتا تھا جسکا اس ناٹک میں ذکر ہو۔ چنانچہ ان میں اورفیس کا ایک مشہور کھیل ہوتا تھا جس کے دوران میں ایک شخص کو ایکٹر کی حیثیت میں سچ مچ ریچھوں سے مروا دیا جاتا تھا

اس قسم کے کھیلوں کے بعد بعض غلاموں یا دوسری قوموں کے قیدیوں کو جنگلی جانوروں کے آگے ڈالدیا جاتا تھا اور حاضرین بغیر کسی اضطراب یا گھبراہٹ کے اس تمام کارروائی کو بیٹھے دیکھتے رہتے تھے۔ آخر کار

مقتولوں کی لاشوں کو ہکوں کے ذریعہ گھسیٹ کر پرے کر دیا جاتا تھا خون سے تر ریت پر ایک اور تہ بچھادی جاتی تھی اور طویل القامت خوشنما ڈیل ڈو

کے جوانوں کا ایک گروہ آگے بڑھتا تھا ان میں سے بعض کے پاس تلوار بعض کے پاس پھندا۔ اور بعض کے پاس جال یا برچھا ہوتا تھا۔ بعض نے ہلکی ہلکی زرہ بھی پہنی ہوتی تھی۔ اور بعض پورے سپاہیانہ لباس میں ہوتے تھے۔ بعض گھوڑوں پر اور بعض رتھوں پر سوار ہوتے تھے اور بعض پا پیادہ ہی آگے بڑھتے تھے وہ ایک صف باندھ کر شہنشاہ کے روبرو آداب بجالاتے اور کہتے تھے "قیصر زندہ باش وہ لوگ جو مرنے کے قریب ہیں تجھے سلام کرتے ہیں"۔

یہ لوگ شمشیر زن ہوا کرتے تھے جنہیں اصطلاح میں گلیڈی ایٹر کہتے تھے اور ان کو اس مطلب کی تربیت دی جاتی تھی کہ اپنی جانیں گنوا کر اہل روما کو خوش کریں۔۔۔۔ کولیزیم کے میدان میں ایک دوسرے سے شمشیر زنی کرتے ہوئے ان میں اگر کوئی زندہ بچ جائے تو وہ عزت نشین ہو کر اپنی زندگی کے باقی ماندہ ایام خاموشی سے بسر کرتا تھا لیکن اہل روما اکثر زیر دستوں پر چونکہ رحم کرنے کے عادی نہ تھے اس لئے اسکی بہت کم امید ہو سکتی تھی"۔

۔۔۔۔ جب ایک شمشیر زن اپنے مخالف کو زخمی کر دیتا تو تماشائیوں کی طرف یہ کہہ کر نعرہ لگاتا "اسے مل گیا ہے" اور ان کی طرف سے اس جواب کے انتظار میں رہتا کہ اسے جان سے مار دے یا بچا لے اگر خلقت اپنے انگوٹھوں کو اونچا کر دیتی تو مغلوب کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جاتا تھا لیکن اگر وہ انگوٹھوں کو جھکا دیتے تو اس کے معنی یہ ہوتے تھے کہ اسے مار دینا واجب ہے اب اگر وہ موت کا وار سنبھالنے کے لئے اپنی گردن آگے بڑھانے میں تامل کرتا تو خلقت کی طرف سے اس مطلب کا نعرہ بلند ہوتا "فولاد کا وار سنبھالو" مقدس کنواری پجارنیں، رحمدل مائیں ہوتے ہنس مکھ ممبران سینیٹ سب یکساں طور پر ان دردناک نظاروں کو بے رحمی کی نظر سے دیکھا کرتے تھے

روما کی تاریخ کومیڈی اور ٹریجیڈی کا ایک عجیب وغریب مرکب ہے اس میں نیرو جیسے ظالم بادشاہ بھی ہو گذرے ہیں جنہوں نے روما کو آگ لگوا کر بڑے مزے سے سارنگی بجائی تھی۔ اس میں انطونی جیسے عیاش بھی ہوئے ہیں جو کلیوپیٹرا ملکہ مصر کے عشق میں مبتلا ہو کر راج پاٹ کی ہر بات کو بھول گئے تھے اور اپنی معشوقہ سے اس بات کی شرط کرتے تھے کہ ہم دونوں میں سے زیادہ فضول خرچی کون کرتا ہے جس پر کلیوپیٹرا نے اپنے کان سے سیاہ موتی اتار کر سرکہ میں حل کر کے پی لیا اور کہا تھا کہ اس سے زیادہ فضول خرچی تم کیونکر کر سکو گے؟ ان کے علاوہ روما میں مرقس اریلیس جیسے فرشتہ خصلت بادشاہ بھی ہو گذرے ہیں جو میدان جنگ میں باقی تمام امور کو نظر انداز کر کے فلسفیانہ نکات کے حل کرنے میں راتوں غور وخوض میں مصروف رہتے تھے یہ سب اس عجیب وغریب سلطنت پر حکومت کر چکے تھے اور اسمیں نمایاں زوال نمودار نہ ہوا تھا لیکن جب تمام ملک کی اخلاقی حالت اس درجہ کو پہنچ گئی جس کی کیفیت سطور بالا میں قلم بند کی گئی ہے تو آخر اس عظیم الشان سلطنت پر قہر ربانی نازل ہوا اور قدرت نے اپنے اٹل قانون کے مطابق ان کی ہستی کو صفحہ عالم سے محو کر دیا۔

نسبتاً قریبی زمانہ کی تاریخ میں اسلامی فتوحات کے کارنامے بھی کچھ کم قابل ذکر نہیں ایک زمانہ میں مسلمانوں نے اس قدر عروج حاصل کر لیا تھا کہ عرب۔ ایران۔ مصر شمالی افریقہ۔ شام۔ ایشیائے کوچک وغیرہ بلاد کو چھوڑ کر دہ ہسپانیہ۔ پرتگال کے ایک حصہ۔ سسلی۔ فرانس کا ایک حصہ۔ آسٹریا کا ایک حصہ اور ٹرکی پر قابض ہو گئے تھے ہسپانیہ میں ان کی بدتوں حکومت رہی جو عروج اس زمانہ میں اس قوم کو حاصل تھا اسکا اندازہ ہسپانیہ میں قصر الحمرا یا مسجد قرطبہ کے آثار دیکھ کر کیا جا سکتا ہے۔ لیکن جب سلطان عبدالرحمٰن ثالث جیسے عیاش اور اوباش فرمانروایان نے عیسائیوں سے ایک سو باکرہ عورتوں کا سالانہ خراج وصول کرنا شروع کیا تو اس وقت سے ان

کی طاقت زوال پذیر ہونے لگی۔حتیٰ کہ آخر کار عیسائیوں نے پھر اپنے ملک پر قابض ہو کر ایک ایک مسلمان کو چن چن کر ملک بدر کیا۔

تاریخ ہند میں شاہان افاغنہ و مغلیہ کے کارنامے مسلمانوں کے ستارہ اقبال کے نصف النہار پر ہونے کے نظارے دکھاتے ہیں۔جب تک اس ملک میں بہلول لودھی جیسے متقی اور پرہیزگار، بابر جیسے ایماندار اور معدلت گستر اور اکبر و شاہجہاں جیسے انصاف پسند اور ہندو مسلمانوں کو ایک نظر سے دیکھنے والے بادشاہ حکمران رہے ان کی حکومت اوج ترقی پر رہی لیکن جب عیاش اور تنگ دل بادشاہ تخت نشین ہوئے جن میں سے ایک کی نسبت لیتھبرج ایسے بے لاگ مورخ نے لکھا ہے کہ :۔

"۔۔۔۔ ہمیشہ ٹیڑھی تدبیروں کو پسند کرتا تھا۔۔۔۔ بڑا ظالم تھا غیر کف کے لوگوں کو اذیت پہنچاتا۔سب کی طرف سے بدظن رہتا۔مغلوبوں پر سختی کرتا اور بُری طرح بھی کچھ ہاتھ لگتا تو نہ چوکتا تھا۔"

تو اُن کی سلطنت کی جڑ بھی کھوکھلی ہونی شروع ہو گئی اور وہ جھگڑے اور لڑائیاں برپا ہوئیں کہ جو آخر کار سلطنت مغلیہ کے آناً فاناً زوال پذیر ہونے کا بہت بڑا سبب ثابت ہوئیں۔

مسلمانوں کی حکومت کو جو عروج ہندوستان میں شاہ جہاں کے زمانہ میں تھا اس کی نسبت مشہور و معروف مورخ منشی دیبی پرشاد صاحب اپنے ایک مضمون کے دوران میں لکھتے ہیں کہ یوم تاجپوشی کو :۔

"ایک دن جشن جلوسی میں دو لاکھ اشرفی ۶ لاکھ روپے ممتاز زمانی بیگم کو بخشے اور دس لاکھ روپیہ سالانہ مقرر کیا۔ایک لاکھ اشرفی اور ۴ لاکھ روپیہ بڑی شہزادی عرف بیگم صاحبہ کو عطا کئے اور ان کا سالانہ ۶ لاکھ روپیہ مقرر کیا اور شہزادوں کے واسطے جو ابھی لاہور سے نہیں آئے تھے ۸ لاکھ

روپیہ ممتاز الزمانی بیگم کو دیئے کہ ان کے آنے پر اس تفصیل سے تقسیم کر دیں (۱) شہزادہ دارا شکوہ دو لاکھ (۲) شاہزادہ شجاع ڈیڑھ لاکھ (۳) شاہزادہ اورنگ زیب ایک لاکھ (۴) بادشاہ زادہ مراد بخش (۵) بادشاہ زادہ لطف اللہ (۶) بادشاہ بادشاہزادی روشن آرا بیگم (۷) بادشاہ زادی ثریا بیگم کو ساڑھے تین لاکھ دارا شکوہ کا روزینہ ہزار روپیہ۔ شجاع ۶۵۰ روپیہ۔ اورنگ زیب کا ۵۰۰ روپیہ۔ مراد بخش کا ۲۵۰ روپیہ مقرر ہوا۔

۔۔۔ اسی دن علاوہ ۶۰ لاکھ روپیہ کے جو محل سرائے میں عنایت ہوئے تھے۔ ۱۲ لاکھ روپیہ سیدوں۔ شیخوں۔ عالموں۔ فاضلوں اور شاعروں وغیرہ کو عنایت ہوئے۔ غرض کل حسنات ۴۷ لاکھ روپیہ کی ہوئی"۔

یہ حالت تو سلطنت کے عروج کے زمانہ میں تھی اور کون کہہ سکتا ہے کہ وہ عروج کب قائم رہتا۔ اگر شاہ جہاں کی طرح متحمل مزاج دیدانتی دارا شکوہ تخت نشین ہوتا لیکن آخری دور کے مغلوں نے چند روزہ خودسری میں سلطنت کی بیخ و بن تک کمزور کر کے ملک کی یہ حالت کر دی کہ اس پر رفیع الدرجات اور رفیع الدولہ جیسے بودے حکمران حکومت کرنے لگے جو دو دو تین تین ماہ سے زیادہ سلطنت نہ کر سکے۔

رفیع الدرجات سے پہلے جس قدر حکمران گذرے ان میں قابل ذکر فرخ سیر تھا جس کی نسبت مذکور ہے کہ اس کے عہد میں:۔

"اُس کی حکومت کے بہت سے دشمن گرفتار ہوئے اور کمال اذیت سے مارے گئے تھے۔ ان لوگوں سے اس اذیت اور موت کے وقت نہایت درجہ کی بہادری ظاہر ہوئی اور ایک نے بھی اپنے موقف سے انکار کر کے اپنی جان کو بچانا منظور نہ کیا۔ فرخ سیر نے باغیوں کو یوں چن چن کر قتل کیا تھا کہ گویا دشمنوں کا نام و نشان تک باقی نہ رکھنا چاہتا تھا"۔

لیکن اس ظالم کی بے رحمیاں صرف غیر مذہب کے آدمیوں تک ہی محدود نہ رہی تھیں کیونکہ
ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے اپنے

جلوس کے سال دوم ١٧١٤ء میں دیگر تیموری شاہزادوں کے علاوہ اپنے چھوٹے بھائی
کے ساتھ وہ ستم کیا جس سے انقلاب دنیا کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔
عزیز الدین پسر جہاندار شاہ والاتبار پسر محمد اعظم شاہ اور اپنے چھوٹے بھائی محمد ہمایوں
بخت کی آنکھوں میں جسکی عمر صرف دس گیارہ سال کی تھی سلائی پھیر دی گئی۔

لیکن دنیا میں ہر کام کا اجر کچھ نہ کچھ ضرور اپنی زندگی ہی میں ملجاتا ہے۔

چھ سال اس واقعہ کو نہ گزرے تھے کہ فرخ سیر کی بھی وہی حالت ہوئی جو اس نے
ان شہزادوں کی کی تھی سید عبداللہ خاں بادشاہ گر حسین علی خاں برادر قطب الملک
اور راجہ اجیت سنگھ وغیرہ محلوں میں گھس گئے۔ عورتوں کی بے عزتی کی بادشاہ
خوف کے مارے ایک گوشہ میں چھپ گیا تھا۔ اس کو باہر کھینچکر لائے۔ فرخ سیر کی ماں
بیٹیوں اور بیگموں نے رونا پیٹنا شروع کیا پاؤں پر سر رکھا لیکن انہوں نے ایک
نہ سنی اور بادشاہ کی آنکھوں میں سلائی پھیر کر اس کو تنگ و تاریک کوٹھڑی میں
بندکر دیا اور چند دنوں بعد موقعہ پاکر قتل کر دیا۔

یہ درگت ایام زوال میں اکبر اور شاہجہاں ایسے بادشاہوں کی اولاد کی ہوتی لیکن معاملہ
اس پر ختم نہیں ہوتا۔

عالمگیر ثانی کے بیٹے شاہ عالم ثانی کا واقعہ قیامت سے ہولناک واقعہ سے کم نہیں
ہے...... غلام قادر روہیلہ پٹھان نے جسکا نام نمک حراموں کی فہرست میں
چوٹی پر لکھنا چاہیئے...... پانچ چار پٹھانوں کو لے کر شاہ عالم کو دیوان خاص
میں بلوایا اور پھر پوچھا "خزانہ کہاں ہے؟" بادشاہ نے کہا اگر خزانہ میرے پاس ہوتا
تو میں ظروف نقرہ و طلائی کو بیچکر نوکروں کی تنخواہ کیوں تقسیم کرتا؟ اگر نہیں دفینہ

آباؤ اجداد کا ہے تو مجھے اس کا علم نہیں ظالم بے رحم نے کہا جب خزانہ تمہارے پاس نہیں تو دنیا میں رہنا تمہارا محض بیکار ہے۔ تمہاری آنکھیں اب نکالی جائینگی۔ بادشاہ نے آہ سرد بھری اور کہا یہ آنکھیں ساٹھ برس تک کلام اللہ شریف پڑھتی رہی ہیں ظالم ان پر رحم کر بے رحم نے اس کے جواب میں بوڑھے بادشاہ کے بیٹوں اور پوتوں کو جو اس کے ساتھ ہی طلب کئے گئے تھے بے تحاشا مارنا شروع کیا۔ بادشاہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور کہا ان آنکھوں کو یہ عذاب اور مصیبت نہ دکھا بہتر ہے کہ نکال لے وہ سفاک تخت سے اچھل کر بادشاہ کے پاس آیا اور اس کو فرش پر لٹا کر اسکی چھاتی پر چڑھ بیٹھا۔ اور خنجر سے اسکی ایک آنکھ نکال لی۔ دوسری آنکھ کے لئے اپنے ہمراہی کو اشارہ کیا ہرچند وہ بھی شقی القلب تھا لیکن یہ عبرت ناک حالت دیکھ کر اس کا دل لرز گیا۔۔۔۔۔ پھر دوسرے پٹھانوں نے روہیلہ کے خوف سے بادشاہ کی دوسری آنکھ بھی نکال لی۔

یہ حالت مغلوں کے انتہائی زوال کے ایام میں تھی اس سے پہلے محمد شاہ رنگیلے کے وقت میں گو شاہی عروج اگلی شان نہ رکھتا تھا تاہم بادشاہوں کی مالی حالت خاصی اچھی ہوا کرتی تھی جس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ جب نادرشاہ افشار دہلی کو لوٹ کر واپس پلٹا ہے تو ۱۲۰ کروڑ روپیہ کی مالیت کی چیزیں اور نقدی ہمراہ لے گیا تھا۔ نادرشاہ کا حملہ بجائے خود اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ اس زمانہ میں سلطنت مغلیہ محض برائے نام رہ گئی تھی ورنہ اگر محمد شاہ کچھ بھی صاحب اقتدار و اختیار رہوتا تو کبھی ممکن نہ تھا کہ ایک ادنےٰ حیثیت کا گڈریا برفانی پہاڑوں کے سلسلہ کو عبور کر کے دہلی پہنچتا اور ذرا سی بات پر بگڑ کر ایک دن اور ایک رات برابر قتل عام کروائے جاتا۔ محمد شاہ سے ظاہرا طور پر لگاڑ نہ پیدا کرنے کے لیئے ہی اس نے

چلنے سے پیشتر محمد شاہ کو پھر تخت پر بٹھا دیا اور ہند کے بڑے بڑے راجاؤں اور

نوابوں کو جن میں مرہٹے بھی داخل تھے لکھ بھیجا تھا کہ اگر تم محمد شاہ کا حکم نہ مانوگے تو
میں تمہاری خوب خبر لونگا"

لیکن بقول بیقرارج صاحب

"یوں تو سلطنت مغلیہ میں محمد شاہ ہی کے عہد میں کچھ دم باقی نہ رہا تھا مگر ان (اس
کے بعد کے) بادشاہوں کے زمانہ میں سلطنت کا اور بھی رہا سہا چراغ گل ہو گیا
اور پیچھے جو بادشاہ ہوئے وہ نام ہی کے بادشاہ تھے"

یہ مسلمانوں کے زوال کی تصویر ہے۔ دنیا کی تاریخ اس قدر مفصل ہے کہ اس محدود جگہ میں ہم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ مختلف زمانوں میں کتنی مختلف سلطنتیں نمودار اور نظروں سے غائب ہوئیں یہی حال دنیا کے فرمانرواؤں کا ہے۔ کوئی ٹھیک اندازہ اس بات کا نہیں ہو سکتا کہ دنیا میں کتنے فرمانروا گذرے۔ بڑے بڑے جلیل المرتبت بادشاہوں کی قبروں کے نشانات تک بھی باقی نہیں ہیں۔ اور بہتوں کے نام بھی صفحہ عالم سے مٹ گئے البتہ ان کے حالات یا مختلف قوموں یا سلطنتوں کی جو روایات اب تک باقی ہیں۔ ان سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ راست بازی۔ حق پسندی۔ بہادری اور استقلال ہمیشہ ہر ملک میں قوموں کے عروج اور کاہلی۔ تمکاری۔ بے انصافی اور عیش پسندی ان کے زوال کا موجب ثابت ہوتے رہے ہیں۔

نپولین بوناپارٹ جس کا نام اپنے اولوالعزمانہ کارناموں کے لئے ابد الآباد تک یادگار رہے گا ماضی قریب کے نامور آدمیوں میں چوٹی پر شمار کئے جانے کے لائق ہے اہل فرانس باوجود جمہوریت پسند ہونے کے اس کا نام آجتک عزت سے لیتے ہیں۔ فی الحقیقت انہوں نے اسکا مقبرہ ایک ایسے مقام پر بنایا ہے کہ جو شخص اسے دیکھنے لگے اسے خواہ مخواہ بھی سر جھکانا پڑتا ہے گویا بعد مرگ بھی اہل فرانس کے دلوں میں اسکی وہی عزت باقی ہے جو کسی زمانہ میں تھی اس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ ایک روز وہ اپنے انجنیر کے اسٹلز ڈی

سیوائے کی خراب سڑک پر سے گذر رہا تھا کہ یکایک رک گیا اور ایک پہاڑ کی طرف انگلی سے اشارہ
کرکے کہنے لگا کیا اس پہاڑی میں سے ٹنل کاٹنا ممکن نہیں تاکہ اس کے نیچے سے زیادہ آرام
دہ اور محفوظ راستہ بنجائے؟ انجنیئر نے جواب دیا جہاں پناہ ایسا کرنا یقیناً ممکن ہے مگر....
بادشاہ نے حکم دیا "میں "مگر" کا لفظ سننا نہیں چاہتا اسے بنواؤ اور فوراً بنوانا شروع کرو"
یہ تصویر استقلال کی ہے جب تک نپولین کا خیال تھا کہ "ناممکن" ایک ایسا لفظ ہے جو
محض بیوقوفوں کی لغات میں پایا جاتا ہے وہ جس طرف منہ اٹھاتا فتح کی دیوی جھٹ
اس کے گھوڑے کی باگ کو سامنے سے بوسہ دیتی تھی لیکن جب وہ ان مظالم پر اتر آیا جو
روس کے یادگاری حملہ کے موقعہ پر اس نے باشندگان روس پر روا رکھے تھے جب وہ
لو اللہ ٹریفالگر کی لڑائیوں میں اس شش و پنج میں پڑ گیا کہ مجھے کیا کرنا اور کیا نہ
کرنا چاہئے تو اسی وقت سے عروج اسے خیرباد کہہ کر چلتا بنا اور زوال نے اسکی ہمراہی
شروع کی۔ انجام کار سینٹ ہیلینا کے ویران جزیرہ میں اسکا جو کچھ حشر ہوا وہ سب پر روشن
ہے اور اس کے دوہرانے کی کوئی ضرورت نہیں
لوئیس ہشتم شاہ فرانس کی نسبت مذکور ہے کہ جب وہ مسلمانوں کی قید سے چھٹ کر اپنی
ملکہ اور بچوں سمیت واپس فرانس کی طرف آرہا تھا تو راستہ میں اسکا جہاز ٹوٹ گیا اسے
مجبور کیا گیا کہ آپ کسی دوسرے جہاز پر سوار ہو جائیں تاکہ خطرہ سے محفوظ رہ سکیں لیکن
اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میرے ہمراہی بھی یقیناً اپنی جانیں بچانے کے ویسے ہی شائق
ہوں گے جیسے میں ہوں اگر میں جہاز کو چھوڑتا ہوں تو وہ بھی چھوڑ دینگے اور چونکہ دوسرا
جہاز اتنا بڑا نہیں کہ ہم سب اس میں سما جائیں اسلئے یقیناً وہ مر جائیں گے بہتر ہے کہ
بجائے اس کے کہ اپنی بہادر رعایا میں سے اتنے آدمیوں کی جان معرض خطر میں ڈالوں
خود اپنی اور اپنی ملکہ اور بچوں کی جانیں خدا کے حوالے کئے رکھوں"
رعایا پدری کی اس سے بہتر مثالیں مشکل سے ملسکتی ہیں۔

چارلس پنجم شاہ فرانس بڑا محب وطن بادشاہ ہوگذرا ہے جب وہ مرنے لگا تو اس نے پاس والوں سے کہا میرا منشا ہمیشہ یہی رہا ہے کہ انصاف کیا جاوے لیکن کونسا بادشاہ اس بات کا یقین کرسکتا ہے کہ اس نے ہمیشہ انصاف ہی کیا ہو۔ شاید ہے کہ مجھ سے بھی بہت سی ایسی برائیاں سرزد ہوگئی ہوں جنکی مجھے کچھ بھی خبر نہ ہوئے فرانسیسو جو اس وقت میری باتیں سنتے ہو میں ذات باری تعالےٰ کے سامنے یہ بات کہتا ہوں کہ بادشاہوں کی بہترین خوشی اسی میں ہے کہ انہیں بھلائی کرنے کے اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔

جس فرانس نے لوئیس شانزدہم کا قتل کیا تھا اس میں ایسے ایسے نیکدل بادشاہ بھی ہوگذرے ہیں

فریڈرک اعظم نے ایک روز گھنٹی بجائی لیکن اس کے جواب میں کوئی نوکر اندر داخل نہ ہوا اس نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ ایک غلام صوفہ پر سویا پڑا ہے وہ اسے جگانے ہی کو تھا کہ اس نے اس کی جیب میں سے کاغذ کا ایک پرزہ باہر کو نکلا ہوا دیکھا اور اسے اس کا مضمون معلوم کرنے کا شوق ہوا۔ فریڈرک نے اس کاغذ کو بڑی احتیاط سے کھینچکر باہر نکالا اور اسے پڑھا۔ یہ ایک خط تھا جو اس نوجوان کی ماں نے اسے بھیجا تھا اور جسمیں اس بات کا شکریہ ادا کیا ہوا تھا۔ کہ تم نے اپنی تنخواہ کا جو حصہ مجھے بھیجدیا ہے وہ مجھے آڑے وقت میں بہت کام آیا ہے اور آخیر میں دعا کی گئی تھی کہ میری اس طرح خدمت کرنے کے عوض خدا تمہیں برکت دے بادشاہ چپ چاپ اپنے کمرہ میں داخل ہوا اور ایک بنڈل ڈکٹ کے سکوں کا لے کر چھٹی سمیت اس غلام کی جیب میں ڈالدیا اور اس کے بعد کمرہ میں آکر اس زور سے گھنٹی بجائی کہ وہی نوکر بے تحاشا بھاگتا ہوا آیا۔ بادشاہ نے اسکی طرف دیکھ کر کہا "معلوم ہوتا ہے خوب سوئے ہو" غلام نے معذرت کی اور گھبراہٹ میں جیب میں ہاتھ ڈال لیا لیکن وہاں جو پڑیا سی بندھی ہوئی دیکھی۔ تو حیران ہوگیا اس نے اپنے جیب سے باہر نکالا اس کا رنگ زرد ہوگیا۔

اور بادشاہ کی طرف دیکھ کر زار و قطار رونے لگ گیا اسکی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکال سکتا تھا۔ بادشاہ نے پوچھا کیا بات ہے روتے کیوں ہو؟ غلام بادشاہ کے پاؤں پر گر پڑا اور کہنے لگا "جہاں پناہ معلوم ہوتا ہے کوئی شخص مجھے تباہ کرنا چاہتا ہے میں نہیں جانتا یہ نقدی میری جیب میں کیونکر آگئی؟ فریڈرک نے جواب دیا "میرے دوست خدا اکثر سوتے وقت ہم سے بھلائی کر دیتا ہے یہ نقدی اپنی ماں کے پاس بھیجدو اور اسے اطمینان دلادو کہ میں تمہاری اور اسکی پوری خبرگیری کیا کرونگا"

یہ وہی فریڈرک تھا جو جرمنی کو اس عروج تک پہنا گیا جو آج اسے حاصل ہے

آلفونسس شاہ نیپلز و سسلی تاریخ عالم میں ایک حد درجہ کا سادگی پسند بادشاہ گذرا ہے حتے کہ ایک موقعہ پر اس نے ایک گاڑیبان کی کیچڑ میں پھنسی ہوئی گاڑی کو خود کھینچکر باہر نکالا تھا اسکی رحمدلی کے بیسیوں قصے مشہور ہیں ایک مرتبہ کسی نے اس سے پوچھا کیا باعث ہے کہ آپ حد درجہ کے شریر لوگوں کو بھی اس طرح معافی دیدیتے ہیں کہ گویا انہوں نے کوئی خطا کی ہی نہ ہو" اس نے جواب دیا اسلئے کہ نیک انصاف سے مطیع ہو جاتے ہیں۔ اور بد رحمدلی سے۔ ایک اور موقعہ پر جب اس کے وزرا میں سے بعض نے اس امر کی شکایت کی کہ آپ کی حد درجہ کی ملائمت سے سلطنت میں فتنہ واقع ہو رہا ہے تو اس نے نرمی سے جواب دیا تو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تم پر ریچھ اور شیر حکومت کریں؟ درندوں ہی کا کام تباہی پھیلانا ہوتا ہے ورنہ انسان کا کام معافی دینا ہے۔

نیپلز اور سسلی کی سلطنت اب کیا ہوئی؟ الفونسس کے جانشینوں سے پوچھو جنہوں نے اس کے قائم کردہ قواعد پر عمل کرنا پسند نہ کیا

انقلاب فرانس کے موقعہ پر ایک عورت میڈم سینٹ مورول نامی کو معہ اس کی دختر اور خوردسال بیٹے کے قید کر دیا گیا اور پھر چند دن بعد ان پر مقدمہ چلایا۔

گیا۔ ماں بیٹی نے دوران مقدمہ میں بڑی دلیری سے کام لیا اور انہیں سزائے موت دی گئی، لیکن لڑکے کو بہت خورد سال خیال کر کے نظرانداز کر دیا گیا اور حکم ہوا کہ اسے دوبارہ جیل خانہ میں پہنچا دیا جائے۔ لڑکے نے یہ معلوم کر کے کہا "واہ! کیا تم مجھے میری ماں سے جدا کرنا چاہتے ہو؟ ایسا نہیں ہو سکتا" اور معاً چلا کر کہا "بادشاہ زندہ باش"، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسے بھی اس کی ماں اور بہن کی طرح موت کا حکم سنایا گیا اور تینوں کو ایک ساتھ مقتل میں لے گئے۔

اس دل گردہ کے لوگ تھے جنہوں نے فرانس کے اس قیامت نما انقلاب کو دور کرنے میں مدد دی۔ جس کے دوران میں انسانی خون پانی کی طرح گلیوں میں بہتا نکلا۔

شہنشاہ وسپیسن والئے روما نے ایک موقعہ پر ایک ممبر سینیٹ کو حکم دیا کہ فلاں معاملہ میں تمہیں اپنی رائے میرے کہنے کے مطابق دینی ہوگی اور اس کا منشاء ملک کے فوائد کے خلاف کوئی بات کرنے کا تھا ساتھ ہی اس بات کی دھمکی دی کہ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو میں تمہیں فوراً مروا دونگا۔ اس گرم جوش محب وطن نے جب دیکھا کہ اہل وطن کو دائمی تباہی سے بچانا میرے ہاں یا نہ کہنے پر منحصر ہے تو اس نے مسکرا کر جواب دیا۔ میں نے تو یہ کبھی نہیں کہا کہ میں غیر فانی ہوں۔ میری خوبیاں میرے اپنے قبضہ میں ہیں اور میری زندگی آپ کے ہاتھ میں۔ تم جو کر سکتے ہو کرو لیکن میں وہی کرونگا جو مجھے کرنا چاہیے۔ اگر میں نے ملک کی خدمت کرتے ہوئے جان دیدی تو اس موت میں مجھے وہ عزت حاصل ہوگی جو آپ کے لئے ہوئے صدہا شہروں میں نصیب نہیں ہو سکتی۔

یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے روما کو دنیا بھر میں سب سے بڑی سلطنت بنا کر دکھایا تھا اور جنکی بدولت دشمن تک رومیوں کے محب وطن صادق القول اور راست باز ہونے کا لوہا مانتے تھے۔

مختلف قوموں کے عروج وزوال کا ذکر کر چکنے کے بعد اب اس قوم کا حال قلم بند کیا جاتا ہے جو ہر چند کے مذکورہ بالا دونوں حالتوں کے درمیان سے گذر چکی ہے۔ مگر ابھی تک زندہ حالت میں دنیا کے سامنے موجود ہے ہمارا اشارہ ہندوستان کی سب سے زیادہ نامور اور ممتاز قوم راجپوت کی طرف ہے۔ جسکی بے نظیر شجاعت اور حب الوطنی کے آگے ایک دفعہ دنیا بھر کی قومیں سر تسلیم خم کر چکی ہیں۔

راجپوت دراصل شجاعت اور مردانگی کا پتلا بنکر دنیا میں آیا تھا اسکی رگ رگ میں مردانگی۔ اولوالعزمی۔ آقا پرستی اور وفاداری کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ شیر اسکا مقابلہ کرنے سے گھبراتے تھے اور چیتے اس کے ساتھ آنکھ ملانے کی ہرگز جرات نہ کر سکتے تھے کتاب "گائیڈ فورینگ راجپوت" میں ایک قابل قدر مضمون درج ہے اس کا اردو ترجمہ کسی قدر اختصار کے ساتھ ذیل میں درج کیا جاتا ہے

راجپوت ان لوگوں کا نام ہے جو ہندستان کے راجوں اور مہاراجوں کی اولاد ہیں اور ان کا تعلق شریف اور شاہی خاندانوں سے ہے ان کے بزرگ خدا کے برگذیدہ تھے اور ان کی زندگی دنیاوی نہیں بلکہ خاص دیوتاؤں کی زندگی تھی وہ اس دنیا میں عیش وعشرت کی زندگی بسر کرنے کے لئے نہیں آئے تھے بلکہ ان کی زندگی کا خاص مقصد یہ تھا کہ وہ اپنے ملک اور قوم کو فائدہ پہنچائیں ان کے جیون چرتر درحقیقت رشیوں کی طرح پوتر اور شدھ تھے

راجپوت لوگ بڑے اعلیٰ درجہ کے نفس کش اور محب الوطن تھے اپنے ملک کی محبت میں اور اپنی قوم کی بہتری کے لئے جان قربان کرنے کو اپنی بہتری سمجھتے تھے جنگ کے موقعہ پر زبردست جنگ آور اور امن کے زمانے میں بامن ہمسائے تھے عیش و عشرت کی ان کو خبر تک نہ تھی اور نہ ہی وہ آرائش اور تجمل کو اپنے گھروں میں گھسنے دیتے تھے مختصر یہ کہ وہ دنیاوی خواہشات کے غلام نہ تھے بلکہ وہ اپنے جذبات پر

پورے پورے قادر تھے۔ یہ ماتا جی کی پوجا اور اپنی قوم اور ملک کی حفاظت کرنا ان کی زندگی کا خاص مشن تھا اور یہی دو باتیں تھیں جنہوں نے ان کو دھرم ویر اور محب الوطن بنایا ہوا تھا وہ دل سے برہمنوں کے ساتھ محبت رکھتے تھے اور اپنی رعایا کو پدرانہ شفقت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے نظام شمسی کا ان کو پورا پورا علم تھا حکومت کی سچی اور صلح جو پالیسی سے باخبر اور بلحاظ رعایت انصاف کے دلدادہ تھے وہ راستی پسند تھے دھرم کی پابندی کے علاوہ وہ ہر ایک سے محبت اور پیار سے برتاؤ کرتے تھے ان کی ہمتیں بلند تھیں ان کی طبعیتیں فیاض تھیں اور وہ بات کے دھنی پابند سخن اور اپنی رعایا کے سچے محب تھے امن کے وقت میں گائے کی طرح حلیم مگر جنگ کے موقعہ پر شیر نر سے بھی زیادہ تر زبردست تھے غرضیکہ ان کی یہ ساری باتیں زندگی کے آسمان پر سورج کی طرح روشن تھیں اور اس سے مغربی شائستگی کی نسبت جو کہ آجکل اپنے کمال کی وجہ سے پھولی جامے میں نہیں سماتی زیادہ روشن کرنیں نکلتی تھیں۔

”راجپوت اگرچہ فن جنگ میں پہلے درجہ کے ماہر تھے مگر وہ اس کو بڑی عقلمندی اور انصاف سے برتتے تھے اور دھرم اور راستی کے لئے ہر وقت جان فدا کر دینے کو تیار رہتے تھے ان کو خوشامد اور ظاہر داری سے سخت نفرت تھی حتیٰ کہ ان کے غلاموں تک بھی شائستہ و دانا اور پرہیزگار رکھتے شہوت پرستی ان کے پاس تک نہ پھٹک سکتی تھی اور زناکاری سے وہ کوسوں بھاگتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ میدان جنگ میں مرتے وقت ان کو بھی خوشی حاصل ہوا کرتی تھی اور موت کا بھیانک نظارہ ان کو ہرگز خوف زدہ نہ بنا سکتا تھا ان کے دل ہر وقت شانت رہتے تھے اور اسی شانتی کی بدولت آخری وقت میں ان کو ذرا بھی تکلیف نہ ہوتی تھی۔“

”راجپوت کی تلوار میدان جنگ میں بوڑھے مرد عورت اور بچے پر ہرگز نہ چلتی تھی نہ کوئی راجپوت بھاگتے ہوئے اور پناہ میں آئے ہوئے دشمن پر وار کرتا تھا۔ بلکہ اگر

دشمن پناہ میں آجائے تو اس کے ساتھ دوستوں سے بڑھ کر سلوک کیا جاتا تھا سچ
پوچھو تو پرماتما نے راجپوتوں کو راستی کی بادشاہت قائم کرنے اور روحانی اور اخلاقی
دنیا کو طاقت دینے کے لئے اس دنیا میں بھیجا تھا انہوں نے اپنے جیون کو رام چندرجی
اور کرشن جی کی شدھ زندگیوں کے نمونے پر چلا کر خلقت کی راہبری کے واسطے مثلیں
یا نمونے قائم کئے ہوئے تھے اور یہی لوگ سورج بنسی اور چندر بنسی خاندان کے چراغ تھے

"ہر ایک راجپوت صداقت اور راستی کا نمونہ تھا ان کو اس دنیا کے ہوا و ہوس سے
کچھ سروکار نہ تھا اور ان کی زندگی زیادہ تر زاہدانہ گذرتی تھی مگر لطف یہ ہے کہ بہادری
اور شجاعت میں کوئی بھی ان کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا"

واقعی راجپوت قوم کسی وقت میں دنیا کی تمام سربرآوردہ قوموں کی سرتاج تھی اور جس وقت
موجودہ شجاع قوموں کا قومی حیثیت میں نام و نشان بھی موجود نہ تھا اس کی شہرت کا آفتاب
عین نصف النہار پر چمک رہا تھا اور چار دانگ دنیا میں اسکی شجاعت اور دلیری لاثانی
گنی جاتی تھی مشہور مصنف کرنیل ٹاڈ صاحب جنکی حق پسندی کا ایک زمانہ شاہد ہے لکھتے ہیں

"اگر تواریخ اس ہمدردی پر منحصر ہے جو وہ دل پر اثر کرتی ہے تو تاریخ ملک راجستھان
بیشک دلفریب بڑی پسندیدہ اور دلچسپ ہو گی مطالعہ حالات ان اشخاص کا جو زمانہ
ہائے دراز تک اپنی اور اپنے ملک کی آزادی کے لئے سعی ظہور میں لاتے اور جان دیتے
رہے ہیں اور اپنے آباؤ اجداد کے مذہبی عقائد و مسائل کی حفاظت میں جان نثار ہے
اور باوجود طمع نفسانی اور ترغیب ہائے دنیوی اپنے اور اپنے ہم وطنوں کے حقوق آزادی
کی محافظت میں بڑے سرگرم رہے حتےٰ کہ جان و مال کو بھی اس پر قربان کرنے میں
دریغ نہ کیا ایسا اثر بخش ہے کہ ممکن نہیں کہ کوئی بشر ان کو سن کر اس سے موثر نہ ہو
اور بال اس کے بدن پر کھڑے نہ ہو جائیں یا جذبہ ہمدردی پیدا نہ ہو

ایک اور جگہ بھی معزز مصنف راجپوتانہ کی بابت رقم کرتا ہے۔

اُن اضلاع راجپوتانہ میں بہ نسبت اور ممالک کے زیادہ تر عجیب عجیب وارداتیں جو قابل درج تواریخ ہیں واقع ہوئی ہیں راجستھان میں کوئی چھوٹی سے چھوٹی ریاست بھی ایسی نہیں جو خوب کٹ کر نہ لڑی ہو اور کوئی شہر ایسا نہیں جسمیں کا شخص بہادر مثل لونی ڈار (یورپ کے ایک بہادر سپہ سالار کا نام ہے) پیدا نہ ہوئے ہوں سوائے راجپوتوں کے کونسی ایسی قوم روئے زمین پر ہے جو باوجود سالہا سال کے ظلم اور بربادی کے پھر بھی شائستگی اطوار اور رسم و رواج اپنے آباؤ اجداد کے جاری رکھے وہ بڑے عالی نژاد بہادر ہیں موقعہ پر صبر کرتے ہیں اور جوش میں نہیں آتے اور یہی نگران رہتے ہیں کہ کب وقت آئے اور بدلہ لیں تواریخ انسان میں سوائے راجستھان کے کوئی قوم ایسی نہیں جو ہر طرح کا ظلم کہ اقوام وحشی سیرت اور بہائم سیرت نازل کرسکتے ہیں یا انسان اپنی عقل سے اختراع کرتا ہے برداشت کرسکتی ہے راجپوتوں نے اس قوم کا ظلم بڑے صبر و استقلال سے سہا ہے جسکا مذہب قتل عام کا حکم دیتا ہے وہ ایسی صورت میں گردن ڈالے بیٹھے رہتے ہیں لیکن جب بار گراں ان کو دباتا ہے تو ان کی مصیبت موجب زیادتی ان کی دلیری کے ہو جاتی ہے"۔

یہ وہ قوم ہے جسکی گود میں کبھی رام چندر جی جیسے اگیاکاری کرشن جی جیسے یوگی۔ ہریش چند جیسے ست وادی بھیشم جیسے پابند سخن یدھشٹر جیسے راست گفتار اور ارجن جیسے بہادر بچے کھیلا کرتے تھے جس کے خوف سے دنیا لرزتی تھی اور جسکا رعب ایک عالم پر چھایا ہوا تھا جس کے مقبوضات کوہ ہمالہ کے برفانی سلسلوں سے گذر کر بحیرہ منجمد اور ایشیا کوچک کے زرخیز میدانوں۔ افریقہ کے ریگستانوں مصر و بحر اوقیانوس تک پھیلے ہوئے تھے جس نے کوہ قاف پر چڑھائیاں کیں جس کے فتحیاب جھنڈوں کے پھریرے یونان۔ امریکہ روس اور جاوا میں لہراتے رہے اور جسکی تلوار شرر بار کے آگے والیان عرب۔ خراسان اصفہان۔ قندھار۔ عراق۔ ایران۔ توران اور زابلستان نے سر تسلیم خم کردیئے غرضیکہ

یہ قوم ایک دفعہ ساری دنیا کو فتح کر چکی تھی اور روئے زمین کے راجہ اس کے ضوابط سلطنت میں چلتے تھے۔ یہ تو زمانہ عروج کی باتیں ہیں بحالت تنزل بھی یہ قوم بکرماجیت، چندر گپت اشہادر، کہان، باپا راول، سانگا، پرتاپ، راج سنگھ، جیمل فتا، پرتھی راج اور آلا اودن جیسے ہزاروں بہادر اور محب الوطن بچے پیدا کرتی رہی ہے جنکے کارناموں سے دنیا گونج رہی ہے اور جن کے نزدیک اپنی قوم اور اپنے ملک کے بدلے جان قربان کرنا ایک معمولی بات تھی۔

یہ بہادری صرف مردوں پر ہی موقوف نہ تھی بلکہ ضرورت کے وقت ان کی عورتوں نے بھی اپنی پوترتا اور پاکیزگی کے اعلےٰ نمونے دکھلاتے ہوئے اپنی قومی بزرگی اور بہادری کا پورا پورا ثبوت دیا ہے سینکڑوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے خاوندوں اپنے بیٹوں اور بھائیوں کی کمروں میں تلواریں باندھی ہیں اور اپنی آنکھوں کے سامنے ان کو میدان جنگ میں مرتے ہوئے دیکھ کر ایک آنسو تک بھی نہیں ٹپکایا ہزاروں نے مردانے لباس پہن کر اپنی قومی عزت اور دہرم کی حفاظت کے لیئے میدان میں تلواریں ماری ہیں اور کتنوں نے اپنے ننگ و ناموس کو بچانے کے لئے چتا کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں پناہ لی ہے حقیقت یہ ہے کہ اگر دنیا میں کوئی ایسی جگہ بھی ہے جہاں بہادروں کی ہڈیاں فرش راہ ہوئی ہیں یا جسکی چپہ چپہ زمین اپنے جانبازوں کے خون سے سیراب ہو چکی ہے تو وہ جگہ ہندوستان کا راجستھان ہی ہو سکتی ہے بہتر ہوتا اگر چند ایک واقعات بطور نمونہ اس جگہ درج کر دئے جاتے لیکن یہ چونکہ سب کے سب ایک دوسرے سے بڑھ کر دلچسپ ہیں۔ اس لئے ہم اس بات کا فیصلہ نہیں کر سکے کہ کس کو درج کریں اور کسے چھوڑ دیں جن کو ان کے مطالعہ کا شوق ہو گا خود تاریخ میں دیکھ لیں گے

یہ تو مسلم امر ہے کہ راجپوت قوم میں شجاعت اور بہادری کی ہرگز کمی نہ تھی۔ لیکن ان میں

اس بات کی بھی مزد تھی کہ وہ موقعہ اور محل کو نہ پہچان سکتے تھے وہ حد درجہ کے معزز تھے اور اپنے زور بازو پر حد سے زیادہ بھروسہ رکھنے کے باعث بعض وقت دشمن سے حد سے زیادہ فیاضانہ سلوک کر بیٹھتے تھے اور ان کی تباہی میں سب سے زیادہ حصہ جس چیز نے لیا وہ ان کی اپنی ہی خانہ جنگی تھی۔ مہابھارت کے تباہ کن جنگ سے کون ہے جو واقف نہیں ہے اس میں بھائی بھائی کے مقابل نبردآزما تھا۔ چچا کی تلوار بھتیجوں کا خون پینے کو ترستی تھی اور بھتیجوں کے ننھے خنجر چچوں کے سینے میں سوراخ کرتے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ بھائی بھائی کے مقابل کٹ گئے اور کورکھیتر کی زمین کو راجپوتوں کے خون سے رنگ دیا۔ مہابھارت کی خوفناک لڑائی ہندوستان کے لئے تھوستان اور ادبار کے مقام کی پہلی منزل تھی۔ یہ وہ جنگ تھی جس میں آریہ ورت کے تمام بہادر راجے قتل ہو گئے اور عالم اور فاضلوں کے مارے جانے سے ملک پر ہمیشہ کے لئے تاریک رات چھا گئی!!!

اس میں شک نہیں کہ راجپوت قوم کی تباہی اور بربادی کے لئے مہابھارت کا جنگ کافی تھا مگر افسوس کہ ستیاناسی خانہ جنگی اس کے بعد بھی جونک کی طرح خون چوستی رہی اس کا ثبوت آپ کو راجستھان کی تاریخ سے ملتا ہے اور آپ دیکھ سکتے ہیں کہ راجپوتوں کی ریاستیں ایک دوسری کے مقابل میں کس طرح لڑتی اور کٹتی رہی ہیں۔ البتہ دنیا کی دیگر اقوام کی نسبت اس قوم کو اس بات کا فخر ضرور ہے کہ وہ اپنے عروج یا تنزل کے زمانہ میں اخلاقی پہلو سے کبھی نہیں گری۔ اور یہی اسکی زندگی کا راز ہے۔

تاریخ ہر حالت میں اپنے آپ کو دوہرایا کی ہے جو باتیں دنیا کی ہر قوم ہر ملک اور ہر سلطنت پر صادق آتی ہیں راجگان کشمیر بھی انہی کے تابع فرمان تھے جب تک للتادتیہ اور تونجن ایسے رعایا پرور نیک نہاد راجاؤں کا تخت سوپاک عورتوں سے محبت اور رعایا کی عورتوں پر دست درازی کرنے والے حکمرانوں سے ناپاک ہوا تھا دنیا میں ہر طرف ان کا طوطی بولتا تھا فتح ان کے قدموں کی داسی تھی۔

اور ملک میں ہر جگہ من برستا تھا لیکن جب ان کی اخلاقی حالت یہاں تک کمزور ہو گئی کہ انہوں نے حقیقی بہنوں تک سے ناجائز تعلقات پیدا کرنا معیوب نہ خیال کیا اور رعایا پہ ہر قسم کی سختی اور جبر کرنا شروع کیا تو قدرت کے اٹل قانون نے انہیں بھی وہی راستہ دکھایا جس پر قبل ازیں دنیا کی اکثر قومیں اس قسم کے حالات میں پڑ چکی تھیں آج وہ قدیم کشمیری شاہی خاندان یا ان کی روایتی عظمت کہاں ہے؟ ان گم ناموں کی روحوں سے پوچھو جو ظلم میں نیرو - عیاشی میں انیطنی اور باہمی تعلقات کی بے دھرمی کے اعتبار سے آخری شاہان مغلیہ سے بھی بڑھے ہوئے تھے۔

قوموں کے عروج و زوال کے بواعث معلوم کرنا ہمیشہ ایک دلچسپ مطالعہ ہوتا ہے اس کتاب میں مصنف نے کشمیر اور اس کے باشندوں کے زوال کا نقشہ نہایت پند آمیز طریقہ پر دکھایا ہے۔ تاریخ کشمیر زمانہ موجودہ کے لوگوں کے واسطے عبرت اور زمانہ آئندہ کی نسلوں کے لئے ایک بیش قیمت سبق ہے۔ سلطنت کشمیر صدیوں دنیا کے مدوجزر سیاسیات کی ذمہ دار رہی لیکن انجام کار جب اس کے حکمران عیاشی اور مادر باشی میں گرفتار ہو گئے جب اندرونی فسادات نے بیرونی فتوحات کی چاہ کو زایل کر دیا۔ جب لوگوں کا کیرکٹر ذلالت کے منتہائے کمال تک پہنچ گیا اور سب سے بڑھکر اس وقت جب راجاؤں کا جبر و تعدی اس حد تک ترقی کر گیا کہ لوگوں کی شخصی آزادی بالکل سلب ہو گئی اس کی طاقت اور صولت بتدریج کم ہوتی گئی حتےٰ کہ وہ الفاظ جو سلطنت روما کے سب سے بڑے مقرر سسرو نے روما کی نسبت کہے تھے۔ آخر کار کشمیر پر بھی صادق آنے لگے۔ یعنی یہ کہ

"اے حریت! اے آزادی تو کسی زمانہ میں روما کے ہر باشندہ کیلئے ایک آواز دلکش تھی اور رومی شہریت کا نو ایک مقدس حق تھی آہ کہ اب تو پامال ہو چکی ہے"

کلھن کے حالاتِ زندگی اور اُسکی تصنیف

پر

ایک تنقیدی نظر

کلہن کی شخصیت اور اسکا حسب نسب

سوانحی حالات کی قلّت

اکثر مشہور و معروف ہندوستانی مصنّفوں کی طرح کلہن کی یادگار بھی صرف اسکی تصنیف کی صورت میں باقی ہے کوئی تحریر اس قسم کی موجود نہیں جس سے ہم اس فاضل شاعر کے حالات زندگی معلوم کر سکیں۔ جسکی بدولت آج ہم کشمیر کی تاریخ قدیم سے واقف ہوتے ہیں خود اس کی تصنیف میں سوائے ان فقروں کے جو ہر ایک ترنگ کے آخیر پر پائے جاتے ہیں، اور کہیں کلہن کا نام نہیں آتا یا البتہ اس کا ذکر اس دیباچہ میں پایا جاتا ہے جو اس سے تین سو سال بعد اس کے جانشین مورخ اور اسکی تصنیف کا سلسلہ قائم رکھنے والے جونراج نے اپنی تصنیف کے شروع میں لکھا ہے اس صورت میں اس کے نسب یا خود اس کی ذات کے متعلق جو کچھ بھی برے بھلے حالات مل سکتے ہیں وہ اس کی تصنیف ہی سے جمع کئے جا سکتے ہیں۔

راج ترنگنی کی ہر ایک ترنگ کے آخیر میں جو محولہ بالا فقرات پائے جاتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا مؤلف مشہور کشمیری وزیر نامی گرامی چنپک کا بیٹا

کلہن تھا ان فقرات سے جو واقفیت ہمیں حاصل ہوتی ہے اسکی صداقت پر شبہ کرنے کی ہمیں کوئی وجہ نظر نہیں آتی جسقدر مسودات آج کل موجود ہیں ان میں یہ فقرات موجود پائے جاتے ہیں ان کی ترکیب پر نظر رکھتے ہوئے جس میں عزت کا خطاب صرف مصنف کے والد کے لئے استعمال کیا گیا ہے یہ امر اغلب معلوم ہوتا ہے کہ ان فقرات کو لکھنے والا خود کلہن ہی ہوگا

کلہن کی تصنیف کی تاریخ
سنہ ۱۱۴۸-۹ء

کلہن نے اپنی تصنیف کی تمہید لوکک سمت ۴۲۲۴ یا ۱۱۴۸-۹ء میں لکھی اور تصنیف کو سال آئندہ میں مکمل کیا تھا (دیکھو ترنگ ۱ شلوک ۵۲ و ترنگ ۸ شلوک (۳۴۰۴) اس تاریخ اور محولہ بالا خطابات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ امر بالکل قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ کلہن کا والد وہی چنپک تھا جسکا ذکر کتاب ہذا میں کئی موقعوں پر راجہ ہرش (۱۰۸۹ء تا ۱۱۰۱ء) کے خاص اہلکاروں میں سے ایک کے طور پر ہوا ہے اس رائے کی تائید خود اس تصنیف پر غائر نظر ڈالنے سے ہوتی ہے۔

کلہن کا والد چنپک

جن متعدد فقرات میں چنپک کا ذکر آیا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ مصنف نے اس کا حال اس کے کیریکٹر اور چال چلن کو معززانہ ثابت کرتے ہوئے لکھا ہے۔ سب سے پہلے ہم اسے راجہ ہرش کی حکومت کے سین اواخر میں دوارپتی یا سرحدی مقامات کے کمانڈیر کی حیثیت میں دیکھتے ہیں۔ جب سنہ ۱۰۹۹ء سے تھوڑا عرصہ پیشتر راجہ نے دردوں کی سرحد پر قلعہ دگدہ گھاٹ کی طرف مہم روانہ کی تھی اس موقعہ پر دوسرے اہلکاروں کی سازش کے باوجود اس کے اس کوہی قلعہ کا محاصرہ کرنے میں کامیاب ہونے کی خاص طور پر تعریف کی گئی ہے (دیکھو ترنگ ۷، شلوک ۱۱۷۷) جس موقعہ پر ہرش کے اپنے تاج اور زندگی کے لئے سخت جدوجہد کرنے کا ذکر کیا گیا ہے وہاں کلہن

نے چنپک کو ان آخری چند اہلکاروں میں شریک کیا ہے جو وفاداری کے ساتھ راجہ کے ہمراہ رہے آخری سانحہ کے موقعہ پر چنپک کی عدم موجودگی کی تشریح کرنے کے لئے وہ بڑی احتیاط کے ساتھ اس خاص کام کی کیفیت بیان کر دیتا ہے جو اس بدنصیب راجہ نے اس کے سپرد کیا تھا (دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۱۵۸۶) کلہن نے راجہ اور وزیر کا جو مکالمہ درج کیا ہے وہ ہر پہلو سے ایک تاریخی صداقت معلوم ہوتا ہے اس کے دوران میں ایک خاص واقعہ کا ذکر بھی کیا گیا ہے جو معاملہ کی نوعیت کے اعتبار سے اس قسم کا تھا کہ سوائے چنپک کے اور کسی کو یاد نہ رہ سکتا تھا (دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۱۵۹) اس معاملہ کا خاص اندراج اور وہ سارا مکالمہ اس صورت میں بالکل واضح ہو جاتا ہے جب ہم یہ بات سمجھ لیتے ہیں کہ کلہن وزیر موصوف کا بیٹا تھا

چنپک سے حاصل کردہ واقفیت

اس تعلق سے اس بات کی بھی توضیح ہو جاتی ہے کہ بدنصیب ہرش کے دارالسلطنت سے فرار ہونے اور حرمان نصیب مارے جانے کی جو صحیح اور دلچسپ کیفیت کلہن نے بیان کی ہے وہ اسے کیونکر حاصل ہوئی ہوگی۔ ہرش کی فراری کے وقت اور ان چند ایام میں جبکہ وہ چھپا رہا اس کے ساتھی اس کا وفادار چمبر بین پریاگ اور چنپک کے گھر کا ایک چھوٹے درجہ کا نوکر تھے اول الذکر اپنے شاہی آقا کے ساتھ ہی لڑتا ہوا کام آیا مگر بعض ایسے حالات میں بچ نکلا تھا جنہیں کلہن خاص طور پر واضح اور ان کی صداقت کو ثابت کرتا ہے (دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۱۷۰۱) معلوم ہوتا ہے کہ کلہن کو ہرش کے آخری ایام کا حال اس باقی ماندہ شخص کی زبانی معلوم ہوا ہوگا جو موقعہ واردات پر موجود تھا اور کلہن کے والد کا خانگی ملازم تھا۔

کلہن چنپک کو نندی کشیتر تیرتھ کا جہاں آجکل بوتھ شیر واقع ہے شائق پرستار قرار دیتا ہے (دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۴۹۵ و نوٹ ۵۰۲ کتاب ہذا) نیز ترنگ ۸

شلوک ۲۳۶۵) اس سے اس بات کی توضیح ہو جاتی ہے کہ اس نے اپنے آپ کو کیونکر اس مقدس تیرتھ سے پورے طور پر باخبر ظاہر کیا ہے (دیکھو نوٹ ع۱ کتاب ہذا ترنگ ا شلوک ۱۰۷، نیز ترنگ ا شلوک ۱۳۱) چنپک کے بیٹے کی حیثیت میں یقیناً وہ ہر سال باقاعدہ طور پر اس کے ہمراہ وہاں پر جاترا کرنے جاتا رہا ہو گا ان جاتراؤں کے متعلق تحقیق کرنے سے معلوم ہؤا ہے کہ چنپک سنہ ۱۱۳۶ء کے قریب زندہ تھا (دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۲۳۶۵)

ترنگ ۷ کے شلوک ۹۵۴ اور ترنگ ۸ کے شلوک ۲۳۶۵) میں چنپک کا جس طرح پر کتاب میں ذکر کیا گیا ہے اس سے اس بات کا مزید ثبوت ملتا ہے کہ یہی چنپک راج ترنگنی کے مصنف کا باپ تھا اپنی تصنیف کے دوران میں کلہن نے جہاں جہاں کسی نئے شخص کا ذکر کیا ہے وہ اس کے حسب نسب اور اسکی حیثیت کو واضح الفاظ میں بیان کرتا گیا ہے لیکن چنپک کی صورت میں ان باتوں کا بیان نہ کیا جانا ایک خاص معنی رکھتا ہے۔ کلہن نے چونکہ ساری کتاب ایک ایسے ڈھنگ پر لکھی ہے گویا وہ اسے محض اپنے ہمعصروں کے لئے لکھ رہا ہو اس لئے اس نے اپنے والد کی نسبت مزید حالات لکھنا غیر ضروری تصور کیا ہے۔

کنک غالباً کلہن کا چچا تھا

راج ترنگنی کے واقعات کو نگاہ غور سے دیکھنے پر ہمیں کلہن کے ایک اور رشتہ دار کا بھی پتہ ملتا ہے اس کتاب میں جہاں ہرش کی مختلف فضول خرچیوں کا ذکر آیا ہے۔ وہیں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس نے موسیقی کا شوق رکھتے ہوئے ایک لاکھ طلائی سکے (دہریں) چنپک کے چھوٹے بھائی کنک کو دئے تھے جس نے اس سے راگ ودیا سیکھ کر اس کی عنایت حاصل کر لی تھی (دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۱۱۱۷) اسی کنک کی آگے چلکر پھر اس وجہ سے تعریف کی گئی ہے کہ اس نے اپنے فیاض آقا کو شکر گذاری سے

یاور کھا تھا ہرش کے انتقال کے بعد وہ بنارس چلا گیا اور وہیں عبادت میں معروف رہ کر اپنی زندگی بسر کی (دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۲)

اگر چنپک کا یہ چھوٹا بھائی واقعہ میں کلہن کا چچا تھا جو ہمیں ہر پہلو سے اغلب معلوم ہوتا ہے تو ہم سمجھ سکتے ہیں کہ ہرش کے اس قدر گرانبہا رقم دینے کی ایک وجہ اس کے خاندان کا بڑا درجہ بھی تھی۔ کلہن نے کنک کے ایک اور کار خیر کی بابت یہ بیان کیا ہے کہ اس نے عین وقت پر مداخلت کر کے اپنے جائے پیدائش یعنی پرہاس پور میں بنی ہوئی بدھ دیو کی بڑی مورتی کو ہرش کے ہاتھوں تباہ ہونے سے بچا دیا تھا (دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۱۰۹۷) ایسے ہی بدھ کی ایک اور مورتی کے راجہ کے ہاتھوں سے بچائے جانے کا واقعہ بدھوں کے مہاتما کشل شری نامی سے منسوب کیا جاتا ہے۔ ان تعلقات کو مدِ نظر رکھیں تو لازمی طور پر اس نتیجہ پر پہنچنا پڑتا ہے کہ کنک کا بھی بودھ کے طریق عبادت سے ذاتی تعلق تھا۔ آگے چلکر ہم اس معاملہ پر بحث کرینگے کہ یہ نتیجہ کہاں تک اس بات سے مطابقت کھاتا ہے کہ بدھ مت کی نسبت کلہن کے اپنے خیالات کیا تھے۔ کنک کا مقام پیدائش چونکہ پرہاس پور بیان کیا گیا ہے اس لئے ہم نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ کلہن کے خاندان کا وطن درحقیقت یہی مقام تھا غالباً یہی وجہ ہے کہ کلہن پرہاس پور کی مقدس عمارات کا ذکر باتشریح کرتا اور اس علاقہ کے جغرافیائی حالات کی نسبت کما حقہ واقفیت تبلاتا ہے (دیکھو ترنگ ۴ شلوک ۴۹۱ تا ۴۹۴، ترنگ ۷ شلوک ۱۳۲۶-۱۳۴۴ ترنگ ۵ شلوک ۹ تا ۱۰۰)

کلہن برہمن نسل سے تھا

اس میں شبہ کی بہت کم گنجائش ہے کہ کلہن ذات کے لحاظ سے برہمن تھا جس قسم کی سنسکرت علمیت کا اظہار راج ترنگنی میں کیا گیا ہے وہ کشمیر اور ہندوستان کے باقی حصوں میں بھی زیادہ تر برہمن پنڈتوں ہی کے حصہ میں آیا کی ہے ایک سے زیادہ مقامات پر کلہن "زمینی دیوتاؤں" کے باخبر غرور کا اظہار اور برہمنوں کے اپنی اہمیت پر زور دینے کے خیال

کی تائید کرتا ہے (دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۳۱ ۶ متعلقہ انجام راجہ جیا پید شلوک ۴۰ ۶ ترنگ نذار ترنگ ۵ شلوک ۱۶ و ۴۶ - حالات عہد شیسکر مذکورہ ترنگ ۶ شلوک ۲ قصہ انتقام برہمن مذکورہ ترنگ ۸ شلوک ۲۲۲ وغیرہ) علاوہ بریں ہمارے پاس جو مزاج کی تحریر بھی بطور ثبوت موجود ہے جس نے کلہن کے لئے لفظ ومرج استعمال کیا ہے (دیکھو جو نراج کی راج ترنگنی شلوک ۵

کلہن کا تعلق شیومت سے

اس کتاب میں ہر ایک ترنگ کے شروع میں جو تمہیدی شلوک دئے گئے ہیں ان سب میں شو کو اردھنار یشور کی صورت میں خطاب کیا گیا ہے جس میں اس دیوتا کا پاربتی جی کے ساتھ متحد ہوتا دکھایا گیا ہے اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کلہن بھی شیوجی کا پجاری تھا اور حقیقت یہ ہے کہ وادی کشمیر کے جتنے قدیم حالات بھی ہم دیکھیں ان سب میں شو کی پوجا کو ہندوؤں میں سب پر فوقیت رکھتے ہوئے پاتے ہیں یہ معاملہ ہماری ان معلومات سے بالکل مطابقت کھاتا ہے جو ہمیں چینک کے تندی کشیر کے تیرتھوں میں یاترا کرنے اور دان دینے کے متعلق حاصل ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ یہ جملہ مقامات شیوجی ہی کے تیرتھ ہیں - بھٹ کلٹ کشمیری شیو شاستر کا ایک مشہور شارح (ٹیکا کار) ہو گذرا ہے کلہن نے اسکا ذکر جن مودبانہ الفاظ میں کیا ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ شیومت کے اصول اس سے بھولے ہوئے نہ تھے تنترک مت جو اتک کشمیر میں شیو پوجن کے ساتھ ایک قریبی تعلق رکھتا ہے یہ بھی کلہن کو بخوبی معلوم تھا البتہ مختلف موقعوں پر اس نے اس بارہ میں جو بے شمار طنزیہ اشارے کئے ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ ان افراد کی اس کے دل میں بہت کم عزت تھی جو شیوجی کی اوپاسنا کو محض اپنا ہی حق بتاتے ہیں (مثلاً وام مارگی وغیرہ) (دیکھو ترنگ ۶ شلوک ۱۱ تنترک گورووں پہ کی ہوئی چوٹیں مذکورہ ترنگ شلوک ۸ ۲۷۰-۹۵ ۲۲۳ و ۱۲۰۷)

بودھ مت کے ساتھ کلہن کا لگاؤ

واقعات مذکورہ بالا سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ کلہن اور اس کا والد دونوں شیو مت سے نہایت قریبی تعلق رکھتے تھے لیکن ساتھ ہی ساتھ کلہن نے اپنی ساری تصنیف کے اندر بودھ مت کے ساتھ جس دلچسپی کا اظہار کیا ہے اور اس کے متعلق جو دوستانہ روش اختیار کی ہے وہ حیرت خیز ہے اشوک کے زمانہ سے لیکر اس کے اپنے وقت تک راجاؤں کے ایک طویل سلسلہ کی وہ ان وہاروں اور ستوپوں (بدھ مندروں) کے قیام کے لئے بڑی تعریف کرتا ہے جو انہوں نے بدھ مذہب کے لوگوں کے فائدہ کے لئے بنوائے تھے اسی قسم کی عمارات جو پرائیویٹ طور پر بنائی گئی تھیں ان کا بھی وہ پورے طور پر ذکر کرتا ہے بعض مثلاً میگھ واہن جیسے راجاؤں کی تعریف اس بنا پر کی گئی ہے کہ انہوں نے جین مت کی تعلیم کے مطابق جانداروں کا ذبح کیا جانا روک دیا تھا (دیکھو ترنگ ۳ شلوک ۴ تا ۷-۲۷-۲۵۵ و ترنگ ۵ شلوک ۴۶ و ۱۱۹) ان سب باتوں کے علاوہ یوں بھی کلہن کئی موقعوں پر بدھستوؤں یا بدھ کو تمام مخلوق کو آسائش دینے والا بیان کرتا اور خیالات کی کامل فیاضی اور شرافت کا مجسمہ قرار دیتا ہے اس کے نزدیک وہی کامل نیکی کے وجود ہیں جو گنہگاروں پر ناراض نہیں ہوتے بلا صبر کے ساتھ اس سے مہربانی کا سلوک کرتے ہیں (دیکھو ترنگ ۱ شلوک ۱۳۴-ترنگ ۳ شلوک ۲۸ و ترنگ ۸ شلوک ۲۲۳۴ و ۲۵۷۴) ترنگ ۱ کے شلوک ۱۳۱ تا ۱۴۷ میں کلہن نے کرتیا شرم وہار کی روائت کا جو مفصل حال لکھا ہے اس میں صاف طور پر ایک بدھ مت رکھنے والے شخص کا رجحان اور بودھوں ہی کے فقرات پائے جاتے ہیں کون ہے جو اسے پڑھ کر یہ بات محسوس نہ کریگا کہ مصنف کو بودھوں کی روایات سے کامل دلچسپی تھی۔ کلہن نے جابجا بدھ کی مختلف مورتیوں کا ذکر جس خاص دلچسپی سے کیا ہے اسے پڑھ کر بھی یہی احساس

دل میں پیدا ہوتا ہے جب وہ ہرش کے ہاتھوں مندروں کی ضبطی اور تباہی کا ذکر کرتا ہے تو ہندو دیوتاؤں کی مورتیوں کے ساتھ ہی بدھ کی ان مورتیوں کا بھی ذکر کر دیتا ہے جو بچ رہی تھیں (دیکھو ترنگ ۷، شلوک ۱۰۹۷) اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ایک سے زیادہ موقعوں پر کلہن بودھوں کی روایات اور اصطلاحات سے اپنی واقفیت کا اظہار کرتا ہے (دیکھو ترنگ ۱ شلوک ۱۳۵-۱۷۲ و ترنگ شلوک ۲۴۰ و ۲۲۳)

کلہن کے زمانہ میں کشمیر کے اندر بدھ مت کی حالت

بدھ مذہب اور اس کی روایات کے ساتھ کلہن کی یہ دلچسپی اس کے مسلک شیومت کے مقابلہ میں جسقدر اختلاف کا اظہار کرتی ہے وہ اس قدر حقیقی نہیں جتنا سطحی ہے۔ کلہن کے زمانہ سے صدیاں پہلے کشمیر میں بدھ مت اور پکے ہندو مذہب کے لوگ بڑے امن کے ساتھ مل جل کر گذارہ کرتے رہے تھے بلکہ یہ کہہ دینا کچھ بے جا نہ ہوگا کہ بہت بڑی حد تک وہ ایک دوسرے سے مل گئے تھے کلہن کی اپنی تصنیف میں اس موقعہ پر جہاں اس میں خالص تاریخی واقعات مندرج ہیں اس کا کافی ثبوت ملتا ہے جسقدر حکمرانوں اور پرائیویٹ لوگوں کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے بدھوں کے ستوپا اور دہار تعمیر کرائے ان کے یا ان کے خاندان کے دوسرے آدمیوں کی نسبت یہ بھی مذکور ہے کہ انہوں نے ویسی ہی گرمجوشی سے شیوجی اور وشنو کے مندر بھی استھاپن کرائے تھے (دیکھو للتادتیہ جیا پیدا اور رانی دوا کا زمانہ نیز ترنگ ۱ شلوک ۱۰۲ و ۱۰۵) خود کلہن کے زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے اپنے جن ہمعصر راجاؤں یا وزیروں کی بودھوں کے اوقاف کے متعلق مدح سرائی کی ہے انہوں نے برہمنوں کے مندر وغیرہ قائم کرنے میں بھی ویسی ہی فراخدلی سے کام لیا ہے (دیکھو حالات راجہ

جے سنگھ۔ رانی رتنا دیوی۔ وزیر یدطن۔ اسکی بیوی سسلا۔ بہت۔ دھنیا ودے)

ان واقعات سے مذہبی خیالات کی جس حالت کی توضیح ہوتی ہے اس پر مزید روشنی ان معلومات سے پڑتی ہے جو ہمیں ہندوستان کے دیگر حصص کے قدیم و جدید بدھ مذہب کی پوزیشن کے متعلق حاصل ہیں اس بات کی ابتدائی تاریخی مثالیں کہ برہمنوں کے ساتھ ساتھ ان پر بھی شاہی عنایات ہوتی رہا کرتی تھیں راجہ ہرش وردھن والئے قنوج کے حالات سے مل سکتی ہیں۔ ہیون سانگ چشم دید واقعہ بیان کرتا ہے کہ اس کے دربار میں بودھوں جینیوں اور برہمنوں کی یکساں عزت ہوتی اور انہیں برابر کی مدد دی جایا کرتی تھی۔ خود کلہن کے زمانہ میں اسی قسم کی ایک مثال ہمیں گجرات میں ملتی ہے۔ پروفیسر بوہلر نے ہیم چندر کی قابل تعریف سوانحعمری میں اس بات کو پورے طور پر ثابت کیا ہے کہ چلوک راجہ کمار پال نے جو سب سے مشہور جین مذہب اختیار کرنے والا شخص تھا شیومت کے ساتھ اپنے موروثی تعلقات کو قطع نہ کیا تھا (دیکھو کتاب مذکور صفحات ۲۰۳ و ۲۰۹)

اس جگہ یہ امر قابل غور ہے کہ بارہویں صدی میں گجرات کے اندر جین مت کی جو حالت تھی وہ اس زمانہ کے بدھ مذہب سے جو کشمیر میں مروج تھا پابند مذہب لوگوں کو اپنے حلقہ میں لانے کے بہت کم قابل خیال کی جاتی تھی مختلف امور سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ میں آخرالذکر کی حالت بہت بڑی حد تک ایسی ہوگی جیسے آجکل نیپال میں جدید بدھ مت کی ہے (دیکھو مضامین ہوگسن صاحب صفحہ ۵۲) کلہن کے زمانہ سے بہت مدت پہلے کشمیر میں بھکشوؤں کی شادیاں جائز خیال کی جاتی تھیں اس سے کئی صدیاں پہلے بدھ کو وشنو کا اوتار سمجھا جانے لگا تھا۔ (دیکھو بوہلر صاحب کی رپورٹ ۱ھ، ۵، ۴ اور بدھوں کے طریق پرستش نے اس سے کافی عملی فائدہ حاصل کیا تھا۔ کلہن سے ایک صدی پیشتر ہم دیکھتے ہیں کہ کشیندر

نے اپنی تصنیف "دش اوتار چرت" کے نویں عالم کانڈ میں ساکی منی کے صحیح حالات زندگی درج کئے ہیں اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ نیل مت پران میں جو کشمیری برہمنوں کا مستند گرنتھ ہے بدھ کی سالگرہ کو ایک تہوار عظیم قرار دیا گیا ہے اس موقعہ پر ساکیوں یا بدھ رشیوں کے طریق پر بدھ کی مورتی کا پوجن کیا جانا ضروری ہوتا ہے ساکیوں کو دان دیا جاتا ہے اور چیتیوں میں آرائش کی جاتی ہے۔

۱؎ دیکھو نیل مت پران شلوک ۶۹۷ تا ۷۰۳ و بوہلر صاحب کی رپورٹ صفحہ ۱۴۱ میں یہ ایک عجیب بات ہے کہ بدھ کا یوم سالگرہ زمانہ حال کے کشمیری برہمنوں کی جنتری میں بھی درج پایا جاتا ہے۔

کلہن کی علمی تربیت

راج ترنگنی کا مصنف کسی جگہ بھی اس تعلیم اور ابتدائی مطالعہ کا ذکر نہیں کرتا۔ جس کی بدولت وہ اس قابل ہوا کہ ایک ایسی قابل یادگار کتاب لکھتا البتہ جس طریقہ پر اس نے اس کتاب کو تصنیف کیا اس سے اور بعض دیگر ضمنی باتوں سے ہم کسی حد تک معلوم کر سکتے ہیں کہ اس کی طالب علمانہ زندگی کیسے بسر ہوئی تھی۔

کلہن ایک کوی کی حیثیت میں

"حقیقی شاعروں کی وہ طاقت واقعی قابل تعریف ہے جو خواہ کیسی ہی ہو امرت کی ندی پر بھی فوقیت رکھتی ہے کیونکہ اس کے ذریعہ انکی اپنی شہرت اور نیز دوسروں کی ناموری غیر فانی ہو جاتی ہے سوائے شاعروں کے ..... اور کون ہے جو زمانہ ماضی کے دلفریب کارناموں کو لوگوں کی نظروں کے سامنے

لاسکتا ہے"۔ یہ الفاظ جن کے ذریعہ کلہن اپنی تصنیف کی تمہید اٹھاتا ہے اس بات کو واضح کرنے کے لئے کافی ہیں کہ جو کام اس نے ہاتھ میں لیا تھا اس میں اسکے نزدیک خاص صفات کون کونسی ہونی ضروری تھیں۔

اگر کلہن اس معاملہ پر اس قدر آزادی سے بحث نہ بھی کرتا تو اسکی اصلی تصنیف کے کسی ناظر کو ایک لمحہ کے لئے بھی اس بارہ میں شک نہ ہو سکتا تھا کہ اسکا مصنف اپنے آپ کو زیادہ تر ایک کوی (شاعر) کی حیثیت میں دیکھتا ہے جس قسم کی سنسکرت کلاسیکل شاعری کلہن کو آتی تھی اور جسمیں وہ خاص ملکہ رکھتا تھا اس کے لئے یقیناً اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ شعر کہنے والا ہندوستان کے علم فصاحت وبلاغت والنکار شاستر کو اچھی طرح سمجھتا اور سنسکرت کے صرف ونحو پر پورا پورا عبور رکھتا ہو۔ کلہن کی شاعری اس بات کو پایہ ثبوت تک پہنچاتی ہے کہ روائتی تعلیم کے بارہ میں اسکا مطالعہ کامل اور وسیع تھا جیسا کہ ہم آگے چلکر ذکر کرینگے جو طرز وروش کلہن نے اپنی نظم کے لئے اختیار کی تھی ہمیں اس پیچیدہ بلاغت کے اظہار کا بہت کم موقعہ ملتا ہے جس سے پنڈتوں کو بدرجہ غایت خوشی حاصل ہوتی ہے لیکن ساتھ ہی ہم یہ بیان کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ایسے وقعے اکثر آتے ہیں کہ جنمیں وہ اس شاعرانہ پیچیدگی کا شکار ہوا ہے جس سے بچنے کا وہ ترنگ ۱ کے شلوک ۶ میں وعدہ کرتا ہے ایسے موقعوں پر وہ جس قسم کے شلوک لکھتا ہے انہیں دیکھکر اس بارہ میں کچھ شک وشبہ باقی نہیں رہتا کہ النکار شاستر کی نفاستوں اور باریکیوں کو سمجھنے اور ان سے کام لینے کی لئے پوری مہارت اور دسترس حاصل تھی (دیکھو تنگ ۱ شلوک ۲۰۸ ترنگ ۳ شلوک ۱۴۱ ترنگ ۵ شلوک ۴۲-۳۰۲ ، ۳۶ وغیرہ)

کلہن کا علمی مطالعہ

سنسکرت شاعری کے لٹریچر میں جو دستور رکھیت پائے جاتے ہیں ان سے اور نیز مختلف شعرا کے بلاغت آمیز کلام کی ہم آہنگی کے باعث یہ بات معلوم کرنا وقت طلب ہوجاتا ہے کہ کلہن نے

کونسی خاص خاص کتابیں دیکھی یا پڑہی تھیں رگھو بنس اور میگھ دوت ایسی قدیم مستند سنسکرت نظم کی کتابوں کے بارے میں اسکی واقفیت مسلمہ معلوم ہوتی ہے۔ اور اس کا ثبوت اسکی بعض بدیہی یادداشتوں سے ملتا ہے (دیکھو نوٹ ۵۲۲ کتاب نما) اس بارہ میں اگر مزید تحقیق و تجسس سے کام لیا جائے تو اسی قسم کی اور بہت سی مثالیں بھی مل سکیں گی۔

وکرمانک دیو چرت کا مطالعہ

یہ امر یقینی معلوم ہوتا ہے کہ کلہن نے وکرمانک دیو چرت کا بڑے غور سے مطالعہ کیا تھا یہ ایک تاریخی نظم ہے جسے اس کے ہموطن بلہن نے ۱۱ دیں صدی کے ۸۰ دیں سال کے قریب لکھا تھا کلہن جا بجا اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ وہ اس شاعر کے ذاتی حالات سے پورے طور پر واقف ہے اور اس بارہ میں اسکی واقفیت اس بیان سے مطابقت کھاتی ہے جو بلہن کی اپنی تصنیف میں موجود ہے کم از کم دو موقعوں پر وہ ان تاریخی واقعات کا بھی ذکر کرتا ہے جنکا تذکرہ بلہن کی تصنیف میں پایا جاتا ہے جہاں کہیں اس نے اس نظم کا ذکر کیا ہے اس سے صاف طور پر اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ وہ اس قدیم نظم سے بخوبی طور پر واقف تھا (دیکھو ترنگ کے شلوک ۳۵ ۹ تا ۳۰ ۹ و نوٹ ۱۵۱۲ کتاب ہذا و ترنگ ۳ شلوک ۲۷۸) ان امور کو مدِ نظر رکھتے ہوئے فقرات اور طرز تحریر کی وہ مطابقت جو ان دونوں تصانیف میں پائی جاتی ہے پوری اہمیت اختیار کر لیتی ہے

ہرش چرت کا مطالعہ

ایک اور قدیم کتاب جسکی نسبت معلوم ہوتا ہے کہ کلہن نے اس کا پورے طور پر مطالعہ کیا تھا بان شاعر کی تصنیف ہرش چرت ہے یہ ایک مشہور معروف تاریخی قصہ ہے جس میں راجہ ہرش وردہن والئے قنوج و تھانیسر کے معرکوں کا ذکر کیا گیا ہے چونکہ اس کتاب اور راج ترنگنی میں بعض اس قسم کے نادر الاستعمال الفاظ اور فقرات ملتے

ہیں جنکا کہیں اور پتہ ہی نہیں چلتا اسلئے یہ امر عملی طور پر یقینی معلوم ہوتا ہے کہ کلہن نے اس تصنیف کا پورے طور سے مطالعہ کیا ہوگا۔ بان کی تصنیف کی طرز تحریر اور روش مضمون نگاری اعلےٰ درجہ کی شاعرانہ اور یکساں شوخ نثر کی صورت میں ہے اور اس میں اور کلہن کی طرز تحریر میں اس قدر اختلاف پایا جاتا ہے۔ کہ یہ بات کبھی ذہن میں نہیں آسکتی کہ کلہن نے بان کی غلامانہ تقلید کی ہو بخلاف ایکے ہم اس بات کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ کس لئے اس کشمیری مصنف نے ہرش وردہن کے درباری شاعر کے تصنیف کردہ ناول پر اسقدر توجہ دی ہوگی یہ ان چند سنسکرت کی پرانی تاریخی کتابوں میں سے ایک تھی جنہیں پڑھنے کا رواج کلہن کے زمانہ میں عام ہوگا اس بارہ میں یہ بیان کرنا بھی بے محل نہ ہوگا کہ ہرش چرت کے قدیم مسودے آجکل بھی کشمیر میں کالعدم نہیں ہیں اور اس کتاب کے ایک فقرہ کا حوالہ کا دیہ پرکاش نامی بلاغت کی ایک کشمیری کتاب میں دیا ہوا ہے۔

رزمیہ نظموں کے متعلق کلہن کی واقفیت

شاعرانہ لٹریچر سے قطع نظر کرتے ہوئے ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ کلہن نے مہابھارت کا مطالعہ پورے طور پر کیا ہوا ہوگا جہاں کہیں وہ اپنی تحریر کو زوردار بنانے کے لئے اسی قسم کے واقعات کو دوہرانا یا کسی اخلاقی امر پر زور دینا چاہتا ہے تو وہ قدیم روایتی قصص کے اس عظیم الشان ذخیرے کیطرف اپنی توجہ مبذول کرتا ہے چنانچہ راج ترنگنی میں مہابھارت کے حوالے مختلف مقامات پر درج ہیں ان میں سے اکثر شلوکوں میں مہابھارت کے ایک سے زیادہ قصہ کی طرف اشارہ موجود ہے۔ اکثر موقعوں پر دبے معلوم واقعات اور غیر مشہور امور کا حوالہ دیا جاتا ہے ان واقعات کی تلاش میں جسقدر محنت اٹھانا پڑتی ہے اس سے ہم اس بات کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ خود کلہن نے اس ضخیم کتاب کو کس محنت اور غور کے ساتھ عبور کیا ہوگا معلوم ہوتا

ہے کہ وہ رامائن سے بھی ویسی ہی واقفیت رکھتا تھا۔ گو اس میں شک نہیں کہ اس کے حوالے اس نے بہت کم دئے ہیں (دیکھو ترنگ ۳ شلوک ۸۰ ترنگ ۴ شلوک ۶۷-۱۰۷ ترنگ ۶ شلوک ۱۲۶ ترنگ ۷ شلوک ۲۰۲ ترنگ ۸ شلوک ۳۳۵-۱۳۵۵-۱۵۹۱-۱۸۰۸-۲۲۸۲-۲۹۷۶-۳۱۵۹ و ۳۴۴۹)

سنسکرت کی رزمیہ نظموں کے مطالعہ اور کلہن کی۔ در خانہ تصنیف کے باہمی تعلق کو ہم باسانی سمجھ سکتے ہیں آجکل کے پنڈتوں کی طرح کلہن کی دانست میں بھی وہ تمام واقعات جو کوروؤں و پانڈؤں و نیز رام چندر جی کے حالات زندگی کے متعلق ان کتابوں میں مذکور ہیں معہ ان کے متعلقہ علم الاصنام کے حقیقی تاریخ کی صورت میں نظر آتے ہونگے۔ ہندوستانیوں کے نزدیک ان رزمیہ قصوں اور عام تاریخی حالات میں اگر کوئی امتیاز قائم کیا جاسکتا ہے تو وہ صرف یہی ہے کہ اول الذکر کا تعلق چونکہ زمانہ شجاعت سے ہے اور ان کی تحریروں کو از روئے تقدس مستند مانا جاتا ہے اسلئے وہ معمولی تاریخ کے واقعات سے ایک اہم دلچسپی رکھتے ہیں۔ ہم اگر یہ خیال کریں کہ ان مقدس رزمیہ نظموں ہی کے مطالعہ سے کلہن کو تاریخ نگاری کا شوق پیدا ہوا تھا تو غالباً ہم زیادہ غلطی پر نہ ہونگے۔

علمی تاریخ سے اس کی باخبری

کلہن نے مختلف راجاؤں کے عہد میں خاص خاص شعرا اور فاضلوں کے متعلق جو ضمنی حوالے دئے ہیں ان سے بھی اس بات کا کسی حد تک پتہ چل سکتا ہے کہ اسکی لٹریری تربیت کس ڈھنگ پر ہوئی تھی مثال کے طور پر دیکھو ترنگ ۱ شلوک ۱۷۸ ترنگ ۲ شلوک ۱۶ ترنگ ۴ شلوک ۱۲۴-۴۸۴-۴۹۵-۷۰۵ و ترنگ ۵ شلوک ۲۸ ۲۳۲ و ۴۲۰) ان حوالجات سے سنسکرت لٹریچر کی تحقیق میں بہت کچھ مدد مل سکتی ہے یہ بیان کرنا سہل نہیں کہ ان لٹریری حالات میں سے کون کونسے کلہن کو خود معلوم

کنہ کے حاصل ہوئے اور کون کون سے معرض ابتدائی وسائل سے حاصل کر کے دور
دئے گئے تھے بعض حالات مثلاً دربار ہنیو درمن کے شعرا کی کیفیت کی نسبت یہ امر قرین
اغلب ہے کہ وہ رائج لٹریری روایات کے ذریعہ حاصل ہوئے ہونگے اور قدیم کشمیری
تاریخوں سے ان کا کچھ سروکار نہ ہوگا کلہن نے بعض بعض موقعوں مثلاً ترنگ ۳
کے شلوک ۸ اور ۲۵۲ اور ترنگ ۴ کے شلوک ۶۳۵ تا ۶۳۷ و ترنگ ۷ کے شلوک ۱۱۲۳
پر جس طنزیہ کلام سے کام لیا ہے اسے بھی ہم اول الذکر ہی سے منسوب کر سکتے ہیں ان
سب کے علاوہ یہ امر بھی قابل تذکرہ ہے کہ کلہن نے جوتش شاستر پر بھی خاص توجہ دی
ہوگی۔کیونکہ وہ کئی موقعوں پر وراہ مہر کی برہت سنگھتا کے فقرات کا حوالہ دیتا ہے
(دیکھو ترنگ ۱ شلوک ۵۵۔ ترنگ ۲ شلوک ۲۰ اور ترنگ ۸ شلوک ۱۵)

کلہن کا ذکر منکھ کی کتاب سری کنٹھ چرت میں

کلہن کے جسقدر لٹریری تعلقات کا ذکر ہم نے سطور بالا میں کیا ہے ان کے علاوہ ہمیں اس کی نسبت ایک عجیب معصرانہ حوالہ بھی نظر آتا ہے جو
اب تک لوگوں کی نگاہ سے پوشیدہ رہا تھا یہ حوالہ سری کنٹھ چرت نامی کتاب
کے ایک فقرہ میں پایا جاتا ہے جو کلہن کے ایک ہموطن اور ہمعصر شاعر منکھ کی نظم
ہے اس کتاب کا پتہ اول پروفیسر بوہلر نے چلایا تھا اور اس کا زیادہ وہ عجیب
حصہ ہمارے لئے کانڈ ۲۵ ہے جسے سنسکرت لٹریچر میں بجا طور پر ایک مخصوص
اہمیت دی گئی ہے (دیکھو رپورٹ صفحہ ۵۰) اس موقعہ پر منکھ ایک سبھا یا علمی
مجلس کا ذکر کرتا ہے جسکا اجلاس اس کے بھائی کے مکان پر منعقد ہوا تھا
اور جہاں وزیر النکار نے اپنی نظم کشمیری فضلا و اہلکاران کے ایک مجمع کے روبرو
پیش کی تھی۔اس موقعہ پر جسقدر حاضرین موجود تھے منکھ نے ان سب کی
اسم وار کیفیت لکھی ہے اور ہر حالت میں ان کی شخصی قابلیت اور علمیت کے

متعلق مناسب تفصیلات دی ہیں۔

پروفیسر بوہلر قبل ازیں یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ منکھ نے اپنی یہ نظم کلہن کے اپنی راج ترنگنی لکھنے سے صرف چند ہی سال پیشتر لکھی تھی اسکی تاریخ سنہ ۱۱۲۸ء اور سنہ ۱۱۴۴ء کے درمیان قائم کیجا سکتی ہے ان میں سے آخری تاریخ کا تقرر دو وجوہ سے ہوتا ہے گوبند چندر والئے قنوج جس کے سفیر سہل کا النکار کے یہاں موجود ہونا ظاہر کیا گیا ہے کتبوں کی رو سے سنہ ۱۱۲۰ء اور سنہ ۱۱۴۴ء کے درمیان حکمران تھا (دیکھو رپورٹ صفحہ ۵۱) علاوہ بریں یہ امر قابل غور ہے کہ کلہن جب سنہ ۱۱۴۴ء کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے منکھ کے بھائی النکار کا حوالہ دیتا ہے تو بیان کرتا ہے کہ وہ راجپوتانیہ کے اعلے عہدہ پر مامور تھا (دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۲۵۵۰-۲۶۱۸ وغیرہ دیوٹ ع۵۹۵ کتاب ہذا) بخلاف اس کے منکھ اپنے بھائی کا ذکر کرتا ہوا سری کنٹھ چرت کے ادھیائے ۳ شلوک ۶۲ و ادھیائے ۱۵ شلوک ۶۱ میں اسے سانذگی دگرہ یا وزیر خارجیہ قرار دیتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ النکار کا سابقہ عہدہ ہوگا کیونکہ منکھ صاف طور پر بیان کرتا ہے کہ یہ عہدہ اسے راجہ سسل نے دیا تھا جیسا کہ ترنگ ۸ شلوک ۳۳۵۴ سے پایا جاتا ہے جب کلہن نے اپنی تصنیف شروع کی ہوئی تھی تو اس وقت خود منکھ کو یہ عہدہ مل چکا تھا۔

اول الذکر تاریخ کی حد کے متعلق منکھ کا جے سنگھ کو جو سنہ ۱۱۲۸ء اور سنہ ۱۱۴۹ء کے درمیان حکمران تھا اپنا راجہ بیان کرنا جیسے کہ اس نے اپنی کتاب کے ادھیائے ۳ شلوک ۶۶ میں کیا ہے اس امر کا پورا ثبوت مہیا کرتا ہے پروفیسر بوہلر نے سنہ ۱۱۳۵ء کو اول تاریخی حد مقرر کیا تھا لیکن اس بارہ میں انکی دلائل کام نہیں دے سکتیں عام بنا پر یہ امر قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ سری کنٹھ چرت کی تصنیف کا زمانہ کسی ابتدائی تاریخ کی نسبت سنہ ۱۱۴۴ء کے زیادہ قریب ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ

اپا دیتہ والے گونکن کا حوالہ پایا جاتا ہے جو سنہ ۱۱۸۶ء میں حکمران تھا۔

زمانہ کے اس قرب کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمارا اس بات کی توقع کرنا کچھ بیجا نہ ہوگا کہ النکار کی سبھا میں کلہن بھی موجود ہوگا جس میں ۳۰ لائق علما شریک تھے۔ لیکن جب ہم اس فہرست پر نظر ڈالتے ہیں جو اس کتاب کے اندر شرکا کے ناموں کی موجود ہے۔ تو اس میں کلہن کا نام کہیں نظر نہیں آتا اس نام کی عدم موجودگی اس وجہ سے اور بھی حیرت خیز بنجاتی ہے کہ خود کلہن نے منکھ اور النکار کو اپنے معصروں کے طور پر بیان کیا ہے اور ان کا ذکر بھی ایک ایسے طریق پر کیا ہے گویا وہ ان کے خاندان سے کسی حد تک واقفیت رکھتا ہے (دیکھو ترنگ ۸ کے شلوک ۲۴۲۳ و نوٹ ۱۰۰۱ کتاب ہذا اور سرنگار کے متعلق جو منکھ کا ایک بھائی تھا (دیکھو ترنگ مذکور کا شلوک ۲۴۲۲ و نوٹ ۹۹۴ کتاب ہذا) لیکن واقعہ میں منکھ اس بارہ میں کسی قصور سے بری الذمہ ہے کیونکہ اس نے راج ترنگنی کے مصنف کا نام اپنی فہرست میں ضرور شامل کیا ہے البتہ جس نام کی صورت میں اس نے کلہن کا ذکر کیا ہے۔ وہ بادی النظر میں ہمارے زبان زد نام کلہن سے اس قدر مختلف ہے کہ ہمیں اس بات پر تعجب نہیں آتا کہ اب تک کیونکر کوئی محقق یہ بات معلوم نہ کر سکا کہ اس دوسرے نام کی تہ میں بھی راج ترنگنی کے مصنف ہی کی شخصیت پنہاں ہے

منکھ کا تذکرہ شاعر کلیان کے متعلق

منکھ نے اپنی تصنیف سری کنٹھ چرت کے کانڈ ۲۵ میں شلوک ۷۸ تا ۸۰ کے اندر کوی کلیان کا ذکر تعریفی الفاظ میں کیا ہے اس موقعہ پر وہ لکھتا ہے کہ شاعر مذکور قابل نظم کہنے والوں میں ایک ممتاز درجہ رکھتا ہے اور جس کی نسبت مشہور و معروف الک دت کا خیال ہے کہ وہ اپنے منتخب کردہ کام (نظم لکھنے) کو پورے طور پر سرانجام دے سکتا ہے"۔ کلیان کی شاعرانہ قابلیت کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے

کہ اسکی نظم ایسی مجلا ہو چکی ہے کہ آئینہ کی طرح اس کے اندر بلہن کی شاعری کا کمال منعکس ہوتا ہے آخر میں اسکی نسبت لکھا ہے کہ وہ مختلف قسم کی کہانیوں اور روایات کے مطالعہ کا بدرجہ غایت شایق تھا۔

سری کنٹھ چرت کے شارح جونراج کی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ الک دت جسے سکھ بظاہر کلیان کے مربی کی حیثیت میں ظاہر کرتا ہے اور جسکا ذکر کسی اور جگہ دیکھنے میں نہیں آتا سانذہی وگرا ہک یا وزیر خارجیہ کا عہدہ رکھتا تھا۔ آگے چلکر وہ بجا طور پر اس بات کی تشریح کرتا ہے کہ جن کتھاؤں یا کہانیوں کے مطالعہ کا شوق کلیان سے منسوب کیا گیا ہے ان سے مراد دراصل مہابھارت اور دوسری رزمیہ نظموں کے قصص سے ہے لیکن کلیان کی شخصیت کے متعلق خود اس فاضل شارح نے بھی کچھ ذکر نہیں کیا

کیا کلہن اور کلیان دونو نام ایک ہو سکتے ہیں؟

ہمارے خیال میں یہ بات بآسانی اور پورے طور پر ثابت کی جا سکتی ہے کہ شاعر کلیان جو منکھ کا نامور ہمعصر تھا جو بلہن کی طرز کو نباہ سکتا تھا اور رزمیہ نظموں کے پڑھنے کا نہایت مشتاق تھا سوائے کلہن کے اور کوئی نہ تھا۔ کلیان دراصل ایک سنسکرت لفظ ہے جس کے معنی عام فہم ہیں اور اکثر موقعوں پہ یہ لفظ اسم معرفہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے کلہن بلاشبہ اس لفظ کی ایک اپ بھرنش صورت ہے جو پراکرت صورت کلان سے اخذ کی گئی ہے درحقیقت "ل" اور "ی" کا مجموعہ ایک معینہ آوازی قاعدہ کی رو سے پراکرت میں "ل ل" کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور اپ بھرنش اور جدید انڈو آرین ورنیکولر زبانوں میں آخر الذکر کی صورت "ل ہ" بنجاتی ہے۔ مثلاً سنسکرت میں جو لفظ "کلینگ" کل کے معنوں میں آتا ہے وہ پراکرت میں "کلو" کی صورت میں پایا جاتا ہے اور جدید ورنیکولر زبانوں میں کلہ۔ کالہ۔ کلھ۔ کالھ وغیرہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے

(دیکھو ڈاکٹر گریئرسن کی کتاب فونولوجی جلد صفحہ ۳۲ فقرہ ۹۰) لفظ کے دوسرے جزو میں "آ" کا "ا" کی صورت میں رہ جانا بھی آوازی تبدیلی ہی کے باعث ظہور میں آتا ہے (دیکھو گریئرسن کی کتاب مذکورۃ الصدر فقرہ ۱۱)

اس بات کے ثبوت میں کہ کلہن کا لفظ کلیان ہی سے اخذ کیا گیا ہے ہم اسکی درمیانی پراکرت صورت کا حوالہ دے سکتے ہیں جو ترنگ ۸ کے شلوک ۱۸۲ میں ایک شخص کے نام کے طور پر استعمال ہوا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ راج ترنگنی میں کلہن کا لفظ اپنی اپ بھرنش صورت میں صرف ایک بار ترنگ ۸ کے شلوک ۹۲۶ میں استعمال ہوا ہے جہاں سہدیو کے بیٹے راج پتر کلہن کا ذکر آیا ہے لیکن کلیان کا لفظ ترنگ ۷ کے شلوک ۷۶۹ ترنگ ۸ کے شلوک ۹۰۶ و ۵۰۶۲۶ میں مستعمل ہوا ہے زنانہ نام بھی راج ترنگنی کے اندر اسی طرح تین شکلوں میں استعمال ہوئے ہیں چنانچہ جیا پیڈ کی ایک رانی کا نام کلیان دیوی یا مانی کلیان تھا ایسے کلش کے عہد میں ایک شاہی عورت کا نام کلنا اور جے سنگھ کے عہد میں کلھنیکا آیا ہے بحالیکہ یہ سب لفظ "کلیان" یا "کلیانیکا" سے ماخوذ ہیں جو سنسکرت الاصل ہے۔

آگے چل کر ہم اس بات کا ذکر کرینگے کہ خود کلہن اکثر موقعوں پر اپنی تاریخ میں ایک ہی شخص کا ذکر مختلف ناموں سے کرتا ہے جنمیں صرف آوازی ترمیم پائی جاتی ہے۔ مثلاً گرگ چندر اور رگگ چندر اور لوشٹھک اور لوٹھک دراصل ایک ہی شخص کے نام ہیں۔ ایسی صورت میں ہمیں یہ دیکھ کر کچھ تعجب نہیں ہوتا کہ گو کلہن نے اپنی تصنیف کی ہر ایک ترنگ کے خاتمہ پر اپنا نام اپ بھرنش صورت میں کلہن لکھا ہے تاہم اس کے معاصر منکھ نے اس کا نام اسکی صحیح سنسکرت صورت میں درج کر دیا ہے یہ امر اغلب ہے کہ راج ترنگنی کا مصنف خود اول الذکر نام کو ترجیح دیتا تھا بہر نوع جہاں کہیں اس نے اپنے معاصروں کا ذکر کیا ہے اسے اپ بھرنش ناموں کے استعمال میں کچھ اعتراض

نہیں ہوا۔ لیکن بخلاف اس کے منکھہ اس بات کا خواہشمند پایا جاتا ہے کہ کلاسیکل رنگت حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ اس نے ۲۵ ویں کانڈ کے تمام اشخاص کے لئے صرف سنسکرت نام ہی استعمال کئے ہیں۔

کلیان اور کلہن کا ایک ہونا

کلیان اور کلہن دونوں لفظوں کی یکسانیت اور تاریخوں کی مطابقت جو ہم نے خود اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی تھی کہ سری کنٹھ چرت کا کوی کلیان درحقیقت کلہن ہی ہے لیکن اس بارہ میں اگر کچھ شک و شبہ باقی بھی رہ گیا ہو تو وہ اس شہادت کے سے بھی صاف ہو جاتا ہے جو ہمیں اس بارہ میں ملتی ہے کہ کلہن کے علمی مطالعہ کے متعلق ہماری معلومات اور منکھہ کے وہ الفاظ جو اس نے کلیان کی نسبت استعمال کئے ہیں یہ دونوں باتیں باہم مطابقت کھاتی ہیں۔ جب ہم راج ترنگنی کا غور سے مطالعہ کرتے ہیں تو اس بات کی پورے طور پر توضیح ہو جاتی ہے کہ کلہن پر بلہن کی نظم و عدد رزمیہ لٹریچر کے کامل مطالعہ کا کتنا عظیم اثر پڑا ہے

یہ بات واقعی عجیب ہے کہ جونراج کو یہ امر معلوم نہ تھا کہ کلیان حقیقت میں وہی مصنف ہے جسکی تصنیف کے سلسلہ کو میں قائم رکھنے لگا ہوں اسکی تشریح کے طور پر یہ خیال دینا کافی ہے کہ کلہن کے پورے تین سو سال بعد جونراج نے اپنی تصانیف کا سلسلہ شروع کیا تھا اور اس نے سری کنٹھ چرت کی جو شرح لکھی ہے اس میں ایک سے زیادہ موقعوں پر زمانہ گذشتہ کے واقعات کی اصلی حالت کے متعلق لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔

بحالت موجودہ یہ بات اور بھی ناقابل تشریح معلوم ہوتی ہے کہ کلہن نے الک دت کے بارہ میں بالکل ہی خاموشی سے کام لیا ہے بحالیکہ منکھہ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کا مربی تھا اس کے متعلق مختلف دلایل سوچے جا سکتے ہیں۔ لیکن

سر دست کسی ایک دلیل کے لئے بھی ہمارے پاس شہادت موجود نہیں۔ البتہ اتنی بات مد نظر رکھنی چاہیئے کہ منکھ کی نظم اور کلہن کی تاریخ کی تحریریں برسوں کی مدت حائل تھی اس اثنا میں ممکن ہے کلہن اور اس کے سابقہ مربی گئے! ہی تعلقات میں کسی قسم کی تبدیلی یا کشیدگی پیدا ہو گئی ہو

کلہن اور اس کا زمانہ

اگر اکثر کویوں کی طرح کلہن بھی اپنے مضمون کے لئے کسی روایتی قصہ یا ذہنی داستان کو منتخب کر لیتا اور اس پر نظم کہتا تو ہم اس کی شخصیت کے متعلق ان مختصر تفاصیل پر ہی اکتفا کرتے جو معرض تحریر میں آ چکی ہیں۔ لیکن کلہن کی تصنیف اس کے اپنے ملک کی تاریخ سے تعلق رکھتی ہے اور اس کا بہت بڑا حصہ ان واقعات کو نظم بند کرنے کی نذر کیا گیا ہے جو کشمیر کے اندر اس کی اپنی حیات میں وقوع پذیر ہوئے یا ایسے وقت پر واقع ہوئے جس کی یاد اس کے ذہن میں ابھی تک تازہ تھی۔

کلہن کے واقعات زندگی

جن باتوں سے ہمیں گونہ فائدہ حاصل ہوتا ہے ان کی بدولت ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ کلہن کی زندگی کس قسم کی سیاسی اور تمدنی حالتوں میں بسر ہوئی تھی اور اس بارہ میں ہماری معلومات میں اس درجہ صحت حاصل ہو سکتی ہے جو کسی دوسرے ہندوستانی مصنف کی صورت میں امر محال خیال کیا جا سکتی ہے۔ اس کی تصنیف سے ہم کشمیر کی قدیم جغرافیائی حالت کے متعلق مفصل حالات معلوم کر سکتے ہیں۔ ان امور پر غور کرنے سے ہمارے لئے یہ جان لینا کچھ مشکل نہیں رہتا کہ کلہن کی زندگی کس قسم کی

مقامی حالتوں میں بسر ہوا کرتی تھی بالاخر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ کلہن نے اپنی تصنیف میں خصوص اس حصہ میں جہاں معاصرانہ واقعات کا ذکر کیا ہے مختلف ملکی تمدنی اور جماعتی معاملات پر آزادی کے ساتھ اپنی رائے دی ہے۔ آگے چلکر ہم ثابت کر دکھائینگے کہ ایسے بیانات سے ہم کلہن کے کیریکٹر اور اس کے شخصی تعلقات کی نسبت بعض صحیح نتائج پر پہنچ سکتے ہیں۔

جن مقامی حالتوں میں کلہن کی زندگی بسر ہوئی اور جس تاریخی ترقی کے باعث اس کے اپنے زمانہ کی سیاسی حالتیں نمودار ہوئیں ان سب پر کسی دوسری جگہ بحث کرنا ہوگی۔ اس جگہ ہم صرف تاریخ کشمیر کے ان اہم واقعات کا خلاصتہً ذکر کرنے پر اکتفا کرینگے۔ جو کلہن کے اپنے عہد زندگی میں وقوع پذیر ہوئے اور دیکھیں گے کہ معاصرانہ سوسائٹی بیان واقعات کا کیا اثر پڑا۔

کلہن کی اغلب تاریخ پیدائش

قبل ازیں بیان کیا جاچکا ہے کہ اپنے بیان کے بموجب کلہن نے یہ کتاب ۵۰-۱۱۴۹ء میں لکھی تھی طرز تحریر اور تاریخ کے معانی سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کلہن نے جب یہ کتاب لکھی تو وہ نوجوان نہ تھا لیکن خوش قسمتی سے اس بارہ میں کلہن کے اپنے الفاظ میں ہمارے پاس واضح شہادت موجود ہے جس جگہ وہ ان واقعات کو قلم بند کرتا ہے جو سری نگر میں ۱۱۲۱ء کے موسم بہار میں واقع ہوئے جب سسل ابھی تخت پر دوبارہ بحال نہ ہوا تھا۔ تو وہ غاصب بھکشاچر کی فوجوں کے دغابازانہ طریق عمل کو اس ڈھنگ سے بیان کرتا ہے۔ گویا وہ سب واقعات اس کے اپنے چشم دید ہوں (دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۹۴۱)

کلہن نے اس ہلچل کے زمانہ اور راجہ سسل کے عہد حکومت (۱۱۱۲ء تا ۱۱۲۰ء) کے ابتدائی سالوں کی نسبت جو کچھ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے گویا ان تحریرات

کی بنا کسی پختہ کار شخص کے ذاتی مشاہدہ پر قائم ہے۔ اس صورت میں یہ امر غیر اغلب ہے کہ کلہن اس زمانہ میں محض نوعمر لڑکا ہو۔ ان امور کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اگر ہم کلہن کا یوم پیدائش صدی کے آغاز میں قائم کریں تو غالباً ہم زیادہ غلطی پر نہ ہوں گے یہ تاریخ کم و بیش ہماری ان معلومات سے مطابقت کھاتی ہے جو کلہن کے والد چنپک کے متعلق اس بارہ میں ہمیں حاصل ہیں کہ سنہ ۱۰۹۸ء کے قریب وہ ایک اعلےٰ فوجی عہدہ پر مامور تھا۔

کلہن کے زمانہ میں کشمیر کی سیاسی حالت

تاریخ کشمیر میں ۱۲ ویں صدی کا آغاز ایک اہم خاندانی انقلاب کے باعث قابل یادگار ہے جس سے ملک کی سیاسی حالت میں عظیم تبدیلیاں واقع ہوئی تھیں راجہ ہرش کے عہد حکومت (سنہ ۱۰۸۹ء تا سنہ ۱۱۰۱ء) میں کشمیر خاص ترقی اور امن آمیز خوشحالی حاصل کر چکا تھا۔ لیکن آخرکار روما کے مشہور بدنام فرمانروا نیرو کی طرح ہرش کا دربار چونکہ عیاشانہ تھا۔ کچھ تو اس وجہ سے مالی محصولات اور کچھ اراضی دار ڈامروں کے مظالم کے باعث ملک میں اوچل اور سسل نامی دو بھائیوں کی رہبری سے بغاوت شروع ہو گئی تھی۔ یہ دونوں خاندان لوہر کی ایک شاخ کی طرف سے ہرش کے رشتہ دار تھے۔ اس جدوجہد میں ہرش ناکام رہ کر ایک حسرت ناک طریق پر قتل ہوا تھا

جب دونو باغی راجکمار کامیاب ہو گئے تو پہلے تو اندیشہ تھا کہ وہ ایک دوسرے کے مخالف بن جائیں گے لیکن انہوں نے ہرش کی مملکت کے حصے کر کے اس جھگڑے کو طے کر لیا۔ فیصلہ یہ ہؤا کہ کشمیر پر اوچل جو دونوں میں بڑا تھا حکومت کرے اور لوہر کا پہاڑی علاقہ جو درحقیقت اس خاندان کا وطن تھا سسل کے سپرد کیا جائے ہرش کے زوال کا موجب حقیقت میں طاقتور کشمیری ڈامروں کی بغاوت تھی اس لئے ان کا عروج بدستور قائم رہا جبا جبہ امد ملک کے امن دونوں کے لئے

خطرناک تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اوچل کے تخت پر قابض رہنے کی بڑی وجہ محض یہی تھی کہ وہ ایک بڑے اراضی دار کی دوسرے کے ساتھ ٹکر لڑوا دیا کرتا تھا اور گرگ چندر والیٔ لہر جوان میں سب سے زبردست تھا وہ اس کا دوست تھا۔ سنہ ۱۱۰۱ء سے سنہ ۱۱۱۱ء تک جبکہ وہ حکمران رہا ملک میں مدعیاں سلطنت کی بغاوتیں اور اس کے اپنے بھائی سسل کی طرف سے حملے ہوتے رہے آخر کار وہ ایک سازش کے ذریعہ جو اس کے معتبر اہلکاروں نے کی تھی۔ مارا گیا۔

سازشیوں میں سے ایک کا نام رو تھا۔ جسے انہوں نے راجہ بنا دیا لیکن وہ صرف ایک ہی یوم یعنی ۹-۸ دسمبر سنہ ۱۱۱۱ء کو حکومت کر سکا۔ گرگ چندر نے ایک مختصر لیکن خونریز لڑائی میں سازشیوں کو شکست دی اور اس طرح پر حقیقی بادشاہ گر بنگیا (دیکھو کلہن کے الفاظ مذکورہ ترنگ ۸ شلوک ۴۲۵) اس نے پہلے مقتول اوچل کے ایک سوتیلے بھائی سلہن کو تخت پر بٹھایا اور یہ شخص چونکہ زبردست ڈامروں کے ہاتھ میں محض کٹھ پتلی تھا۔ اسلئے سلطنت میں سخت بدامنی پھیل گئی آخر کار ڈامروں کی خانہ جنگی اور سسل کی بغاوت کے باعث جس کے بعد بڑی خونریز سختیاں کی گئیں سلہن کی چار ماہ کی حکومت ایک طویل خوفناک خواب بنگئی (دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۴۴۹)

سسل کا عہد حکومت
سنہ ۱۱۱۲ء تا سنہ ۱۱۲۸ء

آخر کار سسل نے گرگ چندر سے مدد لیکر اس تخت کو حاصل کیا جس پر اس کا مدت سے دانت تھا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے بڑے بھائی کی نسبت وہ شخصی طور پر زیادہ بہادر تھا لیکن ساتھ ہی جلد باز ظالم اور ناعاقبت اندیش تھا۔ اپنے عہد حکومت میں جو سنہ ۱۱۱۲ء سے سنہ ۱۱۲۸ء تک رہا۔ سچ پوچھو تو اسے زبردست ڈامروں کو دبانے یا خطرناک مدعیاں سلطنت کی مدافعت کی کوششوں ہی میں مصروف رہنا پڑا۔ آخر کار جب وہ بہت سے جنگ جدل اور دھوکہ بازی

کے بعد گرگ چند کو مارنے میں کامیاب ہو گیا تو ڈامروں کی بدامنی نے ایک عام بغاوت کی صورت اختیار کر لی۔

بھکشا چر جو راجہ ہرش کا پوتا تھا انہیں دعویدار سلطنت کے طور پر مل گیا۔ سسل کے مظالم اور ستمگاریوں کے باعث ان کی تعداد شب و روز بڑھتی گئی حتیٰ کہ آخرکار بڑی طاقت پاکر انہوں نے دارالسلطنت میں راجہ کا محاصرہ کر لیا ایک عرصہ طویل کی جنگ کے بعد جس میں دارالسلطنت کو بہت سا نقصان پہنچا۔ سسل کو مجبور ہو کر لوہر کی طرف بھاگنا پڑا۔

بھکشا چر کا تخت غصب کرنا سنہ ۱۱۲۰ء تا سنہ ۱۱۲۱ء

اب بھکشا چر کو دارالسلطنت میں تاج پہنایا گیا اور وہ سنہ ۱۱۲۰ء سے سنہ ۱۱۲۱ء تک عرصہ ۶ ماہ کے لئے محض برائے نام کشمیر کا حکمران رہا وہ درحقیقت مخالف ڈامروں کے ہاتھ میں محض ایک ذریعہ تھا اور اس کے شاہی اختیارات یہاں تک زایل ہو چکے تھے کہ جیسا ترنگ ۸ کے شلوک ۹۲۸ میں آتا ہے اسے کھانا میسر ہونا مشکل ہو گیا تھا۔ ڈامروں اور ان کے اہلکاروں دستوں کے جبر و تعدی سے رعایا اس قدر تنگ اور پریشان حال ہو چکی تھی۔ کہ دارالسلطنت کے اندر اور مضافات میں جابجا برہمن پرایوپویشن کر رہے تھے اس حالت میں لوگوں کی نظریں پھر ایک بار سسل ہی پر پڑیں ایک کشمیری فوج کو جو لوہر کی طرف بھیجی گئی تھی کامیابی کے ساتھ پسپا کر کے آخرکار سسل پھر کشمیر کا عازم ہوا اور ڈامروں کے نفاق کے باعث سنہ ۱۱۲۱ء میں دوبارہ تخت حاصل کر لیا۔

سسل کے عہد ثانی میں خانہ جنگی

اس کے بعد عرصہ ۷ سال تک بلا توقف خانہ جنگی کا سلسلہ جاری رہا۔ راجہ اپنے رقیب کے زبردست حامیوں کا مقابلہ کرنے سے قاصر تھا اور

اس کی فوجوں پر آئے دن جو مصیبتیں نازل ہوتی تھیں ان کے باعث اس کی حالت بہت خستہ ہو چکی تھی۔ سری نگر کا تین بار بہ نہایت سختی کے ساتھ محاصرہ کیا گیا اور اس پر آتشزدگی اور قحط نے اور بھی ستم ڈھایا۔ اس جدوجہد میں سسل اپنے آپ کو صرف جنوبی پہاڑیوں اور پنجاب کے جوانوں کی امداد سے برقرار رکھ سکا جنھوں نے اس زمانہ میں بھی جبکہ ہر طرف سے اس کے ساتھ دغا کا سلوک ہو رہا تھا وفادارانہ طور پر خدمت گذاری کی۔ ڈامر اس فساد کو اس وجہ سے اور بھی طول دے رہے تھے۔ کہ ملک کے اندر بدامنی کی حالت میں ان کا اپنا فائدہ تھا اور یہی باعث تھا کہ وہ بھکشاچر کو کوئی فیصلہ کن فتح دلا کر اس جھگڑے کو رفع کرنے کی مطلق خواہش نہ رکھتے تھے (دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۰۲۸)

جے سنگھ کی ابتدائی جدوجہد

آخر کار ۱۱۲۸ء میں سسل ایک اس قسم کی قاتلانہ سازش کا شکار ہوا جو اپنے رقیب کو مروانے کے لئے اس نے خود شروع کرائی تھی۔ جب اس کا بیٹا جے سنگھ تخت نشین ہوا تو اس نے دیکھا۔ کہ ڈامر ہمیشہ کی طرح طاقتور ہیں اور بھکشاچر سری نگر کے اندر کوچ کر کے آنے کے لئے تیار ہے اس نے اپنے قدم جمانے اور کسی قدر ظاہری حکومت کا سکہ بٹھانے کے جو ذرائع اختیار کئے وہ اپنے باپ والی ناعاقبت اندیشانہ بہادری پر مشتمل نہ تھے۔ بلکہ ان میں باجگذار امرا کی صلح اور حکمت عملی کی چالاکی کو بہت کچھ دخل تھا تخت نشین ہونے کے بعد عرصہ دو سال تک اسے بھکشاچر کی طرف سے خوف لگا رہا جو رہ رہ کر حملہ آور ہوتا تھا لیکن آخر کار وہ بہادر دعویدار سلطنت دھوکے سے ایک سرحدی قلعہ میں محصور کر کے مار ڈالا گیا۔ اس دشمن کا کانٹا ابھی راہ سے دور ہوا ہی تھا کہ ایک اور کامیاب سازش کے ذریعہ لوہر کا آبائی علاقہ اور قلعہ ایک نئے مدعی لوتھن کے ہاتھوں میں جا پڑا۔ جو سلھن کا بھائی تھا جے سنگھ

نے جب اس گم شدہ علاقہ کی بحالی کے لیے کوشش کی تو اس کا انجام ایک بدنام کرنے والی مصیبت ثابت ہوا آخر کار گوہر کا علاقہ دھوکے سے دوبارہ حاصل کر لیا گیا تاہم لوتھن اور ملارجن (جنہیں آخر الذکر بھی سلطنت کا دعویدار تھا) ایک مدت تک کشمیر میں ہلچل پیدا کرتے رہے۔ انہیں بوقت ضرورت ڈامروں کی طرف سے جنگی طاقت تا حال بدستور قائم تھی مدد مل جایا کرتی تھی

جے سنگھ کے عہد حکومت کے واقعات مابعد

آخر کار جب ملارجن ۱۱۳۵ء میں گرفتار ہو گیا تو ملک کو اپنی تکالیف اور مصائب سے کسی قدر آرام حاصل ہوا۔ لیکن یہ حالت دیرپا نہ تھی ہم دیکھتے ہیں کہ ۱۱۴۳ء میں پھر بعض خطرناک دشمن جے سنگھ کے مقابلہ میں آ اترتے ہیں۔ نیا دعویدار سلطنت سلھن کا بیٹا بھوج تھا جسے شمالی کشمیر کے دردوں کی معاونت حاصل ہو گئی۔ دوسری طرف ملک کے ہر حصہ میں طاقتور ڈامر ہتھیار سنبھالے بغاوت پر تلے ہوئے تھے۔ بھوج کے اپنے معاونوں میں چونکہ کسی قدر ناچاقی ہو گئی اس لئے راجہ تباہی سے بچا رہا۔ لیکن پھر بھی باجگذار اراضی داروں کے ساتھ اس کا مقابلہ سخت اور غیر فیصلہ کن ثابت ہوا آخر کار ۱۱۴۵ء میں جے سنگھ نے حکمت عملی سے بھوج کے ساتھ صلح کر کے کامیابی حاصل کی۔ لیکن کلہن کی تحریر سے واضح ہوتا ہے۔ کہ اندرونی فساد اور کشمکش پیدا کرنے والی طاقتیں جو ہرش کے زمانہ سے ملک کو برباد کر رہی تھیں۔ ابھی تک نیست و نابود نہ ہوئی تھیں۔

سطور بالا میں واقعات کا جو مجمل بیان دیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کلہن کی زندگی کا بہت بڑا حصہ ایک ایسے زمانہ میں گذرا تھا جب کہ کشمیر میں خانہ جنگی اور اندرونی فسادات کا دور دورہ تھا۔ کلہن کی تصنیف پر اس امر کا جو اثر ہوا وہ آگے چلکر واضح ہو جائے گا۔ اس جگہ ہم صرف اس معاملہ پر بحث کرنے پر اکتفا کریں گے

کہ ملک کی سیاسی حالتوں کا اثر کلہن کی زندگی اور اپنے معاصرین کے ساتھ اس کے تعلقات پر کس قدر پڑا۔

کلہن کا خاندان اور ہرش کا زوال

ہمیں یہ بات یقینی طور پر باور کر لینی چاہیے کہ جس خاندانی انقلاب کے باعث ہرش کے ہاتھ سے تخت نکلا اس کی جان بھی ضائع ہو چکی تھی اس کا کلہن کے خاندان پر دائمی اثر پڑا تھا۔ آٹھویں ترنگ میں ان بڑے چھوٹے اہلکاروں کے متعلق مفصل حالات درج ہیں جنہوں نے ہرش کے بعد مختلف حکمرانوں کی یکے بعد دیگرے خدمت گزاری کی تھی لیکن ان میں کہیں چنپک کا ذکر نہیں آتا۔ البتہ شلوک ۲۳۶۴ میں بھوتیشور تیرتھ کا ذکر کرتے ہوئے اس کا بھی حوالہ دیا گیا ہے۔ جس سے یہ امر غالب معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۳۵ء کے بعد وہ بھی زندہ تھا اس سے یہ بات صراحت کے ساتھ واضح ہوتی ہے کہ گو راجہ ہرش کے عہد میں کلہن کا والد ایک اعلےٰ انتظامی عہدہ پر مامور تھا۔ تاہم اس راجہ کی موت کے بعد اس کا سرکاری زندگی سے کوئی تعلق نہ رہا۔

یہ بات اب معلوم نہیں ہو سکتی آیا وہ خود اپنے عہدہ سے دست بردار ہو گیا یا اسکی علیحدگی کی کوئی اور وجہ تھی بہر نوع یہ امر قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ اس کا موجب چنپک کی وہ وفاداری تھا جو اس تاریخ کی تحریر کے مطابق اس بدنصیب راجہ کے متعلق اس کے اندر موجود تھی

کلہن کا مربی جے سنگھ نہ تھا

کلہن کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ نئے خاندان کے فرمانرواؤں کے ماتحت نہ تو اسے کوئی عہدہ حاصل تھا اور نہ اس پر ان کی طرف سے کوئی خاص عنایت ظہور میں آئی اس بارہ میں فیصلہ کن شہادت اس بات سے ملتی ہے کہ گو ہندوستانی مصنف رواج اور علمی روایات سے مجبور ہیں کہ اپنے مربیوں کی غیر معمولی تعریف اور خوشامد

کریں۔ تاہم راج ترنگنی میں اس قسم کی کوئی چیز معلق نہیں پائی جاتی یہ بات کہیں بھی صراحتاً یا کنایتہً ثابت نہیں ہوتی کہ کلہن نے اپنی نظم جے سنگھ کے حکم سے لکھی تھی جس آزادی کے۔ البتہ اس نے راجہ کے کیرکٹر پر بحث کی ہے اور اس کے بعض افعال کی غیر مناسبت اور ناموزونیت کا اظہار کیا ہے اس سے یہ امر بالکل غلط ہو جاتا ہے کہ اسے کبھی شاہی امداد کی توقع ہو سکتی تھی (جے سنگھ کے کیرکٹر کے متعلق دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۵۵۳-۱۵۶۶-۲۱۰۵ و ۳۴۰۵-۱۰ اس کی دغابازی کے متعلق دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۲۰۸۳-۲۱۸۶-۲۲۳۸ و ۲۹۷۸ اسکی خراب حکمت عملی کے متعلق دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۲۹۶۹ اور اس مصیبت کے متعلق جو اس کے عہد میں رعایا پر نازل ہوئی شلوک ۲۰۰۹)

جو لوگ اس بات کے مدعی ہیں کہ ہندوستانی شعرا اپنے مربی کی مبالغہ آمیز الفاظ میں تعریف کیا کرتے ہیں وہ معلوم کر سکیں گے کہ کلہن نے نسبتاً بہت کم مقامات پر جو تعریفی کلمات جے سنگھ کی شان میں کہے ہیں وہ بہت ہلکے اور رک رک کر کہے ہوئے ہیں ان کا اندراج محض اس وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ راجہ کا اعزاز مناسب اور ضروری ہوتا ہے یہ ممکن ہے اس کا باعث یہ ہو کہ کلہن اس بات سے خائف تھا کہ مبادا راجہ مجھ پر ناراض ہو جائے اور اس کے برے نتائج مجھے بھگتنے پڑیں۔

کلہن کا سسل کی نسبت سختی سے رائے زنی کرنا

یہی نتیجہ ان سخت الفاظ کے ذریعہ ثابت ہوتا ہے جو ممکن ہے مبنی بہ انصاف نہیں اور جو کلہن نے جے سنگھ کے والد سسل کے عہد حکومت کی نسبت استعمال کئے ہیں وہ آزادانہ طور پر اسکی جبلی برائیوں مثلاً ظلم اور حرص وغیرہ پر رائے زنی کرتا ہے اور یہ خیال ظاہر کرنے سے بھی نہیں جھجکتا کہ ۔

طور پر لوگ سمجھتے تھے اس پر چین سوا ہے (دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۶۵۴-۶۷-۱۱ و ۲۴۰۰) بخلاف اس کے یہ امر قابل غور ہے کہ کلہن بھکشاچر کی بہادری اور دلیری کی صاف لفظوں میں تعریف کرتا ہے۔ بجائیکہ اس کے ہاتھوں سسل اور اس کے بیٹے کو اس قدر تکلیف اٹھانا پڑی تھی لیکن ساتھ ہی یہ جتلا دینا بھی ناموزوں نہ ہوگا کہ کلہن نے بھکشاچر کے مختصر عہد حکومت کا جو تذکرہ لکھا ہے جس کے دوران میں گویا تخت پھر ہرش کے خاندان میں چلا گیا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے چنپک یا اس کے خاندان کو کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا تھا۔

ماجے سنگھ کے عہد حکومت میں جو باقی مدعیان سلطنت پیدا ہوئے ان میں صرف بہادر اور سمجھدار بھوج ہی ایسا معلوم ہوتا ہے جس سے کلہن کو کسیقدر ہمدردی تھی (دیکھو بالخصوص ترنگ ۸ کے شلوک ۳۰۸۸ و ۳۲۶۱) معلوم ہوتا ہے کہ کلہن کو تازہ واقعات کی نسبت زیادہ تر واقفیت کسی نہ کسی طرح بھوج ہی سے حاصل ہوئی تھی۔ بڑے دعویدار سلطنت لوتھن اور اس کے نکمے بھتیجے ملارجن کی نسبت اہما مورخ سوائے طنزیہ اور نفرت آمیز کلمات کے اور کچھ نہیں کہتا۔ بجائیکہ بھوج کی مانند یہ دونوں بھی اس وقت جے سنگھ ہی کے دربار میں تھے۔

کلہن کا اندازہ اپنے ہموطنوں کی نسبت

جس ہلچل کے زمانہ میں کلہن کی زندگی بسر ہوئی اس میں اکثر شاہی اور عوامی تبدیلیاں جلد جلد وقوع پذیر ہوتی رہی تھیں جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ کلہن کو اپنے ہموطنوں کی خصلتوں کا اندازہ کرنے کا کافی موقعہ ملگیا۔ اس صمن میں یہ امر کچھ بھی تعجب خیز نہیں ہے کہ اُسکی داستان میں صداقت کا عنصر نہایت زبردست ہے اور بعض پہلوؤں سے ایک خاص دلچسپی رکھتا ہے۔

ظاہر ہے کہ کلہن اس جسمانی اور اخلاقی کمزوری کی بین موجودگی کو بخوبی سمجھ گیا

تھا جو اہل کشمیر سے اس قدر مخصوص ہے اور خاص طور پر ادنیٰ طبقہ کے لوگوں سے منسوب کیجاتی ہے۔ جہاں کہیں تاریخی واقعات نے اسے اس بات کا موقعہ دیا ہے وہ طنزیہ کلمات میں کشمیری سپاہ کی بے حد بزدلی اور ان کی بالائی شیخیوں کا ذکر کرتا ہے (دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۵-۸۵-۱۱۸۰-۱۱۵۸-۱۱۹۱ ترنگ ۸ شلوک ۳۲۴-۶۲۳-۷۴۴-۸۰۰-۱۳۲۲-۱۳۴۹-۱۴۰۶-۱۸۶۶-۱۸۸۰-۲۲۵۱-۲۱۵۷ وغیرہ) راج ترنگنی کے مطالعہ سے ہم پر واضح ہوتا ہے۔ کہ کشمیری فوجیں کسی مستقل مزاج غنیم کو دیکھ کر یا بعض صورتوں میں اسکی آمد کی افواہ سنکر ہی منتشر ہو جاتی ہیں اور بعض حالتوں میں دونوں فوجیں ایک دوسرے کے خوف سے کانپتی دکھائی گئی ہیں۔ جب کبھی چند حوصلہ مند بدمعاش محل شاہی میں واردات قتل کے مرتکب ہوتے ہیں تو پہرہ دار درباری۔ وزراء اور فوجیں سبھی بھاگتے نظر آتے ہیں ایسے ایسے نظارے کلہن نے جس حقیقت نما رنگ میں رنگے ہیں اسے دیکھتے ہوئے ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس شخص کو تجربہ سے اپنے ہم وطنوں کی فوجی بہادری کا کہاں تک اندازہ حاصل ہو چکا تھا۔

پردیسی فوج سے مقابلہ

اپنی رائے پر زیادہ زور ڈالنے کے لئے کلہن ایک سے زیادہ موقعوں پر مقابلتاً راج پتوں اور باہر سے دوسری مستعار لی ہوئی فوج کی بہادری کا ذکر کرتا ہے جو بظاہر اس کے زمانہ میں فرمانروایان کشمیر کا واحد سہارا تھی (دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۰۸۲-۱۴۸۷-۱۱۴۸) البتہ بعض طنز آمیز اشاروں سے ہم بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ یہ غیر ملکی سپاہی قدرتی طور پر اپنے تفوق کی جو نمائش کرتے تھے وہ کلہن کو پسند نہ تھی (دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۱۶۱۷ ترنگ ۸ شلوک ۲۶۶) کلہن کو اپنی زندگی میں بہت سے ایسے واقعات پیش آچکے تھے جن سے ثابت ہوتا تھا کہ اس کے ہم وطنوں میں ہر ایک صورت میں بہت کچھ دغابازی پائی جاتی ہے اس صورت میں ہم اسکی اس تلخی کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں

جس میں وہ ان بااثر اور معتمد افسروں کا حوالہ دیتا ہے جو وقت پر اپنے آقاؤں سے منحرف ہونے یا رشوت لیکر ان سے دغا کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ (دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۱۴۹ ترنگ ۸ شلوک ۷۸۲، ۸۰۳ - ۸۲۴ - ۹۲۳ - ۹۱۴ - ۹۲۷ - ۱۵۲۲ - ۱۵۳۷، ۱۷۳۵ وغیرہ)

بخلاف اس کے جب کبھی وفاداری کی مثالیں دیکھنے میں آتی ہیں تو خواہ وہ وفاداری اس کے ملک یا راجہ کے دشمنوں کے لئے ہی ظاہر کی گئی ہو۔ وہ ان کی بے حد تعریف اور ثناخوانی کرتا ہے (مقابلہ کرو ترنگ ۷ شلوک ۱۳۲۳ - ۱۳۷۶ - ۱۱۴۹ ۱۵۳۲ - ترنگ ۸ شلوک ۴ ۶۳۴ - ۲۱۵۷، ۲۳۳۰)

شاہی دربار اور کیمپ میں بغاوت کا ہر وقت دور دورہ رہتا تھا جس کے پہلو بہ پہلو کلہن اس لاپرواہی کا بھی ذکر کر گزرتا ہے جس کے ساتھ کشمیری آبادی ہر وقت ہر قسم کی تبدیلی کے لئے آمادہ رہتی تھی۔ کاہل الوجود اور غیر متاثر اہل شہر اور انکے خیالات کی جو عجیب کیفیت اس نے قلم بند کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے ہموطنوں کی فطرت کو کیسی اچھی طرح سمجھتا تھا (دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۴۶۶ ترنگ ۸ شلوک ۴۲ تا ۱۱۷، ۲۸۰۴ نیز ترنگ ۷ شلوک ۱۵۵۱ و ۱۶۸۳) اور ان کے علاوہ راج ترنگنی کے بعض دیگر فقرات میں بھی مصنف کی امیرانہ نخوت کا اظہار ہوتا ہے کشمیریوں کے کیریکٹر کی بعض دیگر کمزوریوں کو بھی اس نے ویسی ہی صاف دلی سے قبول کیا ہے (دیکھو بغرض مثال ترنگ ۸ کا شلوک ۳، و ترنگ ۷ کا شلوک ۸۱۰۴)

ڈامروں کی مخالفت

کلہن نے معاصرانہ سوسائٹی کے مختلف طبقات کے لوگوں کی نسبت اپنی تصنیف میں جس قسم کی روش اختیار کی ہے اسے دیکھتے ہوئے سب سے پہلے ہماری نگاہ اس نفرت اور نخوت پر پڑتی ہے جو وہ ڈامروں کے ساتھ برتتا ہے ان جاگیردار اراضی داروں کی زبردست طاقت اور شر و فساد ہی کی بدولت راجہ ہرش کا زوال واقع ہوا

تھا اور یہی لوگ ان تکالیف کو پیدا کرنے والے تھے جو کلہن کے زمانہ میں ملک کے اندر ہر طرف پھیلی ہوئی تھیں جابجا ڈامروں کے لئے اس نے دسیو (لیٹیرے) کا جو لفظ استعمال کیا ہے وہ اس کے اندرونی خیالات کا بہترین مظہر ہے (مقابلہ کرو ترنگ ۸ شلوک ۲ کا نوٹ) ڈامر چونکہ وادی کشمیر کے کاشت کار طبقہ سے تعلق رکھتے تھے اسلئے معلوم ہوتا ہے کہ طاقتور خاندانوں میں بھی ان کا جبلی گنوارپن اور اجڈپن دور نہ ہوا تھا (ڈامروں کے مفصل حالات کے متعلق دیکھو نوٹ ۳ ضمیمہ کتاب ہذا) کلہن جابجا ان کے ان معائب کا ذکر کر گذرتا ہے۔ جنکے ساتھ وہ ڈامروں کے مظالم اور ستمگاریوں کا ذکر کرتا ہے اسمیں اس بات کی جھلک پائی جاتی ہے کہ ان کے عروج حاصل کرنے سے اسے اور اس کے خاندان کو ضرور صدمہ پہنچا ہوگا۔ یہ امر یقینی ہے کہ ملک کے اندر اس قدر چھوٹے چھوٹے درجہ کے ظالموں کا وجود خصوصاً کاشت کاروں کے لئے باعث مصیبت ثابت ہوتا ہوگا۔ بلکہ اہلکاروں اور دار السلطنت کے برہمن باشندگان کے لئے بھی بار ہوگا۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ جن قطعات زمین سے اکثر اہلکار روزی حاصل کرتے تھے وہ اندرونی فساد کے زمانوں میں ڈامروں ہی کے رحم پر ہوا کرتے تھے۔ (دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۶۸ و ۱۲۰۷)

کلہن کی روش اہلکاروں کی نسبت

کلہن نے جابجا کائستھوں کے معائب پر جو پیز در چوٹیں کی ہیں ان سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ گو نسلی اور تمدنی طور پر اس کا اہلکاروں سے بہت کچھ تعلق تھا۔ تاہم اس نے ان سے کسی قسم کی طرفداری کا برتاؤ نہیں کیا (دیکھو ترنگ ۴ شلوک ۶۲۰۔ ترنگ ۵ شلوک ۱۸۰۔ ۲۹۔ ۱۳۴۔ ترنگ ۷ شلوک ۱۲۲۶-۱۴۹۔ ترنگ ۸ شلوک ۵۳۔ ۸۵ و ۶۰ ۵) بلاشبہ ان کا بڑا حصہ برہمن ہی ہوا کرتا تھا اور اس زمانہ میں ان کا وہی درجہ تھا۔ جو آجکل کشمیر میں کارکنوں کا ہوتا ہے (دیکھو

بطور مثال ترنگ ۷ شلوک ۵۔۱۱۰۔۱۹۰۔۱۳۱ ورترنگ ۸ شلوک ۲۳۸۳) اس نے جابجا ادنےٰ اہلکاروں کے مظالم اور حرص کا جس طنز آمیز لہجہ میں ذکر کیا ہے اور جہاں کہیں ہوشیار راجاؤں نے انہیں دبانے کی کوشش کی ہے اس جگہ اس نے ان کی تکالیف کا بیان کرتے وقت جس خوشی کا اظہار کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کے کیریکٹر سے ذاتی طور پر واقف تھا۔

پروہتوں سے اظہار تنفر

راج ترنگنی کی عبارت کے مطالعہ سے ہم اس قابل بھی ہو جاتے ہیں کہ معلوم کر سکیں کشمیر قدیم کے ایک زبردست طبقہ یعنی برہمن پروہتوں کی نسبت کلہن کی کیا رائے تھی۔ وہ تمام بڑے بڑے معابد اور تیرتھوں کے پرشدوں (انجمنوں) کی صورت میں کہیں موجود تھے اور اکثر عظیم الشان اوقاف اپنے قبضہ میں رکھتے تھے۔ اس حالت میں اس قدر اقتدار رکھتے تھے کہ ایک سے زیادہ موقعوں پر انہوں نے ملک کے اندرونی انتظامات میں بہت بڑا حصہ لیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ فاقہ کشی کا وہ طریقہ جسے پرایوپوشن کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا ان کے ہاتھ میں دباؤ ڈالنے کا ایک زبردست ذریعہ تھا جس سے کمزور حکمران بہت ڈرتے تھے۔ اور جس سے وہ اکثر کام لیا کرتے تھے۔

کلہن کو پروہتوں کی اس جماعت سے جو اتنی ہی جاہل تھی جتنی کہ مغرور تھی جسقدر نفرت تھی اسے وہ چھپا کر نہیں رکھتا اور ملکی انتظامات میں ان کی مزید سالہا مداخلت کو نہایت مذموم قرار دیتا ہے۔ بعض موقعوں پر اس نے پروہتوں کی بڑی بڑی مجالس کی جو مذاقیہ کیفیت قلم بند کی ہے اسمیں خوب دل کھول کے ان کے اظہار شر اور بزدلی پر تمسخر اڑایا ہے اور انکی تقدیس کی چنداں پرواہ نہیں کی (دیکھو ترنگ ۵ شلوک ۶۵، ۶ ترنگ، شلوک ۱۲۸ ورترنگ ۸ شلوک ۹۰۱، ۹۳۹

جو لوگ اس بات سے واقف ہیں۔ کہ اعلےٰ طبقہ کے برہمن آجکل کے ترتھوں کے پجاریوں اور پروہتوں کو کس قدر حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں وہ بخوبی سمجھ سکیں گے کہ اس بارہ میں کلہن کے خیالات کیا ہونگے۔ مختلف حوالجات اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ "آرمنی دیوتا" خواہ کتنے بھی روائتی اعزاز کے مستحق کیوں نہ سمجھے جاتے ہوں۔ کلہن بطور ایک سیاسی جزو کے ان کے دعوؤں کو تسلیم کرنے کے لئے ہرگز آمادہ نہ تھا (دیکھو ترنگ ۵ شلوک ۱۶۹ ترنگ ۶ شلوک ۲ ترنگ ۸ شلوک ۶۸۰، تا ۷۷۰، ۲۷۳۰)

اس جگہ آخیر میں یہ بیان کرنا بھی موزون معلوم ہوتا ہے کہ ترنگ ۸ کے شلوک ۱۲۸ میں اوچل کے عہد میں جس دغاباز سوداگر کا قصہ بیان کیا اور اس کے کام کے طریقے پر بحث کی گئی ہے اس میں ایک نمایاں شخصی جھلک پائی جاتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا یہ قصہ حقیقت میں پیش آیا ہو۔ اور اس سے ناخوشگوار نتائج برداشت کرنے پڑے ہوں۔

کلہن کے ذاتی تعلقات اپنے معاصرین کے ساتھ

کلہن نے کشمیر کی جو معاصرانہ تاریخ لکھی ہے اسمیں بہت سی باتیں اس قسم کی پائی جاتی ہیں جنسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس زمانہ کے اکثر اور مشہور لوگوں سے جنہوں نے تاریخ میں حصہ لیا ہے واقف تھا۔ اسکی توضیح اس بات سے پورے طور پر ہوتی ہے۔ کہ اسے ایک خاص خاندانی اعزاز حاصل تھا۔ لیکن وہ چونکہ اپنے تمام ہمعصروں کی بے غرضانہ طور پر مدح و مذمت کرتا ہے اسلئے یہ معلوم کرنا کچھ آسان نہیں کہ کون کون سے اشخاص ایسے تھے جنسے اسے خاص تعلق حاصل تھا۔

اس کے زیادہ دوستانہ تعلقات وزیر الکھن کے ساتھ معلوم ہوتے ہیں جو سسل کا وفادار ہمراہی تھا اور راجہ جے سنگھ کے تمام عہد حکومت میں برسر اقتدار رہا آخرالذکر

کے زمانہ کے تمام لوگوں سے صرف وہی ہے۔ جبکی کلہن اس وجہ سے تعریف کرتا ہے کہ وہ علم کا مربی تھا (دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۲۴۰۴) مصنف نے رلہن اس کی بیوی اور بھائی کے قائم کردہ معابد کی غیر معمولی طویل کیفیت درج کی ہے اور اول الذکر کی بہادری اور جنگی قابلیت کی تعریف کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیا (دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۲۴۰۵ تا ۲۴۱۸، ۲۴۱۳ - ۲۸۲۳ تا ۲۸۴۳ - ۲۹۰۹ و ۳۳۵۵) سب سے زیادہ دلچسپ وہ تعریفی شلوک ہیں جو کلہن نے اس آرائش کی کیفیت قلم بند کرنے میں وقف کئے ہیں جسکا سامان رلہن نے مرسیشوری کے مندر کو دیا تھا (دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۳۳۶۴ تا ۳۳۷۰) یہ شلوک بلحاظ طرز تحریر کلہن کے معمولی طور پر ایسی باتوں کے تذکرے سے مختلف ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک پرشستی یا مدحیہ نظم ہے جو کوی مذکور نے اپنے دوست یا مربی کے نئے چڑھاوے کی تعریف میں لکھی ہو۔ اسکی تشریح محض اسی صورت میں ہوسکتی ہے کہ ہم سمجھ لیں کہ کلہن اور رلہن کا کوئی باہمی دوستانہ تعلق تھا۔

النکار جو جے سنگھ کے عہد میں اعلے عہدوں پر مامور تھا اس کی نسبت بھی کلہن نے تعریفی الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ النکار کے بھائی منک کی نظم سے معلوم ہوتا ہے کہ اول الذکر خود ایک عالم اور عالموں کا قدردان تھا (النکار کے متعلق دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۲۴۴۳ دنوٹ ۹۵ کتاب ہذا) منک کا کلہن نے صرف ایک ہی موقعہ پر اس طرح پر ذکر کیا ہے کہ وہ وزیر خارجیہ تھا اس کے شاعر ہونے کے متعلق کچھ ذکر نہیں کیا گیا (دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۳۳۵۴) جیسا کہ ترنگ ۸ کے شلوک ۲۵۰۱ سے معلوم ہوتا ہے دونوں بھائی اوسے بھی غالباً کلہن کے دوستانہ تعلقات تھے۔

یہ بات قابل غور ہے کہ کلہن نے مہاراجہ راج ودن کا ذکر ادب کے ساتھ کیا ہے بحالیکہ صرف چندہی سال پہلے وہ جے سنگھ کے خلاف ایک خطرناک بغاوت کا سرغنہ تھا (دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۳۲۲۷ و ۳۲۹۹) چونکہ اس غیر معمولی سلوک کی تاریخ

ہذا میں کوئی خاص وجہ نظر نہیں آتی۔ اس لئے اس کا باعث دونوں کے ذاتی تعلقات ہی سمجھنا چاہیئے۔

کلہن کی دنیاوی واقفیت

اس میں شک نہیں کہ مصنف کے جس قدر کے ذاتی حالات ہم اس کی تصنیف سے اخذ کر سکتے ہیں۔ وہ نہایت ہی مختصر ہیں اور اس نقصان عظیم کی کبھی تلافی نہیں کر سکتے جو اپنی شخصیت کے متعلق اس کے کچھ نہ لکھنے سے واقع ہوا ہے۔ تاہم ایک بات کلہن کے متعلق ایسی ضرور ہے۔ جس پر اس کی تصنیف کی بدولت بہت کچھ روشنی پڑتی ہے جو شخص راج ترنگنی کو عموماً اور اس کے بعض بعض حصوں کو خصوصاً نگاہ غور سے پڑھیگا وہ یقیناً اس بات کو معلوم کر سکے گا کہ جس شخص نے اس کتاب کو لکھا وہ اپنے اردگرد کے دنیاوی معاملات کو پورے طور پر دیکھنے اور سمجھنے کی قابلیت رکھتا تھا اسکی تصنیف ثابت کرتی ہے کہ وہ فطرت انسانی سے پورے طور پر واقف اور ملک کی مادی حالت سے اچھی طرح باخبر تھا۔ زمانہ قدیم سے تعلق رکھنے والے ادنے ترین امور کی نسبت دلی شوق رکھتا اور معاملات روزانہ زندگی کو بخوبی طور پر سمجھتا تھا ان سب باتوں پر نگاہ رکھتے ہوئے یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ کلہن ایک معمولی ہندوستانی کوی سے بالکل علیحدہ قسم کا شاعر اور مصنف تھا

فی الحقیقت یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس کی علمی تربیت بالکل رواجی قسم کی تھی اور جس طریق پر اس نے اپنی اس تربیت سے کام لیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے شاعری کے مقررہ ضوابط کو کہیں بھی توڑنے نہیں دیا تاہم یہ بات صریح ہے کہ اس کا علم محض کتابی نہ تھا نہ اسکی حالت اس شخص کی سی تھی جو صرف شاستر پڑھ کر اپنی روزی کمانے پر اکتفا کرتا ہو۔

کلہن کی تصنیف سے ہمیں ایک اور پر لطف بات معلوم ہوتی ہے۔ یہ یاد رکھنے

کے قابل ہے کہ دوسرے مقامات کی طرح قدیم ہندوستان میں بھی علمی پیداوار پر بہت بڑا اثر مانگ اور عنایات کا پڑتا رہا ہے لیکن راج ترنگنی کی تالیف اس نقطۂ خیال سے نہیں ہوئی۔ کلہن کے زمانہ کا دربار کشمیر اس قسم کا نہ تھا کہ اس میں شاعری یا علمیت کی کوئی خاص قدر کی جاتی۔ جس کی ہندوستان کے شعراء کو اکثر توقع رہا کرتی تھی۔ یہ امر یقینی ہے کہ راج ترنگنی کسی خاص فرمانروا کی امداد سے اس کی عنایا حاصل کرنے کے ارادہ سے نہ لکھی گئی تھی۔

راج ترنگنی کی تصنیف میں کلہن کا منشائے دلی

ان سب باتوں پر غور کرتے اور کتاب کے ان پہلوؤں پر توجہ دیتے ہوئے جو مصنف کی شخصیت کو نمایاں طور پر ظاہر کرتے ہیں۔ ہم اس بارہ میں رائے پیش کرنے کی جرات کر سکتے ہیں کہ کلہن نے کس منشاء دلی سے اس کتاب کو تصنیف کرنا شروع کیا تھا وہ چونکہ ایک نامی گرامی معزز خاندان سے پیدائشی تعلق رکھتا تھا اس لئے وہ اپنے باپ کی طرح ملکی انتظامات میں بڑا حصہ لینے کی توقع کر سکتا تھا۔ لیکن مخالفانہ سیاسی حالتوں یا شاید خاندانی پالیسی کی وجہ سے وہ سپاہی یا منتظم نہ بن سکتا تھا۔ اس صورت میں اس مذاق سے جو موروثی طور پر اس میں ودیعت ہو چکا تھا وہ سوائے اس کے اور کیا کام لے سکتا تھا کہ اپنے ملک کی تاریخ لکھ ڈالتا اور اپنے زمانہ کے حالات پر رائے زنی کرتا؟

جب ہم اس خیال سے کتاب پر نظر ڈالتے ہیں تو بہت سی باتیں جو اس کے نقدر شخصی اور مخصوص نظر آتی ہیں۔ مناسب اور خاص اہمیت رکھنے والی معلوم ہونے لگتی ہیں۔ پھر ہم اسکی تیز سیاسی آرا اور معاصرانہ واقعات کی اندرونی تاریخ کے متعلق اسکی کامل گرفت کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ اس نے فوجی کاروائیوں کی تفصیلات کو جس صحت اور درستی سے درج کیا ہے اور جو کم از کم اس بات پر دلالت کرتی ہے

کہ وہ فن حرب سے علمی واقفیت رکھتا تھا پورے طور پر ذہن نشین ہو جاتی ہے کشمیر کے جغرافیائی حالات سے اسے جو کامل واقفیت حاصل تھی اس کا باعث یہ نظر آنے لگتا ہے کہ صاحب اقتدار و مرتبت ہونے کے باعث اسے سیر و سیاحت کے اکثر مواقع حاصل ہوتے رہے ہوں گے آخر میں ہم اس آزادانہ رائے زنی کے معنی بھی سمجھ سکتے ہیں جس سے اس نے معاصرانہ واقعات و اشخاص کے متعلق کام لیا ہے۔

لیکن ایک مورخ کی حیثیت میں کلہن کے کیرکٹر کے متعلق یہ اور دوسرے اہم امور اس وقت اور بھی واضح ہو جائیں گے جب ہم اس کی تاریخ کی نوعیت اور معانی سے پورے طور پر واقف ہونگے۔

راج ترنگنی کی تحریر اور اسکی نوعیت

تاریخ ایک نظم کی حیثیت میں

کلہن کی تصنیف کی دلچسپی اور اہمیت ہماری نظروں میں محض اس وجہ سے ہے کہ یہ تاریخی واقعات کا ایک مجموعہ ہے جس میں قدیم کشمیر کے حالات کے متعلق ہمیں مفصل کیفیت معلوم ہو سکتی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ہمیں یہ بات نظر انداز نہ کر دینی چاہیئے کہ اس کے مصنف نے اسے زیادہ تر ایک نظم کی حیثیت میں لکھا ہے اگر ہم تصنیف کے اس پہلو پر پہلے توجہ دیں تو اس کے مدعا اور نوعیت کو زیادہ وضاحت کے ساتھ سمجھ سکیں گے۔

قبل ازیں ہم ان حالتوں پر نظر ڈال چکے ہیں جن کے باعث ہمیں بلیغ

سنسکرت نظموں کی تہ میں تاریخی واقعات کو ڈھونڈنا پڑتا ہے۔ کلاسیکل لٹریچر میں بھی تاریخ کا نظم سے نہایت گہرا تعلق رہا ہے اور "ابو التاریخ" کو بلا وجہ ہومر ثانی نہیں کہا جاتا لیکن اس بات کی توقع کرنا غیر مناسب ہوگا کہ تاریخی مضمون والی سلسلہ نظموں میں ہمیں وہ ترقی نظر آسکے جسکی بدولت یونان میں رزمیہ نظموں کے بعد ابتدائی تاریخی نثر لکھی جانے لگی تھی۔

جس ڈھنگ پر کلہن کی تاریخ لکھی گئی ہے۔ یہ کچھ زبان سنسکرت ہی کا خاصہ نہیں ہے۔ رومابیں بھی تھوسی ڈیڈس اور پولی بی اس کے بعد ایک مدت تک تاریخ نویسی کو محض اظہار بلاغت کا ایک ذریعہ اور اخلاقی اصولوں کی اشاعت کے لئے واقعات کو جمع کر دینے کا ایک وسیلہ سمجھا جاتا تھا۔ کلہن کی تصنیف میں ان تصانیف سے صرف اس قدر اختلاف ہے کہ فن بلاغت کی بجائے اس میں النکار شاستر سے کام لیا گیا ہے آخالذکر کی مثالیں ان تمہیدی شلوکوں سے جو اس نے اپنی تصنیف کے افتتاحی صفحات میں درج کی ہیں پورے طور پر نظر آتی ہیں۔

حقیقی شعرا کی وہ طاقت واقعی قابل تعریف ہے جو خواہ کیسی بھی جواہرات کی ندی پر فوقیت رکھتی ہے کیونکہ اس کے ذریعہ ان کی اپنی شہرت اور نیز دوسروں کی ناموری غیر فانی ہو جاتی ہے سوائے شاعروں کے جو پرجاپتیوں سے مشابہ ہیں اور کون ہے جو زمانہ ماضی کے دلفریب کارناموں کو لوگوں کی نظروں کے سامنے لا سکتا ہے؟

شاعروں کے فن کی یہ تعریف تاریخ کے ابتدا ہی میں اہمیت سے بیان کی گئی ہے اس رشتہ کو مخصوص کرنے کے لئے جو مصنف کو اپنے فن اور اپنی تاریخ کے مضمون میں نظر آتا ہے صرف اتنا بیان ہی کافی ہے وہ اس بات کی امید

رکھتا ہے کہ میری شاعری کی خوبیاں ہی ملک کی تاریخ کو تعر گمنامی سے بچانے کے لئے کافی ہیں

کلہن اور النکار شاستر

اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ معلوم کرنا قدرتی ہے کہ کلہن اپنی تصنیف کا اندازہ اسکی معنوی خوبیوں کے اعتبار سے نہیں لگاتا بلکہ ان موقعوں کے لحاظ سے لگاتا ہے جو اسے اپنی شاعرانہ بلند پروازیوں کے اظہار کے لئے ملتے ہیں وہ لکھتا ہے کہ گو داستان کی طوالت کے باعث تشریح کے ذریعہ بوقلمونی حاصل نہیں کی جاسکی تاہم اس میں ضرور کوئی ایسی چیز پائی جائے گی. جس سے تمام راستی پسند لوگ خوش ہوں گے۔" بوقلمونی ایک ایسی خوبی ہے جو النکار شاستر کے قوانین کی رو سے نظموں کے لئے خاص طور پر مقرر ہے اور اوسط درجہ کی سنسکرت نظموں میں بیشمار استعارات اور موسم اور نظاروں کی کیفیت پائی جاتی ہے اس کا باعث براہِ راست یہی ہو سکتا ہے لیکن راج ترنگنی میں یہ لطافتیں جو تخیل کے نقطۂ خیال سے غیر ضروری سمجھی جاتی ہیں نہیں پائی جاتیں اس کی تحریر بہت بڑی حد تک نسبتاً پُر مطلب اور سادہ ہے جس کے لئے ہم مصنف کے ممنون احسان ہیں۔
لیکن کلہن یہ جتلانا چاہتا ہے کہ اسکی وجہ یہ نہیں کہ وہ علمی خوبیوں یا رعایات سے عاری تھا۔ نہ اس کا باعث یہ قرار دیا جا سکتا ہے کہ وہ اس میں شاعرانہ تصنع پیدا نہ کر سکتا تھا تاریخ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہر حصہ میں جا بجا ہمیں اس قسم کے شلوک ملتے ہیں جنمیں وہ تمام صنعتیں پائی جاتی ہیں جو کسی اعلےٰ درجہ کی نظم کی خوبی ہو سکتی ہیں بعض موقعوں پر صرف رنگین بیانی کی خاطر تحریر کے سلسلہ کو بھی شکست کیا گیا ہے جسکی مثالیں ترنگ ا شلوک ۲۰۸ ترنگ ۳ شلوک ۱۴۱ ترنگ ۵ شلوک ۴۳۴ ترنگ ، شلوک ۹۲۸ - ۱۵۵۹ -

اور ترنگ ۸ شلوک ۲۴۸۰۰۸-۹۴۸۰-۹۷۹-۹۴۴-۱۷۴۴-۸۰۴۸۱۲۱ اور ۶۶ ۳۳ میں پائی جاتی ہیں اس قسم کی عبارتوں کے وجود کو تسلیم کرتے ہوئے ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ انکی اتنی کثرت نہیں جتنی ہرش چرت یا دکرانک دیو چرت وغیرہ میں پائی جاتی ہے اسکی وجہ وہی ہے جو کلہن نے خود بیان کی ہے یعنی داستان کی طوالت کا اندیشہ

ایک اور موقعہ پر کلہن یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ میں نے جو مضمون منتخب کیا ہے ایک شاعر کی حیثیت سے میری تصنیف پر اس کا کیا اثر پڑا ہے۔ النکار شاستر کے قواعد اس امر کے متقاضی ہیں کہ کسی نظم یا اس کے جزو اعظم میں کوئی مخصوص رس یا خیال پایا جائے۔ کلہن نے ہمیں جتلا دیا ہے کہ میری تصنیف کا رس یا خیال غالب شانت رس ہے (دیکھو ترنگ ۱ شلوک ۲۳) اس رس کے انتخاب کی مناسبت ثابت کرنے کے لئے وہ اس بات کا ذکر کرتا ہے کہ دنیا کی ہر شے ناپائدار ہے جسکا ثبوت کافی طور پر اسکی تصنیف سے ملتا ہے اسی رس کو نمایاں بنانے کے لئے وہ ان راجاؤں کے عہد حکومت کو غیر معمولی طوالت کے ساتھ بیان کرتا ہے جنہوں نے اپنی حکومت کا خاتمہ تیاگ یا کسی اور متاثر کن طریقہ پر کیا (مقابلتہً دیکھو ترنگ ۱ شلوک ۳۷۰ ترنگ ۲ شلوک ۱۵۳ ترنگ ۳ شلوک ۵۱۲ ترنگ ۴ شلوک ۳۸۰۔ ترنگ ۷ شلوک ۱۷۴۶ جسمیں ہرش کے حسرتناک انجام کا ذکر کیا گیا ہے) اس بات کو بھی اتفاقیہ نہ خیال کر لینا چاہئے کہ اسکی ۸ ترنگوں میں سے ۴ ایسے ہی بیان کے ساتھ ختم ہوتی ہیں (دیکھو ترنگ ۱-۲-۳ و ۷)

کلہن کی تصنیف کے پند آمیز پہلو

اسی رس کی سمت میں ہمیں کلہن کی تصنیف کے پند آمیز پہلو نظر آتے ہیں تمام دنیاوی شان و شوکت کا عارضی ہونا۔ شاہی مقبوضات کا غیر یقینی اخلاقی قوانین کو شکست کرنے کا اٹل معاوضہ یہ چند ایک سبق ہیں جنہیں

ناظرین کے ذہن نشین کرتا ہوا کلہن کبھی نہیں تھکتا۔

تاریخ کشمیر کے جو ابواب اس کے زمانہ کے قریب تر تھے اور جنہیں وہ خوب اچھی طرح سمجھتا تھا اسے ایسی باتوں کی تشریح کا خاص موقع دیتے ہیں ایسے ہی حکمت عملی، سیاست مدن اور شخصی چال چلن سے تعلق رکھنے والی باتوں پر بار بار توجہ دلائی گئی ہے اور ان کی اس طرح تشریح کی ہے گویا کسی دھرم یا نیتی شاستر میں ان کا تذکرہ آیا ہو کلہن اس بات کا عادی ہے کہ خاص خاص موقعوں پر مہابھارت یا رامائن کے واقعات سے تشبیہ دے کر ان پر زور دیتا ہے ہمیں معلوم ہے کہ ہندوستان کی رزمیہ نظموں میں اس قسم کے فقرات کس قدر پند آمیز ہیں اس لئے کلہن کی تصنیف میں ان کا بار بار اعادہ ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی تصنیف میں بہت سے شلوک اس قسم کے درج ہیں جو دانایانہ ضرب الامثال کو بیان اور انکی توضیح کرتے ہیں اور جابجا پائے جاتے ہیں۔

یہ معلوم کرنا دلچسپی کا موجب ہوگا کہ جو پند آمیز لہجہ راج ترنگنی میں پایا جاتا ہے لیکن اکثر نظموں میں موجود نہیں اس کی ابتداء کہاں سے ہوئی کیا یہ اس بات کا نتیجہ تھا کہ کلہن نے پوری توجہ سے ذاتی طور پر رزمیہ نظموں کو پڑھا اور ان پر کامل عبور حاصل کیا ہوا تھا؟ یا یہ لہجہ ان سابقہ تاریخوں میں بھی موجود تھا جنسے کلہن واقف تھا اور جنہیں اس نے بطور ایک نمونہ کے اختیار کر لیا تھا؟ اگر آخری خیال درست ہو۔ تو ہم قدرتی طور پر اس نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ سنسکرت زبان کی تاریخی شاعری کی ترقی میں رزمیہ نظموں کو بہت کچھ دخل حاصل تھا بدقسمتی سے وہ کتابیں جو کلہن کی تاریخ سے پہلے لکھی گئی تھیں گم ہو چکی ہیں اور ان کی عدم موجودگی میں دوسرے اکثر سوالات کی طرح یہ سوال بھی بے جواب ہی چھوڑنا پڑتا ہے۔

کلہن کے تاریخی ماخذ

ہم اب اس نتیجہ پر پہنچ گئے ہیں کہ کلہن کی تصنیف کی دلچسپی زیادہ تر اس کے ایک تاریخ ہونے کی وجہ سے ہے اس نقطہ خیال سے اس کی قدروقیمت کا صحیح اندازہ لگانے میں جو بات ہمیں مدد دے سکے اس پر خاص اور قریبی توجہ دینا ہمارا فرض ہے لیکن اس بارہ میں پھر ہمیں واقفیت حاصل کرنے کے لئے خود مصنف ہی کی طرف متوجہ ہونا پڑتا ہے۔

غیر طرفدارانہ تاریخ نویسی

سب سے پہلے یہ دیکھنا طمانیت بخش ہے کہ کلہن اس بات کو اچھی طرح سمجھتا ہے کہ تاریخ نویسی غیر طرفدارانہ ہونی چاہیے شاعروں کی تعریف میں اس نے جو شلوک لکھے ہیں۔ اور جن سے اسکی تمہید کا افتتاح ہوتا ہے ان کے بعد ترنگ ا کے شلوک ۷ میں وہ بیان کرتا ہے کہ صرف وہی شاعر تعریف کا مستحق ہے جو زمانہ ماضی کے واقعات کو قلم بند کرتے وقت مصنف کی طرح محبت یا نفرت سے پاک ہے۔ اس کے اس پر زور بیان اور اس اہمیت کی وجہ سے جو اس تحریر کو دی گئی ہے ہم کسی حد تک اس مورخ کے منشائے باطن کو سمجھ سکتے ہیں اس سے بھی زیادہ قابل تعریف وصف کلہن کا یہ ہے کہ اس نے کم از کم عام طور پر ہی ان ماخذوں کا ذکر کردیا ہے جن سے اس نے اپنی تاریخ میں مدد لی ہے

پرانی تاریخوں پر کلہن کی سرسری نظر

اپنی تمہید (ترنگ ا کے شلوک ۸) میں وہ صاف لفظوں میں اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ میں نے جو مضمون اختیار کیا ہے۔ اس پر قبل ازیں

دوسرے مورخ بھی بحث کر چکے ہیں۔ خود اس کام کو ہاتھ لگانے کے عذر کو معقول بنانے کے لئے اس نے سابقہ تاریخوں پر کسی قدر مختصر اور سرسری نظر ڈالی ہے جو بہت بڑی تاریخی دلچسپی رکھتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے کشمیر کی تاریخ شاہی کے متعلق مختلف کتابیں مروج تھیں۔ لیکن کلہن کے زمانہ میں وہ مکمل صورت میں نہ دیکھی جاتی تھیں۔ کلہن ان کے ضائع ہو جانے کو کسی حد تک اس بات سے منسوب کرتا ہے کہ سورت نے خلاصہ کر کے ان کے مطالب کو ایک رسالہ کی صورت میں جمع کر دیا تھا۔ ہندوستان میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب کوئی مختصر خلاصہ موجود ہوا تو پھر لوگوں نے اس مضمون کی تمام سابقہ کتابوں کی طرف سے لاپرواہی شروع کر دی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ضائع ہو گئیں۔ کلہن اس بات کا ذکر کرتا ہے کہ سورت کی نظم لوگوں میں ہر دلعزیز ضرور ہے لیکن وہ اس لحاظ سے اسے تکلیف دہ قرار دیتا ہے کہ مولف نے اپنی فضیلت سے غلط کام لیا ہے ان حالات میں اس بات کا اندازہ باسانی ہو سکتا ہے کہ یہ کتاب بہ حیثیت ایک نظم کس پایہ کی ہوگی۔

کلہن صاف لفظوں میں اعتراف کرتا ہے کہ نیل مت پران کے علاوہ سابق علماء کی گیارہ تصانیف سے کام لیا گیا ہے جنمیں راجاؤں کے حالات موجود ہیں"۔

ان میں سے نیل مت پران اب تک موجود ہے آگے چلکر ہم اس ضمن میں اس کتاب کا ذکر کرینگے کہ کلہن نے جیسا کہ وہ خود اعتراف کرتا ہے، بعض راجاؤں کے نام اس کتاب سے حاصل کئے تھے۔ باقی کتابوں کا ہمیں کچھ پتہ نہیں۔ ان میں سے صرف تین کے مصنفوں کے نام ہمیں معلوم ہیں۔

کشمیندر کی نرپاولی

معلوم ہوتا ہے کہ کشمیندر کی کتاب نرپاولی (نرپت

راجگان) ایک مقبول اور کسی قدر مستند کتاب تھی۔ کیونکہ سورت کے رسالہ کے بعد کلہن خاص طور پر اسی کا ذکر کرتا ہے۔ وہ اسے "ایک شاعر کی تصنیف" تسلیم کرتا ہے لیکن ساتھ ہی کہتا ہے کہ اس کے ہر حصہ میں غلطیاں موجود ہیں۔ جن کا باعث لاپرواہی ہے" کشمیندر کشمیری شاعر اور مورخ کلہن کے زمانہ سے قریباً ایک صدی پہلے ہو گذرا ہے اس کی بےشمار تالیفات جو اب تک موجود ہیں اس بات کو ظاہر کرتی ہیں، کہ وہ تصنیف کے کام میں ایسا ماہر مصنف نہ تھا۔ بلکہ تالیف کا کام بہت بڑی حد تک سر انجام دے سکتا تھا۔ (دیکھو بوہلر صاحب کی رپورٹ صفحہ ۴۶)

نرپاولی کے متعلق سٹائین صاحب لکھتے ہیں کہ میں نے کشمیری کتب خانوں سے اس کتاب کو حاصل کرنے کے لئے بہت کوشش کی ہے۔ پروفیسر بوہلر کی طرح ایک عرصہ تک میں اس بات کا متوقع رہا ہوں کہ یہ کتاب ضرور کہیں نہ کہیں سے مل رہے گی۔ لیکن باوجود کافی انعام مشتہر کرنے سے ابھی تک دیکھنے میں نہیں آسکی۔ اس صورت میں اندیشہ ہے کہ پروفیسر بوہلر کو اس کتاب کے کشمیر میں موجود ہونے کی غلط خبر دی گئی ہوگی۔ بہر نوع کلہن نے اسکی نرپاولی پر جو رائے قائم کی ہے وہ غالباً مناسب تھی۔ بحالت موجودہ اس کتاب کی گمشدگی کا بہت افسوس ہے۔ کیونکہ جب ہم دیکھتے ہیں کہ کشمیندر نے اپنی دیگر تالیفات میں ان ماخذوں کا ذکر قلم بند کر دیا ہے۔ جنسے اس نے اپنی تالیف میں مدد لی ہے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس کتاب میں بھی یقیناً یہ بات موجود ہوگی۔ اور اس سے ہمیں اس کے اور کلہن کے ماخذوں کا بہت کچھ پتہ چل جاتا۔

پدم مہر اور چھولاکر کی تاریخیں

دوسرے دو مورخ جنکا کلہن نے اسمی حوالہ دیا ہے ان کے حوالے سے اس نے اپنی فہرست خاندان کے ابتدائی حصہ میں بعض اندراج کئے ہیں۔ پدم مہر کی تصنیف

سے کلہن نے راجاؤں کے ۵۲ نام لئے تھے۔ جنکی ابتدا اوس سے ہوتی ہے جیسا کہ آگے چلکر معلوم ہوگا خود بیدم مہر نے ناموں کی یہ کسی قدر مشتبہ فہرست یا شوپت سنیاسی ہیلاراج کی تالیف پارتھواولی (فہرست راجگان) سے حاصل کی تھی (دیکھو ترنگ ا شلوک ۱۷۔۱۸) آخرالذکر (فہرست راجگان) کی نسبت کلہن کا بیان ہے کہ اس میں ۱۲ ہزار شلوک تھے۔ لیکن جس طرح پر اس نے ہیلاراج کی تاریخ کا ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکا اس سے بالواسطہ تعلق نہیں پڑا۔ البتہ چھولاکر کی تصنیف یقیناً اس کے قبضہ میں تھی۔ کیونکہ اس نے اس کا براہ راست حوالہ دیا ہے اور اشوک اور بعض اور راجاؤں کے نام بھی اس نے اسی سے حاصل کئے تھے

سابقہ تاریخوں کی نوعیت

ان قدیم تاریخوں کے نلموں اور اس بات سے کہ کن موقعوں بیان لکھوائے دئے گئے ہیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان میں کشمیر کی تاریخ کے نہایت پرانے زمانہ کے حالات درج تھے۔ لیکن یہ بات ماننی پڑتی ہے کہ کلہن نے جو گیارہ کتابیں دیکھیں ان سب کی یہ حالت نہ تھی اپنی تصنیف کا ذکر کرتے وقت وہ صاف لفظوں میں ان مصنفوں کا ذکر کر گذرتا ہے جنمیں سے ہر ایک نے اپنی راجاؤں کے عہد کی تاریخ لکھی تھی۔ جو ان کے ہمعصر تھے۔ (مقابلہ کرو ترنگ ا کے شلوک ۹ و ۱۰ کے نوٹ) کلہن یہ بھی بیان کرتا ہے کہ میری خواہش صرف اسی قدر نہیں کہ ان کی تاریخوں کے سلسلہ میں جدید واقعات کا اضافہ کردوں ظاہر ہے کہ کلہن اس جگہ ان کتابوں کا حوالہ دیتا ہے جنمیں ساری تاریخ کشمیر موجود نہ تھی۔ بلکہ اس جگہ سے سلسلہ کو قائم رکھا گیا تھا جہاں پہلے مورخوں نے چھوڑ دیا تھا۔ چنانچہ جونراج۔ سرلور اور پرجا بھٹ کی تاریخیں ایسی ہی ہیں

جو راج ترنگنی کے سلسلہ ہی میں لکھی گئی ہیں۔ کلہن ایسی تصانیف کا ذکر کسی قدر نفرت کے ساتھ کرتا ہے لیکن ہم بخوبی سمجھتے ہیں کہ معاصرانہ واقعات کی دست تحریر جو یقیناً انمیں موجود ہوتی تو اس بات کی کافی طور پر تلافی کر سکتی کہ ان کا دائرہ محدود تھا اور ان میں شاعرانہ باریکیاں نہ پائی جاتی تھیں

کتبوں اور دوسری اصلی تحریروں کا استعمال

مذکورہ بالا قسم کی کتابوں کے مقابلہ میں کلہن اپنی کتاب کی نسبت بیان کرتا ہے۔ کہ اس میں ان موقعوں پر مسلسل حالات قلم بند کرنے کی کوشش کی گئی ہے جہاں بہت سی حالتوں میں گذشتہ واقعات کا سلسلہ شکست ہو گیا تھا" اس غرض کے لئے اس نے صرف ان پرانی تاریخوں ہی سے کام نہیں لیا جنکا اوپر حوالہ دیا گیا ہے بلکہ اصلی ماخذوں کو بھی استعمال کیا ہے چنانچہ وہ بیان کرتا ہے کہ مختلف غلطیوں سے جو تکلیف پیدا ہوتی تھی اس پر غالب آنے کے لئے ان کتبوں کا معائنہ کیا گیا ہے جنمیں مندروں کے استھاپن کئے جانے اور سابق راجاؤں کے عطایائے کا ذکر ہے اور ان کے علاوہ تعریفی کتبوں اور شاستروں کا بھی مطالعہ کیا گیا ہے (دیکھو ترنگ ا شلوک ۱۵) اس شلوک کے متعلق جو نوٹ دیا گیا ہے اسمیں ان مختلف کتابوں کی نوعیت پر بحث کی گئی ہے اس جگہ ہم اس بیان کی عام اہمیت پر توجہ دلانا چاہتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کلہن کوی ہونے کے علاوہ قدیم معاملات میں بھی دلچسپی لیتا تھا اور اس قسم کی تاریخی دستاویزات سے دلچسپی رکھتا اور ان سے واقف تھا جو اس کے ملک میں دستیاب ہو سکتی تھیں۔ سنسکرت زبان کے کسی شاعر کو محقق آثار قدیمہ کا پارٹ لیتے دیکھنا واقعی ایک نادر بات ہے اور کلہن میں

اسے دیکھ کر گونہ طمانیت حاصل ہوتی ہے۔

قدیم امور سے کلہن کی دلچسپی

کلہن کی تاریخ کے مطالعہ سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ جس قسم کے مصالحوں کا اس نے حوالہ دیا ہے ان سے کام بھی پورے طور پر لیا ہے اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ مندروں اور معبدوں کی بنیاد کے متعلق اس نے جو مفصل اور صحیح حالات قلم بند کئے ہیں اور نیز مورتیوں وغیرہ کے استھاپن کئے جانے کے بارہ میں لکھے ہیں وہ ان مندروں وغیرہ کے کتبوں ہی سے اخذ کئے گئے ہیں ایسے ہی اس نے اگرہاروں و دیگر اوقاف کے متعلق جو مفصل حالات لکھے ہیں وہ غالباً تانبہ کی سندوں اور ایسے ہی ذرائع سے حاصل کئے گئے ہیں راج ترنگنی میں کم از کم ایک موقعہ پر (ترنگ ۱ کے شلوک ۴۴۲ میں) تعریفی کتبوں (پرشستی) سے جو زمانہ حال کے ہندوستانی تاریخ کے محققوں کے لئے بدرجہ اتم کار آمد ہیں کام لیا گیا ہے اس نے مصنفوں اور لٹریری واقعات کے متعلق جو بیشمار حوالے دئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ان امور سے کام لیا ہے جو سنسکرت تصانیف کے مسودوں سے اکثر ان کے مصنفوں کی شخصیت اور زمانہ کے بارہ میں معلوم ہوتے ہیں۔

لیکن اس جگہ یہ امر قابل غور ہے کہ کلہن نے جن قدیم مصالحوں سے کام لیا ہے۔ وہ کتبوں یا تحریری کتابوں تک ہی محدود نہیں۔ مختلف حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک کے قدیم سکوں سے جو تاریخی واقفیت حاصل ہو سکتی تھی اسے بھی نظر انداز نہیں کیا گیا (دیکھو نوٹ متعلقہ ترنگ ۳ شلوک ۱۰۳ ترنگ ۶ شلوک ۱۷۷ ترنگ ۷ شلوک ۹۲۶) ترنگ ۱ کے شلوک ۱۹ ترنگ ۳ کے شلوک ۸۰ ترنگ ۴ کے شلوک ۲۶۲ - ۳۳۵ - ۴۱۸ - ۴۷۱ و ترنگ ۸

کے شلوک ۸۰ میں ہم دیکھتے ہیں کہ کلہن بعض زمانہ قدیم کی دلچسپی رکھنے والی باتوں پر غور کرتا ہے اور ان کے متعلق اس نے جو عجیب عجیب روایات قلم بند کی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ان کے ماخذ اور تاریخ کو دریافت کرنے میں واقعی بڑی محنت اور جستجو سے کام لیا ہوگا ترنگ ۳ کے شلوک ۴۸۳ ترنگ ۴ کے شلوک ۴۴۲ اور ترنگ ۷ کے شلوک ۱۲۵ میں اس نے سرکاری دفاتر اور انسٹی ٹیوشنوں کا جو ذکر کیا ہے اس سے بھی وہی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے

عام روایات کا استعمال

کلہن نے ان ذرائع سے جو قدیم تحقیق کی تھی اسی کے ضمن میں ہم اس واقفیت کو بھی درج کر دینا چاہتے ہیں جو اسے عام روایات سے حاصل ہوئی اسمیں ذرا بھی شبہ نہیں کہ کلہن کی تاریخ کے ابتدائی حصہ میں جو قصے کہانیاں پائی جاتی ہیں ان میں سے اکثر کو اس نے عام روایات ہی سے حاصل کیا ہے گذشتہ مصنفوں کی تصانیف سے نہیں لیا اس کا ثبوت بہت بڑی حد تک یہ ملتا ہے کہ اکثر حالتوں میں کہانیاں بالکل ایک مقامی رنگ میں رنگی ہوئی معلوم ہوتی ہیں یا ان کا طرز بیان اس قسم کا ہے (دیکھو ترنگ ۱ شلوک ۱۳۱ قصہ کرتیا شرم وہار ترنگ ۱ شلوک ۱۵۶ تا ۱۶۷ روایت دامودرا اور ترنگ ۱ شلوک ۲۶۳ متعلقہ تباہی نرور ترنگ ۱ شلوک ۳۰۱ ترنگ ۲ شلوک ۱۲۹ ترنگ ۳ شلوک ۳۳۶ تا ۳۴۹ متعلقہ بنائے پرورپور ترنگ ۳ شلوک ۳۷۴ ترنگ ۴ شلوک ۵۰۳ تا ۵۱۱ متعلقہ بنائے جے پور ترنگ ۵ شلوک ۶۸ متعلقہ باقاعدگی دریا جو سویہ کی طرف سے عمل میں آئی تھی۔ بالخصوص ترنگ ۵ شلوک ۱۰۱-۱۰۷ وغیرہ) یہ بیان کرنا چنداں ضروری معلوم نہیں ہوتا کہ کلہن کی تاریخ میں ان کہانیوں کا وجود اسلئے مناسب نہیں خیال

کیا جاتا اگر ہم ان کی کوئی خاص تاریخی اہمیت سمجھتے ہیں۔ بلکہ ان کی بدولت ہم ان مقامی ابتدائی روایات سے واقف ہو سکتے ہیں جو اب تک کشمیر میں مروج ہیں جو ہمیشہ اس وادی کے قدیم جغرافیائی حالات یا روایات کی نوعیت کا پتہ چلتا ہے۔ بعض حالتوں میں مثلاً ترنگ ۱ شلوک ۲۱۲، ترنگ ۳ شلوک ۴۵۶ ترنگ ۴ شلوک، ۶۳۷ ترنگ ۷ شلوک ۱۶۰۴ میں ہم دیکھتے ہیں کہ کلہن خاص خاص مقامی روایات کا ذکر کرتا ہے جو اس کے یا ان مصنفوں کے بیانات سے جنہیں اس نے مستند خیال کیا ہے مختلف ہیں۔

معاصرانہ تاریخ سے واقفیت

کلہن نے اپنے زمانہ کی تاریخ کشمیر کے جو تفصیلی حالات قلم بند کئے ہیں۔ ان کا باعث بلاشبہ یہ تھا کہ اس بارہ میں اس کی ذاتی معلومات بہت بڑھی ہوئی تھیں نیز معاصرانہ مشاہدوں کے بیانات اسے حاصل تھے یہی باعث ہے کہ ترنگ ۸ کی غیر معمولی طوالت ہمارے لئے قابل قدر معلوم ہوتی ہے اس سے پہلے ہم اس شلوک (ترنگ ۸ شلوک ۸۹۵) کا حوالہ دے چکے ہیں جس میں کلہن نے سسل کی بحالی (سنہ ۱۱۲۱ء) کے متعلق ایک واقعہ کے بارہ میں ذاتی واقفیت کا ذکر کیا ہے لیکن کلہن ہمیں اس سے پہلے زمانہ کے متعلق بھی خود حاصل کردہ واقفیت مہیا کرتا ہے یہ بات ظاہر کی جا چکی ہے کہ اس کے والد چنپک نے راجہ ہرش کے زمانہ (سنہ ۱۰۸۹ء تا سنہ ۱۱۰۱ء) میں سیاسی امور میں بہت بڑا حصہ لیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ کلہن نے اس راجہ کے عہد حکومت اور اس کی حسرت ناک موت کا جو صحیح اور دلچسپ حال لکھا ہے۔ اس کا باعث وہ خط و کتابت ہو جو اس بیٹے اور اس کے باپ کے درمیان ہوتی رہی ہو۔ کلہن جس جگہ سنہ ۱۰۹۵ء میں تنونگ کے پوتوں کے قتل کا ذکر لکھتا ہے اس جگہ وہ ان لوگوں کی شہادت

درج کرتا ہے جو اس کی تصنیف کے وقت زندہ تھے۔ (دیکھو ترنگ ۷، شلوک ۱۰۶۶) ایک اور موقعہ پر (ترنگ ۷، کے شلوک ۶۴۹ میں) وہ راجہ ہرش کے زمانہ کے زندہ شاہدوں کا ذکر کرتا ہے ممکن ہے کہ خاندانی روایات کی بدولت جو جدید کشمیر میں بھی بہت کچھ پائی جاتی ہیں مصنف کو زمانہ قدیم کے بہت سے تحریر میں نہ آئے ہوئے حالات معلوم ہو گئے ہوں ترنگ ۸ کے شلوک ۱۳۵ میں کلہن کے زمانہ سے ۲۰۰ سال پہلے کے ایک واقعہ کا ذکر اسی ذریعہ واقفیت سے منسوب کیا جا سکتا ہے۔

کلہن ایک راوی کی حیثیت میں

کلہن کی غیر طرفداری اور آزادی

کلہن کی تصنیف کے ان پہلوؤں پر غور کرنا جو ہماری نظروں میں اس کی وقعت کو دو بالا کرتے ہیں واقعہ میں طمانیت اور مسرت بخش امر ہے۔ اس بارہ میں سب سے اول قابل ذکر مصنف کی دیانت داری بنشا اور اسکی غیر طرفداری ہیں۔ اس سے پہلے ہم نے کلہن کی شخصیت پر جو مختصر بحث کی ہے اس میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ وہ معاصرانہ تاریخ اور اس میں حصہ لینے والوں کے کارناموں کو قلم بند کرتا ہوا آزادی سے کام لیتا ہے وہ ہم سے اس راجہ کی کمزوریاں اور غلطیاں بھی نہیں چھپاتا جس کے زمانہ میں اس نے اپنی کتاب لکھی تھی۔

جس بلیا کی کے ساتھ وہ ان لوگوں کے طریق عمل پر نکتہ چینی کرتا ہے جو اسکے زمانہ

میں باثر عہدوں پر مامور تھے اس کو دیکھتے ہوئے یہ امر مشتبہ معلوم ہوتا ہے آیا وہ اس کتاب کو اپنی زندگی میں شہرت کرنا چاہتا بھی تھا۔ یا نہیں؟ زمانہ ماضی قریب کے حالات کا ذکر کرنے میں بھی وہ اسی غیر طرفداری سے کام لیتا ہے اس نے راجہ جے سنگھ کے باپ اور چچا اور اس کے نہایت خوفناک دشمن بھکشاچر کی جو تصاویر کھینچی ہیں ان میں روشنی اور سایہ ایک مناسبت کے ساتھ ملے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔

کلہن نے ہرش کے پرحوادث زمانہ کے جو مکمل اور تاریخی طور پر دلچسپ حالات لکھے ہیں۔ ان سے بھی اسی خیال کی تصدیق ہوتی ہے ہم قبل ازیں اس بات کا ذکر کر چکے ہیں کہ کلہن اس راجہ کا شخصی طور پر بہت کچھ ممنون احسان تھا کیونکہ اس کی عنایت سے اس کے خاندان کو اثر و اقتدار حاصل ہوا تھا۔ باوجود اس کے وہ اس راجہ کی برائیوں اور برے کاموں پر پورے طور سے بحث کرتا ہے۔ جنکا ملک کی حالت اور خود اس فرمانروا کی خوشحالی پر ایسا برا اثر پڑا تھا (دیکھو بالخصوص ترنگ ۷ شلوک ۸۶۹) چنانچہ اس نے ہرش کے حسرت ناک انجام کا منظر کھینچتے ہوئے جہاں اس کے رس کا غلبہ پایا جاتا ہے ہمیں یہ بات محسوس کرا دی ہے کہ تاریخ کشمیر کے اس نیرو (رومانکا) ایک ظالم بادشاہ کو قسمت نے جو کچھ دکھایا وہ بالکل واجب اور مناسب تھا۔

ٹین صاحب اپنی کتاب ٹائیٹ لو کے صفحہ ۸۴ پر لکھتے ہیں کہ کسی مورخ میں دیانت داری کا موجود ہونا اس کی قوت تنقید یہ کا پیش خیمہ ہوتا ہے معاصرانہ تاریخ میں کلہن نے بدیہی طور پر انصاف پسند اور غیر طرفدار ہونے کی کوشش کی ہے۔ اس صورت میں کیا ہم یہ نہیں خیال کر سکتے۔ کہ عہد

ماضی کے متعلق بھی اس نے جسقدر رائیں قائم کی ہیں ان میں بھی اسی احساس سے مدد لی ہے

کلہن کے کیرکٹروں کی شخصیت

کلہن کی تحریر میں یہ بات بھی قابل تعریف ہے کہ جہاں کہیں اسے زیادہ اور تاریخی مصالحہ ملگیا ہے اس نے اپنی داستان کے خاص خاص کیرکٹروں کو محض نمونہ کے طور پر نہیں بلکہ انفرادی طور پر ہمارے روبرو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ کلہن کی اس خوبی کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے صرف اتنا کافی ہے۔ کہ تنگ ونت۔ ہرش۔ سسل وغیرہ کی جو تصاویر اس نے کھینچی ہیں۔ ان کا مقابلہ ان بے رنگ خاکوں سے کیا جائے۔ جو اکثر سنسکرت نظموں میں جنمیں تواریخی حیرت بھی شامل ہیں پائے جاتے ہیں۔ بان اور بلہن کی تصانیف بھی تو تاریخی ہیں لیکن جیساکہ بوہلر صاحب نے اپنی کتاب وِکرمانک دیوچرت کے دیباچہ میں صفحہ ۹ پر لکھا ہے "ان کے بہادروں کی تصاویر بالکل سفید اور ان کے دشمنوں کی بالکل سیاہ ہیں۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ ان چند شلوکوں میں جہاں کلہن نے کسی شخص کے کیرکٹر کی باقاعدہ تشریح کی ہے وہ فن عروض کے قواعد اور ترکیبوں میں الجھ گیا ہے ایسے موقعوں پر روائتی ترکیب بیانیہ اس کے لئے اتنی زبردست ثابت ہوئی ہے کہ وہ اس کا مقابلہ نہیں کرسکا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ معمولی فصلی بیانات اور خاص خاص اشخاص کے انفرادی افعال کی کیفیت میں فرق عظیم پایا جاتا ہے (دیکھو حالات راجہ یشسکر ترنگ ۶ شلوک ۲ تا ۱۳ و ترنگ ۷ شلوک ۶۸) لیکن جب وہی اشخاص اپنے افعال کی صورت میں ہمارے روبرو پیش کئے جاتے ہیں۔ اور ان کے منشا دلی پر بحث کی جاتی ہے تو

ہمیں ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ گویا حقیقی افراد ہمارے پیش نظر کر دیے گئے ہیں۔ کلہن کی تاریخ کے حصص مابعد میں اکثر کیرکٹروں کی جو حقیقی صورت پیش کی گئی ہے اس کا باعث بلاشبہ یہ ہے کہ اسے جو تاریخی مصالحہ بکثرت دستیاب ہوا ہے اس سے اس نے نہایت ایمانداری سے کام لیا ہے لیکن جوں جوں ہم اس زمانہ سے پرے ہٹتے جاتے ہیں جس کے حالات اسے زندہ مشاہدوں یا معتبر معاصرانہ تحریروں سے معلوم ہوئے تھے اس کے کیرکٹر زیادہ عام اور دھندلے پڑتے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پہلی تین ترنگوں کے روایتی شہرت رکھنے والے بڑے بڑے راجاؤں مثلاً میگو اہن۔ تنجن۔ پرورسین وغیرہ میں اس سے زیادہ شخصیت نہیں پائی جاتی جتنی رزمیہ نظموں یا پریوں کی کہانیوں کے ہیروز میں پائی جاتی ہے۔

چھوٹے چھوٹے ایکٹروں کی مذاقیہ تصاویر

جہاں سے کشمیر کی تاریخ مابعد کا تذکرہ شروع ہوتا ہے بہت سے چھوٹے ایکٹروں کی زندہ تصاویر بھی ہمارے پیش نظر ہوتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کلہن میں مذاق کا وہ احساس اور انسانی کمزوریوں کو پہچاننے کا وہ مادہ موجود تھا۔ جو کشمیریوں سے مختص ہوتا ہے یہی باعث ہے کہ اسکی زیادہ کامیاب تصاویر وہ ہیں جنہیں اس نے مذاق یا طنز کا برش بھی لگا دیا ہے یکا یک با اختیار بنجانے والے بھدر سیٹھ بخیل چندر مکیہ اور فسادی سازشی سد وغیرہ کی تصاویر کلہن کی تصنیف کے صفحات میں ایک ایسی حقیقت آمیز صورت میں دیکھی جاتی ہیں جنہیں دیکھ کر مصنف کے انسانی خصائل سے پورے طور پہ باخبر ہونے کی داد دینا پڑتی ہے (دیکھو ترنگ ۷، شلوک ۳۹
۱۱۱ ترنگ ۸، شلوک ۲۶۳)

ان کمینہ اور گنوار لوگوں کی کیفیت قلم بند کرتے ہوئے جو اپنی بے حیائی کے باعث ترقی حاصل کر گئے تھے۔ کلہن بڑی مذاقیہ طرز اختیار کرتا ہے (مثال کے طور پر دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۲۹-۲۸۵-۲۸۰ و ترنگ ۵ شلوک ۳۹۷)

انہیں پڑھ کر ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ تفصیل اگر سب کی سب تاریخی نہیں تو کم از کم اتنا ضرور ہے کہ انہیں زندہ نمونوں سے حاصل کیا گیا ہے۔ اس قسم کے کیرکٹر کے خاکوں میں کلہن نے اگر ہمدردی یا طرفداری محسوس نہیں بھی کی تو کم از کم انصاف کو ضرور مدِ نظر رکھا ہے اس بارہ میں ایک قابلِ ذکر مثال کلراج کی زندگی اور افعال کی دیکھا سکتی ہے جو ایک قاتل کے طور پر خاص مہارت رکھنے کی وجہ سے کوتوال شہر کے بلند درجہ تک پہنچ گیا تھا (دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۳۳۳۳)

وقائع مابعد کی تاریخی صحت

کلہن کے اکثر کیرکٹروں میں تاریخی صداقت کا جو وجود پایا جاتا ہے وہ تاریخ کے وقائع مابعد کے تفصیلی حالات میں دیکھا جاتا ہے۔ ممکن ہے زمانہ حال کے مورخوں کے نقطہ خیال سے ہم اس بات کو غیر مناسب تصور کریں کہ ایسے موقعوں پر غیر معمولی طوالت سے کام لیا گیا ہے لیکن ساتھ ہی ہمیں یہ بات تسلیم کرنا پڑتی ہے کہ یہ تفصیلات بجائے خود اکثر نہایت دلچسپ اور ہمیشہ تاریخی پہلو لئے ہوتی ہیں۔ اگر راجہ ہرش کی آخری جدوجہد اس کی فراری اور موت۔ بھکشاچر کے حسرت ناک انجام در لوہر کے زوال کی کیفیتیں جو ترنگ ۷ کے شلوک ۱۴۰۲ و ۱۸۱۸ میں قلم بند ہیں ہمیں درست معلوم ہوتی ہیں تو اس کا باعث یہ نہیں ہے کہ انہیں پوری صحت کے ساتھ تفصیلی طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس کا موجب یہ بھی ہے کہ ایسے بیانات ڈرامٹیک طور پر بالواسطہ ہیں اور

ان میں وہ بلاغت یا استعارات کی کثرت نہیں پائی جاتی جو ایسے موقعوں پر اکثر سنسکرت نظموں میں دیکھی جاتی ہے

یہ بات یقینی ہے کہ واقعات کا ایسے دلچسپ اور پر اثر طریقہ پر صرف آخری دو ترنگوں میں بیان کیا جانا محض اتفاقیہ نہیں ہو سکتا۔ وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ ان موقعوں پر جو واقعات بیان کئے گئے ہیں ان کے متعلق کلہن کو معاصرانہ تحریروں اور آنکھوں سے دیکھنے والوں کے بیانات سے بہت کچھ مدد مل گئی تھی۔ چنانچہ کلہن نے کلش کی موت۔ رانی سوریہ متی کے ستی ہونے اور راجہ سسل کے قتل کے جو پر درد واقعات قلم بند کئے ہیں۔ ان کے متعلق اس کا آخر الذکر وسیلہ سے اپنی معلومات حاصل کرنا بالکل اغلب معلوم ہوتا ہے (دیکھو علے الترتیب ترنگ ۷ شلوک ۷۰۹ و ۴۶۳ و ترنگ ۸ شلوک ۱۳۸۷) اکثر ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ اس نے خاص خاص نظاروں کی جو تصاویر کھینچی ہیں وہ ان احساسات سے بالکل ملتی جلتی ہیں جو ایک تماشائی کے دل پر رہ جاتے ہیں۔ (مثال کے طور پر دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۱۵۵۷ جس میں محل کے سر ہونے کے بعد ہرش کی صورت دکھائی گئی ہے (ترنگ ۸ شلوک ۴۰۹ متعلقہ قتل راجہ اوچل۔ ترنگ ۸ شلوک ۷۰۳ آمد بھکشاچر ترنگ ۸ شلوک ۲۶۴۵ متعلقہ اطاعت لوٹھن) ایک سے زیادہ موقعوں پر کلہن اپنی داستان کے ایکٹروں کی زبانی ایسے مناسب اور پر معنی الفاظ ادا کراتا ہے۔ کہ ہمیں انکی صداقت کی نسبت شبہ نہیں رہتا (دیکھو ترنگ ۶ شلوک ۱۴۹۰ ترنگ ۸ شلوک ۸۸۰-۶۸۰-۸۸۶-۳-۱۶۴۳-۹۰۲ و ۱۱۲۹) ترنگ ۷ کے شلوک ۱۲۲ ۱۰۹۱-۱۱۷۱-۲۰ ۱۵۷۲ اور ترنگ ۸ کے شلوک ۹۹ و ۲۳۷۰ میں اس نے بعض اس قسم کے مذاقیہ قصص اور محاورات استعمال کئے ہیں۔ جو اس کے زمانہ

میں عام طور پر مقبول معلوم ہوتے ہیں یہ بیان کرنا غیر ضروری ہے کہ ان کا ایسا ہونا ہی ان کی قدر کو ہماری نظروں میں بڑھاتا ہے لیکن کلہن صرف عوام کے مذاق ہی کو صحت کے ساتھ قلم بند نہیں کرتا ترنگ ، کے شلوک ۶۶ میں اس نے خاندان شاہی کی زائل شدہ عظمت کے بارہ میں جو کچھ لکھا ہے اس سے پوری تازگی کے ساتھ وہ اثر ہمارے ذہن نشین ہو جاتا ہے جو اس واقعہ سے لوگوں کے دلوں پر پیدا ہو چکا تھا۔

نسب ناموں کی صحت

کسی مورخ کا بہت بڑا فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ تاریخی نسب ناموں کی درستی کی طرف پوری توجہ دے۔ یہ امر طمانیت بخش ہے کہ کلہن اس بات کی اہمیت سے واقف تھا۔ اسکی تاریخ کے ان حصوں میں جنکے لئے اس کے پاس معتبر مصالحہ موجود تھا ہم دیکھتے ہیں۔ کہ جہاں کہیں وہ کسی نئے ایکٹر کو سٹیج پر لاتا ہے تو اس کے نسب نامہ کو پوری صحت کے ساتھ بیان کر دیتا ہے اگر وہ ایسا نہ کرتا تو آخری دو ترنگوں کے واقعات کو سمجھنے میں ہمیں بہت کچھ دقت پیش آتی کیونکہ ان میں اس نے جو کچھ لکھا ہے وہ چنداں وضاحت کے ساتھ نہیں لکھا۔ جو لوگ اس کے قصہ میں زیادہ نمایاں حصہ لیتے ہیں ان کے اس نے باقاعدہ طور پر نسب نامے بیان کر دئے ہیں۔ جیسے ہم انکی خاندانی تاریخ معلوم کر سکتے ہیں اور جنسے تاریخی تفصیلات کے سمجھنے میں بھی سہولیت ہوتی ہے

کلہن کی صحیح جغرافیائی واقفیت

اس سے پہلے ہم اس بات کا حوالہ دے چکے ہیں کہ کلہن کو ملک کی جغرافیائی حالت سے کامل اور وسیع واقفیت حاصل تھی۔ تاریخ میں اس قسم کے جسقدر حوالے

دے گئے ہیں۔ ان کے سمجھنے میں اس وجہ سے جو سہولیت ہوتی ہے وہ ناقابل بیان ہے۔ کلہن کی تحریر کی ایک ادنےٰ سی خوبی یہ ہے کہ کشمیر کی قدیم جغرافیائی حالت کی بنسبت ہمیں جو معلومات حاصل ہیں وہ لئے نہی بڑے کسی اور علاقہ کی نسبت حاصل نہیں۔

کلہن کی طرز تحریر قبل ازیں ہم اس بات کا ذکر کر چکے ہیں کہ کس لئے کلہن اپنی داستان کو محض نظم کی صورت میں تیار کر سکتا تھا۔ چونکہ مضمون نظم میں باندھا گیا ہے اس لئے اس کی طرز انشا پردازی بھی ویسی ہی ہے جیسی ایک اوسط درجہ کی نظم کی ہونی چاہئے

لوازم بلاغت کا استعمال سنسکرت نظموں میں عام طور پر اس قسم کے لوازم بلاغت پائے جاتے ہیں جیسے کہ ازروئے النکار شاستران میں موجود ہونے ضروری ہیں۔ کلہن کی تاریخ میں ایک سرے سے دوسرے تک تشبیہیں۔ استعارات۔ الفاظ کا تکرار اور اسی قسم کی صنعتیں جو کسی شاعر کی خوبی کو دوبالا کرتی ہیں بدرجہ غایت موجود پائی جاتی ہیں۔ لیکن ساتھ ہی یہ امر قابل غور ہے کہ ان کا اجتماع کم وبیش اس کتاب کے خاص ہی خاص موقعوں پر پایا جاتا ہے ساری کتاب میں اس قسم کی شاعرانہ صنعتوں سے کام نہ لینے کے عذر کے طور پر کلہن وہی کتاب کی طوالت کا عذر پیش کرتا ہے اگر ہم معلوم کرنا چاہیں کہ عام شاعروں کے طریق بیان میں کلہن کو کہاں تک مہارت حاصل تھی تو لازم ہے کہ ہم اس قسم کے واقعات کی کیفیت کا مطالعہ کریں جیسے یڈھشٹر کی جلاوطنی۔ جکہ درمن یا سسل کا فتح حاصل کر کے دارالسلطنت میں داخلہ یا بھکشاچر کی آخری جنگ وغیرہ (دیکھو ترنگ اشلوک ۲۸۰ ترنگ ۵ شلوک ۱۳۸۷

ترنگ ۸ شلوک ۷،۴ ۹ و ۴ ۴ ۱۷) لیکن زمانہ موجودہ کی تاریخ نویسی کے لحاظ سے غنیمت ہے کہ کلہن نے بہت کم موقعوں پر اس قسم کی تحریر سے کام لیا ہے۔

متاثر کن واقعات کا ڈرامیٹک طرز بیان

کلہن کی تصنیف کے جن حصوں میں متاثر کن واقعات کو بیان کرتے ہوئے ڈرامیٹک طرز اختیار کی گئی ہے وہ ایک جداگانہ قسم کی شاعرانہ خوبی رکھتی ہے اس بارہ میں ایک دلچسپ نمونہ وہ ہے جس میں جیا پید کی موت کے وقت راجہ اور مظلوم برہمنوں کا مکالمہ درج کیا گیا ہے جنکا سراپ آخر کار راجہ کے لئے مہلک ثابت ہوتا ہے (دیکھو ترنگ ۴ شلوک ۶۴) راجہ اننت کی تکفین اور اس کی رانی سوریہ متی کے ستی ہونے کا جو ذکر ترنگ ۷ کے شلوک ۱۶۴ میں پایا جاتا ہے وہ بھی ویسا ہی متاثر کن ہے لیکن تاریخی واقعات کے بیان میں کلہن کے کمال کا اظہار اس موقعہ پر ہوتا ہے جہاں وہ ہرش کی حسرت ناک موت کا ذکر کرتا ہے (دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۱۶۰۰ تا ۱۷۱۳) اس قسم کے الفاظ میں جو سادہ اور بالواسطہ ہونے کے باوجود ڈرامیٹک ہیں وہ اس بدنصیب راجہ کے اپنے نشان موت کی طرف بڑھتے جانے کی تصویر دکھاتا ہے مغلوب کرنے والے مصائب کے مقابلہ میں اس کی بیکسی اس کے ہمراہیوں کا ساتھ چھوڑ جانا اور دغا کرنا اسکی مصیبت آمیز جائے پناہ اور تکالیف اور آخری جدوجہد کے موقعہ پر اسکی بہادری ان سب باتوں کو وہ نمایاں طریق پر ہماری نظروں کے سامنے لاتا ہے۔

کلہن کی داستان کا اثر ناظرین کے قلب پر اس وجہ سے اور بھی گہرا پڑتا ہے کہ جس طرز میں اس نے اسے بیان کیا ہے۔ اس میں مبالغہ آمیزی اور بلیغانہ اثرات کو بالکل دخل نہیں۔

چونکہ کلہن کو واقعات کا ایک طویل سلسلہ بیان کرنا تھا اس لئے ممکن نہ تھا کہ وہ ہر جگہ ایسی ہی ڈرامیٹک طرز اختیار کرتا اس وجہ سے اسکی تصنیف کا اکثر حصہ ایک منظوم نثر معلوم ہوتا ہے بلاشبہ کلہن اس بات سے واقف ہوگا اس ہم آہنگی کو دور کرنے کے لئے جو ایک شاعر کے نقطہ خیال سے غیر موزون خیال کیجا سکتی ہے وہ جابجا عجیب وغریب استعارات تشبیہیں اور ذومعنی الفاظ استعمال کرتا ہے

رنگین بیانی اور ضرب الامثال

تصنیف میں جس قدر استعارات یا تشبیہیں پائی جاتی ہیں۔ وہ بلاشبہ داستان کو زیادہ واضح یا دلچسپ بنانے میں کوئی خاص مدد نہیں دیتیں باایں ہمہ ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ان میں سے اکثر استعارات نہایت دلفریب اور اریجنل ہیں (مثال کے طور پر دیکھو ترنگ ۶ شلوک ۲۰۹ ترنگ ۷ شلوک ۱۰۶۷-۱۲۲۵ ترنگ ۸ شلوک ۱۳۴-۲۵۲۰-۲۵۶۰-۲۵۸۶-۲۶۳۵ ۲۶۵۲ ۲۷۴۷) غالباً اسی وجہ سے کلہن اپنی تصنیف میں جابجا علم محاورات اور مشاہدات کو بصورت ضرب الامثال داخل کرتا جاتا ہے بعض میں گو مضمون اس قسم کا دیکھا جاتا ہے کہ اس پر بہت کچھ خامہ فرسائی ہو چکی ہے تاہم شاعرانہ تخیل کی بلند پروازی قابل داد ہوتی ہے۔ ایسے شلوکوں کی زبان پیچیدہ لیکن شستہ اور خوشنما پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کلہن کے شلوکوں کو ہندوستان کے دانایانہ ضرب الامثال میں بلند درجہ دیا جاتا ہے (دیکھو ولبھ دیو کی سبھاشتاولی جس میں راج ترنگنی کے بہت سے شلوک دیئے گئے ہیں۔ مولفہ پیٹرسن صاحب صفحہ ۱۸ ابوٹلنگ صاحب نے اپنی کتاب انڈش سپروش میں بھی کلہن کے بہت سے شلوکوں کا

ترجمہ داخل کیا ہے

کلہن کی تصنیف میں فصیحانہ تقاریر اور مکالموں کی موجودگی

راج ترنگنی میں کہیں کہیں جو مختصر فصیحانہ تقاریر یا مکالمے پائے جاتے ہیں وہ بھی غالباً تحریر میں بوقلمونی پیدا کرنے کے لئے ہی داخل کئے گئے ہیں ایک سے زیادہ موقعوں پر اس ترکیب سے کلہن اپنی داستان کے ایکٹروں کی زبانی ان کے منشائے دلی کو بوضاحت بیان کردا دیتا ہے (دیکھو دعوے تخت کی نسبت اوچل کی تشریح مذکورہ ترنگ ۷ شلوک ۱۲۸۰ ہرش کا اپنے عہد حکومت کی مناسبت قائم کرنا مذکورہ ترنگ ۷ شلوک ۱۴۱۶ بھکشاچر کا اپنے آپ کو مخاطب کر کے خیالات کا اظہار کرنا مذکورہ ترنگ ۸ شلوک ۱۰۲۳ و ۱۴۴۹) بعض موقعوں پر کسی دلچسپ مکالمہ کی بدولت ہم کسی پیچیدہ معاملہ کے انقلاب پذیر پہلوؤں یا حاضرین کے تبدیل ہوتے ہوئے خیالات کو سمجھ سکتے ہیں (مثال کے طور پر دیکھو انت اور سوریہ متی کا مکالمہ جو اول الذکر کی خود کشی سے پہلے ہوتا ہے. مذکورہ ترنگ ۷ شلوک ۲۲۴۔ ہرش اور اس کے وزرا کا مشورہ مذکورہ ترنگ ۷ شلوک ۳۸۶۔ بھکشاچر کے زوال کے بارہ میں سپاہیوں اور ڈامروں کی رائے زنی مذکورہ ترنگ ۸ شلوک ۱۰۰۴ و ۱۲۵۰۔ قلعہ سرہ شلا کے باہر وزیروں کی محفل کا ایک دوسرے سے مشورہ کرنا مذکورہ ترنگ ۸ شلوک ۲۶۱۳۔ جے سنگھ اور بھوج کی ملاقات مذکورہ ترنگ ۸ شلوک ۳۲۱۴) یہ ایک عجیب بات ہے کہ ایسے مکالموں ہی میں اس قسم کے محاورات داخل کئے ہوئے پائے جاتے ہیں جو عام ضرب الامثال یا خیالات کے مظہر ہیں اور جن میں سے بعض آج تک کشمیریوں میں استعمال

ہوتے ہیں (مقابلہ کرو ترنگ ۸ شلوک ۱۴۱۸۔ ترنگ ۸ شلوک ۲۸۶۳۔ ۲۹۰۰۔ ۳۱۰۲ و ۹۰۳) اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کلہن جن موقعوں پر اپنی داستان کے آخری حصہ کے ایکٹروں کی زبان سے الفاظ ادا کرداتا ہے تو وہ اس زمانہ اور ملک کے آداب و لہجہ گفتگو کو خاص طور پر ملحوظ رکھتا ہے

کلہن کی تحریر کا دھندلا پن

اس قدر خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے اس بات سے انکار کرنا گویا انصاف کا خون کرنے کے برابر ہوگا کہ کلہن نے بعض اوقات اپنی تحریر کو اس قدر پیچیدہ بنا دیا ہے کہ اس کا مطلب سمجھنا دشوار ہو جاتا ہے چنانچہ بہت سی مطبوعہ تالیفات تصنیف ہٰذا میں جو غلطیاں پائی جاتی ہیں ان میں قصور مسودوں کا نہیں ہے بلکہ کلہن کی پیچیدہ تحریر کا ہے۔ تحریر کے اس دھندلا پن کا باعث کسی قدر یہ بھی ہے کہ اس نے نادر الفاظ استعمال کئے ہیں یا فقرات کو پیچیدہ کر دیا ہے یا شاعرانہ گرہ بڑ ڈال دی ہے لیکن بہت بڑی حد تک اس کا باعث کچھ اور بھی ہے۔ کلہن اپنی تاریخ کے حصص آخری میں ملک کی پیچیدہ حالت۔ پیچ در پیچ سازشوں اور درباری زندگی یا انتظامی امور کی ذرا ذرا سی باتوں کو بہت کچھ تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے اس حالت میں وہ جسقدر اپنے بیان کو درست اور مفصل بنانے کی کوشش کرتا ہے اتنا ہی زیادہ ہم اس کا حقیقی مطلب سمجھنے میں مشکلات سدِ راہ پاتے ہیں۔ کیونکہ ان بیانات کی طرز تحریر بجائے خود شاعرانہ ڈھنگ پر بہت کچھ رنگین ہے یہ مشکلات اس وجہ سے اور بھی دو بالا ہو جاتی ہیں کہ کلہن نے جو کچھ لکھا ہے وہ ایسے ڈھنگ پر لکھا ہے گویا اسی کے زمانہ میں پڑھا جانے کو ہے چنانچہ اپنے زمانہ کی تاریخ کو لکھتے وقت

وہ اکثر موقعوں پر تفاصیل کو نظر انداز کر دیتا ہے جس سے مطلب بالکل تاریک پڑ جاتا ہے۔

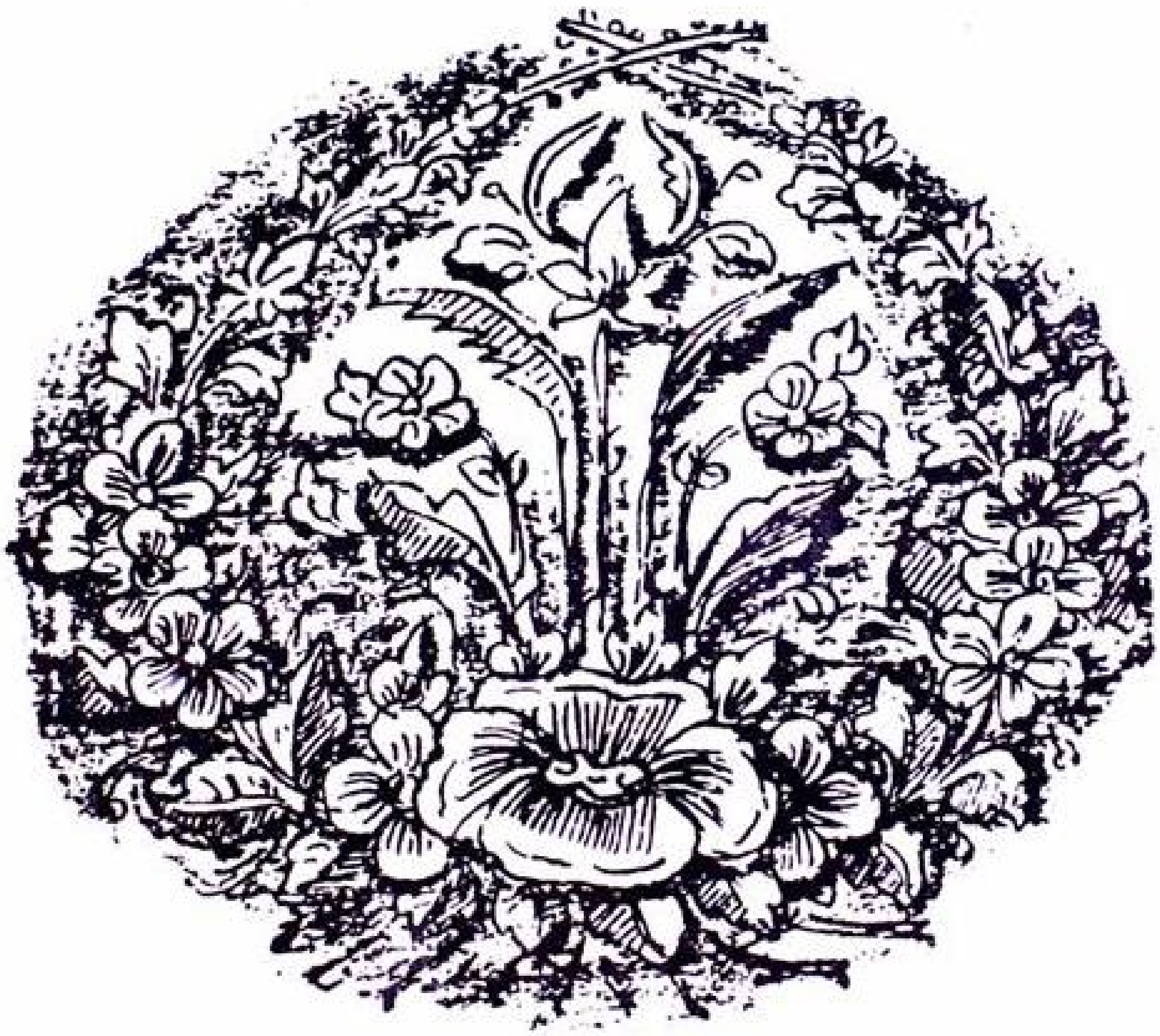
کلہن کی تحریر میں اس قسم کی جسقدر دقتیں پائی جاتی ہیں۔ انکی کثرت ترنگ ۸ میں بہت بڑھی ہوئی ہے۔ معاصرانہ تاریخ کشمیر کے اس دلچسپ سلسلہ کو سمجھنے میں سب سے بڑی دقت ہمیں صرف اس لئے پیش آتی ہیں کہ کلہن سمجھ لیتا ہے کہ ہم اسکی داستان کے سٹیج پر نمودار ہونے والے چھوٹے بڑے تمام ایکٹروں سے واقف ہیں اور خواہ وہ کتنے بھی خالی از اہمیت ہوں۔ انکی ذاتی تاریخ سے واقف ہیں۔

ساڑھے تین ہزار شلوک کی تصنیف میں ناظر کے لئے واقعی یہ امر بہت کچھ پریشانی کا موجب ہوتا ہے کہ ایک ہی شخص مختلف موقعوں پر مختلف ناموں سے نمودار ہوتا رہتا ہے چنانچہ اس بات کو سمجھنے کے لئے کہ گرگ چندر۔ گرگ۔ لگ چندہ اور رگگ اور رلہوشتھک۔ لوتھک اور لوٹھن۔ راج ودن اور رلبھریا اس قسم کے دو دو یا تین تین علی الترتیب ایک ہی شخص کے نام ہیں۔ ایک اوسط درجہ کے پڑھنے والے کو کسقدر دقت پیش آتی ہے ممکن ہے رعایت نظم کی وجہ سے اس قسم کے ناموں کو استعمال کرنے کی ضرورت پڑی ہو بعض بعض موقعہ پر تو یہ معلوم کرنا ہی مشکل معلوم ہوتا ہے کہ کلہن کا اشارہ کس شخص کی طرف ہے بعض صورتوں میں موصوف الیہ کا پتہ لگانے کے لئے ایک پیچیدہ رشتہ کو ذریعہ بنانا یا اس حوالے کو تلاش کرنا پڑتا ہے جو اس کے گذشتہ عہد زندگی کے کسی خفیف سے واقعہ کی نسبت دیا گیا ہو بہر نوع یہ امر بدیہی ہے کہ مصنف کو بوقت تصنیف اس بات کا خیال نہ ہوگا کہ زمانہ آئندہ میں ناظرین کو کتاب کے اس نہایت معتبر اور دلچسپ حصہ

کے سمجھنے میں اس وجہ سے بہت کچھ دقت پیش آئے گی۔

علاوہ ازیں فوق الفطرت عنصر۔ جادو اور منتر وغیرہ کا بھی اس کی تاریخ میں بہت کچھ دخل ہے۔ خصوصاً پہلی تین ترنگوں میں زمانہ حال کے مورخ کے لئے بہت کچھ چھان بین کی ضرورت ہے۔ مگر یہ کام کسی معمولی نکتہ چین کا نہیں۔ اس کے لئے مستند مورخوں کی سالہا سال کی محنت اور دماغ سوزی کی ضرورت ہے۔ اور محقق بھی وہ جو راستی پسند اور تعصب سے پاک ہوں اور دودھ کو پانی سے الگ کرنے کی قابلیت رکھتے ہوں۔ ہیرا جب کان سے نکالا جاتا ہے تو اس کو جلا کی ضرورت ہوتی ہے۔ موتی کو سمندر سے نکالنے کے بعد آب دیجاتی ہے۔ یہی حال راج ترنگنی کا بھی ہے۔ جن لوگوں کا مدعا محض دوسروں کے کاموں میں نکتہ چینی کرنا ہوتا ہے معلوم نہیں کہ انہیں اس کتاب کے مطالعہ سے کہاں تک لطف حاصل ہوگا۔ لیکن اس شخص کے لئے جو ہندوستان قدیم کے واقعات سے دلچسپی رکھتا ہے۔ راج ترنگنی سے بڑھ کر اور کوئی کتاب عزیز نہ ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ مہذب دنیا نے اس کے معمولی نقائص کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کافی سے زیادہ اس کی قدر و منزلت کی ہے اور امید کیجاتی ہے کہ ہمارے اہل وطن بھی اس کو سر آنکھوں پر جگہ دینگے۔

راج ترنگنی کا مکمل ترجمہ محض ایک تواریخی ماخذ کے طور پر پبلک کے پیش کرکے اسکی چھان بین کا کام ان اصحاب کے لئے باقی چھوڑا جاتا ہے جو ہندوستان قدیم کی تاریخ کی تیاری کا بیڑا اٹھائینگے۔



تاریخ وار فہرست راجگان کشمیر مطابق راج ترنگنی

پہلی ترنگ

کیفیت	نام
گونندادل کا سال تخت نشینی کلجگ سمت ۶۵۳ (مطابق لوکک سمت ۲۵) کے بعد ہے (لوکک سمت کلجگ کے ۲۵ سال گذرنے پر شروع ہوتا ہے)	گونندادل
	دامودرادل
	رانی یشودتی
ان راجاؤں کے حالات منشی محمد الدین صاحب فوق کی تاریخ کشمیر سے اخذ کر کے درج کتاب ہذا کیے گئے ہیں	گونند دوئم
	۳۵ گم شدہ راجے
	لو
	کُش
	کھگیندر
	سریندر
	گودھر
اس ترنگ کے کل راجاؤں کے زمانہ حکومت کا مجموعہ ۱۲۶۶ سال ہے یعنی لوکک سمت ۲۵ سے لیکر سمت ۱۲۹۲ تک	سورن
	جنک
	سچی نر
	اشوک
	جلوک
	دامودر دوئم
	ہشک۔ جشک۔ کنشک
	ابھیمنیو

خاندان گونند

نام	تاریخ تخت نشینی مطابق کلجگ سمت	مدت حکومت: دن	مہینہ	سال	کیفیت
گونند سوئم	۱۸۹۴—۰—۰	۰	۰	۳۵	
دبھیشن اول	۱۹۲۹—۰—	۰	۶	۵۲	
اندرجیت	۱۹۸۲—۶—۰	۰	۰	۳۵	
راون	۲۰۱۷—۶—۰	۰	۶	۳۰	
دبھیشن دوئم	۲۰۴۸—۰—	۰	۶	۳۵	
نرادل (کنیز)	۲۰۸۳—۶—۰	۰	۹	۴۰	
سدھ	۲۱۲۴—۳—۰	۰	۰	۶۰	
اتپلاکش	۲۱۸۴—۳—۰	۰	۶	۳۰	
ہرنیاکش	۲۲۱۴—۹—۰	۰	۷	۳۷	
ہرنیہ کل	۲۲۵۲—۴—۰	۰	۰	۶۰	
وسوکل	۲۳۱۲—۴—۰	۰	۰	۶۰	
سیہرکل	۲۳۷۲—۴—۰	۰	۰	۷۰	
بک	۲۴۴۲—۴—۰	۱۳	۰	۶۳	
کشتی نند	۲۵۰۵-۴-۱۳	۰	۰	۳۰	
وسونند	۲۵۳۵-۴-۱۳	۰	۲	۵۲	
نر دوئم	۲۵۸۷-۶-۱۳	۰	۰	۶۰	
اکش	۲۶۴۷-۶-۱۳	۰	۰	۶۰	
گوپادیتہ	۲۷۰۷-۶-۱۳	۶	۰	۶۰	
گونرن	۲۷۶۷-۶-۱۹	۰	۱۱	۵۷	
کھنکھل (از میندرادتیہ)	۲۸۲۵ ۵-۱۹	۱۰	۳	۳۶	
یدہشٹر	۲۸۶۱-۸-۲۹	۱	۳	۳۴	
میزان مدت حکومت				۱۰۰۲	

دوسری ترنگ

نام	تاریخ تخت نشینی مطابق لوکک سمت	مدت حکومت دن	مہینہ	سال	کیفیت
پرتاپ ادتیہ اول	۲۸۹۶-۰-۰	۰	۰	۳۲	
جلوکس	۲۹۲۸-۰-۰	۰	۰	۳۲	
تنجین اول	۲۹۶۰-۰-۰	۰	۰	۳۶	
وجے	۲۹۹۶-۰-۰	۰	۰	۸	
جے اندر	۳۰۰۴-۰-۰	۰	۰	۳۷	
سندہی متی (آریہ راج)	۳۰۴۱-۰-۰	۰	۰	۴۷	
میزان عہد حکومت		۰	۰	۱۹۲	

تیسری ترنگ

(خاندان گونند بار دوم)

نام	تاریخ تخت نشینی مطابق لوکک سمت	دن	مہینہ	سال	کیفیت
میگواہن	۳۰۸۸-۰-۰	۰	۰	۳۴	
سرشٹ سین (پرورسین اول)	۳۱۲۲-۰-۰	۰	۰	۳۰	
ہرنیہ معہ تورمان	۳۱۵۲-۰-۰	۰	۲	۳۰	
ماتر گپت	۳۱۸۲-۲-۰	۱	۹	۴	
پرورسین دوم	۳۱۸۶-۱۱-۱	۰	۰	۶۰	
یدھشٹر دوم	۳۲۴۶-۱۱-۱	۰	۲	۳۹	
لکھمن (نرنیندرادتیہ)	۳۲۸۶-۲-۱	۰	۰	۱۳	
رنادتیہ (تنجین سوم)	۳۲۹۹-۲-۱	۰	۰	۳۰۰	یہاں پر پرچاؤ مجمع حالات منشی محمد الدین صاحب فوق کی تاریخ سے لیکر درج کئے گئے ہیں جس سے رنادتیہ کا عہد حکومت ۳۰۰ سال رہتا ہے۔
وکرم ادتیہ	۳۵۹۹-۲-۱	۰	۰	۴۲	
بالادتیہ	۳۶۴۱-۲-۱	۰	۸	۳۶	
میزان مدت حکومت		۱	۱۰	۵۸۹	

چوتھی ترنگ

(خاندان کارکوٹ)

نام	تاریخ تخت نشینی مطابق لوکک سمت	دن	مہینہ	سال	کیفیت
درلب وردہن	۳۶۷۷-۱۰-۱	۰	۰	۳۶	

نام	تاریخ تخت نشینی مطابق لوکک سمت	مدت حکومت			کیفیت
		دن	مہینہ	سال	
درلبھک (پرتاپادتیہ دوئم)	۳۷۱۳-۱۰-۱	۰	۰	۵۰	
چندراپیڈ (وجرادتیہ)	۳۷۶۳-۱۰-۱	۰	۸	۸	
تاراپیڈ (اودے ادتیہ)	۳۷۷۲-۶-۱	۲۴	۰	۴	
مکتاپیڈ (للتادتیہ)	۳۷۷۶-۶-۲۵	۱۱	۷	۳۶	
کوبیہ پیڈ	۳۸۱۳-۲-۶	۱۵	۰	۱	
وجرادتیہ بپیک-للتادتیہ	۳۸۱۴-۲-۲۱	۰	۰	۷	
پرتھویاپیڈ	۳۸۲۱-۲-۲۱	۰	۱	۴	
سنگرام پیڈ اول	۳۸۲۵-۳-۲۱	۷	۰	۰	
جج	۳۸۲۵-۳-۲۸	۰	۰	۳	
جیاپیڈ (ونایادتیہ)	۳۸۲۸-۳-۲۸	۰	۰	۳۱	
للتاپیڈ	۳۸۵۹-۳-۲۸	۰	۰	۱۲	
سنگرام پیڈ دوئم (پرتھویاپیڈ)	۳۸۷۱-۳-۲۸	۰	۰	۷	
چپٹ جیاپیڈ (برہسپتی)	۳۸۷۸-۳-۲۸	۰	۰	۱۲	
اجتاپیڈ	۳۸۸۹-۰-۰	۰	۰	۳۷	
انگاپیڈ	۳۹۲۶-۰-۰	۰	۰	۳	
اتپلاپیڈ	۳۹۲۹-۰-۰	۰	۰	۲	
میزان مدت حکومت		۲۷	۵	۲۵۴	

پانچویں ترنگ

(خاندان اتپل)

نام	تاریخ تخت نشینی		مدت حکومت			کیفیت
	سنہ عیسوی	لوکک سمت	دن	مہینہ	سال	
اونتی ورمن	۸۵۵-۶	۳۹۳۱	۰	۰	۰	جن راجاؤں کی مدت حکومت میں
شنکر ورمن	۸۸۳	(ساون سدی ۳) ۳۹۵۹	۰	۰	۰	درج نہیں کی گئی وہ اصل کتاب
گوپال ورمن	۹۰۲	(بھاگن بدی ۷) ۳۹۷۷	۰	۰	۲	میں بھی نہیں ہے لیکن لوکک
سنکٹ	۹۰۲	۳۹۷۹	۱۰	۰	۰	سمت سے حساب لگا کر نکالی
رانی سوگندھا	۹۰۴	۲۹۷۹	۰	۰	۲	جا سکتی ہے۔

نام	تاریخ تخت نشینی: سنہ عیسوی	کل یگ سمت	مدت حکومت: دن	مہینہ	سال	کیفیت
پارتھ	۹۰۶	۳۹۸۱	۰	۰	۰	
نرجیت ورمن (پنگو)	۹۲۱	(پوہ) ۳۹۹۷	۰	۰	۰	
چکرورمن	۹۲۲	(ماگھ) ۳۹۹۸	۰	۰	۰	
شورورمن اول	۹۲۳	۴۰۰۹	-	۰	۱	
پارتھ بار دوم	۹۲۴	۴۰۱۰	۰	۰	-	
چکرورمن بار دوم	۹۲۵	(اساڑھ) ۴۰۱۱	۰	۰	۰	
شنکرودھن	۹۲۵	(پوہ) ۴۰۱۱	۰	۰	۰	
چکرورمن بار سوم	۹۲۶	(چیت بدی ۸) ۴۰۱۲	۰	۰	۰	
انمتا دنتی	۹۲۷	(جیٹھ سدی ۸) ۴۰۱۳	۰	۰	۰	
شورورمن دوم	۹۲۹	(اساڑھ) ۴۰۱۵	۰	۰	۰	

چھٹی ترنگ

نام	سنہ عیسوی	کل یگ سمت	دن	مہینہ	سال	کیفیت
یشاسکر دیو	۹۳۹	(اساڑھ سدی ۵) ۴۰۱۵	۰۰	۰	۹	
ورنٹ	۹۴۸	۴۰۲۴	۱	۰	۰	
سنگرام دیو	۹۴۸	(بھادوں ی ۳) ۴۰۲۴	۰	۰	۰	
پرورگپت	۹۴۹	(بھاگن بدی ۱۰) ۴۰۲۴	۰	۰	۰	
کشیم گپت	۹۵۰	(اساڑھ بدی ۱۳) ۴۰۲۶	۰	۰	۰	
ابھیمنیو	۹۵۸	(پوہ سدی ۹) ۴۰۳۴	۰	۰	۰	
نندی گپت	۹۷۲	(کتک سدی ۳) ۴۰۴۸	۰	۰	۰	
تربھون	۹۷۳	(ماگھ سدی ۷) ۴۰۴۹	۰	۰	۰	
بھیم گپت	۹۷۵	(ماگھ سدی ۵) ۴۰۵۱	۰	۰	۰	
رانی ددا	۹۸۰-۱	۴۰۵۶	۰	۰	۰	

ساتویں ترنگ

(خاندان لوہرا اول)

نام	سنہ عیسوی	کل یگ سمت	دن	مہینہ	سال	کیفیت
سنگرام راج	۱۰۰۳	(بھادوں سدی ۸) ۴۰۷۹	۰	۰	۰	

نام	تاریخ تخت نشینی: سنہ عیسوی	تاریخ تخت نشینی: لوکک سمت	مدت حکومت: دن	مدت حکومت: ماہ	مدت حکومت: سال	کیفیت
ہری راج	۱۰۲۸	(بیساکھ بدی ۱۳) ۴۱۰۴	۲۳	۰	۰	
اننت	۱۰۲۸	(بیساکھ بدی ۳) ۴۱۰۴	-	۱	۰	
کلش	۱۰۶۳	(کاتک سدی ۱) ۴۱۳۹	-	۰	۰	
اتکرش	۱۰۸۹	(مگھر سدی ۶) ۴۱۶۵	۲۲	۰	۰	
ہرش	۱۰۸۹	(پوہ بدی ۳) ۴۱۶۵	۰	۰	۰	
آٹھویں ترنگ (خاندان لوہر دوم)						
اوچل	۱۱۰۱	(بھادوں سدی ۵) ۴۱۷۷	۰	۰	۰	
ردا (سنگھ راج)	۱۱۱۱	(پوہ سدی ۶) ۴۱۸۷	۱	۰	۰	
سلہن	۱۱۱۱	(پوہ سدی ۷) ۴۱۸۷	۲۷	۳	۰	
سسل	۱۱۱۲	(بیساکھ سدی ۳) ۴۱۸۸	۰	۰	۰	
بھکشاچر	۱۱۲۰	(مگھر سدی ۶) ۴۱۹۶	۱۲	۶	۰	
سسل بار دوئم	۱۱۲۱	(جیٹھ سدی ۳) ۴۱۹۷	۰	۰۰	۰	لوکک سمت ۴۲۲۴ میں جبکہ کلہن نے اپنی کتاب ختم
جے سنگھ (سنہہ دیو)	۱۱۲۸	(پھاگن بدی ۱۵) ۴۲۰۳ شنبہ	۰	۰	۲۲	کی جے سنگھ کی تخت نشینی کو ۲۲ سال گذر چکے تھے

کشمیر کے شاہی خاندانوں کا شجرہ مطابق راج ترنگنی

پہلی ترنگ

راجے جو نیل مت پوران سے لئے گئے

گونند اول

دامودر اول اور اسکی رانی یشودتی — گونند دوئم

۳۵ راجگان گم شدہ

راجے جو ہیلا راج کی تواریخ سے لئے گئے

لو

کش — کھگیندر — سریندر

گودہر

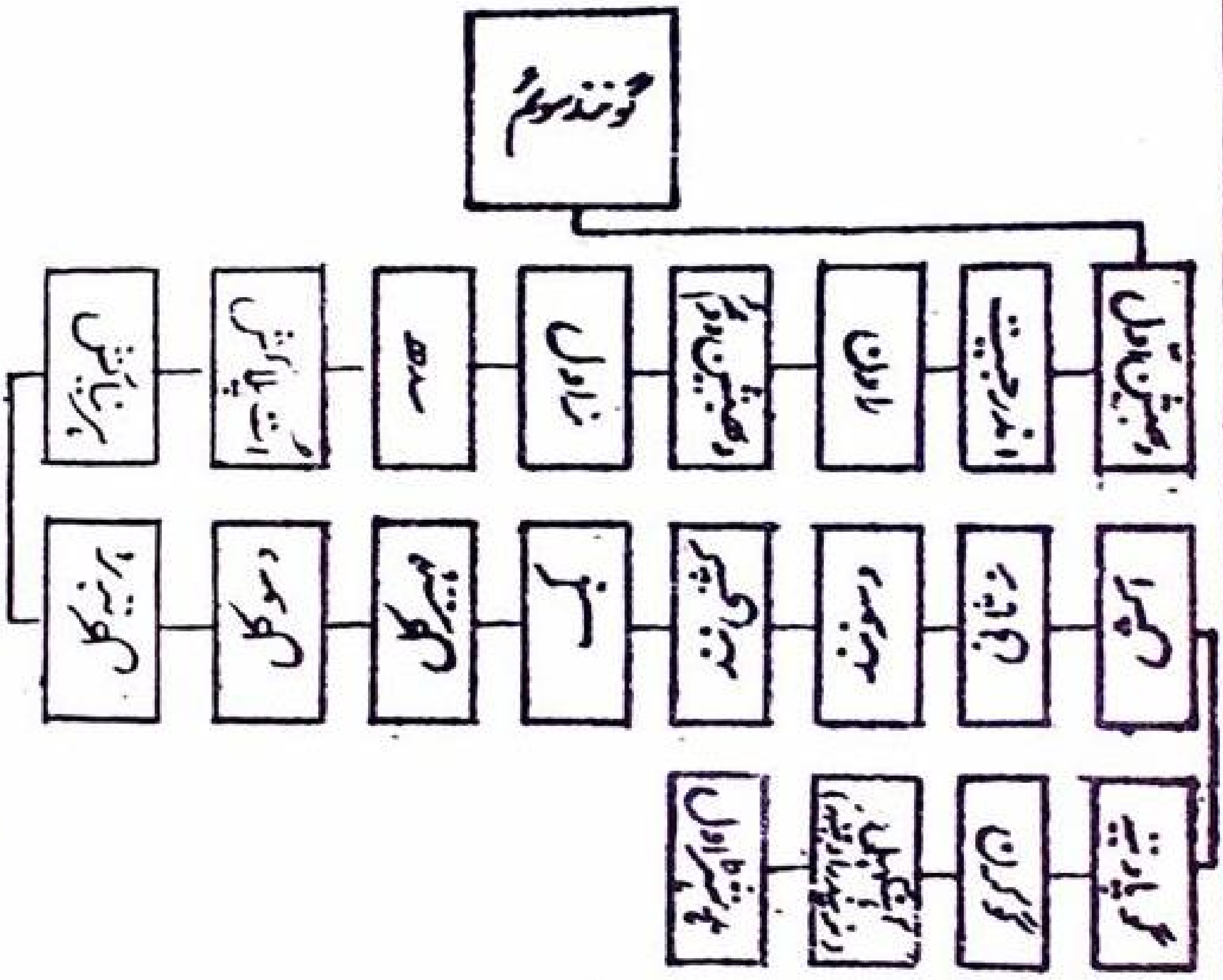
سرن — جنک — سچی نر

راجے جو چھبیلا کر کی تواریخ سے لئے گئے

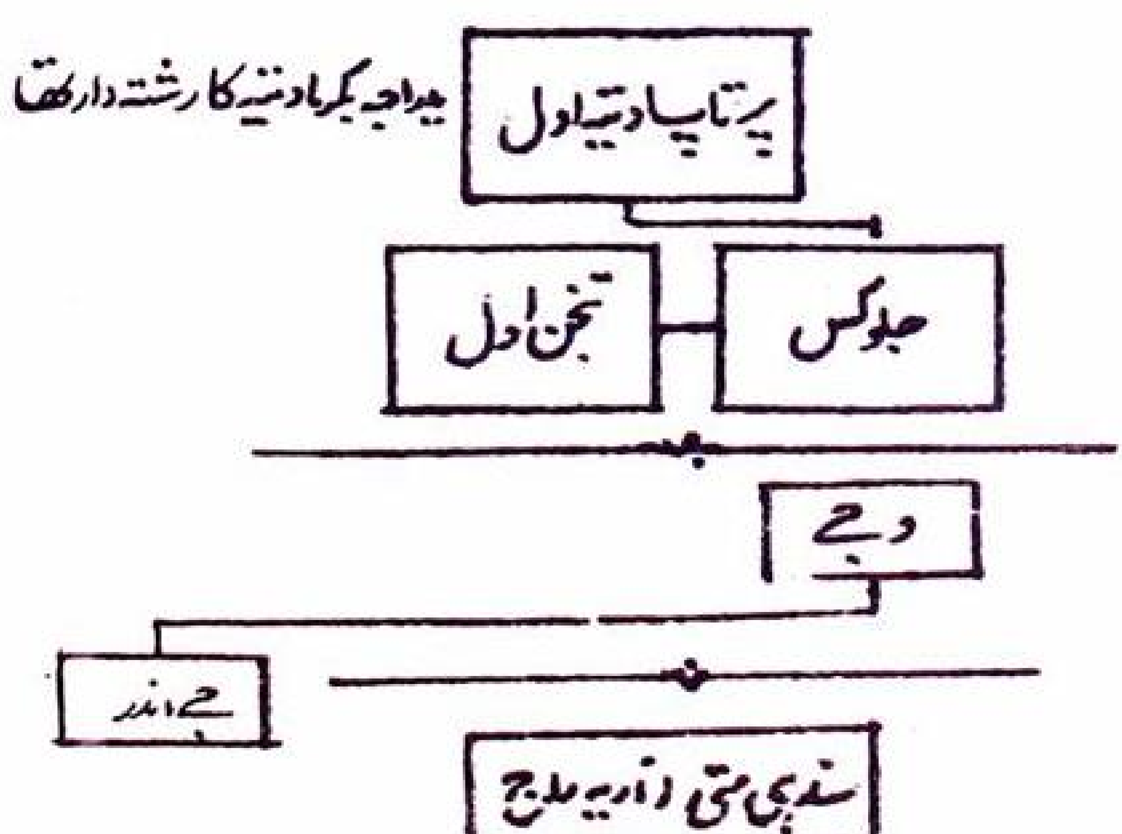
اشوک = راجہ سچی نر کا عمزاد بھائی اور شکونی کا پڑپوتا تھا

جلوک — دامودر دوئم — ہشک ۔ جشک ۔ کنشک — ابھے منیو

خاندان گونند

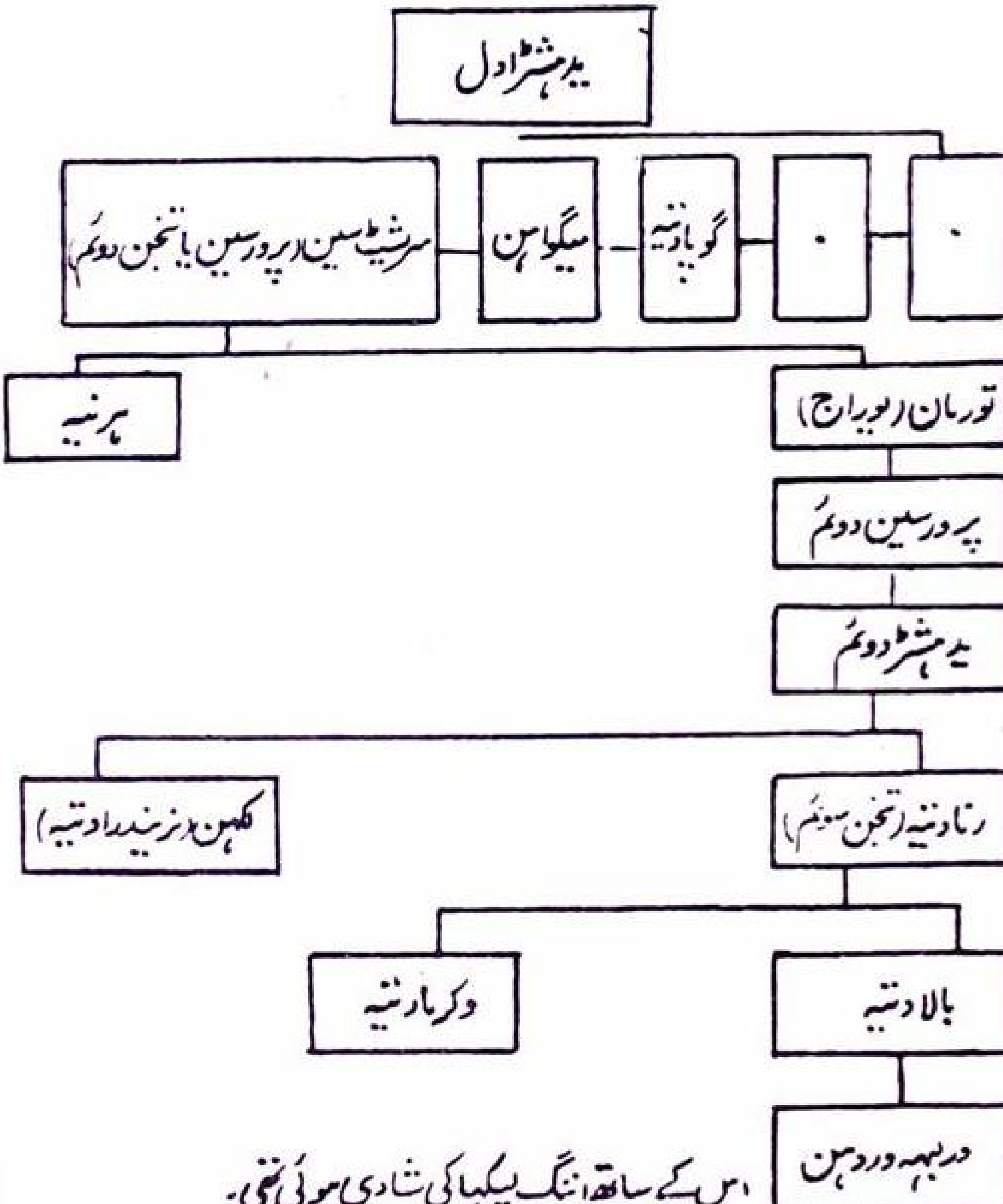


دوسری ترنگ



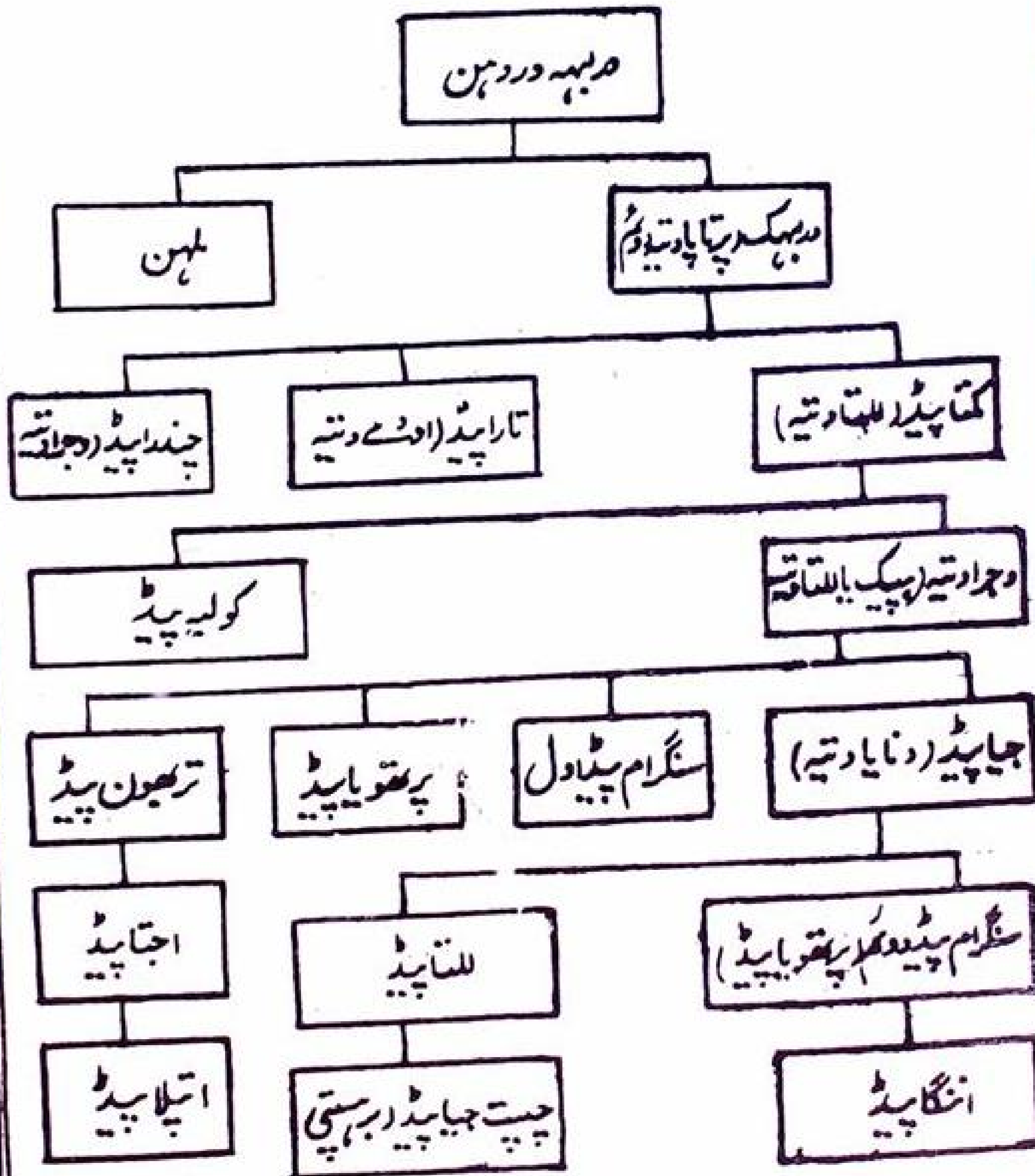
تیسری ترنگ

خاندان گونند بار دوئم



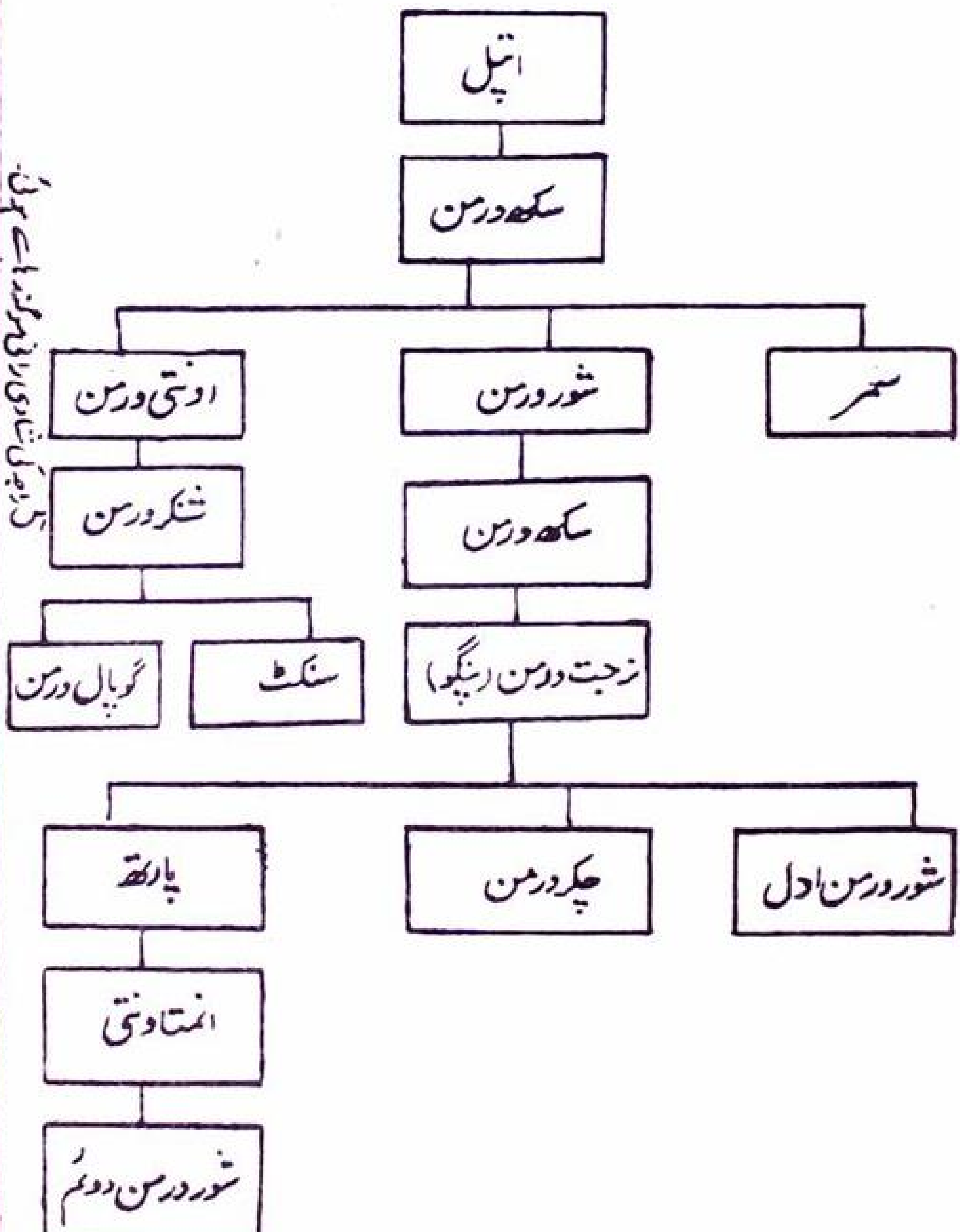
چوتھی ترنگ

خاندان کارکوٹ

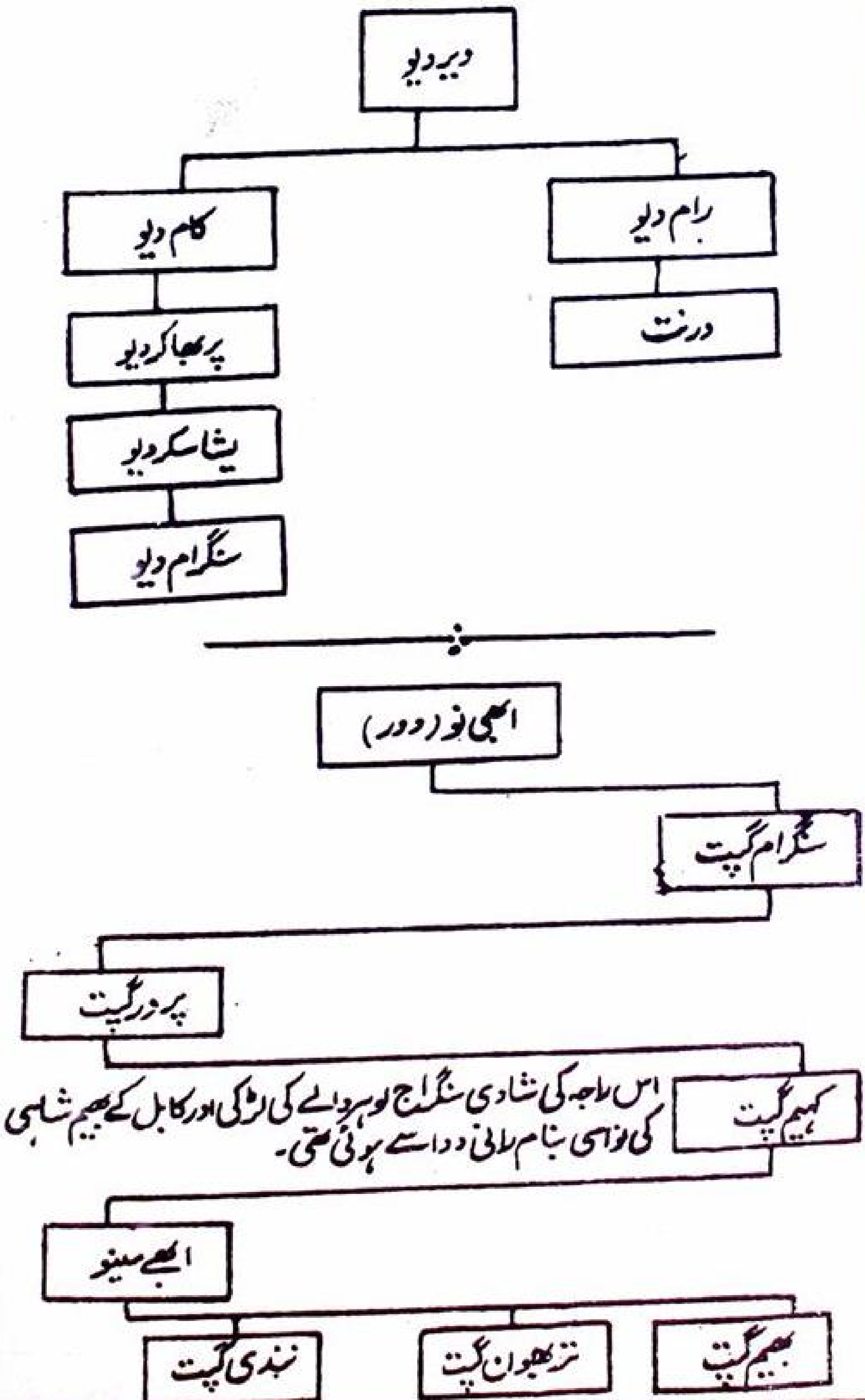


پانچویں ترنگ

خاندان اتپل



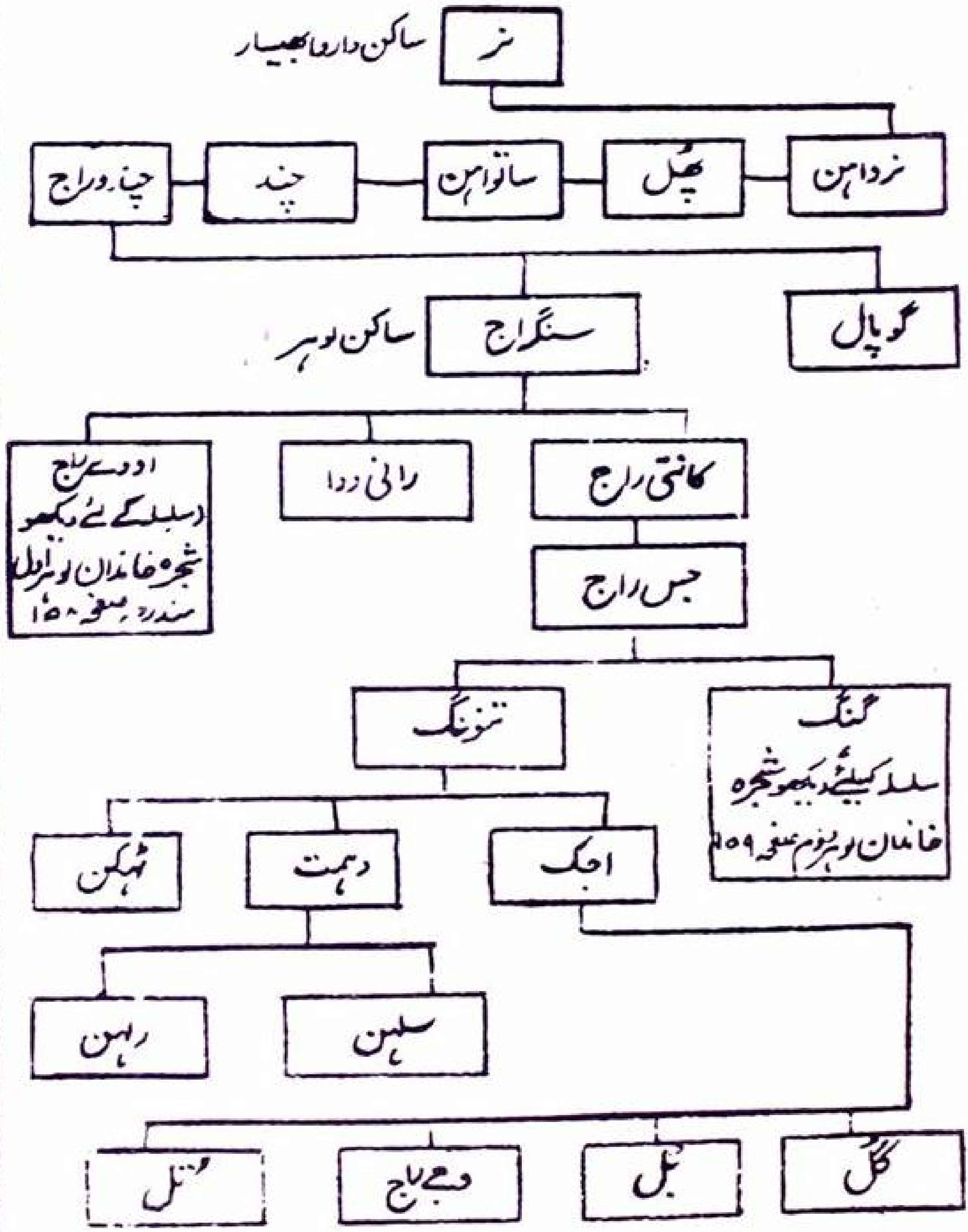
چھٹی ترنگ



دیر دیو
رام دیو
کام دیو
درنت
پربھاکر دیو
یشاسکر دیو
سنگرام دیو
اکی نو (دور)
سنگرام گپت
پرورگپت
کہیم گپت
اس راجہ کی شادی سنگراج لوہر والے کی لڑکی اور کابل کے بھیم شاہی
کی نواسی بنام رانی ددا سے ہوئی تھی۔
ابھے مینو
بھیم گپت
ترھبون گپت
نندی گپت

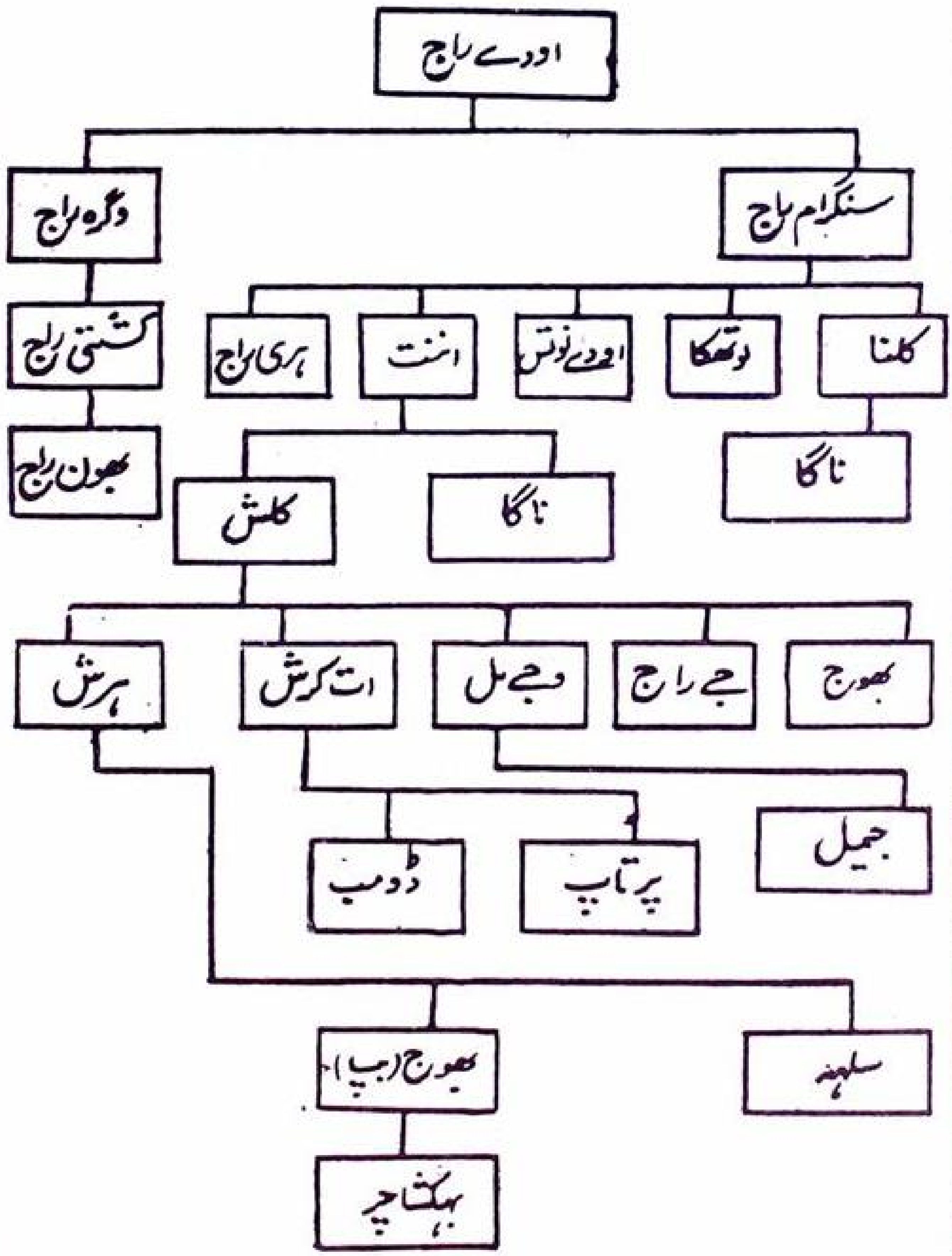
ساتویں اور آٹھویں ترنگ

خاندان لوہر



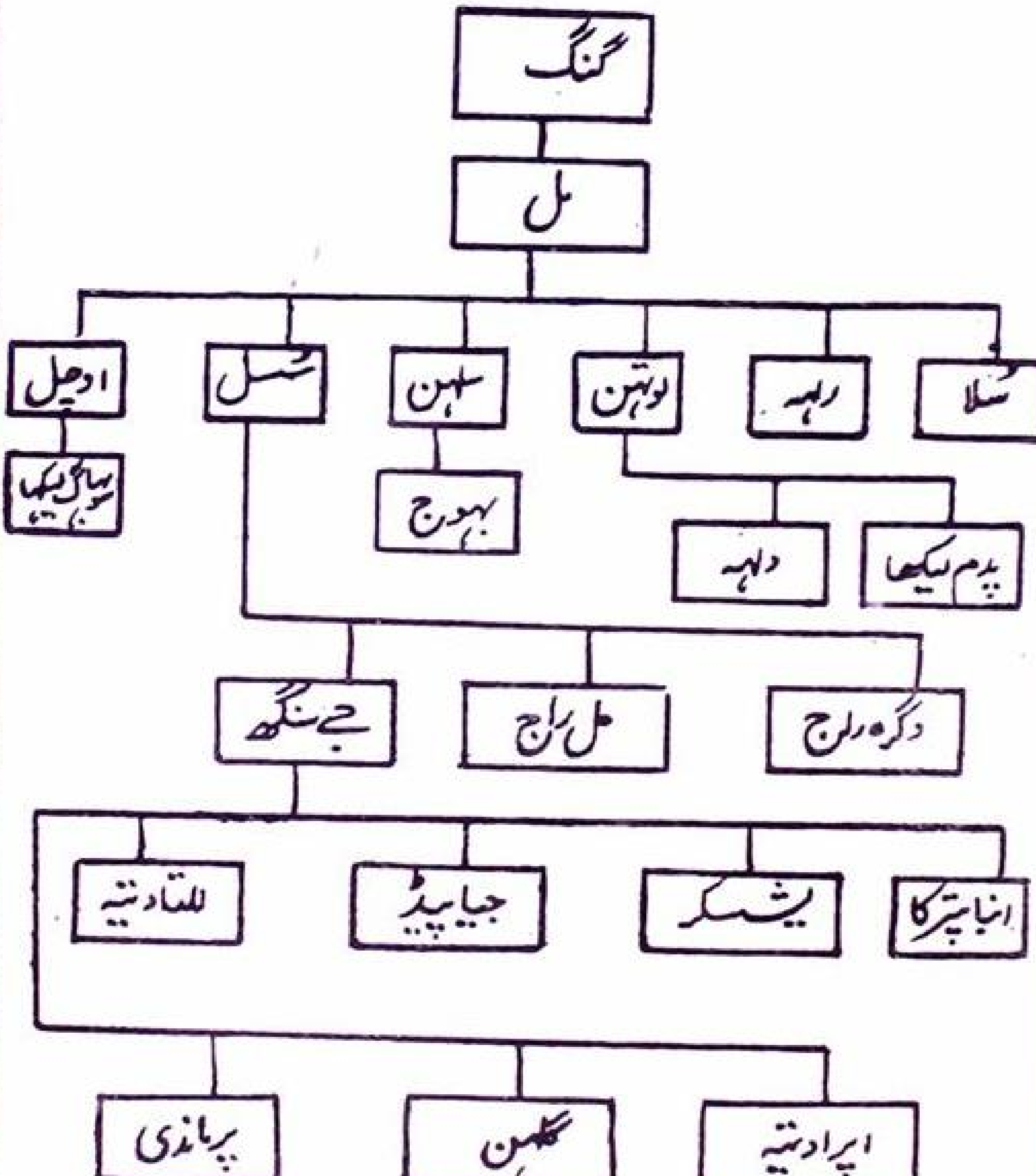
بقیہ صفحہ ۱۵۷

شجرہ خاندان لوہر اوّل



بقیہ صفحہ ۱۵۷

خاندان لوہر دوم



سمت ہائے رائج الوقت معہ تعداد سال لغایت ۱۹۱۲ء

نمبر شمار	نام سمت	کب جاری ہوا	تعداد سال	نمبر شمار	نام سمت	کب جاری ہوا	تعداد سال
۱	سرشٹی سمت	سرشٹی یعنی دنیا کے آغاز سے	۱۹۷۲۹۴۹۰۱۴	۱۹	سپارشی سمت	شہر سپارشی کی بنیاد سے	۳۶۱۵
۲	چینی سمت	چین کے پہلے بادشاہ سے	۹۶۰۰۲۴۱۱	۲۰	موسوی سمت	حضرت موسےٰ کے وقت سے	۳۴۸۴
۳	خطائی سمت	خطا کے پہلے آباد کنندہ سے	۸۸۸۴۰۲۸۴	۲۱	داؤدی سمت	حضرت داؤد کے وقت سے	۲۹۴۶
۴	پارسی سمت	ایران کے پہلے بادشاہ سے	۱۸۹۸۸۱	۲۲	یونانی سمت	اولمپیا کے اکھاڑے سے	۲۶۸۷
۵	کالڈیا سمت	حضرت اعلیٰ سے	۱۵۱۹۱۱	۲۳	رومی سمت	شہر روم کی بنیاد سے	۲۶۶۴
۶	مصری سمت	مینن بادشاہ سے	۲۷۵۶۵	۲۴	بالوساری سمت	بابل کے پہلے بادشاہ سے	۲۶۵۸
۷	قسطنطنیہ کا سمت	۰	۷۵۱۸	۲۵	بھاکی سی سمت	بدھ کے پہلے سو برس سے	۲۴۸۵
۸	انطاکیہ سمت	۰	۷۴۰۴	۲۶	سکندری سمت	سکندر اعظم سے	۲۲۶۵
۹	جولین سمت	۰	۶۶۲۵	۲۷	برمی سمت	بعد پیاجن راکن	۲۲۵۶
۱۰	عیسائی دنیا کا سمت	۰۰	۵۹۱۶	۲۸	بکرمی سمت	راجہ بکرم کے جلوس سے	۱۹۶۹
۱۱	عبرانی سمت	آدم اور حوا کی پیدائش سے	۵۹۱۶	۲۹	عیسوی سمت	حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے چار برس بعد	۱۹۱۲
۱۲	یہودی سمت	۰	۵۶۷۲	۳۰	شالباہن سمت	راجہ شالباہن سے	۱۸۳۴
۱۳	کل یگی سمت	کلجگ کے شروع سے	۵۰۱۳	۳۱	محمدی سمت یا سنہ ہجری	حضرت محمد صاحب کے مکہ سے مدینہ جا کر ہجرت سے	۱۳۳۰
۱۴	نوح کا سمت	حضرت نوح کے وقت سے	۵۰۱۳	۳۲	بنگالی سمت	مروجہ جنوبی بنگال	۱۳۱۹
۱۵	ونگک سمت	کلجگ سے ۲۵۷ سال بعد	۴۹۸۸	۳۳	بیزاری سمت	پارسی سمت	۱۲۸۱
۱۶	پشتری سمت	راجہ یدھشٹر یعنی کلجگ کے ۱۵۰ سال [illegible]	۴۳۶۰	۳۴	شہور سمت	آغاز ہجرت [illegible] مروجہ مہاراشٹر	۵۷۰
۱۷	پرشرام سمت	مروجہ [illegible] راس کماری	۴۰۸۶	۳۵	نانک شاہی سمت	گورو نانک صاحب کے وقت سے	۴۴۳
۱۸	ابراہیمی سمت	حضرت ابراہیم سے	۳۸۳۴	۳۶	ولائتی یا املی سمت	[illegible]	۳۵۷
×	×	×	×	۳۷	دیانندی سمت	حضرت سوامی دیانند جی [illegible]	۲۹

فہرست مضامین راج ترنگنی جلد اول

11

[1] کتاب میں غلطی سے قحط کی جگہ قتل چھپ گیا ہے

مکمل راج ترنگنی

جلد اول

پہلی ترنگ

سری گنیش آ نیمہ

مہادیو کو نمسکار ہو جو کلپ برچھ[1] کی طرح اپنے بھگتوں کی دلی مرادیں پوری کرتے ہیں۔ اور سرپ بیاپک ہونے پر بھی سب سے جدا ہیں۔ وہ مہادیو! جن کے جسم پر لپٹے ہوئے سانپوں کی منیوں کا پرکاش انکو زیادہ سندر بنا رہا ہے اور جس میں لین ہو کر اُس کے بھگت دائمی سرور حاصل کرتے ہیں۔

وہ مہادیو! جن کا نشان نادیہ (بیل) ہے اور جن کا دائیاں انگ مرد کا (مراد از شوجی) اور بائیاں انگ استری کا (مراد از پاربتی) ہے آپ کی عزت بڑھائیں۔ کیسے ہیں مہادیو! جن کے بائیں انگ (پاربتی) کی پیشانی پر کیسر کا تلک لگا ہوا ہے۔ کانوں میں جڑاؤ بالیوں کے گچھے لٹک رہے ہیں جس نے پاکیزگی کا جامہ پہنا ہوا ہے اور جس کا خوبصورت رنگ

---

[1] اصل کتاب میں صفت کے لئے بھوشا بھوگی اور پرتین جو دو سنسکرت الفاظ استعمال ہوئے ہیں وہ شوجی اور کلپ برچھ دونوں پر یکساں طور پر عائد ہو سکتے ہیں آخری صورت میں اس شلوک کے معنے یہ

سنکھ کے اندرونی سرخی مائل سفید حصے کے مشابہ ہے۔ وہ مہادیو جس کے دائیں انگ کی پیشانی پر نور کا شعلہ چمک رہا ہے۔ جس کے کانوں کے نزدیک شوخی سے لہراتے ہوئے بیشمار سانپوں کے کھلے ہوئے منہ دکھائی دے رہے ہیں اور جس کے گلے کی خوبصورتی میں زہر ہلاہل کی سیاہی سے ذرا بھی فرق نہیں آیا اور جس کی چھاتی پر شیش ناگ زرہ کی طرح لپٹا ہوا ہے۔

حقیقی شاعروں کی وہ طاقت خواہ کچھ بھی ہو قابل تعریف ہے اور اس اعتبار سے آب حیات کی ندی پر بھی فوقیت رکھتی ہے۔ کہ اس کے ذریعے خود شاعر اور اُن لوگوں کی شہرت جن کے حالات وہ قلمبند کرتے ہیں زندہ جاوید ہو جاتی ہے۔ سوائے شاعروں کے جو پیدا کرنے کی طاقت میں پرجاپتی (جو تعداد میں چودہ ہیں اور جنہوں نے باری باری سے

ہو جائینگے۔ سانپوں کی منیوں کا پرکاش کلپ برچھ کو زیادہ سند بنا رہا ہے۔ اور یہ منیاں ہی برکت حاصل کردہ لوگوں کے پاس ہیں جو اس درخت کی جس میں موتیوں کے ناویرنے لگتے ہیں آرائش ہیں۔

کشمیری چونکہ شیو کے معتقد ہیں اس لئے اسی کو سارے عالم پر حاوی خیال کرتے ہیں اور اسی میں لین ہو جانے کی توقع رکھتے ہیں۔

اس موقعہ پر اور دوسری ترنگوں کے تمہیدی شلوکوں میں شوجی کو اردھ ناریشور کی صورت میں مخاطب کیا گیا ہے جس سے مراد پاربتی کے ساتھ اس کے ملاپ سے لی ہے۔ دونوں نصف حصوں کی کیفیت پہلے تین پدوں میں ایسے الفاظ میں دی گئی ہے جو یکساں طور پر بائیں نصف حصہ یعنی پاربتی اور دائیں نصف حصہ یعنی شوجی پر عائد ہو سکتے ہیں۔

بائیں نصف حصے کی کیفیت میں سم بھرت کریٹ کنڈلی کا جملہ ایک جداگانہ صفت خیال کرنا چاہئے جس کا موصوف الہ جرم بھنگ ہے اگر اسی جملے کو دائیں نصف حصے کے متعلق استعمال کیا جائے تو اس سے ایک مرکب تیار ہوتا ہے۔

جیسا کہ پروفیسر بہلر کا خیال ہے پہلی صورت میں جلد ہی جج چھایا چھ (کنٹھ چھوی) سے مراد

دنیا کو پیدا کیا ہے) سے مشابہ ہیں اور خوبصورت پیداوار ظہور میں لا سکتے ہیں اور کون اس بات کی قدرت رکھتا ہے کہ گذشتہ زمانے کو لوگوں کی نظروں کے سامنے لا سکے؟ اگر شاعر اپنے من کی آنکھ سے اُن گذشتہ واقعات کو جودہ لوگوں پر منکشف کرنا چاہتا ہے نہ دیکھے تو اس کے الہامی طاقت رکھنے کی اور کونسی علامت ہو سکتی ہے؟ ہرچند کہ اس کتاب کی طوالت کو مدنظر رکھتے ہوئے اختلافات کو توضیح کے ذریعے دور نہیں کیا جا سکا تاہم اس کے مندرجات میں ناظرین کو ضرور کوئی ایسی چیز نظر آئیگی جس سے صحیح الخیال لوگ خوش ہو سکیں گے۔ صرف وہی شریف خیال شاعر قابل تعریف ہے جس کے الفاظ ایک منصف کی طرح زمانہ گذشتہ کے واقعات بیان کرتے وقت محبت یا نفرت سے پاک رہیں۔ جن داستانوں کو میرے پیش رو بیان کر چکے ہیں اگر میں انہیں کے مضمون کو

جلدہی بیچ چھائے دو ایچھ لی جا سکتی ہے۔ دوسری صورت میں سٹائین صاحب اسے جلدی بیچ چھپایا چھ خیال کرتے ہیں بحالیکہ پروفیسر بوہلر اس کی توضیح جلدی بیچ چھایا چریا آچھ یعنی آچھا دت کے ذریعے کرتے ہیں۔

شوجی کی کیفیت میں ا ہین کو لفظ ہی نام اہی یعنی سانپوں کے مالک و اسکی جو جنوی کی بجائے شو کی خدمت کرتا ہے کے معنوں میں خیال کرنا چاہئے۔ سمندر کی پیداشدہ زہر سے مراد ہلاہل ہے جسے شوجی نے نگل لیا تھا (جب دیوتاؤں اور راکھشوں نے متفق ہو کر سمندر کو بلویا تو اس میں سے چودہ رتن برآمد ہوئے تھے جن میں سے پہلا زہر ہلاہل تھا اس کی گرمی سے تمام دیوتا اور راکھش بے قرار ہو گئے۔ اور انہوں نے مہادیو سے اس زہر کو ٹھکانے لگانے کی درخواست کی۔ مہادیو نے انکی التجا منظور کر لی لیکن جب زہر پینے لگے تو خیال پیدا ہوا کہ میرے دل میں وشنو کی جگہ ہے ایسا نہ ہو اس کے نگلنے سے انہیں تکلیف پہنچے یہ سوچ کر انہوں نے اس زہر کو حلق کے اندر ہی جذب کر لیا جس سے ان کے گلے کی رنگت سیاہ پڑ گئی اور اسی باعث اُن کا نام نیل کنٹھ مشہور ہوا۔ پیتے وقت جو زہر کی ایک آدھ بوند زمین پر گر پڑی تھی وہ آج تک اس دنیا میں مختلف صورتوں

یہاں پر دہرانے لگوں تو نیک خیال ناظرین کو میرے ایسا کرنے کی وجوہ کو سُنے بغیر اس سے روگرداں نہ ہونا چاہئے اس کام کے لئے کونسی قابلیت درکار ہے کہ زمانہ مابعد کے مورخ ان لوگوں کی تصانیف میں واقعات کا اضافہ کر دیں جو اپنے عہد کے راجاؤں کی تاریخ لکھکر چھوڑ گئے ہیں۔ اس لئے میری کوشش یہ ہے کہ جہاں زمانہ گذشتہ کے واقعات بہت سی باتوں میں غیر مسلسل ہو چکے ہیں ان کا ایک سلسلہ وار بیان مرتب کیا جائے۔

قدیم تاریخی کتابیں راجگان کشمیر کے متعلق قدیم ترین کتابیں اس لئے غیر مسلسل بن چکی ہیں کہ سورت نے اُن کا اس خیال سے خلاصہ کر دیا تھا کہ انہیں آسانی سے یاد رکھا جا سکے۔ سورت کی نظم نے ہرچند کہ شہرت حاصل کر لی ہے تاہم اس میں مضمون کی کامل طور پر توضیح نہیں ہوتی۔ کیونکہ

میں موجود ہے اور اسی کا کچھ حصہ سانپ و بچھو وغیرہ زہریلے جانوروں میں پایا جاتا ہے۔

۲؎ کھیم اندر نامی شاعر اور مورخ کے متعلق جس کا دوسرا نام ویاس داس ہے دیکھیو پروفیسر بوہلر کی رپورٹ صفحہ ۴۵ وہ راجہ اننت دیو (۱۰۲۹ء تا ۱۰۶۴ء) اور اُس کے بیٹے کلش (۱۰۸۲ء) کے عہد میں ہوگذرا ہے۔ کھیم اندر کی مختلف کتابوں کی فہرست کے لئے دیکھو اوف ریکٹ صاحب کی کیٹالوگس کیٹالوگورم۔ کھیم اندر کی تصنیف کردہ نرپاولی کا کوئی نسخہ اب تک دستیاب نہیں ہوا نہ کسی اور کشمیری مصنف کی کتاب میں اس کا کوئی حوالہ پایا جاتا ہے۔

۳؎ موجودہ نیل مت پوران کی مکمل شرح کے لئے دیکھو پروفیسر بوہلر کی رپورٹ صفحہ ۳۷۔ اور صفحہ ۵۵ تا ۶۰ جیسا کہ کلہن ترنگ اول کے شلوک ۱۶ میں خود بیان کرتا ہے۔ اس نے پہلے چار راجاؤں کے نام نیل مت پوران ہی سے حاصل کئے ہیں۔ جس میں کشمیر کے قدیم مقدس حالات کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ کلہن کے اُس بیان کا جو ترنگ اول کے شلوک ۵۷ تا ۸۲ میں موجود ہے مقابلہ نیل مت پوران کے ابتدائی اور حیلے کے موجودہ غیر مکمل حصے سے کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کلہن نے اپنی تاریخ کے بعض حصے لفظ بہ لفظ اس پوران ہی سے لئے ہیں۔ دیکھو بوہلر صاحب کی رپورٹ صفحہ ۴۸

علمیت کے بے جا استعمال سے اس کتاب کا مطالعہ مشکل بن چکا ہے۔ کسی قدر بے احتیاطی کے باعث کھیم اندر[2] کی ہرپاولی میں ایک حصہ بھی ایسا نہیں جو غلطیوں سے پاک ہو گو یہ کتاب ایک شاعر کی تصنیف ہے۔ راجاؤں کی تاریخ کے متعلق میں نے سابق علما کی گیارہ کتابوں اور اس پوران کا مطالعہ کیا ہے جس میں نیل[3] رشی کی ہدایات درج ہیں۔ ان کبتنوں[4] کا مطالعہ کرنے سے جو مندروں کی تعمیر اور زمانہ سابق کے راجاؤں کے عطایائے کے متعلق موجود ہیں نیز تعریفی کبتوں اور مسودوں کو پڑھ کر بہت سی غلطیوں کی اصلاح کر دی گئی ہے۔

ان باون راجاؤں میں سے جن کا ذکر علماء سابق نے نہیں کیا کیونکہ اس زمانہ کی تاریخ گم ہو چکی تھی یعنے چار[5] یعنی گونند اور اس کے جانشینوں کا ذکر نیل مت پوران سے حاصل کیا ہے۔ پاشوپت[6] برہمن ہیلا راج کی رائے کو پڑھ کر جس نے بارہ ہزار شلوکوں میں پارتھی

---

[4] پروفیسر بوہلر نے اس شلوک کے ترجمے کے متعلق جو نوٹ لکھا ہے اس میں صحیح طور پر ان چار قسم کی تحریرات کو جن کا حوالہ کلہن نے دیا ہے ممیز کیا ہے۔ (۱) پرتشٹا ساسن فرمان یعنی وہ کتبے جو مندروں عمارتوں یا تمام مندروں۔ مکانات مورتیوں اور سمادھوں کے یادگاری ستونوں پر پائے جاتے ہیں۔ (۲) دستو ساشن فرمان یعنی ایسے کتبے جو مختلف اشیا کے عطیہ کے متعلق ہیں بالخصوص زمین اور شاید مستقل نقد انعام کے متعلق جیسے کہ تانبے کی پلیٹوں پر کندہ پائے جاتے ہیں۔ (۳) پرشستی پت جن میں بعض لوگوں یا مقامات کی تعریف درج ہے جیسے کہ اب بعض اوقات مندروں یا دوسری سرکاری عمارات میں پائے جاتے ہیں (ایسے کبتوں کے متعلق دیکھو پروفیسر بوہلر کے ریمارک مندرجہ وائنا اورینٹل جرنل جلد ۲ صفحہ ۸۰) (۴) شاستر یعنی مختلف علوم کی کتابیں یا مختصر الفاظ میں سنسکرت کتابوں کے مسودے جن کے متعلق کشمیر میں رواج ہے کہ ان کے اخیر پر مصنف اور اس راجہ کا حال درج کیا جاتا ہے جس کے عہد میں وہ کتاب بنائی گئی ہو لہٰذا اس میں اس کتاب کا سنہ تصنیف بھی درج ہوتا ہے۔

قسم اول کے صرف چند ایک نمونے کشمیر میں دستیاب ہوئے ہیں اور رانی ودا کے زمانے

داولی لکھی تھی پدم مہر نے اپنی کتاب میں اُن آٹھ راجاؤں کا تذکرہ داخل کر دیا ہے۔ جنکی ابتدا لو سے ہو کر اشوک اور اُس کے جانشینوں تک جاتی ہے۔ ان پانچ راجاؤں کی نسبت جن میں اشوک نمبر اول پر ہے چھولاکر کا بیان ہے کہ انہیں بھی باون گم شدہ راجاؤں میں سے حاصل کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس کا اپنا شلوک حسب ذیل ہے۔

"اشوک سے لیکر ابھیمنو تک کے جن پانچ راجاؤں کا نام لیا گیا ہے اُنہیں قدما نے باون گم شدہ راجاؤں میں سے حاصل کیا ہے"۔

میری یہ داستان جو ٹھیک طور پر آراستہ اور ایک دوا سے مشابہ ہے۔ اُن موقعوں پر مفید ثابت ہوگی جہاں مقام یا راجہ کے زمانے کے متعلق بیانات میں اختلاف ہے یا اگر اس کا دوسرا پہلو مد نظر رکھا جائے تو کس سمجھدار شخص کا دل ایک ایسی کتاب

کے ایک مختصر سے کتبے کے علاوہ جو لاہور کے عجائب خانے میں موجود ہے اور کوئی کتبہ ایسا نہیں جسے تیقن کے ساتھ کلھن سے پیشتر کے زمانے سے منسوب کیا جا سکے۔ پروفیسر بوہلر نے کھون موہ اور بارہ موے کے مقام پر ایسے بعض بلا تاریخ کے کتبے دیکھے تھے جن کا ذکر اس کی رپوٹ کے صفحہ ۱۰ و ۱۲ میں موجود ہے۔ سٹاین صاحب کو بھی اس قسم کے بعض کتبے وج بیرور۔ بون (مارتنڈ) اور بعض دیگر مقامات پر دستیاب ہوئے ہیں یہ امر اغلب ہے کہ کلھن نے خاص خاص مندروں۔ مٹھوں۔ وہاروں اور دوسرے مذہبی مکانات کی بنیادوں کے متعلق مفصل حالات جو اس کی کتاب میں پائے جاتے ہیں ایسی ہی تحریروں سے حاصل کئے ہوں۔

قسم دوم تین کا کوئی کتبہ سٹاین صاحب نے کشمیر میں نہیں دیکھا۔ رنگ کی کہانی جو ترنگ ۵ کے شلوک ۳۹۷ میں مذکور ہے اس سے اسبات کا پتہ چلتا ہے کہ عطایائے اراضی کی تحریروں کے متعلق تانبے کی پلیٹوں کے کتبے ہی استعمال کئے جایا کرتے تھے۔

ف۵ یہاں پر جن چار حکمرانوں کا حوالہ دیا گیا ہے وہ گونند اول دامودر اول یشووتی اور گونند ثانی ہیں۔ نیل مت پوران کی موجودہ کتاب میں گونند اول یشووتی اور گونند ثانی کا ذکر موجود ہے لیکن ان

کو پڑھکر خوش نہ ہوگا جس میں زمانہ قدیم کے بے انتہا واقعات کا ذکر کیا گیا ہے۔ جب سُننے والا جاندار مخلوق کی فوری اور ناپائدار ہستی پر اچھی طرح غور کریگا تو اُسے اس بات کا اندازہ ہوسکے گا کہ کیونکہ اس کتاب میں شانت کے لہجہ کو ترجیح دی گئی ہے (النکار شاستر شاعری کے نو مختلف رس قرار دیتا ہے۔ اور اس رس سے مراد وہ خاص مدعا ہوتا ہے جسے مدنظر رکھ کر کوئی نظم لکھی جائے۔ کلہن کی تصنیف میں چونکہ بہت سے واقعات مختلف قسم کے آتے ہیں اس لئے اسمیں رس بھی کئی قسم کے ہونے چاہئیں لیکن اس کی تصنیف چونکہ ہر ایک انسانی چیز کے بے استقلال ہونے کا سبق سکھلاتی ہے اس لئے شاعر بیان کرتا ہے کہ میری اس تصنیف کا پردھان رس شانت (تیاگ) ہے)۔ پس اس راجاؤں کے دریا (راج ترنگنی) کو اپنے کانوں کے ذریعے پی جاؤ (غور سے سنو) جسکی

تینوں میں سے نام صرف گونند ثانی ہی کا درج ہے۔ دیکھو نیل مت پوران شلوک ۷ تا ۹ چونکہ موجودہ تمام مسودوں میں شلوک نامکمل حالت میں موجود ہیں اسی وجہ سے دامودر کا نام ہمیں نہیں ملتا گو وہ اس مسودے میں جو کلہن کے ہاتھ لگا موجود تھا۔

لہ شائن صاحب نے پروفیسر بوہلر کے مطابق مہاورتن کا ترجمہ پشوپت کر دیا ہے۔ ایک ہیلاراج جو کشمیری تھا اور نویں یا دسویں صدی میں ہو گذرا ہے اس نے "واکیہ پد" پر ٹیکا کی ہے جسکے بعض حصے آجتک موجود ہیں۔ دیکھو کیل ہارن کا تذکرہ مندرجہ کتاب انڈین انٹی کوٹی فصل ۲ صفحہ ۲۸۵۔

لوسے لیکر سچی نر تک کے راجاؤں کے تذکرے کے لئے دیکھو ترنگ اول کے شلوک ۸۳ تا ۱۰۰۔ اور اُن شاہی ناموں کی خصوصیت کے متعلق جو ہیلاراج کی تصنیف سے حاصل کئے گئے ہیں

کے سورج سدھانت کے مطابق چار یگوں یعنی ست یگ، ترتیا، دواپر اور کلجگ کے زمانہ کو چترنگی یا مہایگ کہتے ہیں۔ اور ایک ہزار چترنگی کا ایک کلپ یا برہما کا ایک دن کہلاتا ہے۔ یہی دنیا کی عمر ہے اور یہ چار ارب بتیس کروڑ سال کے برابر ہوتی ہے جس کے بعد دنیا کا خاتمہ ہو جاتا ہے

تہ میں بڑے زبردست خیالات کی خوشگوار لہریں بہ رہی ہیں۔

کشمیر کی تعریف زمانہ سابق میں ابتدائے کلپ[۵] سے لیکر وہ زمین جو ہمالیہ کے دامن میں واقعہ ہے ابتدائی چھ منوؤں کے عہد میں پانی سے ڈھپی ہوئی تھی اور یہاں ستی سرس نامی جھیل واقعہ تھی۔ اس کے بعد جب موجودہ ساتویں منو ویوسوت کا زمانہ آیا تو پرجاپتی کشپ نے دروہن (برہما) اوپیندر (وشنو) رودر (شو) کی رہبری میں دیوتاؤں سے مدد حاصل کر کے جلودبھو راکھش کو جو اس جھیل میں رہتا تھا مروا ڈالا اور اس زمین کو جو جھیل کے باعث رکی ہوئی تھی کشمیر کے نام سے آباد کیا۔ اس زمین کا محافظ تمام ناگوں کا مالک نیل ہے جس کے شاہی چتر کا بالائی حصہ نیل کنڈ[۶] کا گول تالاب اور ڈنڈی وتستا (جہلم) کا اس چشمے سے نکلنے والا دریا ہے۔

اور پھر اسی قدر عرصہ تک رات رہتی ہے۔

اسی طرح دنیا کی کل عمر کے چودہ حصے کئے گئے ہیں اور ہر ایک حصہ جو ۷۱ چترگیوں کا ہوتا ہے منونتر کہلاتا ہے۔ اور ہر ایک منونتر کے ساتھ ایک سندھی اضافہ کی جاتی ہے جو کہ ست یگ کے زمانہ کے برابر ہوتی ہے۔ پس اگر ۱۴ منونتروں اور ۱۵ سندھیوں کے سال ملائے جائیں تو ایک کلپ یا دنیا کی کل عمر کے سال جو اوپر بیان کئے گئے ہیں نکل آتے ہیں۔ ذیل میں اس حساب کو واضح طور پر لکھا جاتا ہے

(۱) کلجگ کا زمانہ ۴۳۲۰۰۰ سال ہے اس سے دگنا دواپر کا یعنی ۸۶۴۰۰۰ سال۔ تین گنا تریتا کا یعنی ۱۲۹۶۰۰۰ سال اور چار گنا ست یگ کا یعنی ۱۷۲۸۰۰۰ سال چاروں یگوں کی میزان ۴۳۲۰۰۰۰ سال ہے اور یہی ایک مہایگ کا زمانہ کہلاتا ہے چونکہ دنیا کی عمر ایک ہزار مہایگ ہے لہذا مذکورہ بالا اعداد کو اگر ایک ہزار سے ضرب دی جائے تو وہی چار ارب اور بتیس کروڑ سال نکل آتے ہیں۔

(۲) ۷۱ چترگی یا ایک منونتر کا زمانہ ۳۰۶۷۲۰۰۰۰ سال ہوتا ہے اور ۱۴ منونتروں کا ۴۲۹۴۰۸۰۰۰۰ سال۔ اگر ان میں ۲۵۹۲۰۰۰۰ سال سندھی کے جو ست یگ کے سالوں کو ۱۵ سے ضرب دینے سے حاصل ہوتے ہیں جمع کریں تو ایک کلپ یا ہزار مہایگ یا برہما کے ایک دن کا زمانہ نکل آتا ہے جو

گوری (پاربتی) اگرچہ کہ وِتستا کی صورت اختیار کر چکی ہے تاہم اس جگہ کے متعلق اسکی رغبت بدستور ہے۔ کیونکہ اپنی دریائی صورت میں وہ اپنا رُخ ویسے ہی کھڈ (گوہا) کی طرف رکھتی ہے جیسے دیوتائی وجود میں وہ اپنا رُخ اپنے بیٹے کمار (گوہا) کی طرف رکھتی تھی۔ جس طرح اس کی دریائی صورت میں ناگوں کے منہ (ناگ مکھ) اس کے کثیر المقدار پانی کو پیتے ہیں (اپیت بھوری پیاہ) ویسے ہی اس کی دیوتائی صورت میں ہاتھی کی شکل والا (گنیش) (ناگ مکھ) اُس کے کثیر المقدار دودھ (اپیت بھوری پیاہ) کو پیا کرتا تھا۔ جس طرح کوبیر کے شہر میں دولت کے نو محافظ جن میں شنکھ اور پدم داخل ہیں موجود رہتے ہیں ویسے ہی اس ملک میں شنکھ۔ پدم اور اور منیوں والے ناگ موجود ہیں۔ ناگ جو گرڑ سے خوف زدہ ہو کر پناہ تلاش کرتے ہیں انہیں محفوظ رکھنے کے لئے

مساوی ہے۔ چار ارب اور بتیس کروڑ سال کے۔

واضح ہو کہ اس وقت تک چھ منونتر گذر چکے ہیں اور ساتواں منونتر جو گذر رہا ہے اس کی بھی ستائیسویں چترگی گذر چکی ہے اور اٹھائیسویں چترگی جو گذر رہی ہے اس کے تین یگ یعنے ست یگ ترتیا اور دواپر گذر چکے ہیں اور چوتھے یگ یعنی کلجگ کے بھی آجتک یعنی ۲۰۱۴ء تک ۵۱۱۵ سال گذر چکے ہیں اور ۴۲۶۸۸۵ سال باقی ہیں۔ یا دوسرے لفظوں میں موجودہ مہایگ کے ست یگ کے شروع سے آجتک ۲۰۱۴ء ۳۸۹ سال گذرے ہیں۔

یہاں یہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ۱۴ منونتروں کے جدا جدا نام بیان کر دیئے جائیں چنانچہ چھ منونتر جو گذر چکے ہیں انکے نام یہ ہیں۔ سویمبو۔ سوارو چھس۔ آدتم۔ تامس۔ ریوت۔ چاکھیش ساتواں منونتر جو گذر رہا ہے۔ اس کا نام ویوسوت ہے اور آئندہ آنے والے منونتروں کے نام یہ ہیں سلورنیہ۔ دکش ساودنیہ۔ برہم ساودنیہ۔ دھرم ساودنیہ۔ رودر چتر۔ روچیشیہ اور بھوتکہ۔

دنیا کو پیدا ہوئے کتنے سال ہوئے ہیں؟ اس کا مفصل جواب حسب ذیل ہوگا۔

گذشتہ چھ منونتروں کا عرصہ = ۱۸۴۰۳۲۰۰۰۰

اس نے اپنے بازو کو ہی دیواروں کی صورت میں اوپر کی طرف پھیلا رکھے ہیں۔
اس جگہ پر جو پوجاری پاپ سودن[۵۰] کے تیرتھ پر اوماپتی (شوجی) کی چوبی مورتی کو چھوتے ہیں وہ اس دنیا میں راحت اور انجام کار نجات حاصل کرتے ہیں۔
یہیں ایک خشک پہاڑی پر سندھیا دیوی[۵۱] نے پانی نمودار کیا ہے جو پُن کی موجودگی اور پاپ کی عدم موجودگی کا کام دیتا ہے (جس میں اشنان کرنے سے پن بڑھتے اور پاپ کٹتے ہیں)۔
یہاں پر خود بخود پیدا ہونے والی آگ (سویمبھو[۵۲]) جو زمین کے اندر سے نکلتی ہے اپنے شعلے کے بے شمار بازوؤں کے ذریعے اپنے بھگتوں کی بھینٹیں قبول کرتی ہے۔
اس جگہ دیوی سرستی[۵۳] ایک ہنس کی صورت میں بھید پہاڑی (بھیدگری) کی چوٹی

سالویں منونتر کے گذرے ہوئے ۲۷ چترگیوں کا عرصہ = ۱۱۶۶۴۰۰۰۰

اٹھائیسویں چترگی کے گذشتہ تین یگوں کا عرصہ = ۳۸۸۸۰۰۰

کلجگ کا گذرا ہوا زمانہ سنہ ۱۹۱۲ء تک = ۵۰۱۳

سات سندھی کے سال = ۱۲۰۹۶۰۰۰

دنیا کی گذشتہ عمر کی میزان یعنی آریہ سموت = ۱۹۷۲۹۴۹۰۱۳

دنیا کی عمر جو ابھی باقی ہے اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

کلجگ کی باقی ماندہ عمر = ۴۲۶۹۸۷

موجودہ منونتر کی باقی ماندہ ۴۳ چترگیوں کا زمانہ = ۱۸۵۷۶۰۰۰۰

موجود کلپ کے باقی ماندہ ۷ منونتروں کے سال = ۲۱۴۷۰۴۰۰۰۰

۸ سندھیوں کے سال = ۱۳۸۲۴۰۰۰

دنیا کی باقی عمر کی میزان = ۲۳۴۷۰۵۰۹۸۷

۵۰ کشمیر کا نام تت سرو بھومیاؤ یعنی تیرتھوں کی سرزمین ہے۔ سب سے اول اور متبرک

پر ایک جھیل میں نظر آتی ہے جو گنگا کا منبع (گنگو بھید) ہونے کے باعث مقدس ہے۔

آج تک اس ملک میں نندی کھیتر کے مقام پر جو شوجی کی مستقل جائے رہائش ہے صندل کے وہ چھینٹے نظر آتے ہیں جو دیوتاؤں نے دیئے تھے۔

دیوی شاردا کے مندر کی زیارت کرتے وقت انسان فوراً دریائے مدھومتی اور سرستی کے قریب جس کی شاعر پوجا کرتے ہیں جا پہنچتا ہے۔

اس ملک میں جہاں کیشو (وشنو) اور ایشان (شوجی) نے چکر بھرت اور وجیش اور ایسے ہی دیگر اوتاروں میں ظاہر ہوکر اس کی عزت افزائی کی تھی ایک تل کے دانہ کے برابر بھی جگہ نہیں جہاں کہ کوئی تیرتھ نہ ہو۔

تیرتھ نیل ناگ چشمہ ہے۔ اور یہ تیرتھ پورانی روایتوں کے مطابق اس ملک کے تمام تیرتھوں کا سردار مانا گیا ہے دیکھو نیل مت پوران صفحات ۷۹ و ۱۰۹۔ یہ بھی مشہور ہے کہ نیل کشپ رشی کا بیٹا تھا اور اس کی جائے رہائش ویرناگ قصبہ کے پاس ایک چشمہ ہے جو پرگنہ شاہ آباد میں درہ بانہال کے دامن میں واقع ہے۔ اس خوبصورت چشمے کے محلات کے لئے جس کے گرد جہانگیر نے سنگین دیوار بنوائی تھی دیکھو آئین اکبری مرتبہ ابو الفضل کا باب دوسرا صفحہ ۳۶۱۔ فارسٹر صاحب کا سفرنامہ باب ۲ صفحہ ۴۰۔ مور کرافٹ کا سفرنامہ باب ۲ صفحہ ۲۵۰۔ وگنی صاحب کا سفرنامہ باب اول صفحہ ۳۲۲۔ انس صاحب کی ہینڈ بک صفحہ ۱۸۴

نیل مت پوران کے صفحہ ۳۳۱ پر لکھا ہے کہ وشنو نے چشمہ نیل ناگ کے پاس راستہ بناکر اور کشمیر کا پانی نکال کر زمین کو خشک کردیا تھا۔ اور شوجی نے اپنی ترسول کے ذریعہ پاربتی کو دریائے وتستا (جہلم) کی شکل میں زمین سے نکالا تھا (دیکھو نیل مت پوران صفحہ ۲۴۸) اس کا پورا حال ہرچرت چنتامنی کے ادھیائے ۱۲ میں درج ہے۔ چنانچہ اس تیرتھ کے تین نام ہیں۔ نیل کنڈ وتستا۔ اور ترسول گھاٹ۔ دیکھو نیل مت پوران شلوک ۱۲۹۰ اور ہرچرت چنتامنی ادھیائے ۱۲ شلوک ۱۲

اس ملک کو روحانی خوبیوں کی طاقت سے فتح کیا جا سکتا ہے لیکن جنگی طاقت سے نہیں۔ اس لئے یہاں کے باشندوں کو سوائے عاقبت کے کسی قسم کا خوف نہیں۔ یہاں کے دریاؤں میں کسی قسم کا خطرہ یا خوفناک آبی جانور نہیں پائے جاتے۔ موسم سرما میں گرم تمام موجود ہوتے ہیں اور پانی میں اُترنے کے لئے آرام دہ گھاٹ بنے ہوئے ہیں۔

چونکہ اس ملک کو سورج کے باپ کشپ نے پیدا کیا تھا اس لئے شائد وہ اسی خیال کو مدنظر رکھ کر موسم گرما میں بھی زیادہ تیزی سے نہیں چمکتا کہ اسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ علم۔ بلند مکان۔ زعفران۔ برف جیسا سرد پانی اور انگور غرض وہ چیزیں جو بہشت میں بھی کمیاب ہیں یہاں عام طور پر پائی جاتی ہیں۔ یہ جواہرات پیدا

موجودہ زمانہ میں نیل ناگ چشمے کا نام ویر ناگ ہے جو کہ ویر اور ناگ دو لفظوں سے مرکب ہے۔ ویر آجکل کے شاہ آباد پرگنے کا نام ہے اور ناگ سے مراد چشمہ ہے۔

اس چشمے کی شکل آجکل ہشت پہلو ہے مگر اس کے نام کے ساتھ کنڈ کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم میں ضرور دائرہ کی شکل ہوگی چنانچہ کلہن نے بھی اس چشمہ کو شاہی چھتر سے تشبیہ دی ہے۔ اور دریائے وتستا کو جو اس سے نکلا ہے چھتر کی ڈنڈی قرار دیا ہے (دیکھو نوٹ ۲۴ کتاب ہذا جہاں اس دریا کا منبع قریب کے چشمہ وتستا یا وُدوتر کو قرار دیا گیا ہے)۔

۵۹ کشمیری زبان میں لفظ ناگ سے کشمیر کے وہ محافظ دیوتا مراد ہیں جو وادیٔ کشمیر کے چشموں اور جھیلوں میں رہتے ہیں۔ زمانہ قدیم میں اُن دیوتاؤں کی پرستش لازمی خیال کی جاتی تھی چنانچہ نیل مت پوران میں اس کی بابت بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ بڑے چشموں کے کناروں پر بے شمار مندر بنے ہوئے تھے اور یاتری لوگ ان کے درشنوں اور اشنان کے لئے جایا کرتے تھے۔

کشمیر کے اُن علاقوں میں بھی جہاں کہ خالص مسلمان آبادی ہے آجتک بھی ان چشموں کو

کرنے والی سرزمین تینوں عالموں میں تعریف کی مستحق ہے کیونکہ شمال میں واقعہ ہونے کے باعث یہ کوبیر کا ملک ہے۔ یہاں وہ سلسلہ کوہ واقعہ ہے جو گوری کا باپ ہے اور یہ پہاڑوں میں گھرا ہوا ملک ہے۔

۵۲ گم شدہ راجے } اس ملک میں گونند ثالث سے پہلے باون ایسے راجاؤں کے حالات تاریخ میں درج نہیں ہیں جو کوروں اور کنتی کے بیٹوں (پانڈوں) کے ہم عصر تھے۔ یقیناً اس زمانے میں سرزمین کشپ (کشمیر) کے راجاؤں کی عدم توجہی کے باعث کوئی اعلےٰ درجے کے شاعر موجود نہ تھے (جو ان کے کارناموں کو ثبت کر کے) ان کی شہرت کو قائم کر سکتے۔ ہم شاعروں کے اُس قدرتی طور پر اعلےٰ درجہ کے فن کی تعظیم کرتے ہیں جس کی مہربانی کے بغیر بڑے

ان چشموں کو ویسا ہی متبرک خیال کیا جاتا ہے اور تبدیل شدہ طریق میں ان کی پوجا بھی ہوتی ہے۔

ناگوں کی نسبت جو عام خیال آجکل ہے یہ ہے کہ انکی شکل سانپوں کی ہوتی ہے اور وہ جھیلوں اور چشموں کے پانی کے نیچے رہتے ہیں۔ اور انکی حفاظت بھی کرتے ہیں۔ یہ خیال کوئی نیا نہیں بلکہ پرانا ہے اس کی تصدیق کے لئے دیکھو ترنگ ۴ کا شلوک ۶۰۱ اور ترنگ ۷ کا شلوک ۱۷۱۔ ان کی بابت یہ بھی مشہور ہے کہ وہ انسانی شکل اختیار کر سکتے ہیں (ترنگ اول کے شلوک ۲۰۳ میں سُشرومس ناگ اور اس کی بیٹیوں کی کتھا کو دیکھو) اور بادل بنکر ژالہ باری بھی کر سکتے ہیں دیکھو نوٹ ۱۵ و ۲۶ کتاب ہذا و ترنگ ۳ کا شلوک ۲۱ تا ۲۴ مگر عام طور پر کشمیر میں ناگ کے معنے چشمے کے لئے جاتے ہیں۔

یہ دونوں چشمے یعنی شانکھ ناگ اور پدم ناگ جن کا ذکر اس کتاب میں آیا ہے کشمیر کے چشموں کی فہرست میں کوئی مشہور چشمے نہیں ہیں۔ نیل مت پوران میں صفحہ ۹۰۲ پر جو چشموں کی فہرست ہے اس میں سانکھ چشمے کا نمبر چودھواں ہے۔ مہاتموں یا کسی قسم کی اور کتابوں میں اسکا نام نہیں مل سکا البتہ نیل مت پوران کے صفحہ ۹۰۴ پر دو پدم ناگ چشموں کا ذکر ہے اور یہ دونوں چشمے علاوہ دو مہاپدم

بڑے طاقتور راجے عوام کی یاد سے فراموش ہو جاتے ہیں۔ خواہ سمندروں سے گھیری ہوئی زمین ان کے بازؤں کے سایہ میں اس طرح پناہ گزیں ہو چکی ہو جیسے جنگلی درخت کے سایہ میں۔ اے سچی نظم لکھنے والے بہادر شاعر! تیرے بغیر یہ دنیا اپنے خواب میں بھی زمین کے اُن زیورات کے وجود سے باخبر نہیں جن کے پاؤں کسی زمانہ میں ہاتھیوں کی کنپٹیوں پر پڑتے تھے۔ جو بہت بڑی دولت کے مالک تھے اور جن کے محلات میں اپنے زمانہ کی چاند عورتیں تھیں غرض تیرے بغیر یہ عالم اندھا ہے۔ تیرے لئے صرف مدح سرائی کے گیت گانے کی کیوں ضرورت ہے؟ (اس سوال کا جواب مذکورہ بالا فقرات سے مل سکتا ہے)

علم تواریخ } راجہ گوننداول اور اُس کے جانشینوں نے عہد کلجگ میں ۲۲۶۸ سال کشمیر پر حکومت کی۔ ان راجاؤں کے عہد حکومت

ناگوں کے ہیں اور اس فہرست میں ان کا نمبر چھبیسواں ہے۔ شانگھ چشمے کی بابت شائن صاحب کوئی جگہ قائم نہیں کر سکے۔ پنڈت صاحب رام کے تیرتھ سنگرہ میں جس کا حوالہ پروفیسر بوہلر نے دیا ہے سانکھ پال نام ایک چشمے کا ذکر ہے مگر یہ اس سے بالکل نرالا ہے۔ پروفیسر بوہلر کا بیان ہے کہ پدم ناگ درحقیقت وہی مہاپدم ناگ ہے جو کہ جھیل ولر کا محافظ دیوتا مانا گیا ہے اور یہ جھیل اسی کے نام سے مشہور ہے۔ چنانچہ سٹائین صاحب نے بھی باوجود اختلاف رائے کے اسکو تسلیم کیا ہے اور اس بارے میں مندرجہ ذیل شہادتیں پیش کی ہیں۔ "شری ور نے اپنی کتاب کے پہلی ترنگ کے شلوک ۲۳۵ میں لکھا ہے کہ کرم راج میں ایک دفعہ سیلاب آیا تھا اور اس کا پانی چشمہ پدم ناگ کے پانی سے مل گیا تھا اس چشمہ سے مراد صرف جھیل ولر سے ہی ہو سکتی ہے۔" اسی کتاب کی چوتھی جلد کے شلوک ۴۰۳ میں پدم ناگ چشمے کا ذکر ایک لڑائی کے متعلق آیا ہے جو کہ بھوتنگ (موجودہ نام بوتنگ) کے قصبے کے قریب واقع ہوئی تھی یہ قصبہ جھیل ولر کے مغربی کنارے پر پرگنہ زین گر (جہانگیر) میں واقع ہے۔" اخیر میں وتشٹا مہاتم کے ادھیائے ۲۳ کے شلوک ۲۵

کے اس حساب کو بعض مصنفوں نے غلط سمجھا ہے اس بُنیاد پر کہ اُن کے خیال میں مہابھارت کی لڑائی دواپریگ[18] کے اخیر میں واقعہ ہوئی تھی۔

اگر اُن راجاؤں کے سالہائے زمانہ حکومت کو جو معلوم ہیں جمع کیا جائے۔ اور گونند اول اور اس کے جانشینوں کے زمانہ حکومت کے سال[19] (۲۲۶۸ سال) ان میں شامل نہ بھی کئے جائیں تو کلجگ کے گذشتہ زمانہ کا کوئی سال باقی نہیں رہتا جیسا کہ ذیل کے حساب سے ظاہر ہے۔

کلجگ کے ۶۵۳ سال گذرنے پر کورو اور پانڈو دنیا پر موجود تھے۔ اس وقت تک (زمانہ کلہن تک) شاکا سمت کے ۱۰۷۰ سال اور لوکک سمت کے ۲۴ سال (۴۲۲۴) گذرے ہیں۔ بہرحال گونند سوئم کی تخت نشینی سے اِس وقت تک ۲۳۳۰

میں رمن کنڈ چشمے کا ذکر ہے جو کہ موضع اریشا کے قریب پدم ناگ سے مل گیا تھا اور یہ گاؤں موضع اُس کے نام سے جھیل ولر کے شمال مغربی کنارے پر پرگنہ کھوئی ہوم میں واقعہ ہے۔

نیل مت پران کے پہلے ادھیائے صفحہ ۴۷ تا ۷۰ میں لکھا ہے کہ کشپ رشی کی دو رانیاں تھیں ایک کا نام کدرو اور دوسری کا ونتا تھا۔ کدرو کی اولاد ناگ کے نام سے مشہور تھی اور ونتا کے لڑکے کا نام گرڑ تھا۔ گرڑ ناگوں کو بہت ستاتا تھا۔ تب کہ وہ بھاگ کر ستی سر میں چلے گئے اور وشنو نے اپنے پاس انکو پناہ دی۔ پہاڑوں کا وہ سلسلہ جو شمال مشرقی گھاٹی کو گھیرے ہوئے ہے۔ کشمیر کی انسانی صورت میں اپنے بازو پناہ گزیں سانپوں کے سروں پر پھیلائے ہوئے بیان کیا گیا ہے۔

ثلہ پاپ سودن نامی متبرک چشمے پرشو کی پوجا کپٹیشور کے نام سے ہوتی ہے۔ جہاں یہ ایک چوبی ٹکڑے کی شکل میں ظاہر ہوئے تھے۔ یہ تیرتھ موضع کوٹھیر (یہ نام سنسکرت کے لفظ کپٹیشور سے نکلا ہوا ہے دیکھو نوٹ ۱۲ ضمیمہ کتاب ہذا) کے قریب پرگنہ کوٹھار میں واقعہ ہے۔ یہ چشمہ دائرے کی شکل کا ایک تالاب ہے۔ جس میں مختلف چشموں کا پانی گرتا ہے۔ اس کے گرد بھی

سال گذرے ہیں اور گم شدہ باون راجوں کے عہد حکومت کا زمانہ ۱۲۶۶ سال مانا گیا ہے اس بارہ میں بھرت سنگھتا کے مصنف کا فیصلہ یہ ہے۔ سپت رشی ستاروں کو ایک نچھتر سے دوسرے نچھتر تک کا فاصلہ طے کرنے میں سو سال کا عرصہ لگتا ہے جب راجہ یدھشٹر حکمران تھا تو اس وقت سپت رشی ستارے مگھا نچھتر میں تھے اس کے عہد حکومت کی تاریخ شاکہا سمت سے ۲۵۲۶ سال پیشتر ہے۔

راجہ گونند اول

اس صاحب اقبال راجہ کی ہندوستان کے شمالی حصہ (کشمیر) کے لوگ جس پر کوہ کیلاش کی سفید برف اپنا روشن عکس ڈالتی ہے اور جس ملک کو گنگا کا پانی سیراب[۲۰]

پختہ سنگین دیوار ہے اور اس کی بابت لکھا ہے اور آجکل بھی لوگ اس پر یقین رکھتے ہیں کہ مالوہ کے راجہ بھوج نے تعمیر کرایا تھا۔ دیکھو نوٹ ۱۵۵ کتاب ہذا۔ نیل مت پوران کے صفحات ۱۱۵۰ تا ۱۱۶۸ میں اس تیرتھ کا مفصل حال پایا جاتا ہے۔ نیز دیکھو ہرچرت چنتامنی ادھیائے ۱۴ جس میں سے کپٹیشور مہاتم کی کتھا لی گئی ہے۔ اس کے علاوہ شری کنٹھک کی کتاب کے باب ۳ اور شلوک ۱۴ میں بھی اس کا ذکر پایا جاتا ہے۔ فرانسیسی سیاح البرونی اپنی کتاب انڈیا کی فصل ۲ صفحہ ۱۸۱ پر کپٹیشور تیرتھ کی بابت اس طرح لکھتا ہے "کو دیشر کے تالاب میں جو تشٹا کے منبع کے بائیں جانب واقعہ ہے کشمیریوں کا بیان ہے کہ ہر سال ایک دفعہ ماہ بیساکھ کے وسط میں مہادیو کا بھیجا ہوا لکڑی کا ٹکڑا نظر آتا ہے"۔ مگر پروفیسر سی بولڈ صاحب لکھتے ہیں کہ لفظ کودیشر املا کی غلطی ہے۔ اصل میں یہ لفظ کپٹیشور ہی ہے اور اس معجزہ کے اظہار اور میلہ کی تاریخ بھی ایک ہے دیکھو ہرچرت چنتامنی ادھیائے ۱۴ صفحہ ۱۲۲ علاوہ ازیں اس تیرتھ کا جائے وقوع بھی جو لکھا گیا ہے درست ہے۔ ابو الفضل آئین اکبری کی فصل ۲ صفحہ ۳۵۸ پر لکھتا ہے۔ "موضع کوٹی ہار میں ایک بڑا گہرا چشمہ ہے جس کے گرد سنگین مندر بنے ہوئے ہیں اور جب چشمے کا پانی کم ہو جاتا

کرتا ہے (دیوتا کی طرح) پرستش کرتے ہیں۔ (یہ زبردست راجہ یدھشٹر والئے ہستناپور کا ہم عصر اور کرشن کے دشمن جراسندہ کا دوست تھا) زمین نے شیش ناگ کی زہر سے ڈر کر۔ سانپ کے جسم سے علیحدگی اختیار کر لی اور راجہ کے بازو بند میں جس میں گرڑ کا مقدس جواہر (زمرد) لگا ہوا تھا پناہ لی۔ اس کے رشتہ دار جراسندہ نے اُسے مدد کے لئے طلب کیا تو اُس نے بہت بڑی فوج لیکر شہر متھرا میں کنس کے دشمن (کرشن) کا محاصرہ کر لیا اور جب اس نے کالندی (جمنا) کے کنارے پر اپنا خیمہ نصب کیا تو غنیم کے جنگ جوؤں کی شہرت اور یادو نسل کی عورتوں کی مُسکراہٹ مفقود ہوگئی۔ مگر بلبھدر نے اپنی منتشر فوج کو بچانے کے لئے اس جنگجو بہادر کا مقابلہ کیا۔ جب یہ دونوں یکساں طاقت کے دلاور لڑ رہے تھے نتیجہ مشتبہ معلوم ہوتا تھا حتےٰ کہ فتح کی دیوی کا ہار زیادہ دیر تک اُس کے ہاتھ میں رہنے کے باعث کملا گیا۔ آخرکار

ہے تو مہادیو کی صندل کی لکڑی کی بنی ہوئی مورتی نمودار ہوتی ہے۔ سٹائن صاحب لکھتے ہیں کہ ستمبر ۱۸۹۱ء میں جب وہ اس جگہ گئے تو جیسا کہ کلہن نے ترنگ، کے شلوک ۱۹۰ تا ۱۹۳ میں بیان کیا ہے انھوں نے بھی سنا تھا کہ راجہ سکند کو اس چشمہ کے پانی سے بذریعہ معجزہ شفا ہوئی تھی اور ان کا خیال ہے کہ اس چشمہ کے پانی میں کبھی بیماری کو دور کرنے کی طاقت بھی ہوتی ہوگی۔

؂ یہ تیرتھ برنگ پرگنہ میں دیول گام کے جنوب کی طرف واقع ہے اور اس چھوٹے سے گاؤں اور اس چشمے کا نام سندبرا رہے۔ کشمیر کے لوگ اس کو تری سندھیا کہتے ہیں۔ یہ چشمہ جیٹھ اور اساڑھ کے مہینوں میں زمین کے اندر ہی اندر تین دفعہ دن میں اور تین دفعہ رات میں بہتا ہے۔ زمانہ قدیم سے اس کی یاترا کرنا اور اس کے کنارے پر تین دفعہ دن کو اور تین دفعہ رات کو گائتری منتر کا پاٹھ کرنا بڑا ثواب سمجھا جاتا ہے۔ اس تیرتھ کی معجزہ نما طاقتوں کا مفصل حال نیل مت پوران صفحہ ۱۲۰۰ اور تر سندھیا مہاتم میں درج ہے۔ نیز دیکھو پرجا بھٹ اور شک کی تاریخ کا شلوک ۴۴۸۔

ڈاکٹر برنیر نے جو مئی ۱۶۶۵ء میں اپنے مربی دانشمند خاں کی خواہش کے مطابق اس چشمہ کا حال

میدان جنگ میں ایک دوسرے کے ہتھیاروں سے مجروح ہو کر کشمیر کا راجہ زمین سے بغل گیر ہوا اور یادو نسل کا فتح کی دیوی سے۔

راجہ دامودر اوّل

جب وہ نیک دل جنگجو اُس راستے پر روانہ ہو گیا جسے بڑے بڑے بہادر ہی آسانی سے پا سکتے ہیں تو اس کا بیٹا مشہور و معروف دامودر حکمران ہوا۔ ہر چند کہ اس عالی رتبہ شاہزادے کو ایک ایسی سلطنت ورثہ میں ملی تھی جس میں عیش و خوشی کے سارے سامان مہیا تھے تاہم اُسے امن حاصل نہ ہوا۔ کیونکہ وہ اپنے باپ کی موت پر کڑھتا رہتا تھا۔ آخر کار اس راجہ نے جس کے بازو درخت کی مانند مضبوط اور ہمیشہ پھڑکتے رہتے تھے سنا کہ ورشنی (جادووٗں) کو گاندھارے کے راجہ

معلوم کرنے کے لئے یہاں آیا تھا مکمل تحقیقات کے بعد اس تیرتھ اور اس کے گردونواح کا حال لکھا ہے۔

دیکھو ہرنتا مجموعہ نامہ صفحہ ۱۰۔ ۲۱ نیز وگنی صاحب کا سفرنامہ باب اول صفحہ ۳۳۹۔ علاوہ ازیں ٹرائیٹر صاحب بھی اپنی کتاب کے باب اول صفحہ ۲۶۲ میں کتاب دبستان کے حوالہ سے ترسندھیا کی بابت مفصل حال درج کرتے ہیں اور یہ حال آئین اکبری فصل ۲ کے صفحہ ۳۵۵ میں بھی پایا جاتا ہے۔

کلہن نے جس یقین کا حوالہ اس جگہ دیا ہے اور آج تک بھی لوگوں میں عام طور پر پایا جاتا ہے اور جس کی تصدیق ہرچرت چنتامنی کی فصل ۴ کے صفحہ ۵۰ سے ہوتی ہے یہ ہے۔

کہ اگر کوئی غیر معتقد آدمی اس جگہ آجائے تو یہ چشمہ ظاہر ہی نہیں ہوتا اس طرح سٹائن صاحب بھی تحریر کرتے ہیں کہ جب کرنیل میاں سنگھ سکھ گورنر اس جگہ کی یاترا کے لئے آیا تو یہ چشمہ ظاہر بھی نہ ہوا جب تک کہ اس نے بڑی دیر تک پکار تھنا نہ کی۔

۱۲ سوئمبھو جس کو دیہاتی زبان میں سوام بھی کہتے ہیں اس جگہ کا نام ہے جو موضع نکیم کے شمال مغرب میں نصف میل کے فاصلہ پر پرگنہ مچھ پور میں واقع ہے اور یہاں مٹی اور ریت کے پشتوں سے

نے دریائے سندھ کے کنارے سوئمبر کی تقریب پر مدعو کیا ہے اور وہ اُس جگہ پہنچ گئے ہیں۔ یہ سُنکر اس نے ان پر حملہ کرنے کی تیاری کی اور ان کے قریب پہنچکر اس زور کا حملہ کیا کہ اس کی فوج کے گھوڑوں کی اُڑتی ہوئی گرد سے آسمان چھپ گیا۔ اس لڑائی میں وہ راج کماری جو شادی کی خواہشمند تھی اور اپنے لئے شوہر منتخب کرنے والی تھی اُس شخص پر منحصر ہوگئی جو اُسے پسند کرے۔ اور اس کی بجائے اپسراؤں نے ملک گاندھار سے اپنے لئے شوہر منتخب کر لئے (گاندھار کے بہت سے باشندے میدان جنگ میں بہادرانہ موت مرنے سے بہشت میں اپسراؤں کے گلے جا لگے)۔ تب قرص زمین کے اس بہادر راجہ نے میدان جنگ میں اس دیوتا پر حملہ کیا جس کا ہتھیار قرص جنگ ہے (اس جگہ مراد کرشن اور ان کے چکر سے ہے) لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آخر الذکر کے قرص جنگ (چکر) کے کنارے (دھار) کی راہ سے اُس کے

آگ کے شعلے بکثرت نکلتے رہتے ہیں جیسا کہ عام طور پر آتشفشاں پہاڑوں سے نکلا کرتے ہیں۔ خاص خاص سالوں میں اس جگہ زمین کے شگافوں سے شعلے نکلتے ہیں جو یاتریوں کے چڑھاووں کو جوش دینے کے لئے کافی ہوتے ہیں۔ سٹائن صاحب کا بیان ہے کہ ستمبر ۱۸۹۲ء میں جب انہوں نے اس جگہ کا ملاحظہ کیا تو لوگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ عرصہ پندرہ سال سے ان شعلوں کا نکلنا بالکل بند ہے۔ لیکن اس خلا کی زمین اس وقت بھی سرخ چمکیلی اور جلی ہوئی مٹی کی طرح نظر آتی تھی اور اس میں چھوٹے چھوٹے شگاف تھے۔ پنڈت گوبند کول نے ۱۸۶۷ء میں اس جگہ کی یاترا کی اس وقت متواتر دس مہینے تک یہ شعلے برآمد ہوتے رہے تھے۔ وگنی صاحب کے سفرنامے کے باب ۲ صفحہ ۸۰ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ صدی کے شروع تک بھی یہ شعلے برابر نظر آتے رہے۔ نیز مزید شہادت کے لئے دیکھو آئین اکبری باب ۲ صفحہ ۳۶۵ نیز لارنس صاحب کی کتاب "ویلی آف کشمیر" صفحہ ۴۴۔

سوئمبھو مہاتم میں اس کا مفصل حال درج ہے کہ کس طرح شوجی (سوئمبھو) نے دیوتاؤں کی دعا سبت کے مطابق جن کو راکھشوں نے بہت تنگ کر رکھا تھا۔ "کال اگنی رودر" کا اوتار لیا تھا نیز نیل مت پران شلوک ۱۳۶۵

دشمنوں (دامودر) کی قرص نما فوج آسمان میں پہنچ گئی (قتل ہو گئی)۔

رانی یشووتی

اسپر کرشن جی نے جو خاندان یادو کی نسل سے تھے برہمنوں کے ذریعے اس راجہ کی حاملہ بیوہ یشووتی کو تخت نشین کروا دیا۔ مگر جب انکے مشیر ایک عورت کی تاجپوشی پر بڑبڑا رہے تھے مدھو کے قاتل (کرشن جی) نے نیل مت پوران کا یہ شلوک پڑھ کر انہیں تسکین دی۔ "سرزمین کشمیر پاربتی ہے اس لئے یاد رکھو کہ یہاں کا حکمران شوجی کا ایک حصہ ہوتا ہے خواہ وہ بدچلن بھی کیوں نہ ہو دانا آدمی جو اپنی خوشحالی کا خواہشمند ہو اُس سے نفرت نہ کریگا۔"

ان لوگوں کی آنکھیں جو پہلے عورتوں کو محض ایک سامان عیش تصور کر کے

کلہن نے راجہ اوکل کے اس جگہ کی یاترا کرنے کا حال ترنگ ۸ کے شلوک ۲۵۰ میں لکھا ہے۔

۱۳ اس عرصہ دراز سے بھولے ہوئے تیرتھ کا پتہ سٹائن صاحب نے لگایا تھا یہ جگہ بودہ برار (بھیدا دیوی) ہوپیان کے مغرب کی طرف پہاڑیوں میں واقع ہے۔ اس کے مفصل حالات کے لئے دیکھو نوٹ ۱ ضمیمہ کتاب ہذا۔

۱۴ نیل مت پوران۔ نندی کھیتر مہاتم اور ہر مکٹ مہاتم میں نندی کھیتر کا نام اس جگہ کو دیا گیا ہے جو کوہ ہرمکھ کی مشرقی برفانی چوٹیں کے دامن میں بلند وادی پر واقع ہے اس جگہ کالودک کی پوتر جھیل بھی جس کا عام نام نندکول ہے واقع ہے یہ جھیل سطح سمندر سے ۳۰۰ فٹ بلند ہے اور یہ جگہ گنگا کنڈ (اترمانسا) کے جو اس سے اوپر کی طرف تھوڑے فاصلہ پر واقع ہے یاتریوں کے واسطے ٹھہرنے کا ایک خاص مقام ہے۔ نیل مت کے صفحہ ۱۰۶۱ و ۱۱۳۱ کے بیان سے پایا جاتا ہے کہ سلادہ کے بیٹے نندن نے کالودک جھیل میں شوجی کی بڑی تپسیا کی تھی جس پر انہوں نے خوش ہو کر ہمیشہ اپنے بھگت کے پاس رہنا منظور کر لیا تھا۔ اس جھیل کے درمیانی حصے کا پانی گہرے نیلے رنگ کا ہے اور کلان ترجیم

ان کی کچھ عزت نہ کرتے تھے کرشن جی کے الفاظ سُن کر یشووتی کو اپنی رعایا کی ماں اور دیوی کی حیثیت میں دیکھنے لگ گئیں۔ میعاد مقررہ گذرنے پر اس رانی کے ایک بیٹا پیدا ہوا جس میں فوق الفطرت علامات موجود تھیں اور یہ گویا اُس خاندانی شجر کی ایک نئی شاخ تھی جو آگ میں بھسم ہو چکا تھا۔

راجہ گونند ثانی

برہمنوں نے جات کرمن اور دوسری رسوم کے ساتھ اس شہزادے کی تاجپوشی اور اس کے متعلقہ مراسم ادا کئے۔ مناسب وقت گزرنے پر اس شیر خوار راجہ کو شاہی اعزاز اور اُس کے دادا کا نام گونند دیا گیا۔ اس بچے کی پرورش کے لئے دو دائیاں مقرر ہوئیں جن میں سے ایک (ماں) نے اُسے اپنا دودھ دیا اور دوسری

کی جائے رہائش مانا جاتا ہے۔ اس کے بیرونی حصے کا پانی ہلکے سبز رنگ کا ہے جو نند کے رہنے کی جگہ ہے۔ اس جگہ شو کی پوجا نندیش کے نام سے ہوتی ہے دیکھو ترنگ اول شلوک ۱۲۳ تا ۱۲۳۰ و ۱۵۰ ترنگ ۲ شلوک ۱۷۰۔ کلہن نندی کھیتر میں بھوتیشر کے مندر کی تعمیر کا ذکر کرتا ہوا بھوتیشر یعنی بت شیر کے گرد نواحی علاقہ کو جو وادئے کنگ واہنی میں نندی کول کے نیچے کی طرف واقعہ ہے نندی کھیتر میں شامل کرتا ہے۔ دیکھو نوٹ ۴۲ کتاب ہذا۔ نیز ترنگ اول شلوک ۱۴۸۔ ترنگ ۷ شلوک ۹۵۴۔ ترنگ ۸ شلوک ۷۷ و ۲۳۶۵۔ اس کے علاوہ نندی کھیتر کا ذکر ترنگ ۲ شلوک ۱۷۰۔ ترنگ ۷ شلوک ۶۴۷۔ ترنگ ۸ شلوک و ۲۴۴۳ اور ترنگ اول کے شلوک ۱۱۳ میں بھی پایا جاتا ہے۔ سٹائن صاحب لکھتے ہیں کہ چندن کے وہ چھینٹے جو دیوتاؤں نے پوجا کے وقت شو جی پر دیئے تھے۔ اور جن کا ذکر کلہن اپنی کتاب میں کرتا ہے ان کا ذکر نہ تو مجھے کسی کتاب میں ملا ہے نہ زبانی روایتوں میں بھوتیشور کی بابت جو روایت کہ ابوالفضل نے بیان کی ہے اس کے لئے دیکھو آئین اکبری جلد ۲ صفحہ ۳۶۴۔

(زمین) نے اُسے اپنی ساری دولت۔ اُس کے باپ کے وزیر جو اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ اُس کا خوش ہونا بے نتیجہ ثابت نہ ہو اس وقت بھی نوکروں کو انعام دیتے تھے جب وہ بلاوجہ مسکرا دیتا تھا۔ جب اُس کے افسر بچہ کی مرضی نہ سمجھ کر اس کے احکام کی تعمیل میں قاصر رہتے تھے تو وہ خیال کرتے تھے گویا ہم سے کوئی جرم سرزد ہو گیا ہے۔ جب یہ شیر خوار راجہ اپنے باپ کے تخت پر بیٹھتا تھا تو اس کی ٹانگیں ہوا میں لٹکتی رہتی تھیں اور وہ پائدان کی اس خواہش کو پوری نہ کر سکتا تھا کہ وہ اس کے پاؤں کو اپنے اوپر اُٹھا سکے۔ اُس کے وُزرا اُسے تخت پر بٹھا لیتے تھے اور چنوروں کے ہلنے سے اُس کے سر کے بال متحرک ہوتے تھے۔ اور اس حالت میں اس کے وزیر رعایا کے مذہبی اور قانونی جھگڑوں کا تصفیہ کیا کرتے تھے۔ اس طرح پر کشمیر کا راجہ چونکہ شیر خوار تھا جب کوروں اور پانڈوں میں جنگ

نوٹ یہ تیرتھ جس کا یہاں ذکر آیا ہے سارداکا وہ پورانا مندر ہے جس کا پتہ سٹائن صاحب نے ۱۸۹۲ء میں مقام ساردی میں جو وادیٔ کشن گنگا کی اوپر کی طرف ہے لگایا تھا اس مندر کے مفصل حالات کے لئے دیکھو نوٹ نمبر ۲ ضمیمہ کتاب ہذا۔

سارداکا مندر کشن گنگا اور ایک چھوٹی سی ندی کے (جو سلسلہ کوہ سے جنوب مشرق کی طرف بہتی ہے اور جس کا نام آجکل مدہومتی ہے) سنگم پر ایک چھوٹی پہاڑی پر واقعہ ہے ساردی کے عین مقابل ایک بڑی ندی جو برفانی پہاڑیوں سے نکل کر کیلاش کی طرف بہتی ہے شمال کی طرف سے کشن گنگا میں آملتی ہے۔ نقشے پر اس کا نام کنک توری درج ہے لیکن عام روایتوں اور سارداماہاتم میں اس کا نام سرسوتی پایا جاتا ہے۔ یہاں پر جو مراد لی گئی ہے وہ ان تینوں ندیوں کے سنگم سے ہے۔ کشن گنگا کو جسے ماہاتم میں گنگا یا سندھو لکھا ہے سارداماہاتم میں پاربتی گنگا کے نام سے تحریر کیا گیا ہے۔ کلہن نے جہاں راجہ جے سنگھ کے قلعہ سراسیلا کے محاصرہ کا ذکر کیا ہے وہاں سارداکے مندر کا بھی بیان ہے اور جس کا پتہ سٹائن صاحب نے

چھڑی تو ان میں سے کسی نے بھی اسے اپنی مدد کے لئے نہ بلایا۔
اس کے بعد جو پینتیس[۳۵] راجہ ہو گذرے ہیں وہ فراموشی کے سمندر میں غرق ہیں اور اس زمانہ کی تاریخوں کے زائل ہو جانے کے باعث ان کے نام اور کام بھی کسی کو یاد نہیں رہے ہے۔

---

۵۲ گم شدہ راجگان کے حالات کی دستیابی

کلہن کے بعد کشمیر کی اگرچہ متعدد تاریخیں تیار ہوئیں مگر تعجب کا مقام ہے کہ انکے مورخوں میں سے کسی نے بھی گم شدہ ہوں کا سوراغ لگانے کی کوشش نہیں کی۔ ان سب کا مدار محض کلہن کی راج ترنگنی پر ہی رہا۔ یہاں تک کہ سٹائن صاحب جیسا باہمت اور بارسوخ شخص بھی جس نے

سار دی سے چند میل نیچے دیا ہے دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۲۵۵۶ و ۲۷۰۶ و ترنگ ۸ شلوک ۲۴۹۲

۲۳ کا نوٹ۔ قدیم زمانہ میں اس مندر کی یاترا ضرور رہی بہت مشہور رہی ہوگی۔ جیسا کہ البرونی صاحب بھی لکھتے ہیں۔ "وسط کشمیر میں سری نگر سے دو یا تین دن کے رستہ پر بولر کے پہاڑوں کی طرف ایک لکڑی کی مورتی ہے جس کا نام سارداہے اور جس کی یاتری لوگ بڑی عظمت ظاہر کرتے ہیں"۔ دیکھو "انڈیا" باب اول صفحہ ۱۱۷۔ ابوالفضل کی آئین اکبری فصل ۲ صفحہ ۳۶۶۔ نیز یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ شاردا کا مندر ہر مہینے کی اشٹمی سدی کو خود بخود ہلنے لگ جاتا ہے۔ وادئے کشن گنگا کا اوپر کا حصہ افغانیہ اور مغلیہ عہد حکومت میں بھی بالکل آرزو اور یاغستان رہا ہے۔ کچھ تو اس لئے اور کچھ دشوار گذار راستہ کی وجہ سے یہ تیرتھ سری نگر کے برہمنوں میں چنداں شہرت حاصل نہیں کر سکا۔ آجکل بھی اس کے درشنوں کو صرف وہی برہمن جاتے ہیں جو اس کے پڑوس میں کامراز کے پرگنوں میں رہتے ہیں۔ یاتریوں کے آرام کی خاطر سری نگر کے نزدیک اسی نام پر ایک نیا مندر بنایا گیا ہے۔ شاردا دیوی کی یاترا کے مقررہ دن پر

کلہن کی راج ترنگنی کا انگریزی ترجمہ شائع کرکے اس میں ایک نئی روح پھونک دی ہے اس طرف متوجہ نہ ہو سکا۔ شائد اس کو یہ یقین ہو چکا ہو گا کہ ان راجاؤں کے حالات کا ملنا اب ناممکن ہو چکا ہے؟

ایسی حالت میں ہم منشی محمد الدین صاحب فوق کے مشکور ہیں جنہوں نے بڑی محنت اور کوشش سے آخر کار اس بات کا پتہ لگایا کہ ان گم شدہ راجاؤں کے حالات جو کلہن کو دستیاب نہ ہو سکے تھے پنڈت رتناگر کی تصنیف کی ہوئی کتاب رتناگر میں موجود ہیں اور تاریخ حسن کے مولف نے بھی ان کو اپنی تاریخ میں درج کیا ہے چنانچہ باون گم شدہ راجاؤں میں سے جو ۳۵ راجاؤں کے حالات کلہن کو دستیاب نہ ہو سکے تھے منشی صاحب موصوف نے اپنی تاریخ کشمیر میں درج کئے ہیں"

"چونکہ کلہن کی راج ترنگنی کا بہ لفظ بہ لفظ ترجمہ شائع کیا جاتا ہے۔ اس لئے اسکو

بے شمار یاتری اس چشمے پر جمع ہوتے ہیں جس کا نام سارداکنڈ ہے اور جو ستا گاؤں کے قریب جھیل ڈل کے شمال کی طرف چار میل کے فاصلہ پر واقعہ ہے۔

سٹائن صاحب کا بیان ہے کہ مجھے مقام ہرل کا جسے ایک ٹیکا کار نے سارداکے مندر کا جائے وقوع لکھا ہے کچھ پتہ نہیں ملا پروفیسر بوہلر کے اس بیان کے مطابق ترمرے کے نقشے پر پرگنہ کھوئی ہوم میں ہومل کا نام پایا جاتا ہے جو کہ جھیل ولر کے اس موقعہ سے جہاں دریائے مدھومتی اس میں گرتا ہے شمال کی طرف واقعہ ہے"۔ سٹائن صاحب لکھتے ہیں کہ مجھے کسی نقشے پر ہومل کا نام دکھائی نہیں دیا اور جس مدھومتی ندی کا کلہن نے ترنگ ۱ شلوک ۱۱۹ میں ذکر کیا ہے اس کی ہم نام ایک اور ندی ہے۔

کتاب دیش ودستا میں لکھا ہے کہ سارداکا پورا نامندر کشمیر کی شمالی حد ہے۔ دیکھو سٹائن صاحب کی قلمی سنسکرت کتابوں کی فہرست "صفحہ ۲۰۷"۔

۳۶ کلہن کی مراد اس جگہ وشنو چکردھر اور شو وجیش کے ان دو مشہور دیوتاؤں کی مورتیوں سے

مکمل صورت میں لانے کے لئے ہم نے ان باقی ماندہ گم شدہ راجاؤں کے حالات کا بھی اس میں اضافہ کرنا ضروری سمجھا اور اسباب کی کوشش کی کہ اصل کتاب نیتاگر سے ان واقعات کی نقل حاصل کی جائے مگر افسوس کہ کامیابی نہ ہوئی البتہ ایک مہربان نے تاریخ حسن کی نقل کا وعدہ کیا مگر شائقین کی بے تابی کی وجہ سے ہم اس کا بھی انتظار نہیں کر سکے مجبوراً منشی محمد الدین صاحب کی تاریخ سے ہی ان گم شدہ راجاؤں کے حالات اخذ کر کے اس کتاب میں حسب موقعہ اضافہ کر دیئے گئے ہیں۔ چونکہ منشی صاحب نے اپنی تاریخ میں اختصار سے کام لیا ہے اس لئے ضروری ہے کہ یہ حالات بھی مختصر ہوں مگر یہ بھی غنیمت ہے اگر زندگی باقی ہے تو دوسرے ایڈیشن میں اس کمی کو پورا کر دیا جائیگا۔
جن راجاؤں کے حالات منشی محمد الدین صاحب کی تاریخ سے اخذ کر کے کتاب ہذا

ہے جو ایک دوسرے کے پاس واقعہ ہیں۔

وشنو چکر دھر کا پورانا مندر ایک بستی (رادور) میں جو دریائے وتستا کے بائیں کنارے پر قصبہ وج برور سے ایک میل نیچے کی طرف سے واقع ہے اس بستی کو آجکل سکدر رادور کہتے ہیں دیکھو پروفیسر بوہلر کی رپورٹ صفحہ ۱۸۔ کلہن نے اکثر اس مندر اور چکر دھر کی پہاڑی کا ذکر کیا ہے جو کہ مصیبت کے وقتوں میں قلعے کا کام دیتے رہے ہیں دیکھو ترنگ اول شلوک ۲۷۱ و ترنگ ۴ شلوک ۱۹۱۔ ترنگ ۸ شلوک ۹۷۱۔ نیل مت پوران کے شلوک ۱۱۷۰ میں چکر دھر کو وشنو کا سب سے پہلا اوتار لکھا ہے ....

.... اور نیز اس کے شلوک ۱۸۹ میں اس کہانی اور مندر کا بھی مختصر ذکر کیا ہے نیز دیکھو ہر چرت چنتا منی کا ادھیائے ۸ شلوک ۹۱۔ اس مندر کے ٹھیک ٹھیک جائے وقوع کے حالات کے لئے دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۹۷۱۔ مگر آجکل اس مقام کی یاترا نہیں ہوتی۔

شووجیش یا وجیشور کا مندر پورانے وقتوں سے اس وادی میں بہت مشہور مندر ہے۔

میں اضافہ کئے گئے ہیں انکے نام حسب ذیل ہیں۔

ہرن دیو۔ رام دیو۔ بیاسدیو۔ ورتادیو۔ سہم دیو۔ گوپال دیو۔ وزیاتہ۔ سکھدیو۔ راماننا۔ سندیمان۔ مرہن دیو۔ چنند دیو۔ آنند دیو۔ ورپتادیو۔ ہرنام دیو۔ سالکن دیو سنیادت۔ منگلادت۔ کھیم اند۔ بھیم سین۔ ینددسین۔ سندرسین۔ گلگندر۔ بلدیو۔ نل سین۔ گھوکرن۔ پرہلاد۔ وزیر بمبور۔ پرتاب شیل۔ سنگرام چندر۔ الارک چند۔ بیرم چند۔ ببیکھن۔ بھگونت۔ نراندر۔

"گلزار کشمیر" مصنفہ دیوان کرپارام و "تاریخ کشمیر" مصنفہ منشی محمد الدین صاحب کے مطالع سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ سب سے پہلے (گونند اول سے بھی پیشتر) پودن کرن والئے جموں کی اولاد سے تین راجے کشمیر میں ۵۵ سال تک حکومت کرتے رہے مگر انکے مفصل حالات کسی کتاب میں بھی درج نہیں۔ "ٹھاکر اچھر چند شاہپوریہ"

اور یہی نام اس گاؤں کا بھی تھا جس میں کہ یہ واقعہ تھا مگر آجکل اس گاؤں کو وج برور کہتے ہیں برور لفظ کشمیری ہے جس کے معنے دیوتا کے ہیں اور جو سنسکرت کے لفظ بھتکارک سے نکلا ہوا ہے۔ دیکھو نوٹ ۱۳۲ کتاب ہذا۔ نیز کشمیری لفظ برار جو کہ سنسکرت کے لفظ دیوی کے برابر ہے دیکھو نوٹ نمبر ۱۱ کتاب ہذا۔ کلہن کا بیان ہے کہ راجہ اشوک کے زمانہ میں یہ مندر دوبارہ تعمیر کرایا گیا تھا۔ دیکھو نوٹ نمبر ۴۴ کتاب ہذا۔ جس میں اس مندر کے کھنڈرات کا تھوڑا سا بیان بھی دیا ہوا ہے۔ ہر چریت چنتامنی اور وجیشور مہاتم میں اس کی بابت مختلف کہانیاں درج ہیں۔ موجودہ نام وج برور کے بیان کے لئے دیکھو وگنی صاحب کے سفر نامے کا باب ۳ صفحہ ۱۲۱ اور انس صاحب کی ہینڈ بک صفحہ ۱۰۵ (انگریزی کتابوں اور نقشوں میں اس جگہ کا نام جیج بہار اور وج بیار لکھا ہے اس کا باعث پنجابی زبان کے تلفظ اور املا کی غلطی ہے)۔

۵ یہ حمام موسم سرما میں کشمیر کے امیر و غریب کے لئے ایک لازمی چیز ہیں۔ موسم سرما میں انکو یہ صرف غسل خانوں کا کام ہی نہیں دیتے بلکہ سخت جاڑوں کے موسم میں بھی یہ لوگ

راجہ ہرن دیو

ارجن دیو کا پوتا اور پرچھت بن ابھمن کا دوسرا بیٹا ہرن دیو بڑے بھائی جنمیجے کے راجہ قرار پانے سے آشفتہ خاطر ہوکر مخالفت پر آمادہ ہوگیا اور کچھ فوج فراہم کر کے بھائی سے لڑنے لگا لیکن تاب مقابلہ نہ لاکر معہ اپنے ہمراہیوں کے کوہستان چمبہ کی محفوظ گھاٹیوں میں جاکر پناہ گزیں ہوگیا۔ اس علاقہ کے جنگلوں میں ایک موقع پر کوئی تارک الدنیا اور گوشہ نشین فقیر کسی غار میں ہر وقت پربا تما کی پرستش میں بے آب ودانہ مصروف رہتا۔ ہرن دیو جو گردش ایام سے پریشان دل اور خستہ حال ہو رہا تھا زمانہ کے ہاتھوں سے مایوس ہوکر اس فقیر روشنضمیر کے قدموں پر آگرا اور عرصہ دراز تک حسن عقیدت اور خلوص دل سے اس کی خدمت کرتا رہا۔ آخرا کیدن

ان حماموں میں بڑے آرام سے وقت گذارتے ہیں۔ غریب مسلمان موسم سرما میں ان حماموں میں جا رہتے ہیں جو کہ بڑی بڑی مسجدوں سے متعلق ہیں۔ سری نگر شہر میں خاص طور پر حمام زیادہ تر دریا کے کنارے پر واقعہ ہیں جہاں سے پانی آرام سے مل سکتا ہے۔ یہی دستور ملک میں کلہن کے زمانہ میں بھی تھا اور یہی وجہ ہے کہ ان حماموں کا ذکر دریاؤں کے بیان کے ساتھ آیا ہے۔

سرینگر اور دیگر بڑے بڑے شہروں میں دریائے وتستا کے کناروں پر آجکل بھی پتھروں کے بڑے بڑے گھاٹ بنے ہوئے ہیں جو تمام لوگوں کے لئے اشنان گھاٹ کا کام دیتے ہیں۔ ان گھاٹوں کو کشمیری زبان میں یاربل کہتے ہیں جس کے معنے دوستوں کے ملنے کی جگہ ہیں۔ جن پر ہر روز بے شمار آدمی اشنان وغیرہ کے لئے جمع ہو جاتے ہیں۔ ان گھاٹیوں پر لکڑی کی جھونپڑیاں بھی بنی ہوئی ہیں جن کی بابت کلہن نے ترنگ نمبر ۵ کے شلوک ۸۰ میں حوالہ دیا ہے۔

۱۸ھ ٹیگم کا وہ ترجمہ جو اس کتاب میں دیا گیا ہے اُس خیال سے مطابق ہے۔ جو ڈاکٹر ہلرنش نے اس عبارت پر اپنی قابلانہ بحث کے دوران میں ظاہر کیا ہے دیکھو انڈین انٹی کوئی ایبٹ صفحہ

اس عابد نے ہرن دیو کی حسن خدمات سے خوش ہوکر اسے مژدۂ کامرانی اور نوید جہانبانی سُنایا اور کشمیر کی طرف روانہ کر دیا۔ ہرن دیو کشمیر میں پہنچکر کچھ دنوں تک آوارہ گردی کی حالت میں رہ کر راجہ گونند ثانی کی فوج میں بھرتی ہوگیا اور رفتہ رفتہ یاوری طالع سے ترقی کرتے کرتے مسند مدارالمہامی پر متمکن ہوا۔ رعایا برایا اور اُمرا و وزرا کو اپنے اخلاق حمیدہ اور اوصاف پسندیدہ سے ایسا مطیع و منقاد کر لیا کہ تمام ملک اس کی خیر اندیشی کا دم بھرنے لگا۔ کچھ عرصہ بعد جب اس کا سکہ پورا پورا جم گیا تو فقیر کی پیشین گوئی کا خیال اُس کے دل میں کھٹکنے لگا اور راجہ گونند ثانی کو اس کے متعلقین کے ہاتھ قتل کرا کر خود تاج و تخت پر قابض ہوگیا۔ اور کشمیر کا مالک و مختار بن کر نئے خاندان کی حکومت کا بانی ہوا۔

اس راجہ نے تخت نشین ہوکر جود و سخا اور بذل و عطا کو اپنے شعار بنایا۔ اور

اس سے پہلے ٹرائر صاحب نے بھی اس کا جو ترجمہ کیا ہے وہ اس سے مطابق ہے دیکھو ٹرائر صاحب کی راج ترنگنی ترنگ اول صفحہ ۳۳ اور ترنگ ۲ صفحات ۶، ۷ اور ۳۶۶ اور ونس صاحب کا "پیسے" صفحہ ۷، ۹۔ کلہن نے گونند اول سے یدہشٹر اول تک یعنی اُن راجاؤں کے عہد حکومت کا مجموعہ جن کا ذکر ترنگ اول میں آتا ہے ۲۲۶۸ سال صحیح تسلیم کیا ہے۔ اس نے اس کے ماخذ کا تو کہیں ذکر نہیں کیا البتہ اپنے سنین کی بنا اس پر قائم کی ہے۔ پروفیسر بوہلر کے بیان کے مطابق کلہن کا ۲۲۶۸ سال کا اندازہ غلط ہے۔ لیکن اگر اس توضیح کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو نہ ہم یدہشٹر اول کے عہد حکومت کا اندازہ کر سکینگے جس کے لئے کلہن نے سالوں کی مقدار ہی مقرر نہیں کی نہ اگلے شلوک کے معنے کی پوری طور پر تشریح ہو سکے گی۔ اس ساری دلیل میں کلہن کا مدعا یہ ثابت کرنا ہے کہ سنین کشمیر کی ابتدا کلجگ سمت ۶۵۳ سے ہوتی ہے۔ اس لئے وہ اُس رائے کی تردید کرتا ہے جو گونند اول اور جنگ بھارت کو کلجگی سمت کے ابتدا میں قائم کرتی ہے۔ کلہن کے بیانات جیسے کہ وہ ترنگ اول کے شلوک ۴۸ تا ۵۶ میں موجود ہیں اور اُس کے

رعیت پروری اور عدالت گستری سے خلق خدا کا دل خوش کر کے گرویدہ دام الفت کرلیا۔ رفق و فتق سلطنت میں سعی جمیلہ کر کے حکومت کو ایسا مستحکم بنایا کہ عرصہ دراز تک اس کے جانشینوں کو عیش و آرام سے حکمرانی کرنے کا موقعہ مل گیا۔ آخر تیس سال تک مہام شہریاری پر جلوہ افروز ہوکر وفات پاگیا۔

راجہ رام دیو

ہرن دیو کے بعد اُس کا بیٹا رام دیو مسند نشین تخت خلافت ہوا یہ راجہ عدل و داد اور جود و احسان میں باپ سے بھی بڑھکر ممتاز تھا۔ چھٹا حصہ لینے کی بجائے اس نے دسواں حصہ محاصل خراج شاہی کے لئے مقرر کر کے رعایا کو آسودہ حال اور فرخندہ بال کردیا۔ انتظام مملکت اور حکمرانی میں اُس نے نئے

طریقہ سنین پر اُس کے اثر کے متعلق پورے مباحثہ کے لئے دیکھو سٹائن صاحب کی انگریزی راج ترنگنی کا دیباچہ۔

۱۹ ڈاکٹر سٹائن صاحب لکھتے ہیں کہ جہاں تک میں اس شلوک کا مطلب سمجھ سکتا ہوں اس کے اندر کلہن نے ترنگ اول کے راجاؤں کے عہد حکومت کا زمانہ ۲۲۶۸ سال شمار کرنیکی وجہ بیان کی ہے۔ ڈاکٹر ہارشی نے لکھا ہے کہ کلہن نے یدھشتر اول کی معزولی سے لیکر اپنے وقت تک کے عہد حکومت کے لئے ترنگ ۲ تا ۸ میں جو اعداد دیئے ہیں انہیں جمع کیا جائے تو ۱۳۲۸ سال بنتے ہیں۔

جن میں ترنگ ۳ اور ۴ کے عہد حکومت کے چند ماہ اور چند دن شمار نہیں کئے گئے اگر اس مجموعے کو ترنگ اول کے ۲۲۶۸ سالوں میں ملا لیا جائے اور اس حاصل جمع کو ۳۵۹۶ سال میں سے جو کلہن کے زمانہ کا کلجگی سمت تھا منہا کیا جائے تو باقی ۲۵۳ سال رہ جاتے ہیں۔ کلہن نے ترنگ اول کے شلوک ۵۱ میں جس طرح پر بیان کیا ہے اتنے ہی سال ابتدائے

نئے قواعد وضوابط اجرا کر کے ملک میں امن وامان قائم کردیا۔ کریوہ پٹن پر گیارہ لاکھ مکان بنا کر بابل نام ایک عالیشان اور وسیع شہر آباد کیا اور کوہستان وچھن پارہ سے مصنوعی نہر کاٹ کر اس شہر منیوسواد میں جاری کی۔ یہ پہلی مصنوعی نہر ہے جو خطہ کشمیر میں اس راجہ نے بنائی۔ اس لئے خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔

اسی کریوہ پر اس نے مندر مارتنڈی ایشور احداث کیا۔ جس کی استواری اور پائداری آج تک، رام دیو کے جاہ وجلال کا نمونہ پیش کر رہی ہے۔ بڑے بڑے پتھر جن کو اس وقت ایک ہزار مزدور بھی نہ اُٹھا سکیں اس صفائی اور کاریگری سے لگا کر قریب پچاس گز بلند عمارت بنائی کہ جیسے سانچے میں ڈھال کر دیواریں کھڑی کی گئی ہیں۔ درز اور جوڑ اس ہنرمندی سے ملائے گئے کہ مندر کا مندر ایک ہی پتھر

کلجگ سے لیکر جنگ مہابھارت یعنی گونندادل کے زمانے تک گذر چکے تھے۔ اس طرح مصنف کے زمانہ تک سارا کلجگی سمت شمار میں آجاتا ہے اور کوئی حصہ باقی نہیں رہتا۔ پس کلہن نے مذکورہ بالا شلوک میں جو مساوات قائم کی ہے وہ حسب ذیل ہے۔

(الف)

کلجگ کے سال جو ۱۰۷۰ شاکا سمت تک گذر چکے تھے۔	=	۴۲۴۹
ان کی تشریح اس طرح پر ہے سالہائے کلجگ جو شاکا سمت سے پہلے تھے مساوی ہیں	=	۳۱۷۹
سالہائے شاکا سمت		۱۰۷۰
میزان		۴۲۴۹

(ب)

گونندادل سے لیکر یدھشٹر اول تک کے راجاؤں کا عہد حکومت ترنگ اول شلوک ۴۸ کے مطابق	۲۲۶۸
ان راجاؤں کا عہد حکومت جنکا ذکر ترنگ ۲ تا ۸ میں آیا ہے شاکا سمت ۱۰۷۰ تک	۱۳۲۸
کلجگ کے سال جو گونندادل کے زمانہ تک گذر چکے تھے	۶۵۳
میزان	۴۲۴۹

دکھائی دیتا ہے اس کے ارد گرد ایک رفیع الشان دیوار کے باہر چاروں طرف دوسو چالیس منقش ستونوں سے مزین بارہ دری کی شکل کا جو دالان بنایا گیا تھا وہ اس عمارت کی قدرت اور عظمت کو دوبالا کرتا تھا۔ اس بے توجہی اور شکستگی کی حالت میں بھی اس مندر کے چپہ چپہ سے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے وہ صرف دیکھنے والوں کے دلی جذبات ہی محسوس کر سکتے ہیں۔ یہ پہلا راجہ تھا جس کو ترقی ملک و قوم کا خیال ہوا اور اس میں شک نہیں کہ مذاق زمانہ کے مطابق اس نے عوام الناس کی بہبودی اور آسائش کے سامان حتے الامکان بہم پہنچانے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا۔

جب اندرونی ریشہ دوانیوں کا خاطر خواہ تدارک کر کے اس نے انتظام ملکی کے بکھرے ہوئے شیرازہ کو سمیٹ کر مستحکم اور مضبوط بنا دیا تو تسخیر ممالک کی ہوس اُس کے دل میں پیدا ہو گئی۔ لشکر جرار فراہم کر کے ملک گیری کے لئے نکل کھڑا ہوا۔

پروفیسر بوہلر کا اختلاف کچھ تو اس وجہ سے ہے کہ اس نے ترنگ اول کے شلوک ۴۸ و ۴۹ کے معنے اور لئے ہیں اور کچھ اس لئے کہ اس نے لفظ "تدو ورجنات" کے لفظ کو اختیار کیا ہے چونکہ پروفیسر نہ کورے یہ لفظ راج ترنگنی کی سابقہ ایڈیشنوں سے لیا ہے اور یہ ایک اور ٹیکا کار کے ٹیکا میں بھی پایا جاتا ہے اس لحاظ سے یہ خاص طور پر توجہ کا مستحق ہے لیکن اگر اس لفظ کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو "تد" کو ترنگ اول کے شلوک ۴۹ میں "بھارتم" سے متعلق سمجھنا پڑیگا۔ چونکہ فقرے کی یہ ساخت غیر مانوس معلوم ہوتی ہے اور جو ترجمہ اوپر دیا گیا ہے اس میں اصل مطلب زیادہ اچھی طرح ادا ہوتا ہے اس لئے سٹائن صاحب اس جگہ لفظ "تدو رجتان" کو ہی رکھتے ہیں جیساکہ ایک اور ٹیکا کار نے لکھا ہے۔ ایونگ کا لفظ اگلے شلوک کے بیان سے متعلق ہے جس کے ذریعے کلہن جنگ بھارت کی تاریخ کے متعلق ترنگ اول شلوک ۵۰ کی غلطی کی اصلاح کرتا ہے ترنگ ۵ کے شلوک ۵۵ میں بھی ایونگ کا ایسا ہی استعمال آتا ہے۔

لوکک یا سپت رشی سمت کے متعلق جو کشمیر کے برہمنوں میں آجتک مروج ہے دیکھو پروفیسر

جدھر جاتا فتح ونصرت ساتھ تھی کابل کو رام کر کے پنجاب کو بھی ملتان تک روند ڈالا وہاں سے عنانِ عزیمت مارواڑ کی جانب معطوف کی۔ قوم کچھواہہ کو جو وہاں کی حاکم تھی، مغلوب کر کے لکھنؤ کی طرف بڑھا۔ جس کو فتح کر کے اپنے چچیرے بھائی کے دست تصرف میں دیدیا اور خود بیشمار مال غنیمت لے کر کشمیر چلا آیا۔ تین سال بعد ملک قنوج پر حملہ آور ہوا اور اسے مفتوح کر کے تقریباً دو سال تک وہیں قیام پذیر رہا۔ اس کے بعد مالوہ کا رخ کیا اس علاقہ کو بھی اپنے قبضہ اقتدار میں لایا۔ یہاں اس نے بہت سے قصبہ جات آباد کئے قلعہ نرور کی مرمت کرائی۔ راجہ بیجا نگر کی لڑکیاں اور شیوہ رائے کی لڑکی عقد مناکحت میں لا کر دو سال تک مقام گوندہ وارہ میں استقامت گزیں رہا اس عرصہ میں اس نے عموماً سربرآوردہ زمینداروں کو لوٹ مار اور غارت گری سے تباہ و ویران کر دیا۔ اس کے بعد کوہستان سوالک کی جانب متوجہ ہوا۔

بوہلر کی رپورٹ صفحہ ۵۹۔ سب سے پہلے اسی شخص نے اس سمت کی ابتدائی تاریخ یعنی بسر شدہ کلجگ سمت ۲۵ چیتر شدی ایکم یا ۳۰۷۶ قبل مسیح علمائے یوروپ کے پیش کیا۔ اور اوپر جو ساوات درج کی گئی ہے وہ بھی اسی کی بنا پر قائم ہے۔ ذیل کے حساب سے معلوم ہوسکتا ہے کہ جس سال کلہن نے اپنی کتاب کی تمہید لکھی وہ لوکک سمت ۴۲۲۴ تھا۔

کلجگ سمت ۲۵ جو لوکک سمت کی ابتدائی تاریخ ہے۔ اور شاکا سمت کی ابتدائی تاریخ کا باہمی اختلاف .. .. ۳۱۵۴ سال

شاکا سمت کی ابتدا اور کلہن کے زمانے کا باہمی اختلاف ۱۰۷۰ سال

میزان سال ہائے سپت رشی ۴۲۲۴

لوکک تاریخیں دیتے وقت صدیوں کو محذوف کرنے کا طریقہ قدیم سے چلا آتا ہے جیسا کہ ان کتبوں اور مسودوں سے جن پر یہ سمت درج ہے پایا جاتا ہے۔ لوکک سمت اور کشمیر کے مضافات میں پہاڑی علاقوں پر اس کے استعمال کے متعلق پوری بحث کے لئے دیکھو کنگھم صاحب کی کتاب "انڈین ایراز" صفحات ۶ تا ۱۷۔

وہاں کے تمام سرداروں اور راجوں کو مغلوب کر کے باجگذار بنایا اس کا ستارہ اقبال شمس النہار عروج پر تھا جدھر رخ کرتا فتح و نصرت پیش قدمی کے لئے آگے آتی۔ راجہ کنائوں مقابلہ کے لئے نکلا لیکن شکست کھائی قدموں پر گرا اور اپنی لڑکی راجہ رام دیو کی رانیوں کے حلقہ میں داخل کر کے اپنے ملک کا دوبارہ فرمانروا ہوا۔ اس کے بعد نگر کوٹ پر سکہ بٹھا کر وہاں کے راجہ کی لڑکی اپنے بیٹے بیا سدیو سے منسوب کی۔ اس کے بعد بنکوٹ کو بھی شامل فتوحات کر کے درگا مندر کی زیارت کے لئے روانہ ہوا۔ تمام ہندوستان میں اُس کی بے مثال کامیابیوں کا چرچا ہو رہا تھا۔ درگا مندر کا راجہ خوف زدہ ہو کر مع تحفہ و تحائف استقبال کے لئے آیا۔ یہاں سے فارغ ہو کر اُس نے جموں کی طرف رجوع کیا۔ لیکن خلاف توقع وہاں کا راجہ مقابلہ کے لئے باہر نکلا آخر بہت سے حرب و ضرب اور

لفظ پیرایہ سے مراد ایک عام اندازہ ہے جیسا کہ ترنگ اول کے شلوک ۵۰ میں کیا گیا ہے۔ اگر ہم ترنگ ۲ تا ۸ کے عہد حکومت کے ۱۲۶۶ سالہ مجموعے میں ۱۰۰۲ سال وہ ملا دیں جو گونند ثالث سے لیکر ہرش اول کے عہد حکومت کے سال ہیں تو ترنگ اول کے مجموعی علاوہ ۲۲۶۸ میں سے باون عدم پتہ راجاؤں کے ۱۲۶۶ سال منہا کرنے پر ۲۳۳۰ سال باقی بچتے ہیں جو گونند ثالث کے وقت سے لیکر کلہن کے زمانہ تک کے عہد حکومت کے سال ہیں۔

لفظ مٹ کا استعمال یہ ظاہر کرنے کے لئے کیا ہوا معلوم ہوتا ہے کہ عدم پتہ راجاؤں کے عہد حکومت ۱۲۶۶ سال قائم کرنے کے نتیجے پر کلہن خود ان روایتی اعداد کی بنا پر جو ترنگ اول شلوک ۴۸ میں آتے ہیں نیز ترنگ اول کے شلوک ۵۳ کے ۲۳۳۰ سالہ میعاد کے ذریعے پہنچا ہوگا۔

کلہن وراہا میہر کی برہت سنگھتا ادھیائے ۱۲ شلوک ۳ کے حوالے سے اپنے اُس بیان کی شہادت پیش کرتا ہے جو کورو پانڈو اور گونند اول کے زمانے کے متعلق ترنگ اول کے

پیکار و کارساز کے بعد مُنہ کی کھا کر اُس کو بھی راہ ہزیمت اختیار کرنی پڑی۔ اور قلعہ جموں راجہ رام دیو کے قبضہ میں آ گیا۔ جہاں سے بے انتہا مال و دولت اور خزائن و دفائن اس کے ہاتھ آئے۔ اس طولانی سفر کو بے شمار فتوحات کے بعد منقطع کر کے راجہ رام دیو وطن مالوف کی جانب روانہ ہوا وہاں کچھ عرصہ قیام کیا۔ لیکن سیر و سیاحت کی خواہش تاخت و تاراج کی ہوس۔ مال غنیمت کی حرص لعبتان بوالعجب کا اشتیاق اسے کب چین لینے دیتا تھا ابھی دو سال بھی پورے نہ ہوئے تھے کہ یہ منچلا بہادر تیسری مرتبہ ہندوستان پر یلغار کر کے تمام ملک کو تہ و بالا کرتا ہوا سمندر کے کنارے تک جا پہنچا۔ تمام بنگال کو روند کر قنوج کی راہ سے عازم کشمیر ہوا۔ زر و جواہر اور مال و متاع جو اس مرتبہ اسکے ہمراہ ہی ساتھ لائے محاسبہ قیاس سے باہر ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس آخری مہم میں اس نے پانچ سو راجوں کو باجگذار بنایا۔ کشمیر پہنچکر اس نے اپنی غیر معمولی کامیابیوں

شلوک ۵۱ میں آیا ہے۔ سمت ۲۵۲۶ قبل ساکا ۶۵۳ سمت کلجگی سے مطابق ہے۔ بدھشٹر کے تاجپوشی کی یہ تاریخ کلہن نے گونند اول کے عہد حکومت کا پہلا سال شمار کی ہے اور اسی بنا پر وہ اپنے سنین کا تخمینا یہیں سے کرتا ہے۔ ترنگ اول کے شلوک ۸۲ کا یہ بیان کہ گونند اول کا پوتا گونند ثانی اس جنگ عظیم کا ہم عصر تھا اس خیال کی تردید نہیں کرتا کیونکہ خیال ہے کہ بدھشٹر کی تخت نشینی اور آغاز جنگ کے درمیان ضرور کچھ عرصہ گذر چکا ہوگا۔ دیکھو رپورٹ صفحہ ۷۵ کا نوٹ اس تھیوری کے متعلق کہ سپت رشی ستارے ایک صدی تک ہر ایک برج قمری میں حرکت کرتے ہیں دیکھو برہت سنگھتا ادھیائے ۱۳ شلوک ۴۔ البرونی کی کتاب انڈیا فصل اول صفحات ۳۹۱ تا ۳۹۳ اور کنگھم صاحب کا "انڈین ایرانڈ" صفحہ ۱۱ سلسلہ کے لئے دیکھو نوٹ ۱۲ ضمیمہ کتاب ہذا

نوٹ ۲۰ اس کتاب میں جہاں کہیں گنگا کا ذکر آیا ہے اُس سے مراد دریائے سندھ ہو یا سندھ سے ہے۔ دریائے سندھ جو اس وادی کے شمال میں ہے وہ اس سے لیکر ہر مکھ تک سلسلہ کوہ کو

کی خوشی میں ایک جشن عظیم منعقد کیا۔ اسی تقریب پر اس نے الطاف خسروانہ سے مال غنیمت کا تیسرا حصہ رعایائے کشمیر میں تقسیم کر کے تمام ملک کو مالا مال کر دیا رتناگر کا قول ہے کہ ایسا الوالعزم اور ذی جاہ راجہ کوئی نہیں ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ اپنے زمانہ میں لاثانی ہونے کی کافی وجوہات رکھتا تھا۔ سخاوت اور کریم النفسی میں ایسا ممتاز تھا کہ اپنی زندگی میں علاوہ دیگر صدقہ و خیرات تین لاکھ گاؤ اُس نے پُن کیں۔ سادھوؤں اور گسائیوں کی خدمت میں شب و روز سرگرم رہتا تھا۔

ہاروسوامی اور ماروسوامی جو علاقہ سلٹ (سلہدہ) میں اس کے ہاتھ لگے تھے اس کے مشیران خاص تھے۔ انہیں کی سرپرستی اور رہنمائی سے اس نے تمام فتوحات سرانجام دیں۔ عوام کی طرح راجہ بھی انہیں مشیروں کی حیثیت سے بڑھ کر فقیر کامل اور دستگیر مطلق سمجھتا اور اُن کے احکام کی تعمیل ایک ادنےٰ غلام

سیراب کرتی ہے اور کشمیر کے اندر دریائے وتستا کا سب سے بڑا معاون ہے اُسے نیل مت پوران کے ادھیائے۔ ا شلوک ۲۹۰ میں صاف طور پر گنگا کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے نیز دیکھو جونراج کی راج ترنگنی شلوک ۸۶۴ جہاں پر مراد سندھ سے لیکر مانس بل جھیل تک نہر کی تعمیر سے ہے۔ ہرکر پوران ادھیائے ۱۲ شلوک ۴۰۔ وتستا مہاتم ادھیائے ۲۰ شلوک ۱۵ قدیم روائت کے مطابق اس سندھ گنگا کا منبع مقدس جھیل گنگا (گنگ بل) ہے جو ہر مکھ کی چوٹیوں کے شمال مشرقی برفانی حصوں کے نیچے کی طرف واقع ہے دیکھو نوٹ ۱۴۰ کتاب ہذا۔ وہرمکت گنگا وندی کھشیتر مہاتم۔ کشمیر میں بہت سے چشمے اور ندیاں مقامی روایت کے مطابق گنگا کے مظہر خیال کی جاتی ہیں لیکن یہاں ان کا حوالہ دینا غیر ضروری معلوم دیتا ہے۔

ملے یہ وہ مقام ہے جہاں آج کل جھیل وُلر لہریں مار رہی ہے۔ اس شہر کے ویران ہونے کے حالات اپنے موقعہ پر اگلے صفحوں میں درج کئے گئے ہیں۔

کی طرح کرتا تھا۔ لوگ انہیں دیوتا خیال کرتے۔ وہ بھی باتیں کرتے کرتے ناگاہ غائب اور کچھ عرصہ بعد خود بخود ہویدا ہو جاتے۔ کئی دنوں بلکہ مہینوں تک بے خورد خواب زندگی بسر کرتے ایسی ایسی کرامات نے راجہ کو انکا مرید راسخ الاعتقاد بنادیا تھا انکی صحبت نے اس پر یہاں تک اثر کیا کہ اُنسٹھ برس کی فرماں دہی کے بعد راجہ مذکور نے یک لخت تاج اپنے سر سے اُتار کر بیا سدیو کے سر پر رکھدیا اور خود تارک الدنیا ہوکر پوست آہو بدن پر آراستہ کرکے اپنے گروؤں سمیت مندپار کی شو میں جو اس نے خود چشمہ بھون پر آباد کیا تھا جا بیٹھا اور عرصہ دراز کی گوشہ نشینی کے بعد ایک دن اچانک غائب ہوگیا۔ اس کے بعد بارو سوامی وماردسوامی کو بھی کسی نے نہ دیکھا۔ یہ تینوں رفیق ہمیشہ کے لئے ایک ہی وقت دنیا سے پوشیدہ ہو گئے۔

۲۲ے چونکہ اس راجہ کو فسق و فجور کی سخت لت پڑی ہوئی تھی۔ اس لئے اُس نے ہر ایک گھر میں پہنچنے کے لئے کافی انتظام کر رکھا تھا کسی کو خبر بھی نہ ہونے پاتی کہ راجہ آنکھ بچا کر جہاں چاہتا پہنچ جاتا۔ اسی لئے اس کی نسبت مشہور ہوگیا کہ اسے کوئی افسون یاد ہے جس کو پڑھ کر یہ جہاں چاہتا ہے چلا جاتا ہے اور اسے کوئی بھی نہ دیکھ سکتا تھا اگرچہ جادو یا طلسم سے کسی کے گھر داخل ہوجانا تو ممکن ہے لیکن ایسے افعال شنیعہ کا کسی کی مرضی اور اطلاع کے بغیر مرتکب ہونا کسی صورت میں ممکن نہیں ہو سکتا۔ ورنا وزیر نے اپنی بیوی کو بدکاری کے الزام سے بری کرنے کے لئے اس امر کو مشہور کیا۔ کیونکہ وزیر موصوف اپنی ہم جلیس کا والہ وشیدا تھا اور اسکی مفارقت کسی صورت میں گوارا نہ کر سکتا تھا۔ ان کی محبت کا اظہار رتناگر نے اپنی تاریخ میں واضح طور پر کردیا ہے ایسے راجہ کی نسبت مصنف تاریخ حسن کا یہ لکھنا کہ عدل و داد نصفت شعاری سے حکومت کرتا رہا مضحکہ انگیز ہے جس کی شہادت اصل نسخہ رتناگر میں کہیں نہیں ملتی جو سب سے پُرانی اور نہایت قدیم تاریخ ہے۔

راجہ بیاسدیو

یہ راجہ خلعت شہر یاری زیب تن کرکے عدل و انصاف[۱] اور بذل و عطا سے رعایا برایا کو خوشنود کرنے لگا۔ عوام کی رفاہ و بہبودی اور امن و آسائش کا خیال قدرت نے اس کے دل میں ایسا بٹھا دیا تھا کہ تمام عمر خلق خدا کی آسودہ حالی اور فارغ البالی کے لئے دل و جان سے کوشاں رہا۔ سرکاری طور پر تعلیم کا سلسلہ پہلے پہل اسی نے جاری کیا۔ دور دراز اور اطراف و اکناف سے لائق و فائق علامہ دھرپنڈتوں کی خدمات حاصل کرنے میں اُس نے بہت کوشش کی۔ وید کی تعلیم کے لئے مدارس قائم کرکے لوگوں کے دلوں میں تعلیم کا شوق پیدا کردیا ان کے علاوہ علوم غریبہ اور فنون عجیبہ کے مدارس بھی جاری کئے۔ گھر گھر میں علم و ہنر کا شوق پھیل گیا۔

۲۳ اکثر مورخوں کی یہ رائے ہے کہ درحقیقت یہ حکیم اسی قسم کا تھا جادو سے لوگوں کو بیمار کرکے اُن کا علاج کرتا۔ چنانچہ ان کا خیال ہے کہ جب اس کو سولی پر چڑھایا گیا تو انہیں بد ذاتیوں کے باعث اس کی شکل خرس کی ہوگئی۔

۲۴ سٹائن صاحب کا بیان ہے کہ انہیں نقشہ پر اس بڑے شہر کا اصلی یا نقلی کوئی نام نہیں ملا مگر مشہور ہے کہ علاقہ کامراز کے پرگنہ سوراب میں جو شہر لولاڈ نامی ہے وہ راجہ لو کا آباد کیا ہوا ہے۔ اور سنسکرت کی کتاب کے حاشیہ پر جو ٹیکا دی گئی ہے اس میں اس شہر کا نام لولو پڑھا جاتا ہے جو کہ پورانی تحریر معلوم ہوتی ہے۔ ابوالفضل کی آئین اکبری کے باب دوئم صفحہ ۳۸۱ پر رفیع الدین اور محمد عظیم کی فارسی تواریخوں میں جن کا ذکر رس صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۷۰ پر کیا ہے اور بوہلر صاحب کی اپنی رپورٹ کے صفحہ ۶۶ پر بھی اس کا ذکر آیا ہے علاقہ لولاڈ کا پورانا سنسکرت نام لولاہا ہے۔ لوک پرکاش کے باب دوئم

فرقہ پانڈواں کے راجوں کو تعمیرات کا شوق میراث میں چلا آتا تھا۔ اُس نے بھی باپ کے بنائے ہوئے شہر بابل کی ترمیم و تجدید بدرجہ غایت کی۔ وہ نہر جو اس کے باپ نے جاری کی تھی موسم سرما میں قلت آب کے باعث عموماً یخ بستہ ہو جاتی اور عوام کو پانی کی کمیابی سے بڑی تکلیف اُٹھانی پڑتی تھی اس نے شہر کے درمیان ایک وسیع اور عمیق پختہ تالاب کھُدوا کر پانی سے لبریز کر دیا اس حوض کے چاروں طرف پختہ سیڑھیاں بنوائیں تاکہ آمد و رفت میں دقت نہ ہو۔

اس کے عہد میں فوجی طاقت میں بھی مناسب اضافہ ہوا۔ اہل حرب کی غور و پرداخت نے اُنہیں جان نثار سپاہی بنا دیا۔ اسی طرح سلطنت کے تمام صیغہ جات میں ترقی کے جدید قوانین نافذ کئے۔ جس سے تمام ملک میں امن و امان قائم ہو گیا۔

امورات ملکی سے فراغت پا کر منا در ہند کے درشن کے لئے تنہا بلباس فقیری

میں جس للوک شہر کا ذکر ہے اور پنڈت صاحب رام نے جس لولو کا ذکر کیا ہے یہ زمانہ حال کی آبادیاں ہیں۔

ڈاکٹر ہلزش نے اس بارہ میں تحریر کیا ہے "راجہ لو اور دیگر سات راجاؤں کے نام جن کے ناموں پر شہر لولو اور دیگر شہروں کے نام مقرر ہیں۔ کلہن نے پدم مہر کی کتاب سے لئے ہیں۔ اور جس کی بنیاد محض زبان زد کہانیوں پر ہے (دیکھو کتاب انڈین انٹیکوئٹی باب ۱۸ صفحہ ۹۹) کشمیر میں آجتک بھی یہ دستور چلا آتا ہے کہ اپنی کتھاؤں کو رونق دینے کے واسطے شہر کا نام خواہ وہ خیالی ہو خواہ اصلی کسی راجہ کے نام سے منسوب کر دیتے ہیں" اس بیان سے ڈاکٹر ہلزش کے فیصلے اور پدم مہر کی فہرست کے غیر تواریخی ہونے کی تائید ہوتی ہے۔

۲۵؎ یہ گاؤں دریائے لدد (لددی) کے دائیں کنارے پرگنہ دچن پور میں واقعہ ہے

عازم سفر ہوا۔ لاکھوں روپیہ پُن دان دیتے کہ جدھر جاتا تا زر پاشی کرتا جاتا تھا۔ انہیں دنوں راجہ جسونت والئے مارواڑ کی دختر بلند اختر موسومہ گلابوں کے سوئمبر کا چرچا اس کے کانوں میں پہنچا۔ بیاسدیو بھی اسی فقیرانہ لباس میں مارواڑ پہنچا اور جشن سوئمبر میں شامل ہوا۔ جوہر شناس گلابو نے جو حسن صورت کے علاوہ حسن سیرت میں بھی آراستہ و پیراستہ تھی آوارہ وطن راجہ کو لباس دلق پوشی میں بھی محک امتحان پر پرکھ لیا اور اس نے اپنی آئندہ قسمت کا ممتاز سہرا اسی جوہر گراں مایہ کے سر پر باندھ دیا۔ راجہ جسونت اپنی لڑکی کی حماقت دیکھ کر کھسیانا ہو گیا لیکن جب اُسے معاملہ کی اصلیت معلوم ہوئی تو جامے میں پھولا نہ سمایا فوراً شادی کا انتظام ہو گیا۔ راجہ بیاسدیو اس نعمت خداداد کو معہ بے شمار مال و دولت ہمراہ لے کر وارد خطہ بے نظیر ہوا۔ اس سفر سے ایک ہزار مورتی مہادیو مختلف ہری ہر دو پیلی اور تنانوے ہزار سالگرام مناور کشمیر کے لئے ساتھ لایا۔

اور آجکل اس کو لدر کہتے ہیں۔ لیکن ستمبر ۱۸۹۱ء میں جب سٹائن صاحب اس گاؤں میں گئے تو ان کا بیان ہے کہ قدیم زمانہ کی کوئی یادگار اُن کو نظر نہیں آئی۔

۲۶ لاری کا موجودہ نام لدر ہے اور وتستا کا سب سے بڑا معاون دریا ہے جو کہ وادیٔ سندھ کے بالائی حصہ کے جنوبی پہاڑوں سے نکلتا ہے اور اننت ناگ اور وج برور کے درمیان دریائے وتستا میں مل جاتا ہے۔ لاری کا ذکر شری ور نے اپنی کتاب کے شلوک ۴۴۱ اور جون راج نے شلوک ۱۰۶-اور ۱۱۸ میں کیا ہے۔

۲۷ لفظ اگر ہار کو کلہن نے اپنی تصنیف میں اکثر استعمال کیا ہے اس کے معنے جاگیر کے ہیں خواہ وہ کوئی گاؤں ہو یا زمین کا قطعہ جس کی آمدن خواہ ایک شخص کو یا کسی کمیٹی کو یا کسی مذہبی مکان کے ساتھ لگائی جاتی تھی۔ اس طرح پر جو جاگیریں کمیٹیوں یا فرداً فرداً برہمنوں کو دی جاتی تھیں ان کا ذکر آئندہ مختلف موقعوں پر آئیگا۔ دیکھو ترنگ اول شلوک ۸۷-۳۱۱-۳۴۲-۳۴۰

منا ور مارٹنڈ ی ایشور وغیرہ کو مورتوں اور سالگراموں سے بھرپور کردیا۔ آخر ۵۶ برس تک ملک کشمیر کو اپنی فیاضیوں سے شاداب کر کے عالم جاودانی کو رحلت کر گیا۔

راجہ درنا دیو

اس راجہ نے عنان حکومت ہاتھ میں لے کر انتظام ملک داری کو بطریق احسن سنبھالا۔ باپ سے بڑھ کر جود و احسان سے رعایا کو سرفراز کرنے لگا۔ یہ راجہ حلیم الطبع اور منکسر المزاج پرلے درجے کا تھا۔ ظاہری شان و شوکت اور جاہ و تمکنت سے کوسوں بھاگتا۔ ادنٰے لباس میں باپ کے مندر کے دروازے پر بیٹھ کر صبح سے شام تک مظلوموں کی دادرسی میں مصروف رہتا۔ اس کے خیال میں فریادرسی اور عدالت سے بڑھ کر دنیا میں اور کوئی ذمہ داری نہ تھی۔

ترنگ ۳ شلوک ۸ - ۳۱۶ - ۴۸۱ - ۶۳۹ - ترنگ ۵ شلوک ۴۰۳ - ۴۴۲ - ترنگ ۶ شلوک ۸۹ - ۳۳۶ - ترنگ ۷ شلوک ۱۸۹ - ترنگ ۸ شلوک ۸۹۸ -

ف ۲۸ اس کا موجودہ نام کلر ہے جو غالباً درست ہے۔ یہ ایک اچھا آباد اور وسیع قصبہ ہے اور وادیٔ دریائے لدر کے مغرب کی طرف لور کے شمال میں چار میل کے فاصلہ پر واقعہ ہے۔

ف ۲۹ کماگی کا موجودہ نام کماگ ہے یہ ایک بڑا شہر ہے اور پرگنہ بیرو میں واقعہ ہے۔ اس کا ذکر ترنگ اول کے شلوک ۳۴۰ میں بھی آیا ہے۔ راجہ گوپادت نے اس کا نام کاکی کا مقرر کر کے بطور اگرہار قائم کیا تھا۔ کاک پور جو کہ دریائے وتستا کے کنارے پر پامپر کے اوپر کی طرف واقعہ ہے اور جس کا ذکر حیدر ملک اور نارائن کول کی تواریخوں میں آیا ہے کسی شہادت سے اس کے کماگی کا ہونے کی تائید نہیں ہوتی۔

رحم دل بھی نہایت درجہ کا تھا ملزموں اور مجرموں کو دو پیسہ سے زیادہ جرمانہ نہ کرتا تھا۔ داب شاہی کے لئے اپنے کاروبار کے سامنے اس نے ایک شکنجہ استادہ کر رکھا تھا لیکن تمام عمر میں صرف ایک ہی ملزم کو شکنجے میں کھینچا گیا اُسی وقت سے اس کی سیاست اور رعب وداب نے لوگوں کے دلوں میں سکہ بٹھا دیا۔ ظالم اور سفاک ایسے سہم گئے کہ زیردستوں کی طرف آنکھ بھی اُٹھا کر نہ دیکھتے اس کے عہد میں فتنہ و فساد۔ جبر و تعدی تاخت و تاراج کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ نہ چور کا ڈر نہ رہزن کا خطرہ مشہور ہے کہ سوداگر اپنی دوکانیں بغیر قفل کھلی چھوڑ جاتے نہ پہرہ اور نہ چوکیدار کیا مجال کہ کسی کا خشخاش بھر نقصان ہو جائے اس کے احسان وکرم نے لوگوں کو ماں باپ کی شفقت بھی بھلا دی۔ اُسی کا زمانہ اس مقولہ کا مصداق تھا کہ شیر بکری ایک گھاٹ پر پانی پیتے ہیں۔ گوشت خوری سے اسے سخت نفرت تھی فقیرانہ خیالات کا آدمی تھا لیکن پرستش اصنام کا چنداں پابند نہ تھا اسی کا یہ مشہور قول ہے کہ "ہزار ریاضت اور پرستش سے ایک مظلوم کی چارہ جوئی بہتر اور افضل ہے"۔

ﻧﺸﮧ کھون موش کا موجودہ نام کھون موہ ہے اور پامپر کے شمال مغرب میں واقعہ ہے (پامپر کا نام نقشہ پر پام پور لکھا ہے) یہاں زعفران کی کاشت بکثرت ہوتی ہے اور بلہن شاعر کی جائے ولادت ہے جس نے اس کا ذکر اپنی کتاب بنام وکرمانک دیوکرت کے ادھیائے ۱۸ کے شلوک ۷۰ سے ۷۲ تک کیا ہے اس جگہ کا ذکر پہلے جنرل کنگھیم نے اپنی کتاب (انیشنٹ جیوگرافی) کے صفحہ ۹۸ پر کیا ہے اور اس کے صحیح حال اور قدامت کی بابت معلوم کرنے کے لئے پروفیسر بوہلر کی رپورٹ کے صفحہ ۴ کا ملاحظہ کرو۔

لشہ جس وہار اور قصبہ کا یہاں ذکر ہے ان کا پورا پتہ نہیں ملتا۔ اُس حوالہ سے جو درد کے ملک کی بابت دیا گیا ہے اور لفظ "سوامن دل" سے جو کہ دوسرے شلوک میں تعلیقہ

خود تمام عمر رعایا کی امن و آسائش میں سرگرم رہ کر دنیا و مافیہا سے بالکل غافل رہا لیکن اس کی رانی مارگی دیوی نے موضع کوٹھیر میں مندر مارگی ایشور تعمیر کرا کے اپنے اور اپنے شوہر کی پائدار یادگار حسنہ چھوڑی۔ آخر بمقتضائے كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ یہ کریم النفس۔ رحیم الطبع فقیر منش بادشاہ اٹھاون سال کی بے ریا حکومت کے بعد دنیا فانی کو خیرباد کہہ کر اور عالم جاودانی میں راحت پذیر ہو کر جان نثار اور وفادار رعایا کے دلوں میں داغ حسرت کا محکم نشان چھوڑ گیا ؎ فوق

چشم ظاہر بیں سمجھتی ہے کہ موت آئی تجھے
درحقیقت تو حیات جاوداں ہونے کو ہے

راجہ سہم دیو

راجہ سہم دیو باپ کی گدی پر جانشین ہوا۔ عدل و احسان اور جود و عطا میں ممتاز باپ کے قدم بقدم چلنے لگا اگرچہ درنادیو کی وفات نے لوگوں کو سخت

استعمال کیا گیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ شہر شورک جس کی اس راجہ نے بنیاد ڈالی تھی کشمیر خاص کے علاقہ سے باہر ہے۔ لفظ بھون کے معنے جائے رہائش کے ہیں اور کشمیری زبان میں اکثر وہاروں پر اس لفظ کا اطلاق آیا ہے۔ مثلاً امرت بھون دیکھو ترنگ ۳ شلوک ۹۔ سکند بھون ترنگ ۲ شلوک ۱۲ اسوداک بھون ترنگ ۲ شلوک ۲۵۶ نیز دیکھو شائن صاحب کی کتاب "نوٹس اون گنگ" صفحہ ۹۔

۳۲؎ سورس کا وہار پنڈت گوبند کول کے خیال کے مطابق شائد اس جگہ آباد تھا جہاں کہ آجکل قصبہ سورس آباد ہے یہ قصبہ دریائے سنگ سفید کے کنارہ پر پرگنہ ناگام میں واقعہ ہے۔ صرف زبانی کہاوتوں سے پایا جاتا ہے کہ سورک اور سورس کے قصبے راجہ سریندر کے بنوائے ہوئے ہیں اس کے علاوہ کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

صدمہ پہنچایا تھا لیکن سہم دیو کی رعایا پروری نے کافی نعم البدل عطا کر دیا۔ اس نے اپنی تمام عمر عزیز ریاضت شاقہ اور پرستش اصنام میں بسر کی۔ گوشت خوری سے اسے بھی سخت نفرت تھی۔ بلکہ رعایا کے لئے بھی گوشت خوری حکماً ممنوع کر دی تھی راجہ ہرن دیو کی حکومت سے اہلیان کشمیر فلاح و بہبودی کے دامن میں پرورش پا رہے تھے۔ اور اس اڑھائی سو برس کے عرصہ میں ہر ایک پہلو سے کشمیر نے نمایاں ترقی کی۔ آبادی اسقدر بڑھ گئی کہ میدانوں میں رہائش کی کافی گنجائش نہ رہی۔ کئی گاؤں اور پرگنے آباد ہو گئے لوگ ٹیلوں اور پہاڑی بلندیوں پر جا کر آباد ہو گئے۔ اس راجہ نے بھی بہت سے گاؤں اور مناور تعمیر کرائے منجملہ ان کے موضع سہم پور بھی اسی نامور کی یادگار ہے۔ شاگا نام اس کا ایک چچیرا بھائی تھا۔ کسی زمیندار کی لڑکی پر عاشق ہو گیا حکومت کے گھمنڈ میں جبراً اس عفت شعار کے دامن عصمت میں دست انداز ہوا۔ لڑکی کے لواحق سہم دیو کے پاس نالش لے گئے تو اُس دادگر بادشاہ نے بھائی کا پاس خاطر بالائے طاق رکھا اور اس بدکردار کو قتل کر کے

---

۳۳ یہ اگرہار جو اب تک شناخت نہیں ہو سکا اس کی وجہ یہ ہے کہ راج ترنگنی کے پہلے قلمی نسخوں میں غلطی سے اس کا نام گودھرو ہستی شالا کھیم لکھا ہے۔ یہ نام دو لفظوں سے مرکب ہے اور یہ دونوں لفظ جدا جدا دو جگھوں گودھرہ اور ہستی شالہ کے نام ہیں سٹائن صاحب نے ستمبر ۱۸۹۱ء میں ان دونوں جگھوں کا پتہ لگایا تھا اول الذکر شہر کا نام گدر ہے اور موخر الذکر کا است ہیل۔ یہ دونوں قصبے پرگنہ دیوسر میں واقعہ ہیں۔ گودھر کے گاؤں میں قریباً ۲۰ گھر کی آبادی ہے۔ اور دریائے وشو کا کے جس کا موجودہ نام وساؤ ہے دائیں کنارہ پر آباد ہے۔ اس گاؤں کے قریب مغرب کی طرف یہ دریا گوداوری کے متبرک مقام میں گرتا ہے۔ اور یہ جگہ ایک مشہور تیرتھ ہے۔ گوداوری مہاتم

اپنی انصاف پسندی کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ جس کی نظیر شاذ ہی ملتی ہے مقتول کی ماں نے بہت واویلا کیا لیکن راجہ نے ایک نہ سُنی آخر وہ بھی شفقت مادری سے ستا گا کے شمشان پرستی ہو گئی۔ اس حادثہ نے راجہ سہم دیو کے دل پر بھی سخت چوٹ لگائی تین چار روز تک اسی درد جانسوز میں مبتلا رہ کر جان بحق تسلیم ہوا۔ اس راجہ نے چون سال تک کمال نیک نامی سے مہام ملکی کو سرانجام دیا۔

راجہ گوپال دیو

اب سہم دیو کا لڑکا گوپال دیو زینت بخش سریر سلطنت ہوا۔ یہ راجہ صعوبت امراض کے باعث بڑا کمزور اور دائم المریض رہتا۔ ضعف بدنی نے اسے پرلے درجے کا کاہل الوجود بنا دیا چنانچہ مہام ملکی کے انصرام میں بھی عدم توجہی سے کام لیتا۔ لیکن خوش قسمتی سے اسے شنشوپال جیسا مدبر اور منتظم وزیر مل گیا جس نے اپنے حسن تدبیر سے تمام رعایا کو خوشحال اور ملک کو شاداب کر رکھا۔ بڑی سرگرمی

میں گدر قصبہ کا نام گودر لکھا ہے۔ اور گوددادری کے ظہور ہونے کی روایت کے ساتھ معنون کیا گیا ہے۔ یہاں کے مقامی پروہت اور جاگیردار میاں بیان کرتے ہیں کہ راجگدر دگودھر نے اس جگہ ایک شہر آباد کرایا تھا مگر پرانے شہر کا یہاں کوئی بھی نشان موجود نہیں ہے۔ اور یہ جگہ اسقدر تھوڑی ہے کہ یہاں بڑی آبادی ہو ہی نہیں سکتی۔ ہستی شالا جس کا نام ٹیکا میں استی ہیل لکھا ہے اور موجودہ نام است ہیل ہے گدر سے ایک میل کے فاصلہ پر گوشہ شمال مشرق میں دریائے وشوکا کے ایک ریتلے جزیرے پر واقع ہے یہ ممکن ہے کہ اوپر کی روایتوں میں یہی ایک روایت تھی جس کی بنا پر ہیلا راج نے راجہ گودھر کی نسبت ذکر کیا ہے اور جس کو پدم میہر اور کلہن نے بھی نقل کیا ہے یہ روایت

اور نمک حلالی سے بیکس راجہ کے معاملات سرانجام دیتا رہا۔ یہاں تک کہ راجہ معاملات مملکت سے بے پرواہ رہ کر بڑے اطمینان سے زندگی بسر کرنے لگا۔ اور انتظام ملک کی حالت میں بھی کسی قسم کا خلل واقعہ نہ ہوا۔

انہیں ایام میں راجہ ختن نے قلمرو کاشغر پر فوج کشی کی اور وہاں کے حاکم کو جو گوپال دیو کا سالہ خسر پورہ تھا مغلوب کر کے قتل کر دیا اور ملک پر اپنا تسلط بٹھا دیا اس واقعہ کی خبر کشمیر پہنچی تو راجہ کو سخت رنج ہوا اس نے وزیر ششوپال کو فوج گراں دے کر مقتول کے قصاص کے لئے کاشغر بھجوایا۔ اثنائے راہ میں کوہ ٹونک پر غنیم سے مٹ بھیڑ ہوگئی معرکہ کارزار کا میدان گرم ہوا۔ اتفاقاً وزیر ششوپال کی فوج پہاڑی درہ کے نرغہ میں ایسی پھنسی کہ اُسے جان بچانی مشکل ہوگئی۔ غنیم پہاڑی چوٹیوں سے پتھر لکڑی گرا کر ان بیچاروں کی فوج کو بیدریغ کچلنے لگا۔ جس سے وزیر کی ساری فوج پائمال ہو کر ضائع ہوگئی۔ اس واقعہ کے استماع نے راجہ کا مضمحل دل پاش پاش کر دیا۔ وزیر کی موت اور لشکر کی تباہی نے اس کے دل پر ایسی چوٹ لگائی کہ اس واقعہ کے تھوڑے دنوں بعد ہی وہ

بذات خود زبانی کہاوتوں تک ہی محدود ہے۔ اس گاؤں کا نام خواہ اس کا ماخذ کچھ ہی کیوں نہ ہو یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس کا تعلق گوداوری کی کتھا سے ضرور ہے۔

۵۴۳ کرال کی بابت پنڈت جونراج نے اپنی کتاب کے شلوک ۸۶۱ ۸۶۲ میں واضح طور پر لکھا ہے اور شری ور نے اپنی کتاب کی تیسری ترنگ کے شلوک ۱۹۴ میں تحریر کیا ہے کہ زین العابدین نے اس جگہ شہر زین پوری تعمیر کرایا تھا جو کہ پرگنہ کرال میں واقعہ ہے اور بعد میں اس کا نام زین پور مشہور ہوگیا لیکن اس وقت یہ نام پرگنہ آدون میں اُس بلند سطح مرتفع کا ہے جو دریائے رمبیار کے جنوب میں واقعہ ہے۔ ایک ٹیکا کار کے بیان کے مطابق کرال کا موجودہ نام پرگنہ آدون ہے۔ آدون کا ذکر حیدر ملک نے بھی اپنی تصنیف

بھی نہنگ اجل کا شکار ہو گیا۔

راجہ وزیانند

راجہ گوپال دیو کی وفات پر اس کا چھوٹا بھائی وزیانند تخت نشین ہوا۔ ملک میں اپنا انتظام قائم کر کے اس نے ششو پال کا انتقام لینے کا ارادہ کیا۔ اور ایک لاکھ پیادہ اور پچاس ہزار سوار جرار لے کر راجہ ختن پر فوج کشی کر دی بہت سی لڑائیوں کے بعد راجا اس کے پاؤں پر آ گرا اور صلح کا خواہاں ہوا۔ اس کی لڑکی سمرن رانی وزیانند کے عقد ازدواج میں آئی اور حکومت ختن اسی کے سپرد رہی وزیانند مظفر و منصور بیشمار مال و دولت لے کر مراجعت پذیر ہوا۔

اس فتح کے بعد اس نے عدل و انصاف کے دروازے کھول دیئے اور باپ سے بڑھ کر ربط و ضبط ملک میں ممتاز ہوا۔ اس نے اپنے عہد میں مندر وزیا ایشری تعمیر کیا جو متانت و استواری میں بے نظیر نقش و نگار سے مزین تین سو گز

میں راجہ سورن کے حال میں کیا ہے۔

۳۵؎ سورن منی کلیہ کا دوسرا نام سورن منی نادو ہے۔ ستمبر ۱۸۹۵ء میں جب سٹائن صاحب علاقہ زین پور واقعہ پرگنہ آدون میں گئے تو اس وقت اس نہر کا نام سُن من کل مشہور ہو چکا تھا اور اس میں شک نہیں کہ یہ نام سورن منی کلیہ سے نکلا ہوا ہے۔ یہ ایک بڑی نہر ہے جو موضع لارگو کے پاس دریائے وشو کا سے نکل کر زین پور کے مشرقی علاقہ کو سیراب کرتی اور نیلو۔ پرگم اور گوجرو کے گاؤں سے گذرتی ہوئی بیس میل کا فاصلہ طے کر کے موضع آدون (جس کا نام نقشہ پر آرون ہے) کے قریب پھر دریائے وشو کا میں ہی جا گرتی ہے۔

اونچا تھا۔ اُس کے درمیان ایک مصنوعی گاؤ کشش مقناطیس کے زور سے معلق تھی۔ اس مندر کے نقش ونگار اور ملمع پر دس لاکھ اشرفی خرچ ہوئی۔ پچیس سال تک عدل و احسان سے حکومت کر کے جان بحق تسلیم ہوا۔

راجہ سُکھدیو

گوپال دیو کا لڑکا سکھدیو اپنے چچا کی جگہ حاکم کشمیر بنا۔ اس زمانہ میں ملک کشمیر کی وسعت ترکستان سے ملتان تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے اور بھی کئی راجے کشمیر کے باجگذار تھے۔ سکھدیو نے تخت نشین ہو کر ملک کی حالت ہی بدل دی۔ اور فرقہ پانڈواں کی حکومت جو ساڑھے تین سو برس سے پورے استقلال اور جاہ وجلال سے چل رہی تھی۔ بمصداق ہر کمالے را زوالے شمس النہار عروج سے برج زوال میں داخل ہونے لگی۔ خود تو راجہ ہمیشہ عیش وعشرت اور سیر وشکار میں مصروف رہتا۔ ناچ رنگ اور ساز وسرود کا بازار ہر وقت گرم رکھتا اور تمام اختیار ملکداری اپنے چچیرے بھائی راماتند پسر ونیا تھ

۳۶ھ پنڈت گوبند کول کے بیان کے مطابق جالور اور زولر ایک ہی قصبے کا نام ہے اور نقشہ پر اس کا نام زوہلر لکھا ہے جو کہ پرگنہ زین گر میں واقع ہے حیدر ملک نے اس کا نام زلورا یا لکھا ہے جو کہ پرگنہ دیھسو میں (جس کا موجودہ نام دیبی ہے) واقع ہے۔

۳۷ھ ایک ٹیکا کار نے اس اگرہار کا نام شان گا ساشناریوہ لکھا ہے اور اس کا بیان ہے کہ یہ نام دو لفظوں شان گا سا اور ستار سے مرکب ہے اول الذکر کا پورا نام بلاشبہ شوانگس ہے اور موجودہ نام شانگس ہے یہ ایک بڑا سا قصبہ دریائے اریت کے بائیں کنارہ پر پرگنہ کوٹ ہار میں واقع ہے۔ شنار کا موجودہ نام شار ہے

کے ہاتھ میں دے دی۔ اس کی غفلت نے سلطنت کا انتظام درہم برہم کر دیا۔ راما نند بھی بھائی کے حالات سے بیزار مہام شہریاری کے سرانجام دینے میں پوری توجہ نہ دیتا۔ چالیس برس تک تو سابقہ حکمرانوں کا ربط وضبط ملک کی حالت سنبھالے رہا۔ لیکن اس کے بعد اطراف واکناف کے باجگذار راجے اور حاکم مطابعت کا جُوا گردن سے اُتار کر خود مختار بن گئے۔ راجہ چترا تھ ولسلئے دہلی جادہ اعتدال سے منحرف ہوکر تمام پنجاب پر متصرف ہوگیا ترکستان ہاتھ سے جاتا رہا۔ وادئی کشمیر میں بھی ابتری پھیل گئی۔ خزانہ شاہی قوالوں اور نالائقوں کی نذر ہو کر خالی ہوگیا۔ مالی مشکلات نے جنگی طاقت کو بھی کمزور کر دیا۔ یہ حالت دیکھ کر راما نند سے نہ رہا گیا۔ یہ پہلے بھی تاک ہی میں تھا ایک دن شکار کے موقعہ پر کوہستان امرناتھ میں اس نے سُکھدیو کو گرفتار کرکے دریائے لمبودری میں غرق کر دیا۔ اور ۴۴ سال کی وزارت کے بعد خود مختار حکمرانی کا جھنڈا کھڑا کرکے خطۂ کشمیر پر قابض ہوگیا۔

یہ گاؤں پرگنہ وہی میں واقعہ ہے۔ حیدر ملک لکھتا ہے کہ راجہ شیمی نرنے کوٹ ہار میں شمال کاس اور وہیں ہیں شرار کے گاؤں آباد کروائے تھے مگر یہ فارسی زبان کی قلمی کتابوں میں املاکی غلطی ہے۔ شار کی بابت جہاں کبھی لوہے کا بڑا عمدہ کام بنتا تھا اور آجکل بھی ایک اچھا قصبہ ہے انس صاحب کی ہینڈ بک کے صفحہ ۱۷۲ اور وگنی صاحب کے سفرنامہ کے باب ۲ صفحہ ۳۵ پر بھی ذکر آیا ہے۔ ستمبر ۱۸۹۱ء میں سٹائن صاحب نے اس گاؤں کے وسط میں ایک زیارت گاہ دیکھی تھی جس کی عمارت میں پورانے زمانہ کی تراشی ہوئی پتھر کی بڑی بڑی سلیں لگی ہوئی تھیں۔ اور ایک چشمہ پر بھی جو اس گاؤں کے قریب ہی ہے پورانی سنگتراشی کے نمونہ کی سلیں تھیں۔ اور ان کا ذکر بوہلر صاحب نے اپنی رپورٹ کے صفحہ ۵ پر کیا ہے۔

راجہ رامانند

یہ راجہ بڑا مستعد اور مستقل مزاج تھا۔ عنان حکومت ہاتھ میں لے کر انتظام مملکت کے درپے ہوا۔ مفسدوں اور خیرہ سروں کی خاطر خواہ سرکوبی کر کے امن وامان قائم کر دیا۔ راجہ جموں جو حلقہ اطاعت سے قدم باہر رکھتا تھا مورد عتاب ہوا۔ اسپر فوج کشی کر کے جموں اور نگرکوٹ دونوں کو اپنے قبضہ میں لے آیا خزانہ شاہی چونکہ خالی تھا اس لئے اس نے خراج ملک دو چند کر دیا اور بجائے دسواں حصہ لینے کے پانچواں حصہ محاصل ملک مقرر کیا۔ باوجود اس کے رعایا قانع خوشحال اور آسودہ تھی۔ حرف شکایت کسی کی زبان پر نہ تھا بلکہ سہدیو کی بد انتظامی کے برخلاف ذاتی نقصان کو بھی ہیچ سمجھ کر سب رامانند کے مدح تھے۔ ستاون سال کی فرمانہی کے بعد اولاد کے لئے ملک اور حکومت کو فتنہ وفساد سے پاک کر کے اس نے بھی عدم کا رستہ لیا۔

وگنی صاحب نے اپنے سفرنامہ کی جلد اول کے صفحہ ۳۴۹ پر اور انس صاحب نے اپنی ہینڈبک کے صفحہ ۱۸۲ پر شانگس کی بابت جو کہ ایک وسیع اور بارونق قصبہ ہے پورا پورا حال تحریر کیا ہے مگر سٹائن صاحب لکھتے ہیں کہ ستمبر ۱۸۹۱ء میں جب وہ وہاں گئے تو انہیں زمانہ قدیم کا کوئی نشان نہیں ملا سوائے اُن پتھر کی بڑی بڑی سلوں کے جو ایک زیارت کی عمارت میں جو کہ ۱۸۵۰ء کے قریب تعمیر کی گئی تھی لگی ہوئی ہیں۔ شمان گا سا کا ذکر دوبارہ ترنگ ۸ شلوک ۲۵۱ میں بھی آیا ہے۔ نیز دیکھو نوٹ ۱۱۳ کتاب ہذا۔

۳۵ یہ پہاڑی جہلم ولر کے کنارے پر علاقہ کھویامہ اور علاقہ زینہ گر کے مابین حائل ہے۔ اور اب سنگری بابا شکور الدین رشی کے نام سے مشہور ہے پہلے عوام اسے تو سنگری کہتے تھے لیکن جب سے اسپر بابا شکور الدین کا مقبرہ تعمیر ہوا۔ اسی کے نام سے مشہور چلی آتی ہے۔

راجہ سندیمان

راما نند کی وفات پر اُس کا بیٹا سندیمان تخت نشین ہوا۔ باپ کی طرح یہ بھی اعلےٰ درجہ کا مدبر اور منتظم تھا اُس نے اپنے حسن انتظام سے سلطنت کو مستحکم اور مضبوط بنا دیا اور جا بجا عالیشان عمارتیں اور پُر فضا مقامات بنوا کر ملک کو نمونہ فردوس بریں بنا دیا۔ کوہستان شمالی کے دامن میں علاقہ کھوئی ہامہ کے اندر دریائے بہت کے دونوں کناروں پر ایک وسیع اور عالیشان شہر آباد کر کے اپنے نام پر سندمت نگر سے موسوم کیا۔ [۴۱] خوشنما اور بلند عمارتیں اس شہر فرخندہ بنیاد کو رشک ارم بناتی تھیں۔ اسی طرح اکیس دلکش مندر تعمیر کر کے اس نے مطلع کشمیر کو جگمگاتی ہوئی عمارتوں سے منور کر دیا۔ منجملہ انکے مہادیو مندر جو اپنی رفعت اور شان میں لاثانی اور مہادیو کی تین سو سنہری اور روپہلی مورتیوں سے آراستہ تھا اور جن میں سے دو مورتیاں صنعت و حرفت نقش و نگار اور مرصع کاری میں اعجوبہ روزگار تھیں تمام عمارتوں میں خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔

[۳۹] مورخوں کا قول ہے کہ ان کی چتا سے اسی لحظہ سبز شاخ نے پیدا ہو گئی جس سے پہانے عقائد کے رو سے صداقت اور پاکیزگی کا ثبوت بہم پہنچتا ہے۔

[۴۰] راجہ پرتاب شیل کی نسبت مورخوں نے لکھا ہے کہ کوئی ساحرہ اس کے بیمثال حسن و جمال پر فریفتہ ہو گئی تھی جب راجہ سیدھے ہاتھ اس کے قابو نہ چڑھا تو ایک دن وہ دربار میں آ گئی اور راجہ کو جادو سے پتھر کی مورتی بنا کر سر اجلاس بغل میں دبا کر لے گئی۔

[۴۱] اس معاملہ کی نسبت مورخوں نے لکھا ہے کہ ایک دن رانی چکرا دیوی رات کو گشت کر رہی تھی کہ ایک جھونپڑی کے پاس سے اس کا گذر ہوا۔ اس جھونپڑی میں ایک رکھیشر رہتا تھا آدھی رات کے وقت رکھیشر موصوف کی بیوی اپنے شوہر سے کہنے لگی

مندر زشتی ایشور جو اس وقت تک کوہ شنکر اچارج کی چوٹی پر یادگار سلف کا نمونہ پیش کرتا ہے اسی راجہ کی عالی ہمتی کا نمونہ ہے۔ مسلمان مورخ اسی مندر کو تخت سلیمان کے نام سے پکارتے ہیں۔

جب اندرونی معاملات کو اپنی منشار کے مطابق سرانجام دے چکا تو اُس کو اپنے چچا کے کھوئے ہوئے ملکوں کی بازیافت کا خیال دامنگیر ہوا۔ اور بیشمار لشکر آراستہ کر کے عازم ہند ہوا۔ تمام درمیانی ممالک کو پائمال اور مفتوح کر کے قنوج تک پہنچا۔ جہاں کچھ عرصہ تک قیام رکھا۔ اُس کے بعد ہندوستان کے معابد و ۱ درکی زیارت سے فیض یاب ہوکر اس نے کابل اور قندہار کی طرف رجوع کیا۔ راجہ قندہار اس کی آمد کی خبر سُنتے ہی پریشان خاطر ہوا۔ اور کمال دانشمندی سے بعیر فتنہ و فساد صلح کا خواستگار ہوا۔ باہمی اتحاد اور یک جہتی کے ثبوت میں اُس نے اپنی لڑکی پارتی دیوی جو حسن و جمال میں اپنی نظیر آپ ہی تھی سندیمان کے پیش کش کی راجہ اس نعمت غیر مترقبہ کے حصول پر بہت خوش ہوا۔ اور اس پری پیکر کی نازک اندامیوں اور نازو ادا پر ایسا

کہ یہاں کا راجہ بڑا کم عقل اور بیوقوف ہے اگر چکرا رانی نہ ہوتی تو ملک تباہ ہو گیا تھا۔ کیا ہی بہادر اور دانا رانی خدا نے پیدا کی ہے اکثر راتوں کو بے خوف و خطر گشت کرتی رہتی ہے۔ اگر یہ مرد ہوتی اور راجہ اس کی بیوی تو بہت مناسب تھا۔ رکھیشر نے جواب دیا کہ ایسا ہی ہوگا۔ چکرا رانی نے ان سب باتوں کو سنا رکھیشر کے جواب پر اس میں آثار مردی پیدا ہو گئے۔ سخت گھبرائی اور دوڑ کر رکھیشر کے قدموں پر گر پڑی اور عجز و انکسار کرنے لگی لیکن رکھیشر نے ایک بھی نہ مانی اور جواب دیا کہ یہ امر شدنی تھا اب کوئی چارہ نہیں جاؤ تمہارے خاوند میں علامات نسواں پیدا ہو گئے ہیں کوئی فکر نہ کرو۔ یہ سُنکر چکرا رانی واپس ہوئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ واقعی راجہ عورت بن گیا ہے تمام ماجرا اُس نے

شیدا ہوا کہ تمام ملکی معاملات کو ترک کر کے شب و روز اسی حورِ وش کی صحبت جانفزا میں مستغرق ہو گیا۔ ملک گیری اور رعایا پروری کے خیالات ایک دم رفوچکر ہو گئے۔ اور اس عندلیب حسن کے گلشن جمال کی خوشہ چینی کے مزے لوٹنے کی ہوس نے آوارہ وطنی اور غربت سے مُنہ موڑ کر شاہی محلات کے اونچے جھرنوں کی خوشگوار اور روح افزا ہوا کے جھونکوں کی لہر اس کے مشتاق دل میں پیدا کر دی۔ اور وہیں سے مراجعت اختیار کر کے روانہ کشمیر ہو گیا۔ اثنائے راہ میں دریائے اٹک عبور کرتے ہوئے کشتی اُلٹ گئی۔ اور راجہ کی بدقسمتی سے وہ حسن کی دیوی غرق دریا ہو کر طعمہ نہنگ اجل ہو گئی۔ اس سانحہ جانکاہ نے سندیمان کا جگر چاک کر دیا۔ ہر وقت مغموم خاطر اور افسردہ دل رہتا قریب تھا کہ جامہ عقل و حواس کو چاک کر کے مجنوں وار آوارہ وشت جنوں ہو جاتا۔ لیکن راجہ قندہار نے اس حالت سے آگاہ ہو کر اپنی دوسری لڑکی جو پہلی سے بھی حسن و جمال میں بڑھ کر تھی سندیمان کے پاس بھجوا دی۔ اس نعم البدل نے راجہ کے تمام غم غلط کر دیئے اور خدا خدا کر کے اصلی حالت کو پہنچا۔ ان واقعات کے

راجہ سے کہہ سُنایا۔ اس واقعہ سے بھیکھن ایسا نادم ہوا کہ ایک مہینہ تک خانہ نشین رہکر اس نے زہر کھا لی رانی بھی محلات کو چھوڑ کر رکھیشر کی خدمت میں چلی گئی اور تمام عمر اُسی کی خدمت میں رہی۔

۲۴؎ منشی محمد الدین صاحب فوق اپنی تاریخ کشمیر میں لکھتے ہیں کہ کشمیر کی تاریخ میں یہ راجہ بڑا زبردست اور صاحب اقبال راجہ گذرا ہے۔ اس کے عہد میں دولت کشمیر کا ستارہ اقبال اسقدر عروج تک پہنچ گیا تھا کہ تقریباً تمام ہندوستان میں اسی کی حکومت کا ڈنکا بجتا تھا اور ہندوستان کے علاوہ اس کی حکومت کا سراغ دور دراز تک ملتا ہے شاہ چین بھی اس کا باج گذار تھا چنانچہ اکثر چینی شہزادے اس کے دربار میں حاضر

بعد اس نے کاروبار سلطنت میں پوری توجہ کی لیکن تھوڑے عرصہ تک داد حکمرانی دے کر پھر بالکل لاپرواہ ہو گیا آخر ۶۵ برس کی زمانہ ہی کے بعد مجلس رقص و سرود سے منغض ہو کر عشرت گاہ عقبےٰ کو چلدیا۔

راجہ مرہن دیو

باپ کی وفات پر مرہن دیو تخت خلافت پر متمکن ہوا۔ جس نے اپنے چھوٹے بھائی کامن دیو کو نائب السلطنت کا رتبہ عطا کر کے مالک و مختار بنا دیا۔ مرہن خود تو ہمیشہ عدل و انصاف اور رعایا پروری میں رہتا لیکن کامن دیو جس کی طبیعت میں نخوت۔ خود پسندی اور جاہ طلبی کا مادہ قدرت نے کوٹ کوٹ کر بھر رکھا تھا اپنی جبلی عادتوں سے باز نہ آیا اور رعایا کو سخت ایذا پہنچانے لگا۔ کچھ عرصہ بعد مرہن دیو کی لاپرواہی نے اُس کے دماغ میں ہوائے خودسری بھر دی جادۂ اطاعت سے منحرف ہو کر بڑے بھائی سے آمادہ پیکار رہوا۔ طبل جنگ بجا کر اس نے میدان کارزار گرم کر دیا۔ کشت و خون کی ندیاں بہانے لگا۔ اس پر بھی مرہن دیو محبت

رہتے تھے۔ علاوہ ازیں برہما۔ کابل۔ قندھار اور ترکستان میں بھی اس کی سلطنت کے آثار پائے جاتے ہیں۔ ۶۳۱ء میں جب ہیون تسانگ نامی چینی سیاح وارد ہند ہوا تو اُس کا بیان ہے کہ سمرقند میں اگنی پوجا ہوتی تھی اور ہوم یگ کا بھی دستور تھا۔ اس نے اشوک (غالباً والئے کشمیر) کے تصنیف کئے ہوئے پچاس سے زیادہ پستک بھی بلخ میں دیکھے تھے۔ چونکہ وادئ کشمیر ایسے موقعہ پر واقعہ ہے جہاں سکونت پذیر ہو کر راجہ اشوک ممالک دور دراز کے انتظام میں پوری پوری توجہ نہ دے سکتا تھا اس لئے موسم سرما میں عموماً ہندوستان کی رہائش رکھتا تھا چنانچہ اس نے وہاں پورانے شہر بشب پور کے مقام پر پاٹلی پتر نام ایک عالیشان شہر آباد کیا جو آجکل پٹنہ کے نام سے

واخوت کے لحاظ سے بھائی کو احسان مندی اور مروت سے رام کرنے کے درپے ہوا۔ مدبران ملک اور خیر سگالان حکومت کی صواب دید سے صلح ہوگئی کامن دیو حصہ غربی کشمیر میں خود مختار حکومت کرنے لگا اور اُس کا علاقہ اسی کے نام سے کامن راج (اب کامراج) مشہور ہوا۔ مرہن دیو نے حصہ شرقی پر قناعت کی اور اس کا علاقہ مرہن راج (اب مراج) کہلانے لگا۔ شہر بابل کو بدستور پایۂ تخت حکومت قرار دے کر عدل وانصاف سے حکومت کرنی شروع کی۔ اس کی رعایا خوشحال اور آسودہ ہوگئی لیکن کامن دیو نے سندمت نگر میں بیٹھ کر جور و ستم اور ظلم وتعدی سے تمام کامراج کو تہ وبالا کر دیا رعایا کا خون پینے لگا۔ چھوٹا بڑا امیر غریب جو تھا سب اس کے ہاتھ سے نالاں۔ سینکڑوں ستم رسیدہ جلائے وطنی اختیار کر کے مرہن دیو کے زیر سایہ آکر پناہ گزیں ہوئے۔ ملک میں تلاطم مچ گیا۔

اسی زمانہ میں ستارہ دُم دار نمودار ہوا۔ جس کا ظہور و طلوع عام خیال کے مطابق منحوس اور کسی آنے والی خوفناک مصیبت کا پیش خیمہ خیال کیا جاتا ہے جو بعض اوقات راست آتا ہے۔ اس موقعہ پر بھی ایسا ہی ہوا۔ اسی سال

مشہور ہے اور جو اس کا دار الصدر ہندوستان تھا اسی طرح موسم بہار میں قندہار اور موسم گرما میں کابل اور کشمیر کی بود و باش رکھتا تھا چونکہ اس راجہ کو معاملات ہند کے ساتھ گہرا تعلق رہا ہے اور سال تمام کا ایک بڑا حصہ ہندوستان ہی میں بسر کرتا تھا اس لئے غلط فہمی سے اس کے حالات راجہ اشوک والئے مگدہ دیس کے حالات کے ساتھ مخلوط ہو گئے ہیں جس سے اختلاف واقعات کی ایک مستحکم بنیاد قائم ہوگئی ہے لیکن اس مسئلہ پر غور وخوض کی نگاہ ڈالنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ والئے کشمیر اور والئے مگدہ جداجدا دو اشوک ہوئے ہیں۔

ایک ... قسم کے جن واقعات نے اس غلط فہمی کو پیدا کر دیا ہے وہ یہ ہیں اول تو

اس شدت سے بارش شروع ہوئی کہ طغیانی آب نے تمام ملک میں ایک طوفان مچا دیا ہزاروں جانیں تلف ہوگئیں۔ کئی مکان۔ گاؤں اور شہر خاک مذلت میں مل گئے۔ اسی اثنا میں بمقام چکدر ایک اژدہا پانی کے ساتھ ہی آسمان سے گرا۔ جس نے قہر الٰہی کا اعلان کر دیا۔ یہ سانپ دو روز تک متحرک رہا اور ایک سال تک اس کی لاش موجود رہی۔ غرض راجہ مرہن دیو نے ۵۵ سال عدل و انصاف سے حکومت کی۔ اس نے اپنے عہد حکومت میں موضع مرہامہ آباد کیا جسکی عمارتوں میں ایک رفیع الشان مندر خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔

راجہ چندر دیو

مرہن دیو کی وفات پر اُس کا لڑکا چندر دیو مسند حکومت پر جلوہ افروز ہوا۔ انہیں دنوں میں کامن دیو کے ظلم و ستم کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور وہ ایک مرض ضعف میں گرفتار ہوا۔ چندر دیو نے موقعہ غنیمت جان کر اسپر فوج کشی کردی کیا رعایا کیا سپاہ سب کے سب اس ظالم کے دست تعدی سے جان بلب

ہندوستان کی کوئی باقاعدہ تاریخ نہیں جو اس تفاوت کو دور کر سکے۔ دوئم دلائے کشمیر اور دالئے مگدہ کی زندگیاں تقریباً ایک ہی قسم کے واقعات لئے ہوئے ہیں۔ دونوں کا دار السلطنت پٹنہ تھا۔ دونوں بدھ مذہب کے پیرو تھے۔ دونوں اولو العزم راجے گزرے ہیں۔ اور دونوں کے مقبوضات دور دور تک پھیل گئے تھے۔ دونوں نے اپنے اپنے مذہب کے واعظ ممالک غیر میں بھجوائے اور دونوں کا انجام بھی تقریباً ایک ہی ہوا یعنی دونوں تخت چھوڑ کر فقیر ہو گئے۔ جس سے ان کے حالات میں فرق پیدا کرنا سخت مشکل ہوگیا تاہم ان کی سوانح عمریوں میں بعض واقعات ایسے بھی ہیں، جو ایک دوسرے کے متضاد ہیں اور جن سے انکے دو اشوک ہونے کا ثبوت ملتا ہے (الف) پنڈت

ہو رہے تھے چندر دیو کا پہنچا تھا کہ کامن دیو گرفتار ہو کر قتل ہو گیا۔ جب اس کا لڑکا رکھ دیو بھی راجہ چندر دیو نے قید کر دیا تو تمام وادئی کشمیر ایک ہی حاکم کے ماتحت ہو گئی۔ جب دشمن کا خدشہ دور ہو گیا تو چندر دیو کے دماغ میں دور دور کی سوجھی۔ حکمرانی سے مستغنی عیش و عشرت میں مصروف ہوا۔ دربار مجلس رقص و سرود اور شراب ناب کا دور چلنے لگا۔ بجائے فوج اس نے حرم سرا کی بھرتی شروع کر دی۔ سال کے دنوں کے حساب سے ہر وقت رانیوں کی تعداد تین سو ساٹھ سے کم نہ ہونے پاتی۔ باری باری تمام رانیوں کی صحبت میں سارا سال گذار دیتا حکومت ملک سے بالکل بے خبر ہو گیا یہاں تک کہ تمام ملک میں ابتری پھیل گئی۔ امراؤ وزرا نے لوٹ گھسوٹ کا بازار گرم کر دیا۔ اسی حالت میں باون برس کی حکومت کے بعد یہ راجہ حرم سرا کے محبوسوں کو آزاد کر کے خود گرفتار پنجۂ اجل ہو گیا۔ باوجود اس قدر رانیوں کے یہ راجہ لاولد ہی رہا اس کی وفات کے بعد اس کا بھائی آنند دیو تخت نشین ہوا۔

رتناگر لکھتا ہے اور پنڈت کلہن اس کی تصدیق کرتا ہے کہ راجہ سوریہ کی وفات پر اسکے دو بیٹے پیچھے رہے بڑا لڑکا جنک گدی نشین ہوا اور چھوٹا شکنی امورات ملکی سے بالکل کنارہ کش ہو کر کشمیر ہی میں آزادانہ زندگی بسر کرنے لگا۔ تقریباً ساڑھے تین سو برس بعد جب راجہ بھگونت کے لاولد فوت ہونے سے وارث تخت کوئی نہ رہا تو ارکین دولت نے راجہ شکنی کی اولاد سے اشوک نامی ایک شخص کو تخت پر بٹھا دیا۔ حالانکہ سر اوپر لیتھ برج مصنف تاریخ ہند اور بابو شاماں چرن پرشاد مولف تذکرہ اشوک اعظم اس امر کے مدعی ہیں کہ اشوک اعظم کے خاندان کی بنیاد چندر گپت والئے مگدھ دیس سے شروع ہوتی ہے یہ چندر گپت کسی شاہی خاندان سے نہ تھا بلکہ اس کی ماں موراقوم شودر کی ایک عورت تھی اور اس کا باپ بھی کسی ادنے قوم ہی کا آدمی تھا جو چانکیہ برہمن کی

راجہ آنند دیو

اب راجہ مرہن دیو کا دوسرا بیٹا آنند دیو حکومت ملک پر مامور ہوا۔ ملک کی حالت دیکھ کر اس نے جبر و تعدی کا شیوہ اختیار کیا سفاکی اور بیباکی میں ایسا ممتاز ہوا کہ تمام ملک میں تھلکہ مچ گیا۔ ہزاروں بیگناہوں کو دار پر کھینچ کر رعایا کو تباہ و ویران کر دیا۔ اگرچہ چند دیو کی ابتری اور بد انتظامی کو رفع کرنے کے لئے ضروری تھا کہ وہ ایسی روش اختیار کرتا لیکن اس نے ضرورت سے زیادہ سختی برت کر اپنے آپ کو ظالم اظلم بنا دیا۔ اٹھائیس سال تک جور و ستم کا بازار گرم رکھ کر داعی اجل ہوا۔

راجہ درپتا دیو

اس کے بعد آنند دیو کا بیٹا درپتا دیو گدی نشین ہوا۔ اس نے باپ کے تمام مظالم کا تدارک بطریق احسن کیا۔ فسق و فجور کو دور کر کے رعایا کو عدل و

حکمت عملی سے راجہ بن گیا۔ اور خاندان موریہ کا جو اس کی ماں کے نام سے مشہور ہوا بانی ہوا اس کا بیٹا نیدو سار بھی نامور راجہ ہوا اور یہ اشوک اس کا بیٹا ہے۔ اس سے حسب نسب کے لحاظ سے ان دونوں میں کوئی یگانگت یا وحدت نہیں پائی جاتی (ب) جہاں تک کشمیر کی نسبت پنڈت کلہن لکھتا ہے کہ کلجوگ کے ۱۲۶۶ سال گذر چکے تھے کہ وہ تخت کشمیر پر متمکن ہوا زمانہ کوردو پانڈو سے لیکر راجہ اشوک کے زمانہ تک سلسلہ وار لکھتے ہوئے وہ اس کی تاجپوشی کی تاریخ قائم کرتا ہے لیکن مغربی مورخ رنی عقلیہ تحقیقات کے رو سے رقمطراز ہیں۔ کہ اشوک اعظم مسیح سے قریب ۲۶۳ سال پہلے ہوا مسمٰی ۳۰ ۲۸ کلمگی میں مگدھ کے تخت پر بیٹھا اشوکن ۔۔نمی۔ انٹی گونس اور ماگس وغیرہ والیان ملک اس کے ہمعصر تھے جو اس کے کتبوں کے

انصاف سے سرفراز کرنے لگا۔ رعیت پروری اور دادگستری کو اپنا شیوہ بنا کر ملک اور سلطنت کی بہبودی اور ترقی میں مصروف ہوا۔ اس کی شجاعت اور مردانگی بھی شہرہ آفاق تھی۔ شاہ زور ایسا تھا کہ ایک دن اُس نے ایک بھاری پتھر جو ایک سو من سے زیادہ وزنی تھا سرراہ پڑا دیکھا بائیں ہاتھ سے اُٹھا کر اُس نے ایک طرف پھینک دیا۔ اس کی تعمیرات میں موضع شاوا کا جوالا مکھی مندر قابل یادگار ہے۔ آخر عمر میں اُس کے بھائی ہرنام دیو نے بغاوت کا جھنڈا کھڑا کر دیا۔ اِدھر اُدھر سے جمعیت بہم پہنچا کر اُس نے راجہ سے معرکہ کارزار چھیڑ دیا۔ اتفاقاً ایک تیر راجہ کی آنکھ میں ایسا آکر بیٹھا کہ دم لے کر نکلا۔ اس کے ساتھ ہی درپتا دیو کا تمام کھیل بگڑ گیا۔ ہرنام دیو فتح و نصرت کا ڈنکا بجاتا داخل شہر ہو گیا۔ ارکین دولت نے بھی مطابعت اختیار کر لی۔ راجہ درتیا دیو نے اکاون سال عدل و رافت سے حکومت کی۔

راجہ ہرنام دیو

ہرنام دیو کی تخت نشینی کے ساتھ ہی حکومت پانڈوں کی کایا پلٹ گئی۔

بخوبی ظاہر ہے یہ ایک بڑی بھاری تفاوت ہے (ج) روایت ہے کہ واسئے گدہ بھی پہلے پہل شیوہ مت کا پیرو تھا اور ساٹھ ہزار برہمنوں کو روزانہ بھوجن دیتا تھا۔ ایک دن بارہ دری سے مہانوں کا تماشا دیکھ رہا تھا برہمن بڑی بدتمیزی سے کھانے پر لوٹ کھسوٹ مچا رہے تھے اسی اثناء میں اس کی نظر ایک بُدھ پر پڑی جو بھکشا لیکر آنکھیں نیچے کئے چلا جاتا تھا اشوک نے اُسے اوپر بُلایا وہ آتے ہی راجہ کے برابر تخت پر بیٹھ گیا اس کا موثر اپدیش سُنا تو اس کا معتقد ہو گیا۔ یہی واقعہ واسئے کشمیر سے بھی منسوب کیا جاتا ہے واضح ہو کہ ساکی منی کی زندگی ہی میں تقریباً تمام بہار یعنی مگدہ میں بُدھ مت پھیل گیا تھا بلکہ وہاں

اگرچہ راجہ سُکھدیو کے زمانہ سے تنزل کے آثار نمودار ہونے لگے تھے۔ لیکن رندیان وغیرہ بعض اولو العزم راجوں نے بد انتظامیوں کو رفع کر کے عنان حکومت پھر سنبھال لی تھی۔ مگر ہرنام دیو نے جور و بدعت کا بیج ایسا بویا کہ انکے خاندان کی بیخکنی کر کے رہا۔ دختر رز کے تعشق نے اسے دنیا ومافیہا سے بالکل غافل بنا دیا۔ ہر وقت نشہ شراب میں مخمور دن رات ساز و سرود اور چنگ و رباب کی انجمن آراستہ رکھتا۔ شراب کھچوانے کے لئے اُس نے جا بجا انگور کے باغ لگوائے۔ اس کی ان کارروائیوں نے عوام کو بھی اس کا ہم مشرب بنا دیا۔ گلی گلی کوچہ کوچہ مے کدے اور میخانہ بن گئے۔ گھر گھر میں شراب وکباب کا دور چلنے لگا۔ جن لوگوں کو ناداری کے باعث یہ خانہ خراب نہ مل سکتی اُن کے لئے راجہ صاحب کی فیاضی اور عالی ہمتی نے ہمایوں سرا کے صحن میں ایک وسیع حوض بنا دیا جو ہر وقت شراب سے لبریز رہتا تھا غربا و مساکین کی دعوت کا سامان بہم پہنچاتا۔ اسی زمانہ میں شراب خانہ خراب قانوناً حلال سمجھی جاتی تھی اس کی چاٹ نے دوسری بدکاریوں کو بھی مدعو کیا۔ زنا کاری۔ رنڈی بازی۔

کا ایک راجہ بھی اس دین کا معتقد ہو گیا تھا جس سے بُدھ مت راج گدی کا دھرم قرار پا چکا تھا۔ علاوہ ازیں اہل یونان نے جو گریں ہیں حالات والیان مگدہ کے لکھے ہیں ان سے بھی پایا جاتا ہے کہ اشوک مگدہ کے بزرگ بُدھ مت کے پیرو تھے مزید برآں تعجب ہے کہ اس خیال کا جو ہر ایک فرقہ اور مذہب کی صداقت کا قائل ہو اور جس کا مقولہ ہو کہ سب کا نتیجہ ایک ہی ہے اتنی سی بات پر ایسا تغیر عظیم پیدا کرے (۵) والئے کشمیر کی نسبت تمام مورخ بالاتفاق لکھتے ہیں کہ اُس نے شیوہ مت کی مناد ر مسمار کر کے جین مت کے مناد ر تعمیر کرائے اور لوگوں کو جبر و تعدی سے اپنے مت کا پیرو بنایا چنانچہ اسی مذہبی تعصب کے باعث اخیر دور حکومت میں عالمگیر مخالفت پیدا ہو گئی اور وہ گدی اپنے جانشین کے حوالہ

قمار بازی معمولی دل لگی کے سامان سمجھے جانے لگے۔ رعایا کی بہو بیٹیاں راجہ کے ہاتھوں خراب ہونے لگیں۔ راہ چلتی مستورات کو زبردستی پکڑ لینا ایک معمولی بات تھی۔ بقول اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِہِم عوام نے بھی دست تعدی دراز کیا۔ سر راہ زنا کاری ہوتی اور کوئی پرخاش نہ کرتا۔ یہ حالت دیکھ کر راجہ کے سپہ سالار درگا کے بدن میں خون حمیت نے جوش مارا۔ غیرت کی آگ اس کے سینہ میں بھڑکنے لگی۔ کچھ فوج جمع کر کے راجہ پر چڑھ آیا۔ ایسے مدہوش راجہ کا مغلوب کرنا کچھ مشکل نہ تھا۔ آناً فاناً شاہی فوج پس پا کر کے دارالخلافہ میں داخل ہو گیا۔ محلات شاہی میں آگ لگا دی جس سے شہر بابل کا بھی ایک حصہ جل گیا لوگوں نے درگا کی زیادتیوں کو دیکھ کر شراب کے پیالے رکھ دیئے ان کو خیال ہوا کہ سپہ سالار عمداً لوگوں کے مکانات جلا رہا ہے نشہ کی ترنگ میں جونہی مخالفت کی آواز ایک زبان سے نکلی سب کے سب اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور درگا کی فوج پر ایک بارجان توڑ حملہ کر دیا۔ تیر و ترکش کی بوچھاڑ سے درگا کے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ اس کی فوج تباہ و خستہ حال ہو کر

گر کے فقیر ہو گیا۔ لیکن والئے مگدہ کے حالات سے پایا جاتا ہے کہ وہ بدھ مت کا پیرو تو ضرور بن گیا لیکن متعصب بالکل نہ تھا اور ہر ایک مذہب کی قدر کرتا تھا۔ چنانچہ اس کے متعلق جو کتبہ تذکرہ اشوک اعظم میں درج ہے بجنسہٖ نقل کیا جاتا ہے۔ کتبۂ دوازدہم میں ہر ایک فرقہ کی یکساں قدر کرتا ہوں اور ان کی ترقی دل سے چاہتا ہوں میں جو سب مذہبوں کی قدر کرتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر ایک جو اپنے مذہب پر کامل اعتقاد رکھیگا دوسرے مذہب کی توہین نہ کریگا جو شخص یہ کہتا ہے کہ میرا ہی مذہب سب سے اچھا ہے اور دوسرے کا خراب ہے وہ در اصل اپنے لئے خرابی کرتا ہے۔ میری دلی خواہش یہ ہے کہ ہر ایک اہل مذہب گیان دھرم میں ترقی کریں کیونکہ سب کا نتیجہ ایک ہی ہے اس لئے مہاما تر بھی تو

تر بتر ہو گئی۔ اور راجہ ہرنام دیو بدستور حکومت پر قائم ہو گیا۔ رعایا کی جانفشانی کی داد دیتے ہوئے اس نے دو سال کا خراج بالکل معاف کر دیا۔ اور خود بدستور سابق بے خوف و خطر عیش و عشرت میں مصروف ہو گیا۔ آخر الامر دد گا کا لڑکا رنگو جو دن رات باپ کا انتقام لینے کی تاک میں لگا رہتا تھا۔ چند او باشوں اور چنڈالوں کی چوکڑی لے کر شکار کے موقعہ پر آپڑا اور راجہ کو معہ چند ہمراہیوں کے شکار اجل بنا کر سعادت مند بیٹا بن گیا۔ ؎

گندم از گندم بروید جو ز جو
از مکافاتِ عمل غافل مشو

جو حال ہرنام دیو نے اپنے بھائی درپتا دیوہ کا کیا وہی حال رنگو کے ہاتھ سے ہرنام دیو کا ہوا۔ اس کی حکومت کی میعاد ۳۹ سال تک تھی۔

راجہ سلکن دیو

ہرنام دیو کی وفات پر اس کا بیٹا سلکن دیو عروس مملکت سے ہم کنار ہوا۔

کئے ہیں کہ سب کی نگرانی کریں اس سے ہر ایک مذہب والے کو فائدہ پہنچیگا (ہ) والئے کشمیر نے شہر پٹنہ کی بنیاد ڈالی تھی اور اسے موسم سرما میں ہندوستان رہنے کا قیام گاہ بنا رکھا تھا لیکن والئے مگدھ نے اس شہر کو آباد نہیں کیا البتہ اس نے بھی اپنا دار السلطنت یہیں رکھا (و) والئے مگدھ نے بہت سے فرمان جاری کئے او اپنی قلمرو کے مختلف مقامات پر پتھر کے ستونوں اور پہاڑوں کے بڑے بڑے پتھروں پر احکام کندہ کرائے جو موجودہ زمانہ میں پرنسپ صاحب کی کوشش اور جستجو سے دستیاب ہو گئے ہیں جیسے پشاور کے پاس شہباز گڑھ شلا و تنجور گرنا واقع ملک گجرات۔ دھونی واقع ملک اوڑیسہ۔ میراٹ واقع جے پور۔ جونا گڑھ اور پریاگ میں کتبے اور دہلی۔ الہ آباد۔ کوریا علاقہ ترہت اور رانچی علاقہ

باپ کی طرح دن رات عیش وعشرت اور لہو ولعب میں مصروف ہر وقت شراب سے مخمور رہتا تھا۔ تاہم ہفتہ میں ایک دن اُس نے امورات ملکی کے انصرام کے لئے مقرر کر رکھا تھا چھ دن تو عیش و طرب اور ناچ و رنگ میں ہی مصروف رہتا البتہ شنبہ کے روز دربار لگا کر عدل و انصاف سے نصفت شعاری اور معدلت گستری سے رعایا برایا کو سرافراز کرتا۔ الغرض اٹھائیس سال تک داد حکومت دیکر راہ گرائے عالم حشر و حساب ہوا۔

راجہ سنیادت

باپ کے مرنے پر راجہ سنیادت تخت خلافت پر رونق افروز ہوا۔ ناؤنوش اور عیش و طرب میں یہ بھی متقدمین کے نقش قدم پر چلا۔ یہ راجہ تمام کاروبار سلطنت وزیر کے سپرد کر کے خود بالکل سبکدوش ہو گیا۔ راجہ کیا تھا نقش دیوار۔ اراکین دولت جو چاہتے کرتے۔ اس کی جانب سے کوئی روک ٹوک نہ تھی ہر وقت عیش و آرام میں مصروف رہتا۔ خدا نے اسے عقل سلیم بھی دہ

بھوپال وغیرہ میں لاٹ (پتھر کے ستون) ملتے ہیں۔ اسی طرح بوہلر صاحب کے بیان سے دکھن میں بھی راجہ اشوک کا ایک پروانہ لوح مس پر کندہ برآمد ہوا ایسی ایسی باتوں سے پایا جاتا ہے کہ والئے مگدھ کی سلطنت کا دائرہ بہت وسیع تھا لیکن یہ تمام آثار صرف ہندوستان ہی میں ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی سلطنت ملک ہند ہی کے اندر محدود رہی ورنہ دوسرے ممالک میں بھی اس کے کتبے ضرور ملتے اور اگرچہ ہندوستان کے علاوہ اس نے اپنے مذہب کے واعظ کاشمیر (کشمیر) گانعصار (قندھار) جون لوک (یونانی فرم) ممالک میں بھی بھجوائے تھے۔ لیکن اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہاں بھی اسی کی حکومت تھی لیکن جب اشوک نے علاوہ ہندوستان۔ کابل۔ قندھار۔ تبت۔ ترکستان اور چین کے

عطا کی تھی کہ نیک و بد کی بھی تمیز نہ کر سکتا تھا۔ حماقت اور رعونت میں ممتاز۔ کام کاج سے بالکل متنفر ہر وقت بدنی آرائش اور زیبائش میں لگا رہتا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سنیادت آئینہ چینی سامنے رکھے اپنے چہرے کو سنوار رہا تھا ایک خرم آئی اور راجہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہوگئی۔ جونہی اس نے رانی کی شکل بھی آئینہ میں دیکھی تو سخت جھنجھلایا اور رانی مذکور کو بآواز بلند پکار کر کہنے لگا کہ حرام زادی تو نے شخص آئینہ کے ساتھ الفت پیدا کی ہے اور میرے سامنے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھے کھڑی ہے تجھے ذرا بھی شرم نہیں آتی یہ کہہ کر اس کا ناک کٹوا دیا۔ ایک مرتبہ اس نے کتھا میں سورگ کی گوپیوں کے بیمثال حسن و جمال کا تذکرہ سنا ہزار جان سے اس پر عاشق ہوگیا وزیر کو بلا کر حکم دیا کہ فوراً ایک گوپی اس کے لئے بھی حاضر کرو زیر سخت حیران ہوا آخر اس نے مجبور ہو کر کسی خوبصورت لڑکی کو لباس فاخرہ سے آراستہ کر کے راجہ کی ہم بستری پر آمادہ کیا۔ اور اس حور طلعت کو سنیادت کے پاس لا کر اس نے عرض کی کہ حضور یہ ماہ لقا داروغہ سورگ کی اکلوتی بیٹی ہے

بادشاہوں کو بھی اپنا باجگذار بنایا اور ان ممالک میں اپنا سکہ بھی جاری کیا وہ والئے کشمیر ہی تھا جس کی سوانحعمری یہ تمام واقعات ظاہر کر رہی ہے۔

اب یہاں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر والئے کشمیر کوئی دوسرا اشوک ہے جو مسیح سے ۱۲۶۰ برس پہلے گذر چکا ہے تو وہ بدھ مت کا پیرو کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ مغربی مورخوں کے اقوال کے مطابق ساکی منی کی ولادت مسیح سے قریب ۵۵۰ برس پہلے ہوئی جس کی رو سے ہمارا اشوک بدھ سے ۷۲۴ برس پہلے ہوا۔ یہ ایک جانفزا اعتراض ہے۔ جس سے ہم کو ماننا پڑتا ہے کہ والئے کشمیر یا تو بدھ سے پہلے نہیں ہوا یا بدھ مت کا معتقد نہ تھا یا بدھ مت کا زمانہ قائم کرنے میں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ لہٰذا واقعہ تبت خورد جہاں

وہ اس کا عوض ایک کروڑ دینار مانگتا ہے راجہ بہت خوش ہوا۔ وزیر کو حکم دیا کہ فوراً زر مطلوبہ داروغہ مذکور کے پاس بھجوا دے۔ خود اس حور طلعت کی محبت میں ایسا مستغرق ہوا کہ رہے سہے حواس بھی باختہ کر بیٹھا۔ آخر کار ستّرہ سال کی حکومت کے بعد اس کے بھائی منگلادت نے شبستان شاہی میں گھسکر سنیادت کا کام تمام کر دیا اور حکومت ملک خود سنبھال بیٹھا۔

راجہ منگلاوت

یہ راجہ بھائی سے بھی بڑھ کر عیاش نکلا۔ ہر وقت ساز و سرود اور چنگ و رباب کی مجلس گرم۔ شراب خانہ خراب کو اس نے وہ عروج دیا جو ہرنام ویو کے زمانہ میں بھی اسے نصیب نہ تھا گلی کوچوں کی بجائے گھر گھر میں کلال خانے قائم ہو گئے اس راجہ نے آبکاریوں کے لئے انگور کا بے شمار ذخیرہ بہم پہنچایا۔ شراب پر ٹیکس لگا کر اس نے محاصل ملک میں لاکھوں روپے کی آمدنی کا اضافہ کر دیا۔ قمار بازی کو بھی اس کے عہد میں بے مثال ترقی ہو گئی۔ اعلےٰ و ادنےٰ

کے باشندے فیصدی ۹۰ سے زیادہ بدھ مت کے پیرو ہیں وہاں ایک مندر ہمیس گانگپا کے نام سے مشہور ہے یہ مندر بڑا متبرک خیال کیا جاتا ہے یہاں سالانہ میلا ہوتا ہے جس میں نواح چین۔ تبت۔ لاسہ وغیرہ سے بے تعداد لامہ کے چیلے جمع ہوتے ہیں اکثر کتھا بھی ہوتی رہتی ہے ۱۹۰۵ء میں وہاں کے ایک پجاری نے ایک پوتھی پڑھکر سنائی جس میں بدھ کے حالات لکھے تھے معلوم ہوا کہ وہ مسیح سے قریب سولہ سو برس پہلے پیدا ہوا تھا بلکہ سنہ ۱۴۰۰ ق م سے یہ مت چین میں مروج ہے میں نے اس معاملہ میں وہاں کے پجاریوں سے بہت بحث مباحثہ کیا اور نئی روشنی والوں کے خیال کی تقلید میں انہیں جھٹلانا چاہا لیکن انہوں نے اور کئی مذہبی کتابیں پیش کیں اس کے بعد جب پنڈت رتناکر اور کلھن پنڈت کی راج ترنگیوں نے بھی

اسی کے شغل میں دن رات بسر کرتے۔ اس کے زمانہ میں ایک مرتبہ ہوا میں ایسا زہریلا دُھند پھیل گیا کہ اس کے اثر سے ہزاروں جانیں تلف ہوگئیں۔ ملک میں واویلا مچ گیا۔ آخر ۳۹ سال کی حکومت کے بعد ملک برباد کر کے دنیائے فانی سے کوچ کر گیا۔

راجہ کھیمہ اندر

اب منگلادت کا لڑکا کھیمہ اندر مسند نشین حکومت ہوا۔ تاج شاہی سر پر رکھ کر پہلے تو انتظام ملک میں خوب کوشش کی۔ لیکن جونہی اسے ربط وضبط مملکت سے فراغت مل گئی یک لخت اس نے اپنے باپ کا وطیرہ اختیار کر لیا سیر وشکار کا بھی اسے بہت شوق تھا۔ عیش پسندی اور زناکاری میں لاثانی رعایا یا اراکین دولت میں سے جس کے ہاں کسی مہ جبیں کی سُن گن پاتا[۲۲] کسی نہ کسی حیلہ سے ضرور اپنے آپ کو وہاں پہنچاتا۔ غربا و مساکین کے گھروں میں بلا کھٹکے گھس جاتا بیگانی بہو بیٹیوں سے جبراً سوادالوجہ فی الدارین کا مرتکب

اُن کی تصدیق کی تو ضروری طور پر ماننا پڑا کہ بمقابلہ مغربی تحقیقات کے ان کا قول صحیح ہے۔ کیونکہ مشرقی معاملات کی نسبت باقاعدہ تاریخ کی عدم موجودگی میں مغربی مؤرخوں نے زیادہ تر عقلیہ دلائل سے کام لیا ہے جو صحیح واقعات کی موجودگی میں چنداں وقعت نہیں رکھ سکتیں۔ ان وجوہات سے ثابت ہے کہ والئے کشمیر دوسرا اشوک تھا۔ اور والئے گدہ الگ تھا۔

۲۲ ایک ٹیکا کار نے اس کا نام ہلکیترو لکھا ہے مگر اس کا موجودہ نام ہلکیتر ہے اور نقشہ پر ہلکتری درج ہے۔ یہ گاؤں پرگنہ ڈنٹس میں واقع ہے مگر ۱۸۹۱ء میں جب سٹائن صاحب نے پنڈت کانشی رام کو اس جگہ کی تحقیقات کے لئے بھیجا تو باوجود

ہو کر لوگوں کو ذلیل و رسوا کرتا۔ آخر اس نے دُرنا وزیر کی چاہتی بیوی کے حسن وجمال کی خبر پاکر اس کے ساتھ رابطہ اتحاد جوڑا۔ ایک دن اس کے گھر پہنچا جب واپس آیا تو اتفاقاً اس کی انگشتری ہاتھ سے گر کر وہیں رہ گئی۔ یہ انگوٹھی وزیر کے ہاتھ لگ گئی۔ پہچان کر سخت تلملایا۔ راجہ کے کردار سے تو بخوبی واقف تھا اپنی بیوی کی رسوائی تو نہ کر سکا لیکن راجہ کی بیخکنی کے درپے ہو گیا۔ چنانچہ ۶۶ سال کی حکومت کے بعد اس نے راجہ کے ملازموں کو ورغلا کر رات کے وقت شبستان خاص میں اس ظالم کا کام تمام کرا دیا۔

راجہ بھیمہ سین

راجہ کھیمہ اندر کا صاحبزادہ مسند حکومت پر جلوہ افروز ہوا۔ اس نے بجلائے بابل سندمت نگر کو اپنا پایہ تخت قرار دیا۔ یہ راجہ بڑا شجاع اور دلاور تھا۔ لیکن شراب و کباب اور ناچ ورنگ کی چاٹ نے اسے پرلے

کوشش بسیار کے اس کو اس گاؤں میں یا اس کے قریب ان مندروں کا کوئی نشان نہ ملا۔

۲۴۲ ایک ٹیکا کار نے وتستا تر کا نام وٹھوترو لکھا ہے اور اس کا موجودہ نام وٹھوتر ہے یہ ایک چھوٹا سا گاؤں مشہور چشمہ ویرناگ کے قریب گوشہ شمال مغرب میں ایک میل کے فاصلہ پر پرگنہ شاہ آباد میں واقعہ ہے۔ اس گاؤں کے قریب ایک تالاب میں ایک بڑا چشمہ نکلتا ہے جو مقامی تیرتھ بنا ہوا ہے اس چشمہ کی بابت ایک کتھا میں ذکر ہے کہ دریائے وتستا کا اصلی منبع یہی ہے۔ دیکھو وگنی صاحب کا سفرنامہ جلد اول صفحہ ۳۳۵۔ وتستا مہاتم کے ادھیائے ۲ اور شلوک ۴۰ میں اس کا نام وتستا ورتکا لکھا ہے۔ راجہ اشوک کے بنوائے ہوئے مندروں اور عبادت گاہوں کا اب

درجے کا سفاک اور بیباک بنادیا۔ فسق و فجور اور شراب خوری کو اس نے ایسا فروغ دیا کہ اس کی نظیر شاذ ہی ملے گی۔ اس کے علاوہ اس نے رعایا پر بھی بہت سے ظلم و ستم روا رکھے۔ باج شاہی بڑھا کر عوام کو تاخت و تاراج کردیا۔

علاقہ کاشغر جو عرصہ سے کشمیر کا باجگذار چلا آتا تھا۔ اوائل عہد میں اُس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ راجہ ختن نے چڑھائی کر کے تمام علاقہ کاشغر پر قبضہ کرلیا۔ جب اسے اطلاع ہوئی تو اُس نے اُس کے انسداد کے لئے فوج قاہرہ معمور کی لیکن بدقسمتی سے اس کا تمام لشکر کوہ قراقرم عبور کرتے ہوئے برف کے نیچے دب کر نیست و نابود ہوگیا اور ایک متنفس بھی زندہ نہ بچ سکا اس حادثہ سے بھیمہ سین کا حوصلہ پست ہوگیا اور اس نے قہر الٰہی سمجھ کر دوبارہ فوج کشی کرنے کی جرات نہ کی۔

اس نے اپنے عہد میں دریائے بہت کے کنارے پر مندر کوٹ ایشور تعمیر کیا۔ موضع سمپورہ جو تحصیل اوتر مچھی پورہ میں واقعہ ہے اسی کی یادگار

اس جگہ زمین پر کوئی نشان باقی نہیں رہا۔ یہ جگہ چاروں طرف پہاڑوں سے محصور ہونیکے باعث اس قدر تنگ ہے کہ اس جگہ کوئی بڑا شہر آباد ہی نہیں ہوسکتا لیکن یہ شہر چونکہ درہ بانہال کے دامن میں مشرقی پنجاب کے رستہ پر واقعہ ہے اس واسطے یہ عام طور پر بہت مشہور مقام ہے وتستاٹر کا ذکر راجہ اننت دیو کے عہد حکومت میں بھی آیا ہے دیکھو ترنگ ، شلوک ۳۶۴ اور ترنگ ، شلوک ۱۰۷۳۔

۳۵ جنرل کنگھم نے اپنے انیشنٹ جیوگرافی کے صفحہ ۹۵ پر لکھا ہے کہ راجہ اشوک کا بنوایا ہوا سرینگر اُس جگہ پر تھا جہاں کہ آجکل قصبہ پاندری تھن آباد ہے اور کلہن نے اس قصبہ کا نام پورانا دہستھان لکھا ہے۔ یہ قصبہ موجودہ سرینگر سے تین میل کے فاصلہ پر

حسنہ ہے۔ اسی زمانہ میں ترجن نام ایک طبیب ہندوستان سے کشمیر آیا۔ کچھ عرصہ بعد بھیمہ سین کی رانی کسی ایسے عارضہ میں مبتلا ہوئی کہ کشمیر کے تمام اطبا اس کے معالجہ سے دست بردار ہوگئے۔ آخر ترجن حکیم تک نوبت پہنچی جس کے معالجہ سے رانی چند ہی دنوں میں شفایاب ہوگئی راجہ نے ایک ہزار اشرفی حکیم موصوف کو بطور انعام عطا کی اسی اثنا میں ترجن کے شاگردوں میں سے کسی نے راجہ کے کان تک یہ بات پہنچائی کہ یہ حکیم در اصل جادوگر[۲۳] ہے طلسم کے زور سے لوگوں کو مریض بنا کر ان کے معالجہ سے اپنی جیب گرم کرتا ہے۔ یہ بات سُنکر راجہ آگ بگولا ہوگیا۔ اسی وقت حکیم موصوف کو بلا تحقیق دار پر کھچوا دیا۔ آخر ۶۱ سال کی حکومت کے بعد یہ راجہ فسق وفجور کو رواج دے کر گوشہ اجل میں پناہ گزیں ہوا۔

راجہ یندر سین

بھیمہ سین کا لڑکا یندر سین سریر سلطنت پر جلوہ گر ہوا۔ فسق وفجور کی

دریائے وتستا کے دائیں کنارے پر آباد ہے دیکھو نوٹ نمبر ۱۵۲ کتاب ہذا۔

کلہن نے ترنگ اول کے شلوک ۱۲۴ میں بیان کیا ہے کہ راجہ جلوک نے سری نگر میں جو جیشٹا رودر کا مندر بنوایا تھا۔ وہ کوہ تخت سلیمان کی چوٹی پر بنا ہوا تھا اور جنرل کننگھم نے بھی اسی بنیاد پر اس کی تائید کی ہے اس مندر کے دو میل نیچے قصبہ پاندری تھن واقع ہے اگرچہ اس کتھا کی راستی میں جس کی بنیاد پر کننگھم نے اپنا مذکورہ خیال قائم کیا ہے شک ہے اور اس پر پروفیسر بوہلر نے بھی اپنی رپوٹ کے صفحہ ۱۷ پر مدلل سوال کئے ہیں اور اگرچہ تخت سلیمان کی پہاڑی کے مندر کی تاریخ بنا دیں بھی شک ہے (دیکھو فرگوسن صاحب کی ہسٹری اف انڈین آرکی ٹکچر صفحہ ۲۸۲) پھر بھی ایسی شہادتیں موجود ہیں جن سے

ترقی میں یہ بھی باپ کا خلف سعادت مند ثابت ہوا۔ تنزل حکومت کے جسقدر آثار ضروری ہوتے ہیں ان راجاؤں کے عہد میں یکے بعد دیگرے ظہور میں آتے رہے لیکن اس کے زمانہ میں عوام نے ایسا وطیرہ اختیار کیا کہ جس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ قضا کار اس جو رو بدعت کے زمانہ آغاز سے ہی آباد ی مزروعات بدرجہ غایت ہونے لگی غلہ اس افراط سے پیدا ہوتا کہ کوئی کسی کا محتاج نہ رہا۔ اس آسائش نے لوگوں کے دلوں میں اور بھی رعونت پیدا کر دی۔ ہر ایک فرعونی دم بھرنے لگا یا خدا تو درکنار مذاکی خدائی سے بھی منکر ہو گئے کوئی عیب ایسا نہ تھا جس میں نیدہ سین اور اس کی رعایا ممتاز بلکہ سرافراز نہ تھی۔

خود تو راجہ ہر وقت عیش و عشرت اور کھیل تماشوں میں مشغول تھا انتظام مملکت اس نے وزیر شور اندر کے تفویض کر دیا۔ راجہ کی معاش کے آدمی ہمیشہ سبک گوش او رکج رائے ہی ہوتے ہیں تھوڑے ہی دنوں میں وزیر سے بدگمان ہو گیا۔ اور اسے وزارت سے معزول کر کے ذلیل و خوار کرنے لگا۔ مگر وہ بھی شور اندر تھا شور و شر پر آمادہ ہو گیا۔ ہوائے خیرہ سری

ثابت ہوتا ہے کہ جیشٹا رودر کا مندر اسی پہاڑی پر یا اس کے قریب ہی واقع تھا۔ اشوک کا سری نگر بھی اسی قرب وجوار میں تھا۔ مگر موجودہ حالات میں ہم اس بات کا فیصلہ نہیں کر سکتے کہ آیا یہ شہر پانڈری تھن کے مقام پر آباد تھا یا کسی اور جگہ پر۔ اگرچہ ہمارے پاس پورا نادھشٹان کی زبردست شہادت موجود ہے جس کے معنے ہی قدیم دارالسلطنت کے ہیں۔ اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اس شہر کے پاس سودر کا چشمہ بھی تھا دیکھو نوٹ نمبر ۴ ضمیمہ کتاب ہذا۔

موجودہ شہر سری نگر جس جگہ آباد ہے وہاں پہلے راجہ پرورسین دوئم کا آباد کیا ہوا شہر پرورپور تھا۔ اس کی تصدیق جنرل کننگھیم صاحب نے بھی کی ہے۔ دیکھو کتاب ایڑ اندو سیتھین صفحہ ۹۴

دل میں سمائی اور فوج لے کر راجہ پر چڑھ آیا۔ یہاں کیا تھا رتاص اور منتی۔ شوراند کے مقابلہ میں کہاں ٹھہر سکتے تھے۔ تھوڑی سی لڑائی کے بعد شاہی فوج پسپا ہو گئی۔ لیکن ابھی کچھ دن تک خاندان پانڈواں کے مقدر میں حکومت کشمیر کا حصہ لکھا ہوا تھا۔ اس لئے میدان راجہ ہی کے ہاتھ رہا۔ قسمت کا مارا وزیر تعقب کی جدوجہد میں گھوڑے سے گر کر گرفتار ہو گیا۔ اس کے ہمراہی بھاگ گئے ایسے نازک موقعہ پر بخت نے یاوری کر کے راجہ کو شاد کام کیا۔ وزیر اپنے کیفر کردار کے پاداش میں پوست سے بدن اُدھیڑ کر مارا گیا۔ انہیں ایام میں راجہ نگر کوٹ نے بھی بغاوت کا جھنڈا کھڑا کر دیا لیکن راجہ کی فوج نے جسکے حوصلہ گذشتہ معرکہ سے بڑھے ہوئے تھے حملہ آور ہو کر اسے بھی قتل کر دیا۔ یہ راجہ ۴۷ سال تک عیش وعشرت کا بازار گرم رکھکر شراب اجل کے تلخ گھونٹ نوش جان کر کے دنیائے فانی کو الوداع کہہ گیا۔

راجہ سندر سین

راجہ ہرنام دیو کے وقت سے جو بدافعالیوں اور بدکرداریں کا مادہ نشوونما

کلہن اور دیگر کشمیری مصنفوں نے اس شہر کو سری نگر لکھا ہے اور عام طور پر یہی نام آجتک مشہور بھی ہے۔ لیکن سری نگری کا نام بھی نامعلوم نہیں ہے دیکھو ترنگ ۴ شلوک ۶ جوزاج کی کتاب شلوک ۸۱۔ ونیز پرجا بھٹ اور شک کی کتاب شلوک ۲۴۰۔ ومہادیو مہاتم ادھیائے ۳ شلوک ۸۔ برعکس اس کے یہ بھی قابل نوٹ ہے کہ فارسی مورخ حیدر ملک اور محمد عظیم وغیرہ لکھتے ہیں کہ راجہ اشوک کا تعمیر کردہ سرینگر علاقہ پیر میں دریائے لدر کے بائیں کنارے پر پرگنہ کھاور پور میں واقعہ تھا۔ اور پروفیسر بوہلر نے بھی اپنے ریمارک میں اس کی تائید کی ہے اور لکھا ہے کہ بعض پنڈتوں کا خیال ہے کہ یہ شہر اسلام آباد کے قریب آباد تھا۔ سرینگر

پار ہا تھا یندر سین کے بیٹے سندر سین کے عہد میں شباب کو پہنچ گیا یندر سین
کے وقت تو لوگ خدا کو بھول ہی گئے تھے مگر سندر سین کے عہد میں ہر ایک
شخص خدائی دعوٰے کرنے لگا۔ شراب نوشی ان کی غذا اور قمار بازی انکا
دیوتا تھے۔ اسی زمانہ کی ایک حسرت ناک اور دلفگار حکایت مشہور ہے
جس کو سُنکر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ کوئی ملعون اپنی صلبی بیٹی سے ہم بستر
ہوا۔ لڑکی کے خاوند یعنی اُس کے داماد کو خسر کی یہ حرکت ناگوار خاطر ہوئی
وہ راجہ سندر سین کے پاس داد رسی کے لئے گیا شہادت گذر گئی۔ راجہ صاحب
واقعات مقدمہ سُنکر کچھ دیر تک سوچتے رہے آخر آپ نے مستغیث کو
افشائے راز کے جرم میں سزا دی اور زانی کو بالکل بری کر دیا۔ اراکین دولت
راجہ کی دانشمندی کی داد دینے لگے۔ جس قوم کا یہ حال ہو کب تک صفحہ ہستی پر
قائم رہ سکتی ہے۔ جب ان کے فسق و فجور کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو مصلح حقیقی نے
اس قوم کی ہدایت کے لئے اسی شہر سندمت نگر کے ایک شخص نند گپت نام
کو نامور کیا۔ یہ شخص قوم کمہار کا ایک رذیل اور اَدنےٰ آدمی تھا۔ اگرچہ ہمیشہ

کے پاس جو جیشٹا رودر کا مندر بنوایا گیا تھا اس کے مفصل حالات کے لئے دیکھو ضمیمہ کتاب
ہذا کا نوٹ ۴۷

۴۶ شو وجیشور کے مشہور مندر کے نام پر اس کے گرد و نواح کا سارا علاقہ آجکل
وج برور کے نام سے مشہور ہے۔ دیکھو نوٹ ۱۶ کتاب ہذا۔ وہاں کے پروہت بیان کرتے
ہیں کہ وجیشور کا مندر دریائے جہلم کے بائیں کنارے پر پل کے محاذ میں سو گز کے فاصلہ
پر واقع تھا۔ یہاں سے مہاراجہ رنبیر سنگھ نے نیا مندر تعمیر کرانے کے واسطے پتھر وغیرہ
مصالح لیا تھا۔ سٹائن صاحب نے ۱۸۸۹ء میں اس جگہ کا معائنہ کیا مگر مندر کی جگہ بالکل
غار سی بنی ہوئی تھی اور سوائے چند ٹوٹی پھوٹی سلوں اور ملبہ کے ڈھیر کے اور کچھ نہ تھا۔

عبادت اور ریاضت الٰہی میں مصروف رہتا تھا لیکن چونکہ اس کا وطیرہ تمام دُنیا سے برخلاف تھا لوگ اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے کچھ عرصہ بعد الہام الٰہی کے مطابق اس نے پند و نصائح کا وعظ شروع کر دیا لیکن اس کی گمراہ قوم اُلٹا اسی پر تبرے گھڑتی۔ ہنسی اُڑاتی اور وہ کرتی جو نہ پھبتی۔ جب پند و نصائح کارگر نہ ہو سکے تو سند گپت بالکل مایوس ہو گیا۔ آخر کار ایک دن بشارت غیبی کے بموجب شہر سے نکل کر پاس کی پہاڑی پر جو آج کل کرالہ سنگر کے نام سے مشہور ہے جا بیٹھا۔ جب آدھی رات کا وقت ہوا۔ اور زمین گھوڑے کی طرح ہلنے لگی تو ایسا سخت بھونچال آیا کہ زمین و آسمان ہل گیا۔ عین سند مت نگر کے وسط میں زمین پھٹ گئی۔ ایک دم پانی کی نہریں جاری ہو گئیں گاؤں کے گاؤں منہدم ہو گئے۔ اسی زلزلہ سے بارہ مولہ کے پاس مقام کھاوہ نیار کے موقعہ پر پہاڑ کا ایک ٹکڑا گرا جس سے دریائے بہت کی وادی مسدود ہو گئی۔ تمام کامراج میں عالم آب دکھائی دینے لگا سند مت نگر اور اس کے باشندے ایک دم میں فنا ہو گئے۔ واضح ہو کہ سندمت نگر اس

اب اس کا کچھ حصہ بنا ہوا ہے اور پتھر کی کچھ مورتیں جو پورانی صنعت کا نمونہ ہیں نئے مندر کے سامنے رکھی ہوئی ہیں یہ نیا مندر دریا کے کنارے پر اس جگہ سے کچھ فاصلہ پر اوپر کی طرف بنا ہوا ہے۔ وجیشور کا مندر راجہ اننت دیو کے زمانہ میں جلایا گیا تھا مگر اس کے جانشین کلش دیو نے اسے پھر تعمیر کرا دیا۔ دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۵۲۴۔ کشمیر کے اکثر مندروں کی عمارتیں ایسی خوبصورت بنی ہوئی ہیں کہ انکو دیکھ کر حیرت پیدا ہوتی ہے۔ انکی بابت جنرل کننگھیم نے جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بیبے مطبوعہ ۱۸۴۸ء کے صفحہ ۲۱۰ پر مفصل ذکر کیا ہے۔

۴۷ دج بور میں ان عمارتوں کا کچھ پتہ نہیں چلتا نہ انکی بابت کچھ مشہور ہے کلہن کے

مقام پر آباد تھا جہاں آجکل وادی کشمیر کی مشہور جھیل ولر بحیرہ قلزم کا سماں دکھاتی ہے جب موسم سرما میں پانی کم ہو جاتا ہے تو بعض مقاموں پر اب بھی اس میں پرانی تعمیروں کے آثار نظر آتے ہیں۔ اس حادثہ نے فرقہ پانڈواں کی حکومت کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل کر دیا۔

سندرسین نے ۴۱ سال تک حکومت کر کے اپنی وفات کے ساتھ اپنے خاندان کا نام و نشان بھی مٹا دیا اور اپنی اور اپنے خاندان کے افعال ناشائستہ کی مستقل یادگار جھیل ولر میں مدفون کر کے خود بھی وہیں غرق ہو گیا۔

فرقہ پانڈواں کی تباہی اور سندمت نگر کی ویرانی کے بعد ایک دو ماہ تک خطۂ کشمیر میں بے استقلالی رہی۔ میدان کی آبادی تو تقریباً بالکل معدوم ہو چکی تھی جو لوگ دامن کوہستان یا بلند مقامات پر جا بسے البتہ جانیں سلامت لے گئے۔ اب جب کہ ملک میں کوئی حاکم نہ رہا تو سخت ابتری پھیلنے لگی جھگڑے فساد برپا ہونے لگے۔

آخر اعیان ملک اور ارباب دانش نے اتفاق کر کے گونام ایک شخص کو حکومت

زمانے میں جو مرتیں ان مندر نکی کی گئی تھیں ان کا حوالہ ترنگ ۸ کے شلوک ۳۳۹۱ میں دیا ہوا ہے۔

قدیم جغرافیہ کے صفحہ ۹۶ پر جنرل کنگھم کا یہ ریمارک " پاندریٹھن میں جو کہ پاندری تھن سے دو میل اوپر ہے دو مندروں کے خفیف سے کھنڈرات ملتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ یہ دونوں کھنڈرات اشوک ایشور کے مندروں کے ہیں " کسی غلط فہمی پر مبنی ہے۔

شلوک ۳۸ شو بھوتیشور کا مندر جو کہ ہرمکت کی پوتر پہاڑی کے پاس واقع تھا کشمیر کا نہایت ہی مشہور تیرتھ ہو گذرا ہے اور اس کی پرستش اہل کشمیر کے قدیم مذہب میں لازمی سمجھی جاتی تھی۔ یہ کتھا کہ کس طرح شو جی نے بھوتیشور کا اوتار لیکر اس علاقہ میں رہنا منظور کیا

ملک کے لئے منتخب کیا۔ یہ شخص راجگان مالوہ کے خاندان سے تھا انقلاب زمانہ کے باعث اپنا وطن ترک کر کے کشمیر میں مسکن گزین تھا اور فرقہ پانڈواں کی قدر دانی سے ترقی کرتے کرتے علاقہ لولاب کا جاگیر دار بنا ہوا تھا۔ اب جو قسمت نے یاوری کی راجگان سابقہ سے کوئی نہ رہا تو اس کے سر پر تاج شاہی رکھا گیا۔

راجہ لو

اس کے بعد لو جو اس دنیا کا زیور اور فتح کا جو شہرت کی لمبی پوشاک پہنتی ہے منظور نظر تھا راجہ بنا یہ ایک عجیب بات ہے کہ اسکی فوج کی گرج ہر چند کہ سارے عالم کو بیدار رکھتی تھی تاہم اُس کے دشمنوں کو لمبی نیند میں سلا دیتی تھی۔ چوراسی لاکھ سنگین عمارات تعمیر کر کے اس نے قصبہ لولور[24] کی بنا قائم کی اور برہمنوں کی ایک جماعت کو لیوار[25] واقعہ دریائے لدری[26] کا اگرہار[27] دیکر یہ بہادر راجہ جس کی بہادری کی شان وشوکت بے عیب تھی آسمان کو چڑھ گیا۔

نیل مت پوران کے شلوک ۱۰۴۹ میں درج ہے۔ اور اس کا تمدن کی کتھا کے ساتھ گہرا تعلق ہے دیکھو نوٹ ۱۴ کتاب ہذا۔ جو کتھا نندی کیتر مہاتم اور ہرمکت گنگا مہاتم میں درج ہے وہ آجکل بھی کشمیریوں میں مروج ہے اور اسی کتھا کے مطابق شو بھوتیشور کا مندر ہرمکھ پہاڑی کے جنوب مشرقی گوشے پر واقعہ تھا اور اس پہاڑی کا نام آجکل بوتہ شیر (بھوتیشور) ہے۔

دریائے کنگ نائی کی جس کا پورانا نام کنک واہنی ہے اور جو ہرمکھ پہاڑی کے جنوب کی طرف بہتا ہے تنگ وادی میں ولن گٹھہ (دسشٹ آشرم) سے دو میل اوپر مختلف وقتوں اور مختلف قد و قامت کے ستائیس مندروں کے کھنڈرات دکھائی دیتے ہیں۔ ان

راجہ کش

(کنول نین)

اس کے بعد اس کا بیٹا کش جس کی آنکھیں کنول پھول کی طرح تھیں اور شجاعت کے کاموں میں ماہر تھا تخت نشین ہوا اور اُس نے کردہار[ع۲۹] کا اگرہار وقف کیا۔

راجہ کھگ اندر

اس کے بعد اس کے بیٹے مشہور و معروف کھگ اندر نے تخت حاصل کیا یہ راجہ اپنے دشمنوں کے ہاتھیوں کی صف کو تباہ کرنے والا۔ لوگوں کا رہبر اور بہادری کا مسکن تھا اس نے کہاگی[ع۲۲] اور کھون موش[ع۳۰] کے دو اگرہار قائم کئے۔ اور اس کے بعد اُس بالائی دنیا میں چلا گیا جسے اس نے ایسے کاموں سے جن کی چمک ہنستے وقت شوجی کے دانتوں کی چمک سے مشابہ تھی خریدا تھا۔

کھنڈرات کی بابت جو کہ جنگل کی خودرو جھاڑیوں کے نیچے پوشیدہ ہیں پہلے پہل پادری کلوی صاحب نے اپنی کتاب جے۔ ایس۔ بی مطبوعہ ۱۸۶۶ء کے صفحہ ۱۰۱ پر اور میجر کول نے اپنی کتاب "قدیم عمارات کشمیر" کے صفحہ ۱۱ پر ذکر کیا ہے اور موضع داق گھٹہ کے قریب کے مندر لکھا ہے۔ ان عمارتوں کے کھنڈرات کی شناخت جو کہ کشمیر کے مختلف راجوں نے مختلف وقتوں میں شو بھوتیشور اور قریب کے شو لنگ بنام شو جیشٹھیش کے نام پر بنوائے تھے سٹائن صاحب نے اگست ۱۸۹۱ء میں خود وہاں جا کر کی تھی۔ بھوتیشور کے بڑے مندر کے کھنڈر کی شناخت کے واسطے دیکھو نوٹ ۳۵۶ع کتاب ہذا۔

بھوتیشور کا مندر اشوک کے بیٹے جلوک نے بنوایا تھا دیکھو ترنگ اول شلوک ۱۴۸۔

راجہ سریندر

اس کے بعد اس کا بیٹا بیش بہا عظمت رکھنے والا سریندر حکمران ہوا جو گناہوں سے دور تھا اور جس کے افعال دنیا کو محو حیرت بناتے تھے۔ دیوتاؤں کے مالک (سریندر) کا مقابلہ اس سریندر سے نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اُسکے نام شت مینو (سو عداوتوں کو دل میں رکھنے والا) اور گوتر بھید (پہاڑوں کو توڑنے والا) ہیں بجالیکہ راجہ سریندر اس بات کا مستحق تھا کہ اُسے شانت مینو (وہ جس کا غصہ بجھا ہوا ہو) اور گوتر رکھشن (گوتر یا پہاڑوں کا محافظ) کہا جائے۔

اس مشہور و معروف راجہ نے علاقہ ورد کے نواحات میں سورک[۳۱] نامی ایک شہر کی بنا ڈالی اور نریندر بھون نامی وہار تعمیر کرایا۔ اپنے ملک میں اس مشہور اور عابد راجہ نے سورش[۳۲] نامی وہار جو مذہبی خوبیوں کے لحاظ سے مشہور تھا قائم کیا۔

جس کی سنگین عمارت بڑی عالیشان تھی۔ اور اس کے ساتھ بڑی بھاری جاگیر مقرر کی تھی اس مندر کے ساتھ جو جاگیریں راجہ نریندر دتیہ اور راجہ للتادت نے مقرر کی تھیں انکا ذکر علیحدہ علیحدہ ترنگ اول کے شلوک ۳۴۷ اور ترنگ ۴ کے شلوک ۱۸۹ میں آیا ہے راجہ اونتی ورمن بھی اس مندر کا سہائک تھا اور اس کا ذکر ترنگ پانچ کے شلوک ۴۶ میں آیا ہے۔ یہ راجہ ایک دفعہ جب اس مندر کے درشن کو آیا تو جو دلچسپ واقعہ وہاں گزرا اس کا ذکر ترنگ ۵ کے شلوک ۴۱ سے ۶۱ تک درج ہے۔

اسکے بعد کے راجوں کی بدعملی کے زمانہ میں جو حال دوسرے مندروں کا ہوا وہی حشر اس کا بھی ہوا اننت سنگرام دیو کے زمانہ میں ایک زبردست شنید نے بھو تیشور کے مندر کا خزانہ لوٹ لیا تھا۔ اسکا ذکر ترنگ ۸ کے شلوک ۷۷ میں آیا ہے۔ معلوم ہوتا

راجہ گودھر

جب یہ راجہ لاولد مرگیا تو گودھر جو کسی اور خاندان کا رکن تھا اس زمین اور اس کے نہایت خوشنما پہاڑوں کا محافظ بنا۔ یہ شریف خیال عابد راجہ گودھرا ہستی[33] شالہ نامی اگرہار برہمنوں کو دیکر آسمان پر چلاگیا۔

راجہ سورن

اس کے بعد اس کا بیٹا سورن تخت نشین ہوا جو محتاجوں کو سورن یعنے سونا دیتا تھا اور جس نے کرال[34] تک سورن منی[35] نامی نہر (کلیہ) کھدوائی تھی۔

راجہ جنک

سورن کے بعد اُس کے بیٹے جنک نے جو اپنی رعایا کے لئے بمنزلہ جنک یعنے باپ کے تھا جالوند[36] کا وہار اور اگرہار قائم کیا۔

ہے کہ راجہ ہرش دیو کے زمانہ میں یہ مندر ضبط ہونے سے بچ گیا تھا مگر اُس کے بعد اوچل کے زمانہ میں آگ سے اس مندر کو سخت نقصان پہنچا۔ اس کا ذکر ترنگ ۸ کے شلوک ۷۷ اور ۱۱۰ میں آیا ہے۔ جے سنگھ کے عہد حکومت میں جو بغاوتیں ہوئی تھیں ان میں پہاڑی لٹیروں نے ان مندروں کو لوٹ لیا تھا اس کا ذکر ترنگ ۸ کے شلوک ۵۶ ۲۷ میں آیا ہے راج ترنگنی کی ترنگ ۸ کے شلوک ۵۶ ۳۳ میں ذکر ہے کہ اس جگہ پر راجہ جے سنگھ نے ایک مٹھ بنوایا تھا مگر اس مٹھ کا بعد کے زمانہ میں جو حال ہوا اس کا پتہ تاریخ میں نہیں ملتا۔ ابوالفضل نے بھی اپنی کتاب آئین اکبری کی جلد ۲ صفحہ ۳۶۴ پر اس کا ذکر کیا ہے اور حیدر ملک اپنی کتاب میں بھوتیشور جس کا موجودہ نام بوتھ شیر ہے۔ بھوتی سر کے نام سے

راجہ شچی نر

اس کے بعد اس کا بیٹا مشہور و معروف شچی نر جو ارضی اندر (شچی پتی) کا درجہ رکھتا تھا زمین کا محافظ بنا۔ اس کی طبیعت میں عفو کا عنصر پایا جاتا تھا اور اُس کے احکام کو کبھی توڑا نہ جاتا تھا۔ اس راجہ نے شمان گاسا اور شنار کے اگرہار قائم کئے اور لاولد مر کر بھی آسمان میں اندر کی نشست کا آدھا حصہ لے لیا۔

راجہ گلگندر

اس کے بعد راجہ سینچی نر کے بھتیجے گلگندر نے افسر ایالت سر پر رکھ کر عدل و انصاف اور جود و سخا سے عوام کو آسودہ حال کر دیا۔ مضافات ملک میں ربط و ضبط بٹھا کر اپنے تمام ملک میں نئے قوانین اور ضوابط اجرا کئے۔ علاقہ مراج میں ایک بلند کریوہ (ٹیلہ) پر اُس نے تونگر نام ایک عالیشان اور وسیع شہر

تحریر کرتا ہے یاتری لوگ جو ہر کمت پہاڑی کی جھیلوں کی زیارت کر کے واپس آتے ہیں تو اس مندر کے کھنڈر کے پاس سے گذرتے ہیں۔ مگر اس کی طرف کسی کی توجہ بھی نہیں ہوتی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرصہ دراز سے اس کی یاد لوگوں کے دلوں سے اُتر گئی ہے۔

نارائن ناگ کا خوبصورت چشمہ جو کہ ان کھنڈرات کے شمال مشرق میں واقع ہے اور جو کہ ہر مکت کی یاترا کی آخری منزل ہے وہی تیرتھ ہے جس کا نام کلہن نے سودر تیرتھ لکھا ہے۔ دیکھو ترنگ اول کا شلوک ۱۲۳

۴۹ ان ملیچھوں سے اہل یونان سے مراد ہے۔ دیکھو لاسن صاحب کی کتاب انڈین اینٹی کیوڈ باب ۲ صفحہ ۲۸۵

آباد کیا۔ جس میں بے شمار عالیشان مندر تعمیر کرا کے شہر کو بقعہ نور بنا دیا۔ ریتی آرہ ندی میں سد بندی قائم کرا کے درمیان شہر نہر جاری کرائی۔ جس سے نونگر کی رونق اور شان دوبالا ہو گئی۔ اس شہر کی عمارتوں کی تعداد مورخوں نے تیرہ لاکھ لکھی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت بڑا شہر ہوگا۔ پنتالیس سال تک کشمیر کو نئے قوانین اور آئین سے منور کر کے یہ راجہ بھی بادیہ پیمائے عالم جاودانی ہوا۔

راجہ بلدیو

اب گلگنندا کا بڑا لڑکا بلدیو زینت بخش تاج خسروی ہوا۔ عدل ذرافت اور جودِ سخاوت میں باپ سے بھی گوئے سبقت لے گیا۔ ربط وضبط اور نظم و نسق مملکت میں بھی اس نے نمایاں ترقی کی۔ موضع بلدیو پور جو بعد میں بلہ پور کے نام سے مشہور ہوا اسی کی یادگار حسنہ ہے۔ اس کے عہد میں راجہ بھیکم والئے اوجین نے لشکر جرار لے کر کشمیر پر فوج کشی کی۔ راجہ بلدیو بھی اپنی فوج آراستہ

نوٹ کشمیر کی تمام کتابوں کے مطالعہ سے جن میں شو جیشٹیش کا ذکر آیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس دیوتا کی اسی نام سے یا اس کے برابر جیشٹ رودر کے نام سے کشمیر کے تین علیحدہ علیحدہ علاقوں میں پوجا ہوتی تھی۔ اول ہر مکٹ پہاڑی کے نیچے اُس علاقہ میں جو نندی کھیتر یا تندیش کھیتر کے نام سے مشہور ہے دیکھو نوٹ ۱۴۲ کتاب ہذا۔ دوئم ترپریشور کے قریب جس کا موجودہ نام ترفر ہے (دیکھو ترنگ ۵ شلوک ۱۲۳) سوئم سرینگر کے پاس دیکھو ترنگ اول شلوک نمبر ۱۲۴۔ جیشٹیش کے پہلے نندیش کھیتر کا لفظ لگانے سے کلہن نے بالکل واضح کر دیا ہے کہ اس دیوتا کی پوجا اس علاقہ میں ہوتی تھی اسی طرح وہ دوسری جگہ پر اس کے ساتھ ترپریشا درنشت کا لفظ اضافہ کرتا ہے جس کے معنے ہیں ترپریش

کر کے مقابلہ کو نکلا کئی روز تک لڑائی رہی آخر والیٔ اوجین پسپا ہوگیا اور اپنا سا منہ لیکر لوٹ گیا۔ یہ پہلا حملہ ہے جو غیر ممالک کے راجہ نے خطۂ کشمیر پر کیا۔ لیکن اس میں بھی مخالف کو منہ کی کھا کر لوٹنا پڑا۔

مشہور ہی مال جس کے عشق اور راز و نیاز کا قصہ آج تک کشمیر کا بچہ بچہ بڑے ذوق و شوق سے پڑھتا اور ورد زبان رکھتا ہے اسی راجہ کی دختر بلند اختر تھی مختصر قصہ یوں ہے کہ ناگی ارجن نام ایک شاہزادہ اس ماہ لقا کے کشش محبت کے باعث فقیرانہ لباس میں گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ اسی حالت میں وہ سیر کشمیر کے لئے بھی آگیا ہی مال نے جب ناگی ارجن کو اصلی حالت میں دیکھا تو ہزار جان سے اسپر عاشق ہوگئی۔ باپ سے التجا کر کے اس نے اپنے سوئمبر کی رسم مشتہر کر دی۔ اور اس تقریب کے موقعہ پر اس نے اسی فقیر کو شادی کے لئے منتخب کیا۔ اگرچہ بلدیو نے اسے حقیر سمجھ کر لڑکی کی مخالفت کی لیکن ہی مال کے اصرار پر خاموش رہا اور اس کی شادی ناگی ارجن سے ہوگئی کچھ عرصہ بعد ناگی ارجن کی پہلی بیویوں کی سازش سے اس جوڑہ میں ایسا تفرقہ پڑا کہ عرصہ

کی پہاڑی کے نیچے رہنے والا۔ دیکھو ترنگ ۵ شلوک ۱۲۳۔ نیل مت پوران کے شلوک ۱۱۳۴ سے ۱۱۳۶ تک نندیش کیتر کے شو جیشٹھیش کا ذکر آیا ہے اور وہاں ہم کو شو اور نندن کی کتھا کے ضمن میں ایک پورانے تنگ کا بھی ذکر ملتا ہے جس کو جیشٹھیش کہتے تھے اور جو شو بھوتیشور کی جائے رہائش یعنی بوت شیر میں واقعہ تھا دیکھو نوٹ ۴۰ کتاب ہذا۔ اسی طرح قدیم نندی کھیشر مہاتم کے ادھیائے ۱ شلوک ۱۴۷ میں جیشٹیور یا جیشٹ ناتھ کا بھی ذکر آیا ہے جسکی پرستش نندیش اور بھوتیشور کے گرد و نواح مین ہوتی تھی۔

ترنگ اول کے شلوک ۱۵۱ میں اس جیشٹھیش کا ذکر ہے جسے کلہن نے جیشٹ ردر (جیشٹھیش) لکھا ہے۔ اور اس کا جائے قیام نندی کھیتر میں بیان کیا ہے ترنگ ۳ کے

دماز تک ہی مال اپنے شوہر کے فراق میں سرگردان و پریشان رہی۔ آخر کسی حیلہ سے ناگی ارجن کے گھر پہنچی اور اُن کی مصیبتوں کا خاتمہ ہوگیا۔ اس واقعہ کے اظہار کرنے میں مورخوں نے بے انتہا مبالغہ آمیزی سے کام لیا ہے اُنہوں نے لکھا ہے کہ ناگی ارجن دراصل ناگ (سانپ) کا بیٹا تھا۔ گھر سے سیر کشمیر کے لئے نکلا انسان کی شکل میں ہیمال کو اُس نے دیکھا اور اس سے شادی کرلی۔ آخر ایک مکارہ عورت نے ہیمال کو ناگی ارجن کی ذات پوچھنے پر آمادہ کیا تو وہ سانپ بن کر غائب ہوگیا۔ عرصہ دراز کے بعد ہیمال بھی سانپوں کی سلطنت میں پہنچی اور ناگی ارجن کی شبستان حرم میں زندگی بسر کرنے لگی۔

یہ راجہ ۵۲ سال تک عدل و انصاف سے حکمرانی کر کے انتقال کرگیا۔ اور حکومت کشمیر اس کے بیٹے نل سین کے ہاتھ لگی۔

راجہ نل سین

راجہ نل سین نے عنان حکومت ہاتھ میں لے کر خاندان گودھر کی بے ریا

شلوک ۱۹۰ کا حوالہ اور بھی زیادہ واضح ہے جس میں لکھا ہے کہ للتادت نے بھوتیش کے مقام پر جیشٹ رودر کا مندر بنوایا۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۲۴۳۰ میں اور نیل مت پوران اور مہاتموں میں لکھا ہے کہ وسشٹ جی اپنے وشسٹ آشرم میں (جس کا موجودہ نام وان گٹھ ہے) جو کہ بھوتیشور کے قریب ہے رہتے تھے اور جیشٹھور کی پوجا کیا کرتے تھے اس سے مراد نندی کھیتر کے جیشٹھیشور سے ہے۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۲۴۳۰ سے یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ وہ لنگ جس کی پرستش سویمبھو جیشٹ رودر کے نام سے ہوتی تھی پتھر کا قدرتی لنگ تھا نہ کہ تراشا ہوا (سویمبھو کے لفظی معنے قدرتی کے ہیں) اور ایسے ایسے بہت سے سویمبھو لنگوں کی پرستش آج تک کئی ایک تیرتھوں پر ہوتی ہے۔ مثلاً

حکومت کو ایک دم پلٹ دیا۔ ظلم وستم اور جور و جفا کا بازار گرم کر کے اس نے تمام ملک میں قیامت برپا کردی۔ لوٹ مار تاخت وتاراج اور کشت وخون کا سخت ہنگامہ برپا کر دیا۔ اس بیدرد ظالم اظلم نے اپنے عہد میں ایک لاکھ بے گناہ انسان طرح طرح کے عذاب دے کر قتل کر ڈالے۔ اعلےٰ وادنےٰ جو تھا اس کے مظالم سے نالاں اور اُس کی سفاکی سے ہراساں۔ جب ظلم کی کوئی حد باقی نہ رہی تو آہ مظلوماں نے اپنا کام کیا۔ ستم رسیدوں کی سوزش روحی کی آگ نے اس کا خانہ ویران ہی نہیں کیا بلکہ اُس کے محل میں آگ لگادی اور یہ ظالم تمام اہل وعیال سمیت جس میں اُس کے تین جوان لڑکے بھی شامل تھے جل کر راکھ ہو گیا۔ ؎

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اجابت از درِ حق بہر استقبال مے آید

اس راجہ کے ظلم وستم اور سفاکی وبیباکی کی عبرت ناک کہانیاں آج تک مشہور چلی آتی ہیں۔ چنانچہ اب تک بدمعاش اور بے ایمان اشخاص کو بجائے

سرینگر میں سارک پربت اور سریشودی وغیرہ وغیرہ۔ دان گھاٹ کے اوپر بوتھ شیر میں مندروں کے جو کھنڈرات ہیں اُس کا ذکر ترنگ اول کے شلوک ۱۰۷ میں آچکا ہے اور اس شہادت سے جو کہ نوٹ ۳۵۲ کتاب ہذا سے ملتی ہے۔ یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ان مندروں کے کھنڈرات کے دو جھنڈوں میں سے جو اس جگہ واقعہ ہیں پہلا یا مغربی جھنڈ بھوجیشٹھیش کی پوجا کے لئے مخصوص تھا۔

اشہ وجیشور سے جیشٹھیش تک جو کہ نندی کھیتر میں واقعہ ہے چار منزلوں کا راستہ ہے اور یہ ایک عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ کس طرح یہ راجہ ہر روز اس قدر فاصلہ طے کر کے پوجا کے لئے وہاں جایا کرتا تھا۔

شیطان نل سین کا خطاب دیا جاتا ہے۔

قانون قدرت اسی طرح ہے اور سلاطین عالم کی سوانح عمریاں اس کی شاہد ہیں کہ جب کسی قوم کا ستارۂ اقبال معراج ترقی پر ہوتا ہے تو اُس قوم کے ہر ایک فعل اور اُس کی ہر ایک حرکت میں خوبیاں ہی خوبیاں پائی جاتی ہیں ان خوبیوں کی کمک تائید غیبی سے ہوتی ہے اور یہی خوبیاں اس قوم کی سرافرازی اور سربلندی کا باعث بنکر اسے دنیا میں نامور بنا دیتی ہیں۔ برخلاف اِسکے جب زمانہ ادبار کا آغاز ہوتا ہے تو ظلم و ستم۔ فسق و فجور اپنا سکہ جماتے ہیں نیک و بد کی تمیز نہیں رہتی۔ جب یہاں تک حالت پہنچتی ہے تو قہر الٰہی نازل ہوتا ہے اور تعزیرات قدرت الٰہی قوم کے جرائم کی سزا دیتے ہوئے اسے صفحہ ہستی سے ہی مٹا دیتی ہے۔ یہی حال ہر ایک قوم کا ہے فرقہ پانڈواں میں جب تک راست بازی اور خدا ترسی کی بو باقی تھی اُن کی کمان کہاں تک کھچی ہوئی تھی کسی کو گمان بھی نہ تھا کہ اُن کا جاہ و جلال کم ہو سکے گا۔ لیکن جونہی نخوت اور رعونت نے انہیں جادہ اعتدال سے منحرف کر کے ستمرانی پر آمادہ کر دیا زمانہ

---

۵۲ بابو جوگیش چندر دت نے راج ترنگنی کے اپنے انگریزی ترجمے میں اس جگہ کا نام اوجت ڈمب لکھا ہے اور اس کے معنے یہ لگائے ہیں کہ راجہ نے دشمنوں کو شکست دینے کے بعد یہاں اپنے بال سنوارے تھے اس لئے یہ جگہ اس نام سے مشہور ہو گئی۔

۵۳ واریال کا موجودہ نام بارول ہے یہ چھوٹا سا گاؤں دریائے کنک نائی کے دائیں کنارے پر دریائے سندھ کے مقام اتصال سے ایک میل اوپر کی طرف ہے ایک ٹیکا کار نے اس کو بارولو لکھا ہے سٹائن صاحب جب ۱۸۹۱ء میں بھوتیشور کے مندر کو جا رہے تھے تو اس بستی کے قریب کھیتوں میں پتھر کا بنا ہوا شو لنگ کا چبوترہ دیکھا اور جب اس کی بابت مزید تحقیقات کی گئی تو لوگوں نے پتھر کی ایک اور بڑی سل نکالی

بھی آمادۂ پیکار رہوا اور منتظم حقیقی نے بھی ان کی بیخ و بنیاد اکھاڑ دی اسی طرح راجہ نل سین کی خیر و برکت سے خاندان گودھر کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ اور خدا نے حکومت ملک کا قمر انکے ہاتھ سے چھین کر دوسرے خاندان کے حوالہ کردیا۔ اعیان مملکت اور رؤسائے ملک نے اتفاق کرکے راجہ دیال کرن کی اولاد سے گھوکرن نام ایک انقلاب زدہ کو اپنا حاکم تسلیم کرلیا۔ ؎

زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا
بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

راجہ گھوکرن

راجہ نل سین کی تباہی پر اعیان ملک نے اتفاق کرکے خاندان جموں کے راجہ گھوکرن کو تخت پر ممتاز کیا۔ اس نے عدل و انصاف اور بذل و عطا سے رعایا کو سرافراز کرکے نل سین کی زیادتیوں کا پورا معاوضہ دیدیا اس کی احسانمندی اور جود و بخشش نے خلق خدا کو آسودہ حال اور فارغ البال بنادیا۔ اقاصی و ادانی

جوکہ گھروں سے نیچے کھیتوں میں پڑی ہوئی تھی۔ گاؤں کے بوڑھے مقدم (نمبردار) کی زبانی معلوم ہوا کہ بارول عرصہ دراز تک سرہیگر کے ایک پیرزادے کے خاندان کی جاگیر رہا ہے مگر مہاراجہ گلاب سنگھ نے اس کو ضبط کرلیا تھا۔ سروے کے نقشوں پر بارول کا نام درج نہیں ہے البتہ اس جگہ پر بار کلر کا نام لکھا ہے مگر اس علاقہ کے لوگ اس نام سے محض ناواقف ہیں۔ کلہن نے خاص طور پر اس اگرہار کا ذکر اس واسطے کیا ہے کہ وہ بھوتیشور کے مندر کے راستہ میں ہے چنانچہ کلہن کا باپ چمپک بلاناغہ ہر سال بھوتیشور کی یاترہ کو جایا کرتا تھا اس واسطے اغلب ہے کہ خود کلہن بھی کئی دفعہ اس گاؤں کے پاس سے گذرا ہو۔

ہر ایک اس کی حکومت میں مرفعہ الحال ہو گئے۔ ملک میں امن و امان قائم کر کے اسے ہندوستان کے تیرتھوں کی زیارت کا شوق دامنگیر ہوا۔ اور قلیل جماعت ہمراہ لے کر اپنا اشتیاق پورا کرنے کو روانہ ہند ہو گیا۔ جب قنوج کے نزدیک پہنچا تو وہاں کا راجہ اس کی نقل و حرکت سے مشوش ہوا اور فوج جمع کر کے مقابلہ کو نکلا۔ لیکن جب اُسے گھوکرن کے ارادوں کی اطلاع ہوئی تو اُس کی تشویش جاتی رہی اور باہم صلح ہو گئی۔ عرصہ تک راجہ گھوکرن تیرتھوں کے سیر و سیاحت میں مصروف رہا۔ جہاں کہیں کسی تیرتھ کا اسے پتہ ملتا فوراً پہنچتا لاکھوں روپیہ بطور خیرات تمام ہندوستان میں پھیلا کر تین سال کے بعد مراجعت پذیر ہوا۔ واپسی پر اُس کے وزیر نے کوہ ماران (پردمن پیٹھ) کے دامن میں اصراف کثیر سے شارکا دیوی کا مندر تعمیر کیا جو آج تک فرقہ ہنود کے نزدیک نہایت ہی متبرک مقام خیال کیا جاتا ہے اس مندر کے اخراجات کے لئے راجہ نے موضع برنڈ وقف کر دیا۔ آخر ۳۰ سال کی حکمرانی کے بعد اُس کی زندگی کا چراغ گل ہو گیا اور تخت و تاج اپنے لڑکے پر ہلاد کے لئے خالی کر کے دار آخرت کو

۵۴ کلہن نے ترنگ اول کے شلوک ۳۳۵ اور ۳۴۸ میں اور ترنگ تیسری کے شلوک ۹۹ اور ترنگ پانچویں کے شلوک ۵۵ میں ماتر چکروں کا ذکر کیا ہے اور آخر کے دو موقعوں پر ان کا ذکر مندروں کے ساتھ آیا ہے ترنگ اول کے شلوک ۱۲۲ میں اس کے ہم معنے لفظ دیوی چکر آیا ہے۔ راجنی چکر اور شری چکر کی طرح پتھروں کے ٹکڑوں پر ان چکروں کے غیر مفہوم نقشے بنے ہوئے ہیں اور ان کی پوجا تنتر شاستر کے قواعد کے مطابق کشمیر میں مندروں اور گھروں میں ہوتی ہے۔ ان چکروں میں سے سرینگر میں شارکا پربت پر شری چکر کی اور اودین (اس کا سنسکرت نام اودون ہے) میں جو پرگنہ دیہی میں ہے ایک پہاڑی کے اوپر جوالا مکھی چکر کی آجتک خاص طور پر پوجا

کو چل دیا۔

راجہ پرہلاد

راجہ پرہلاد تخت نشین ہوا۔ یہ راجہ متقی پرہیزگار حابد اور فقیر دوست تھا۔ دنیا اور حکومت کے جاہ وحشم سے مستغنی ہمیشہ فقرا کی صحبت میں رہتا رہتا تام ایک فقیر کامل اسے مل گیا جس کی صحبت اور تربیت کے اثر نے اس کا دل دنیا سے بالکل پھیر دیا۔ یہاں تک کہ گیارہ سال تک برائے نام حکمرانی کر کے تاج وتخت اپنے وزیر بمبور کے تفویض کر کے تارک الدنیا ہو گیا۔ اس نے اپنے ایام ایالت میں کوہ خیر کوٹ[۵۵] پر مندر پرتی ایشور تعمیر کرایا۔

وزیر بمبور

وزیر بمبور نے تاج شاہی سر پر رکھ کر کچھ عرصہ تک تو اس نے رعیت پروری اور داد گستری سے رعایا کو دلشاد رکھا۔ اپنے حسن انتظام سے خاص وعام کو

ہوتی ہے۔

ماتاؤں یعنی شکتیوں کی پوجا جو کہ تنتر شاستر میں بڑی ضروری سمجھی گئی ہے زمانہ قدیم سے لیکر آجتک کشمیر میں عام طور پر کی جاتی ہے۔

۵۵ سنسکرت کتاب میں لفظ دوارادیشو اور پرادی شیشو آئے ہیں اور کلہن کی مراد غالباً ان سے اُن دروں سے ہے جو کشمیر میں داخل ہونے کے راستے ہیں۔ کشمیر کی تاریخ میں ان دروں کا ذکر خصوصیت سے آیا ہے۔ اور زمانہ حال تک بھی انکی حفاظت کے لئے خاص چوکیاں مقرر رہی ہیں۔ لفظ دوار کے عام معنے راستے کے ہیں اور راج ترنگنی میں یہاں کے حاکم دوار اودہی پتی۔ دور رایش یا دوارادہی کارن کے خطابوں سے مخاطب

سرافراز کیا لیکن کچھ عرصہ بعد ناگاہ اپنے چچیرے بھائی کی بیوی لولری پر عاشق ہوگیا کچھ عرصہ تک تو دل ہی دل میں یہ آگ بھڑکتی رہی اُس نے بتیری کوشش کی کہ اپنی اصلاح کرے لیکن دل بیتاب نے ایک نہ مانی اور یہ اندرونی آگ ایسی مشتعل ہوگئی کہ سمبھالنا مشکل ہوگیا۔ آخر کار اس کے عشق کا چرچا چار دانگ عالم میں پھیل گیا۔ روز بروز اس کا اضطراب بڑھنے لگا بیقراری حد سے گذر گئی۔ آہ وزاری اور نالہ و بکا جگر چاک کرنے لگے۔ ہروقت لولری کے فراق میں مجنون وار بیتاب رہنے لگا۔ شورش درونی عاشقانہ غزلیں اور درد انگیز ترانے کہنے لگا لولو ہروقت وردزبان تھا چنانچہ لولو۔ لولری اور بمبر کے ترانے آجتک مشہور چلے آتے ہیں۔ لولو کا مروجہ محبت آمیز لفظ اسی عاشق جانباز کی ایجاد ہے۔ آخر اس کی سچی محبت نے لولری کے دل میں بھی چٹکی لی بمبور کی طرح وہ بھی بیتاب ہونے لگی۔ اب یہ بھی جامہ سے باہر ہوگئی۔ دن رات بمبور کے فراق میں مرغ نیم بسمل کی طرح تڑپنے لگی۔ ننگ و ناموس کو چاک کرکے آوارہ دشت ہونے پر آمادہ ہوگئی لیکن اقربا نے

کئے گئے ہیں۔ وہ بڑے عہدہ دار جن کو یہ خطاب ملتے تھے فوج کے افسر اعلیٰ اور ان دروں کے محافظ ہوا کرتے تھے دیکھو نوٹ ع۳۹۹ کتاب ہذا۔ موقعہ کے لحاظ سے ان تمام چوکیوں میں سے سب سے افضل چوکی وہ چوکی تھی جو وتشٹا کی تنگ وادی میں بارہ مولا کے نیچے تھی۔ تواریخ میں اس کا ذکر متواتر آیا ہے دیکھو ترنگ ۸ کا شلوک ۴۱۲ اور ۴۵۱۔

البرونی صاحب نے بھی اپنی کتاب کے باب اول صفحہ ۲۰۷ میں اس کا حوالہ دیا ہے اور اس کا نام دوار لکھا ہے دیکھو ہیون سانگ چینی کا سفرنامہ صفحہ ۹۸ اور اوکنگ چینی کے سفرنامے کے صفحہ ۲۲ کا نوٹ۔ ترنگ اول کے شلوک ۳۰۲ میں دوارا سے مراد وہ پیرپنچال ہے اور ترنگ ۸ کے شلوک ۱۴۰ میں درہ سے مراد درہ تو ش میدان کے

اسے محبوس کر دیا۔ بمبور بھی محلات چھوڑ کر صحرا نورد ہوگیا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد دنیا کو الوداع کہہ گیا۔ کہتے ہیں کہ ٹھیک اسی وقت لولری نے بھی زندان ہی میں جان دے کر عاشق جانباز کی رفاقت اختیار کر لی۔ عاشق و معشوق دونوں کو ایک ہی چتا[۵۹] پر جلایا گیا۔

وزیر بمبور آٹھ سال تک حکومت ملک پر سرافراز رہ کر جان بحق تسلیم ہوا۔ اس کی وفات کے ساتھ ہی اس اورنگ کا انجام ہوگیا۔

وزیر بمبور کے خلل دماغ کے وقت سے اعیان دولت میں آئندہ حکمران کے انتخاب کے بارے میں سرگوشیاں ہو رہی تھیں کہ تھوڑے ہی دنوں بعد وزیر کا انتقال ہوگیا خاندان گودھر کے بخت نے پھر یاوری کی۔ اور اراکین دولت کی اعانت نے گلگندر کی اولاد سے پرتاب شیل نام ایک شخص کے سر پر تاج شاہی رکھ کر حکومت ملک سابقہ حکم رانوں کو تفویض کر دی۔ راجہ نل سین کی سفاکیوں اور جور و تعدی نے پچپن سال کے لئے اس خاندان سے حکومت چھین کر دوسرے خاندان میں منتقل کر دی تھی لیکن پرتاب شیل کی

نیچے کی جنگی چوکی سے جو کہ آجکل قصبہ درنگ کے نام سے مشہور ہے۔ درنگ۔ دبک اور دوارا کے ایک ہی معنے ہیں تحقیق کے لئے دیکھو نوٹ ع۵ ضمیمہ کتاب ہذا۔ ان دروں کے مزید حالات کے واسطے دیکھو سٹائن صاحب کے نوٹ جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی مطبوعہ ۱۸۹۵ء کا صفحہ ۳۸۲۔

ع۵۶ سود چشمہ کا ذکر جو معجزہ کے طور پر سری نگر کے پاس ظاہر ہوا تھا اور جس پر اس کتھا کی بنیاد ہے نیل مت اور نندی کیتر مہاتم میں آیا ہے نیل مت پوران کے شلوک ۱۱۳۷ میں سود ناگ کا ذکر بھوتیشور کے مندر اور کنک واہنی دریا کے ساتھ آیا ہے۔ دیکھو نوٹ ع۲۸ کتاب ہذا ترنگ اول کا شلوک ۱۵۰ نیل مت پوران کے شلوک ۱۱۴۰

نیک نیتی نے پھر اسی خاندان کے انقلاب چشیدہ پس ماندگاں کے حوالہ کردی اس مرتبہ اس خاندان نے ۲۰۷ سال ۴ ماہ تک عدل و انصاف اور جود و عطا سے حکمرانی کی۔

راجہ پرتاب شیل

وزیر بمبور کے انتقال پر راجہ گلگندر کے پوتے پرتاب شیل نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ اس نے عدل و انصاف اور جود و احسان سے عروس ملک کو آراستہ و پیراستہ کردیا۔ اس نے کوہ اُلر کے دامن میں پرتاب نگر نام ایک شہر آباد کیا۔ اسی طرح بمقام پچھ بون ایک مندر پرتاب ایشور کی بھی بُنیاد ڈالی یہ راجہ شکل و شباہت اور ڈیل ڈول میں اپنا ثانی آپ ہی تھا۔ حسینان جہاں اس کے دیدار کے لئے نرگس وار چشم براہ تھیں آخر ۳۲ سال تک عدل و داد سے حکمرانی کرنے کے بعد اس کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔

میں بھوتیشور جیشٹھیش اور نندن تیرتھ کے یاتریوں کے واسطے سودر ناگ میں اشنان کرنا لازمی قرار دیا گیا ہے اور شلوک ۱۳۳۴ میں دریائے کنک واہنی کے سنگم کی یاترا کے ساتھ سودر چشمے کی یاترا بھی ضروری لکھی ہے۔ ننندی کیتر مہاتم سے معلوم ہوتا ہے کہ بھوتیشور کا مندر سودر ناگ پر واقع ہے۔ ان حوالوں سے واضح ہوتا ہے کہ جس چشمے کا موجودہ نام نارائن ناگ ہے اسی کا قدیم نام سودر ناگ تھا۔ جیسا کہ کتاب ہذا کے نوٹ ۲۸ میں بیان ہو چکا ہے۔ کہ یہ چشمہ بھوتیشور کے کھنڈر کے قریب ہے۔ یہاں کے برہمنوں کو اس کا پورانا نام بالکل یاد نہیں رہا لیکن متوفی پنڈت صاحب رام کو یہ بخوبی یاد تھا جیسا کہ اس نے گنگا کی یاترا پر اپنی کتاب بنام تیرتھ سنگرہ میں لکھا ہے اور اس کی تصدیق پنڈت کلہن نے

راجہ سنگرام چند

پرتاب شیل کے بعد اس کا بیٹا سنگرام چند تخت نشین ہوا - اُس نے بھی حکومت ملک عدل و احسان ہی سے شروع کی - تخت پر بیٹھتے ہی اس نے موضع سنگرام پور کی تعمیر شروع کردی لیکن عمر نے وفا نہ کی ابھی عنان حکومت سنبھالنے بھی نہ پایا تھا کہ ایک سال ۴ ماہ کے بعد ظالم موت نے اُسے آدبایا گدی اپنے چھوٹے بھائی الارک چند کے لئے چھوڑ کر رہ نورد عالم ثانی ہوگیا۔

راجہ الارک چند

اب الارک چند راجۂ کشمیر بنا - یہ راجہ عدل و داد اور بذل و عطا میں لاثانی تھا - نظم و نسق سلطنت میں ایسا ممتاز کہ عرصہ دراز تک اس کا زمانہ یادگار رہا - اس کی تعمیرات میں شہر لارک نگر خصوصیت سے قابل ذکر ہے پرگنہ لار میں کوہ ورگنگ کے دامن میں اس نے یہ وسیع اور عالیشان شہر

بھی کی ہے دیکھو ترنگ ۲ شلوک ۱۶۹ -

نندیش شوجی کا ایک نام ہے جس کی پوجا نند کول جھیل میں ہوتی ہے - لیکن یہ نام یعنی نندی کیتر اور نندیش کیتر ہرمکت پہاڑی کی جھیل سے لیکر بھوتیشور تک کے سارے پوتر علاقہ پر عائد ہوتا ہے دیکھو نوٹ ۱۲۲ کتاب ہذا -

۵۷ سری نگر والے جیشٹ رودر کے محل وقوع کے واسطے دیکھو نوٹ ۴۲ ضمیمہ کتاب ہذا -

۵۸ سری نگر میں جو جیشٹ رودر کا مندر راجہ جلوک نے بنوایا تھا اسکو پورا پوتر کہنے کے لئے سودر چشمے کی بھی ضرورت تھی یہ تیرتھ جسے کتھا میں نندی کیتر والے سودر چشمے

بنایا۔ دامن کوہ سے ایک نہر کاٹ کر شہر میں جاری کی اس شہر کی آبادی ایسی گنجان بتلائی جاتی ہے کہ اگر شرقی دیوار سے بُز غالہ چھت پر چڑھ جاتا تو بغیر کسی رکاوٹ کے اوپر ہی اوپر مغربی فصیل تک پہنچ جاتا تھا۔ اس راجہ نے ۳۱ سال تک فرمانروائی کا ڈنکا بجا کر نقارہ اجل بجایا۔

راجہ بیرم چند

الارک چند کا بیٹا بیرم چند تخت کشمیر پر جلوہ افروز ہو کر رعیت پروری اور دادگستری میں مصروف ہوا۔ اس کے عہد معدلت مہد میں آبادئی ملک درجہ کمال کو پہنچ گئی۔ ریاضت۔ سخاوت۔ غریب نوازی اور مسکین پروری میں یہ اپنے تمام ہم عصروں سے گوئے سبقت لے گیا۔ ہر روز علے الصباح سوتیرتھوں کی زیارت کرتا ہر ایک مقام پر نیا اشنان کر کے منادر کی پوجا کرنے سے اپنی عبادت کا وظیفہ سرانجام دیتا۔ یہ راجہ ایسا سخاوت پسند اور متوکل تھا کہ دن میں جس قدر آمدنی خزانہ شاہی میں داخل ہوتی سب

کا قائم مقام مانا گیا ہے سری نگر والے جیشٹ رودر کے محل وقوع کی بابت جس کا ذکر ضمیمہ کتاب ہذا کے نوٹ ۲ میں آیا ہے پڑھنے کے بعد ضروری ہے کہ سرینگر کے ہی رب دجوار میں تلاش کیا جائے۔ سٹائن صاحب لکھتے ہیں کہ انہیں اس بات کے ماننے میں کوئی اعتراض نہیں کہ سودر چشمہ بھی جھیل ڈل کے ایک حصہ کا نام ہے جس کو سودر کمن کہتے ہیں اور اس کے قریب ہی موضع سودربل ہے جس کا تعلق اس کتھا سے ہے سودر کمن ایک چھوٹا سا نالہ ہے جو کہ موضع سودربل اور آرم پور کے درمیانی زمین کو سیراب کرتا ہوا مغرب کی طرف سے ڈل میں آ ملتا ہے جھیل کا یہ حصہ نہایت ہی گہرا حصہ ہے۔

جون ۱۸۹۵ء میں جب سٹائن صاحب موضع سودربل میں گئے تو ان کو سودر کمن کے

کی سب شام کے وقت غربا اور مساکین میں تقسیم کر دیتا اور نان شبینہ تک اپنے لئے نہ چھوڑتا۔ ایک دن جب کہ یہ روزانہ خیرات تقسیم کر چکا تو ایک برہمن سائل نے اس سے سوال کیا۔ راجہ نے مجبور ہو کر اُسے جواب دیا کہ مہاراج آج معاف رکھو کل تم کو خوش کرونگا۔ سائل نے سر ہلایا اور عرض کی کہ اگر کل تک تو زندہ ہی نہ رہا تو مجھے کیا دے گا۔ اگر توفیق ہے تو لا ابھی دیدے یہ سُنکر راجہ سخت پریشان ہوا۔ سائل کا سوال رد نہ کر سکتا تھا اور اپنے پاس بھی کچھ نہ تھا ناچار اس نے اپنے تئیں برہمن کے حوالہ کر دیا اور کہا کہ میں مجبور ہوں اس وقت میرے پاس کچھ نہیں اب تم مجھی کو فروخت کر کے اپنی خواہش پوری کر لو۔ برہمن کیا چاہتا تھا راجہ کا ہاتھ پکڑ بازار کو لے چلا راستہ میں ایک سوداگر نے راجہ کو پہچان لیا۔ اور برہمن کو ایک ہزار اشرفی دیکر بیرم چند کو اس سے خرید لیا۔ رات بھر راجہ سوداگر کے ہاں رہا صبح جب اراکین دولت کو خبر ہوئی تو انہوں نے اس دن کی آمدنی نے ہزار اشرفی سوداگر کے پاس بھجوائی لیکن اس نے منظور نہ کیا اور راجہ سے کہا کہ تم جیسا

کنارے اور گاؤں کی مسجد کے قریب دو چھوٹے گڑھے دکھلائے گئے جو اس وقت جھیل کے پانی سے بھرے ہوئے تھے اور گاؤں کے بوڑھے آدمیوں کی زبانی یہ بھی معلوم ہوا کہ ان گڑھوں میں ہمیشہ جاری رہنے والے چشموں کا پانی موجود رہتا ہے علاوہ ازیں یہاں کے لوگوں کی زبانی یہ بھی پتہ ملا کہ صدیاں گذر چکی ہیں جبکہ برہمن لوگ ان چشموں کی یاترا کو آیا کرتے تھے۔ اس کے ثبوت میں ان کو ایک اجڑی ہوئی بستی کا موقعہ دکھلایا گیا اس کا نام بٹ پورتھا اور اس تیرتھ کے پروہتوں کی جائے رہائش تھی (لفظ بٹ سنسکرت کے لفظ بھٹ کا بگڑا ہوا ہے اور یہ برہمنوں کی ایک شاخ ہے) اب ان چشموں کے نزدیک کوئی پورا نشان نظر نہیں آتا۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ مہاراجہ رنبیر سنگھ نے سرینگر میں مقام رنبیر

راجہ میرے ہاتھ لگے اور اس طرح سستا چھوڑ دوں۔ اس بات پر راجہ نے اسے دس ہزار اشرفی دینی چاہی لیکن اس کو بھی سوداگر نے قبول نہ کیا اور بولا کہ اگر ایک لاکھ اشرفی بھی دوگے تو بھی میں نہ مانونگا۔ البتہ اگر تم اقرار کرو کہ تاحین حیات شام کا کھانا میرے ہاں کھایا کروگے تو میں اپنا حق تمہیں بخش دونگا۔ ورنہ روپیہ کی مجھے کوئی ضرورت نہیں۔ بیرم چند نے اس بات کو خوشی سے قبول کر لیا۔ اور اس کے بعد عرصہ تین سال تک جب تک کہ وہ زندہ رہا شام کا کھانا اسی سوداگر کے ہاں کھاتا تھا۔ واقعی ایسے فیاض اور خدادوست راجوں کا نام آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ آخر ۴۵ سال تک زر پاشی کر کے یہ نیک مرد دارالبقا کو روانہ ہوگیا۔

راجہ مبکھن

راجہ مبیکھن خلافت پدری پر مامور ہو کر عروس مملکت کی آغوش میں تمنائی دل پوری کرنے لگا۔ یہ راجہ بڑا سادہ لوح تھا خود تو کم عقل اور کاہل وجود ہی تھا

پر نیا مندر بنوانے کے واسطے یہاں سے پتھر کی پورانی منقش سلیں اور عمارتی مصالح اٹھوا لیا تھا۔ اس کے علاوہ سٹائن صاحب کو جسقدر کتابیں دستیاب ہوسکیں تھیں ان میں سے کسی میں بھی اس چشمے کا کچھ حال نہیں مل سکا نہ ہی سرینگر کے برہمنوں کی کسی کتھا میں اس کا کوئی حوالہ ملا ہے۔ البتہ رج ترنگنی کے حاشیہ پر کسی ٹیکا کار نے جو سودربل اور نگری بل کے نام لکھے ہیں صرف ان سے اس چشمے کا کچھ پتہ چلتا ہے۔ مگر یہ بھی اس کتاب کے کسی زمانہ حال کے پڑھنے والے کے لکھے ہوئے ہیں۔

۵۵ بھوتیشور سے لیکر سری نگر تک کا فاصلہ اندازاً ۳۲ میل کے قریب ہے اور آجکل کی اڑھائی منزلوں کے برابر ہے۔

اور مہام سلطنت کے انصرام مین پوری توجہ اور تدبیر سے کار بند نہ ہو سکتا تھا۔ لیکن خوش قسمتی سے اُس کی بیگم چکرا رانی عقل و دانش اور فہم و فراست پیش بینی اور معاملہ فہمی میں لاثانی تھی خاوند کی بجائے خود امورات ملکی و مالی کی ذمہ دار بن گئی۔ اور اس حسن تدبیر سے مہام مملکت سرانجام دیتی رہتی کہ مدبران ملک اس کی مردانہ قابلیتوں پر عش عش کرتے تھے۔ ملک کے حالات دریافت کرنے کے لئے اکثر راتوں کو مردانہ لباس بدل کر شہر میں گشت کرتی سترہ سال تک کمال دانشمندی سے عنان حکومت سمبھالے رہی یہاں تک کہ ایک دن کسی رشی کی دما[۱۴۱] سے نادم اور منفعل ہو کر راجہ خانہ نشین ہو گیا۔ اور اسی حالت میں زہر کھا کر جان بحق تسلیم ہوا چکرہ رانی بھی خاوند کے انتقال پر دنیا سے ایسی بیزار ہوگئی کہ راج پاٹ راجہ کے بھائی بھگونت کے حوالے کر کے خود فقیر بن گئی اور مدت العمر اسی رشی کے قدموں میں زندگی بسر کرتی رہی جس کی دعا راجہ بیکھن کی موت کا باعث ہوئی تھی۔

راجہ بھگونت

بھائی کی وفات پر چکرا دیوی کی اعانت سے راجہ بھگونت جلوہ افروز تخت

---

۱۴۱ چینی سیاح اوکنگ کے سفر نامے پر جو لوٹ سٹائن صاحب نے دیئے ہیں ان میں اس وہار کا نام "مونسٹری ڈو مونٹ کچی" لکھا ہے جس کے معنے کرتی کی دھرم سالہ کے ہیں۔ مذکورہ بالا سیاح نے جو ۷۵۹ء لغایت ۷۶۳ء تک کشمیر میں دورہ کرتا رہا تھا جو وہار ملاحظہ کئے تھے ان میں یہ بھی شامل تھا۔ اور اس کی تصدیق "ایل اینٹی نیری ڈی اوکنگ" کے ترجمے سے جو میسرز لوی اور چاونس نے جرنل ایشیاٹک مطبوعہ ۱۸۹۵ء کی جلد ۶ کے صفحہ ۳۵۴ پر کیا ہے ہوتی ہے۔ کرتی آشرم جس کے اصلی معنے کرتی کا گھر ہیں اس کا موجودہ نام کتس ہام ہے جو کہ دریائے وتستا کے بائیں کنارے پر وراہا مولا (بارہ مولا) سے ۵ میل

حکومت ہوا۔ انتظام ملک حسب دلخواہ سرانجام دیکر چودہ برس کی حکمرانی کے بعد لاولدہی دار آخرت کو چل دیا۔ راجہ ببکیھن کے ہاں بھی کوئی اولاد نہ تھی اور تخت بالکل لاوارث ہوگیا۔ آخر اسی سال میں خیر خواہان دولت اور ارباب دانش نے اسی خاندان کے ایک شخص اشوک نام کو حکومت کشمیر کے لئے منتخب کرکے گدی اس کے حوالہ کردی۔

راجہ اشوک

اس کے بعد شچی نر کا عم زاد بھائی اور شکونی کا پڑپوتا دھرم آتما اشوک[۱۰۲] دنیا کا حکمران ہوا[۱۰۳]۔ اس راجہ نے جو گناہوں سے پاک اور بدھ کا معتقد ہوچکا تھا شش کلیترا اور وتستاتر[۱۰۴] میں بے شمار ستوپا (بدھ مندر) تعمیر کرائے اور موضع وتستاتر میں دھرم آرنیہ وہار کے قریب اُس کا بنوایا ہوا ایک چیتہ موجود تھا جس کی بلندی کو آنکھ نہ دیکھ سکتی تھی۔ اس مشہور و معروف راجہ نے سری نگری[۱۰۵] کا شہر بنوایا جو ۹۶ لاکھ دولت سے معمور مکانات کی وجہ سے بے حد

نیچے کی طرف ہے پر جا بھٹ اور شک کی کتاب کے شلوک ۲۴۰ میں لکھا ہے کرتی آشرم ایک قصبہ ہے جو کہ بارہ مولا کے قریب ہے اس گاؤں کا نام کچ آشرم بھی لکھا ہے" موجودہ نام کنس ہام سنسکرت نام کچ آشرم کا بگڑا ہوا ہے۔

مئی ۱۸۹۶ء میں جب سٹائن صاحب اس موقعہ پر گئے تو وہ لکھتے ہیں۔ "میں نے اس گاؤں میں دو مسجدوں کے پاس قدیم زمانہ کے تراشیدہ پتھروں کی چند سلیں پڑی ہوئی دیکھیں اور ان مسجدوں کے کسی قدر شمال کی طرف ایک چار دیواری کا احاطہ تھا جس کا رقبہ ۱۱۵ گز مربع تھا اس احاطہ کے وسط میں ایک اونچی سی جگہ بنی ہوئی ہے جس کا نام گدی یا تخت مشہور ہے اس کے جنوب مشرق کے کونے میں ایک چھوٹا سا ٹیلہ ہے جو کہ ۱۵ فٹ اونچا

اہمیت رکھتا تھا۔ اس گناہ سے پاک اور باہمت راجہ نے وجیشور[۴۶] کے مندر کا پورانا استرکاری شدہ احاطہ گرا کر اس کی بجائے سنگین دیوار بنوادی اور اس احاطے کے اندر وجیش کے مندر کے پاس دو مندر بنوا کر ان کا نام اشوک ایشور[۴۷] رکھا۔ چونکہ ملک کو ملیچھ تاخت وتاراج کر رہے تھے اس لئے اس عابد راجہ نے شو بھوتیش سے جسے اس نے اپنی ریاضتوں کے ذریعے خوش کیا تھا ملیچھوں[۴۹] کی بیخ کنی کے لئے ایک بیٹا حاصل کیا۔

راجہ جلوک

جب اشوک کا بیٹا جلوک جو ارضی علاقوں کا اندر تھا تخت نشین ہوا تو اس نے اپنی شہرت کی سفید استرکاری کے ذریعے سارے عالم کو بے داغ بنا دیا۔ جب اس کی فوق الفطرت طاقت کی کہانیاں دیوتاؤں کے کانوں تک پہنچتی تھیں تو وہ حیران اور متعجب ہو کر رہ جاتے تھے۔ چونکہ اُسے ایک ایسا پارس مل چکا تھا جو کروڑوں ادنٰے درجہ کی دھاتوں کو قیمتی دھاتوں کی صورت میں تبدیل کر سکتا تھا اس لئے اگر وہ چاہتا تو اس دنیاوی انڈے (خلائے زمین وآسمان)

ہے اور یہ جگہ غالباً مندر کا کھنڈر معلوم ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں پورانی عمارت کا کوئی نمایاں بقایا جو یہاں دکھائی نہیں دیا اس کی وجہ یہ ہے کہ پٹھانوں کے زمانہ میں اس مندر کے مشرق کی طرف پتھر کی ایک دیوار بنائی گئی تھی جو چوتھائی میل لمبی تھی چنانچہ بیرن ہیوگل صاحب نے جو ۱۸۹۵ء میں کشمیر کی سیاحت کو آیا تھا اور دریا کے دوسرے کنارے کے ساتھ ساتھ سفر کر رہا تھا لکھا ہے کہ اس دیوار کے بنانے کے واسطے تمام پتھر اس مندر کے کھنڈرات سے لئے گئے تھے علاوہ ازیں دس سال کا عرصہ ہوا جبکہ ایک نئی سڑک اس جگہ بنائی گئی تھی تو اس کی تعمیر کے واسطے بھی تمام مصالح اس جگہ سے لیا گیا تھا۔ کلہن اور اوکنگ کی مشترکہ شہادت

کے خالی حصے کو سونے سے بھر سکتا تھا۔ اُسے پانی پر بھی یہاں تک اقتدار حاصل تھا کہ وہ ناگوں کی جھیلوں میں داخل ہو کر ناگنیوں کے ساتھ رنگ رلیاں مناتا اور لطف شباب حاصل کیا کرتا تھا۔ اس کا مذہبی اتالیق اودھوت رشی تھا جس نے بدھوں کے ساتھ جو اُس زمانے میں پرزور اور کامیاب تھے مباحثہ کر کے انہیں شکست دی تھی۔ اس صادق القول راجہ نے اسبات کا عہد کر رکھا تھا کہ میں ہمیشہ (رشو) وجیشور اور جیشٹیش [۶۰] کی جو سندی کھیتر میں رہتا ہے پوجا کیا کرونگا ایک ناگ اسپر یہاں تک مہربان ہوا کہ وہ اُسے ڈاک کے گھوڑوں پر جو ہر ایک گاؤں میں کھڑے تیار رہا کرتے تھے سوار نہ ہونے دیتا تھا بلکہ اُسے خود اُٹھا کر لے جایا [۶۱] کرتا تھا۔ اس دلیر راجہ نے ملیچھوں کو جو ملک پر جبر کرتے تھے باہر نکال دیا اور فاتحانہ مہمات کے ذریعے زمین کو اس مقام تک جہاں اُسکے گرد سمندر موجود ہیں فتح کر لیا۔ جس مقام پر اس نے ملیچھوں کو جو زمین پر قابض تھے شکست فاش دی (اوجھاتناس) اس کا نام لوگوں نے آجتک اوجھات دمب [۶۲] رکھا ہوا ہے۔ کنیا کبج اور دوسرے ممالک سمیت اس ملک کو

پر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ کرتی آشرم دہار جو جلوک نے بنوایا تھا اس جگہ پر تھا اور اس وقت قصبہ کنس ہ م میں جو چند نشان باقی ہیں اسی کے ہیں۔ کرتی آشرم کے دہار کی بابت دیکھو کتاب "سم یم" ادھیائے ۲ شلوک ۶۱۔

۶۱ یہ مندر جو راجہ جلوک نے بنوایا تھا بوت شیر کے مشرقی مندروں کے کھنڈرات کے جھنڈ میں بڑا کھنڈر اسی مندر کا ہے اور ان کھنڈرات کا ذکر کتاب ہذا کے نوٹ ۴۸ میں آچکا ہے۔ قیمتی پتھروں اور جواہرات کے پھول بنا کر بطور نذرانہ پیش کرنے کا حال مختلف نیسوا پدیتھوں میں جو آجکل کشمیر میں رائج ہیں بیان کیا گیا ہے۔

۶۲ کنک واہنی وہی ندی ہے جو بھوتیشور کے پاس بہتی ہے اور جس کا موجودہ نام

فتح کرکے اس نے وہاں سے چاروں ذاتوں کے لوگوں بالخصوص ایسے صدق شعار آدمیوں کو جو قانونی واقفیت رکھتے تھے لاکر آباد کیا۔ اُس وقت تک اس سرزمین میں جس نے قانونی انتظامات میں پوری ترقی حاصل نہ کی تھی دولت اور اکثر ممالک کی طرح کی حکومت موجود تھی صرف سات بڑے بڑے سرکاری عہدہ دار ہوا کرتے تھے یعنی منصف۔ افسر مال۔ افسر خزانہ۔ سپہ سالار سفیر۔ پروہت اور جوتشی۔ اب اس راجہ نے قدیم رواج کے مطابق (جو اس وقت تک کشمیر میں موجود نہ تھا) اٹھارہ دفاتر قائم کرکے انتظامی صورت اس قسم کی پیدا کردی جیسی کہ راجہ یدھشٹر (والئے ہستناپور) کے زمانہ میں موجود تھی۔ اُس دولت کے ذریعے جو اس راجہ نے دلیری اور طاقت کی بدولت حاصل کی تھی اس نے واربال[۵۳] اور دوسرے مقامات پر اگرہار قائم کئے اسکی شریف رانی ایشان دیوی نے ماترچکر[۵۴] (ماتاؤں کے مقدس حلقے) قائم کئے جو اپنی روحانی طاقت کے باعث کشمیر کے دروں[۵۵] اور دوسرے مقامات پر مشہور ہوئے۔ راجہ نے ایک موقعہ پر ویاس کے کسی چیلے کو نندی پوران پڑھنے

کنک نائی یا کنک ناز ہے دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۳۳۵۶۔ اس میں اس وادی کا پانی آتا ہے جو ہرمکھ کے جنوب مشرق میں ہے۔ اور اُس آبشار کے نیچے جو کرشن گنگا کی طرف بہتا ہے واقع ہے۔ نیل مت پوران کے شلوک ۱۳۳۴ میں کنک واہنی دریا کا دریائے سندھ میں گرنا لکھا ہے۔ ایک اور جگہ لکھا ہے کہ دریائے کنک واہنی سود تیرتھ کے جنوب کی طرف بہتا ہے اور جو ندی متبرک نندل کول اور گنگا کی جھیل کے جو ہرمکت کے علاقہ میں ہے نکلتی ہے اس میں آملتی ہے۔ اور اسی واسطے نندی کیتر مہاتم میں لکھا ہے کہ اس کا پہلا نام کالودک تھا اور پھر کنک واہنی ہوگیا نیل مت پوران کے ادھیائے ۱۰ شلوک ۱۳۳۱ میں جو چیر موچانا تیرتھ کی بابت ذکر ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ کنک واہنی سے یہ مقام قریب ہے۔

سن لیا جس کے باعث وہ سودر[56] اور مقدس چشموں پر جو تندیش کے برابر متبرک خیال کئے جاتے ہیں جانے لگ گیا۔

روایت متعلقہ سودر چشمہ } جب وہ سرینگر میں بھیشٹ[57] رودر کا مندر بنانے میں مصروف تھا اس نے محسوس کیا کہ سودر چشمے[58] کے بغیر یہ نندیش کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ایکدفعہ کاروبار کی مصروفیت کے باعث وہ اپنے روزانہ معمول کو بھول گیا اور اس طرح پر سودرہ کے بعید چشمے کے پانی میں غسل نہ کر سکنے کے باعث افسردہ خاطر ہو رہا تھا اس نے۔ دیکھا کہ ایک خشک جگہ سے یکایک ایک چشمہ پیدا ہو رہا ہے جو رنگ۔ ذائقے اور دوسری خاصیتوں میں سودر سے مشابہ ہے۔ اس نئے تیار شدہ تیرتھ میں نہا چکنے کے بعد اس سنجیدہ خیال راجہ کو اس بات کا اطمینان ہو گیا کہ نندی رودر یعنی نندیش کا مقابلہ کرنے کے متعلق میری خواہش پوری ہو گئی ہے۔

ایک موقعہ پر ان دونوں چشموں کی یکسانیت کا اندازہ کرنے کے لئے اس نے سودرہ کے سابق چشمے میں ایک خالی طلائی پیالے کے منہ پر ڈھکنا

یہ نام (چیر موچانا) لفظ چرانی سے لیا گیا ہے جس کے معنے اُس چھال کے لباس کے ہیں جو سات رشی بیکنٹھ کو جاتے ہوئے یہاں چھوڑ گئے تھے۔ تندی کیشتر مہاتم کے ادھیائے ۱۰ شلوک ۱۳۲ میں بھی یہی کتھا درج ہے اور کنک واہنی اور چیر موچانا کا نزدیکی تعلق ظاہر کرتی ہے۔ ہرمکت یاترا کے پروہتوں کو یہ نام بالکل معلوم نہیں لیکن اس تیرتھ کا جائے وقوع غالباً ابھی تک معلوم ہو سکتا ہے۔ ہرمکت گنگا مہاتم کے متعلقہ قلمی نسخوں میں کنک واہنی کا نام کرنک ندی یا کرن کیکا لکھا ہے اور وہ جگہ جہاں کرنک ندی وتسٹا میں گرتی ہے۔ ماہ کے نام سے کرنک تیرتھ کہلاتی ہے اور کرن کا گاؤں کے قریب ہے۔ ہرمکت جھیل کو جانے سے پہلے اس جگہ کی یاترا لکھی ہے۔ یہاں کے رہنے والے پروہتوں سے دریافت کرنے

لگا کر ڈال دیا اور جب اڑھائی دن کے بعد یہ پیالہ سری نگوی کے چشمے میں نظر[۵۹]
آگیا تو اس سے راجہ کے تمام شکوک دور ہو گئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ راجہ
خود شیوشی تھا جو ایک اوتار کی صورت میں دنیا کے لطف حاصل کرنے کے لئے
یہاں آیا تھا ورنہ اس قسم کا معجزہ کبھی انسان کی نظروں سے روبرو نہیں
ہو سکتا۔

جادوگرنی کی کہانی ایک موقعہ پر جبکہ یہ راجہ وجیشور کو جا رہا تھا اسے سڑک پر ایک عورت ملی جس نے اس سے کھانا
مانگا۔ جب وہ اس کے ساتھ اسبات کا وعدہ کر چکا کہ جس قسم کا کھانا تجھے
درکار ہوگا میں دونگا تو اُس نے اپنی صورت بدل لی اور انسان کا گوشت
مانگنے لگی۔ راجہ ہرچند کہ جیو ہتیا کو تیاگ چکا تھا تاہم اُس نے اجازت
دیدی کہ میرے جسم سے جس قدر گوشت کی ضرورت ہو لے لو۔ اسپر وہ کہنے
لگی۔ "اے راجہ تم جو اپنے عہد کی اس طرح کامل نیکی (ستیو) سے پالنا کرتے
اور جاندار مخلوق کے لئے اس قدر رحم کا اظہار کرتے ہیں ضرور کوئی بدھستو

معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا تیرتھ موضع پرانگ کے نیچے دریائے سندھ کے دائیں کنارے پر واقع
ہے اور اُس بستی کے نزدیک ہے جس کا نام نقشے پر سری درج ہے۔ موضع پرانگ کے چند
گھروں کے نیچے کی طرف سے ایک چھوٹی سی ندی جو باروں کے نزدیک کنک واہنی سے
نکلتی ہے۔ سندھ میں باگرتی ہے دیکھو نوٹ ۵۳ کتاب ہذا۔ اور یہی سنگم ہے جہاں پر
کرنک تیرتھ کا اشنان کیا جاتا ہے اور غالباً زمانہ قدیم کا چیرموچانا تیرتھ یہی جگہ ہو سکتی
ہے۔

ہرکت مہاتم کے موجودہ زمانہ کے نسخوں سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آجکل کئی
ایک تیرتھوں کے کھنڈرات کے نام تبدیل ہو چکے ہیں مثلاً پورانے زمانہ کے بھوتیشور کا نام

(بودھ گورو) ہو۔"

راجہ نے جو شو کا پوجاری ہونے کے باعث بودھوں کے طریق عمل سے ناواقف تھا پوچھا۔

"اے سندری! وہ بدہستو کون ہے جس کا تمہیں مجھ پر دھوکا ہوا ہے"۔

اسپر وہ بولی۔ میری عرضداشت سُنئے! مجھے بودھوں نے بھیجا ہے جنہیں آپ غصے میں آکر ضرر پہنچا چکے ہیں۔ ہم جادوگرنیاں (کرتیہ کا) کوہ لوکا لوک کے قریب جو روشنی اور تاریکی کو جدا کرتا ہے رہتی ہیں۔ تاریکی (گناہ) سے تعلق رکھتی ہیں اور بدہستوؤں پر پورا بھروسہ رکھ کر اس تاریکی سے نجات حاصل کرنے کی خواہشمند ہیں۔ یاد رکھئے کہ بدہستو خاص خاص لوگ ہیں جو ہر دو جہان کے مالک بدھ کی آمد کے وقت سے اپنے آپ کو اس دنیا کی پانچوں مصیبتوں (اودیا۔ استمنا۔ راگ۔ دویش۔ ابھنی ویش) سے آزاد کر چکے ہیں چونکہ وہ تمام جانداروں کی امداد پر تلے ہوئے ہیں اس لئے گنہگاروں پر بھی انہیں غصہ نہیں آتا بلکہ صبر کے ساتھ انپر مہربانی کرتے ہیں اور اسباب کے

بدھ ایشور ہے اور امبھورو بھون کا نام امریشور جس کو آجکل امبر بیر بھی کہتے ہیں۔ جس طرح کنک واہنی کا نام کرنک ندی جس کو کنک نائی بھی کہتے ہیں مشہور ہو گیا تھا اسی طرح قدیمی چیر موچانا کا نام بدل کر کرنک ہو گیا۔ نیل مت سندی کھیترا اور راج ترنگنی سے اس بات کی مضبوط شہادت ملتی ہے کہ چیر موچانا تیرتھ کا تعلق کنک واہنی دریا سے ہے اور یہ کتابیں کرنک تیرتھ کی بابت کچھ بیان نہیں کرتیں۔ حالانکہ ہرکت مہاتم میں جہاں چیر موچانا کا ذکر نہیں ہے اس کی بجائے کرنک تیرتھ اور کنک نائی کے نام پائے جاتے ہیں۔

ترنگ اول کے شلوک ۱۵۰ کی دوسری سطر کے دو معنے نکلتے ہیں اول یہ کہ خود راجہ نے کنک واہنی دریا میں جس میں کہ نندکول جھیل یا نندیش کا پانی گرتا ہے اشنان کرنے پر

خواہشمند ہے کہ اپنی بودھی (روشنی) کی ہر جگہ اشاعت کریں ۔ کچھ عرصہ گزرا جب ایک وہار میں گھنٹوں کے بجنے کی آواز سے آپ کو نیند نہ آئی تو اس وقت بعض شریر مصاحبوں کے ایماء پر آپ نے غصے میں آکر حکم دیدیا تھا کہ وہار کو مسمار کر دیا جائے اس پر بودھوں نے جوش میں آکر مجھے یاد کیا اور تمہیں مارنے کے لئے بھیجا لیکن اس کے بعد بودھستوں نے مجھے بلاکر یہ ہدایت کی ۔ راجہ ساکی اعظم (مہاساکی) ہے تم اُسے ضرر نہیں پہنچا سکتی البتہ اس کے سامنے جاکر تمہیں اپنے گناہ سے نجات حاصل ہو جائیگی ۔ اُس وقت ہماری طرف سے التجا کرنا کہ شریر لوگوں نے آپ کو بہکا دیا ہے اب آپ اپنی جمع شدہ دولت نکال کر ایک وہار تعمیر کرائیں اگر وہ ایسا کر دیگا تو سابقہ وہار کے گرانے کے عوض اس پر کوئی مصیبت نازل نہ ہوگی کیونکہ ایسا کرنے سے اس کی اور اُس کے مشیروں کے گناہ کی تلافی ہو جائے گی ۔ اس لئے مینے اس سابقہ بھیس میں آپ کی نیکی کا امتحان لیا ہے ۔ آج میں گناہ سے آزاد ہو گئی ہوں ۔ الوداع ! میں رخصت ہوتی ہوں ۔"

اُس دور دراز تیرتھ کی پوجا کرنے کے خیال کو دل سے نکال ڈالا ۔ دوسرے یہ کہ راجہ کی فوق الفطرت طاقت کی وجہ سے خود دریائے گنگ واہنی کو نندیش کو چھوڑ کر راجہ کو اشنان کرانے کی زبردست خواہش پیدا ہو گئی ۔ موخر الذکر کی تائید میں کلہن نے ترنگ اول کے شلوک ۱۳۰ میں اشارہ کیا ہے کہ راجہ شو نندیش کا اُوتار تھا ۔

۶۳ سری نگر کے جنوب کی طرف ایک سطح مرتفع ہے جو بالکل خشک جگہ ہے آجکل بھی اس کی بابت مشہور ہے کہ یہ راجہ دامودر ثانی کا بنوایا ہوا گیتو ہے اور اس کے سبب سے راجہ کا نام آجتک قائم ہے یہ جگہ جس کا نام کلہن نے دامودر سدھا لکھا ہے اور آجکل دامودر ودر کہلاتی ہے ویسی ہی ہے جیسی کہ اس وادی میں اور بھی ایسی جگہ ہیں اور جن کا نام کلہن

راجہ سے وہار بنوانے کا وعدہ لے کر وہ فوق الفطرت جادوگرنی (کریتہ) جسکی آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں نظروں سے غائب ہوگئی۔ اس کے بعد راجہ نے کریتہ آشرم وہار کو تعمیر کرایا اور اس میں اس فوق الفطرت جادوگرنی کی پوجا کرتا رہا جو تاریکی (گناہوں) سے آزادی حاصل کرچکی تھی۔

اس راجہ نے نندی کھیتر میں شوبھوتیش کا سنگین مندر تعمیر کروایا اور دوسرے مال وخزانہ کے علاوہ بہت سے قیمتی جواہرات اسپر چڑھائے۔ یہ راجہ بسا اوقات راتوں کو چیر موچن تیرتھ پر ریاضت کیا کرتا تھا اور اس وقت مراقبے کی جو صورت اختیار کرتا تھا اس میں اس کا جسم بالکل بےحس وحرکت ہو جاتا تھا اس طرح پر رفتہ رفتہ دریا کے گنگ واہنی کی موجودگی کے باعث نندیش کے پاس جانے کی اپنی عادت کو ترک کردیا۔ اس نے اپنے رنواس کی سو عورتیں جو وقت مقررہ پر اس دیوتا کے سامنے نرت اور کیرتن کرنے کے لئے آئی تھیں خوش ہوکر جیشٹ رودر پر چڑھاویں۔ پورا اقتدار حاصل کرنیکے بعد یہ راجہ اپنی زندگی کے اختتامی ایام میں چیر موچن چلاگیا جہاں اس نے

کی اصطلاح میں اودر لکھا گیا ہے۔ فارسی کتابوں میں ان اودروں کا نام کریو لکھا ہے۔ دیکھو وگنی صاحب کا سفرنامہ جلد ۲ صفحہ ۳۹ اور ڈریو صاحب کی تاریخ جموں صفحہ ۱۶۷۔ یہ سطح مرتفع پرگنہ بیچ میں واقعہ ہے اور وجبور کے بڑے گاؤں سے لیکر جو کہ سرینگر کے عین جنوب میں سات میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ شمال مغرب کی طرف چلا گیا ہے۔ اس کی لمبائی چھ میل اور چوڑائی دو میل سے لیکر تین میل تک ہے چونکہ اس سطح مرتفع کی زمین بالکل خشک ہے اس لئے اس پر کہیں کہیں صرف تکی (جوہر) کی ہلکی سی پیداوار ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ جگہ بالکل خشک اور ویران ہے۔ اور گیدڑوں کی جائے رہائش ہے جیسا کہ راجہ کھیم گپت دامودر یہ رائن پر گیدڑ کا شکار کیا کرتا تھا اور اس کا ذکر ترنگ ۶ کے شلوک ۱۸۳ میں آیا ہے۔ اور ترنگ ۸ کے

مع اپنی رانی کے پاربتی کے شوہر (شو) کی رفاقت حاصل کی (شلوک کو چلا گیا)

راجہ دامودر ثانی

اس کے بعد دامودر ثانی جو اشوک کی نسل یا کسی اور خاندان سے تھا حکمران ہوا۔ اس راجہ کی طاقت کے متعلق جو شوجی کے پورجاریوں کی کلغی کا ایک ایسا جواہر تھا جو خوش قسمتی کی بدولت روشن ہو چکا ہو آجتک کسی عجوبۂ روزگار کی طرح بہت سی کہانیاں سنی جاتی ہیں۔ خود ویشروان (کوبیر) اس خوش قسمت حکمران کا دوست تھا۔ جس پر شوجی کی مہربانی تھی اور جو بالکل نیکی کی ہی زندگی کے لئے وقف ہو چکا تھا۔ گویک لوگ اس راجا کے سر تاج کا حکم کوبیر کی طرح مانتے تھے۔ اور انہیں حکم دیکر اس نے گدسیتو نامی[۲۳] لمبا بند تیار کروایا اس کی خواہش تھی کہ اس بند (سیتو) کے ذریعے اس شہر میں جسے اس نے خود دامودر سو وپر بنوایا تھا پانی لایا جائے۔

شلوک ۱۵۶ میں کلہن نے اس جگہ کا نام صرف دامودرہی تحریر کیا ہے۔ اس بند کے جنوب میں ایک چھوٹا سا گاؤں واقعہ ہے جس کا نام کلہن نے گدستیو اور ایک ٹیکا کار نے گداستھو لکھا ہے اور آجکل اس کا نام گدستھ مشہور ہے۔ اس گاؤں کے پاس اس بند کی بلندی معمول سے سوفٹ زیادہ ہے اور اس گاؤں کی زمین کو دریائے بیچار کے پانی سے سیرابی حاصل ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ اس پہاڑی سے جس کی شکل دیوار کے ساتھ ملتی ہے لوگوں کو خیال پیدا ہو گیا ہو کہ راجہ دامودر نے جو بند اس بلند جگہ پر پانی چڑھانے کے واسطے بنوایا تھا یہی ہے۔ جب سٹائن صاحب اکتوبر ۱۸۹۱ء میں اس جگہ گئے تو انکو اس بند کے مصنوعی ہونے کی بابت کوئی ثبوت نہیں ملا۔ یہ بھی یاد رہے کہ گدستھ کا نام جسے کلہن نے گدسیتو لکھ کر سنسکرت لفظ بنا دیا ہے اس کے پہلے حصے یعنی گد کے معنے کشمیری زبان میں بھی بند کے ہیں اور اس

روایت متعلقہ دامودر سود } جب کوئی اعلیٰ خیال کا آدمی کوئی غیر معمولی فائدے کا کام کرنے لگتا ہے تو لوگوں کی سابقہ جنم کی روحانی خوبیوں کی کمی کے باعث اُس کام میں روکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ راجہ نے کوشش کی کہ اپنے ملک میں یکشوں سے پتھر کے پشتے بنوا دے تاکہ پانی کی طغیانی سے حفاظت رہ سکے۔ ان عظیم الشان برہمنوں کی ریاضتوں کی طاقت ہمارے فہم وقیاس سے بھی بالا ہے جو ایسے بڑے بڑے حکمرانوں کی قسمت کو بھی پلٹا دے سکتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ شاہی طاقت مخالف ورثا یا دوسرے لوگوں کے ذریعے زائل ہو کر دوبارہ بحال ہو جائے لیکن جب کسی برہمن کی بے ادبی کرنے کے باعث ایک بار کوئی سلطنت ہاتھ سے نکل جائے تو وہ پھر واپس نہیں آتی۔

ایک بار بھوکے برہمنوں نے راجہ سے اس وقت جبکہ وہ شرادھ کے لئے غسل کرنے اٹھا تھا درخواست کی کہ ہمیں نہانے سے پہلے کھانا دیا جائے مگر مگر جب اس نے دریائے وتشٹا کے پانی میں داخل ہونے کے شوق سے اس

بنا پر یہ نام عام طور پر مشہور ہو گیا ہے۔ یہ روایت بھی کشمیر میں عام طور پر آج تک مشہور ہے کہ راجہ دامودر جو برہمنوں کے سراپ سے سانپ بن گیا تھا آج تک دامودر اودر کے علاقہ میں پھرتا ہے۔ اس کی بابت وگنی صاحب نے بھی اپنے سفرنامہ کی جلد اول کے صفحہ ۱۷۱ پر تحریر کیا ہے۔ برخلاف اس کے دامودر کے بند بنوانے کی بابت صرف انہیں لوگوں کو معلوم ہے جنہوں نے راج ترنگنی یا اس کے خلاصوں کا مطالعہ کیا ہے۔ اس علاقہ کے ناخواندہ برہمنوں اور مسلمانوں سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے ایک ویران جگہ کا جو کہ اودر کے اوپر اور گرستھ سے ایک میل شمال کی طرف واقع ہے پتہ دیا اور کہا کہ اس جگہ پر راجہ دامودر کے محل تھے۔ اس کے علاوہ ایک چشمہ بھی جس کا نام دامودر ناگ ہے

درخواست کو رد کردیا تو وہ اپنی روحانی طاقت کے ذریعے دریا کو اُس کے سامنے لے آئے۔ اور کہنے لگے۔ "یہ دریائے وتستا موجود ہے اسے اپنی آنکھوں کے سامنے رکھتے ہوئے ہمیں کھانا دیدو" لیکن اس پر بھی راجہ نے خیال کیا کہ یہ دریا جو انہوں نے میرے سامنے پیش کیا ہے محض کوئی سحر ہے اور جواب دیا میں اس وقت تک تمہیں کھانا نہ دونگا جب تک کہ نہا نہ لوں۔ براہمنو! ابھی یہاں سے چلے جاؤ (سر پت) جب وہ ان الفاظ کو اپنی زبان سے ادا کر چکا تو انہوں نے اُسے سراپ دیا کہ سانپ (سرپ) بن جا لیکن جب راجہ نے رحم کے لئے التجا کی تو وہ بولے۔

"جب تو ساری راماین[۶۴] ایک دن میں سنے گا اس وقت ہمارے سراپ کا اثر دور ہو گا" آجتک لوگ اُس کے سانس کے ذریعے جو سراپ کے باعث گرم ہو چکا ہے اُس وقت اُسے شناخت کرتے ہیں جبکہ وہ پانی کی تلاش میں دامودر سود پر ادھر اُدھر دوڑتا پھرتا ہے۔

ادھر جو لال گام کی بستی کے پاس ہے سٹائن صاحب کو دکھلایا گیا تھا کہ اس چشمہ پر راجہ دامودر اشنان کیا کرتا تھا۔ گویک لوگ ادنیٰ درجہ کے دیوتا ہیں جو یکش قوم کی طرح کوبیر کے ماتحت ہیں۔

۶۴ اس بارہ میں جو روایت آجکل بھی کشمیر میں مشہور ہے اس سے پایا جاتا ہے کہ راجہ کا اس سراپ سے چھٹکارا ناممکن ہے کیونکہ جب تک کوئی رحم دل برہمن شوراتری کی رات کو دامودر اودر کی برف سے ڈھپی ہوئی زمین پر بیٹھ کر ایک ہی رات میں اس کو مکمل راماین نہ سنائے تب تک وہ سانپ کی شکل سے اپنی اصلی حالت میں نہیں آسکتا۔ اور ایسا ہونا ناممکن ہے۔

۶۵ پنڈت رتناگر کا قول ہے کہ راجہ نراندر کے تخت نشین ہونے کے چند

راجہ نراندر

اس واقعہ کے بعد راجہ نراندر نے عنان حکومت ہاتھ میں لی اس کے جلوس کے چند روز بعد سلیمان[65] وارد کشمیر ہوئے اور ان کا ہوائی تخت کوہ جیت لارک یا شنکراچارج کی چوٹی پر ٹھہرا۔ یہ کیفیت دیکھ کر عوام و خواص وہاں جمع ہوئے۔ کوئی اسے دیوتا کہتا کوئی فرشتہ بناتا۔ راجہ نراندر بھی سلیمان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سلیمان کی شفقت اور قدر افزائی سے مسرور ہو کر راجہ نے راج پاٹ کو بھی خیر باد کہی اور کشمیر چھوڑ کر سلیمان کے ہمراہ ملنے پر آمادہ ہو گیا۔ قریب ایک ہزار برس پہلے جو سندمت نگر غرق آب ہو کر تباہ ہو چکا تھا اور بارہ مولہ کے پاس بارہ کوہ گر کر مخرج آب کے سد راہ ہو کر نصف حصہ کشمیر کو زیر آب دبائے بیٹھا تھا اس کے باعث آبادی ملک اور پیداوار غلہ میں سخت نقصان پہنچ رہا تھا۔ سلیمان کی عظمت و شان دیکھکر رعایائے کشمیر نے ان کی خدمت میں اس کے انسداد کے لئے درخواست

---

۶۵ سندیمان نام ایک شخص جو مغربی ممالک کے رکھشیروں میں سے تھا کشمیر پہنچ کر کوہ لارجیت پر مقیم ہوا وہ لکھتا ہے کہ سندیمان کا لوان (تخت) آسمان پر چلتا تھا۔ تمام جن۔ دیو۔ چرند و پرند اُس کے مطیع تھے ان حالات کی مطابقت سے ہی شائد منشی محمد الدین صاحب نے اپنی تاریخ میں اس کا نام سلیمان درج کیا ہے مگر ہم اس بارہ میں زیادہ چھان بین نہیں کر سکے۔

۶۶ شولاکر کے شلوک جس کا حوالہ ترنگ اول کے شلوک ۲۰ میں دیا گیا ہے اور کلہن کے اپنے بیان مذکورہ ترنگ ۵ شلوک ۱۲ ۴۳ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تین ترشک (ترکش) راجاؤں نے ایک ہی زمانہ میں حکومت کی۔ اس صورت میں جس ترتیب سے

کی جس پر سلیمان نے اپنے ہمراہیوں کو حکم دیا کہ دریائے بہت (وتستا) کو گہرا کر کے سدِ آب کو کاٹ ڈالیں تاکہ آبادی کی صورت نکل آئے وہاں کیا دیر تھی حکم پاتے ہی قوم اجنہ نے کھاوہ بار کے پاس دریا گہرا کر کے صاف کردیا جس سے سوائے اس مقام کے جہاں جھیل ولر لہریں مار رہی ہے تمام علاقہ کامراج کی زمین خشک ہوگئی۔ زراعت اور آبادی کا موقع نکل آیا۔ قریب ایک ہفتے کے قیام کے بعد جب سلیمان مراجعت پذیر ہونے لگے تو راجہ نراندر بھی ہمرکاب چلنے پر آمادہ ہوگیا۔ اس لئے سلیمان نے اپنے ہمراہیوں میں سے تین ترکی شاہزادوں کو حکومت ملک تفویض کر کے راجہ نراندر کی استدعا منظور کرلی اور حکومت کشمیر خاندان گودھر کے ہاتھ سے نکل کر ہشک۔ جشک اور کنشک کے ہاتھ لگی۔ اس وقت سے لیکر کشمیر باغ سلیمان اور کوہ جیٹھا رک کوہ سلیمان کہلانے لگا۔

ہشک۔ جشک۔ کنشک

اس کے بعد اس سرزمین پر تین راجہ ہشک[سنہ ۲۶]۔ جشک اور کنشک حکمران

اُن کے نام درج کئے گئے ہیں اس سے مراد اُن کے سلسلہ جانشینی کی ترتیب نہیں ہوسکتی راج ترنگنی میں جس کنشک کا ذکر آتا ہے اُس کے متعلق سنہ ۱۸۳۲ء میں پرنسپ صاحب نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ یہ وہ راجہ ہے جس کا نام سکوں پر کنہکی درج ہے اور یہ وہی کنشک تھا جو بدھوں کے زمانہ میں مشہور ہوگذرا ہے۔ راج ترنگنی میں جس ہشک کا ذکر آتا ہے اُس کے متعلق بھی عرصہ سے یہ خیال چلا آتا ہے کہ یہ کنشک کا جانشین ہوشک تھا جس کا نام کتبوں میں دیکھا جاتا ہے اور جس کا نام سکوں پر اوہکی درج ہے لیکن تھوڑی مدت گذری اس وقت بوہلر صاحب نے متھرا کے ایک کتبے میں یہ بات معلوم کی تھی کہ

ہوئے اور انہوں نے ہشک پور[۶۷]۔ جشک پور[۶۸] اور کنشک پور[۶۹] تین شہر آباد کئے۔ دانا راجہ جشک جس نے جشک پور اور اس کا وہار تعمیر کرایا تھا جے سوامی پور[۷۰] کا بھی بانی تھا۔ یہ عابد راجہ ہرچند کہ ترشک نسل[۷۱] سے تھے تاہم انہوں نے شُشک کلیتر اور دوسرے مقامات پر مٹھ۔ چیتیہ اور اسی قسم کی عمارات بنوائیں۔ ان راجاؤں کے زبردست عہد حکومت میں کشمیر زیادہ تر بودھوں کے قبضے میں رہی جنہوں نے مذہبی گداگری (پرورجیا) کے قانون پر عمل کر کے بہت سی شہرت حاصل کر لی تھی۔ اس وقت ساکی سنگھ (بدھ) کو نروان حاصل کئے ڈیڑھ سو سال گذر چکا تھا اور اس زمانہ میں عظیم الشان ناگ ارجن[۷۲] نامی ایک بدھستو اس ملک میں ساری زمین کے واحد مالک کی حیثیت سے سدا ساؤن[۷۳] کے مقام پر رہتا تھا۔

راجہ ابھے مینو اوّل

اس کے بعد بے خوف ابھے مینو جو دشمنوں کی پرواہ نہ کرتا تھا اور ماند ثانی

ہشک اور ہوشک دونوں ایک ہی نام ہیں۔

دوسرے نام جشک کے متعلق ابھی تک دیگر وسائل سے کوئی تصدیق نہیں ہو سکتی

ان ابتدائی اندو سیتھین حکمرانوں کے متعلق تاریخی بیانات کے جدید تذکرات کے بارے میں دیکھو وان گش مڈ کا مضمون مندرجہ ان سائیکلو پیڈیا برٹنیکا جلد ۶۰۶ اور ڈروین صاحب کی کتاب لی رائز اندو سیتھز صفحہ ۴۷۔ بدھوں کی روایات کشمیر کو خاص طور پر کنشک کی حکومت سے یہ خیال ظاہر کر کے ملحق قرار دیتی ہیں کہ اس راجہ نے بدھ مذہب کی تیسری عظیم مجلس منعقد کی تھی۔ دیکھو "سی۔یو۔کی" جلد اول صفحہ ۱۵۱۔ یہ بات قابل غور ہے کہ کنشک اور اس کے جانشین کے زمانے کے تانبے کے سکے آج تک کشمیر میں بلحاظ

اشٹ مینو) کا درجہ رکھتا تھا راجہ بنا۔ اس نے کنت کوکش کا اگر ہار قائم کیا تھا اس عظیم الشان راجہ نے ابھے منو پور کا شہر بسایا جس میں دولت کثیر تھی اسکا نام اس نے اپنے نام پر رکھا اور بطور چوٹی کے زیور کے اس میں شوجی کا ایک مندر بنوایا۔ اس کے زیر ہدایت چندر اچاریہ اور دوسرے لوگوں نے مہا بھاشں کو جس تک رسائی حاصل کرنا اس زمانے تک مشکل تھا عام استعمال میں لانے کی صورت پیدا کی نیز اپنی ایک گرائمر (چندر دیا کرن) تصنیف کی۔ اس زمانہ میں بودھوں نے جو دانا بدھستو ناگ ارجن کے زیر حفاظت تھے ملک میں غلبہ حاصل کر لیا اور دوران مباحثات میں تمام فاضل مخالفوں کو شکست دیکر قدیم طریقوں کے ان دشمنوں نے اُن مراسم کو بند کرا دیا جو نیل مت پوران میں مذکور ہیں۔ جب ملک میں قدیم دستور قائم نہ رہے تو ناگوں نے حسب معمول نیاز نہ ملنے پر بے حد برف باری کے ذریعے لوگوں کو تباہ کر دیا۔ چونکہ ہر سال بڑی گہری برف بودھوں کو تکلیف دینے کے لئے پڑتی تھی۔ اس لئے راجہ چھ ماہ موسم سرما میں دار وابھیسار میں رہتا تھا اور باقی عرصہ

ملتے ہیں۔

جنرل کنگھیم نے اپنی کتاب "اینشنٹ جیوگرافی" کے صفحہ ۹۹ پر لکھا ہے کہ ہشک پور کا موجودہ نام اسکور ہے جو کہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے اور بارہ مولا سے جنوب مشرق کی طرف ۲ میل کے فاصلہ پر دریائے جہلم کے بائیں کنارہ پر واقعہ ہے ترنگ ۵ کے شلوک ۲۵۹ اور ترنگ ۶ کے شلوک ۱۸۶ سے واضح ہوتا ہے کہ ابھے پور دراہا کھیتر میں واقع ہے اور اس کی تائید ترنگ ۷ کے شلوک ۱۳۱۱-اور ترنگ ۸ کے شلوک ۳۹۰-۷۱۸-۸۲۲-اور ۹۴۴ سے ہوتی ہے۔

راجہ للتادت نے جو مندر اس جگہ بنوائے تھے انکے کھنڈرات بھی اس جگہ موجود

نواحی علاقوں میں۔ اس موقعہ پر کوئی ایسی معجزانہ طاقت نمودار ہوئی جس کی بدولت نذر ونیاز دینے اور یگ کرنے والے برہمن تو بچ گئے لیکن بودھ جان بحق تسلیم ہوئے۔ اس وقت چندر دیو نامی ایک برہمن نے جو کشپ کی نسل سے تھا کشمیر کے ناگوں کے مالک اور دنیا کے محافظ نیل کو خوش کرنے کے لئے ریاضت شروع کی۔ آخر کار نیل اُس کے روبرو نمودار ہوا۔ اس نے بیجد برف باری کی مصیبت کو دور کیا اور نئے سرے سے وہ مراسم جتلائے جو اُسکے اپنے پوران (نیل مت پوران) میں درج ہیں۔

پہلے چندر دیو نے جس طرح یکشوں کی تکلیف کو دور کیا تھا ویسے ہی اب دوسرے نے بھکشوؤں کی ناقابل برداشت مصیبت کا خاتمہ کیا۔

راجہ گوند سوئم

اس کے بعد جب راجہ گوند ثالث تخت نشین ہوا تو اُس نے پہلے کی طرح ناگوں کے اعزاز میں یاترا یگ اور دوسری پوجا کا سلسلہ جاری کروادیا

ہیں۔ دیکھو نوٹ ۲۵۵ کتاب ہذا۔ جب ہیون سانگ چینی سیاح کشمیر کی سیر کو آیا تو وہ بارہ مولا کے پاس مقام ہوسی کیالو میں ٹھہرا تھا اور جولین صاحب اس کا نام ہشکر تحریر کرتے ہیں۔ البرونی صاحب کا بھی بیان ہے کہ اشکارا بارہ مولا کے پاس ہے دیکھو انیشنٹ انڈیا کی جلد اول صفحہ ۲۰۷۔

۲۵۶ جنرل کننگھم کو وہاں کے برہمنوں نے پتہ دیا تھا کہ جشک پور کا موجودہ نام ذوکو ہے یہ ایک بڑا سا قصبہ ہے اور سرینگر سے شمال کی طرف ہارپربت سے تقریباً چار میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ایک ٹیکا کار نے اس کا نام جو کوس لکھا ہے ۱۸۴۷ء میں جنرل کننگھم نے دریافت کیا تھا کہ مسلمانوں کی مسجد اور قبروں کا بہت سا مصالح

جب اس راجہ نے نیل مت کے قائم کردہ مراسم کو دوبارہ جاری کر دیا تو بھکشوؤں اور برفانی مصیبتوں نے بھی تکلیف دینی بند کر دی۔ وقتاً فوقتاً رعایا کی خوبیوں سے ایسے راجہ نمودار ہوتے رہتے ہیں جو سلطنت کو اس وقت سر نو رونق دیتے ہیں جبکہ وہ بربادی کی سڑک پر پڑ چکی ہو۔ جن راجاؤں کا واحد مدعا رعایا کو تکلیف دینا ہی ہے وہ معہ اپنے ورثا کے تباہ ہو جاتے ہیں اور شاہی قسمت اس نسل کے ہم رکاب رہتی ہے جو تباہ شدہ چیزوں کو از سر نو مرمت کرے۔ جن دانا لوگوں نے اس ملک کے ہر راجہ کی داستان کا یہ امتیازی پہلو مدنظر رکھ لیا ہے انہیں زمانہ مستقبل کے راجاؤں کی آئندہ حالت کا پہلے سے ہی پتہ لگ جائیگا۔ چنانچہ جب یہ راجہ اپنی سلطنت کو از سر نو قائم کر چکا تو یہ ملک عرصہ دراز تک اس کے جانشینوں پروریسین اول وغیرہ کے ہاتھوں میں رہا جنہیں فوق الفطرت طاقتیں حاصل تھیں اور عابدانہ کام سر انجام دیتے تھے۔ اس راجہ نے جو گونند نسل کا ٹھیک دیبا ہی پہلا راجہ تھا جیسے راگھو رگھو کل کا پینتیس[۳۵] سال ملک پر حکومت کی۔

اسی شہر کی قدیمی عمارتوں سے لیا گیا تھا اور سٹائن صاحب نے بھی مصالح کا معائنہ کر کے یہی نتیجہ نکالا تھا۔

[۶۹] سٹائن صاحب کنشک پور کا موجودہ نام کانس پور تحریر کرتے ہیں جو دریائے جہلم اور شاہی سڑک کے درمیان جو بارہ مولا سے سری نگر کو جاتی ہے واقعہ ہے اور پنڈت صاحب رام نے بھی اپنی کتاب تیرتھ سنگرہ میں اس کا نام کنشک پور لکھا ہے، پنڈت کاشی رام نے جو ۱۸۹۱ء میں سٹائن صاحب کی طرف سے اس جگہ تحقیقات کرنے کے لئے گیا تھا وہاں کے برہمنوں سے یہ بھی سنا تھا کہ اس شہر کو ایک راجہ نے جس کا نام کنشتھ راج تھا آباد کیا تھا۔ (شاید یہ نام بھی کنشک کا بگڑا ہوا ہے) اس علاقہ کے

راجہ وبھیشن اول

گونند کے بعد اُس کا بیٹا وبھیشن اول ترپن ۵۳ سال چھے ماہ حکمران رہا۔

راجہ اندرجیت

وبھیشن اول کے بعد اس کا بیٹا اندرجیت باپ کی گدی پر بیٹھا اور ۳۵ سال حکومت کر کے رہ گرائے عالم جاودانی ہوا۔

راجہ راون

راون نے اندرجیت کے مرنے پر تخت نشین ہوکر ۳۰ سال حکومت کی۔ وتیشور نامی لنگ جو راون کی پوجا کے کام آتا تھا اب تک بخوبی چمکتا ہے

پاس ایک بلند ٹیلہ ہے جہاں سے کبھی کبھی پورانے سکے اور کتبے نکلا کرتے ہیں اور لوگوں کا عام خیال ہے کہ اس جگہ پر راجہ کا محل تھا جنرل کننگھم کا بیان ہے کہ یہ شہر اس سڑک پر واقعہ ہے جو کہ سرینگر سے شوپین کو جاتی ہے اور اس کا موجودہ نام کام پور ہے لیکن سٹائن صاحب اس خیال کو غلط سمجھتے ہیں کام پور کا اصلی نام خام پور ہے اور کنشک پور سے اسکی کسی قسم کی مطابقت نہیں پائی جاتی۔

نکتہ یہ سوای پور کی جائے وقوع کا جسکا نام ایک ٹیکا کار نے جیہاس پور بھی لکھا ہے۔ کوئی پتہ نہیں چلتا

الکہ راجہ کنشک کی بابت مشہور ہے کہ اس نے بدھ مذہب اختیار کر لیا تھا اور اس کی اولاد بھی بُدھ مذہب کی پیرو تھی۔ چنانچہ چینی سیاح فاہیان۔ سانگمین اور ہیون سانگ کے ہندوستان میں آنے کے زمانہ تک گاندھار (قندھار) میں عام طور پر مشہور تھا کہ یہ راجہ بدھ مذہب کا بڑا سرپرست گذرا ہے اور ہندوؤں اور پارسیوں کی کتابوں سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ دیکھو "سیوکی" جلد اول صفحہ ۳۲۔

اور اس کے خط وخال میں، جو روشنی پائی جاتی ہے اس سے زمانہ مستقبل کے واقعات کا پتہ چلتا ہے۔۔راجہ نے ساری سرزمین کشمیر اس وتیشور لنگ کو جسے اس نے ایک مستطیل شکل کے مٹھ میں استھاپن کروایا تھا دینے کا عہد کر لیا تھا۔

راجہ وبھیشن ثانی

وبھیشن ثانی نے جو مضبوط بازوؤں والے راجہ راون کا بیٹا تھا ½۳۵ سال اس دنیا میں حکومت کی۔

راجہ نر (کِنر)

اس کے بعد اس کا بیٹا نر جسے کِنر بھی کہتے تھے اور جس کی شجاعت کے

اگست ۱۹۰۹ء میں شہر پشاور کے قریب جس مسمار شدہ بدھ مندر کے کھنڈر سے بدھ دیو کے پھول (ہڈیاں) برآمد ہوئے تھے یہ مندر بھی راجہ کنشک کا تعمیر کرایا ہوا تھا چنانچہ فروری ۱۹۱۱ء میں مجھے (مولف کتاب ہذا) پشاور جانے کا اتفاق ہوا تو میں نے اس جگہ کو بھی جو شہر پشاور کے جانب مشرق چوتھائی میل کے فاصلہ پر ہے دیکھا۔ اس وقت محکمہ آرچیا لوجی کل کی طرف سے مزید تحقیقات کے لئے اس ٹیلہ کی کھدائی شروع تھی۔ دیواروں کے زیرین حصے جو اس وقت برآمد ہو چکے تھے انپر ہندو دیوتاؤں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں یہ تصویریں اگرچہ شکستہ حالت میں تھیں مگر پھر بھی اپنی عظمت اور شان وشوکت کا اظہار کرتی تھیں۔ بدھ دیو کے دو سنگین بت جو شکستہ حالت میں اس جگہ سے برآمد ہوئے تھے پڑے تھے اکثر جگہوں میں جلی ہوئی عمارتی لکڑی کے جو کوئلے نظر آتے تھے اس بات کا اظہار کر رہے تھے کہ مندر کو مسمار کرنے سے پہلے اس کو آگ لگائی گئی

گیت کنز لوگ گاتے تھے راجہ بنا۔ ہر چند کہ یہ راجہ صحیح رواجات کا پیرو رہا تاہم جب اس کی رعایا کی قسمت نے پلٹا کھایا تو شہوت پرستی کے بُرے اثر میں آکر اُس نے مصائب کا ایک سلسلہ پیدا کر دیا۔ ایک بدھ فقیر (شرمن) نے جو کنز گرام[۴] کے ایک دہار میں اکیلا ہی رہتا تھا جادو کے زور سے اسکی رانی کو ورغلا لیا اس پر غصے میں آکر راجہ نے ہزاروں وہار جلا ڈالے اور وہ گاؤں جوان سے متعلق تھے مدے[۵] مٹھ کے برہموں کے حوالہ کر دیئے دریائے وتشنا کے ریتلے کنارے پر اس نے ایک شہر[۶] آباد کیا۔ جس کی منڈیاں مختلف شہروں کے مال سے بھری رہتی تھیں اور جہاں آنے جانے والے جہازوں کے باعث دریا میں بڑی چہل پہل رہتی تھی۔ اسمیں خوشبودار پھولوں اور پھلوں سے بھرے ہوئے باغات تھے جن کے باعث یہ شہر بہشت کا مترادف بن گیا تھا۔ اور دنیا کی فتوحات کے ذریعہ حاصل

ہوگی۔ مگر جب مجھے اس مندر کی گذشتہ شان وشوکت کی کہانی سنائی گئی تو زمانہ کے انقلاب کا نقشہ میری آنکھوں کے سامنے کھچ گیا اور بے اختیار آنسو بہ نکلے۔

جس جگہ آجکل شہر پشاور آباد ہے راجہ کنشک کے عہد سے پہلے ایک لق ودق جنگل تھا اور کوسوں تک آبادی کا نشان نظر نہ آتا تھا۔ ایک دن راجہ کنشک جو عموماً اس جنگل میں شکار کھیلنے آیا کرتا تھا ایک ہرن کے پیچھے اس موقعہ پر آنکلا جہاں کہ مذکورۂ بالا مندر جہ کا کھنڈر ہے۔ ہرن جھاڑیوں میں چھپ گیا۔ اور راجہ اس کی تلاش میں اِدھر اُدھر پھرنے لگا۔ اچانک اس کی نگاہ ایک سادھو پر پڑی جو چند اینٹوں کے ڈھیر کے پاس بیٹھا ہوا ایک چبوترہ سا بنا رہا تھا۔ راجہ نے اس سے ہرن کی بابت دریافت کیا تو سادھو نے بڑی لاپرواہی سے جواب دیا "میں اپنے کام میں لگا ہوا ہوں مجھے تمہارے ہرن کی کیا خبر!" راجہ نے پوچھا "تم کیا کر رہے ہو"۔ سادھو نے جواب دیا "میں مہاتما بدھ کا

کردہ دولت جو یہاں جمع کی گئی اُس کے باعث یہ شہر کو بیر کے شہر پر بھی سبقت لے گیا۔

ششروس ناگ کی کہانی جنگل میں درختوں کے ایک جھنڈ کے نیچے صاف اور میٹھے پانی کا ایک تالاب تھا جس میں ششروس نامی ایک ناگ رہتا تھا۔ ایک موقعہ پر ایک نوجوان برہمن جس کا نام وشاکھ تھا اور جو چلتا چلتا تھک گیا تھا دوپہر کے وقت اس تالاب کے کنارے آرام حاصل کرنے کے لئے گیا۔ ایک سایہ دار درخت کے نیچے تھوڑی دیر دم لے کر اور ہاتھ منہ دھوکر اس نے ستو گھولے اور کھانے کی تیاری کرنے لگا۔ مگر ابھی اپنے ہاتھ کو منہ کی طرف اُٹھایا ہی تھا کہ اُسے پازیب کی وہ آواز سنائی دی جو آج تک اس تالاب کے کناروں پر رہنے والے راج ہنسوں نے ہی سنی ہوئی تھی۔ اس کے بعد اس نے اپنے سامنے

مندر بنا رہا ہوں"۔ راجہ نے ہنس کر کہا۔ "تم اس مندر کو کس طرح بنا سکو گے؟" سادھو نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا۔ "مہاتما بدھ کی یہ پیشین گوئی تھی کہ راجہ کنشک اس جگہ پر اس کا عالیشان مندر بنوائے گا مگر افسوس کہ راجہ نے اس طرف کوئی توجہ نہیں کی مجبوراً اس کام کو میں نے اپنے ہاتھوں میں لیا ہے اور جو کچھ مجھ سے بن پڑیگا کرونگا۔" معلوم نہیں کہ سادھو نے یہ گفتگو راجہ کو ایک معمولی آدمی سمجھ کر کی تھی یا اس کو راجہ ہونے کا علم ہو چکا تھا مگر راجہ کے دل پر اس گفتگو کا بہت بڑا اثر ہوا اور کہا۔ "میں ہی راجہ کنشک ہوں اب تم کو زیادہ تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں اس مندر کو میں بنا دونگا" اس کے بعد راجہ سادھو سے رخصت ہوا اور تھوڑے عرصے کے بعد ہی اس جگہ پر ایک عالیشان مندر تعمیر کرایا گیا جو حسب بیان ایک چینی سیاح کے دنیا کے عجائبات میں سے ایک تھا۔ یہ پانچ سو فٹ تک بلند تھا۔ اور سومنات کے مندر کی طرح رات کے وقت اس کے

دو رسیلی آنکھوں والی لڑکیاں جنہوں نے نیلی پوشاک زیب تن کی ہوئی تھی بیلوں کے ایک جھنڈ سے باہر نکلتی دیکھیں۔ انکی آنکھوں کے دنبالے نہایت دل نشین اور سرمے کی باریک دھاریوں سے بنے ہوئے تھے اور یہ اُنکے کانوں میں پہنے ہوئے کنول پھولوں کی ڈنڈیوں کی حیثیت میں نظر آتے تھے۔ ان کے شانوں پر اُن کے چہرے جھنڈوں کی مانند تھے۔ اور اُن کی دلفریب آنکھیں جھنڈوں کے پھریروں کی طرح جو بادِ نسیم کے ہلکے جھونکوں میں لہرا رہے ہوں معلوم ہوتی تھیں۔ جب برہمن نے ان دو ماہرو لڑکیوں کو اپنی طرف آتے دیکھا تو وہ کھانے سے دست کش ہو گیا اور رہ رہ کر اس کے بشرے پر گھبراہٹ کی علامات نمودار ہونے لگیں۔ جب اُس نے دوبارہ انہیں دیدہ نگاہ سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ کنول جیسی آنکھوں والی لڑکیاں دھان کے خوشوں سے دانے (چاول) نکال کر کھا رہی ہیں۔ برہمن نے اپنے دل میں سوچا۔ "شرم کی بات ہے ایسی حسین لڑکیاں اس قسم کا کھانا کھاتی ہیں۔" یہ خیال کر کے اُس نے انہیں اپنے قریب بلایا ستو کھانے کو دیئے اور

اندر جواہرات کی چمک سی روشنی ہوتی تھی۔ اس کی دیواروں میں جواہرات سے بھرے ہوئے برتن اس لئے چنوائے گئے تھے کہ اگر راجہ کے بعد اس مندر کو کسی طرح کا گزند پہنچے تو ان کی قیمت سے اس کو پھر تعمیر کر دیا جائے۔ اس مندر کی بابت ایک اور روایت بھی مجھے بتلائی گئی تھی اور وہ یہ تھی کہ جب یہ مندر بن کر طیار ہوا اور اس کی چھت ڈالی گئی تو وہ خود بخود گر پڑی۔ چھت دوبارہ تیار کی گئی مگر پھر بھی یہی واقعہ پیش آیا چنانچہ کئی دفعہ ایسا ہی ہوا کاریگر شام کے وقت چھت ڈال کر گھر کو جاتے تھے مگر صبح کے وقت اس کو بالکل گرا ہوا پاتے تھے راجہ کے دل میں اس واقعہ کو سن کر سخت تشویش پیدا ہو گئی اس نے بدھ پنڈتوں کو بلا کر اس کا سبب دریافت کیا انھوں نے کہا کہ اگرچہ تو اپنے عقل

پتوں کا ڈونا تیار کر کے چشمے سے صاف اور ٹھنڈا پانی لے آیا۔ جب وہ ستو کھا کر پانی پی چکیں اور فارغ ہوکر اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئیں تو اس نے پتوں کے پنکھوں سے ہوا کرنی شروع کی اور بولا۔ "آپ کا ادنے خادم جسے کسی سابقہ جنم کے بھلے کاموں کی وجہ سے آپ کا دیدار نصیب ہوا ہے اس قسم کی دلیری کے ساتھ جو برہمنوں میں عام طور پر پائی جاتی ہے آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہے بھلا وہ کونسا خوش نصیب خاندان ہے جسے آپ کی پیاری صورتیں آراستہ کرتیں ہیں اور وہ کونسی مصیبت ہے جس کے باعث آپ کو یہ بدذائقہ اناج کھانا پڑتا ہے"۔ ان میں سے ایک بولی "صاحب! ہم سُشروس ناگ کی بیٹیاں ہیں چونکہ ہمیں اس سے زیادہ خوشگوار کھانے کی چیز حاصل نہ تھی اس لئے اس کے کھانے میں کیا ہرج ہو سکتا ہے؟ میرا نام ایراوتی ہے اور میرے والد نے میری نسبت ودیا دھروں کے راجہ سے کی ہوئی ہے۔ یہ چندر لیکھا میری

کے موافق اس مندر کو بنوا رہا ہے مگر مجھے دل سے بدھ پر اعتقاد نہیں یہی وجہ ہے کہ اس مندر کی چھت گر جاتی ہے اور جب تک تم خود اس مذہب کو قبول نہ کرو گے برابر گرتی رہے گی بیان کیا جاتا ہے کہ راجہ کنشک نے اسی وقت بدھ مذہب اختیار کر لیا اور اس عالیشان مندر کی چھت بھی قائم ہو گئی! لیکن افسوس ہے کہ جب محمود غزنوی ہندوستان میں آیا تو دوسرے مندروں کی طرح یہ مندر بھی اس کے تعصب کا شکار ہو گیا مگر اس کے واپس چلے جانے پر یہ نئے سرے سے تعمیر کرا دیا گیا۔ چینی سیاح جو اس واقعہ کے بعد اس جگہ آیا تھا جہاں وہ مندر کے مسمار ہونے پر افسوس کرتا ہے وہاں وہ اس کے دوبارہ تعمیر کئے جانے پر بھی اطمینان کا اظہار کرتا ہے۔ مگر افسوس کہ دوسری مرتبہ محمود کے اس عالیشان مندر کو آگ سے جلا کر اور اس کی عجوبہ روزگار عمارت کو گرا کر ایسا مسمار کر دیا کہ دوبارہ اس کو تعمیر ہونا نصیب نہ ہوا۔ اس کے بعد صدیوں تک یہ جگہ محض ایک مٹی کا

چھوٹی بہن ہے۔" اس پر برہمن پھر بولا "کیا وجہ ہے کہ تم اس قسم کے افلاس میں مبتلا ہو؟" انہوں نے جواب دیا "اس کی وجہ ہمارے والد کو ہی معلوم ہے آپ اُسی سے پوچھیں۔ جب وہ ماہ جیٹھ کے کرشن پکھ کی دوادشی کو تکشک[۱۱۵] ناگ سے ملاقات کرنے آئیگا تو آپ اس بات سے اُسے شناخت کرسکیں گے کہ اُس کے سر کے بالوں سے پانی ٹپکتا ہوگا۔ اس وقت آپ ہم دونوں کو بھی اس کے قریب کھڑی پائیں گے" اتنا کہہ کر وہ لڑکیاں یکایک نظروں سے غائب ہوگئیں۔

کچھ مدت گذرنے کے بعد تکشک یاترا کا عظیم تیوہار آیا اور بہت سے ناچنے گانے اور تماشہ کرنے والے اور اور لوگ وہاں جمع ہوئے۔ برہمن بھی کشش اشتیاق سے وہاں جا پہنچا اور تماشاہیوں کے گروہ میں ادھر ادھر پھر رہا تھا کہ یکایک اُس کا اُس ناگ سے سامنا ہوگیا جسے اُس نے اُس علامت

ڈھیر بنی رہی اور عام طور پر لوگوں کو اب اتنا بھی معلوم نہ تھا کہ اس کے نیچے ہندوستان کے ایک برگزیدہ بزرگ کی متبرک ہڈیاں دبی پڑی ہیں۔ آخر کار محکمہ آرچیالوجی کل کی قیمتی کوششیں اس کا پتہ لگانے اور ہندوستان کی تاریخی دنیا پر ایک اور روشن شعاع ڈالنے میں کامیاب ہوئیں۔

[۱۱۲] اودھ کے شمال اور کوہ ہمالہ کے دامن میں کپل دست نام ایک ریاست تھی۔ یہاں کے راجہ کے ہاں سولہ سو سال قبل از مسیح ایک لڑکا پیدا ہوا اور اس کا نام شاکی منی یا گوتم رکھا گیا۔ بچپن ہی سے شاکی منی کو عبادت الٰہی کا شوق پیدا ہوگیا تھا اور وہ ہر وقت مطالعہ اور غور و فکر میں مشغول رہتا تھا۔ اسی حالت میں آخر کار یہ راج پاٹ کو چھوڑ کر تارک الدنیا ہوگیا۔ پہلے تو برہمنوں کا چیلہ بنا مگر ان کی تعلیم اس آزاد اور باریک بین محقق کے اشتیاق کو پورا نہ کرسکی اور ان سے جدا ہوکر اس نے جنگل کا راستہ لیا

سے جان لڑکیوں نے بتائی ہوئی تھی شناخت کر لیا۔ لڑکیوں نے جو اُس کے پاس کھڑی تھیں ناگ کو اس کی آمد سے خبردار کیا اور اس نے برہمن کو خوش آمدید کہا۔ دوران گفتگو میں جب برہمن نے اُس سے اُن کی مصیبتوں کا باعث پوچھا تو ناگ نے اپنا ماجرا اس طرح بیان کیا۔

"جو لوگ ذاتی اعزاز رکھتے ہوں اور مناسب و غیر مناسب امور میں امتیاز کر سکیں اُنکے لئے یہ واجب نہیں کہ اپنی مصیبتوں سے جنہیں بہرصورت نہیں بھوگنا ہے دوسروں کو آگاہ کریں۔ حقیقی شرافت رکھنے والا آدمی جب کسی دوسرے شخص کی مصیبت کا ذکر سُنتا ہے اور اس کا دور کرنا اس کی طاقت سے باہر ہوتا ہے تو اُسے اپنے دل میں دُکھ پہنچتا ہے۔ برعکس اس کے اگر وہ مصیبت کسی معمولی شخص پر واضح کی جائے تو وہ اس سے ذاتی فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے تسلی دہ الفاظ سے بھی سنانے والے کو تکلیف ہوتی ہے وہ اپنی تعریف

اور تپسیا کرنے لگا۔ آخر ایک عرصہ کے بعد ایک نئے مت کا بانی ہوا۔ بدھ کے معنے عارف کے ہیں چونکہ اس مذہب کا بانی بدھ ہی کے نام سے مشہور تھا اس لئے اس کا مذہب بھی بدھ مت کہلانے لگا۔ اس کی تعلیم دیگر مروجہ مذاہب سے زیادہ پاک اور سیدھی سادھی تھی اس کا اصول تھا کہ درحقیقت تمام بنی نوع انسان یکساں ہیں۔ ذات اور مذہب میں کوئی فرق نہیں اور کہ ہر ایک انسان کو لازم ہے کہ راست بازی سپاکیزگی اور ایمانداری سے کام کرے اور بلا لحاظ مذہب و ملت تمام مخلوق سے ہمدردی۔ یکسانیت اور یگانگت کا برتاؤ رکھے۔ دنیا کی آلائشوں اور دلفریبیوں سے کنارہ کش ہو کر مکتی یا نجات حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اس میں نروان یا فناہ ہو جائے۔ بدھ عقیدہ کے مطابق جب نفسانی خواہشوں سے پاک ہو کر نروان حاصل کرلے تو دائمی آواگون سے بھی نجات پا سکتا ہے۔ بدھ نے اپنی تمام زندگی اپنے مذہب کی اشاعت میں خرچ کر دی چونکہ اس

کرتا ہوا دوسرے کی قابلیت پر علانیہ اعتراض کرتا ہے چاہے خود کتنی ہی گھٹیا سمجھ رکھتا ہوں نامناسب باتوں سے کام لینے کا مشورہ دیتا ہے۔ اس مصیبت کو دائمی بیان کرتا ہے اور اس طرح پہ اس دل شکن تکلیف کو گھٹانے کی بجائے بڑھاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دانا آدمی اپنی خوش قسمتی یا بدقسمتی کے راز کو عمر بھر اپنے اندر چھپائے رکھنے کے بعد آخر کار اپنے ساتھ چتا کی آگ میں لے جاتے ہیں۔ اگر بچے یا نوکر ایسی بات کو ظاہر نہ کریں تو قدرتی طور پر ایک سمجھدار شخص کی مصیبت کو ظاہری علامات سے کون معلوم کر سکتا ہے؟۔ چونکہ یہ معاملہ ان دو لڑکیوں کی طفلانہ حرکت سے روشنی میں آ چکا ہے اس لئے میرے لئے بھی مناسب نہیں کہ آپ سے چھپائے رکھوں۔ اے شریف مرد! تم فطرتاً نیک شعار معلوم ہوتے ہو۔ اگر تم سے ممکن ہو سکے تو ہماری مدد کے لئے تھوڑی بہت کوشش کر دینا۔ وہ عابد جسے تم درخت کے تنے کے قریب

ملت کی تعلیم بھی عام فہم اور پاکیزہ تھی اس کا اثر بھی ایسا فوری ہوا کہ شاکی منی کی زندگی میں ہی مگدھ بہار اور اس کے مضافات نئی ملت کے پیرو بن گئے راجہ مگدھ دیس نے بھی اس مذہب کو قبول کر لیا اور رفتہ رفتہ اس کی اشاعت یہاں تک بڑھ گئی کہ ایک دو صدیوں میں یہ مذہب تمام ہندوستان۔ تبت اور چین تک پھیل گیا اور قریب دو ہزار سال تک بڑے زور و شور سے ترقی پر رہا۔ اگرچہ بعد میں سوامی شنکر اچارج کی کوششوں اور جانفشانیوں سے بدھ مت کا پہلا زور گھٹ گیا اور ہندوستان میں دوبارہ شیومت کو عروج ہو گیا لیکن اب بھی ایشیا کی ایک تہائی آبادی اس ملت کی پیرو چلی آتی ہے بدھ کی وفات نے بھی اس مت کو کوئی ضعف نہ پہنچایا بلکہ اس کے تھوڑے عرصہ بعد بدھ مت کی مجلس منعقد ہوئی اور راجہ اشوک کے عہد میں تو یہ مذہب ہندوستان کا راج دھرم بن گیا۔ اس کے جلوس کے اکاون برس بعد کشمیر کی کنسر ویٹو پارٹی نے زور پکڑ لیا اور نئے

بیٹھا دیکھتے ہو جس کا سر منڈا ہوا ہے اور بالوں کا صرف ایک ہی گچھا نظر آتا ہے وہ کھیتوں کا رکھوالا ہے اور وہی ہمیں اس مایوسی کی نوبت تک پہنچاتا ہے جب تک یہ لوگ جو منتروں کے ذریعے کھیتوں کی حفاظت کرتے ہیں تازہ اناج کو نہ کھائیں اُس وقت تک ناگ بھی اُسے نہیں چھو سکتے۔ یہ شخص جو نظر آتا ہے چونکہ خود تازہ اناج نہیں کھاتا اس لئے اُس قاعدہ کے رو سے ہماری تباہی ہو رہی ہے۔ جب تک یہ شخص کھیتوں کی حفاظت کرتا ہے ہم اس پیداوار کو نہیں کھا سکتے ٹھیک اسی طرح جس طرح بھوت[۵۵] (پشاچ) ندی کا پانی نہیں پی سکتے گو یہ پیداوار ہماری نظروں کے سامنے موجود ہے۔ اتفاق سے اس عابد نے عہد کر رکھا ہے کہ میں ہمیشہ تازہ پیداوار کو نہ کھایا کروں گا اگر آپ اُس کے اس عہد کو توڑ سکیں تو ہم بھی بخوبی سمجھتے ہیں کہ اپنے مربیوں کے ساتھ کس قسم کا سلوک کرنا چاہئے۔"

مذہب کی سخت مخالفت شروع کردی اور راجہ کو یہاں تک تنگ کردیا کہ وہ گدی سے کنارہ کش ہونے پر مجبور ہو گیا اس کے ساتھ ہی بدھ مت کا عروج بھی کچھ عرصہ کے لئے رک گیا۔ اگرچہ اس کا جانشین بھی بدھ مت کا پیرو تھا لیکن جب اس نے عوام کے جوش وخروش کو سلطنت کے ضعف کا باعث سمجھا تو اس سے بیزار ہوکر پورانے مذہب کا معتقد ہو گیا۔ اس کے ۲۲۸ سال بعد جب اشوک ثانی نے سلطنت مگدھ دیس کی عنان حکومت ہاتھ میں لی تو اس میں پھر جان آگئی۔ اس نے بڑی تلاش کے بعد ایک چار دیواری سے گوتم بدھ کی راکھ کا پتہ لگایا اور پانچ برس کے عرصہ میں ہندوستان کے مختلف حصص میں چوراسی ہزار مندر تعمیر کرا کر یہ راکھ تھوڑی تھوڑی ان میں رکھوادی۔ اس کے لڑکے مہندر اور لڑکی سنگو امتی نے لنکا کے راجہ تسہ اور اس کی رانی کو بدھ مت کی تلقین کی۔ اس نے کشمیر۔ قندھار۔ مہیش منڈل۔ بن باسی۔ اپرانت۔ مہاراشٹر۔ جون لوک ہمونت

برہمن نے ناگ سے مدد کا وعدہ کیا اور بڑے شوق سے شب و روز اس خیال میں محو رہنے لگا کہ کھیت کے محافظ کو کیونکہ دھوکا دیا جائے۔ ایک روز جبکہ آخر الذکر کھیتوں میں اپنی جھونپڑی کے اندر بیٹھا تھا اس نے کھانے میں جو باہر پک رہا تھا نیا اناج ڈال دیا۔ جونہیں کھیت کے محافظ نے کھانا کھایا ناگوں کے راجہ نے فوراً ژالہ باری اور بارش کا سلسلہ شروع کر کے اس کی کثیر اور زرخیز فصل تباہ کر دی۔ (اور تمام اناج اُٹھا کر لے گئے)۔

مصیبت سے آزاد ہو کر اگلے روز وہ برہمن کو جس نے اس کی مدد کی تھی اور جواب بھر تالاب کے کنارے آیا ہوا تھا اپنے محل کے اندر لے گئے۔ اپنے والد کا حکم پاکر اُن دونوں لڑکیوں نے برہمن کی خاطر خواہ عزت کی اور وہ روزمرہ اس قسم کی خوشیاں حاصل کرتا رہا جنہیں صرف غیر فانی لوگ ہی آسانی سے حاصل کر سکتے ہیں۔ آخر کار کچھ مدت گذرنے کے بعد جب اس نے اُن سے

اور سوان بھومی کو واعظ روانہ کئے۔ جس سے اس مت کو اشوک اول کے عہد سے بھی بڑھ کر ترقی ہو گئی۔ تاہم چین اور تبت کی طرف متوجہ ہونے کی اس کو ضرورت نہ ہوئی کیونکہ ان ممالک نے اشوک اول کے بعد بھی اپنے مت کو قائم رکھا تھا۔ بدھ مت کی ترقی اور راجہ اشوک کی وسعت سلطنت محض کہانی یا فسانہ ہی نہیں ہے بلکہ اب جدید معلومات ہزارہا سال کے گمشدہ اور مٹے ہوئے کارناموں پر روشنی ڈال رہے ہیں۔ ڈاکٹر ہلزلیش صاحب نے جو گوتم (بدھ) کی سوانح عمری لکھی ہے اس کے صفحہ ۲۱۰ پر لکھا ہے کہ ناگ ارجن جو کہ بدھ کا تیرھواں جانشین تھا راجہ کنشک کے زمانہ میں پیدا ہوا تھا اور اس سے کلہن کے بیان کی تائید ہوتی ہے۔

ؔ اس نام کے لفظی معنے چھ رشیوں کے بن کے ہیں اور ایک ٹیکا کار نے اس کا نام ہیرون گرام لکھا ہے جس کو آجکل ہارون کہتے ہیں۔ اور جو سرینگر کے قریب شالامار باغ

رخصت حاصل کی اور اپنے ملک کو واپس آنے لگا تو اس نے ناگ سے جس نے اُسے منہ مانگا انعام دینے کا وعدہ کیا تھا چند لیکھا طلب کی۔ ناگ نے شکریہ کے ساتھ اُس کے احکام کی تعمیل کی اور اپنی لڑکی اور دولت کثیر اس برہمن کو دیدی گو وہ اس لڑکی کے ساتھ تعلقات شادی قائم کرنے کا مستحق نہ تھا۔

نرپور کی تباہی یہ برہمن جس نے ناگ کے کئے ہوئے وعدے کی بدولت دولت حاصل کی تھی بہت دیر تک نرپور میں سامان عیش وطرب میں مصروف رہا۔ ناگ کی بیٹی نے بھی جو نہایت حسین تھی ایک وفادار بیوی کی حیثیت میں اپنی شریفانہ فطرت کے قابل نظیر چال چلن اور دوسری خوبیوں کے ذریعے اپنے خاوند کو خوب خوش کیا۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ وہ اپنے مکان کی چھت پر کھڑی تھی کہ ایک کھلا

کے شمال مشرق میں ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر واقعہ ہے۔ ناموں کے دکن کی طرف ایک پہاڑی کے دامن میں قدیم زمانہ کی اینٹوں کے فرش کے نشان پائے گئے تھے جنپر بڑی عمدہ نقش کاری کی ہوئی تھی اور یہ اُس وقت نکلے تھے۔ جب موجودہ سری نگر میں پانی پہنچانے کے لئے واٹر ورکس کے لئے کھدائی ہورہی تھی۔ دیکھو پرسیڈنگس اف ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی ۱۸۹۵ء صفحہ ۲۔

ﷺ ایک ٹیکا کار نے اس گاؤں کا نام کندور لکھا ہے اور آجکل اس کا نام کند ہے جو پرگنہ بیرو میں ہکلیتر کے قریب واقعہ ہے۔

ﷺ یہ شہر شائد اس جگہ پر واقع تھا جہاں آجکل قصبہ بامیاں آباد ہے۔ اور سری نگر کے جنوب مغرب میں چار میل کے فاصلہ پر ایک دلدلی زمین پر واقعہ ہے۔ رانی درانے جو گاؤں اس نام کا ابھی منوپور آباد کیا تھا اس کے لئے دیکھو ترنگ ۶

گھوڑا آکر اُن چاولوں کو کھانے لگ گیا جنہیں باہر صحن میں خشک کرنے کے لئے پھیلایا ہوا تھا۔اس نے نوکروں کو گھوڑے کے ہٹانے کے لئے آوازیں دیں لیکن اتفاق سے اس وقت ان میں سے کوئی بھی گھر میں موجود نہ تھا۔ اس پر وہ خود نیچے اُتر آئی۔ اس کے پاؤں کی خلخال سے چھنکار کی آواز آتی تھی۔اتفاق سے جلدی جلدی میں اُس کے سر سے دوپٹہ کھسک گیا جسے ایک ہاتھ کے ذریعے تھام کر وہ دوڑی ہوئی گھوڑے کے قریب گئی اور اپنے کنول جیسے نازک ہاتھ سے اُس کے جسم پر تھپڑ مارا۔ گھوڑا وہاں سے ہٹ گیا مگر اُس کے جسم پر اُس کے ہاتھ کا طلائی نشان قائم ہو گیا۔

اس سے پہلے راجہ نے کٹنیوں کے ذریعے برہمن کی خوبصورت آنکھوں والی بیوی کا حال سنا ہوا تھا اور آج تک اس کی طرف سے اُس کے سینہ میں آتش عشق شعلہ زن تھی۔جب اس کا شوق ہاتھی کی طرح بے قابو

شلوک ۲۹۹۔

۷۶ؔ عام ناگوں کی پوجا اور خاص خاص تہواروں کے موقعہ پر خاص خاص ناگوں کو بلی دینے کا ذکر نیل مت پوران میں اکثر جگہ پر آیا ہے۔دیکھو نیل مت پوران کا شلوک ۲۱۴ اور ۴۶۵۔

۷۷ؔ یہ نام دو لفظوں داروس اور ابھی سارس سے مرکب ہے۔اور ان کا ذکر مہابھارت برہم سنگھتا اور دیگر پورانوں میں پنجاب کی قوموں کے بیان کے ساتھ آچکا ہے۔ان دونوں قوموں کے اصلی علاقہ کا پتہ پہلے پہل ٹھیک طور پر ولسن صاحب نے لگایا تھا دیکھو ولسن کی کتاب کا صفحہ ۱۱۶ اور لاسن صاحب کی کتاب انڈین ایلٹی جیوڈ کا صفحہ ۱۴۷ اور کتاب پینٹے پاٹ کا صفحہ ۱۸ اور سینٹ مارٹن صاحب کی کتاب مے مائرس ٹری لارکے ڈے می ڈیس انسکرپشن سیو نگ اشمانگ کا سلسلہ صفحہ ۲۹۹ وانڈین اینٹی کئی

ہوگیا تو ملامت کا خوف بھی اُسے جبراً روک نہ سکتا تھا۔ راجہ کی محبت کے جلتے ہوئے شعلوں پر گھوڑے کے قصے نے تیل کا کام دیا۔ اس کے ہاتھ کا جو طلائی نشان گھوڑے کے جسم پر قائم ہوگیا تھا اس میں اس کی سیدھی انگلیوں کی خوبصورتی کو دیکھ کر وہ اسی طرح اخلاق کی حدود سے متجاوز ہوگیا جس طرح سمندر چاند کے اثر سے اپنی حدود سے باہر ہو جاتا ہے (جوار بھاٹا پیدا ہوجاتا ہے) شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر اس کے قاصدوں کے ذریعے اپنی خواہشات کا اظہار کر کے اس خوبصورت عورت کو خائف کر دیا۔ لیکن جب وہ اُس کی ان مکاریوں سے دام فریب میں نہ آسکی تو اُس نے انتہائے شوق میں اُس کے شوہر یعنی برہمن سے اُسے طلب کرنا شروع کیا۔ بلاشبہ جن لوگوں کو عشق اندھا کر دے اُن میں شرم و حیا کہاں باقی رہتی ہے؟ جب ایک دو بار برہمن نے بھی اُسے روکھا پھیکا جواب دیا تو راجہ نے اپنے سپاہی بھیجے تاکہ اُسے

باب ۱۴ صفحہ ۲۲۱۔ معتبر شہادتوں سے پایا جاتا ہے کہ دروابھیار اس علاقہ کا نام ہے جو دریائے وتشٹا اور چندر بھاگا کی درمیانی پہاڑیوں میں واقعہ ہے۔ وشنو پوران کے ادھیائے ۴ صفحہ ۲۲۳ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس علاقہ کی مشرقی حد چندر بھاگا ہے ترنگ ۸ کے شلوک ۱۵۳۱ اور ۱۸۶۱ سے بھی واضح ہوتا ہے کہ راج پوری (رجوڑی) کی ساری پہاڑی ریاست داروابھیسار میں شامل تھی۔ راج ترنگنی کا ایک ٹیکا ربھمبر اور دان گلے کے علاقوں کو داروابھیسار میں شامل نہیں کرتا بھمبر اس علاقہ کے باہر کی پہاڑیوں کے دامن میں ہے اور کسی زمانہ میں یہ چناب اور وتشٹا کے درمیان ایک چھوٹی سی پہاڑی ریاست کا دارالسلطنت تھا۔ دیکھو جنرل کننگھیم کا اینشنٹ جیوگرافی صفحہ ۱۳۴۔ دان گل قوم گکھڑ کے ایک قلعے کا نام ہے جو کہ دریائے وتشٹا کے قریب ایک پہاڑی پر واقعہ ہے ترنگ ۴ کے شلوک ۱۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ راجہ اُتپلا پیڈ کے زمانہ میں داروابھیسار کشمیر کے

جبراً اُٹھا لائیں ۔ جب ان لوگوں نے سامنے کی طرف سے مکان پر حملہ کیا تو برہمن معہ اپنی بیوی کے ایک اور راستہ سے فرار ہوگیا ۔ اور بغرض حفاظت ناگ کے مکان پر جا پہنچا ۔ جب یہ دونوں اپنا قصہ بیان کر چکے تو ناگوں کا راجہ غصے میں آکر ۔ باہر نکلا اور چاروں طرف بھیانک اور گرجتے ہوئے بادلوں کی گہری تاریکی پھیلاتے ہوئے راجہ اور اُس کے شہر کو خوفناک بجلیاں گرا کر خاک سیاہ کر دیا ۔ دریائے وتستا میں جلتے ہوئے لوگوں کی ہڈیوں کے مغز ۔ خون اور چربی بہتی ہوئی اس طرح معلوم ہوتی تھی گویا مور کے پروں کی آنکھیں پانی پر لگی ہوئی ہیں ۔ ہزارہا خوف زدہ لوگ جو بغرض محافظت وشنو کی مورتی دچکر دھر کے سامنے جا پہنچے تھے وہ بھی جل کر ایک لمحے میں راکھ ہوگئے ۔۔ جس طرح زمانہ قدیم میں مدھو[۸ہ] اور کیٹو نامی راکھشوں کی چربی نے چکر دھارن کرنے والے دیوتا کے کولہوں کو ڈھک دیا تھا ویسے ہی جلے

ماتحت تھا لیکن راجہ شنکر ورمن نے گورجر (گجرات پنجاب) پر چڑھائی کرنے سے پہلے اسے دوبارہ فتح کیا تھا ۔ یہ علاقہ بھمبر کے جنوب میں واقعہ ہے دیکھو ترنگ ۵ شلوک ۱۴۴ و ۲۰۸ ۔ لیکن اس کے بعد جو راجے کشمیر کے تخت پر بیٹھے وہ کمزور تھے اس لئے یہ علاقہ پھر انکے ہاتھ سے نکل گیا ۔ اس علاقہ کے باشندوں کے عادات و اطوار کی بابت دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۵۳۱ ۔ برنیز صاحب نے اپنی کتاب سفرنامہ بخارا کے باب اول صفحہ ۴۲ پر اس جگہ کا حوالہ دیا ہے جہاں سے دریائے جہلم پہاڑوں میں سے مقام دم گلی یعنی دان گلی سے نکلتا ہے ۔

۸ہ اس کا ذکر مفصل طور پر کشمیر کی وجہ تسمیہ کے بیان میں آ چکا ہے ۔

۹ہ اس اعجاز نما ننگ اور ان مٹھوں کی بابت جو اس کے اردگرد بنے ہوئے تھے سوائے راج ترنگنی کے کہیں کوئی حوالہ نہیں ملتا ۔ سنگ مرمر کے اس لنگ میں جو قدرتی

ہوئے انسانوں کی چربی نے چکر دھر کی موتی کو ڈھانپ دیا۔

رمنیہ کی کہانی ششردس کی بہن ناگی رمنیہ پہاڑوں[ۓ] کے بعید مقامات سے بہت سے پتھر ہمراہ لیکر اپنے بھائی کی امداد کے لئے آئی۔ لیکن نرپور سے ایک یوجن کے فاصلہ پر ہی جب اس نے سنا کہ اس کے بھائی نے اس کام کو طے کر لیا ہے تو اس نے وہ پتھر اسی جگہ دیہات میں برسا دیئے اور پانچ یوجن[لۓ] تک وہ مقام بڑے بڑے پتھروں سے ڈھک گیا۔ چنانچہ آجتک اس کا نام رمنیہ توی یعنی رمنیہ کا جنگل مشہور ہے۔

یہ خوفناک بربادی کا کام مکمل کر کے ناگ کو خود بھی افسوس ہوا اور لوگوں نے بھی اُسے لعنت ملامت کی جس کے باعث صبح کو وہ اس جگہ سے رخصت ہو کر کسی اور طرف کو چلا گیا۔ وہاں اس نے اپنی رہائش کے لئے دود[ھ]

خطوط موجود ہیں وہ اس کی خوبصورتی کا آجکل بھی خاص نشان سمجھے جاتے ہیں۔

ۓ ایک ٹیکا کار نے لکھا ہے کہ یہ گاؤں پرگنہ ناگام میں واقع ہے اور اس کا موجودہ نام کا نرہے اور سروے کے نقشے پر اس کا نام کامل لکھا ہے مگر سٹائن صاحب کا بیان ہے کہ یہ پوزیشن جو اس کی قائم کی گئی ہے مشکوک ہے۔

لۓ یہ تو ظاہر ہے کہ یہ کوئی مقامی نام ہے لیکن پختہ طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ کہاں ہے سنسکرت کا لفظ مٹھ اور کشمیری زبان کا لفظ مر اکثر کشمیر کے مقامی ناموں کے اخیر میں خصوصاً شہر کے محلوں اور چوکوں کے ناموں کے پیچھے آتا ہے مثلاً دوا مٹھ جس کا موجودہ نام دومر ہے اور اس کا ذکر ترنگ ۶ کے شلوک ۳۰۰ میں آیا ہے۔ بھتارک مٹھ اس کا موجودہ نام بردمر ہے اس کا ذکر ترنگ ۶ کے شلوک ۲۴۰ میں آیا ہے۔ اہلا دمٹھ اسکا موجودہ نام اہل مر ہے۔

کے سمندر جیسی چمکدار سفید جھیل[۳۳] دود پہاڑ میں بنوائی چنانچہ آج تک لوگوں کا بیان ہے کہ وہ امریشور یاترا[۳۴] کے راستے پر موجود ہے۔ اس علاقہ میں جاماتر سرس نامی ایک اور جھیل ہے جہاں وہ برہمن رہتا تھا جسے اس کے خسر نے ناگ کی صورت میں تبدیل کر لیا تھا۔

بعض اوقات بلا وجہ موت کے ایسے دیوتا نمودار ہوتے ہیں جو اپنی رعایا کی محافظت کے بہانے اُس کی غیر متوقع تباہی کا باعث ثابت ہوتے ہیں۔ آج تک جب لوگ چکر دھر کے قریب اس شہر کو دیکھتے ہیں جو آگ سے تباہ ہوا تھا۔ نیز اُس تالاب کو جو اب خشک ہو چکا ہے تو انہیں وہ قصہ یاد

---

[۳۳] یہ شہر جس کو راجہ نے آباد کیا تھا اور جس کا نام ترنگ اول کے شلوک ۲۷ میں کنرپور آیا ہے اور شلوک ۲۴۴ میں اس کا نام نرپور لکھا ہے وجیشور یا وجبہور کے قریب ہے اور ترنگ اول کے شلوک ۲۶۱ تا ۲۷۰ میں کلہن نے چکر دھر کے مندر کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے نیز دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۹۹ - یہ تو تحریری ثبوت ہیں ان کے علاوہ عام طور پر زبان زد روایتوں سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ یہ شہر (نرپور یا کنرپور) علاقہ وج برور میں چکر دھر کے مندر کے پاس واقع تھا۔ وج برور کے ایک میل نیچے ایک چھوٹا سا سطح مرتفع یا اودر جس کا موجودہ نام سکدھر ہے اور جس کا ذکر کتاب ہذا کے نوٹ ۱۶ میں آچکا ہے چکر دھر کے مندر کا کھنڈر ہے۔ ۱۸۸۹ء اور ۱۸۹۵ء میں جب سٹائن صاحب اس جگہ گئے تو وہ لکھتے ہیں کہ اس سطح مرتفع کے جنوب مشرقی گوشہ کے قریب انکو ایک بڑا سا گڑھا دکھایا گیا اور بتلایا گیا کہ سشرم ناگ کی جائے رہائش یہی جگہ تھی یہ وہی ناگ ہے جسکا نام اس راجہ کے بیان میں سشروس ناگ لکھا ہے اور اس کے متعلق جو داستان کلہن نے لکھی ہے آجکل بھی لوگوں میں مشہور ہے۔ وج برور اور سکدھر کے ٹیلے کے درمیان جو خشک میدان ہے لوگوں کا بیان ہے کہ وہ شہر جسے ناگ نے جلایا تھا اسی جگہ

آجاتا ہے۔

ادنےٰ خیال کے لوگ راجہ کے اندر محبت کے جذبے کے وجود کو بہت کم حقیر خیال کرتے ہیں تاہم اس راجہ کے اسی جذبہ کی بدولت وہ باتیں ظہور میں آئیں جو اور کسی کو کہیں پر پیش نہ آئی تھیں۔ فی الحقیقت ہر ایک ایسی کہانی سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ صرف ایک نیک عورت دیوتا یا برہمن کے غصے سے ساری دنیا تباہ ہو سکتی ہے۔

یہ راجہ چالیس سال نو مہینے حکمران رہ کر اپنی بد چلنی کے ہاتھوں شکار ہوا۔ اور کنتر پور کا شہر بھی اپنی فیصل اور دمدموں سمیت کچھ عرصہ کے لئے اپنا

آباد تھا۔ زمانہ قدیم کے حکمرانوں بلکہ یونانی اور اندوستھین راجاؤں کے وقت تک کے سکے اس جگہ اور خاص کر دریا کے قریب آجکل بھی بکثرت ملتے ہیں اور ان سے اس شہر کے قدیم ہونے میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔ ممکن ہے کہ اگر اس سطح مرتفع کی زمین کھودی جائے تو اس کے نیچے سے اس شہر کے وہ بعض کھنڈرات جس کا حوالہ کلہن نے ترنگ اول کے شلوک ۲۷۰ میں دیا ہے اور جو اُس کے (کلہن) وقت تک نکلیاں تھے برآمد ہو جائیں۔

۲۸۳ ہر چرت چینتا منی کے ادھیائے ۱۰ اور شلوک ۲۴۸ اور نیل مت پوران کے شلوک ۱۲۹ میں لکھا ہے کہ یہ چشمہ سشرو س اوجیشود تیرتھ کے قرب وجوار میں ہے لیکن اس کے متعلق جو داستان اس کتاب میں درج ہے اُس کا حوالہ ان دونوں مذکورہ بالا کتابوں میں نہیں ہے۔

۲۸۴ تکشک ناگ کی آجکل بھی موضع زیون (جیون) کے قریب ایک خوشگوار اور میٹھے پانی کے چشمہ میں پوجا ہوتی ہے موضع زیون پرگنہ ویہی میں واقع ہے (دیکھو ترنگ ۱ کا شلوک ۲۲۰ اور بوہلر صاحب کی رپورٹ صفحہ ۵) شاہ کلہن نے بھی جو کہ موضع

نمود دکھا کر گندھرووں کے شہر کی طرح دنیا کی آنکھوں سے پنہاں ہوگیا۔ لیکن راجہ کا ایک بیٹا اس وجہ سے بچ نکلا کہ اس واقعہ سے پہلے اس کی دایہ اُسے وجے کیشتر میں لے گئی تھی۔

راجہ سدہ

راجہ نر کی تباہی کے بعد اس کا بیٹا سدہ تخت پر بیٹھا اس راجہ نے اپنے باپ کی تباہ شدہ سلطنت کو نئے سرے سے اس طرح رونق دی جس طرح جنگل کی آگ سے جلے ہوئے پہاڑوں پر بارش سے تروتازگی آجاتی ہے۔

کھون موس (کھمن موہ) میں پیدا ہوا تھا اپنی کتاب بنام وکرمانک دیوچرت کے دھیائے ۱۸ کے شلوک ۷۰ میں اس چشمے کا ذکر کیا ہے اور پروفیسر بوہلر نے بھی جو اس کتاب کا ترجمہ کیا ہے اُس میں لکھا ہے پمپور پور (جس کی جگہ اب موجودہ سری نگر واقعہ ہے) سے ساڑھے چار میل کے فاصلہ پر ایک جگہ ہے جہاں اونچی اونچی پہاڑیاں ہیں اس کا نام زیبن ہے اور اس مقام پر ایک شفاف پانی کا چشمہ ہے جو کہ سانپوں کے راجہ تکشک کے نام پر مشہور ہے۔ یہ چشمہ جس کی شکل چکر کی ہے زمانہ کلجگ میں خاص طور پر متبرک مانا گیا ہے اور جس طرح کرشن جی کا چکر دشمنوں کا ناش کرتا تھا اسی طرح آدمی کے پاپوں کو کاٹ کر پھینک دیتا ہے۔

زعفران کی ابتدائی پیدائش اسی چشمہ سے بیان کی جاتی ہے اور آجکل بھی اس علاقہ میں زعفران کی کاشت بکثرت ہوتی ہے۔ آئین اکبری کی جلد ۲ صفحہ ۳۵۸ پر لکھا ہے کہ اس چشمے کی یاترا زعفران کی کاشت کے موسم کے شروع میں یعنی ماہ جیٹھ میں ہوتی ہے۔ ہرش ایشور مہاتم اور تیرتھ سنگرہ کے شلوک ۸ میں ذکر ہے کہ تکشک ناگ کی یاترا کا دن جیٹھ کی پورنماشی ہے اور یہی دن ہرش ایشور کی یاترہ کے لئے مقرر ہے

اس کے مرحوم باپ کی عبرت ناک داستان جس کا ذکر اوپر آچکا ہے اس ہوشیار راجہ کے واسطے پاکیزہ زندگی بسر کرنے کے لئے ایک عمدہ رہنما تھی۔ اُسے اس دنیا کی بے ثباتی اور انسانی ہستی کی ناپائداری کا پورا پورا سبق مل چکا تھا اور اُسے یقین ہو چکا تھا کہ آدمی کو اس دنیا میں جھوٹی شیخی کا نتیجہ سوائے تکلیف کے اور کچھ نہیں ملتا۔ اگرچہ اُس کے گرد ہر طرح کے عیش وعشرت کے سامان موجود تھے مگر جس طرح چاند کا عکس کیچڑ اور پانی کے گڑھے میں پڑنے سے چاند پر اس غلاظت کا کچھ اثر نہیں ہوتا اسی طرح اس راجہ پر بھی خواہشات نفسانی اپنا غلبہ نہ پا سکتی تھیں اُن راجوں کے درمیان جن کو غرور کا بخار

۵۳ پدم پوران کے پانچویں سرگ کے ادھیائے ۲۷ شلوک ۱۸ میں لکھا ہے کہ پاپیوں کی روحیں مارے پیاس کے ہمیشہ بھٹکتی رہتی ہیں اور پینے کے لئے ان کو پانی نصیب نہیں ہوتا۔

۵۴ ناگوں کی بابت خیال کیا گیا ہے کہ وہ بادل بنکر ژالہ باری کر سکتے تھے اور اور اس طرح کھیتوں کو تباہ کر کے فصل کو اُٹھا کر لے جاتے تھے۔ دیکھو ترنگ ۳ شلوک ۲۴ ناگوں کی طوفان برپا کرنے والی طاقت کی بابت۔ دیکھو ترنگ اول شلوک ۵۹ و ۲۔ سیوکی باب اول صفحہ ۲۴-۱۱۲ -

۵۵ وشنو پوران میں لکھا ہے کہ مدھو اور کیٹو دو راکھش تھے اور وشنو نے برہما کو بچانے کے واسطے ان دونوں کو اپنی رانوں پر لٹاکر قتل کیا تھا۔

۵۶ سشروس ناگ کی بہن رمنیہ کی جو کہانی اس جگہ بیان کی گئی ہے اس کا تعلق رمبیار ندی سے ہے یہ نام سنسکرت لفظ رمنیہ توی سے نکلا ہوا ہے رنبیار ندی اُن ندیوں کو جو درہ پیر پنچال اور درہ روپری کے درمیان کے پہاڑوں سے نکلتی ہیں اپنے ساتھ لیتی ہوئی ہورپور اور سوپیان کے پاس سے بہتی ہوئی شمال مشرق کو چلی جاتی ہے

رہتا تھا صرف یہی ایک تھا جس نے اپنی صحت کو پورے طور پر قائم رکھا ہوا تھا کیونکہ یہ دن رات شوجی کا دھیان رکھتا تھا۔ اس دھرما تما راجہ نے دولت کو بالکل ناچیز سمجھ کر زر و جواہرات کے تمام زیورات جسم سے اُتار دیئے تھے اور ساری خوبصورتی شوجی کی پوجا ہی میں خیال کرتا تھا۔ صرف یہی ایک راجہ تھا جس کا شاہی اقبال سورگ تک اس کے ہمرکاب رہا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے اپنی پاکیزہ اور پوتر زندگی سے اسے اپنا غلام بنا لیا ہوا تھا۔

ساٹھ سال حکومت کرنے کے بعد یہ راجہ اپنے جسم اور کنبہ سمیت شیولوک کو سدھارا۔ راجہ نر کے نوکروں کا انجام نہایت عبرت ناک تھا لیکن سدہ کے نوکروں

اور مقام گنبھیر سنگم پر جو کہ سکھ سے تین میل کے قریب نیچے ہے وتستا میں مل جاتی ہے اور ہور پور کے قریب (اس شہر کا نام نقشے پر ہیر پور لکھا ہے) اس کی کئی شاخیں ہو جاتی ہیں جو عموماً خشک رہتی ہیں اور صرف برسات کے موقع پر ان میں پانی آتا ہے قصبہ سورن کے نزدیک پہنچکر اس کا پاٹ دو میل سے بھی زیادہ چوڑا ہو جاتا ہے مگر موضع لتر کے پاس جہاں اس کی پھر ایک ہی شاخ بن جاتی ہے اس کا پاٹ بالکل تھوڑا اور پانی بڑا اکھٹا ہو کر بہتا ہے۔ وہ جگہ جہاں رمنیہ نے پتھر پھینکے تھے موضع لتر کے اوپر ایک پتھریلی زمین ہے اور یہ جگہ سکھ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے۔

۵ پانچ یوجن اس زمین کی لمبائی کا اندازہ ہے جو رمنیہ نے پتھر برسا کر تباہ کی تھی ایک یوجن ۴ کوس کا ہوتا ہے اس حساب سے یہ لمبائی ۲۰ کوس کے برابر ہوئی چونکہ کشمیر کا موجودہ کوس بھی ڈیڑھ میل کے برابر ہے اس لئے کشمیر کا پورانا کوس اس سے کم نہیں ہو سکتا پس اس حساب سے اس جگہ کی لمبائی ۳۰ میل کے برابر ہونی چاہئے لیکن پانچ یوجن کا فاصلہ درست نہیں ہے کیونکہ ہور پور (قدیم نام شور پور اور موجودہ نام ہیر پور ہے) کے اوپر ہے لیکر موضع لتر تک کا فاصلہ ۲۲ میل ہے اور یہ پانچ یوجن سے

کی تمام دنیا تعریف کرتی تھی۔ نوکر ہمیشہ اپنے مالک کی تقلید کرتے ہیں خواہ اس کام میں دنیا ان کی تعریف کرے یا اُن پر الزام لگائے۔ گھاس کی رسی اگر کوئیں میں لٹکائی جائے تو وہ نیچے کی طرف جاتی ہے۔ لیکن اگر وہ پھولوں کے ساتھ باندھی جائے تو دیوتا کے سر پر جا چڑھتی ہے۔ یہ راجہ جس کا نام سدہ تھا اپنے نیک کاموں کے باعث اصلی سدہ (دیوتا) بن گیا تھا اور جب یہ شولوک میں پہنچا تو دیوتا لوگ سات دن تک خوشی کے نقارے بجا کر اس بات کی منادی کرتے رہے۔

راجہ اُتپلاکش

سدہ کے بعد اس کا بیٹا جس کا نام اُتپلاکش تھا۔ یہ نام اس کو اس لئے دیا

بہت کم ہے۔

۹۰ء پہاڑی چشمہ جہاں ششروس ناگ اپنے پہلے مکان کو چھوڑ کر چلا گیا تھا دریائے لدر کے منبع کے قریب ہے اس چشمے کا عام نام شیس ناگ ہے اور امرنیشور کے یاتریوں کے ٹھہرنے کا ایک مشہور مقام ہے دیکھو وگنی صاحب کا سفرنامہ جلد ۲ صفحہ ۱۰ اور انس صاحب کی ہینڈ بک صفحہ ۱۹۳۔ امرنیشور مہاتم کے ادھیائے ۶ میں اس چشمہ کا نام سیش ناگ لکھا ہے اور اسی جگہ اس کا نام سسشرم ناگ بھی آیا ہے۔ لفظ سسشرم سے اُس کے پورانے نام ششروس کا پتہ چلتا ہے امرنیشور کے پورانے پروہت اس نام سے واقف ہیں اور ایک ٹیکا کار نے بھی اس کا یہی نام لکھا ہے اور بیان کیا ہے کہ یہ امرنیشور کے راستہ پر واقعہ ہے۔ اس چشمہ کے پانی کی سفیدی قابل ذکر ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے اردگرد سفید پتھر کی (جن سے چونہ بنایا جاتا ہے) پہاڑیاں ہیں اس چشمے سے ایک چھوٹا سا نالہ نکل کر جنوب کی طرف بہتا ہوا کوہن لک پہاڑی کے دامن میں ایک چشمے میں جا ملتا ہے۔ جس کا نام زامتر ناگ ہے یہ وہی چشمہ

گیا تھا کہ اس کی آنکھیں کنول کی طرح خوبصورت تھیں) تخت کشمیر پر بیٹھ کر تیس سال چھ مہینے تک داد حکومت دیکر راہی ملک بقا ہوا۔

راجہ ہرنیاکش

اُتپلاکش کے بعد اس کا بیٹا ہرنیاکش اس کا جانشین ہوا۔ اس نے اپنے نام پر ایک شہر آباد کیا اور ۳۷ سال سات مہینے کی حکومت کے بعد اس دنیا فانی سے کنارہ کر گیا۔

راجہ ہرنیہ کل

ہرنیاکس کے بعد اُس کے بیٹے ہرنیہ کل نے کشمیر کی عنان حکومت اپنے

ہے جس کا نام کلہن نے جاماترسر (داماد کا چشمہ) لکھا ہے۔ کتاب تیرتھ سنگرہ میں لکھا ہے کہ یہ چشمہ یعنی جاماتر ناگ سسرم ناگ کے پاس ہے اور امریشور کے راستہ پر واقعہ ہے۔

۹۱ھ امریشور کی یاترا امرناتھ کی مشہور گپھا میں ہوتی ہے اور کشمیری زبان میں اس کا نام امبرناتھ ہے۔ یہ تیرتھ پہاڑ کی ایک بلند چوٹی پر واقعہ ہے۔ عوام کا یقین ہے کہ اس جگہ امریشور سوامی دیوتاؤں کے سامنے پرگٹ ہوئے تھے جبکہ انہوں نے موت سے بچنے کے لئے ان کی پرارتھنا کی تھی یہاں پر برف کے بنے ہوئے شولنگ کی پوجا ہوتی ہے۔ اس جگہ کی یاترا باوجود راستے کے اس قدر دشوار گزار ہونے کے کشمیر میں نہایت ہی مشہور ہے اور ہندوستان کے دوسرے علاقوں سے بھی بہت سے یاتری اس کے درشنوں کو آتے ہیں۔ نیل مت پران کے شلوک ۱۳۲۴ میں اس تیرتھ کا ذکر مبہم طور پر آیا ہے اور اس سے پایا جاتا ہے کہ زمانہ قدیم میں اس کی یاترا اسقدر

ہاتھ میں لی اس نے ہر نوتس ۹۲ نام ایک شہر آباد کیا اور ساٹھ سال حکومت کے بعد دنیا سے چلدیا۔

راجہ وسوکل

اس راجہ نے اپنے باپ کے بعد تخت پر بیٹھ کر ساٹھ سال تک حکومت کی۔

راجہ مہرکل

اس کے بعد اس کا بیٹا جو بڑا ظالم اور کال (موت) کے مشابہ تھا اور جسکا نام

مشہور نہ تھی جتنی کہ آجکل ہے دیکھو نوٹ ۲۹۷ کتاب ہذا اور برجا بھٹ اور شک کی راج ترنگنی کا شلوک ۸۷۵۔

۹۲ وجے کیتر وجیشور کیتر کے نام کا مخفف ہے اور اس میں وجیشور کا کھنڈر اور وج برور کا علاقہ دونوں شامل ہیں۔ دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۳۳۶-۴۳۱-۵۲۴ وغیرہ اور ہر چرت چنتامنی ادھیائے ۱ شلوک ۱۹۱۔

۹۳ ایک ٹیکا کار لکھتا ہے کہ اس راجہ کے بنائے ہوئے شہر کے موقعہ پر آجکل قصبہ رینیل آباد ہے یہ قصبہ اس شاہی سڑک کے کنارے پر ہے جو کہ سرینگر سے گندبل اور وادئے دریائے سندھ کو جاتی ہے۔ اس گاؤں کے پاس ایک چشمہ ہے جو کہ ہر مکت تیرتھ کو جانے والے یاتریوں کے راستہ میں پڑتا ہے اس کا نام تیرتھ سنگرہ اور سستشرم مہاتم میں ہرنیا کش ناگ لکھا ہے اور ہر مکت مہاتم کے ادھیائے ۲ اور شلوک ۷ میں اس کا نام ہرن گنگا آیا ہے۔ کلہن نے اس قصبہ کا نام ہرن پور لکھا ہے۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۲۹ میں تحریر ہے کہ جس وقت بھکشاکر موضع رے گرام کے پاس جس کا موجودہ نام منگام ہے اور وادئے دریائے سندھ کے دہانہ کے قریب ہے

۹۳ میہر کل تھا ملک کشمیر پر جو ملیچھوں کے ہاتھوں تاخت وتاراج ہو چکا تھا حکومت کرنے لگا۔ شمال کے ملک (کشمیر) نے ملک دکن پر جس کا محافظ یم ہے سبقت حاصل کرنے کے لئے اس راجہ کی صورت میں ایک اور یم پیدا کر دیا۔ لوگوں کو اس کی آمد کا پتہ لگ جاتا تھا جبکہ وہ آسمان میں گدوں۔ کوؤں اور دوسرے پرندوں کو ان لوگوں کا گوشت کھانے کے اشتیاق میں جو اس کی فوج کی آمد پر قتل کئے جاتے تھے سروں پر منڈلاتے دیکھتے تھے۔ یہ شاہی بیتال (بھوت) دن رات ہزاروں مقتول انسانوں میں گھرا رہتا تھا۔ حتےٰ کہ اُس کے عشرت کدوں میں بھی یہی نظارے دکھائی دیتے تھے۔ بنی نوع انسان کے اس خوفناک

ڈیرہ ڈالے پڑا تھا تو ہر (للار) کے باغیوں نے جو اس کے مددگار تھے موضع ہرن پور کے قریب شاہی فوجوں کو شکست دی تھی۔ چونکہ شاہی فوج کا کمپ ارشیورد موجودہ نام امبر ہیر ہے) سے اڑھائی میل کے فاصلہ پر موضع رینیل کے جنوب میں تھا اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس مقام سے موضع ہرن پور ہی مراد ہے۔ پھر ترنگ ۷ کے شلوک ۱۳۳۵ میں درج ہے کہ جب اوکل لہر یعنی وادیٔ دریائے سندھ سے دارالسلطنت کا محاصرہ کرنے کے لئے جا رہا تھا تو ابھی وہ راستہ میں ہی تھا کہ ہرن پور کے برہمنوں نے اس کی تاجپوشی کی رسم ادا کی تھی۔ ولسن صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۷ پر لکھا ہے کہ کتھاسرت ساگر کے ادھیائے ۶۵ شلوک ۲۱۵ میں ہرنیاکش کے باپ کا نام کنکاکش تحریر ہے جو کہ کشمیر کا راجہ تھا اور اس کا صدر مقام ہرن پور تھا۔

۹۴ اس راجہ کے بنائے ہوئے شہر کا کوئی پتہ نہیں چلتا کہ کہاں واقع تھا البتہ جنرل کننگھم نے ایک سکے پر ہرنیہ کل کا نام پڑھا تھا اس سکے کی شکل میہر کل کے جاری کئے ہوئے بعض سکوں سے ملتی تھی دیکھو کتاب لیٹر ہندوسیتھین کا صفحہ ۴۲۔

۹۵ کلہن کے مہر کل سے مراد بلاشبہ سفید ہن یا ایفتھے لائٹ قوم کے اُس

دشمن کو نہ تو بچوں اور عورتوں پر کچھ رحم آتا تھا نہ ہی اس کی نگاہوں میں بوڑھوں کی کچھ عزت تھی۔

لنکا پر فوج کشی

ایک دفعہ جب اس نے اپنی رانی کے سینے پر سنگھل (سیلون) کے بنے ہوئے کپڑے کی انگیا کو جس پر پاؤں کے سنہری نشان بنے ہوئے تھے دیکھا تو مارے غصے کے اُس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ تحقیقات کرنے پر جب اس کے درباری پروہت نے بتلایا کہ اس سیلون کے بنے ہوئے کپڑے پر وہاں کے راجہ کے پاؤں کے نشان لگے ہوئے ہیں تو وہ اس پر حملہ کرنے کی نیت سے روانہ ہوا اور اس کے جنگی ہاتھیوں

زبردست فرمانروا سے ہے جس کا نام سکوں پر مہر کل یا مہر گل آتا ہے۔ اور جس کا نام کاسمس انڈی کو پلوسٹس نے گالس لکھا ہے۔ اس بارے میں ہم مسٹر فلیٹ کے شکرگذار ہیں کہ مہر کل کے عہد حکومت کے متعلق جو ہمیں تاریخی معلومات حاصل ہیں انھوں نے انکو ایران اور مندسور کے کتبوں کی شہادت کے ساتھ کلمن۔ ہیوں سانگ سانگمین اور سکوں کے ذریعے حاصل شدہ معلومات کو ملاکر محفوظ بنا پر قائم کردیا ہے دیکھو انڈین اینٹی کوئی باب ۱۵ صفحہ ۲۴۵ جہاں راج ترنگنی کے ترنگ اول شلوک ۲۸۹ تا ۳۲۴ کا ترجمہ بھی دیا ہوا ہے۔ بڑی بڑی باتیں جو یقینی ہیں وہ یہ ہیں کہ مہر کل ۵۱۵ء کے قریب اپنے باپ تورمان کے بعد اُن علاقوں کا حکمران ہوا جنہیں قوم سفید ہن نے کابل سے لیکر وسط ہند تک فتح کیا تھا۔ بہت سی وسیع مہمات کے بعد آخر کار وہ بالادتیہ والئے مگدھ اور یشو دھرمن کے ہاتھوں مغلوب ہوا اور سنہ ۵۳۰ء کے قریب اور اس کے مضافات میں واپس چلا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہیں سے وہ اپنے عہد حکومت کے انجام تک (۵۴۴ء تا سنہ ۵۵۰ء) جنوبی سندھ کی جانب اپنے ہاتھ سے نکلے ہوئے علاقوں کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوششوں میں معروف رہا۔ مسٹر فلیٹ کی محولہ بالا تحریرات کے

کی کنپٹیوں سے بہ کر آنے والے پسینے کے ملنے سے سمندر میں اس قدر طغیانی پیدا ہو گئی کہ اس کا پانی دریائے جمنا تک بڑھ آیا۔ انجام کار اس نے ایک سخت حملہ کر کے سیلون کے راجہ کو تخت سے اُتار دیا اور ساتھ ہی اس کا وہ غصہ بھی جو اپنی رانی کی انگیا پر اس راجہ کے پاؤں کے نشان دیکھ کر اُس کے دل میں پیدا ہوا تھا جاتا رہا۔ راکھشوں نے جب لنکا کے محل سے اس راجہ کے لشکر کو دور سے آتے دیکھا تو ان کے دل میں رامچندر کے حملہ کی دہشت پیدا ہو گئی اور مارے خوف کے کانپنے لگ گئے۔

اس کے بعد یہ عظیم الشان راجہ ایک اور شخص کو لنکا کے تخت پر بٹھا کر اور

ساتھ اس مصالح کا مقابلہ کرو جو سر اے کننگھم نے اپنی کتاب لیٹرا اند وسیتھین کے صفحہ پر جمع کیا ہے۔ یا جس کا زیادہ سلیس خلاصہ مسٹر وی۔ اے سمتھ نے جرنل اوف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال بابت ۱۸۹۴ء کے صفحہ ۱۸۵ پر دیا ہے۔

کلہن نے جو کچھ بیانات لکھے ہیں ان میں روایات اسقدر بھری ہوئی ہیں کہ اُن سے آزادانہ طور پر میہر کل کی تاریخ کے متعلق چنداں معلومات حاصل نہیں ہو سکتیں لیکن کہانیوں میں جو یہاں بیان کی گئی ہیں اور میہر کل کے چال چلن کی اُس تصویر میں جو ہیون سانگ نے کھینچی ہے ایک عجیب مشابہت پائی جاتی ہے۔ چنانچہ ترنگ اول کے شلوک ۲۹۰ تا ۲۹۲۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۱۸۔ ۳۲۳ میں اس کے مظالم کے متعلق جو کیفیت بیان کی گئی ہے اور ہیون سانگ نے اس کے متعلق جو قصہ لکھا ہے ان دونوں کا ایک دوسرے سے مقابلہ ہو سکتا ہے۔ نیز اس بات کا کہ وہ برہمنوں پر بہت مہربانی اور انکی پرستش کرتا تھا جیسا کہ ترنگ اول کے شلوک ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۱۲۔ ۳۱۴ سے ظاہر ہے یا یہ کہ بقول ہیون سانگ وہ بدھ مذہب کا سخت دشمن تھا اس بات کا ثبوت کہ یہ روایت تاریخی واقعات پر مبنی ہے۔ سانگلین کی اس علامت سے ملتا ہے جو ۵۲۰ء میں اس نے

ایک کپڑے کو جس کا نام یمس دیو تھا اور جس پر سورج دیوتا کی مورتی بنی ہوئی تھی ہمراہ لیکر واپس لوٹا۔

واپسی پر اس نے چولا[۹۶]۔ کرناٹ۔ لات وغیرہ کے راجوں کو اس طرح تتر بتر کر دیا جس طرح ایک مست ہاتھی اپنی بو سے دوسرے ہاتھیوں کو بھگا دیتا ہے جب یہ راجے میہر کل کے گذر جانے پر واپس آئے تو اُن کے شہر ٹوٹی ہوئی فصیلوں سے اپنی تباہی کا اظہار کرتے تھے۔

جب یہ راجہ کشمیر کے درے پر پہنچا تو ایک ہاتھی کی خوفناک چیخ کو جو ایک غار میں گر پڑا تھا سنکر بہت خوش ہوا۔ کج فہم راجہ کو یہ آواز بہت بھلی معلوم

[۹۶] اس ظالم اور کینہ دوز راجہ سے قندہار کی حدود پر اس کے کیمپ میں کی تھی۔ ایسے ہی میہر کل کی مذہبی رجحان کا ثبوت اُس سکوں سے ملتا ہے جن پر بیل اور ترسول کی علامت موجود ہے اور جیتو ورش۔ جیتو ورشنت دھوج کی روایات مظہر ہیں کہ وہ شوت کی طرف زیادہ راغب ہوتا ہے۔

میہر کل کے نام کے پہلے حصہ میں سورج دیوتا کا ایرانی نام موجود ہے جو اُستا کے لفظ متھر۔ انڈوسیتھین سکوں کے لفظ میو ہو اور فارسی لفظ مہر سے ملتا جلتا ہے۔ اس کے نام کے دوسرے حصے کل یا گل کے معنی مشتبہ ہیں۔

[۹۷] اس جگہ مہر کل کے لنکا پر چڑھائی کرنے اور اُس کے باعث کے متعلق جو کہانی بیان کی گئی ہے وہ بہت بڑی حد تک اُس اکم روایتی قصے سے جو کشمیر کے ایک راجہ کے متعلق مجمع التواریخ میں نکھا ہے مشابہ ہے دیکھو رے نوڈ کی کتاب فریگ منٹس الوبس اٹ پرسس" صفحہ ۴۲ نیز مسٹر فلیٹ کا خلاصہ کتاب "انڈین اینٹی کوٹی" فصل ۱۵ صفحہ ۲۵۔ مجمع التواریخ میں اُس راجہ کشمیر کا نام درج نہیں لیکن اس کا مخالف سندھ کا راجہ حال بیان کیا گیا ہے جو آخر کار حملہ آور کو صلح پر مجبور کر لیتا ہے۔ رے نوڈ صاحب کا خیال ہے کہ یہ راجہ کشمیر

ہوئی اور اس نے ایک سو ہاتھی یکے بعد دیگرے زبردستی غار میں گروا دیئے۔ جس طرح کسی پاپی کا ہاتھ لگنے سے جسم ناپاک ہو جاتا ہے اسی طرح اس کے کاموں کے بیان سے زبان خراب ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اس راجہ کے باقی ظالمانہ کاموں کا بیان نہیں کیا۔

ان آدمیوں کے چال چلن کا اندازہ کون شخص لگا سکتا ہے جو اپنی کمینہ فطرت کے باوجود بھی بڑے حیرت ناک کام کرتے ہیں۔ چنانچہ اس راجہ نے بھی مذہبی خوبیوں کو حاصل کرنے کے لئے بہت سے نیکی کے کام کئے۔ باوجودیکہ یہ اس قدر بدطینت تھا اس نے سری نگر میں شومیہر الیشور کا مندر اور ہوالپاس میں [۹۸ ۹۹]

سیہر گل ہی تھا۔

ف۹۶ چولا کا موجودہ نام تنجور۔ کرنات کا کرناٹک اور لات کا گجرات (سنٹرل) ہے دیکھو انڈین اینٹی کوٹی باب ۲۲ صفحہ ۱۷۶-۱۸۱-۱۸۳۔

ف۹۷ یہ کہانی جو اس جگہ بیان کی گئی ہے اس کی تصدیق آئین اکبری اور دوسری فارسی تواریخوں سے ہوتی ہے اور ان کی شہادت سے بڑی صحت کے ساتھ اس جگہ کا پتہ چلتا ہے ایک ٹیکا کار کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد اس جگہ کا نام عام طور پر ہستی ونج مشہور ہو گیا ہے۔ آئین اکبری کے قلمی نسخے کی جلد ۲ کے صفحہ ۳۰۳ پر املا کی غلطی سے اس جگہ کا نام ہتی وتر لکھا ہے لیکن حیدر ملک۔ نارائن کول اور بیربل کی فارسی تواریخوں میں اس جگہ کا نام ہستی ونج لکھا ہے اور اس کا محل وقوع درہ پیر پنچال میں ہے۔ اکتوبر ۱۸۹۱ء میں سٹائن صاحب نے خود اس جگہ پہنچکر موقعہ کا معائنہ کیا تھا اور لوگوں کی زبانی اس کہانی کو بھی سنا تھا وہ لکھتے ہیں اس درے کا موجودہ راستہ اکبر کی بنوائی ہوئی پرانی شاہی سڑک ہے۔ اور اس کا پورا حال وگنی صاحب نے اپنے سفرنامے کی جلد اول کے صفحہ ۲۶۱ پر اور انس صاحب نے اپنی ہینڈ بک کے صفحہ ۶۰ پر دیا ہے۔ ہوہ پوہ سے آگے بڑھ کر یہ

میہر پور[۳۳۰] کا شہر آباد کرایا۔ گاندھار[۳۳۱] کے برہمنوں نے جن کی عادات اس سے ملتی تھیں اور دوج لوگوں میں سے ادنیٰ ترین طبقے کے تھے اِس کے اگرہاروں کو قبول کر لیا۔ آسمان پر بادلوں کے گھرنے سے اگرچہ تاریکی چھا جاتی ہے مگر مور اس کو پسند کرتے ہیں برعکس اس کے راج ہنس بادلوں کے پھٹنے اور مطلع کے صاف ہو جانے سے خوش ہوتے ہیں۔ اسی طرح کسی دان کے دینے اور لینے والا ایک دوسرے سے جس قسم کے لحاظ کا سلوک کرے اس سے بہت بڑی حد تک ان دونوں کے مذاق کی مشابہت کا پتہ چلتا ہے۔

۷۰ سال حکومت کرنے کے بعد اس راجہ کو جو دہشت مجسم تھا کئی بیماریاں

سڑک کچھ دور تک دریائے رمبیارہ کے دائیں کنارے پر چلی جاتی ہے دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۲۲۷ اور پھر یہ ان پہاڑیوں پر سے گذرتی ہے جو کہ اس دریا کے بائیں یا شمالی کنارہ پر واقعہ ہیں۔ اور علی آباد کی پورانی مغل سرائے تک چلی جاتی ہے۔ علی آباد سے نصف میل نیچے ایک پہاڑی سلسلہ ہے جو بتدریج نیچا ہوا دریا کے پاٹ میں جا ملتا ہے اس جگہ کے رہنے والوں کی زبانی جو اکثر اس راستہ سے واقف ہیں معلوم ہوا کہ اس جگہ کا نام ہستی ونج ہے۔ اور لوگوں میں یہ اکثر یہ بھی مشہور ہے کہ کسی زمانہ میں اس جگہ ایک راجہ کے ہاتھی ہستی ونج کی چوٹی سے نیچے غار میں گرے تھے۔ اگرچہ ان لوگوں کو اس راجہ کا نام معلوم نہیں ہے۔ اور نہ وہ یہ جانتے ہیں کہ آیا یہ ہاتھی اتفاقیہ طور پر گرے تھے یا زبردستی نیچے گرائے گئے تھے۔ کہتے ہیں کہ اکبر کے اس سڑک کو بنوانے سے پہلے جو پورانا راستہ تھا وہ سلسلہ ہستی ونج کے اوپر سے ہوتا ہوا دریا کے دائیں کنارے کے ساتھ ساتھ جاتا تھا۔ لوگوں کے اس بیان کی تصدیق ابوالفضل کے بیان سے ہوتی ہے وہ آئین اکبری کی جلد ۲ کے صفحہ ۳۴۷ پر ان راستوں کی بابت جو بھمبر سے کشمیر کو جاتے ہیں ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے کہ اس سڑک کے بند ہونے سے پہلے اکبر کی فوجیں درہ پیر پنجال سے کشمیر کو اسی ہستی ونج (جس کا نام قلمی نسخہ

لاحق ہوگئیں اور آگ میں جل کر مرگیا۔ جب اس نے اپنے آپ کو آگ کی نذر کیا تو اُس وقت یہ اکاش بانی ہوئی۔ "اس تین کروڑ انسانوں کے قاتل کو مکتی حاصل ہوگئی ہے کیونکہ اس نے اپنے جسم پر بھی رحم نہیں کیا"

اُن آدمیوں کے خیال میں یہ ایک فیاض راجہ تھا جو یہ بیان کرتے ہیں کہ اس نے اگر ہار قائم کرکے اور ایسے ہی دیگر نیک کاموں کے ذریعے اپنے ظلموں کی تلافی کر دی تھی۔ بعض آدمی اس شیر سیرت انسان کے ظالمانہ کاموں کو اس مشہور عام روایت کے بموجب قابل معافی قرار دیتے ہیں کہ آریہ دیش کے باشندوں کو قتل کرنے کے بعد اس نے ایک سخت تپ کیا اور ملک میں

میں ہستی وتر لکھا ہے) کے راستے سے آیا جایا کرتی تھیں۔ اس راستہ کی تصدیق اور اسکے قدیم ہونے کا ثبوت کشمیر کے پورانے جغرافیہ سے بھی ملتا ہے راجوڑی (راجپوری) کی طرف سے جو سڑک کشمیر کو جاتی ہے وہ درہ درہال کے اوپر چشمہ نندن سر کے پاس سے ہوتی ہوئی پُشیان اور بہرام گل کے راستے دکن کی طرف سے علی آباد کے پاس شاہی سڑک سے آملتی ہے۔ راجوڑی سے کشمیر تک یہ بہت ہی سیدھا راستہ ہے اس واسطے سکھوں کی فوجیں ۱۸۱۴ء اور ۱۸۱۹ء میں اسی راستہ سے کشمیر میں داخل ہوئی تھیں اور آجکل بھی یہ راستہ عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ قدرتی طور پر یہ راستہ دریائے رمبیار کے جنوب یعنی ہستی ونج کے اوپر کی طرف چلاجاتا ہے اور اس راستہ پر اس طرف سے جانے والے کو دریائے عبور کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

یہ بھی یاد رہے کہ قدیمی سرحدی جنگی سٹیشن کا محل وقوع اس راستہ پر کرام ورت میں تھا دیکھو نوٹ ع ضمیمہ کتاب ہذا۔ اور اسی جگہ پر کالن کوٹ کے جنگی سٹیشن کا برج اب تک موجود ہے جو کہ دریائے رمبیار کے دکن کے کنارے پر ہستی ونج سے تین میل نیچے ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ پورا نا شاہی راستہ جس کی حفاظت کے واسطے یہ جنگی

جس کو دردوں[۱۰۲] (درد کے رہنے والوں) بھوٹوں[۱۰۳] اور ملیچھوں نے تباہ کر دیا تھا اور دھرم سے بالکل پتت ہو چکا تھا نئے سرے سے متبرک کر کے مذہبی رسوم قائم کیں اور آخر کار جب اس نے اپنے جسم کو اگنی میں اہوتی دینے کا ارادہ کیا تو اس نے اپنے پہلے گناہوں کی تلافی میں وجیشور کے مقام پر گاندھار کے برہمنوں کو ایک ہزار اگرہار دان کر دیئے۔ اور پھر لوہے کے تختے پر جس میں استرے۔ تلواریں۔ چاقو اور دیگر ایسے ہی دھار دار اوزار لگے ہوئے تھے آگ کی بھینٹ ہو گیا۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس راجہ نے جو مذکورہ بالا ظلم کئے وہ صرف کھش[۱۰۴] لوگوں کی تباہی کے واسطے تھے جنہوں نے ناگ (سشروس) کے غضب سے شہر نرپور کی تباہی

ستھن بنایا گیا تھا وہ بھی دریائے کے اسی طرف تھا۔ ہستی ونج کی پہاڑی کو اس کے مشرقی اور مغربی ڈھلوانوں سے عبور کرتے ہیں یہ ڈھلوان اگرچہ پہاڑی گھاس سے ڈھپے رہتے ہیں اور انکی کچھ غور پرداخت بھی نہیں ہوتی پھر بھی باربرداری کے لدے ہوئے جانور ان پر سے آسانی کے ساتھ گذر جاتے ہیں

شہ۹۸ اس مندر کا کوئی پتہ نہیں چلتا کہ کس جگہ پر بنوایا گیا تھا۔

ے۹۹ ہولدا کا موجودہ نام پرگنہ ولر ہے اس پرگنہ میں دریائے وتستا کی شمالی مشرقی وادی جو کہ پرگنہ واچن پور اور پرگنہ دیبی کے درمیان واقعہ ہے شامل ہے۔ اور آجکل یہ علاقہ صوبہ ترال کا مرکز ہے۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۳۱۱۸ میں ہولدا کا نام ہر اور دیوسرس کے ساتھ آیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ایک علاقہ کا نام ہے۔ ترنگ ۷ کے شلوک ۱۲۲۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ علاقہ مدوراج میں جس کا موجودہ نام مراز یعنی کشمیر کا مشرقی حصہ ہے شامل تھا۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۱۲۳۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہولدا کے باغی ڈامروں نے راجہ جے سنگھ کے دو افسروں کا محاصرہ اونتی سوامی کے مندر واقعہ اونتی پور میں کیا تھا اور اونتی پور کا شہر پرگنہ ولر میں واقعہ ہے اور اس کی تائید ترنگ ۵ کے شلوک ۴۲۳

کے بعد ملک میں زیادہ غلبہ حاصل کر لیا تھا۔

چندروتی کی کہانی ایک موقعہ پر جبکہ وہ چند کلیہ دریا[۱۰۵] کا رخ بدلوا رہا تھا تو ایک درمیانی چٹان کے باعث جو کسی سے ہل نہ سکتی تھی کام (کھدائی) رک گیا۔ اس پر راجہ نے تپسیا کی اور دیوتاؤں نے خواب میں ظاہر ہوکر بیان کیا کہ اس چٹان میں ایک طاقتور یکش (جن) رہتا ہے جس نے پاکبازی کا عہدے رکھا ہے۔ اگر کوئی پاکباز عورت اس کو چھوئے تو اس کی روکاوٹ دور ہو جائیگی۔ چنانچہ راجہ نے دوسرے دن چٹان پر اپنے خواب کی آزمائش کی۔ مگر اچھی اچھی خاندانی استریاں بھی اس کوشش میں ناکام رہیں۔

سے ہوتی ہے جس میں ہولدا کے ڈامروں کا ذکر کمادوی کے ڈامروں کے ساتھ آیا ہے۔ کھادوی کا موجودہ نام کھڑو ہے۔ اور یہ جگہ پرگنہ دیہی کے قریب ہے اور جونراج نے اپنی کتاب کے شلوک ۷۸۸ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

۱۰۳ میہرپور کے جائے وقوع کا کوئی پتہ نہیں ملتا اور پرگنہ ولر میں کوئی شخص اس شہر کے نام سے بھی واقف نہیں۔

۱۰۴ گاندھار (موجودہ قندھار) کے برہمنوں کا ذکر مہابھارت کے کرن پرب میں پنجاب کے برہمنوں کے ساتھ آیا ہے کہ ان کے چال چلن درست نہ تھے۔ ہیون سانگ چینی سیاح اپنی کتاب "سیوکی" کی جلد اول کے صفحہ ۱۷۱ پر لکھتا ہے کہ گاندھار کو راجہ میہرکل نے فتح کیا تھا۔ راج ترنگنی کے فرانسیسی ترجمہ میں اس شلوک کے بعد دو اور شلوک ہیں جو کہ سٹائن صاحب کے ترجمہ میں نہیں پائے جاتے ان میں لکھا ہے "ملیچھوں کی نسل میں اپنی بہنوں سے اور اہل دارد میں اپنی بہوؤں سے ناجائز تعلق رکھنا برا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بھوٹ لوگ اپنی استریوں کو دوسری چیزوں کی طرح فروخت کر دیتے تھے اور انکی استریوں کو بھی غیر آدمیوں سے تعلق پیدا کرنے سے مطلق شرم نہ آتی تھی"۔

اور آخر کار جب ایک کمہار کی استری نے جس کا نام چندروتی تھا اس کو ہاتھ لگایا تو یہ چٹان اپنی جگہ سے ہل گئی۔ اسپر راجہ کو (اپنے خیال کے مطابق) ان تمام عورتوں کی گری ہوئی حالت دیکھکر سخت غصہ آیا اور اس نے تین کروڑ اعلے خاندان کی عورتوں کو معہ اُن کے خاوندوں۔ بھائیوں اور بیٹوں کے قتل کروا دیا۔

اس قصہ کے متعلق دوسرے لوگوں نے بھی جو حالات لکھے ہیں ان سے یہی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اگر سچ پوچھو تو جانداروں کا تباہ کرنا خواہ اس کی کچھ بھی وجہ کیوں نہ ہو نہایت ہی بُرا کام ہے۔ ایسے گنہگار راجہ کا اپنی رعیت کے

---

۱۰۲ اہل دارد کا موجودہ نام درد ہے اور اس نام کی وجہ تسمیہ ڈریو صاحب کی کتاب "جموں" کے صفحہ ۴۳۰ پر درج ہے۔ ان لوگوں کے رہنے کے مقامات جو کہ ہیرودوتس کے زمانہ سے لیکر اب تک تبدیل نہیں ہوئے دریائے سندھ کے پار چترال۔ یاسین۔ گلگت۔ کیلاش اور بنجی سے لیکر کشمیر کے شمال میں وادیٔ دریائے کشن گنگا تک چلے جاتے ہیں۔ مگر راج ترنگنی میں جہاں کہیں اہل درد کا ذکر آیا ہے اُس سے وہ لوگ مراد ہیں جو وادیٔ دریائے کشن گنگا کے رہنے والے ہیں دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۱۱۷۱۔ اور ترنگ ۸ شلوک ۲۷۰۹ قدیم اہل درد کے مزید حالات کے لئے دیکھو لاسن صاحب کی "انڈین الٹی چیوڈ" جلد اول صفحہ ۴۹۸ اور میکنڈل صاحب کی "ٹالمی" کا صفحہ ۱۰۷

۱۰۳ کلہن اور اس کے بعد کے مورخوں نے جن لوگوں کو بھوٹیا بھٹ یا کہیں کہیں بھوٹ بھی لکھا ہے اس سے مراد اُس فرقہ سے ہے جسے آجکل بٹ کہتے ہیں۔ یہ لوگ عام طور پر تبتی نسل سے ہیں اور کشمیر کے مشرق اور شمال مشرق میں یعنی آجکل کے پہاڑی اضلاع دراس۔ لداخ اور شائد سکردو میں بھی رہتے ہیں۔ دیکھو ترنگ ۴ شلوک ۱۶۸۔ جوناراج کی تاریخ شلوک ۱۴۸۔ ۱۵۸۔ ۱۶۷۔ اور ۸۳۵۔ شری ور کی تاریخ ترنگ اول شلوک ۴۴

ہاتھوں قتل نہ کئے جانے کا باعث صرف یہی ہو سکتا ہے کہ دیوتا اُس کی رکھشیا کرتے تھے جن کے ایماء پر وہ ایسے کام کرتا تھا۔

(اس راجہ کی نسبت مورخوں کے مختلف خیالات ہیں اور ایک دوسرے کی تردید [۳۲] کرتے ہیں جس سے اس کے چال چلن کا صحیح صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے۔ مترجم)

راجہ بک

جب رعایا کی خوش قسمتی سے یہ راجہ وفات پا گیا تو اُس کا نیک نہاد بیٹا بک [۱۳۸] اس کا جانشین ہوا۔ پہلے راجہ کے عہد حکومت کے تجربہ سے لوگ اسے تخت پر

ترنگ ۳ شلوک ۳۲۔ ۴۰۱۔ ۴۴۵ وغیرہ۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۲۸۸۶ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ شاہراہ حد اس اور لداخ کا درہ ذو جیلا آجکل کی طرح اُس زمانہ میں بھی کشمیر اور بھوٹوں کے علاقے میں حد فاصل کا کام دیتا تھا دیکھو ڈریو صاحب کی کتاب "جموں" صفحہ ۴۳۲

کلہن نے شلوک ۳۱۰ تا ۳۲۴ میں جو مختلف آراء کا اظہار کیا ہے اس سے اس زمانے کی عام رائے جو میہر کل کے کیریکٹر کے متعلق تھی مشتبہ معلوم ہوتی ہے۔ جس کا پتہ ہیون سانگ کی کتاب "سی۔ یو۔ کی" فصل اول صفحہ ۱۶۷ میں چلتا ہے۔

[۱۳۸] لاسن صاحب کی کتاب انڈین الٹی چیوڈ جلد اول کے صفحہ ۱۰۲ پر لکھا ہے زمانہ قدیم میں زبان سنسکرت میں کھش اُس قوم کا نام تھا جو کوہ ہمالہ میں ملک کے بہت بڑے حصہ میں آباد تھی۔ مگر بہت سی حالتوں میں یہ شک پڑ جاتا ہے کہ یہ نام کس قوم پر استعمال کیا جاوے۔

کشمیر کی تواریخ میں اکثر جگہ قوم کھش کا ذکر آیا ہے مگر اس میں کوئی مغالطہ نہیں پڑتا غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ قوم سلسلہ کوہ ہمالہ میں ایک تھوڑی سی جگہ میں آباد تھی۔ اور یہ وہ علاقہ ہے جس کے مغرب میں دریائے وتستا کے گذرگاہ کا درمیانی حصہ اور

بٹھانے سے پیشتر اس طرح ڈرتے تھے جس طرح ایک آدمی اُس تفریح گاہ میں ڈرتا رہتا ہے جو شمسان بھومی پر بنائی گئی ہو۔

اگرچہ یہ ایک نہایت ہی ظالم راجہ کا بیٹا تھا تو بھی بنی نوع انسان کا بڑا مربی ثابت ہوا جس طرح سخت گرمی کے دنوں میں آسمان پر بادلوں کے گھرے رہنے کے بعد بارش کی بوچھاڑ آرام دہ ثابت ہوتی ہے۔

اب لوگوں نے خیال کیا کہ انصاف جو دوسری دنیا میں چلا گیا تھا اور امن جو کسی ناقابل رسائی جگہ میں جا چھپا تھا واپس آ گئے ہیں۔ اس عالی رتبہ شاہزادے نے بکش دھر کے علاقہ میں لولونس کا شہر آباد کرنے کے بعد شوبکیش کا مندر

مشرق میں کشتوار ہے۔ راج ترنگنی میں کئی جگہ پر ذکر آیا ہے کہ راج پوری (موجودہ لاجوڑی) کے حکمران کھش قوم کے راجے تھے۔ اور انکی فوج کھش قوم سے ہوا کرتی تھی دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۹۷۹ - ۱۲۷۱ - ۱۲۷۶ اور ترنگ ۸ شلوک ۸۸۷ - ۳۳۴۴ - ۱۸۹۸ - ۱۸۹۵ سے راجوڑی سے مشرق کی طرف چل کر ہم دریائے انس کی بالائی وادی میں آگئے ہیں اس دریا کا موجودہ نام پنج گھر ہے اور شری ور نے اپنی کتاب کی ترنگ ۴ شلوک ۲۱۳ میں اس دریا کا نام پنج گھر لکھا ہے۔ یہ وادی کھش قوم کی جائے رہائش ہے۔ اس سے آگے چل کر مشرق کی طرف بانشال ہے جس کا موجودہ نام بان ہال ہے اور اس کے اوپر کی طرف اسی نام کا ایک درہ ہے جہاں کہ بھکشاچر نے کھشوں کے راجہ بھاگک کے قلعہ میں جا کر پناہ لی تھی دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۶۶۵ - ترنگ ۸ کے شلوک ۱۷۰ اور ۲۰۴ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بان ہال سے لیکر دریائے چندر بھاگا تک کی ساری وادی جس کا نام آجکل بیچلاری ہے اور جس کا نام تواریخ میں وشلاٹا لکھا ہے کھش قوم کی جائے رہائش تھی۔ اخیر میں یہ بھی ثبوت ملتا ہے کہ کھاشوں کی بستیاں وادیٔ کھشالیہ میں تھیں اس وادی کا ذکر جونراج کی تواریخ کے شلوک ۵۱ - ۵۸ - ۲۸۴ - ۲۹۰ اور ۲۹۹ میں آیا ہے۔ کھشالیہ در حقیقت

بنوایا اور بگوتی نام نہر کھدوائی۔

جب اس راجہ کو حکومت کرتے ۶۳ سال اور تیرہ دن گذر گئے تو ایک جادو گرنی جس کا نام بھٹا تھا ایک خوبصورت عورت کی شکل میں شام کے وقت اسکے پاس آئی اور درخواست کی کہ آپ میرے مکان پر جس جگہ یگ ہو رہا ہے تشریف لے چلیں۔ راجہ اس کی دلفریب باتوں پر مفتون ہو گیا اور بڑی خوشی سے اس کی دعوت کو منظور کر لیا۔ لیکن دوسرے دن صبح کے وقت جب وہ اپنے سو بیٹوں اور پوتوں کے وہاں گیا تو جادوگرنی نے انہیں ماتری چکر کی بھینٹ کر دیا۔ آجتک بھی اس چٹان پر جادوگرنی کے گھٹنوں کے گہرے نشان دکھائی

کھشال کی وادی کا نام ہے اور نقشہ پر اس کا نام کاشر لکھا ہے اور یہ وادی درہ بانہال سے جو کشمیر کے جنوب مشرقی گوشہ میں ہے لیکر کشتوار تک چلی جاتی ہے۔ کھشالیہ کا قدیم نام غالباً کھشالی ہے دیکھو ترنگ ۲ شلوک ۳۹۹ اور شری ور کی کتاب کی ترنگ ۴ کا شلوک ۴۵۲ راجپوری سے مغرب کی طرف چل کر کھشوں کا ایک علاقہ پڑتا ہے جس کا نام پرنوتس یا پرنتس ہے اور اس کی بابت راج ترنگنی کی ترنگ ۷ کے شلوک ۲۱۸ میں لکھا ہے کہ تنگ نام ایک شخص جو معمولی گوالا تھا اور بعد میں رانی دوا کا ایک زبردست مشیر بن گیا تھا۔ یہیں کا رہنے والا تھا۔ اور رانی کا باپ سنگھ راج جو لوہر یا لوہرن کا حاکم تھا وہ بھی کھش قوم سے تھا دیکھو ترنگ ۶ شلوک ۱۷۵ ترنگ ۷ کے شلوک ۳ ۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ سنگھ راج کی اولاد جو رانی دوا کے بعد کشمیر کے تخت پر قابض ہوئی کھش کہلاتی تھی ترنگ ۸ کے شلوک ۹۰۴ میں ویرانک کے حوالہ سے ثابت ہوتا ہے کہ دریائے وتستا کی وہ وادی جو بارہ مولا سے نیچے کی طرف ہے کھشوں کی جائے رہائش تھی۔ نوٹ ۱۲۹ کتاب ہند میں لکھا ہے کہ اس وادی کا قدیم نام دوا روتی تھا اور موجودہ دوار بدی ہے۔ یہ وادی کتھائی اور مظفرآباد کے درمیان وادیٔ وتستا کا ایک حصہ ہے۔ مذکورہ بالا بیانات سے

دیتے ہیں۔ جس پر دو زانو ہو کر وہ دیوتاؤں کی طاقت حاصل کر کے آسمان کو اڑ گئی تھی۔

یہ کہانی جس کا تعلق شتنک پالیس (ماتری چکر) اور اس چٹان سے ہے ہمیرپی[۱۱۱] کے کئی ایک مٹھوں میں آجتک بھی سنائی جاتی ہے۔

راجہ شتی نند

اب راجہ بک کا بیٹا شتی نند جس کو دیوی نے اس کے خاندان کے درخت کی جڑ خیال کر کے قتل ہونے سے بچا لیا تھا تخت پر بیٹھا اور تیس سال

معلوم ہوتا ہے کہ وہ قوم جس کا نام زمانہ قدیم میں کھش تھا آجکل کھکہ کہلاتی ہے اور دریائے وتشتا کی وادی میں جو کشمیر کے نیچے کی طرف ہے بہت سے چھوٹے پہاڑی سردار اور عام رعایا کا کچھ حصہ اسی قوم میں سے ہے۔ لفظ کھکہ پہاڑی زبان سے نکلا ہوا ہے کشمیری زبان میں اس کی جمع کھاکہ ہے یہ لفظ سنسکرت کے لفظ کھش سے نکلا ہوا ہے زمانہ قدیم میں پنجاب اور اس کے گردو نواح کے پہاڑی علاقوں میں کھش کی بجائے کھکہ کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا۔ کیونکہ سنسکرت زبان کا حرف ष پہاڑی زبان میں ख اور ह سے بدل جاتا ہے۔ وادی وتشتا کے بن کھکہ سرداروں نے سکھوں کے زمانہ تک اپنی نیم آزادی کو قائم رکھا تھا یہ فرقہ مع اپنے پڑوسی فرقے بمبہ کے اہل کشمیر کے لئے بڑا تکلیف دہ رہا ہے دیکھو کننگھیم کا انیشنٹ جیوگرافی صفحہ ۱۳۱۔ پٹھانوں کی حکومت کے زمانہ میں اور اس کے بعد شیخ امام الدین کے عہد میں بھی جو ۱۸۴۶ء میں کشمیر کا حاکم تھا کھکہ لوگ لوٹ مار کرنے کی نیت سے جن راستوں سے کشمیر میں داخل ہوتے تھے ان کی بابت کشمیر میں لوگوں کو اب تک بھی بہت سی کہانیاں یاد ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم میں کھش لوگ بڑے زبردست لٹیرے تھے دیکھو شری ورکی راج ترنگنی

تک حکمران رہا۔

راجہ وسونند

شتی نند کے بعد اس کے بیٹے وسو نند نے جس نے سمر شاستر نامی ایک مشہور کتاب تصنیف کی تھی تخت پر بیٹھ کر ۵۲ سال ۲ ماہ حکومت کی۔

راجہ نر ثانی

اس کے بعد اس کا بیٹا نر ثانی اس کا جانشین ہوا اور ساٹھ سال تک

راج ترنگنی شلوک ۳۲۶ ۳۳۶ - ۳۵۶ - ۳۹۸ - ۵۷۱ - ۶۳۸ - ۶۴۶ پرجابھٹ اور شک کی راج ترنگنی شلوک اور راج ترنگنی مصنفہ پنڈت کلہن کی ترنگ ۸ شلوک ۱۸۹۵ اور ۲۲۸۹۔

۱۹۰۱ء میں جو کشمیر کی مردم شماری ہوئی تھی اس کی رپورٹ کے صفحہ ۱۴۱ پر ککھہ قوم کی آبادی ۴۴۰۴ لکھی ہے۔ یہ فرقہ کشمیر کے پہاڑی مسلمان راجپوتوں کی ایک شاخ گنا جاتا ہے ککھوں کی زمانہ حال کی تواریخ کے واسطے دیکھو لارنس صاحب کی کتاب بنام ویلی کا صفحہ ۲۰۱۔

۵۱ اس دریا کا اب کچھ پتہ نہیں چلتا کہ یہ کہاں ہے اور اس کا موجودہ نام کیا ہے سٹائن صاحب کو بھی اس کا کچھ سراغ نہیں ملا۔ البتہ منشی محمد الدین اپنی تاریخ کشمیر میں لکھتے ہیں "اس راجہ نے اپنی آخری حکومت میں پرگنہ کھاچارہ میں نہر چندر کول جاری کرائی اتفاقاً موضع امراو کر کے پہاڑ سے ایک بھاری پتھر کے گرنے سے پانی کی روانی بند ہو گئی۔ پتھر کو ہٹانے کی بہت کوششیں کی گئیں لیکن سب اکارت گئیں آخر اس عقدہ کشائی کے لئے آپ نے عبادت شروع کی وغیرہ وغیرہ" سٹائن صاحب اور جوگیش چندر دت کے انگریزی ترجموں کی نسبت یہ بیان زیادہ واضح اور قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ سٹائن صاحب کے ترجمے میں لکھا ہے ایک موقعہ پر جبکہ وہ چندر کلیہ دریا کا رخ بدلوا رہا تھا تو ایک درمیانی چٹان کے باعث جو کسی سے

حکمران رہا۔

راجہ اکش

شر کے بعد اس کا بیٹا اکش تخت کا وارث بنا اس نے بھی ساٹھ سال تک حکومت کی اور شہر اکشوول[۱۴۲] کی بنیاد ڈالی۔

راجہ گوپادتیہ

اس کے بعد سرزمین کشمیر معہ اپنے تمام جزیروں کے گوپا دتیہ کے قبضے میں

ہل نہ سکتی تھی کام (کھدائی) رک گیا" اس کا مطلب واضح نہیں ہوتا کہ کیوں دریا کا رخ تبدیل کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی تھی۔ جوگیش چندر دت کے انگریزی ترجمے میں تحریر ہے "لیکن وہ چندر کلیہ دریا میں اتر رہا تھا اس کے رستہ میں ایک بڑا پتھر آ گیا جو کسی سے ہل نہیں سکتا تھا یہ بیان بھی بالکل مہمل ہے غالباً درست یہی ہے کہ اس راجہ نے جو نہر کھدوائی تھی اس میں یہ پہاڑی چٹان گر پڑا تھا اور اس نے پانی کا رستہ روک دیا تھا۔

[۱۴۰] ترنگ اول کے شلوک ۳۱۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس راجہ کا نام تر کوٹی ہن (تین کروڑ جانوں کا قتل کرنے والا) بھی تھا۔ اور ہیرو دوتس یونانی مورخ کے سفرنامے سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے مگر ہیون سانگ اپنے سفرنامے میں اس راجہ کی بابت تحریر کرتا ہے کہ اس نے قندھار کی فتح کے موقعہ پر ۹ لاکھ آدمی تباہ کرائے تھے۔ جن میں سے تین لاکھ دریائے سندھ کے کنارے پر قتل کئے گئے تھے تین لاکھ دریا میں ڈبوئے گئے تھے اور تین لاکھ بطور غلام کے اپنی فوج میں بانٹ دیئے تھے۔ دیکھو ہیون سانگ کی کتاب سیوکی باب اول صفحہ ۱۷۲۔

[۱۴۱] کشمیر کی تمام قلمی کتابوں میں اس راجہ کا نام تنک لکھا ہے مگر ڈاکٹر ہلزش لکھتے ہیں کہ انہوں نے پونا کی مطبوعہ کتاب میں اس کا نام ایک لکھا ہوا دیکھا تھا۔ اس غلطی

آئی جس کی توجہ کے باعث جو چار سعل وڈنوں اور تمام رسومات کی طرف پائی جاتی تھی۔ لوگوں کی نظروں کے سامنے ایک دفعہ پھر ست یگ کا زمانہ پلٹ آیا۔ اس نے کھوون[۱۱۳]۔ کھاگی کا۔ ہادی گرام۔ سکندپور اور شماجا سا اور دیگر اگرہار قائم کئے۔ اور گوپ کی پہاڑی پر جس کا موجودہ نام گوپادری[۱۱۴] ہے۔ شوجیشٹھیشو[۱۱۵] کا مندر بنوانے کے بعد اس دانا راجہ نے آریہ دیش کے برہمنوں کو گوپ اگرہار دان کئے۔ اُس نے ان آدمیوں کو جو لہسن کھاتے تھے شہر سے نکال کر بھوکسرو[۱۱۶] انکا میل تو جن برہمنوں سے

کی وجہ آسانی سے معلوم ہو سکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ شاردا زبان کے حروف میں صرف [illegible] اور [illegible] کی شکل بالکل ملتی ہے۔ اسیطرح منشی محمد الدین صاحب آدگونند (گونندا ول) کو اوکنند لکھتے ہیں۔

۱۰۸ اگرچہ کلہن نے اس شہر کا کئی جگہ پر ذکر کیا ہے مگر اس کا محل وقوع ابھی تک پختہ طور پر معلوم نہیں ہوا۔ ترنگ ، کے شلوک ۶۲ ، سے معلوم ہوتا ہے کہ لونوتس سے سرینگر سے ایک دن کی منزل پر تھا اور پدم پور (موجودہ پامپر) اس کے راستہ پر واقع ہے۔ ترنگ ، کے شلوک ۱۵۳۷ اور ۱۹۵۸ میں لونوتس کا ذکر وجیشور کے محاصرہ کے ساتھ آیا ہے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ لونوتس اور وجیشور کے درمیان کوئی بڑا فاصلہ نہ تھا ترنگ ۶ کے شلوک ۳۳۶ ، ۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ لونوتس کا شہر ان بڑی سڑکوں میں سے کسی ایک پر واقع ہے جو کہ باہر کی طرف سے سرینگر میں آتی ہیں۔

۱۰۹ نکیش کے مندر اور نکوتی نہر کا کوئی پتہ نہیں ملتا۔

۱۱۰ ماتری چکر یا دیوی چکر کے لئے دیکھو کتاب ہذا کا نوٹ ۵۴

۱۱۱ ترنگ ۸ کے شلوک ۱۲۶۰ اور شری ورکی راج ترنگنی کی ترنگ ۳ شلوک ۱۹۰ ترنگ ۴ شلوک ۵۲ سے ظاہر ہے کہ کھیری ایک نام ہے اور اس کا موجودہ نام کھرنار ملو ہے اس پرگنے میں وہ سرسبز وادیاں شامل ہیں جو کہ پیر پنچال کے درہ گلاب گڑھ اور موہ سے لیکر دریائے وشاؤ تک چلی جاتی ہیں۔ موضع کھر کا نام سروے کے بڑے نقشے پر کوری لکھا ہے اور یہ اس کے نام کے پہلے حصے کی وجہ تسمیہ ہے۔ اس کے مفصل حال کے لئے دیکھو

اپنے کرم چھوڑ دیئے تھے انکو کھاشتہ[۱۱۰] میں چلے جانے کا حکم دے دیا۔ اور ان عیوب سے پاک ملکوں سے دھرماتما برہمنوں کو بلاکر وشچکا[۱۱۱] وغیرہ کے اگرہاروں میں آبلاکیا۔ چونکہ یگ کے موقعہ پر بلی دان دینے کے علاوہ وہ کسی جانور کا مارا جانا پسند نہیں کرتا تھا اس لئے قصائد (پرشاستی) میں اُس کے لئے "دنیا کے اعلےٰ نگہبان" کا لقب استعمال کیا گیا ہے۔

ساٹھ سال چھ دن حکومت کرنے کے بعد آخر کار یہ راجہ اپنے نیک کاموں کا

وگنی صاحب کا سفر نامہ جلد اول صفحہ ۲۰۴۔ شری ورکی ترنگ ۴ کے شلوک ۵۲۴ میں ذکر ہے کہ کھیری میں دونوں پرگنے یعنی دیوسرس (موجودہ دیوسر) اور اردون (موجودہ آدون) شامل ہیں اور دونوں پرگنے مل کر پرگنہ کہرنارواد بنتا ہے اور جوکہ دریائے وشاؤ کے شمال میں ہے۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۹۶۰۔ ۱۱۱۸۔ ۱۴۸۲ اور ۱۶۲۴ سے پایا جاتا ہے کہ اس علاقہ کا حاکم بڑا معزز سمجھا جاتا تھا اور کھیڑی کاریہ کہلاتا تھا۔ غالباً سکھوں اور ڈوگروں کے زمانہ میں بھی اس علاقہ میں شاہی خاندان کے ممبروں کو جاگیریں ملتی رہی ہیں۔ دیکھو وگنی صاحب کا سفر نامہ جلد اول صفحہ ۳۰۷۔ اس بات کا کچھ پتہ نہیں چلتا کہ وہ کون کون سی جگہیں تھیں جن کا ذکر کلہن نے مٹھوں کے نام سے کیا ہے۔ کسی زمانہ میں کھرزواڑ میں سے کئی راستے مذکورہ بالا مقام کی طرف نکلتے تھے اور یہ اغلب ہے کہ وہ مٹھ جن کا ذکر کیا گیا ہے راستہ پر کی دھرم سالوں کے نام ہوں۔ اسی طرح شری ور نے اپنی کتاب کی ترنگ ۸ کے شلوک ۱۹۰ میں حسن شاہ کے وقت کھیری میں دھرم مٹھ کے قائم ہونے کی بابت اشارہ کیا ہے۔ اُس کھاوت کے لحاظ سے جو ہمارے سلسلہ مضمون کے ساتھ وابستہ ہے آجکل ان مقامات کا کچھ بھی نشان باقی نہیں۔

۱۱۲ھ اکشوال کا موجودہ نام اکبل ہے اور پرگنہ کوٹھار میں واقع ہے۔ یہ جگہ اپنے خوشنما چشموں کی بابت جن کا ذکر برنیر صاحب کے سفر نامہ کے صفحہ ۴۱۳ اور وگنی صاحب

پھل بھوگنے کے لئے سورگ لوک کو چلا گیا۔

راجہ گوکرن

اس راجہ کے بعد اس کا بیٹا گوکرن جس نے اپنے نام پر گوکرن ایشور کا مندر بنوایا تھا تخت پر بیٹھا اور ۵۷ سال حکومت کر کے راہی ملک بقا ہوا۔

کے سفرنامے کی جلد اول کے صفحہ ۲۴۷ پر ہے مشہور ہے۔ نیل مت پوران کے شلوک ۹۱۷ میں الکشپال ناگ کا ذکر ہے۔

۱۱۳ھ کھاگی کا دوسرا نام کھاگی اور موجودہ نام کھاگ ہے دیکھو نوٹ ۲۹ کتاب ہذا۔ کھول غالباً وہ شہر ہے جس کا نام آجکل کھلی ہے اور پرگنہ ول میں واقع ہے ایک ٹیکا کار کے بیان کے مطابق ہادی گرام یا آدی گرام کا موجودہ نام آرگوم ہے اور پرگنہ نگام میں واقع ہے ۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۹۶۲-۱۵۰۶ اور ۲۱۹۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جگہ کئی ایک لڑائیوں کا میدان جنگ رہی ہے۔ پنڈت کانشی رام نے ۱۸۹۱ء میں اس جگہ کئی مندروں کے کھنڈرات کا بھی پتہ لگایا تھا۔

سکندرپور کا دوسرا نام کھانڈور اور موجودہ نام کھونڈر ہے جو کہ ایک بڑا قصبہ ہے اور پرگنہ کوٹھار میں نگام اور تیلون کے درمیان واقع ہے۔ سروے کے نقشے پر اس شہر کا نام درج نہیں لیکن سٹائن صاحب نے ستمبر ۱۸۹۱ء میں اس جگہ کا ملاحظ کیا تھا۔

شماجاسا کا نام ایک ٹیکا کار نے شمان گاسا بھی لکھا ہے لیکن دوسرے ٹیکا کار نے اس کو شماجاسا ہی تحریر کیا ہے اور یہی درست بھی ہے صرف سارداپھا شا کی املا کی غلطی سے سمان گاسا لکھا گیا ہے۔ ایک اور ٹیکا کار نے اس کو شمین جاسو لکھا ہے مگر آجکل اس کا کہیں پتہ نہیں ملتا۔ ممکن ہے کہ موجودہ سانگس نام کا گاؤں ہی شماجاسا ہو مفصل

راجہ نریندرادتیہ اول

گوکرن کے بعد اس کا بیٹا نراندرادتیہ جس کا دوسرا نام کھنکھل بھی ہے تخت نشین ہوا۔ اس راجہ نے شو بھوتیشور[۱۱۵] کے مندر بنوائے اور برہمنوں کے واسطے مستقل سدابرت جاری کردیئے اس کے گورو اوگر نے جس پر دیوتاؤں کی مہربانی تھی اور جس کا قد عزت کے باعث بڑھا ہوا تھا (جو بڑا ذی عزت عالم

حال کے لئے دیکھو کتاب ہذا کا نوٹ ۳۴

۱۱۴ ترنگ ۸ کے شلوک ۳۰۱۱ سے ۱۱۱۰ تک کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ گوپادری وہی پہاڑی ہے جس کا نام تخت سلیمان ہے، اور جو سری نگر کے ٹھیک مشرق میں واقع ہے۔ ایک ٹیکا کار نے اس پہاڑی کا نام موضع گوپ کار کے نام پر گوپ کار لکھا ہے۔ یہ گاؤں جس کا موجودہ نام گوپ کار ہے تخت سلیمان اور جھیل ڈل کے درمیان شمال مشرقی گوشہ میں واقع ہے۔

۱۱۵ ضمیمہ کتاب ہذا کے نوٹ ع۲ کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شو جیشٹیشور کی پوجا تخت سلیمان پہاڑی کے قریب علاقہ جیٹھر میں زمانہ قدیم سے لیکر آجتک ہوتی چلی آتی ہے۔ جیشٹیشور کا مندر غالباً جیشٹ رودر کے پرانے مقدس مندر کے کھنڈر پر بنایا گیا تھا۔ اس مندر کی عمارت زمانہ قدیم کے مندروں کی طرز سے ملتی جلتی ہے دیکھو فرگوس صاحب کی کتاب "انڈین آرکی ٹکچر" کا صفحہ ۲۸۱۔ لیکن یہ بیان کننگھیم اور کول صاحب کے خیالات کے مطابق نہیں ہے دیکھو جرنل اف ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی بابت ۱۸۴۸ء صفحہ ۲۳۷ مندر کی کرسی اور اس کی سیڑھیاں اس سے بھی پرانی معلوم ہوتی ہیں۔ کلہن نے جس مندر کی بابت لکھا ہے کہ راجہ گوپادتیہ کا بنوایا ہوا ہے عرصہ دراز کی شکست و مرمت کے باوجود ممکن ہے کہ اس کی موجودہ عمارت میں کچھ حصہ پورانی عمارت کا بھی موجود ہو۔ اس پہاڑی کا

شواگریش کا مندر اور ماتری چکر بنوایا۔
یہ نیک نہاد راجہ ۳۶ سال ۳ ماہ اور ۱۰ دن حکومت کر کے آخر سورگ کو سدھارا۔

راجہ یدہشٹر اول

اس کے بعد نریندر ادتیہ کا بیٹا یدہشٹر اول جسے لوگ اس کی چھوٹی آنکھوں کے سبب سے اندھہ یدہشٹر بھی کہتے تھے تخت پر بیٹھا۔ یہ راجہ تھوڑے عرصہ تک تو اپنے باپ دادا کے نقش قدم پر چلتا ہوا اپنے موروثی ملک پر بڑی ہوشیاری سے حکومت کرتا رہا مگر کچھ مدت بعد بدقسمتی سے اس کو شاہی جاہ وجلال کا بڑا غرور ہوگیا اور خوشامدیوں کے دام میں پھنس گیا۔ اس کے بعد وہ اُن لوگوں کے ساتھ مہربانی نہ کرتا تھا جو اس کے مستحق ہوتے تھے نہ داناؤں کی عزت کرتا تھا اور نہ سابق کی طرح اُن لوگوں کے ساتھ مہربانی سے پیش آتا تھا جو اسی کی خدمت کرتے کرتے تجربہ کار بن چکے تھے۔ جب داناؤں کے ساتھ جاہل

جو گوپادری ہے اس کی بابت فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ یہ نام راجہ گوپادت کے نام سے منسوب کیا گیا تھا یا اس کی وجہ کچھ اور تھی۔ یہ بھی واضح رہے کہ اس دشوار گذار پہاڑی پر سوائے اس مندر کے اور کسی قدیمی مندر کے کھنڈ نہیں پائے جاتے اور صرف یہی ایک جگہ ہے جہاں کہ علامت بتائی جاسکتی ہے۔ گوپ اگرہار (گوشالہ) اس پہاڑی کے مشرقی دامن میں اس سرسبز مرتفع پر واقعہ تھے جس جگہ آجکل موضع گوپ کار کے انگوروں اور دیگر میوہ جات کے باغ بنے ہوئے ہیں۔

۱۱۶ بھو کسرواٹکا کا موجودہ نام بک ودر ہے۔ یہ تنگ قطعہ زمین جو کوہ سلیمان کے شمال مغربی دامن میں ہے کوہ سلیمان اور گاگری بل کے درمیان جو کہ جھیل ڈل کا ایک حصہ

نوکروں کا سا سلوک کر کے ان کی عزت کو زائل کر دیا تو وہ اس کی اِس بگڑی ہوئی حالت میں اُس سے پرے پرے رہنے لگے۔ یہ سچ ہے کہ ایک جوگی کے لئے سب کو ایک آنکھ سے دیکھنا اس کی ایک اعلیٰ صفت ہے لیکن راجہ کے لئے مستحق اور غیر مستحق کو یکساں سمجھنا بڑا عیب اور بے عزتی کا باعث ہے۔ خوشامدیوں کی صحبت نے جو اس کی خوبیوں کو بُرائیاں اور بُرائیوں کو خوبیاں ظاہر کرتے تھے اُسے رفتہ رفتہ عقل سے خارج کر دیا اور وہ عورتوں کا غلام بن گیا۔ اس کے الفاظ دل ریش ہوتے تھے۔ وہ ہر ایک کی ہنسی اُڑاتا تھا اور اس کی بات چیت زیادہ تر خوشامدیوں کے ساتھ ہی رہا کرتی تھی۔ اُس کی تفریح طبع کے کام بھی ایسے ہی ہوا کرتے تھے جو راجاؤں کی شان کے ہرگز شایاں نہ تھے اور جن سے لوگوں کے دل میں دہشت پیدا ہو جاتی تھی۔ وہ بڑا متلون مزاج تھا اس لئے اس کی مہربانی کا بھی کوئی اعتبار نہ کرتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نوکروں کے دلوں میں اس کی طرف سے نفرت پیدا ہو گئی اور چھوٹے چھوٹے امور میں عدم توجہی کے باعث ٹھوکریں کھانے سے سلطنت میں بد انتظامی پھیل گئی۔ جب اس کے لائق اور تجربہ کار

ہے واقعہ ہے۔ اس کے نیچے کنارے پر جہاں طغیانی کا پانی اکثر چڑھ آتا ہے چند باغات لگے ہوئے ہیں اور یہ مدگ جان کے متعلق ہیں جو یہاں سے نصف میل کے فاصلہ پر ہے کشمیری زبان کا لفظ ودر سنسکرت کے لفظ واٹکا سے نکلا ہوا ہے اور اس کے معنے باغ کے ہیں۔ دیکھو نوٹ ۵۵ کتاب ہذا۔ لسن کے ممنوع ہونے کی بابت دیکھو منوسمرتی کا ادھیائے ۵ شلوک ۵۔

۱۱۷ کھاستہ سرینگر کے بہت ہی قریب ہے اور اس کا موجودہ نام سعد بل ہے مفصل حالات کے لئے دیکھو کتاب ہذا کا نوٹ ۶۵ اس کے جائے وقوع کی تائید میں اور کوئی شہادت نہیں ملتی۔

مشیروں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تو بد باطن اور شریر امیر وزیر اس کو تخت سے معزول کرنے کی کوششیں کرنے لگے۔ اہل دربار کی اسقدر مطلق العنانی اور راجہ کی کمزوری نے اردگرد کے راجوں کے دل میں کشمیر پر قبضہ کرنے کا شوق پیدا کردیا اور وہ کشمیر پر اس طرح آگرے جس طرح گدھ مردار پر۔

اب راجہ کی آنکھیں کھلیں مگر وقت گذر چکا تھا اور جس طرح دیوار سے نکلی ہوئی اینٹ کو اپنی جگہ پر قائم ہونا ناممکن ہو جاتا ہے اسی طرح اب اس کے لئے بھی اپنے قدموں پر کھڑا ہونا مشکل تھا۔ اور اسے اپنی سلطنت کی دیوار کو جس کی بنیاد عرصہ سے ہل چکی تھی اور اب گرنے کے قریب تھی سنبھالنے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ اس نے اپنے باغی امراء سے صلح کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ راجہ کو ہمارے سارے عیوب معلوم ہو چکے ہیں اور جب وہ اپنی جگہ پر قائم ہو گیا تو ہم سب کو قتل کرا دیگا۔

آخر کار ایک دن سب نے فراہم ہو کر محل شاہی کا محاصرہ کر لیا۔ ان کے

ش۱۱۵ اس قصبہ کا موجودہ نام وچی ہے اور دریائے رمبیار کے نچلے کنارے پر واقع ہے۔ سروے کے نقشے پر اس کا نام ووچی لکھا ہے۔ ۱۸۹۱ء میں پنڈت کانشی رام نے اس جگہ پر زمانہ قدیم کی بنی ہوئی پتھر کی چند ٹوٹی پھوٹی مورتیاں دیکھی تھیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصبہ زمانہ قدیم کا بنا ہوا ہے۔

ش۱۱۶ اس مندر کے مفصل حالات کے لئے دیکھو کتاب ہذا کا نوٹ ۱۰۴ ایک ٹیکا کار کے خیال کے مطابق اکسا ینی کے معنے اس جاگیر کے ہیں جو کہ برہمنوں کے خرچ کے واسطے وقف کی جاتی تھی۔ کسی دوسری جگہ اس جاگیر کا ذکر اکسی نیل کے نام سے آیا ہے جو کہ کشمیر کی نزدیکی پہاڑیوں میں واقع ہے۔ شری ور اپنی راج ترنگنی کی ترنگ اول کے شلوک ۰۰۰ میں ایک اس قسم کی جاگیر کی بابت ذکر کرتا ہے جو کہ زین العابدین نے

نقاروں کی خوفناک آوازوں میں لوگوں کی آہ وزاری کی آواز سنائی نہ دیتی تھی اُن کے ہاتھیوں پر بندھے ہوئے جھنڈوں کے باعث سورج کی کرنیں نیچے تک نہ آسکتی تھیں اور اس حالت میں ہر چند کہ دن کا وقت تھا تاہم محل کی چھتوں کے گرد تاریکی چھا گئی۔ مگر لڑائی سے معترز رہ کر باغیوں نے راجہ کو ملک سے نکل جانے کی اجازت دے دی۔ اور مصیبت زدہ راجہ جس کا اقبال اُس سے منہ موڑ چکا تھا بحالت مجبوری محلوں سے نکل کر اور اپنے ملک کو خیرباد کہہ کر جلاوطنی پر روانہ ہوا۔

لوگ جب راجہ اور اس کی رانیوں کو سڑک پر بحالت بے سروسامانی پیدل چلتے دیکھتے تھے تو اُن کی آنکھوں سے بے تحاشا آنسو بہ نکلتے تھے اور اُس گرد میں جو اِدھر اُدھر پھرنے والے فوجی سواروں کے گھوڑوں کے سموں سے اُڑ رہی تھی مل کر جمے ہوئے دانوں کی شکل اختیار کر لیتے تھے مگر سنگدل اور بے رحم باغیوں کے دل راجہ کی اس مصیبت کو دیکھ کر بھی نرم نہ ہوئے اور اس کی

شور پور (ہور پور) واقعہ درہ پیر پنچال میں وقف کی تھی۔ جہاں پر مسافروں کو بغیر کسی امتیاز کے کھانا مفت ملتا تھا۔ اور اس نے اس کو "ان سترا دچھن" کے نام سے تعبیر کیا ہے جو کہ ہمارے "اوچھنم ان دانم" کے عین مطابق ہے۔ مقابلہ کے لئے دیکھو ترنگ ۲ شلوک ۵۸۔ ترنگ ۸ شلوک ۱۷۵۔ اور شری ور کی کتاب ترنگ اول شلوک ۲۰۲۔ لفظ اکسی بنیؒ بھی لفظ اکسیا نوی کا ہم معنے ہے۔ جس کا مطلب دوامی وقف شدہ جاگیر سے ہے۔ اور جن کا ذکر نا رسک خار کے کتبوں اور اور جگہ بار بار آیا ہے دیکھو انڈین اینٹی کوئی بلد صفحہ ۱۶۷۔ اسی قسم کی جاگیریں آج تک ہندوستان کے مختلف حصوں میں کئی ایک دھرم شالاؤں کے ساتھ قائم ہیں مثلاً جموں کا رگناتھ جی کا مندر جہاں پر سدابرت کے نام سے مشہور ہے۔ اسی طرح جہلم روڈ پر کشمیر کی طرف جانے والے فقیروں۔ یاتریوں اور

کئی ایک حسین رانیوں اور خزانہ کو چھین کرلے گئے جس طرح پہاڑ کی چوٹی سے اکھڑ کر گرنے والے درخت کے پھل اور پتے پتھروں اور پہاڑ کی چٹانوں سے ٹکرا کر جھڑ جاتے ہیں ٹھیک یہی حالت اس وقت راجہ کی تھی۔

راجہ جب پہاڑی اور دشوار گذار راستوں پر چلتا ہوا تھک کر کسی درخت کے سایہ میں آرام کرنے کے لئے بیٹھ جاتا تو پہاڑ کے قدرتی اور دلفریب نظاروں سے اس کا غم کسی قدر غلط ہو جاتا اور روزمرہ کے کوچ اور مقام کی مصیبت کا بوجھ اس کے دل سے ہلکا پڑ جاتا تھا مگر جونہی کہ گھاٹیوں کے رہنے والے لوگوں کے شور وغل کی آواز اس کے کانوں میں پہنچتی تو وہ چونک پڑتا اور دشمن کی آمد سمجھ کر اپنے آپ کو بچانے کے لئے کسی کھڈ میں جا چھپتا۔ اس کی رانیاں جو کنول پھول

مسافروں کو درہ بانہال اور مقام بونیار پر سرگ باشی مہاراجہ جموں کی وقف کردہ جاگیر کی آمدن کے ایک حصہ سے آجکل بھی خوراک وغیرہ بطور خیرات کے ملتی ہے۔

شلوک ۱۹ (ب) ایک ٹیکا کار کے بیان کے مطابق یہ عرصہ ۱۰۲۴ سال کا تھا اور دو اور ٹیکا کار راجاؤں کی تعداد ۳۸ قرار دیتے ہیں یہ تعداد اس طرح پر حاصل ہوتی ہے کہ یدھشٹر اول اور ان بیس راجاؤں کے ساتھ جن کا عہد حکومت بیان ہوا ہے اُن ۱۷ راجاؤں کو ملا لیا جائے جنکے نام کا ذکر گونند ثالث سے پہلے ہو چکا ہے۔

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مجموعہ سنین و تعداد راجگان میں کوئی تعلق نہیں پایا جاتا کیونکہ گونند ثالث سے لیکر نریندرادتیہ اول تک عہد حکومت کا حقیقی طور پر بیان کیا ہوا مجموعہ ۹۶۷ سال ۸ ماہ اور ۲۹ دن ہوتا ہے بجائیکہ ایک ٹیکا کار نے اس تعداد کو ۹۶۸ سال ۲ ماہ ۲۳ دن رکھا ہے اس سے باقی ماندہ ۱۸ راجاؤں کا عہد حکومت زیادہ سے زیادہ صرف ۵۶ سال رہ جاتا ہے۔

یہ امر ظاہر ہے کہ خواہ کسی نے بھی اس شلوک کا اضافہ کیا ہو اس کا منشا گونند ثالث

کی خوشنما کونپلوں کی مانند نازک تھیں جب جنگل میں کانٹے دار جھاڑیوں سے گذرتی اور پھسلنے والے پتھروں پر سے ندیوں کو عبور کرتی تھک کر زمین پر بیٹھ جاتیں تو اپنے سر گھٹنوں پر رکھ کر غش کھا جاتی تھیں جب وہ کسی بلند پہاڑ کی چوٹی سے اپنے دور پیچھے رہے ہوئے ملک کی طرف دیر تک ٹکٹکی لگائے دیکھتے رہنے کے بعد اس کی طرف پھول پھینک کر اور سرد آہ بھر کر آخری الوداع کہتی تھیں تو اس وقت جنگلی

سے یدہشٹر اول تک کے عہد حکومت کی مجموعی طوالت بیان کرنے کا تھا۔ لیکن دونوں ٹیکا کاروں کے رو سے یہ مجموعہ کلہن کے سلسلہ تاریخ کی بنا سے مطابقت نہیں کھاتا۔ ترنگ ۱ کے شلوک ۴۸ سے واضح ہوتا ہے کہ گوتند اول سے یدہشٹر اول تک راجاؤں نے ۲۲۶۸ سال مجموعی طور پر حکومت کی۔ ترنگ ۱ کے شلوک ۵۴ میں جن ۵۲ عدم پتہ راجاؤں کا ذکر ہے۔ اُن کے ۱۲۶۶ سالہ عہد حکومت کو اس مجموعے سے نفی کر دیا جائے تو اس ترنگ میں گوتند ثالث سے آگے کی طرف مجموعی عہد حکومت صرف ۱۰۰۲ سال باقی رہ جاتے ہیں۔ اس تعداد کے خلاف اس شلوک میں جس پر یہاں بحث کی گئی ہے ۱۰۱۴ یا ۱۰۲۴ سال ۹ ماہ ۹ دن یعنی ۱۲ یا ۲۲ سال چند ماہ کا اضافہ نظر آتا ہے۔ سٹائن صاحب لکھتے ہیں کہ ٹرائر صاحب کی طرح میں بھی اس اختلاف پر کچھ روشنی نہیں ڈال سکتا کیونکہ انہوں نے ترنگ ۱ کے صفحہ ۳۹۶ پر اس معاملہ پر کافی بحث کی ہے۔ یہ امر اغلب ہے کہ یہ شلوک اور اسی قسم کے دوسرے خلاصے جو ترنگ ۲ و ۵ تا ۷ کے اخیر میں پائے جاتے ہیں ان کا اضافہ بعد میں ہوا ہے۔

۱۰۰۲ سال کے مجموعے سے گوتند ثالث سے نریندرادتیہ تک کے مذکورہ بالا عرصۂ حکومت کو خارج کر دیا جائے تو ایک ٹیکا کار کے خیال کے مطابق یدہشٹر اول کا عہد حکومت ۳۴ سال ۳ ماہ ایک دن اور دوسرے کے مطابق ۳۳ سال ۹ ماہ ۷ دن رہ جاتا ہے۔

پرندے بھی جو پہاڑی ندی، نالوں کے کناروں پر بیٹھے ہوئے ان کی مجنونانہ حرکت کو دیکھتے تھے بے اختیار چلا اٹھتے اور پروں کو زمین پر پھیلا کر اپنی چونچیں انمیں چھپا لیتے تھے۔

رانیوں کے دوپٹے اُن کے سروں سے کھسک کر چھاتیوں پر گرے ہوئے اور ان کے ہاتھ سروں سے اوپر اُٹھے ہوئے ہوتے تھے اس حالت میں جب وہ اپنے شانوں کو غیر مستقل حرکت دیتی ہوئی اپنے دور دراز فاصلے پر واقعہ محل کی طرف دیکھتی تھیں تو ان کے رونے سے راستے پر آنسوؤں کی ندی بہ نکلتی تھی۔

ان نیک دل راجاؤں نے جن کے علاقے میں راجا پناہ گزیں ہوا اُس کے غم اور سلطنت کے ہاتھ سے جاتے رہنے کے رنج کو مہربانی سے اپنی پختہ دوستی مناسب الفاظ میں دی ہوئی تسلیوں اور اُن توجہات کے ذریعے جن کی رو سے وہ اس کی خواہشات کے مطابق بلا روک عمل کرتے تھے دور کیا۔

یہاں پر راج ترنگنی کی پہلی ترنگ کا خاتمہ ہوتا ہے جسے کشمیر کے مشہور وزیر چمپک کے بیٹے کلہن نے مرتب کیا۔

۱۱۹ ب
اس ترنگ میں جن ۲۱ راجاؤں کا ذکر آیا ہے اُن کا عہد حکومت ۱۰۱۴ سال ۹ ماہ اور ۹ دن رہا۔



مُکمل راج ترنگنی

دوسری ترنگ

شوجی کے جسم کی اُس ترکیب کو جس کا آدھا حصہ استری (پاربتی) اور آدھا پرش (شوجی) کا ہو! اُس شخصیت، کے قابل بناتا ہے جو مختلف چیزوں کے مجموعہ کا شوق رکھنے کے باعث اپنے پہلو میں بکری اور بیل کے سینگوں کی کمان اور اپنے گن (گنیش جی) کو جس کا آدھا جسم آدمی اور آدھا ہاتھی کا ہے لئے ہوئے ہے میری نمسکار ہو۔

راجہ پرتاب دتیہ اول

بڑھاپے کے عالم اور بزرگ رشیوں کی صحبت سے موثر ہوکر راجہ یدہشٹر نے اپنی سلطنت کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش بالکل چھوڑ دی اور اپنے ملک (وشے) کے ساتھ پانچوں خواہشات (وشیوں) کو بھی ترک کر دیا۔ مگر بعض مصنفوں کا بیان ہے کہ وہ اپنے ملک کو دوبارہ حاصل کرنے کے خیال میں اردگرد کے راجاؤں کے پاس جاکر مدد حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہا اور کچھ عرصہ کے بعد اُسکے وزرا نے اسکو گرفتار کر کے مقام دُرگا گلکا[1] میں

[1] درگا گلکا کا موجودہ نام درگ جن ہے اور سری نگر کی ملحقہ آبادی ہے جو تخت سلیمان

میں قید کر دیا اور پرتاب ادتیہ نامی ایک شخص کو جو بکرم ادتیہ کا رشتہ دار تھا بلوا کر کشمیر کے تخت پر بٹھا دیا۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ بکرم ادتیہ وہی بکرم ادتیہ[۱۲۱] ہے جو شکس کا دشمن (رشا کاری) تھا مگر یہ غلط ہے۔

اس وقت سے لیکر کشمیر کے ملک پر جو گھر کی نا اتفاقی کے باعث تباہ ہو رہا تھا ہرش[۱۲۲] وغیرہ دوسرے ملکوں کے راجہ راج کرتے رہے۔

جس طرح ایک نئی دلہن سسرال کے گھر میں آکر تھوڑے ہی دنوں میں سب کے ساتھ اس طرح ہل مل جاتی ہے گویا کہ وہ پیدا ہی اس جگہ ہوئی تھی اس طرح یہ راجہ اگرچہ غیر ملک اور غیر خاندان سے تعلق رکھتا تھا مگر کشمیر کے تخت پر بیٹھ کر اس نے ایسی خوش اسلوبی سے حکومت کی گویا کہ یہ اس کا جدی ملک تھا۔

راجہ جلوکس

جب راجہ پرتاب ادتیہ ۳۲ سال حکومت کرنے کے بعد دنیائے فانی سے

کے غربی دامن اور درہ جھیل ڈل کے درمیان واقع ہے۔ سری نگر کے بعض بوڑھے لوگ اس وقت بھی ورگ جن میں ایک راجہ کے قید ہونے کی کہانی یاد ہے۔

[۱۲۱] اس شلوک پر ڈاکٹر ہلزش نے اپنی کتاب انڈین اینٹی کوئی فصل ۱۹ صفحہ ۲۹۱ پر پورے طور سے بحث کی ہے۔ کلہن وکرما دتیہ شکاری سے مراد اس راجہ سے لیتا ہے جس کی شک قوم پر مفروضہ فتح کی بنا پر شک سمت کے متعلق پورانی لیکن غلط تھیوری قائم ہو چکی ہے دیکھو ایم مولر کی کتاب انڈیا صفحہ ۲۹۱۔ شک سمت کی ابتدا (۷۸ء) اور اس سال (۱۱۸۰ قبل مسیح) کے درمیان جبکہ کلہن پرتاب دتیہ اول کی تخت نشینی کا ذکر کرتا ہے ۲۵۰ سال کا فرق ہے۔ ممکن ہے یہی وجہ ہو جس نے کلہن کو

عالم جاو دانی کو سدھارا تو اس کے بیٹے جلوکس نے تخت سلطنت کو زینت بخشی یہ راجہ بھی اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتا ہوا بڑی شان وشوکت سے اسی کے برابر یعنی ۳۲ سال تک حکومت کرتا رہا۔ ان دونوں راجوں کا عہد حکومت تمام خوبیوں میں ایک دوسرے کے برابر تھا۔ اگر باپ آفتاب کی طرح دنیا بھر کو منور کرتا رہا تھا تو بیٹا بھی بدر کے چاند کی طرح تمام رات نور کی بارش کرتا رہا۔

راجہ تُنجن اوّل

جلوک کے بعد اُس کا بیٹا تنجن کشمیر کے تخت پر بیٹھ کر داد حکمرانی دینے لگا اور اس کی رانی بھی جس کا نام واک پشٹا (صادق القول) تھا اور جس کو دیوتاؤں نے ور دیئے ہوئے تھے کاروبار سلطنت میں اس کی پوری معاون ومدد گار تھی۔ جس طرح شوجی کے سر کو گنگا اور چندر مان زینت دیتے ہیں اسطرح کشمیر کے تخت پر یہ دونوں راجہ اور رانی جلوہ افروز تھے۔ اور جس طرح بجلی اور

پرتاب دتیہ کے رشتہ دار کو وکرما دتیہ شکاری قرار دینے کے خیال سے باز رکھا ہو۔

۱۳۲؎ یہ واضح نہیں ہوتا کہ اس جگہ جس ہرش کا حوالہ دیا گیا ہے وہ کس ہرش سے مراد ہے یہ راجہ اوجین کا راجہ ہرش جس کا نام بکرم آدتیہ بھی تھا ہو نہیں سکتا۔ اس بکرم ادتیہ کا ذکر کلہن نے ترنگ ۳ کے شلوک ۱۲۵ میں ماتر گپت کے ساتھ کیا ہے اور اس کے اپنے حساب کے مطابق یہ زمانہ پرتاب ادتیہ سے ۲۶۸ برس پہلے کا ہے۔ یعنی اس کی تخت نشینی کی اصلی تاریخ چھٹی صدی مسیح کے پہلے نصف میں پڑتی ہے۔ اگر اس راجہ کو قنوج کا راجہ ہرش جس کا نام ہیون سانگ کی کتاب اور دیگر کتابوں میں ہرش وردھن آیا ہے (یہ راجہ ۶۰۶ء سے لیکر ۶۴۸ء تک حکمران تھا) قرار دیا جائے تو اس سے

بادل دونوں مل کر اندر کے دھنش (قوس وقزح) کو جس میں مختلف قسم کے رنگ (ورن) ہوتے ہیں قائم رکھتے ہیں اسی طرح یہ دونوں ملک کشمیر کو جس میں مختلف قومیں (ورن) آباد ہیں رونق بخشتے تھے۔ انہوں نے تنج ایشور[۱۲۳] کا مندر جو ملک کی رونق تھا اور کنتکا[۱۲۴] کا شہر تعمیر کرایا۔ یہ ان کی اقبال مندی کا ایک خاص نشان تھا کہ مدوراج[۱۲۵] کے ایک علاقہ میں جہاں سخت گرمی پڑتی ہے جو باغ انہوں نے لگوائے وہ کشمیر کے دوسرے علاقوں کی طرح پھل دیتے تھے۔

اس راجہ کے عہد میں چندر کا شاعر نے جو دوئے پائن رشی یعنی بیاس جی کی نسل سے یا اُس کا اوتار مانا جاتا تھا ایک ڈرامہ تیار کیا جس کو تمام لوگوں نے بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا۔

قحط عظیم ان کے عہد میں ملک کشمیر پر ایک بڑی بھاری آفت نازل ہوئی اور اس سے رعایا کو سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑا مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہ آفت ان نیک دل حکمرانوں کی روحانی طاقت کی عظمت کو آزمانے کے لئے دیوتاؤں نے بھیجی تھی۔

تاریخ میں دیسی ہی الجھن پڑ جاتی ہے جیسی کہ میہر کل کے زمانہ حکمرانی قائم کرنے میں پڑتی ہے۔

۱۲۳ھ تنج ایشور کے مندر کا پختہ پتہ نہیں ملتا اگر تنج ایشور اپن یعنی تنج ایشور کی منڈی کا نام (جس کا ذکر ترنگ ۷ کے شلوک ۱۰۰ میں آیا ہے) اس مندر کے نام پر مشہور ہوا ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ یہ مندر یا تو سری نگر میں یا اس کے آس پاس ہی کسی جگہ بنا ہو گا۔ نیل مت پران کے شلوک ۱۳۵۶ میں وراہا مولا (بارہ مولا) کے وشنو وہار تیرتھ کے نام کے ساتھ تنجیش تیرتھ کا ذکر آیا ہے۔

۱۲۴ھ کنتکا کا موجودہ نام کے ہے۔ یہ قصبہ دریائے وتستا کے دائیں کنارے پر پرگنہ ولر میں آباد ہے سروے کے نقشے پر قصبہ کے کی آبادی چاچپور سے ملحق ہے۔

بھادوں کے مہینے میں جب تمام ملک میں شالی (چاول) کی فصل پکنے کو تیار تھی تو اچانک سخت برف باری شروع ہو گئی۔ (ملک کشمیر میں دھان کی کٹائی کا موسم عام طور پر ماہ کاتک کا شکل پکش ہے) اور اس برف کے نیچے جو اپنی سفیدی میں موت کے خندہ دنداں نما کی طرح تھی لوگوں کی امید زیست کے ساتھ ساری کی ساری فصل دب کر تباہ ہو گئی۔ اس وقت ایک بڑا بھیانک قحط پڑا جو دوزخ کی مانند تھا اور اس میں فاقہ کش لوگ روحوں کی طرح اِدھر اُدھر پھر رہے تھے۔ بھوک کے ہاتھوں سے تنگ آ کر یہاں تک نوبت پہنچ گئی تھی کہ ہر ایک کو اپنے ہی پیٹ کی پڑی ہوئی تھی اور اُس پر بھوک سے مرتی ہوئی بیوی بچے یا باپ کی منت وزاری کا کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔ عورت خاوند کی محبت جاتی رہی۔ باپ بیٹے کا پیار اُٹھ گیا اور بزرگوں کا ادب ولحاظ ہر ایک کے دل سے جاتا رہا۔ لوگ مارے بھوک کے خوراک حاصل کرنے کی خودغرضانہ تلاش میں مصیبت کے تیر نگاہ کا نشانہ بنے ہوئے شرم۔ تمکنت اور عالی نسبی کو خیرباد کہہ چکے تھے۔ باپ اپنے سوکھ کر کانٹا بنے اور مرتے ہوئے بیٹے کو باوجود اس کی

---

۱۲۵ زمانہ قدیم سے لیکر آج تک کشمیر کا ملک دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا رہا ہے جنکے جدید نام کمراز اور مراز ہیں اور یہ دونوں نام کرمراج اور مدوراج سے اخذ کئے ہوئے ہیں جنہیں کلہن اور اس کے بعد کے مورخوں نے استعمال کیا ہے۔ آجکل کمراز کا علاقہ وہ گنا جاتا ہے جس میں سری نگر سے نچلی طرف وتستا کے دونوں جانب کے پرگنے شامل ہیں۔ اور مراز اس علاقے کا نام ہے جس میں اس کے بالائی پرگنے شامل ہیں۔ ان دونوں علاقوں کی حد کا صحیح اندازہ ابوالفضل کی فہرست پرگنہ جات سے ہو سکتا ہے۔ دیکھو آئین اکبری جلد ۲ صفحہ ۳۶۸۔ اور راج ترنگنی کے مختلف بیانات سے بھی پایا جاتا ہے کہ کلہن کے وقت میں بھی یہی تقسیم پہلے سے موجود تھی۔ جنرل کننگھم نے اپنی کتاب "اینشنٹ جیوگرافی" ہم کے

لگاتار منت وزاری کے یا بیٹا باپ کو اسی حالت میں چھوڑ کر اپنی خوراک کی تلاش میں نکل جاتا تھا۔ لوگوں کے بھیانک جسموں میں محض پٹھے اور ہڈیاں نظر آتی تھیں جنہیں خود غرضی سے قائم رکھنے کی کوشش کر رہے تھے اور خوراک پر بھوتوں کی طرح ایک دوسرے سے لڑتے تھے۔ لوگوں کی یہ حالت تھی کہ ایکدوسرے سے گالی گلوچ کرتے۔ بھوک کے مارے سوکھ کر کانٹا ہوئے ہوئے اور ان کی شکلیں ڈراونی نظر آتی تھیں۔ ان کی آنکھیں اِدھر اُدھر حرکت کرتی رہتی تھیں اور ہر شخص دوسرے تمام جانداروں کی پرواہ نہ کرکے صرف اپنی ہی جان بچانے کی کوشش میں تھا۔

اس ناقابل برداشت مصیبت کے وقت صرف ایک راجہ ہی تھا جس کے دل میں رحم موجود تھا۔ اس نے اپنی حفاظت کا خیال بالکل چھوڑ دیا اور اس کی ساری توجہ رعایا کی حفاظت کی طرف مبذول پائی جاتی تھی۔ اس کی ترحم آمیز نگاہیں لوگوں کی مایوسی اور تکلیف کو دور کرنے کے لئے سنجونی بوٹی اور چِنتامنی کا کام دے رہی تھیں اس نے اپنے خزانہ اور امیروں اور وزیروں کے مشترکہ روپیہ سے دوسرے

صفحہ ۹۴ پر مذید اصطلاحات کے عام معنے صحیح طور پر ظاہر کئے ہیں مگر دریائے وتستا اور سندھو کے مقام اتصال پر جو اس نے اس علاقہ کی حد قائم کی ہے یہ اس کی غلط اطلاع یابی پر مبنی ہے۔ بعض مورخوں نے کمراز سے مراد معدود معنوں میں ان سات پرگنوں سے لی ہے جو وادی کشمیر کے بعید شمال مغربی حصہ میں واقع ہیں اور جن کے نام حسب ذیل ہیں۔ کھوئی ہوم۔ زین گر۔ لولاؤ۔ اُتر مچ پور۔ حل۔ اور کروہن۔ پروفیسر بوہلر نے اپنی رپوٹ کے صفحہ ۸ پر جن مختلف بیانات کا حوالہ دیا ہے ان کی اس سے توضیح ہوتی ہے۔ سرینگر کے بعض پنڈتوں کو یہ بات معلوم ہے کہ مدوراج اور مراج دونوں ایک ہی علاقے کے نام ہیں۔ ڈاکٹر بلرش نے اپنی کتاب "انڈین اینٹی کوٹی" کے باب ۱۹ کے صفحہ ۲۹۲ پر بھی اسکو

ملکوں سے غلہ منگوا کر لوگوں میں تقسیم کیا

اس طرح پر شب و روز اپنی رانی سمیت لوگوں کے اندر نئی زندگی داخل کرنی شروع کی کوئی شخص خواہ جنگل میں ہو یا شمشان میں۔ سڑک پر ہو یا گھر میں بھوکا نہ رہنے پاتا تھا (قدرت کا مقابلہ کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے سارے کا سارا غلہ جو باہر سے منگوایا گیا تھا صرف ہو گیا) جب راجہ نے دیکھا کہ اب خزانہ بھی خالی ہو گیا ہے تو اُس کا دل ٹوٹ گیا اور ایک رات بڑی مایوسی کے عالم میں اپنی رانی سے کہنے لگا "یہ مصیبت جس کا اب کوئی علاج نہیں معلوم ہوتا ہے کہ محض ہمارے ہی کسی گناہ کے عوض بے گناہ رعایا پر نازل ہوئی ہے۔ میری رعایا آنکھوں کے سامنے بھوک اور مصیبت کے ہاتھوں تباہ ہو رہی ہے اور میرا فرض ہے کہ میں اس کو بچاؤں مگر مجھ سے کچھ نہیں بن پڑتا مجھے اپنی اس مجبوری پر شرم آتی ہے۔ اگر میں اس مصیبت کے وقت اپنی رعایا کو جس کا کوئی سہارہ نہیں رہا اور جو بتدریج اپنے رشتہ داروں کو بھی چھوڑتی جاتی ہے بچا نہیں سکتا تو پھر میرا زندہ رہنا فضول ہے۔ جہاں تک

بخوبی واضح کر دیا ہے۔

۱۲۶ کبوتروں کا کھانا چونکہ ممنوع ہے دیکھو پدم پوران جلد اول باب ۵۶ صفحہ ۳۲ اس لئے کلہن نے اس کی تشریح کرنی ضروری سمجھی ہے۔

۱۲۷ کتی مش کا موجودہ نام کیاموہ اور راامش کا راموہ ہے۔ ان میں سے اول الذکر پرگنہ ادون میں دریائے وشوک (ویشاؤ) کے مغربی کنارے پر ایک آباد گاؤں ہے۔ ستمبر ۱۸۹۵ء میں سٹائن صاحب نے اس گاؤں کی بڑی بڑی زیارت گاہوں کے قریب چند پورانی پتھر کی سلیں دیکھی تھیں۔ راموہ ایک کسی قدر آباد قصبہ ہے جو سرینگر سے سوپیان کی طرف جانے والی سڑک کے قریب نصف راستہ پر واقعہ ہے۔ اس گاؤں کے گرد

مجھ سے ہو سکتا تھا میں نے کوشش کی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج تک کسی ایک جان کا بھی نقصان نہیں ہوا۔ مگر اب چونکہ خزانہ بھی خالی ہو گیا ہے اور ملک کی پیداوار جو بکثرت ہوتی تھی تباہ ہو چکی ہے اس لئے اب کوئی ذریعہ غریب رعایا کو جو مصیبت کے بے تہاہ دریا میں غرق ہو رہی ہے بچانے کا دکھائی نہیں دیتا۔ اگرچہ سورج نکلتا ہے مگر بادلوں میں گھرا رہتا ہے اور دنیا پر چاروں طرف قیامت کی رات کا اندھیرا چھایا ہوا ہے۔ پہاڑوں کے راستے برف سے بند پڑے ہیں۔ اور لوگوں کے لئے ملک سے نکل جانا ناممکن ہے اور جس طرح گھونسلے کا منہ بند ہو جانے سے جانور بے بس ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یہ بچارے بھی اب مجبور ہیں۔ رانی! تو دیکھتی ہے کہ اس مصیبت کے زمانہ میں بڑے بڑے بہادر۔ لائق پنڈت اور دانا لوگ بھی حوصلے چھوڑ بیٹھے ہیں۔ روئے زمین پر کونسا ایسا ملک ہے جہاں اعلےٰ سے اعلےٰ پیداوار نہیں ہوتی۔ کونسا ایسا ملک ہے جس کو ایسے قابل تعظیم آدمیوں کی جو اپنے اردگرد امرت کی برکھا کرتے رہتے ہیں موجودگی کا فخر نہیں۔ کس ملک میں ایسے آدمی نہیں جو متواتر

جو زمین ہے وہ کچھ عرصہ تک ڈر خاندان کی جو سرینگر کے برہمنوں کا ایک قبیلہ ہے جاگیر رہ چکی ہے۔ سٹائین صاحب لکھتے ہیں کہ اس گاؤں کے قریب ایک مشہور چشمہ کے پاس اکتوبر ۱۹۰۸ء میں مجھے چند پرانے سنگتراشی کے نمونے ملے۔ اس مقام کا ذکر ترنگ ۸ کے شلوک ۱۲۰۲۸ میں بھی آیا ہے۔

۱۲۸ ؎ وارک پشٹا توی یعنی وارک پشٹا کے جنگل کے محل وقوع کا کچھ پتہ نہیں چلتا اس جگہ کا دوبارہ ذکر جو نراج کی کتاب کے شلوک ۳۴۴ میں آتا ہے کہ یہاں پر شاہزادہ علاؤ الدین المعروف بہ الیشور کا مقابلہ ایک جادوگرنی سے ہوا تھا۔ چونکہ موخرالذکر کی بابت ذکر آیا ہے کہ وہ گری گھر میں رہتی تھی اس لئے وارک پشٹا توی کی نسبت یہ سمجھ لینا چاہئے

خدمتوں سے اپنے مالک کی نگاہوں میں اپنے آپ کو معزز بناکر ترقی کے راستے نہیں نکال سکتے۔ مگر افسوس ہے کہ ایسے آدمیوں میں سے صرف وہی لوگ جن کی قسمت اُن سے منہ موڑ چکی ہے باوجود اپنی تمام خوبیوں کے کشمیر کے ملک میں چھپے بیٹھے ہیں۔ چونکہ اب کسی طرف سے مدد کی امید باقی نہیں رہی اور میں اپنی مصیبت زدہ رعایا کی تباہی دیکھ نہیں سکتا اس لئے اب میرا پختہ ارادہ جل مرنے کا ہے۔ وہ راجہ نہایت ہی خوش قسمت ہیں جو رات کے وقت بے فکری سے پاؤں پسار کر سونے سے پہلے اس بات کا اطمینان کر لیتے ہیں کہ ان کی رعایا جسے وہ اپنے بال بچوں کے برابر عزیز سمجھتے ہیں اپنی اپنی جگہ آرام سے ہے۔"

یہ کہہ کر رحم دل راجہ اپنا منہ کپڑے سے ڈھانپ کر بستر پر گر پڑا اور اسکی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

ہوا بالکل بند تھی اور شمع بڑی شانتی کے ساتھ جلتی ہوئی رانی کی طرف متوجہ تھی اس وقت اُس نے بڑی دلجوئی کے ساتھ راجہ کو ان الفاظ سے مخاطب کیا۔ "اے راجہ! رعایا کے افعال بد کی وجہ سے آپ کے اندر خیالات کا یہ کیسا

کہ وہ کہیں پہاڑ کے قریب واقعہ ہوگا۔ پنڈت گوند کول کا خیال ہے کہ داگ پشٹا تو ہی اس علاقہ میں واقعہ تھا جہاں آجکل موضع وٹو آباد ہے۔ یہ گاؤں پرگنہ کہرنار واوہیں اس پہاڑ کے دامن کے قریب جو دو گلاب گڑھ کے نیچے ہے واقعہ ہے۔ سٹاین صاحب لکھتے ہیں کہ میں ستمبر ۱۸۹۱ء میں اس مقام پر پہنچا لیکن وہاں ان روایات کے متعلق مجھے کچھ تصدیق حاصل نہ ہوئی۔ ان دونوں ناموں کے تلفظ کے باہمی تعلقات بھی مشتبہ معلوم ہوتے ہیں۔

۱۲۹ مہابھارت کی جن کہانیوں کا حوالہ اس جگہ دیا گیا ہے ان کے لئے دیکھو ٹرائر صاحب کے نوٹ اور خلاصے متعلقہ راج ترنگنی بزبان فرانسیسی کا باب اول صفحات ۱۳۵ تا ۱۴۴

انقلاب پیدا ہو گیا ہے کہ آپ ایک معمولی شخص کی طرح خود بخود ایک ایسے کام کو کرنے کی خواہش کرتے ہیں جو بہادروں کے شایانِ شان نہیں؟ اگر بڑے آدمیوں میں اُن مصیبتوں کو جن کے سامنے معمولی آدمی حوصلہ ہار کر بیٹھ جاتے ہیں دور کرنے کی طاقت نہ ہوتی تو ان کی بڑائی کا نشان ہی کیا تھا۔ جو راجہ سچے دل سے اپنے فرائض کو پورا کرتے ہیں اُن کے سامنے یم راج کی تو ہستی ہی کیا ہے اندر اور برہما وغیرہ دیوتا بھی اُن کے حکم سے باہر نہیں ہو سکتے۔ جس طرح عورت کا فرض اپنے پتی برت دھرم کا پالن کرنا اور وزرا کا فرض اپنے راجہ کا وفادار رہنا ہے اسی طرح راجہ کا فرض ہے کہ اپنی ساری توجہ اپنی رعایا کی حفاظت کی طرف مبذول کرے۔ سوامی جی! اُٹھئے! میرا کہنا آج تک کبھی غلط نہیں گیا اے رعایا کے محافظ! اب آپ کی رعایا کو بھوک کے ہاتھوں کسی قسم کا خطرہ باقی نہیں رہا۔"

دھرم آتما رانی جب مذکورہ بالا گفتگو کر رہی تھی تو اُس وقت اُس کا خیال پورے طور پر دیوتاؤں کے چرنوں میں لگا ہوا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر ایک گھر کی

اور مہابھارت پرب ۱۴ ادھیائے ۹۷ کا شلوک ۳۲ اور پرب اول ادھیائے ۲۰ شلوک ۱۲ تارکش یعنی گرڑ کے ہاتھوں سے سانپوں کی تباہی کی بابت دیکھو نوٹ ع۹ کتاب ہذا۔ جیمت واہن کے ہاتھوں سے سانپوں کے دوبارہ زندہ ہونے کے متعلق کتھا سار ادھیائے ۱۲ شلوک ۲۴ میں ایک قصہ درج ہے۔

ع۱۳۰ بھوتیش اور وجیش کے جائے قیام کے متعلق دیکھو نوٹ نمبر ۱۶ و نمبر ۲۴ کتاب ہٰذا وردھی نیش کے مندر کے متعلق مقامی روایت ہے کہ یہ دریائے وتستا کے دائیں کنارے پر اُس جگہ واقع تھا جہاں آجکل شہر سرینگر کا محلہ گنپت یار یعنی گنیش گھاٹ واقع ہے اس روایت کی تائید وتستا مہاتم کے ادھیائے ۱۷ شلوک ۲۰ میں بھی ہوتی ہے جہاں

چھت پر بے جان کبوتروں کے ڈھیر کے ڈھیر آگرے اور راجہ نے صبح کے وقت جب یہ تعجب انگیز نظارہ دیکھا تو اس نے خودکشی کا ارادہ ترک کر دیا اور لوگ اُن کبوتروں کو جو ہر روز خود بخود ان کے گھروں میں پہنچ جاتے تھے گذارہ کرنے لگے۔

درحقیقت یہ کبوتر نہ تھے ۱۲۶ھ بلکہ کسی اور قسم کی خوراک تھی جو اس پتی برتا دیوی نے اپنی روحانی طاقت سے رعایا کی جان بچانے کے لئے بہم پہنچائی تھی کیونکہ جس کے دل میں تمام جانداروں کے لئے رحم بھرا ہوا ہو اس کی پاک زندگی پر کسی جاندار کے مارنے کا دھبہ ہرگز نہیں آسکتا۔

اسی اثنا میں رانی کی بے عیب زندگی کی طرح آخر کار آسمان بھی صاف ہوگیا اور راجہ کے غم کے ساتھ قحط جاتا رہا۔

اس کے بعد اس نیک دل رانی نے برہمنوں کے واسطے رامش ۱۲۷ھ اور کتی مش (جو اپنی دولت اور خوشحالی کے لئے مشہور ہیں) کے اگرہار مقرر کئے اور جب یہ راجہ ۳۶ سال راج کرنے کے بعد سورگ کو سدھارا تو اس نے بھی چتا کی آگ کے شعلوں میں جو اس کے واسطے کنول کے ریشوں سے بنی ہوئی بستر کی چادر سے

مذکور ہے کہ وردہمانیش گنی پتی کے تیرتھ یعنی گنپت یار کے عین قریب واقعہ ہے۔ سنہ ۱۸۸۸ء کے قریب اس حصہ شہر کے پروہتوں نے ملیار گھاٹ کے متصل وردہمانیش کے نام پر ایک مختصر سا نیا مندر تعمیر کیا تھا اس مندر میں جو قدیم لنگ موجود ہے اُس کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ وہ پہلے پورانے مندر میں ہی ہوا کرتا تھا لیکن جب اسے حاصل کیا گیا تو یہ ایک مسجد میں دیوٹ کا کام دیا کرتا تھا۔ اس مسجد کی دیواروں میں بھی زمانہ قدیم کی تراشی ہوئی سلیں لگی ہوئی ہیں جن کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ وہ وردہمانیش کے پورانے مندر سے حاصل کی گئی تھیں۔

۱۳۱ھ کشمیر کے بعض برہمنوں میں آجتک بھی یہ رواج پایا جاتا ہے کہ دوج اور

مشابہ تھے بیٹھ کر اپنے شوہر کی آتش فراق کو ٹھنڈا کیا (کنول کے ڈنٹھلوں کے ریشے بطور سرد ضماد کے استعمال کئے جاتے ہیں اسی طرح سے کلہن نے انکو آگ کے شعلوں سے نسبت دی ہے) وہ جگہ جہاں یہ نیک طینت رانی ستی ہوئی تھی واک پشٹا توی[۱۲۸] کے نام سے مشہور ہے اور اس فیاض رانی نے ستی ہونے سے پہلے جو سدا برت اس جگہ قائم کیا تھا اس میں آجتک بھی غریبوں اور مسافروں کو کھانا ملتا ہے۔

تنگ مزاج برہما نے اس راجہ اور رانی کو کوئی اولاد نہ دی جس کی وجہ بلا شبہ اُس کا یہ خیال تھا کہ ان دونوں سے بڑھ کر اور کون (نیکی کے کام) کر سکتا ہے برہما جیب گنے کو خود بخود اپنا پھل بنانے کی کوشش کرتا ہے (یا جب وہ گنے کا پھل پیدا کرنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتا) تو وہ اپنے آپ کو بہترین دور اندیش منصف ثابت کرتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جس صورت میں گنے کا ذائقہ نہایت تیز آب حیات سے بھی بڑھا ہوا ہے تو پھر اس سے بڑھ کر اس کے متعلق کچھ اور کرنے کی ضرورت ہی کیا ہو سکتی ہے۔

پورنماشی کے دن ایک ہزار سے زیادہ لنگ تیار کرکے ان کی پوجا کرتے ہیں۔ یہ لنگ بہت چھوٹے چھوٹے بنے ہوئے ہوتے ہیں اور انہیں اُس مٹی سے تیار کیا جاتا ہے جو کوہ سلیمان کے دامن سے حاصل کی جاتی ہے اور اسی دن شام کے وقت ان لنگوں کو دریا میں ڈال دیا جاتا ہے۔ مذہبی عقیدے کے رو سے پتھر کے لنگوں کی بہت بڑی تعداد تیار کرنے میں جو پن سمجھا جاتا ہے اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ مرگباشی مہاراجہ رنبیر سنگھ کا ارادہ ایش ایشور کے نئے مندر میں ایک ہزار اور رنبیر ایشور کے مندر واقعہ جموں میں مختلف قد و قامت کے ایک کروڑ پتھر کے لنگ استھاپن کرانے کا تھا۔ ان میں سے بہت سے محض لنگ کی وضع کے پتھر کے ٹکڑے تھے جو نربدا سے لائے گئے

بعض لوگ یہ بیان کرتے ہیں کہ رانی اس لئے آگ میں جل کر مر گئی تھی کہ اس کا خیال تھا کہ ملک پر اتنے دنوں تک اندھیرا چھایا رہنے اور سورج کے ظاہر نہ ہونیکی وجہ اُس کے اپنے ہی کسی پاپ کا نتیجہ ہے۔

راجہ وجے

اب وجے جو کسی اور خاندان سے تھا کشمیر کا راجہ بنا۔ اس نے آٹھ سال تک حکمرانی کی اور وجیشور کے مندر کے اردگرد اسی نام کا شہر آباد کیا۔

راجہ جے اندر

وجے کے بعد اُس کا بیٹا جے اندر کشمیر کے تخت پر بیٹھا۔ یہ ایک مشہور و معروف حکمران گذرا ہے اس کے بازو ستون کی طرح مضبوط تھے اور اس کی دائمی شہرت کی موجوں سے پھڑ پھڑاتے ہوئے کپڑے پر فتح کی دیوی کا نشان بنا ہوا تھا۔

سندہی متی کی کہانی } سندہی متی نام اس راجہ کا ایک وزیر تھا جو بڑا دانا اور اپنی عجیب و غریب زندگی اور شیو جی کی سیوا کے لئے مشہور تھا۔ دنیا میں کوئی طاقت ایسی نہیں ہے جو راجاؤں کے کانوں کو بند کرسکے یا مست ہاتھیوں کو غیر مستقل طور پر حرکت کرنے سے روک سکے

تھے دیکھو ترنگ ۲ شلوک ۱۳۱۔ ایک چٹان جس میں قدرتی طور پر لنگوں کی شکلیں تیار ہوگئی ہیں اور جن کی مفروضہ تعداد ایک ہزار خیال کی جاتی ہے وہ اب تک سہسر لنگی کے نام سے موضع سلی گام کے قریب پرگنہ کھور پور میں دریائے ارر کے کنارے پر موجود ہے۔ سٹائن صاحب لکھتے ہیں کہ میں یہ معلوم نہیں کرسکا کہ آیا مقامی روایت اسے سندہی مت

شریر آدمیوں نے اس معتبر مشیر کے برخلاف راجہ کے کان بھرنے شروع کر دیئے
اور اس بات کا خوف دلا دلا کر کہ ایسے عجیب ذہنی طاقت کے آدمی سے ہمیشہ
خبردار رہنا چاہیئے۔ اُسے سندھی متی سے بالکل متنفر کر دیا۔ اور اس نے غصہ
میں آکر بلا وجہ اس کو دربار سے نکال دیا۔ اس کی ساری جائداد ضبط کر لی
اور اُسے مدت العمر کے لئے بالکل مفلس بنا دیا جب یہ بچارا راجہ کی نفرت
کے تیز جھونکوں سے جو موسم گرما کی سخت لو کے مشابہ تھے تکلیف اُٹھا رہا
تھا تو درباریوں میں سے کسی نے بھی اُس کے ساتھ اظہار ہمدردی نہ کیا۔ جب
کوئی دوسروں کی رائے پر چلنے والا راجہ کوئی خبر سُنکر اس کی بابت تصدیق
کرنا چاہتا ہے تو اس کے درباری اپنے پہلے بیانات کو ہی دوہرا کر اس کی
جھوٹی تسلی کر دیتے ہیں۔

باوجود ان تمام باتوں کے سندھی متی کو اپنی اس مصیبت اور تنگدستی کا
کچھ بھی غم نہ تھا بلکہ خوش تھا کہ اب وہ بلا روک ٹوک شیوجی کی پوجا میں مصروف
رہے گا اور اپنی باقی ماندہ زندگی دیوتا کی پرستش میں صرف کریگا مگر افسوس
کہ اس حالت میں بھی چین سے زندگی بسر کرنی نصیب نہ ہوئی کیونکہ انہی دنوں
میں یہ عام افواہ اڑنے لگی اور پھیلتی پھیلتی تمام شہر میں پھیل گئی کہ سندھی متی کشمیر
کا راجہ بنے گا۔ اس پر اس کے دشمنوں نے راجہ کو یہ یقین دلایا کہ معزول وزیر
نے ہی یہ افواہ اُڑائی ہے۔ راجہ نے بھی اس خیال سے کہ اگر یہ افواہ درست نکلی

کے قصے سے متعلق قرار دیتی ہے یا نہیں۔

۱۳۲ مقدس دریائے نربدا ہی سے لنگ کی شکل کے پتھر کشمیر اور ہندوستان کے
دوسرے مقامات میں لاکر پوجا کی غرض سے استعمال کئے جاتے ہیں دیکھو ترنگ ۱ شلوک ۱۸۵۔
پانی میں ڈالے ہوئے لنگ آجنک سری نگر کے مختلف گھاٹوں اور وادیٔ کشمیر کے بہت سے

تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا سندہی متی کو بیڑی اور ہتھکڑی لگا کر جیل خانہ میں ڈال دیا اور یہاں یہ بیچارا راجہ کے مرتے دم (۱۰ سال) تک قید رہا۔

جب راجہ کا آخری وقت قریب آیا تو اس خیال سے کہ چونکہ وہ لاولد ہے اس کے بعد سندہی متی ضرور اس کے تخت کا مالک بنے گا اس کے دل کو سخت تکلیف محسوس ہونے لگی۔ یہ ایک ایسا خیال تھا جو بیماری کی تکلیفوں سے بھی بڑھ کر اس کو تکلیف دیتا تھا۔ آخر کار اس نے حکم دیا کہ سندہی متی کو جیلخانہ سے نکال کر قتل کر دیا جائے۔ اس میں شک نہیں کہ انسان اپنی بہتری کے لئے بہتیرے ہاتھ پاؤں مارتا ہے مگر جب تقدیر الٹی ہو تو کچھ بھی پیش نہیں جاتی اگر قدرت آگ کے ایک معمولی شعلے کو طاقت دینا چاہے تو آدمی جو کہ اس کو بجھانا چاہتا ہے پانی کے بجائے غلطی سے اس پر گھی کا برتن اُلٹ دیتا ہے ظالم راجہ کے حکم سے جلادوں نے سندھی متی کو رات کے وقت سولی پر چڑھا دیا اور جب راجہ نے سنا کہ وزیر کا کام تمام ہوگیا ہے تو اس نے بھی مطمئن ہو کر جان دے دی۔ اس راجہ نے ۳۷ سال تک حکومت کی اور اس کے بعد چند دن تک تخت خالی پڑا رہا۔

سندہی متی کا دوبارہ زندہ ہونا اُدھر جب سندھی متی کے مارے جانے کی خبر اُس کے گورو ایشان دیو کو ملی تو اس نفس کش سادھو کا دل بے قابو ہوگیا۔ افسوس کہ اس دنیا دی

مقدس چشموں میں پلائے جاتے ہیں۔

۱۳۳ اصلی عبارت میں پروہتوں کی جماعتوں کے لئے پرشد کا لفظ آیا ہے۔ دیکھو نوٹ ۲۷ کتاب ہذا۔ یہ اصطلاح راج ترنگنی میں جا بجا ان جماعتوں کے متعلق آئی ہے جو مختلف مندروں اور تیرتھوں کے پروہتوں نے قائم کر رکھی تھیں۔ ان جماعتوں کے

زندگی کے بعد جو سرس کے پھول کی طرح بڑی آسانی سے ٹوٹ جاتی ہے اس پھول کی شاخ کی طرح پاک باز لوگوں کی صرف فیاضی ہی باقی رہ جاتی ہے۔ پس وہ اس غرض سے شمسان بھومی کی طرف روانہ ہوا کہ اس نیک دل شخص کی جس کا کہ اس کی زندگی میں بھی کوئی ہمدرد نہ تھا آخری رسوم ادا کرے۔ موقعہ پر پہنچکر اس نے دیکھا کہ غریب سندھی متی کے جسم کا گوشت جنگلی جانور کھا گئے ہیں اور صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ جو باقی رہ گیا ہے اس کو بھی بھیڑیئے بزور کھینچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر یہ سولی کے ساتھ اچھی طرح کسے ہونے کی وجہ سے ابھی تک اسکے ہاتھ نہ پڑا تھا۔ اس کی کھوپڑی کے کھلے سوراخوں سے گذرتی ہوئی ہوا کے ذریعے سے جو آوازیں پیدا ہوتی تھیں ان سے معلوم ہوتا تھا کہ سندھی متی اپنی حالت پر خود آہ وزاری کر رہا ہے۔ گورو نے جب اُسے اس حالت میں دیکھا تو اس کا دل بھر آیا اور کہنے لگا۔

"اے میرے عزیز افسوس ہے کہ آج میں تجھے اس حالت میں دیکھتا ہوں"۔ یہ کہکر اونچے چیختے ہوئے بھیڑیوں کو پرے ہٹا کر اس نے سندھی متی کی لاش کو جو سولی سے جکڑی ہوئی تھی کھول کر نیچے اُتارا۔ مگر جب وہ اس کے جلانے کی تیاریاں کر رہا تھا تو اس نے اس کی پیشانی پر مفصلہ ذیل شلوک لکھا ہوا دیکھا۔

"اُس کی زندگی افلاس میں گذریگی۔ دس سال قید رہیگا"۔

ممبروں کو پاری شد یا پارشد کہا جاتا تھا۔ دیکھو ترنگ ۵ شلوک ۱۷۱ و ۴۶۶-۴- ترنگ ۴ شلوک ۲۰۵- ترنگ ۷ شلوک ۱۳-۳ ۹۹ و ۱۱۰۵- ترنگ ۸ شلوک ۹-۷۰-۳ ۷۷ و ۹۰۰ تا ۹۰۲ و ۹۳۹- اور بالخصوص ترنگ ۷ شلوک ۱۰۸۲ جہاں مذکور ہے کہ کسی مندر کی جائداد مشترکہ طور پر اُس کے پاری شدوں کے سپرد ہوتی ہے۔ اس قسم کی جماعتیں

سولی پر جان دیگا ۔ اور اس کے بعد تخت کا مالک بنے گا"۔

اب ایشان دیو کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جب اس شلوک کے پہلے تین پدوں کی شرائط پوری ہو چکی ہیں تو کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ چوتھے پد کی شرط بھی پوری ہو جائے ۔ مگر وہ حیران تھا اور سوچ رہا تھا کہ یہ شرط کیونکر پوری ہوسکتی ہے ۔ آخر کار بہت کچھ غور و خوض کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ قدرت کی طاقت کا اندازہ لگانا فہم انسانی سے بعید ہے ۔ ہر شخص قسمت پر بھروسہ رکھتا ہوا بھی اپنے کاموں میں قدرت کے پراسرار بھیدوں کو شکست کرنے کی کوشش کرتا ہے مگر قدرت جس کی عظمت اپنے ارادوں کو پورا کرنے میں کسی قسم کی رکاوٹ کی پرواہ نہیں کرتی اپنی عجیب وغریب طاقت کا اظہار کرتی ہے قسمت ہی نے جو تمام معجزوں کا مجموعہ ہے قصبہ منی پور[۱۲۴] میں مقتول پارتھ کو ناگ کی دختر کی طاقت سے زندہ کر دیا تھا ۔ خالق نے جو تمام فرمانرواؤں سے بالاتر ہے کرشن جی کی طاقت کے ذریعے پریچھت کو جسے دروناچارج کے بیٹے نے اپنے ہتھیار کے زور سے ماں کے رحم میں ہی جلا دیا تھا زندہ کروایا تھا ۔ قسمت کے علاوہ اور کون تھا جو کک کو جسے دیتیوں نے جلا کر راکھ کر دیا تھا زندہ کرنے کی جرات کر سکتا ۔ مذکورہ بالا باتوں کو سوچ کر ایشان دیو اس کی لاش کو اسی جگہ چھوڑ کر اس بات کو دیکھنے کے لئے کہ سندھی متی کی پیشانی کے شلوک کے آخری پد کی پیشین گوئی کس طرح پوری ہوتی ہے ایک طرف بیٹھ گیا ۔

آ جتک کشمیر کی بڑی بڑی زیارت گاہوں مثلاً شار کا دیوی واقعہ ہر پربت ۔ جوالا مکھی واقعہ کھرو ۔ وجیشور ۔ اننت ناگ ۔ ویر ناگ ۔ تل مُلہ ۔ کوٹی تیرتھ (بارہ مولا) کے تیرتھوں یا یا اس قسم کے دیگر مقامات پر جہاں مقامی پروہتوں کے متعدد خاندان موجود ہیں قائم ہیں ۔ کلہن نے ترنگ ۸ کے شلوک ۱۱۸ میں اس کے لئے لفظ ستان پال بھی استعمال

آدھی رات کے وقت ایشان دیو کو جو کہ اپنے خیالات کی اُلجھن میں پڑا ہوا جاگ رہا تھا یکایک آسمانی عنبر کی خوشبو محسوس ہوئی اور ایک قسم کا بھیانک سنور جو بڑے بڑے گھنٹوں اور نقاروں کے بجنے کی آواز سے پیدا ہوتا تھا اُس کے کانوں میں پہنچا۔ اور اس کے بعد جوگنیوں کا ایک مجمع جن کے گرد روشنی کا ہالہ بنا ہوا تھا اس کی نظر پڑا۔ اِس مجمع کو دیکھکر اور یہ معلوم کرکے کہ وہ سندھی متی کی لاش کو بھی اُٹھا کر لے گئی ہیں کانپتا ہوا تلوار ہاتھ میں لئے شمشان کی طرف بڑھا اور ایک درخت کے پیچھے کھڑا ہو کر کیا دیکھتا ہے کہ ان جوگنیوں نے سنہی متی کا پنجر اپنے حلقہ میں کر لیا ہے۔ اور اُس کے تمام اعضا جوڑ رہی ہیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ ان جوگنیوں کو کسی آدمی کے ساتھ لطف حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہوئی تھی اور اسی غرض سے وہ سندہی متی کے پنجر کو اُٹھا کر لے گئی تھیں۔ ان میں سے ہر ایک نے پنجر پر اپنا اپنا ایک عضو رکھا اور کہیں سے گوشت پوست لا کر اُس کے جسم کو مکمل کر دیا۔ اور پھر اُنہوں نے اپنی طاقت روحانی سے سنہی متی کی روح کو جو ابھی کسی دوسرے جسم میں داخل نہیں ہوئی تھی اور ادھر اُدھر آوارہ پھر رہی تھی طلب کرکے اس کے جسم میں داخل کر دیا۔ اب سندہی متی ایک ایسے شخص کی طرح اُٹھ بیٹھا جیسے کہ کوئی خواب سے بیدار ہوتا ہے۔ اور جوگنیوں نے اس کے جسم پر آسمانی خوشبویات لگا کر شاندار پوشاک پہنا کر اپنی ٹولی کا مالک قرار دیا اور اس کے ساتھ عیش وعشرت میں مشغول ہو گئیں۔

کیا ہے۔ یہ لوگ چڑھاوے اور دکشنا کی رقوم کو جو یاتریوں سے حاصل ہوتی ہیں۔ ایک مشترکہ فنڈ میں جمع کرتے جاتے ہیں اور اس میں سے مندر کے اخراجات نکال کر جو روپیہ بچتا ہے وہ حصہ رسد ہر ایک خاندان میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ ان میں سے بعض جاگیروں کو آجکل سرکار کی طرف سے جنس یعنی چاولوں کی صورت میں گذارہ ملتا ہے۔ اور اس کا

ایشان دیو کو خوف پیدا ہو رہا تھا کہ رات ختم ہونے والی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ جوگنیاں بپنے اپنے اعضا واپس لیکر پھر سندھی متی کو مردہ بنا کر پھینک جائیں وہ دل کڑا کر کے اور نعرہ مار کر فوراً ان کے قریب جا پہنچا جس کو دیکھکر ان جگنیوں کا غول نظروں سے غائب ہو گیا۔ اس کے بعد یہ آواز سُنائی دی۔ "اے ایشان خائف مت ہو۔ ہمارا کوئی اعضا کم نہیں ہوا نہ ہم اس شخص کو جسے ایک دفعہ زندہ کر چکی ہیں دھوکا دینا چاہتی ہیں۔ یہ شخص جس کو ہم نے آسمانی جسم سے مرتب کیا ہے زمین پر سندہی متی کے نام اور اپنے شریفانہ چال چلن کی وجہ سے آریہ راج کے لقب سے مشہور ہو گا۔"

اب سندہی متی کو جس نے شاندار پوشاک اور ہار پہنا ہوا تھا اور جو آسمانی زیورات سے آراستہ تھا گذشتہ واقعات یاد آنے لگے اور وہ جُھک کر اپنے گورو کے قدموں پر گر پڑا۔

ایشان دیو نے اُسے اُٹھا کر گلے سے لگایا۔ اور اس شخص سے جس کے متعلق وہ کبھی خواب میں بھی خیال نہ کر سکتا تھا کہ وہ زندہ ہو جلئے گا بغل گیر ہوتے وقت جو خیالات اس کے دل پر دورہ کر رہے تھے کون ہے جو ان کا اندازہ لگا سکے۔

قاعدہ تقسیم بھی ویسا ہی ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم میں ان جماعتوں کو جو جاگیریں ملی ہوئی تھیں ان کی آمدن بھی اسی طریق پر تقسیم کی جاتی تھی۔ ہر چند کہ سندہی متی کے قائم کردہ اوقات ان جماعتوں کے ہاتھ سے نکل چکے تھے تاہم معلوم ہوتا ہے کہ کلہن کے وقت میں بھی ان پرشدوں (جماعتوں) کی حالت خاطرخواہ تھی کیونکہ اس نے کئی جگہ بعد کے فرمانرواؤں کے وقت میں انکی سیاسی اہمیت کا حوالہ دیا ہے۔ دیکھو ترنگ ۵ شلوک ۴۶۵۔ اور ترنگ ۸ شلوک ۹۰۰۔

راجہ سندھی متی

(آریہ راج)

اِدھر یہ دونوں ایک جگہ پر بیٹھ کر اس بے بُنیاد لیکن عجیب دنیاوی زندگی پر غور کرتے ہوئے گفتگو کرنے لگے اُدھر جب یہ خبر شہر میں پہنچی تو عورت مرد جوان بوڑھے اور امیر و وزیر سب کے سب جمع ہو کر شمشان بھومی میں پہنچ گئے اگرچہ اول اول سندہی متی کی شکل و شباہت کو دیکھ کر جو پہلے سے بالکل مختلف تھی لوگوں کے دلوں میں شبہ پیدا ہو گیا تھا مگر جب اس نے انکے ساتھ گفتگو کی اور گذشتہ زمانہ کے واقعات کا ذکر کیا تو سارے شکوک جاتے رہے۔ ہر چند کہ سندہی متی دنیاوی جھمیلوں میں پھنسنا نہیں چاہتا تھا مگر اپنے گورو کے فرمان اور اہل ملک کے اصرار سے تخت پر جو اس وقت خالی پڑا تھا بیٹھنا منظور کر لیا۔ خوشی کے باجے بجنے لگے اور برہمنوں نے اس جگہ اس کو اشنان کرا کر اس کے سر پر تاج پہنا دیا۔ اور جب اس کی سواری شہر میں داخل ہوئی تو رعایا خوشی کے نعرے مار رہی تھی اور چاروں طرف سے پھولوں اور بھنے ہوئے دانوں کی بارش ہو رہی تھی۔

چونکہ وہ خود تجربہ کار تھا اور ایک قابل حکمران کی تمام صفات اس میں موجود تھیں اس نے اپنی ہی واقفیت کی بنا پر تمام سابقہ دستور العمل میں اصلاح کی۔

---

۱۳۴ سندہ ہیشور کے جائے وقوع کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ البتہ ایشیشور کی نسبت اغلب خیال یہ ہے کہ یہ وہ موضع وتیرتھ ایشبر کے محل وقوع پر قائم تھا جو کہ ڈل کے شمال مشرقی کنارے پر نشاط باغ سے نصف میل شمال کی جانب واقع ہے۔ ایشبر کا نام قدیم ایش برور کا مخفف معلوم ہوتا ہے جس کا ذکر ایک ٹیکا کار نے ایس بھرادو

وہ رحم دل تھا۔ اس لئے اس کے تخت پر بیٹھنے کے بعد رعایا کی ساری تکلیفیں جاتی رہیں۔ اس کے دل پر جس نے اپنے محسوسات پر پورا پورا قبضہ کیا ہوا تھا عورتوں کے ناز و ادا کا کچھ اثر نہ پڑتا تھا۔ البتہ وہ جنگل کے دلفریب نظاروں اور پہاڑوں کی خوشنما وادیوں اور چوٹیوں کو جن کے گرد ہمیشہ پرندے اُڑتے رہتے ہیں دیکھ کر بڑا خوش ہوتا تھا۔ وہ عود اور کافور کی خوشبو کو پسند کرتا تھا اور جب کبھی کوئی سادھو جنگلی پھولوں سے آراستہ بازو اس کے جسم پر لگاتا تھا تو اس کے دل کو بڑی شانتی ہوتی تھی۔ وہ بلاناغہ بھوتیش[130] - وردھمانیش اور وجیش کے درشنوں کو جاتا تھا اور جو وقت اس کا وہاں گذرتا تھا بڑی خوشی سے گذرتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ اپنا سارا وقت رعایا کی بہتری اور بہبودی میں صرف کرتا تھا۔ جب ہوا اُس پانی کے ذرات کو جس سے مندر کی سیڑھیاں دھوئی جاتی تھیں ہمراہ لیکر اس کے جسم کو چھوتی تھی تو وہ یہاں تک خوش ہوتا تھا کہ بے خود ہو جاتا تھا۔ اُس کا خیال ہمیشہ وجیشور کے لنگ کی طرف اس کی اس حالت پر لگا رہتا تھا جبکہ پوجا کے بعد اس کو آرائشی سامان سے پاک اور صاف کیا جاتا ہے۔ اس کو بنسری وغیرہ کی آوازوں سے نفرت تھی مگر وہ

کے نام سے کیا ہے۔ اس لفظ کی آخری صورت ایشیشور سے بالکل مشابہ ہے کشمیری بانگی لفظ بھور سنسکرت کے بھتار کسے جس کے معنے دیوتا کے ہے نکلا ہوا ہے اور ایشور کے ہم معنے ہے۔ پس وجیشور اور وج برور دونوں ہم معنی ہیں۔ اور ان کے مقابلے میں تانیث کا لفظ برار نوٹ ۴ ضمیمہ کتاب ہذا میں سنسکرت کے لفظ دیوی کی جگہ استعمال ہوا ہے ایش بر میں یاتری لوگ اس لئے بکثرت جاتے ہیں کہ یہاں گپت گنگا نام کا ایک مقدس چشمہ واقع ہے اس چشمے کا پانی ایک پرانے سنگین تالاب میں جو گاؤں کے مرکز میں واقعہ ہے پڑتا ہے۔ اس تالاب کے مین پچھلی طرف ایک تیس فٹ مربع اور آٹھ فٹ اونچا غیرآباد

آواز جو مٹکوں سے شو لنگ پر گرتے اور اس کے گرد بہتے ہوئے پانی سے پیدا ہوتی تھی اس کو حالت خواب میں بھی بڑی پیاری معلوم ہوتی تھی۔ اس راجہ کا دربار شوجی کی محفل سے مشابہ تھا جس میں اس قسم کے سادھو جن کے جسم پر بھبوت اور گلے میں رودر اکھش کی مالائیں اور سروں پر جٹائیں بندھی ہوئی ہوتی تھیں جمع رہتے تھے۔ اس نے ہر روز ایک ہزار شو لنگ[۱۳۱] تیار کر کے دریا میں ڈالنے کا عہد کیا ہوا تھا اور اپنے اس عہد کو کبھی ٹوٹنے نہیں دیا۔ ایک موقعہ پر جب کسی خاص باعث سے وہ اس کام کو پورا نہ کر سکا تو اُس کے نوکروں نے ایک ہزار لنگ نواحات کی ایک چٹان میں کندہ کئے اور یہ لنگ آج تک دیکھے جاتے ہیں مختلف تالابوں میں اپنے مذہبی عقیدے کے اظہار کے لئے اس نے لنگ کی شکل کے کنول کے بیجوں کی قطاریں لگوادیں اور اس نے دریاؤں کے مختلف حصوں میں اسقدر لنگ ڈلوائے کہ وہ نربدا[۱۳۲] کے مشابہ بن گئے۔ ہر ایک مندر کے ساتھ اس نے جو بڑے بڑے گاؤں کی جاگیریں وقف کر رکھیں تھیں اب ایک زمانہ گذر جانے کے باعث پروہتوں کی جماعتوں[۱۳۳] کے ہاتھ سے نکل چکی ہیں شوجی کے اس بڑے پوجاری نے بڑے بڑے مذہبی مکانات بڑے بڑے لنگ بیل

ٹیلہ واقعہ ہے جس کی کرسی میں بظاہر قدیم زمانہ کی پتھر کی تراشی ہوئی سلیں لگی ہوئی ہیں۔ مقامی پروہتوں کا خیال ہے کہ یہ ٹیلہ راجہ سندھی مان کے بنوائے ہوئے مندر کا نچلا حصہ ہے یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ ان کا یہ عقیدہ کسی حقیقی روائیت پر مبنی ہے۔ یا کسی فاضل یاتری نے انکو یہ واقفیت بہم پہنچائی ہے۔ اس تیرتھ کے مہاتم میں جو کئی وجوہ سے زمانہ حال کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے اس گاؤں کے ایشالیہ اور ایش دھار آتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے غلطی سے برور کے لئے لفظ دہار قرار دے لیا ہے۔ سرگباشی مہاراجہ کشمیر نے اس تیرتھ پر جو نیا مندر بنوانا شروع کیا تھا اور نامکمل رہ گیا تھا اس کا ذکر قبل ازیں

کی بڑی بڑی مورتیں اور بڑے بڑے ترسول قائم کر کے سرزمین کشمیر کو بارونق بنا دیا۔ جس شمسان میں وہ دوبارہ زندہ کیا گیا تھا وہاں پر اس نے ایک مندر بنوا کر اس کا نام اپنے نام پر سندھویشور[۱۳۴] رکھا اور دوسرا مندر اپنے گورو ایشان کے نام پر بنوا کر اس کا نام ایشیشور قرار دیا۔ اس نے تھیدا[۱۳۵]۔ بھیما دیوی اور دوسرے مقامات پر اس قسم کی عالیشان عمارات بنوا کر جن کے اندر مٹھ۔ دیوتاؤں کی مورتیاں اور لنگ موجود تھے رونق بخشی۔ سرزمین کشمیر میں تیرتھوں[۱۳۶] کے قیام اور قدرتی عبادت گاہوں سے جو لطف اس کو حاصل ہوتا تھا اُسے صرف اس دانا اور دھرماتما راجہ کا دل ہی جانتا تھا۔ بہار کا موسم وہ جنگلات میں بسر کرتا تھا اور وہاں پہاڑی چشموں میں اشنان کر کے پھولوں کے بنے ہوئے لنگوں کی پوجا کرتا تھا۔ کشمیر کے خوشگوار موسم گرما میں جس کا لطف ساری دنیا میں اور کہیں حاصل نہیں ہوتا وہ جنگلات سے پرے برف کے بنے[۱۳۷] ہوئے لنگوں کی پوجا میں مصروف رہتا تھا۔ اس قسم کے تالابوں کے کناروں پر جا کر جو ہر طرف سے کھلے ہوئے کنول پھولوں سے ڈھپے ہوئے ہوتے تھے یہ خوش نصیب راجہ شوجی کی یاد میں محو ہو جاتا تھا۔ موسم خزاں میں وہ کنول پھولوں والے

کتاب ہذا کے نوٹ عـ۱۳۱ میں آچکا ہے۔ ابوالفضل آئین اکبری کے باب دوئم اور صفحہ ۳۶۱ پیمایش بلاری میں (جس سے اس کی مراد غالباً ایش براری سے ہے) ایک مقدس چشمے کے گرد چند پتھر کے بنے ہوئے مندروں کا ذکر کرتا ہے۔ اس چشمہ کا نام غلطی سے وہ سوریہ سر لکھتا ہے۔ اور ظاہر طور پر اس غلطی کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس چشمے کے قریب ایک اور چشمہ ہے جس کا نام سوریشوری تیرتھ ہے۔

زمانہ قدیم میں ایش بر کے مندر میں سوریشوری کی پوجا ہوا کرتی تھی۔ دیکھو نوٹ عـ۳۲۴ کتاب ہذا۔

تالابوں میں جو ستارہ اگستیہ[۱۳۴] کے طلوع ہونے کے باعث پاک ہو چکے ہوتے تھے کھڑے ہوکر شوجی کا اراد ہن کیا کرتا تھا۔ یہ راجہ ماگھ کے مہینے کی راتیں بھی ضائع نہیں کرتا تھا کیونکہ ان دنوں وہ مختلف سنیاسیوں کے ساتھ بیٹھ کر رت جگا (رات کا جاگنا) کیا کرتا تھا۔ اس طرح پر اس شاہی طاقت کو جو نہایت عجیب وغریب طریقے پر حاصل کی تھی عبادت میں بسر کرتے ہوئے اس نے ستائیس سال حکومت کی۔

چونکہ اس کا سارا وقت عبادت میں ہی بسر ہوتا تھا اور سلطنت کے کاروبار کی طرف سے دن بدن اس کی توجہ کم ہوتی جاتی تھی۔ اس لئے اس کی رعایا اس سے ناراض ہو گئی۔ اور جب لوگوں نے دوسرے راجہ کی تلاش شروع کی تو ان کو معلوم ہوا کہ خاندان یدھشٹر کا ایک اولوالعزم اور نامور شاہزادہ زندہ ہے۔

قندھار کے راجہ نے یدھشٹر کے پڑپوتے گوپادت کو کشمیر فتح کرنے کی امید سے اپنے ہاں پناہ دی تھی۔ اس جلاوطن شہزادہ کے ہاں میگواہن نامی ایک لڑکا تھا جس میں فوق الفطرت علامات پائی جاتی تھیں۔ اپنے باپ کے

[۱۳۵] ٹھیڈیا اور بھیاد یوی اُس جگہ آباد تھے جہاں آجکل ڈل کے مشرقی ساحل پر ٹھیڈا اور براں کے گاؤں آباد ہیں۔ موضع تھیڈ۔ جیتھر کے شمال میں قریباً ایک میل کے فاصلہ پر آبلو ہے۔ اور اس کے گرد تاکستان اور باغیچے لگے ہوئے ہیں۔ دیکھو نوٹ ۲۴ ضمیمہ کتاب ہذا۔ ابوالفضل لکھتا ہے کہ موضع تھیڈ میں ایک خوشگوار مقام ہے جہاں سات چشمے واقعہ ہیں اور ان کے گرد پتھر کے مکانات ہیں جو آثار قدیمہ میں شمار کئے جانے کے لائق ہیں۔ سٹائن صاحب لکھتے ہیں کہ مجھے ان عمارات کا کوئی خاص پتہ نہیں ملا البتہ ساتوں چشمے آجتک بھی دیکھنے میں آتے ہیں۔ اور صاحب رام کی کتاب تیرتھ سنگرہ میں ان کا ذکر موضع تھیڈ

شورہ سے یہ نوجوان شاہزادہ (میگھ واہن) راجہ نرگ والئے پراگ جوتش کے ملک میں جو وشنو کی نسل سے تھا اس کی بیٹی کے سوئمبر میں شریک ہونے کی غرض سے گیا۔ باوجودیکہ اس سوئمبر میں بڑے بڑے راجہ موجود تھے۔ شہزادی نے بجے مال (پھولوں کا ہار) اسی کے گلے میں پہنا دی۔ اور ورن کا چھتر اسکو جہیز میں ملا۔ جس طرح مغرب کی ہوا بادلوں کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔ اسیطرح اس کی اس کامیابی کو لوگوں نے اس کی آئندہ عظمت کا ایک نشان قرار دیا۔ کیونکہ یہ چھتر جسے راجہ نرگ ورن سے لے گیا تھا سوائے چکرورتی راجہ کے کسی اور پر سایہ نہ ڈالتا تھا۔ جب یہ شاہزادہ مع اپنی بیوی اور بے شمار دولت کے اپنے باپ کے پاس واپس آیا تو وزرائے کشمیر نے اُسے اس ملک پر حکمرانی کرنے کی دعوت دی جس پر اس کا موروثی حق تھا۔

سندھی متی یعنی آریہ راج کو جب یہ معلوم ہوا کہ میرے تخت کے متعلق لوگوں میں کشمکش پیدا ہو چکی ہے تو اس نے کسی قسم کی روکاوٹ پیدا نہ کی گو وہ چاہتا تو ایسا کر سکتا تھا۔ مگر وہ خود تخت سے دست بردار ہونے پر رضامند ہو گیا۔ اور اس نے خیال کیا کہ حقیقت میں خالق کون و مکان مجھ سے خوش

کے سپت پشکرنی تیرتھ کے طور پر کیا گیا ہے۔ ہرچرت چنتامنی کے ادھیائے ۴ شلوک ۸۰ میں ایک قصہ درج ہے جس میں ان سات چشموں کو پاربتی کی اُن ریاضتوں سے منسوب کیا گیا ہے جو اس نے بھیما دیوی کے قریب کے تیرتھ پر کی تھیں۔ جھیل کے کنارے شمال کی طرف ڈیڑھ میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہم ایک چھوٹے چھوٹے گاؤں کے ایک مجموعہ کے قریب جو پھلدار درختوں سے ڈھپی ہوئی وادی میں آباد ہیں پہونچتے ہیں۔ ان گاؤں کے نام کرور۔ دام پور۔ منز گام اور پوبل ہیں۔ جن کا مشترکہ نام بران ہے۔ دیکھو وگنی صاحب کا سفرنامہ باب ۲ صفحہ ۱۱۰ جہاں اس کے لئے لفظ برن استعمال کیا گیا ہے۔ بران اور

ہے کیونکہ وہ اُن تمام روکاوٹوں کو دور کرتا جا رہا ہے جو میری نجات کے راستہ میں حائل تھیں۔ میں پرماتما کا شکرگذار ہوں کہ گو ابھی مجھے بہت کچھ کرنا باقی رہ گیا ہے تاہم میں موسم برسات کے اُس سیاح کی طرح جو تھک کر آرام طلب بن جاتا ہے نیند میں غافل نہیں ہوا۔ پرماتما کا شکر ہے کہ مناسب موقعہ پر دولت سے دست بردار ہوکر اس عورت کی طرح جو خود لاپرواہ بن جاتی ہے میں زبردستی نکالے جانے کی شرم سے بچتا ہوں۔ شکر ہے کہ گو میں اس شاہی تماشہ گاہ پر ایک رقاصہ کی طرح عرصہ دراز تک ایکٹ کرتا رہا ہوں تاہم تماشائیوں کی اس بارہ میں سیری نہیں ہوئی۔ پرماتما کا شکر ہے کہ ہمیشہ دولت سے اظہار نفرت کرتے رہنے کے بعد میں اس شخص کی طرح جو محض میدان جنگ میں ہی ڈینگیں مارتا ہو تیاگ کے وقت کسی قسم کا اندیشہ محسوس نہیں کرتا۔ اس قسم کے خیالات دل میں لیکر اور ہر چیز کو تیاگ دینے پر آمادہ ہوکر راجہ اس فقیر کی مانند اپنے دل میں بہت خوش ہوا جو خیالی سلطنتیں تیار کرتا ہے۔ اس سے اگلے روز اپنی تمام رعایا کا ایک عام دربار منعقد کرکے اس نے عنان سلطنت کو ایک محفوظ امانت کی طرح اُن کے حوالے کردیا۔ اگرچہ بہت سے لوگوں نے

بھیما دیوی کے ایک ہی گاؤں ہونے کی تائید نیل مت پوران کے شلوک ۱۰۲۲ میں بھی ہوتی ہے۔ جہاں اس تیرتھ کا ذکر سریشوری کے ساتھ کیا گیا ہے۔ آخر الذکر تیرتھ ہران سے اوپر سلسلہ کوہ کے شمال میں دو میل کے فاصلہ پر واقع ہے دیکھو نوٹ ۴۷ کتاب ہذا بھیما دیوی پر پاربتی نے جو ریاضتیں کی تھیں ان کا ذکر ہر کرپوران کے ادھیائے ۴ شلوک ۷۴ میں آتا ہے۔ معلوم نہیں کہ بھیما دیوی کا تیرتھ کس مقام پر واقع تھا۔ البتہ یہ امر اغلب ہے کہ اس کا محل وقوع اس خوشنما چشمہ کے نزدیک تھا جو دام پور کے گلوؤں کے قریب ایک پہاڑی سے نکلتا ہے اور جہاں مسلمانوں کی آجکل ایک مسجد واقع ہے۔

اُسے تخت کو ہاتھ سے نہ دینے کی ترغیب دی اور امراؤ وزرا نے بھی بنت التجا کی مگر جس طرح سانپ کو اپنی اُتاری ہوئی کینچلی دوبارہ جسم پر چڑھانے کے لئے آمادہ نہیں کیا جا سکتا اس طرح سندیمتی کو بھی جو اپنی مرضی سے سلطنت سے دست بردار ہو گیا تھا کوئی آدمی واپس ہاتھ میں لینے پر رضامند نہ کر سکتا تھا۔

اس کے بعد اس لنگ کو جس کی وہ پوجا کیا کرتا تھا اُٹھا کر سفید کپڑے پہنے ننگے سر پا پیادہ شمال کی جانب روانہ ہوا۔ اہل شہر چپ چاپ روتے دھوتے اس کے پیچھے ہو لئے مگر وہ کسی کی طرف متوجہ نہ ہوتا تھا اور نیچی نگاہیں کئے خاموشی کے عالم میں آگے بڑھا چلا جاتا تھا۔ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ گیا اور بڑی دلجوئی کے ساتھ اُن آدمیوں کو جو باچشم نم اس کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے واپس جانے کی تاکید کی۔ اور پھر اُٹھ کر چل دیا۔ اسی طرح وہ راستہ میں اکثر جگہ پہاڑوں کے دامن میں راستہ پر کھڑا ہو کر بہت سے آدمیوں کو رخصت کر دیتا اور اسکے بعد تخفیف شدہ جماعت کے ساتھ آگے بڑھتا تھا جس طرح دریا جب گہرے مقامات کو پر کر لیتا ہے تو اپنی مناسب سطح سے پانی کی تھوڑی مقدار ساتھ

---

۱۳۶ قدرتی عبادت گاہ کے لئے اصل کتاب میں لفظ سوبھو آیا ہے اور اس میں اور لفظ تیرتھ میں ایک خاص امتیاز قائم ہے اول الذکر سے مراد قدرتی طور پر بنی ہوئی لنگ کی شکل کی چٹانوں اور کوئی خاص ظہورہ رکھنے والے چشموں وغیرہ سے ہے اور آخرالذکر کا مطلب انسان کے تیار کردہ معبد یا اس قسم کے مقامات سے ہے جہاں کسی بزرگ نے کوئی خاص روحانی کرشمہ ظاہر کر کے اسے مقدس بنا دیا ہو۔ سوبھو لنگ کی بابت دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۳۰۰۲۴

لئے آگے کو بڑھتا ہے۔ آخر کار ایک گھنے جنگل کے کنارے پر پہنچکر اس نے اپنے تمام ساتھیوں کو جن کے دل غم سے بھرے تھے۔ جن کی آنکھوں سے چھم چھم آنسو برستے تھے اور جن کی زبان سے ایک لفظ تک نہ نکلتا تھا بہت کچھ تسلی دیکر اور دلجوئی کی باتیں کر کے زبردستی رخصت کر دیا اور خود جنگل میں داخل ہو گیا۔ اس جنگل کے اندر بنی ہوئی گپھاؤں میں بہت سے دشت نورد سادھو درختوں کی چھال اور پتوں سے اپنے جسم ڈھانپے ہوئے موجود تھے۔ اور انکی تپسیا کے تیج سے جو ہیروں کی چمک کے مشابہ تھی یہ گپھائیں منور ہو رہی تھیں۔ اس جگہ شام کے وقت اس نے رات بسر کرنے کے لئے ایک جوہڑ کے کنارے پر درختوں کے نیچے جھونپڑی بنائی اور درختوں کی شاخوں اور پتوں کا بستر بنا کر پتوں کے ڈونوں میں پانی رکھ کر آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا۔ سامنے کے پہاڑ کی چوٹیوں پر چاندنی فرحت بخش روشنی پڑ رہی تھی۔ اور ان کے ڈھلوان حصوں پر سبز گھاس اپنی بہار دکھلا رہا تھا۔ جنیلی کے درختوں کے نیچے جو سفید کلیوں سے لدے ہوئے تھے گو النیں مل کر سو رہی تھیں اور آبشاروں کے گرنے اور گڈریوں کی بانسریوں کی ملی ہوئی سریلی آوازیں

نوٹ ۱۳۷ اصل کتاب میں جنگلات سے پرے کے علاقے کے لئے لفظ ونانت آیا ہے جس سے مراد اس قسم کی بلند وادیوں اور سطوح مرتفع سے ہے جو اسقدر بلند واقع ہے۔ کہ وہاں جنگلی نباتات اگ نہیں سکتی (کشمیر میں یہ علاقہ سطح سمندر سے ۱۰۰۰۰ فٹ کی بلندی پر پایا جاتا ہے) ایسے مقامات پر برف گلیوں اور محفوظ حصوں میں موسم گرما میں عرصہ دراز تک پائی جاتی ہے۔ امرناتھ کے غار میں یخ کے بنے ہوئے لنگ کی پوجا کے متعلق دیکھو نوٹ ۹ کتاب ہذا۔

نوٹ ۱۳۸ ستارہ اگست جو ماہ بھادوں میں طلوع ہوتا ہے اُسے پانی کو گدلا اور غلیظ

کانوں کو بہت ہی بھلی معلوم دیتی تھیں۔ تھکا ماندہ مسافر (سندھی متی) سو گیا اور جب سارس کی آواز اور ہاتھیوں کے چنگھاڑ کا شور جو نقاروں کی آواز سے مشابہ تھا اس کے کانوں میں پہنچا تو اس نے سمجھ لیا کہ اب رات ختم ہونے کے قریب ہے۔

نیند سے بیدار ہو کر سندھی متی نے پاس کے تالاب میں جو کنول پھولوں سے ڈھپا ہوا تھا اشنان کیا اور پوجا پاٹ کرنے کے بعد بھوتیشور کے تیرتھ کی طرف جس کے قریب ہی سودر کا مشہور چشمہ واقع ہے روانہ ہوا یہاں پہنچ کر اس نے اپنے کپڑے اُتار دیئے۔ اور جسم پر بھبوت لگائے سر پر جٹائیں باندھے ہاتھ میں رودر اکھش کی مالا لئے جب وہ تینوں لوک کے مالک شوجی کے سامنے پرارتھنا کے لئے کھڑا ہوتو بوڑھے بوڑھے رشی بھی اس کی طرف تعجب کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

جب وہ بھیک مانگنے کے لئے نکلتا تھا تو شوجی کے ایک سچے بھگت کی حیثیت میں اس کی بہت کچھ آؤ بھگت کی جاتی تھی اور جھونپڑیوں میں رہنے والے سنیاسیوں کی بیویاں ایک دوسری سے بڑھ کر اس کی تعظیم کرتیں اور اس کو بھکشا دیتی تھیں لیکن چونکہ پہاڑی خود رو درخت اس کے کچکول کو اپنے خوش گوار پھلوں اور پھولوں سے اچھی طرح بھر دیتے تھے اس لئے اس قابل تعظیم بزرگ کو گداگری کا طریق عمل اختیار کرتے ہوئے بھی دوسروں سے

کر دینے والے موسم برسات کے خاتمے کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

۱۳۹ پورانوں میں پراگ جوتش کے نیم روایتی شہر کی نسبت ذکر آیا ہے کہ وہ کامروپ (آسام) کا دار الخلافہ تھا اس کے بانی نرک کے متعلق جو وشنو کا بیٹا تھا دیکھو وشنو پوران ادھیائے ۵ صفحہ ۸۸ اور لاسن صاحب کی کتاب "انڈش، آلٹرتھمس کنڈ" باب اول صفحہ ۶۵۵

بھیکھ مانگنے کا عجز اختیار کرنے کی ضرورت نہ پڑتی تھی۔

یہاں پر کشمیر کے مشہور وزیر لارڈ چمپک کے بیٹے کلہن کی مرتبہ راج ترنگنی کی دوسری ترنگ ختم ہوتی ہے۔

اس ترنگ کے چھ راجاؤں نے بہ ہیئت مجموعی ۱۹۲ سال تک حکومت کی۔ اس ترنگ کے راجاؤں کے عہد حکومت کی میزان جو اوپر دی گئی ہے کلہن کے بیان کے عین مطابق ہے۔ (مترجم)



مکمل راج ترنگنی

تیسری ترنگ

شو جی تمہاری حفاظت کریں جو اپنی اردہ ناریشور کی صورت میں جس میں وہ نصف حصوں یعنی نیم مذکر اور نیم مونث سے مرکب ہیں پاربتی کے سوالات کا حسب ذیل جواب دیتے ہیں۔ سوال۔ ہاتھی کی کھال جو آپ نے اوڑھی ہوئی ہے اُسے اُتار کیوں نہیں دیتے؟ جواب۔ اس کے مستک میں وہ قیمتی موتی ہیں جو تمہارے گلے کا ہار بن کر تمہاری چھاتیوں کو آراستہ کرنے کے قابل ہیں۔ سوال۔ تمہاری پیشانی پر جو آگ (تیسری آنکھ) ہے اس کا کیا فائدہ ہے؟ جواب۔ اس سے تمہاری آنکھوں کے لئے کاجل حاصل کیا جا سکتا ہے۔

علاوہ ازیں اگر پاربتی ان کے سانپ (شیش ناگ) پر اعتراض کریں تو وہ اس کا بھی جواب دینے کو تیار ہیں۔

راجہ میگواہن

اس کے بعد رعایائے کشمیر وزرا کی رہبری سے گاندھار[140] میں جاکر میگواہن کو

۱۴۰؎ منشی محمد الدین صاحب اپنی کتاب میں اس نام کی وجہ تسمیہ یہ لکھتے ہیں کہ جب [illegible]

جس کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی اپنے ہمراہ لائی جس طرح کپڑے کی اصلی رنگت اس کے دُھلنے کے بعد معلوم ہو سکتی ہے اسی طرح اس راجہ کی جو اپنی رعایا سے بڑی محبت کرتا تھا انسانی ہمدردی اس کی تخت نشینی کے بعد معلوم ہوئی یہ اعلےٰ خیال کا فرمانروا اپنے افعال کی بدولت کسی جاندار کو دکھ نہ دینے والے بدھ لوگوں پر بھی فوق لے گیا تھا۔ اس کی تخت نشینی کے بعد فوراً ہی حکام نے اُس کے زیر حکم اس بات کی منادی کرادی کہ زندہ جانوروں کا مارا جانا بند کیا جائے اور اُسکے بعد راجہ نے قصابوں اور چڑی ماروں کو جنکا گذارہ ہی اسی پر تھا اپنے خزانے سے اس قسم کی مالی امداد دی کہ وہ اپنی زندگی کو پاکیزگی کے ساتھ بسر کر سکیں۔ اس راجہ کے عہد میں جو کسی جاندار کو مارنے سے جینیوں کی طرح نفرت کرتا تھا کرتو نامی[۱۴۱] مذہبی قربانی کے موقعہ پر گھی کے اور بھوت بلی کے موقعہ پر جب روحوں کی نذریں پیش کی جاتی تھیں آٹے کے بنے ہوئے جانوروں سے کام لیا جاتا تھا۔ وہ میوشٹ گرام[۱۴۲] کا بانی تھا اس نے میگھن نامی اگرہار اور میگھ مٹھ جو مذہبی خوبیوں سے پر تھا قائم کیا۔ اس کی رانی امرت پربھا نے امرت بھون[۱۴۳] نامی ایک عالیشان وہار ممالک غیر کے بھکشوؤں کے فائدے کی غرض سے تعمیر کروایا۔ اس رانی کے والد کے گورو نے جولوہ[۱۴۴] نامی ایک غیر ملک سے آیا

راجہ خلا (دھوم) کی لڑکی کے سوئمبر میں شامل ہوا تو سخت بیکسی کی حالت میں تھا۔ اتفاقاً جشن کے موقعہ پر بارش شروع ہوگئی۔ تمام راجے مہاراجے چتر شاہی کے سایہ میں شامل جلوس ہوئے میگھواہن حالت بیچارگی میں چتر آسمان کا سائبان سر پر لئے جلوس میں تو شامل ہوگیا لیکن رنج حالت سے سخت مایوس تھا۔ اسے باشوکت راجاؤں کے مقابلہ میں کامیابی کی امید کیسے ہو سکتی تھی لیکن قدرت نے وہ کرشمہ دکھلایا کہ سب دنگ رہ گئے سائبان کی جگہ بدلی نے اس کے سر پر قدرتی سایہ بنا دیا۔ شاہی چھترے والے بھیگنے لگے لیکن اس کے

ہوا تھا اور جس کا لقب اُس ملک کی زبان میں ستُمپا تھا لوہ ستمپا نامی ایک بدھ مندر تعمیر کروایا۔ اس کی دوسری رانی یوک دیوی نے اپنی سوتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک عجیب وغریب وضع کا دہار ندون[۱۴۵] کے مقام پر تعمیر کرایا۔ اس کے نصف حصہ میں وہ بھکشو رہتے تھے جن کا چال چلن مذہبی اصولوں کے مطابق ہوتا تھا اور باقی نصف حصہ میں ایسے لوگ آباد تھے جو بیویاں بچے مویشی اور جائداد رکھنے کے باعث گرہستیوں کے طور پر اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔ اس کے بعد اس کی ایک اور رانی اندر دیوی نے اندر دیوی بھون[۱۴۶] نام ایک دہار معہ ایک وسیع احاطہ کے تعمیر کروایا اور ایک بدھ مندر بھی بنوایا۔ اس کی باقی رانیوں کھادنا[۱۴۷]۔ سمہ وغیرہ نے بھی اپنے ناموں کے بہت سے مشہور دہار بنوائے۔ ہر چند کہ یہ راجہ نسبتاً زمانہ حال میں گذرا ہے تاہم اُس کے عہد میں بعض ایسے عجیب واقعات ظہور میں آئے جو پہلے راجاؤں کی کہانیوں پر فوق رکھتے ہیں۔

ناگوں کی کہانی

ایک دن جبکہ وہ کھلے میدان میں بغرض تفریح پھر رہا تھا۔ اس کے کان میں چور چور کی آواز آئی۔ اُس نے غصے میں آ کر کہا۔ "کون ہے؟ چور کی مشکیں کس لو" اس پر امداد طلب آوازیں تو آنی بند ہوگئیں لیکن چور کا کہیں پتہ نہ ملا۔ اس کے کچھ دن بعد جب وہ باہر

بدن پر پانی کا چھینٹا بھی دے پڑا۔ امرت پر بھانے اس تائید غیبی سے آگاہ ہو کر اسے بھی سرفرازی بخشی۔ اسی وقت سے اس کا نام میگھاہن مشہور ہوگیا۔ میگھ کے معنے بادل اور واہن کے سواری کے ہیں۔

۱۴۱ کرتو سے مراد عام مذہبی قربانیاں ہیں۔ اور بھوت بلی سے پوران اور سمرتیوں کے پنچ یجنہ (پنچ یگیں) کے مطابق روحوں کو قربانیاں دینا ہے۔ اب تک کشمیریوں کے ایک فرقہ میں جو شو کا اپاسک ہے آٹے کا جانور بنا کر بعض رسموں کے موقعہ پر قربانی دیا

جا رہا تھا دو تین فوق الفطرت کی عورتیں اس کو نظر آئیں جنہوں نے اس سے حفاظت کی التجا کی۔ جب رحم دل راجہ نے اپنا گھوڑا کھڑا کر لیا اور انکی درخواست سُننے کا وعدہ کیا تو انہوں نے اپنے ہاتھ جوڑ کر مانگ تک اٹھائے اور کہا۔

"اے رحم کی مجسم صورت! جب اس دنیا پر تیرا راج ہو تو پھر کون ہے جس کو کسی کا ڈر ہو؟ ایک موقعہ پر جب ہمارے شوہر یعنی ناگ بادلوں کی صورت میں آسمان پر چھائے ہوئے تھے تو کسانوں نے ژالہ باری سے خائف اور اس خیال سے مضطرب ہو کر کہ ہماری چاول کی پکی ہوئی فصلیں خراب نہ ہو جائیں شریرانہ طور پر انہیں آپ کے غصے کا نشانہ بنا دیا۔ جب آپ نے کسی مصیبت زدہ شخص کی چھ چھد کی آواز سُنکر غصے میں آکر حکم دیا تھا کہ انہیں پکڑ لیا جائے تو آپ کا حکم پاتے ہی وہ زنجیروں میں کس کر زمین پر آگرے اب آپ ہم پر رحم اور انپر نظر عنایت کریں۔" یہ سُنکر راجہ مُسکرایا اور اس کے چہرے پر مہربانی کی جھلک نمودار ہوئی پھر اس نے حکم دیا "سب ناگ اپنی زنجیروں سے چھٹ جائیں۔" یہ حکم پاتے ہی ناگوں کی زنجیریں کھل گئیں اور آزاد ہونے کے بعد انہوں نے جھک کر راجہ کو پرنام کی۔ اور اپنی اپنی عورتوں کو ہمراہ لیکر روانہ ہو گئے

جاتا ہے۔

۱۴۲؎ ان ہر سہ مقامات میں سے کسی کا بھی کہیں اور ذکر نہیں آتا۔

۱۴۳؎ سٹائن صاحب نے چینی سیاح اوکنگ کے سفر نامہ پر جو نوٹ لکھے ہیں ان کے صفحہ ۹ پر یہ بات ظاہر کی گئی ہے کہ امرت بھون کا دہلادر نگومی تو پوھان کا معبد جس کا اس چینی سیاح نے ذکر کیا ہے ایک ہی ہیں۔ اوکنگ کی مراد امرت بھون سے ہے جو امرت بھون کے نام کی ایک پراکرت صورت ہے۔ یہ پراکرت صورت دہی ہے

میگھواہن کی فتوحات

اس کے بعد یہ راجہ جو قانون مقدس پر صدق دل سے عامل تھا دنیا کو اس غرض سے فتح کرنے کے لئے نکلا کہ دوسرے راجاؤں کو بھی جانداروں کے مارنے کی ممانعت پر مجبور کرے اس کی فتح کی خواہش جس میں لوگوں کو خطرے سے آزاد رکھنے کی احتیاط قابل تعریف طریقے پر مشترک تھی ایسی تھی کہ اس پر ایک جینی کو بھی رشک آئے جن راجاؤں کو اس نے مفتوح کر لیا ان سے جانداروں کو نہ مارنے کا اقرار حاصل کر کے یہ بے عیب راجہ سمندر کے مالک ورن کے پاس پہنچا اور جب اس کی فوج آرام سے کھجور کے درختوں کے سائے میں خیمہ زن تھی تو وہ اپنے دل میں دوسرے جزیروں میں پہنچنے کا طریقہ سوچ رہا تھا۔

ورن کی داستان

اس وقت اُسے ساحل پر کے ایک جنگل سے کسی مصیبت زدہ شخص کی مدد کی طالب آواز سنائی دی جو کہہ رہا تھا " میگھواہن کے زیر حکومت میں قتل کیا جا رہا ہوں "۔ یہ آواز اُس کے دل میں اس طرح بیٹھی جیسے گرم لوہے کی سیخ۔ وہ شاہی چھتر لئے اس طرف کو جلد جلد روانہ ہوا۔ اور وہاں جا کر چنڈ کا درگا کے مندر کے سامنے ایک شخص کو دیکھا جس کا چہرہ نیچے کی طرف جھکا ہوا تھا اور جسے کوئی

جسے ہمیں سنسکرت کے امرت بھون اور کشمیری زبان کے انت بون کے مابین سمجھنا پڑتا ہے آخرالذکر نام کا ایک چھوٹا سا گاؤں سری نگر کے شمال میں تین میل کے فاصلہ پر وچار ناگ کے نواحات میں واقع ہے۔ مرکب الفاظ کے شروع میں جہاں کہیں سنسکرت لفظ امرت آتا ہے تو کشمیری زبان میں وہ انت سے بدل جاتا ہے۔ جون ۱۸۹۵ء میں جب سٹائن صاحب انت بون کا معائنہ کر رہے تھے تو اُنہیں اس کے اور لکشمی کلیہ نہر کے درمیان کھلی زمین پر بعض کھنڈرات نظر آئے جو کسی وہار کے کھنڈرات سے

وحشی جان سے مار رہا تھا۔ راجہ نے غصے میں آکر کہا "اے بے سمجھ آدمی اس فعل بد کے لئے تجھے شرم آنی چاہئے" جب راجہ نے اسے اس طرح پر دھمکی دی تو اس وحشی نے خائف ہوکر کہا "مہاراج میرا چھوٹا بچہ کسی مرض میں مبتلا ہوکر جان کنی کی حالت میں ہے۔ دیوتا کا ارشاد ہے کہ اس قربانی سے اسے صحت حاصل ہو سکے گی۔ اگر اس قربانی کی ممانعت کی گئی تو وہ ابھی مرجائے گا۔ اور میں آپ سے عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ اس کے سارے رشتہ داروں کی زندگی اسی کی جان سے وابستہ ہے۔ مہاراج! جب آپ ایک بے یار و مددگار شخص کی جسے جنگل کے اندرونی حصوں سے نکالا گیا ہے حفاظت کرتے ہیں تو پھر آپ اس بچے کی طرف کیوں کچھ توجہ نہیں دیتے جس کے ساتھ بہتوں کی زندگیاں وابستہ ہیں"

وحشی کے یہ الفاظ سُنکر اور قربان کئے جانے والے شخص کی خوف زدہ صورت کو دیکھ کر بلند خیال راجہ کو بہت دُکھ پہنچا اور کہنے لگا "اے کرات (قاتل) مایوس مت ہو میں تیرے بچے کو جس کے بہت سے رشتہ دار ہیں اور اس شخص کو جس کا کوئی رشتہ دار نہیں دونوں کو بچاتا ہوں۔ میں اپنا جسم چنڈکا کی بھینٹ کرتا ہوں دلیری سے مجھ پر وار کر۔ پرماتما کرے کہ یہ دونوں

مشابہ تھے۔ اس جگہ بیس فٹ اونچے ایک ٹھوس ٹیلے کے گرد جس کی صورت اور تعمیر واضح طور پر سٹوپا (بدھ مندر) کے مشابہ ہے ایک مربع احاطے کے آثار اُن بڑی بڑی سلوں کے ذریعے جو اب تک قائم ہیں نمایاں ہیں۔ مشرق کی طرف تیس گز فاصلہ کے قریب ایک تالاب کی شکل کا گڑھا واقع ہے جس کے بعض حصوں میں اب تک ایک بھاری اور قدیم دیوار کے آثار پائے جاتے ہیں۔ سدھیاتیوں کا بیان ہے کہ یہاں سے بہت سارے تراشیدہ پتھر نکال کر سرگ باشی مہاراجہ کے عہد میں مندروں اور دوسری عمارات

شخص زندہ رہیں" اس پر یہ وحشی جو اس دلیر راجہ کی بلند خیالی سے متحیر ہو گیا تھا اور جس کے جسم میں ایک قسم کا جوش پیدا ہو رہا تھا یوں کہنے لگا۔ "ہے پرتھوی راج! آپ تو بے صد رحمدلی سے کام لیتے ہیں لیکن آپ کے دل میں کسی قسم کی ذہنی غلطی پیدا ہو رہی ہے کس لئے آپ اپنے اس جسم کے لئے ایسی بے توجہی ظاہر کرتے ہیں جس کی حفاظت کے لئے تین لوک کی ساری جانیں بھی ضائع کرنی پڑیں تو بلا تامل کر دی جائیں اور جس کو اس دنیا میں خوشی سے زندگی بسر کرنی چاہئے۔ زندگی کی خاطر راجاؤں کو عزت۔ شہرت۔ دولت یا رانیوں۔ رشتہ داروں یا قانون یا بچوں تک کی بھی پرواہ نہیں ہوتی۔ اس لئے اے رعایا کے پالک مہربانی کرو اور اس شخص پر رحم کا اظہار نہ کرو جبکہ تم زندہ ہو پرماتما کرے کہ یہ بچہ اور آپ کی ساری رعایا زندہ رہے" اس پر ساری دنیا کے فرمانروائے جو اپنی جان دینے پر طیار تھا کامنڈا دیوی کی پرارتھنا کی اور بولا "سچے چال چلن کے امرت سے حظ حاصل کرنے کو تم جنگل کے رہنے والے کیا سمجھ سکتے ہو جو لوگ صحراؤں میں رہتے ہوں وہ گنگا اشنان کے لطف سے واقف نہیں ہو سکتے۔ اس جسم کی بدولت جس نے ایک روز فناہ ہونا ہے میری غیر فانی شہرت حاصل کرنے کی خواہش کو روکنے کے لئے اپنی پر اصرار کوشش میں اسے بیوقوف

میں لگائے گئے تھے۔

۱۴۴ پروفیسر بوہلر اپنی رپوٹ کے صفحہ ۷۲ پر اس بات کا ذکر کرتا ہے۔ پنڈت گوبند کول نے بڑی دور اندیشی سے لوہ اور لداخ کا دار لخلافہ لیہ کا ایک ہی ہونا قرار دیا ہے۔ اس نے اپنے بعض دوستوں سے جو لیہ میں مقیم ہیں تحقیقات کرکے معلوم کیا ہے کہ ستُمبا در اصل ایک تبتی لفظ ہے۔ جینک صاحب کی تبتی انگریزی ڈکشنری کے صفحہ ۲۲۴ کو دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ستومبا کا لفظ عام طور پر استاد کے معنوں

شخص تو حد سے بڑھا جاتا ہے۔ اب ایک بھی لفظ زبان سے مت نکال البتہ اگر تجھے استقدر رحم آتا ہے کہ تو خود وار نہیں کر سکتا تو کیا میری اپنی تلوار بھی اس کام کو انجام دینے سے قاصر ہے؟"

اپنا جسم بھینٹ دینے کے شوق میں یہ الفاظ کہتے ہوئے راجہ نے اپنا سر کاٹنے کے لئے تلوار کھینچ لی مگر ابھی وہ وار کرنے کو ہی تھا کہ اُس کے سر پر دیوتاؤں نے پھول برسائے اور کسی فوق الفطرت شکل کے آدمی نے اُس کے بازو کو پیچھے سے پکڑ لیا۔ اس وقت اس نے اپنے سامنے آسمانی صورت کے ایک شخص کو دیکھا جو نہ تو قتل ہونے والا نہ چنڈ کا۔ نہ کرات اور نہ ہی وہ لڑکا تھا۔

"اے مات لوک کے چاند اور رحم کی مجسم صورت تجھے معلوم ہو کہ میں ورن ہوں جسے تیری دلیری نے مفتوح کر لیا ہے۔ وہ چتر جو آج تمہارے پاس ہے اُسے زمانہ قدیم میں میرے شہر سے تمہارے خسر یعنی طاقتور بھوم[۱۸] کا باپ لے گیا تھا۔ اس کے بغیر جو سطح زمین کی واحد آرائش ہے اور جو بہت بڑا اثر رکھتا ہے ہمارے اہل شہر میں جا بجا مہلک مصائب پیدا ہو جاتے ہیں چونکہ میں اسے خود حاصل کرنا چاہتا تھا اس لئے اے رحم دل راجہ تمہاری ذہنی شرافت

میں مستعمل ہوتا ہے۔ کلہن کی اصلی عبارت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اُسے معلوم تھا یہ لفظ گورو کے معنوں میں آسکتا ہے اور جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے وہ اسے اسم محرف نہ سمجھتا تھا۔ لوہ اور لیہہ کے ناموں کے ایک ہی ہونے کے متعلق سٹائن صاحب لکھتے ہیں کہ انہیں کوئی معتبر شہادت نہیں مل سکی۔

جیشک صاحب کی ڈکشنری کے صفحہ ۵۸۶ پر دار الخلافہ لدخ کا نام تبتی زبان میں سلے لکھا ہے مگر اس کا اصلی تلفظ لے ہوتا ہے۔ چونکہ ان دونوں صورتوں اور

کا اندازہ کرنے کے لئے یہ سارا اڈمبر مینے ہی رچا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جانداروں کو مارنے سے معترض رہ کر تم اُس گناہ کا پراسچت کر رہے ہو جو تمہارے پیشرو وسوکل کے بیٹے میہر کل نے جانداروں کی زندگیاں ضائع کرکے کیا تھا۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ ایک ہی مشہور نسل میں دو ایسے راجہ پیدا ہوئے ہیں جن میں سے ایک نے تو تین کروڑ مخلوق کو تہ تیغ کیا اور تم ہو کہ کسی کو جان سے مارنے سے بے حد اعتراض کرتے ہو۔ اُس نسل میں جو دنیا پر حکومت کرنے کی عادی ہے تم دونوں خوف اور خوشی کو اس طرح پیدا کرتے ہو جیسے شیش کے جسم میں جو زمین کو اُٹھانے کا عادی ہو چکا ہے وہ زہر جو وہ اگلتا ہے خوف اور وہ جواہر (منیاں) جو اُس کے پھن میں ہیں خوشی پیدا کرتے ہیں۔ اُس نسل میں جو اپنی شان وشوکت کے باعث تمام دنیا میں ممتاز رہی ہے تم دونوں اسی طرح تاریکی اور روشنی پیدا کرتے ہو جیسے آگ جس کے شعلے ہر طرف بھڑکتے ہیں تو اس کے دھوئیں سے تاریکی اور شعلوں سے روشنی پیدا ہوتی ہے۔ اُس نسل میں جس کے ماتحت بہت سے شاندار شاہزادے ہو گذرے ہیں تم دونوں اسی طرح اضمحلال اور تفریح پیدا کرتے ہو جیسے موسم برسات کے ابر آلود دن میں سورج نظر آنے لگتا ہے تو طبیعت مضمحل اور بارش ہوتی ہے تو خوش ہونے

کلہن کے لوہ میں اختلاف ہے اس لئے یہ بات طے نہیں ہو سکتی آیا آخر الذکر نام تبت کے کسی اور علاقے کا ہے یا نہیں۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ کلہن نے رانی امرت پربھا کا وطن پراگ یوتش قرار دیا ہے لیکن ساتھ ہی وہ اس کے باپ کے گورو کا تبتی نسل ہونا بذریعہ ایک روایت کے بیان کرتا ہے۔

۱۴۵ ندون سے مراد شائد نرودد کا وہ موجودہ حصہ ہے جو سرینگر کے شمال مغربی علاقہ میں سنگین دروازے اور عید گاہ کے درمیان واقع ہے۔ نرودر کا لفظ ندوات سے

لگتی ہے۔"

جب بحری حیوانات کا فرمانروا ورن اس طرح گفتگو کر چکا تو راجہ نے ادب کے ساتھ ہاتھ جوڑ کر اس کی پوجا کی۔ ایک تعریفی بھجن گایا اور چتر بطور ہدیہ کے پیش کیا۔ اور جب ورن نے مہربانی سے چتر کو قبول کر لیا تو دنیا کے نیک راجہ نے اُسے یوں مخاطب کیا۔" ثمردار درخت اور نیک آدمی ایک ہی جماعت میں یک جا کئے جانے کے مستحق نہیں۔ کیونکہ اول الذکر تو صرف اسی صورت میں محتاجوں کو اپنا میوہ دیتا ہے جب اس سے خواہش ظاہر کی جائے لیکن آخرالذکر اپنی مرضی سے نیکی کرتے ہیں۔ اگر مصیبت زدہ لوگ آپ سے امداد کی درخواست نہ کرتے تو یہ چتر میرے لئے مذہبی خوبی حاصل کرنے کا ذریعہ کیوں کر بن سکتا تھا۔ کسی فیاض آدمی کے لئے لازم ہے کہ اُس شخص سے جو اس کی فیاضی کو حاصل کرنے والا ہو پوری مہربانی کا سلوک کرے کیونکہ درخت اپنے پھل کے علاوہ سائے کا لطف بھی دیتا ہے۔ آپ کی اُس فیاضی سے جو آپ میرے ساتھ کر چکے ہیں حوصلہ افزائی حاصل کر کے اے قابل پرستش دیوتا! میں آپ سے ایک اور خواہش کی منظوری کی التجا کرتا ہوں۔ آپ کی مہربانی سے میں ساری زمین کو مطیع کر چکا ہوں لیکن اب مہربانی کر کے آپ مجھے کوئی ایسا ذریعہ بتلائیں

نکلا ہوا معلوم ہوتا ہے اس صورت میں واٹ یا ڈانگا جس کے معنے باغ کے ہوتے ہیں ورن کے مشابہ ہوتا ہے۔ کشمیر کے مقامی ناموں کے اخیر میں دور یا اس کی مونث صورت وار بکثرت پائی جاتی ہے۔ دیکھو نوٹ ۱۱۱ کتاب ہذا متعلقہ ہوکر ڈانگا۔ نوٹ ۱۷ کتاب ہذا متعلقہ راجان ڈانگا نوٹ ۶۳۵ کتاب ہذا متعلقہ رنگ ڈانگا۔ سرینگر کے اکثر حصوں کی طرح نرودر کے قبرستانوں اور زیارتوں میں قدیم مکانات کے اکثر آثار موجود ہیں لیکن جو کھنڈرات سطح زمین پر پائے جاتے ہیں انہیں ان میں سے کسی ایک

کہ میں پانی کو عبور کر کے جزائر کو فتح کرسکوں"۔ یہ التجا سُنکر سمندر کے مالک نے زمین کے محافظ یعنی راجہ سے کہا۔ جب تم سمندر عبور کرنا چاہوگے تو میں اسکے پانی کو ٹھوس بنا دونگا"۔ اس پر راجہ نے اس کا شکریہ ادا کیا اور قابل تعظیم ورن مع چتر کے غائب ہو گیا۔

اس سے اگلے روز وہ سمندر پر سے جس کا تموج کسی فوق الفطرت طاقت کے ذریعے ٹھوس صورت اختیار کر چکا تھا گذر گیا۔ اس نے پانی کو ایک سیدھی لکیر میں عبور کیا اور اس کی فوجیں ساتھ ساتھ حیرت واستعجاب کے عالم میں مسکراتی جاتی تھیں۔

لنکا کی فتح اب یہ راجہ جو بیش بہا خوبیوں کا مخزن تھا اپنی فوجوں کو ہمراہ لئے کوہ روہن[۱۴۶] پر جو سمندر کا تکٹ ہے اور جس میں بیش بہا جواہرات کی بہت سی کانیں ہیں جا چڑھا۔ اور اُس کی فوج نے کھجور کے درختوں کے سایہ میں آرام کرنے کے لئے ڈیرہ ڈال دیا۔ لنکا کا راجہ وبھیشن اس سے دوستانہ ملاقات کرنے کے لئے آیا۔ آدمیوں اور راکھشوں کے راجاؤں میں بڑی شاندار ملاقات ہوئی مگر ان دونوں نے جو الفاظ ایک دوسرے سے کہے وہ اس لئے نہ سنے جاسکے کہ بھٹ اپنے اپنے راجہ کی بلند آواز سے

سے متعلق قرار دینا ناممکن ہے۔

[۱۴۶] اندر دیوی بھون دہار کا ذکر اس موقعہ پر بھی آتا ہے جب بھکشا کر کے سلطنت غصب کرنے کے بعد فسادات برپا ہوئے تھے دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۱۷۲ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ مقام سرینگر کے نواحات میں واقع تھا اور غالباً سرینگر کے حصہ کا تھول کے قریب تھا جس کا ذکر کالیستھل کے نام سے ترنگ ۸ کے شلوک ۱۱۶۹ میں آتا ہے۔

تعریف کر رہے تھے۔ اس کے بعد راکھشوں کا راجہ وبھیشن اس پرتھوی کے جوہر یعنی میگواہن کو لنکا لے گیا اور وہاں وہ تحائف اس کے روبرو پیش کئے جنہیں غیر فانی لوگ بہ آسانی حاصل کر سکتے ہیں۔

پشتناش یعنی گوشت خور کا لقب جو آج تک راکھشوں کے لئے مناسب طور پر استعمال کیا جاتا تھا اب اُن کے اس راجہ کے حکم منظور کر لینے پر گوشت خوری ترک کرنے کے بعد محض رواجاً مستعمل ہونے لگ گیا۔ راکھشوں کے راجہ نے اس کے روبرو اس قسم کے جھنڈے[۱۴۹] پیش کئے جن کے پھریروں پر راکھشوں کے سروں کی تصویریں تھیں اور جن سے مراد یہ تھی کہ وہ ہمیشہ اس کے تابعدار رہینگے۔ یہ جھنڈے جو پاردھوجا یعنی سمندر کے جھنڈے کہلاتے تھے اب بھی ایسے موقعوں پر استعمال کئے جاتے ہیں جب مہاراجگان کشمیر کسی مہم پر روانہ ہوتے ہیں۔

راکھشوں کے ملک میں جانداروں کے قتل کی ممانعت کرنے کے بعد یہ نیک دل راجہ اپنی سلطنت کو واپس لوٹا۔ اس کے بعد جانوروں کے مارنے سے معترض رہنے کے متعلق اس راجہ کے حکم کو کسی شخص نے نہیں توڑا۔ اس کے عہد میں کوئی ظالم کسی حیوان کو نہ مار سکتا تھا۔ پانی میں اودبلاؤ[۱۵۱] اور دوسرے آبی

---

۱۴۷ ان دونوں رانیوں کے نام پر جو وہار تعمیر ہوئے تھے ان کا یقینی طور پر کوئی کھوج نہیں چل سکتا ممکن ہے کہ کھاونا وہار کا نام بگڑ کا کھا دینار ہو گیا ہو جس نام کا گاؤں بارہ مولا سے تقریباً چار میل نیچے کی طرف وتشٹا کے دائیں کنارے پر آباد ہے۔ وتشٹا مہاتم کے باب ۱۹ شلوک ۷ میں اس مقام کا نام کھاونا ہار دیا ہوا ہے۔

۱۴۸ بھوم دیت نرک کا جس کا ذکر ترنگ ۲ کے شلوک ۱۵۰ میں آچکا ہے دوسرا نام ہے۔

حیوانات نے جانوروں کو مارنا بند کر دیا تھا۔ اور جنگل میں شیر یا دوسرے درندے بھی حیوانات کو نہ مارتے تھے۔ نہ عقاب یا دوسرے شکاری پرندے طیور کا شکار کرتے تھے۔

ایک برہمن کے لڑکے کی کہانی اس کے کچھ عرصہ بعد ایک برہمن اپنے جان بلب بیٹے کو ہمراہ لاکر راجہ کے سامنے گریہ وزاری کرنے لگا اور بولا "درگا مجھ سے قربانی طلب کرتی ہے اور اگر میں نے جس کی اور کوئی اولاد نہیں قربانی نہ دی تو میرا بچہ آج بخار سے مر جائیگا۔ اگر آپ اہنسا کے اصول پر مصر ہے اور میرے اس بچے کو نہ بچایا تو اے پرتھوی پال میری نظروں میں سوائے آپ کے اسکی موت کا باعث اور کون ٹھہریگا؟ اے تمام ذاتوں کے رکھشک آپ خود اس بارے میں فیصلہ کریں کہ ایک برہمن اور حیوان کی زندگی میں کتنا فرق ہے؟ اے پرتھوی ماتا! وہ راجہ جو برہمنوں کی زندگیاں بچانے کے لئے سنیاسیوں تک کو مار دیا کرتے تھے۔ اب نہیں رہے!"

جب برہمن نفرت آمیز لہجہ میں غم وغصہ سے بھرا ہوا یہ سخت الفاظ کہہ رہا تھا تو دکھوں کے ہرنے والا راجہ اپنے دل میں ان باتوں پر غور کر رہا تھا۔ اس سے

۱۴۹ روہن کوہ آدم واقع سیلون کی چوٹی کا نام ہے۔

۱۵۰ راکھشوں کے سروں والے اُن شاہی جھنڈوں کے متعلق سٹائن صاحب کہتے ہیں کہ انہیں کوئی حوالہ نہیں مل سکا گو کلہن کے وقت میں ان کے متعلق ایک عام اعتقاد میگواہن کے اس مہم کے بارے میں جو اس نے راکھشوں کی سرزمین پر کی تھی پھیلا ہوا تھا۔

۱۵۱ اصل کتاب میں اود بلاؤ کے لئے لفظ اودرا آیا ہے۔ سٹائن صاحب

پہلے میں یہ قاعدہ بنا چکا ہوں کہ جانداروں کو تلف نہ کیا جائے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ایک برہمن کی خاطر ایسی بات کروں جسے میں گناہ عظیم تسلیم کر چکا ہوں۔ ساتھ ہی یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر یہ برہمن لڑکا مجھے اپنی موت کا باعث قرار دیتا ہوا مر گیا تو یہ بھی ایک بہت بڑا پاپ ہوگا اور دنیا کہے گی کہ میں نے دیدہ و دانستہ اُسے مرنے دیا۔ تفکرات میری روح کو مضطرب کر رہے ہیں اور اُسے اس پھول کی مانند کسی پہلو چین نہیں آتا جو دو ندیوں کے مقام اتصال پر ایک بھنور میں گر پڑا ہو۔ پس اگر میں درگا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنا جسم بھینٹ دیدوں تو میں ان دونوں کی زندگیوں اور اپنے عہد کو محفوظ رکھ سکتا ہوں"۔

اس طرح کچھ دیر تک غور کرنے کے بعد راجہ نے جو اپنا جسم بھینٹ دینے کے لئے تیار تھا برہمن کو یہ کہکر رخصت کیا کہ تم جو کچھ چاہتے ہو وہ میں کل کرونگا۔ مگر رات ہی میں درگا نے برہمن کے بیٹے کی صحت بحال کر دی اور اس طرح پر راجہ جو اپنا جسم بھینٹ دینے کے لئے تیار تھا اپنے ارادے سے باز رہا۔

زمانہ حال کے اس راجہ کے متعلق یہ اور اسی قسم کی دوسری کارروائیوں کا

لکھتے ہیں کہ نوٹ نویسوں کو اس لفظ کے صحیح معنے یقینی طور پر معلوم نہیں لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ سندھ میں اودر کا لفظ اود بلاؤ کے لئے عام طور پر استعمال ہوتا ہے اور پنجاب میں بھی اس کا عام نام لُدر مشہور ہے تو یہ شبہ بہت بڑی حد تک دور ہو جاتا ہے اور ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اودر اسے مراد اود بلاؤ ہی لی گئی ہوگی۔

۱۵۲ معلوم ہوتا ہے کہ جرنیل کنگھیم نے سب سے پہلے یہ بات ظاہر کی ہے کہ پورانا ادہشٹان یعنی قدیم دار الخلافہ سے مراد وہ گاؤں ہے جو آجکل سرینگر سے تین میل

ذکر کرتے ہوئے جنہیں عام لوگ باور نہیں کر سکتے دل پریشان ہو جاتا ہے لیکن جو لوگ رشیوں کے سچے راستہ پر چلتے ہیں انہیں اپنے بیانات ظلم بند کرتے ہوئے اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی کہ سننے والے انہیں پسند کرتے ہیں یا نہیں۔ جب یہ راجہ چونتیس سال حکومت کرنے کے بعد رحلت کر گیا تو ساری دنیا گویا سورج اور روشنی سے محروم ہو گئی۔

راجہ سر لیشٹ سین

میگھواہن کے بعد اس کا بیٹا سرلیشٹ سین جسے لوگ پرورسین اول اور تنجن ثانی بھی کہتے تھے تخت نشین ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دنیا کی شان و شوکت اپنے رخ کو ادھر پھیر کر اس کی تلوار کے جوہر دار آئینے میں جو اس کے مضبوط ہاتھ میں مستقل طور پر پکڑی ہوئی تھی منعکس ہو چکی ہے۔ پرور ایشور کا پہلا مندر اور ماترچکر یعنی ماتاؤں کا حلقہ تعمیر کروانے کے بعد اس نے پورانا ادھشٹان[۱۵۲] میں بہت سی مقدس عبادت گاہیں تیار کروائیں چونکہ وہ اس زمین کو جو اس کے زیر حکومت تھی اپنے محل کے صحن کی طرح سمجھتا تھا اس نے پرور ایش کے مندر کے ساتھ چند گاؤں اور ترگرت[۱۵۳] کا علاقہ وقف کر دیا۔ یہ حلیم الطبع

اوپر کی طرف دریائے وتستا کے دائیں کنارے پر پاندری تھن کے نام سے آباد ہے۔ اسکے علاوہ یہ بات پنڈتوں کو بھی عام طور پر معلوم ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پورانا ادھشٹان کا نام ساتویں صدی کے ابتدائی نصف حصہ میں استعمال ہوتا تھا کیونکہ ھیون سانگ نے جس قدیم شہر کا جو جدید شہر کے جنوب مشرق میں دو میل کے فاصلہ پر واقع تھا ذکر کیا ہے اس سے اس کی مراد اسی شہر سے ہے۔ کلہن نے پورانا ادھشٹان کا ذکر ایک بار پھر پارتھ کے عہد حکومت میں کیا ہے دیکھو ترنگ ۵ شلوک ۲۶۷۔ اس موقعہ پر میرو وردھن سوامن

راجہ تیس ۳۰ سال تک ان حکمرانوں کا سردار رہا جو بڑے بڑے علاقوں پر فرماں روا تھے۔

راجہ ہرنیہ

اس کے بعد اس کے دو بیٹوں میں سے ہرنیہ تخت نشین ہوا اور تورمان یوراج (ولی عہد) مقرر ہوا۔ تورمان نے پہلے کے مضروب شدہ کثیر التعداد سکوں کے چلن کو روک کر اپنے نام پر تیار کروائے ہوئے دینار مروج کروائے۔ اُس کے بڑے بھائی یعنی راجہ نے غصہ میں آکر اور یہ سوچ کر کہ تورمان کو یہ کیونکر جرأت ہوئی کہ میری پرواہ نہ کرتے ہوئے اس نے اپنے آپ کو راجہ ظاہر کیا اُسے اور اس کی بیوی انجنا کو جو اکشواکو کی نسل کے وجرا اندر کی لڑکی تھی قید خانہ میں ڈلوا دیا۔

پرورسین دوئم کی پیدائش جب انہیں قید میں رہتے ہوئے ایک مدت گذر گئی تو انجنا حاملہ ہوگئی اور جس وقت وضع حمل کے دن قریب آئے تو وہ اپنے شوہر کے کہنے پر جو اس بارہ میں شرمسار ہو رہا تھا ایک کمہار کی جھونپڑی میں چلی گئی اور وہاں اس کے

کے جس مندر کی تعمیر کا ذکر آتا ہے وہ جنرل کنگھیم کے خیال میں وہی چھوٹا سا مندر ہے جو اب تک جدید شہر کے مرکز میں واقعہ ہے۔ اس کے بعد کلہن کے اپنے وقت میں تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ وزیر رلہن نے دونوں پرورسینوں کے شہروں میں مختلف عمارات تعمیر کیں جن میں خاص طور پر قابل ذکر راجہ پرورکے پہلے شہر کی رلہن ایشور کی عمارت ہے آخر الذکر سے مراد بظاہر پورانا ادہشٹان ہے ہے پاندری تھن سے اوپر شمال کی جانب جو ڈھلوان پہاڑیاں اُٹھتی ہیں ان میں قدیم عمارات کے بہت سے آثار ترا شے ہوئے

ایک بیٹا پیدا ہوا۔ جس طرح کانگنی کوئل کے بچے کو اپنا سمجھنے لگتی ہے ایسے ہی کمہار کی عورت نے اس شہزادہ کو اپنا بچہ بنا کر اس کی مناسب طریق پر پرورش کی۔ جس طرح دفینہ کی خبر صرف زمین اور سانپنی کو ہوتی ہے اس طرح اس بات کی خبر سوائے اس کی ماں اور کمہار کی عورت کے جو اس کی پرورش کیا کرتی تھی کسی اور کو مطلق نہ تھی۔

اس کی ماں کے کہنے پر کمہار کی عورت نے اس بچے کا نام اس کے دادا کے نام پر پرورسین رکھا۔ جوں جوں یہ لڑکا بڑا ہوتا گیا۔ وہ اُن لوگوں کی صحبت کو جن میں وہ رہتا تھا ناپسند کرنے لگا جس طرح کنول کا پھول سورج کی کرنوں کی صحبت میں رہنے کے شوق سے پانی کے ساتھ ملنا پسند نہیں کرتا۔ لوگ یہ دیکھ کر حیران ہوا کرتے تھے کہ کھیلتے وقت اُس کے ساتھ صرف اعلےٰ نسل کے دلیر اور فاضل لڑکے ہی رہتے ہیں۔ جس طرح جنگل میں چھوٹے چھوٹے جانور شیر کے بچے کو اپنا راجہ بنا لیتے ہیں ایسے ہی لڑکے کھیلتے وقت اسکو جو غیر معمولی طاقت رکھتا تھا اپنی جماعت کا راجہ بنا لیتے تھے۔ وہ لڑکوں کو تحفے دیتا۔ ان سے مہربانی کا سلوک کرتا اور انہیں مطیع رکھتا تھا اور کسی موقعہ پر بھی کوئی حرکت اس سے ایسی سرزد نہ ہوتی تھی جو کسی راجہ کے شایاں شان

پتھروں اور عمارتی ٹکڑوں کی صورت میں پہاڑی کے دامن سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ تک ملتے ہیں۔ ان میں بہت سے بڑی بڑی جسامت کے ٹوٹے ہوئے لنگ نظر آتے ہیں لیکن سطح زمین پر جو کھنڈرات اس وقت موجود ہیں اُن کے باعث انفرادی تعمیروں کا کچھ پتہ نہیں چل سکتا۔ اس لئے سرشیشٹ سین کے بنوائے ہوئے مختلف مندروں کا پتہ ملنا ناممکن ہے۔ پروریشن کا لنگ یا مندر جس کی نسبت معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان سب میں اُونچا ہوا تھا وہ پورورم لفظ کے ذریعے امتیاز میں آسکتا ہے یہ نام اُس عظیم مندر سے حاصل

نہ ہو۔ جب کمہار اُسے برتن وغیرہ بنانے کے لئے مٹی دیتے تو یہ اس کے شولنگ بنا دیتا۔

ایک موقعہ پر اس کے ماموں جے اندر نے اُسے ایسے ہی عجیب طریقے پر کھیلتے ہوئے دیکھا اور اس کے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آیا۔ جب بچوں نے کہا کہ یہ جے اندر ہے تو اس نے کسی قدر انکسار کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور اس کی طرف ایسی نگاہ سے دیکھا گویا وہ اپنے آپ کو راجہ کا بیٹا سمجھتا تھا۔ جے اندر نے اس لڑکے کے رویہ سے نتیجہ نکالا کہ وہ کسی معمولی نسل سے تعلق نہیں رکھتا اور چونکہ اس کی شکل اس کے بہنوئی سے مشابہ تھی اس لئے اس نے خیال کیا کہ شائد یہ میرا بھانجہ ہی ہو۔ صورت حال معلوم کرنے کی غرض سے وہ اُس کے پیچھے گیا اور جب بے صبری کی حالت میں اس کے گھر پہنچا۔ تو وہاں اپنی بہن سے ملاقات کی۔ لڑکے نے کمہار کی بیوی سے پوچھا ماتا یہ دونوں کون ہیں؟ اس نے جواب دیا "بچہ یہ تمہاری ماں اور یہ تمہارا ماموں ہے"۔ جے اندر نے لڑکے کو جسے اپنے باپ کی حقیقت سُنکر سخت غصہ آیا تھا لیکن جو بایں ہمہ کچھ کرنے سے معذور تھا انتظار کرنے کی نصیحت کی۔ اور اس کے بعد اپنے کام پر چلا گیا۔

کیا گیا ہے جو پرورسین ثانی نے اپنے نئے دارالخلافہ پرورپور میں تعمیر کیا تھا۔ دیکھو ترنگ ۳ شلوک ۳۵۰-۳۲۷ اور ۳۷۸۔ یہ بات واضح طور پر معلوم نہیں ہوسکی کہ ترنگ ۷ کے شلوک ۱۰۹ میں دو پرورویشوں میں سے کلہن کس کا ذکر کرتا ہے۔

۳۵ علاقہ ترگرت سے مراد کانگڑہ کا وہ جدید پہاڑی ضلع ہے جو کوہستان چمبہ اور دریائے بیاس کی بالائی وادی کے مابین واقعہ ہے دیکھو وشنو پوران ادھیائے ۲ صفحہ ۱۷۹۔ کننگھم کا جغرافیہ قدیم صفحہ ۱۳۶۔ محکمہ آثار قدیمہ کی سروے رپورٹ باب ۵ صفحہ ۱۱۷

اس کے کچھ عرصہ بعد پرورسین بغاوت کے لئے تیاریاں کرنے لگا۔ مگر اتفاق ایسا ہوا کہ تورمان جو مردوں کے درمیان سورج کی حیثیت رکھتا تھا اپنے بھائی کے ذریعہ قید سے نجات پا کر جلد ہی مرگیا۔ پرورسین ہر چند کہ خود ملول اور محزون تھا تاہم اس نے اپنی ماں کو ستی ہونے سے روکا اور پھر خود تیرتھوں کو چلا گیا انہیں ایام میں ہرنیہ بھی تیس سال دو مہینے حکومت کر کے لاولد مرگیا۔

راجہ بکرماجیت اور ماترگپت

اس زمانہ میں اوجین پر دنیا کا عظیم الشان راجہ بکرماجیت[۱۵۴] جس کا دوسرا نام ہرش تھا حکومت کر رہا تھا شوجی کے چار بھجائیں (بازو) اور چاروں سمندر چھوڑ کر اس نے سارے عالم کو فتح کر لیا تھا۔ اس کے اپنی دولت کو روزافزوں نیکی کا ذریعہ بنانے کے باعث ہی آجتک یہ حالت دیکھی جاتی ہے کہ شریف چال چلن کے آدمی اپنی گردنیں سیدھی کر کے دولت مندوں کے سامنے کھڑے ہو سکتے ہیں (اُس کے عہد میں دولت مندوں کی نسبت شریفوں کی عزت زیادہ ہوتی تھی) بدھ مذہب کے پیرؤں کو تباہ کر کے شوجی کا کام جنہوں نے اس پرتھوی پر ملیچھوں کی بیخ کنی کے لئے آنا ہے۔ آسان کر دیا۔ اس راجہ کے پاس جس کی شہرت چار دانگ دنیا میں پھیلی ہوئی تھی۔ جس کے پاس نیک

انڈین اینٹی کویٹی باب ۱۷ صفحہ ۸ اور باب ۲۲ صفحہ ۱۹۱۔ چونکہ ترگت زمانہ قدیم میں جالندھر کی سلطنت کا ایک حصہ تھا اس لئے اندوچندر کو جو کانگڑے کے کٹوچ راجاؤں کے شجرہ نسب کے اندر چندر کا دوسرا نام تھا ترنگ ۷ شلوک ۱۵۰ میں راجہ جالندھر قرار دیا گیا ہے۔ باشندگان ترگرت کی خصوصیتوں کے متعلق دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۵۳۱۔

[۱۵۴] یہ بات یقینی ہے کہ کلہن بکرماجیت ہرش والئے اوجین کو وہی راجہ سمجھتا ہے جس نے بدھوں کو مغلوب کر کے شک سمت کی ۷۸ عیسوی سے ابتدا کی تھی ۔(دستان مغا[illegible])

آدمی آسانی سے پہنچ سکتے تھے اور جس کے دربار میں ہر درجہ کے لوگ جاسکتے تھے ماترگپت نامی[۱۵۱] ایک شاعر گیا۔ یہ شاعر جو بہت سے درباروں میں رہ چکا تھا اس عظیم الشان راجہ کی عجیب و غریب طاقت پر اس طرح غور کرنے لگا۔ "اس راجہ میں بہت سی خوبیاں ہیں اور وہ نیکوں کا دوست ہے اس کی مکمل حالت کا اندازہ لگانے کے لئے ہمیں پورانے وقتوں کے راجاؤں کی طرف توجہ کرنی پڑتی ہے اس راجہ کے روبرو دانا اور فاضل برہمنوں کو اس بات کی ضرورت نہیں کہ عزت اور تعظیم حاصل کرنے کے لئے وہ دست بستہ کھڑے رہیں"۔

"اس کے دربار میں ہر شخص کو اجازت ہے کہ اپنے خیالات کو آزادی سے ظاہر کرسکے اور انہیں کسی ظاہرداری کے پردہ میں چھپانے کی ضرورت نہ پڑے۔ شریر آدمیوں کی اس کے دربار میں دال نہیں گلتی۔ وہ سچ اور جھوٹ میں پورے طور پر امتیاز کرسکتا ہے اور اس کی خدمت میں رہ کر کسی کی خوبی کی اہمیت کم نہیں ہوتی۔ اس کے دربار میں کوئی خوبی رکھنے والے اشخاص بحالت زندگی اپنا مردہ ہوتا محسوس نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ انہیں شریروں اور جاہلوں کے ہم رتبہ نہیں بنا دیتا۔ شریف چال چلن کے آدمیوں کو اس کے انعامات تقسیم کرنے کے موقعہ پر ناقدردانی کی شکایت نہیں ہوتی نہ انہیں آہیں بھرنی

کا یہ فقرہ مشتبہ ہے کیونکہ سمت بکرماجیتی سنہ عیسوی سے ۵۷ سال پہلے شروع ہوتا ہے۔ تاکہ اس کے بعد البتہ شاکا شالباہن کا سمت ۷۸ء میں شروع ہوگیا تھا) اس کا ثبوت ترنگ ۳ کے شلوک ۱۲۸ اور مذکورہ بالا تاریخ کے ۵۱۰ء کے قریب ہونے سے بھی ملتا ہے جو کلہن کی تاریخ کے مطابق راجہ ہرنیہ کی موت کا سال تھا۔ کلہن جہاں ترنگ ۳ کے شلوک ۳۳ میں بیان کرتا ہے کہ بکرماجیت (ہرش) سیلادتیہ (پرتاپ شیل) کا باپ تھا وہاں اس عظیم تاریخی غلطی کی اصلاح کردیتا ہے۔ چونکہ آخر الذکر سوائے اُس راجہ سیلادتیہ کے

پڑتی ہیں کیونکہ یہ دوربین راجہ مستحق لوگوں کا پورے طور پر خیال رکھتا ہے یہ دانشمند راجہ ہر شخص سے اس کی صفات کے مطابق سلوک کرتا ہے اور ان کی پوری قدردانی کرکے ان کی کوششوں کو ازسر نو تقویت دیتا ہے۔ اس کے خدام اس کی خدمت میں مہربانی حاصل کرنے کی غرض سے جو تکالیف اُٹھاتے ہیں وہ کسی برف سے ڈھپے ہوئے پہاڑ پر برف فروخت کرنے کی کوشش کی طرح خالی از نفع نہیں ہوتیں۔ کیونکہ وہ اُن کی جھیلی ہوئی سختیوں کو خوب اچھی طرح سمجھتا ہے۔ اس راجہ کی سبھا میں کوئی بدصفات مشیر۔ جھگڑالو وزیر یا ایسا شخص نہیں جو وعدہ شکن یا رشوت خور ہو۔ اس کے نوکر سخت الفاظ استعمال نہیں کرتے۔ نہ تمسخر کے ذریعے ایک دوسرے کے دلوں کو مجروح کرتے ہیں نہ خاسدانہ طور پر متفق ہوکر دوسروں کے زمرہ میں داخل ہونے پر اعتراض کرتے ہیں۔ یہ راجہ اُن لوگوں کی صورت دیکھنا پسند نہیں کرتا جو غلامانہ طور پر ہر بات کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں یا جو اپنی ہی دانائی کی ڈینگیں مارتے ہیں اور اندھا دھند اپنے آپ کو سب سے زیادہ عقلمند تصور کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ اگر کسی اہم معاملہ پر گفتگو شروع کی جائے تو شریر لوگوں کو اس میں رخنہ انداز ہونے کا موقعہ نہیں ملتا۔ اگر میں اس بے عیب

اور کوئی نہیں ہوسکتا جس کا ذکر ہیون سانگ نے اپنے سفرنامے کے باب ۲ صفحہ ۲۶۱ میں اس طرح پر کیا ہے کہ وہ ۵۸۰ء میں مالوہ کے ملک پر حکمران تھا اس لئے ہم کو اُن دلائل کے مطابق جو پہلے ڈاکٹر بھاؤ داجی نے پیش کی تھیں اس نتیجہ پر پہنچنا پڑا ہے کہ کلہن کا بکرماجیت (ہرش) حقیقت میں وہی بکرماجیت تھا جسے ہیون سانگ سیلا دتیہ کا پیشرو قرار دیتا ہے۔ پروفیسر ایم۔ مولر کی تحریر مندرجہ کتاب "انڈیا" کے صفحہ ۲۸۶ کے مطابق اس بکرماجیت کا عہد چھٹی صدی کے ابتدائی حصے میں قائم کیا جاسکتا ہے۔

راجہ کے ساتھ تعلقات پیدا کرلیں جو اس قابل ہے کہ اس کی خدمت کی جائے تو روحانی خوبیوں کے علاوہ ذاتی منفعت کا حصول چنداں مشکل نہیں۔ میں خوب سمجھتا ہوں کہ اگر میں نے اس راجہ کی جو نکتہ رس ہے۔ خوبیوں کی قدر کرتا ہے اور بڑا سمجھدار ہے خدمت کی تو مجھے کسی قسم کی مشکلات پیش نہیں آسکتیں۔ نہ مجھے یہ بات مناسب معلوم ہوتی ہے کہ اسے خوش کرکے اور اس سے انعامات حاصل کرکے بعد میں کسی اور کی خدمت کی جائے جیساکہ دوسرے راجاؤں کی حالت میں کیا جاتا ہے۔"

جب وہ ان باتوں پر پورے طور پر غور کر چکا تو اس نے شاہی سبھا کو نیا جانکر خوش کرنے یا معززین کی صحبت میں زبردستی گھسنے کی کوشش نہیں کی۔ جبکہ وہ اپنی قابلیتوں کو اس طرح چپکے چپکے ظاہر کر رہا تھا راجہ نے سمجھ لیا کہ وہ کسی ایسے موقعہ کا منتظر ہے جب کہ اپنی اعلےٰ صفات کو ظاہر کرسکے وہ سوچتا تھا کہ یہ شریف آدمی محض عزت کا مستحق ہی نہیں بلکہ اس کے دور اندیشانہ طریقوں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس کی زیادہ سے زیادہ قدر کی جانی ضروری ہے۔ اس رائے کو رکھتے ہوئے بھی راجہ نے اُس کے اندرونی خیالات کا اندازہ کرنے اور اس کا امتحان لینے کے لئے اس قسم کے انعامات

۱۵۵ے ڈاکٹر بھاؤ داجی نے ایک عجیب تھیوری کے ذریعے اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ماتر گپت اور کالی داس دونوں ایک ہی شخص تھے۔ اس کے بعد فرگوسن صاحب اور پروفیسر مولر نے اس تھیوری کو ایک نئی روشنی میں اس طرح لیا ہے کہ مشہور و معروف بکرماجیت (ہرش) یہ دونوں ایک ہی شخص تھے۔ ڈاکٹر بھاؤ داجی کے دلائل زیادہ تر یہ ہیں کہ کالی داس اور ماترگپت دونوں مترادف الفاظ ہیں۔ کالیداس کے نام کا راج ترنگنی میں کہیں ذکر نہیں آتا اور پراکرت نظم سیتو بند جو راجہ پرورسین کے

اُسے نہ دیئے جن کا کہ وہ مستحق تھا۔

دانا ماترگپت اس ظاہرہ عدم توجہی سے سمجھتا تھا کہ فیاض طبع راجہ مجھ سے گہرے تعلقات قائم کر رہا ہے اور اس خیال سے وہ اس کی وفاداری کے ساتھ خدمت کرتا رہا۔ اس دانا شخص کی محنت سے کی ہوئی خدمات سے جو رفتہ رفتہ بڑھتی جاتی تھیں راجہ اسی قدر کم آزردہ ہوتا تھا جتنا اپنی ذات سے۔ جس طرح چاند موسم خزاں کی اوسط درجہ کی راتوں سے خوش ہوتا ہے ایسے ہی راجہ اس شخص سے جو نہ تو بہت کم اور نہ ہی بہت زیادہ دیر تک اس کے سامنے حاضر رہتا تھا خوش تھا۔ وہ نہ تو خانگی نوکروں کے ہنسی ٹھٹھے سے مضطرب ہوتا تھا نہ دربانوں کے متلون سلوک سے اور نہ درباریوں کی جھوٹی تعریفیں اس پر اثر ڈال سکتی تھیں۔ جب کبھی راجہ اُسے تلطف آمیز الفاظ کہتا تو وہ اس چٹان کی مانند بن جاتا تھا جس پر سایہ پڑا ہو۔ جب راجہ اُسے نظر انداز کر دیتا تو وہ رقیب کی طرح غصے میں نہ آتا تھا۔ یہ سمجھدار آدمی نہ تو راجہ کی باندیوں پر بُری نظر ڈالتا تھا نہ اُس کے دشمنوں کے پاس بیٹھتا تھا اور نہ راجہ کی موجودگی میں ادنٰے حیثیت کے لوگوں سے گفتگو کرتا تھا۔ سرکاری افسر جو قدرتی طور پر راجہ کو بدنام کرنے والے ہوتے ہیں اور وہ اپنے ماتحتوں کے

نام کا راج ترنگنی میں کہیں ذکر نہیں آتا۔ اور پراکرت نظم سیتو بند جو راجہ پرورسین کے ایما پر لکھی گئی تھی اُسے کالیداس سے منسوب کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر موصوف کا خیال ہے کہ اس پرورسین سے مراد پرورسین ثانی ہے جو ماترگپت کے بعد تخت نشین ہوا تھا۔ پروفیسر مولر نے کتاب "انڈیا" کے صفحہ ۳۱۲ تا ۳۴۷ میں اسی قسم کی دلائل بڑی سلاست کے ساتھ بیان کی ہیں لیکن ساتھ ہی اُن اعتراضات کا ذکر کر دیا ہے جو اس اصول پر وارد ہو سکتے ہیں۔

فضول چرچا کرکے اوقات بسر کرتے ہیں ۔ انہوں نے کبھی اس کی زبان سے راجہ کے خلاف کوئی لفظ نہیں سنا۔ چونکہ وہ پختہ ارادہ کر چکا تھا اس لئے وہ اُن لوگوں کے کہنے سننے سے جو خود خدمات کی تکلیف برداشت کرنے کے نا قابل ہونے کے باعث ہر روز اُسے کہا کرتے تھے کہ راجہ کی خدمت کرنا فضول ہے وہ اپنی کوششیں ڈھیلی نہیں ہونے دیتا تھا۔ حسب موقعہ درباریوں کی اعلےٰ صفات کی تعریف کرکے اور کبھی ضد نہ کرنے اور اپنے خصائل کی بدولت جو خود بخود ظاہر ہوتے تھے اس نے درباریوں کے دلوں کو مسخر کر لیا۔

اس طرح ماترگپت کو بے حد محنت کے ساتھ لگاتار راجہ کی خدمت کرتے ہوئے جب چھ ماہ گذر گئے تو ایک روز راجہ نے جبکہ وہ باہر جا رہا تھا دیکھا کہ اس کا بدن دبلا ہو گیا ہے۔ اس پر خاک جمی ہوئی ہے اور کپڑے پھٹ گئے ہیں پس اس نے خیال کیا۔ میں نے اس شخص کے چال چلن کی مضبوطی کا اندازہ کرنے کے لئے جو اجنبی ہے اور جس کا کوئی محافظ یا رشتہ دار نہیں بہت سخت امتحان لیا ہے۔ افسوس کہ میں نے اپنے اختیارات میں محو ہو کر اس بات پر کبھی غور نہیں کیا کہ اس کی جائے پناہ خوراک یا کپڑے کا کیا بندوبست ہے

نوٹ: اصل کتاب کے شلوک میں مصنف نے یہ خوبی رکھی ہے کہ ایک ایک لفظ کے دو دو معنے نکالے ہیں مثلاً بھوگن کا لفظ ایک طرف تو سانپوں کے لئے استعمال کیا گیا ہے لیکن ساتھ ہی اگر اس کے ماخذ بھج کو دیکھا جائے تو اس کے معنے فرحت حاصل کرنیکے ہیں ۔ ناگ کے ایک معنے ہاتھی کے ہیں لیکن دوسری طرف اس کے ماخذ گا کے معنے گانے کے ہیں ۔ ایسے ہی لفظ شمی ایک درخت کیلئے استعمال ہوتا ہے گو اس کے ماخذ شم کے معنے مطمئن ہونے کے بھی ہیں خاص لطف کی بات یہ ہے کہ شمی درخت سے ہی وہ لکڑی

جس طرح موسم بہار درختوں کو تسکین دیتی ہے اب بھی مینے اس شخص کو جو سرد ہواؤں اور تیز گرمی سے سوکھ چکا ہے آسائش نہیں دی۔ ایسا کون ہے جو اس پژمردہ بدنصیب شخص کی تھکان دور یا افسردگی رفع کرے۔ مینے دھوکے میں آکر اس کا جیسا کڑا امتحان لیا ہے اس کے عوض کیا یہ مجھ پر لازم نہیں کہ میں اُسے پارس پتھری یا امرت تحفۃً پیش کروں۔ میری خدمت کے لئے اس نے جن اعلےٰ صفات کا اظہار کیا اور جس محنت سے کام لیا ہے اس کا معاوضہ میں کس اعزاز کے ذریعہ سے دے سکتا ہوں ؟

راجہ اس طرح پر غور کر رہا تھا مگر اُسے کوئی بات ایسی نظر نہ آئی جس کے ذریعہ اس نوکر کی نیک دلی کا معاوضہ ادا کیا جا سکے۔ اس کے بعد موسم سرما آیا۔ سرد ہوائیں چلنے لگیں۔ کورا پڑنے لگا اور گہری دھند ہر طرف نظر آنے لگی وہ مسلسل تاریکی جو کڑاکے جاڑے کے زیر اطاعت تمام علاقوں پر حاوی تھی ایک سیاہ لبادے کی مانند معلوم ہوتی تھی۔ دن چھوٹے ہو گئے کیونکہ سورج جسے سردی سے تکلیف پہنچتی معلوم دیتی تھی زیر آب آگ کی حرارت حاصل کرنے کے لئے جلد جلد سمندر میں اُترتا جا رہا تھا۔ ایک روز اتفاق سے راجہ کی آنکھ آدھی رات کے وقت کھل گئی اس وقت محل چراغوں اور شمعدانوں کی

حاصل ہوتی ہے جسے رگڑ لگا آگ پیدا کرتے ہیں۔

۱۵۷ کشمیر میں جو مختلف ندیاں اور چشمے موجود ہیں ان کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ ان میں پائے گنگا کے خواص موجود ہیں۔ ان میں زیادہ تر قابل ذکر دریائے سندھ ہے دیکھو ترنگ اول شلوک ۵۷۔

۱۵۸ منتھ یا بھرت منتھ کا ذکر کھیم اندر نے سورت تلک میں اور منکھ نے سری کنٹھک کے باب ۲ شلوک ۵۰ میں کیا ہے آخر الذکر اُسے شبد ہو۔ بھاروی اور بان کے

روشنی سے منور تھا موسم سرما کی تند ہوائیں سائیں سائیں کرتی ہوئی محل کے اندر داخل ہوتی تھیں اور اس کے باعث چراغ ٹمٹما رہے تھے۔ ان چراغوں کی روشنی کو تیز کرنے کے لئے راجہ نے اِدھر اُدھر نوکروں کو دیکھا اور بآواز بلند کہا "اس وقت پہرے پر کون کون ہے"۔ باقی تمام پہرے دار گھوک سو رہے تھے۔ کمرے کے باہر سے آواز آئی۔ "مہاراج! میں ماترگپت یہاں بیٹھا ہوں"۔ راجہ نے اُسے خود اندر طلب کیا اور وہ اس محل میں جو دولت کی موجودگی سے خوشگوار بنا ہوا تھا اس طرح داخل ہوا کہ کسی غیر شخص نے اُسے نہیں دیکھا۔ اُسے چراغوں کی بتیاں تیز کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور جب وہ اپنا کام کر چکا تو بڑی جلدی قدم اُٹھا کر باہر جانے کو ہی تھا کہ راجہ نے اُسے ایک منٹ ٹھہرنے کے لئے کہا۔ سردی اور خوف سے کانپتا ہوا ماترگپت راجہ کے قریب جا کر تھوڑی دور ٹھہر گیا اور حیران تھا کہ دیکھوں مجھے کیا حکم ملتا ہے۔ راجہ نے پوچھا "رات کتنی ڈھل چکی ہے" اس نے جواب دیا۔ "مہاراج ڈیڑھ پہر رات باقی ہے"۔ تب راجہ نے پوچھا "تم نے رات کا صحیح اندازہ کیوں کر لگایا ہے اور کیا باعث ہے کہ تمہیں رات بھر نیند نہیں آئی"۔ اس پر اس نے اس بات کا ارادہ کر کے کہ آج اپنی حالت کا اظہار کر دوں خواہ اس سے آئندہ کے لئے امید بندھے یا مصیبت حصے میں

ہم رتبہ قرار دیتا ہے۔ اُس کے نام سے بعض اشعار کا حوالہ سری ورکی کتاب سبھا استاولی میں دیا گیا ہے پروفیسر بوہلر اپنی رپوٹ کے صفحہ ۴۲ پر ہیم چندر کی کتاب النکار چوڑامنی کا حوالہ دیکر بیان کرتا ہے کہ ہے گریہ وہ ایک شاعرانہ کتاب تھی۔ کیٹا لوگس کیٹا لوگرم میں صفحہ ۴۴۵ پر بیان کیا گیا ہے کہ اس کتاب کا ذکر کاویہ پرکاش اور رہت درپن میں آتا ہے۔ ڈاکٹر بھاؤ داجی نے اس کے اشعار کا حوالہ راگھو بھٹ کے بنائے ہوئے سکنتلا کے ٹیکے میں پایا ہے۔

آئے ایک گیت جس کا ترجمہ ذیل میں درج ہے فی البدیہہ کہا۔

"میں سردی سے مغلوب ہوکر اور بھوک کے مارے گلا خشک ہونے کی حالت میں اناج کی ڈنڈی کی طرح خیالات کے سمندر میں غوطے کھا رہا تھا اور اپنے سردی سے پھٹے ہوئے نچلے ہونٹ کے ذریعے بجھتی ہوئی آگ کو پھونکیں مار رہا تھا۔ نیند ایک تغافل شعار معشوقہ کی طرح مجھے چھوڑ کر کہیں چلی گئی ہے۔ اور میری رات اُس زمین کی طرح جو کسی نالائق شخص کو انعام میں دی گئی ہو کم ہونے میں نہیں آتی"۔

راجہ نے یہ شعر سُنکر اس کی محنت کو شکریہ کے ساتھ قبول کیا اور اس ملک الشعرا کو اپنی جگہ بھیج کر دل میں سوچنے لگا "میرے لئے شرم کا مقام ہے کہ میں اس نیک شخص کی زبانی جس کا دل مایوس ہو چکا ہے اس قسم کے دردناک الفاظ سُنکر اس حالت میں کھڑا رہ سکتا ہوں۔ یقیناً وہ کمرے کے باہر مصیبت کی حالت میں بیٹھا ہے کیونکہ اُسے پورے طور پر یقین نہیں آیا اور میرے شکریہ کے الفاظ کو ایسے ہی مہمل سمجھتا ہے گویا کہ وہ کسی معمولی شخص کی زبان سے نکلے ہوئے ہوں۔ میں ایک عرصہ سے اس تلاش میں ہوں کہ اُس کے لائق کوئی عزت اُسے بخشوں تاہم اب بھی کوئی بیش بہا انعام میری نظروں کے سامنے نہیں آتا۔ ہاں! مجھے خوب یاد آیا کشمیر کی خوشنما سرزمین پر آجکل کوئی راجہ حکمران نہیں

نوٹ ۱۵۹ ماتر گپت سوامن کے مندر کا اور کہیں ذکر نہیں آتا۔ اور اس کا محل وقوع بھی عدم پتہ ہے۔ ہم نے جو مندر ہم سوامن کے نام سے تعمیر کرایا تھا اس کے لئے دیکھو ترنگ ۴ شلوک ۶۹۸۔ وشنو کے نام پر جو مندر بنوائے جائیں ان کے اخیر میں لفظ سوامن تعمیر کنندہ کے نام کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔ لفظ سوامن کا استعمال ویسا ہی ہے جیسے شو کے مندروں میں ایش یا ایشور کا استعمال ہے۔ دیکھو نوٹ ۱۲۲ کتاب ۱

نوٹ ۱۶۰۔ سری پربت یا سری شیل کے مقدس پہاڑ کے متعلق دیکھو وشنو پوران

ہے۔ پس میں وہ ملک اس لائق شخص کو دیتا ہوں ویسے اچھی طرح جانتا ہوں کہ بڑے بڑے راجہ وہاں حکومت کرنے کا شوق رکھتے ہیں "

یہ پختہ ارادہ کرکے راجہ نے خفیہ طور پر اسی رات وزرائے کشمیر کے پاس قاصد بھیج دیئے اور ان کی زبانی یہ کہلا بھیجا کہ ماترگپت نامی ایک شخص تمہیں میرا شاہی فرمان لاکر دکھلائے گا۔ اسے بلا تامل اپنا راجہ بنا لینا۔ قاصدوں کو اس پیغام پر روانہ کرکے راجہ نے اپنا فرمان تیار کیا اور رات کا باقی حصہ آرام وچین سے بسر کیا۔

ادھر ماترگپت جس کا خیال تھا کہ راجہ سے ملاقات بھی فضول ہی ثابت ہوئی تمام اُمیدوں سے ہاتھ دھو بیٹھا اور اُسے ایسا محسوس ہوا گویا کسی بوجھ سے آزاد ہوگیا ہے۔ وہ اپنے دل میں اس طرح سوچنے لگا "جو کچھ کرنا تھا وہ تو میں نے کر دیا۔ میرا شبہ آج رفع ہوگیا۔ اب جبکہ امید کا بھوت مجھے چھوڑ گیا ہے میں ضرور خوشی حاصل کرسکونگا۔ دوسروں کی تقلید کرکے میں نے یہ کیسی غلطی کھائی کہ سُنے سُنائے اس راجہ کو اپنی خدمات کے لائق تصور کر لیا۔ رینگنے والے جانور جو ہوا پر اپنی زندگی بسر کرتے ہیں (سانپ) بھوگن[۱۶۱] کہلاتے ہیں۔ ہاتھی جو اپنے بڑے بڑے کانوں کے ذریعے بھنبھناتی ہوئی مکھیوں کو دور کرتے ہیں گج کہلاتے

ادھیائے ۲ شلوک ۱۴۱ - ترنگ ۵ شلوک ۱۱۸

۱۶۱ یہاں پر اُپ مینو کی کہانی کا حوالہ دیا گیا ہے دیکھو مہابھارت ادھیائے ۱۳-۱۴ صفحہ ۳۵۲ -

۱۶۲ روایت ہے کہ اگست رشی نے سمندر کو پی لیا تھا اور بندھیاچل پہاڑ کو اپنی اونچائی کم کرنے پر مجبور کیا تھا۔ اگست ستارہ برسات کے اخیر میں نمودار ہوتا ہے اور اس موقعہ پانی پھر صاف ہوکر بہنے لگتا ہے۔

ہیں اور وہ درخت جو اپنے اندر رہنے والی آگ سے متاثر ہوتا ہے شمی کہلاتا ہے اس طرح پر لوگوں نے اپنی بے قابو زبان کے ذریعے ہر چیز کے اُلٹے منے لے لئے ہیں۔ بایں ہمہ یہ راجہ جس نے اپنے چاہتے نوکروں کے گھروں کو دولت سے مالا مال کر دیا ہے رسائی سے بعید نہیں۔ اس فیاض بے عیب راجہ کا اس میں کیا قصور ہے برعکس اس کے میرے اندر کسی خوبی کی عدم موجودگی موجب الزام ہے۔ یہی میری قسمت کے راستہ میں حائل ہے۔ اگر سمندر جو اپنے جواہرات سے بھری ہوئی لہروں کو متحرک کرتا ہے کنارے کی طرف آنے سے ہوا کے ذریعے رک جائے تو یہ سائل کی بدقسمتی ہے اس میں دینے والے کی فیاضانہ طبیعت کا کچھ قصور نہیں۔ ان لوگوں کے لئے جو فوراً حاصل کئے جانے والے پھلوں کے شائق ہیں راجہ کے نوکر اپنے آقاؤں کی نسبت بہتر ہیں کیونکہ آخر الذکر سے تو صرف بے حد محنت کے بعد پھل حاصل ہو سکتا ہے۔ جو لوگ حیوانات کے مالک (شوجی) کے چرنوں میں جلتے ہیں انہیں اُس وقت سوائے راکھ کے کچھ حاصل نہیں ہوتا لیکن جو لوگ اس کے بیل کی سیوا کرتے ہیں وہ چمکدار سونا اور ہر قسم کی خوشیاں حاصل کر سکتے ہیں میں اس معاملہ پر کتنا بھی غور کروں مجھے اپنے اندر کوئی ایسا نقص نظر نہیں آتا۔ جسکے

---

۱۶۳ دریائے جمنا کا پانی سیاہی مائل اور گنگا کا سفید خیال کیا جاتا ہے دیکھو ترنگ ۲ شلوک ۲۷، ۱۴۲

۱۶۴ سوراشٹر کے لئے جو جزیرہ نما گجرات کے ایک حصے کا نام ہے دیکھو کنگھم صاحب کا جغرافیہ قدیم صفحہ ۳۲۵

۱۶۵ ٹرائر صاحب اور لیسن صاحب نے اپنی کتاب "انڈش آلٹرتھس کنڈ" کے باب ۲ صفحہ ۹۱۲ میں بیان کیا ہے کہ راج ترنگنی کا یہ شلوک بکرماجیت کے اُس مشہور تخت

باعث میری خدمات کے باوجود راجہ مجھ سے ناراض ہوگیا ہو۔ لیکن کون ایسا شخص ہے جو ایک ایسے راجہ سے جو دوسروں کی تقلید کرتا ہے انعام حاصل کرسکتا ہے؟ بالخصوص اُس حالت میں کہ جب وہ اُس کے پاس آیا ہو تو اس سے پہلے اور کسی نے اس کی عزت نہ کی ہو۔ پانی کے وہی قطرے جن کی سمندر میں تیرتے وقت کچھ پرواہ نہیں کی جاتی اس وقت جبکہ وہ بادلوں کے ذریعے اوپر کھچ جائیں اور بارش کے قطروں کی صورت میں دوبارہ نیچے گریں تو سمندر انہیں اپنی موجوں کی گود میں لے لیتا ہے اور ان کے موتی بناتا ہے اسی طرح کوئی ادنےٰ حیثیت کا شخص بھی جب کسی دوسرے آدمی سے اچھا سلوک حاصل کرنے کے بعد کسی اور مقام پر پہنچتا ہے تو بڑے بڑے آدمی بھی اس کی عزت کرتے ہیں۔"

اس قسم کے خیالات سے اس نے اس راجہ کو جو اس کی خدمات کا مستحق تھا بُرا بھلا کہنا شروع کیا کیونکہ مصیبت میں دانا آدمی کا بھی سر پھر جاتا ہے۔

ماترگپت کشمیر کو بھیجا گیا جب صبح ہوئی تو راجہ نے دربان کو حکم دیا کہ ماترگپت کو طلب کرے۔ متعدد درباری

کے متعلق ہے جس کا ذکر روایات میں آتا ہے اور کہ پرورسین کی نسبت خیال ہے کہ وہ اسے واپس اوجین میں پہنچا آیا تھا۔

۱۶۶ سٹائن صاحب لکھتے ہیں کہ میں نہیں بیان کرسکتا کہ یہ ضدی دشمن جس کا ذکر راجہ موصوف کے نام سے کیا گیا ہے کون تھا ایک ٹیکا کار کے بیان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ نام زمانہ قدیم سے ہی بطور ایک معمہ کے چلا آتا ہے۔ اس ٹیکا کار نے اس سوال کو حل کرنے کی اس طرح پر کوشش کی ہے کہ اس سے مراد پرتاب شیل سے لی ہے لیکن

پنڈت اسے لینے کے لئے آگے بڑھے اور جب وہ راجہ کے سامنے حاضر ہوا تو بالکل مایوس نظر آتا تھا۔ اس نے جھک کر پرنام کی جس پر راجہ نے اپنی بھوں کے اشارے سے میر منشی کو وہ دستاویز اس کے حوالے کرنے کا حکم دیا۔ اور خود زبانی کہا۔ "تم کشمیر جانتے ہو؟ وہاں جاؤ اور میرا یہ فرمان وہاں کے وزرا کے حوالے کر دو۔ تمہیں میری قسم ہے کہ راستے میں اس دستاویز کو کوئی شخص پڑھنے نہ پائے۔ اس حکم کو کسی صورت میں بھی بھول نہ جانا۔" چونکہ وہ راجہ کی منشا سے ناواقف تھا اور راستہ کی تکالیف سے گھبراتا تھا اس لئے یہ حکم اُسے بجائے کسی جواہر سے نکلنے والی روشنی کے جلتا ہوا شعلہ معلوم ہوا۔

جب ماترگپت جو "آ گیا مہاراج" کہہ کر وہاں سے رخصت ہوا تو راجہ اپنے معتبر مشیروں سے حسب معمول گفتگو کرتا رہا اور اپنی اس فیاضی پر کسی قسم کے غرور یا نخوت کا اظہار نہ کیا لیکن جب لوگوں نے ماترگپت کو جو تھکا دینے والے کاموں کا عادی نہ تھا اور اس وقت نحیف و زار اور بے یار و مددگار تھا سفر پر بے سر و سامانی کی حالت میں روانہ ہوتے دیکھا تو انہوں نے راجہ کو بُرا بھلا کہنا شروع کیا۔

"راجہ کی اس غفلت کو تو دیکھو کہ وہ ایک معمولی شخص کے کام پر ایک

یہی نام چونکہ ترنگ ۳ کے شلوک ۱۲۷ و ۵۱۷ میں دوبارہ آتا ہے۔ اس لئے یہ خیال غلط معلوم ہوتا ہے۔ ان دونوں شلوکوں میں سے پہلے میں ذکر آتا ہے کہ مومونی کو للتادتیہ نے تین بار شکست دی اور دوسرے شلوک میں مذکور ہے کہ وہ دوسرے راجاؤں کے ساتھ مل کر جیاپیڈ کی رات کی لڑائی میں شریک ہوا تھا۔ یہ تین مختلف راجہ جن کے عہد میں مومونی کا ذکر آتا ہے کلہن کے سلسلہ تاریخ کے مطابق ان کے عہد حکومت میں صدیوں کا فرق ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ کلہن کی مراد یہ نہ تھی کہ ان تینوں موقعوں پر حصہ لینے

لائق شخص کو مقرر کرتا ہے عجیب احمق راجہ ہے کہ اس نے اس بیچارے کو محض اس لئے سختیاں جھیلنے کے قابل سمجھ لیا ہے کہ اس نے بے فائدہ امیدوں میں شب و روز اس کی خدمت کی۔ اگر کوئی نوکر اپنے آقا کی خدمت گذاری کے لئے کسی وقت کوئی خاص طریقہ اختیار کرلے تو آخر الذکر بغیر سوچے سمجھے اُسے اسی کام کے لائق سمجھنے لگ جاتا ہے۔ شیش ناگ نے امروں کے دشمن وشنو کی خاطر اپنا جسم بطور چارپائی کے پیش کیا اس نے دراصل سانپوں کے دشمن گرڑ کے خوف سے بچنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا تھا مگر اس سے اُلٹا اسکا رہا سہا آرام بھی ہاتھ سے جاتا رہا کیونکہ وشنو کو جب یہ معلوم ہوا کہ وہ زیادہ تکلیف برداشت کرسکتا ہے تو زمین کا بوجھ اُٹھانے کا تھکا دینے اور نہ ختم ہونیوالا کام اس کے سپرد کردیا۔ اس لائق شخص نے اپنے اندر اُن لوگوں کی نسبت جو راجہ کی نظروں میں سمائے ہوئے تھے زیادہ خوبیاں پاکر پورے اعتقاد کے ساتھ اپنے تعلقات اس سے قائم کئے تھے۔ کیا اس راجہ کی نسبت زیادہ بے سمجھی کی مثال مل سکتی ہے جس نے اُس لائق شخص کی اُس کی اعلےٰ خوبیوں کی خاطر بے عزتی کی ہے؟ سوائے بادل کے اور کون ایسی بے سمجھی ظاہر کرسکتا ہے۔ جو شخص ایک قطرہ پانی کا اس مور کے لئے گراتا ہے جو اپنی چنور پھیلا کر ناچنا

والا ایک ہی شخص تھا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ موموئی کوئی لقب یا کسی ملک یا قوم کے فرمانرواؤں کا خاندانی نام تھا جس طرح کہ شاہی۔ خاقان وغیرہ نام ملتے ہیں۔ بظاہر یہ لفظ کسی غیر ہندی ماخذ سے نکلا ہوا معلوم ہوتا ہے اور ترنگ ۴ کے شلوک ۱۶۰ میں جہاں للتا دتیہ کے جانب شمال فتح کا کوچ کا ذکر ہے وہاں موموئی کا نام توخار اور بھوٹ قوم کے لوگوں کے درمیان آیا ہے ان میں سے اول الذکر یقیناً بدخشاں میں آباد ہونگے اور آخر الذکر سے مراد

اور امید کرتا ہے کہ وہ جو مختلف چمکدار چیزوں کی قدر کرتا ہے اور ہلکی سی قوس وقزح پر خوش ہوتا ہے میری دم دیکھ کر وہ کتنی کچھ مہربانی نہ کریگا۔"

ادھر جب ماتر گپت سڑک کے کنارے کنارے بالکل اطمینان کی حالت میں چل رہا تھا تو اُسے اپنی آئندہ عظمت کا خیال تک نہ تھا۔ البتہ اُسے جو مختلف شگون پیش آئے اس کے دل کو ڈھارس بندھا جاتے تھے اور انہیں کے سہارے پر اُسے راستہ کی تکان محسوس نہ ہوتی تھی۔ ایک دفعہ اس نے ایک ممولے کو سانپ کی پھن پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ دوسرے موقعہ پر بحالت خواب اس نے اپنے آپ کو ایک عالیشان عمارت میں بیٹھے پایا اور سمندر کو عبور کیا۔ چونکہ وہ شاستروں سے واقف تھا اس لئے ان نیک فالوں سے اس کو یقین ہوچکا تھا کہ راجہ کا حکم ضرور میری خوش نصیبی کا باعث ثابت ہوگا۔ اگر مجھے کشمیر میں کچھ تھوڑا سا بھی انعام مل گیا تو اس بے نظیر ملک کی روحانی فضیلت کے باعث میرے لئے یہی بہت کچھ قابل قدر ہوگا۔ جوں جوں وہ آگے بڑھتا گیا اسکو راستہ میں کسی قسم کی تکلیف نہ ہوئی۔ جہاں جاتا اس کی خوب خاطر و مدارات کی جاتی تھی اور ہر جگہ اچھی طرح آؤ بھگت ہوتی تھی۔ اس طرح آگے بڑھتے ہوئے اُسے کوہستان ہمالیہ کی برفانی چوٹیاں نظر آئیں جو دہی کی تھالی کی طرح

بلاشبہ لداخ ۔ کے اور اس کے نواحات کے تبتی باشندوں سے ہے۔ دیکھو ترنگ ۴ شلوک ۱۶۷ و نوٹ ۳۲ کتاب ہذا۔ چونکہ درد قوم کے لوگوں کا ذکر علیحدہ طور پر آتا ہے اس لئے شاید یہاں مراد ترکی نسل کی اُن قوموں سے ہے جو بڑے اور چھوٹے پونچی اور سفید ہن لوگوں کے فتح ہونے پر بالائی سندھ کے علاقوں میں داخل ہوگئی تھیں اور اس طرح پر اُن کا کشمیر کے سیاسی معاملات سے تعلق پڑتا تھا۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۲۷۰۹-۲۷۶۳ کو مذکورہ بالا عبارت سے الگ سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ اس میں بھی سنگت کے ایک بھائی

چمک رہی تھیں اور جن پر سبز سبز درخت ہوا کے خوشگوار جھونکوں سے لہراتے تھے۔ جس ملک پر اس کی قسمت میں حکمران ہونا لکھا تھا وہاں کی سرد ہوائیں اس کے استقبال کے لئے آگے بڑھیں۔ یہ ہوائیں خوشبودار اور گنگا کی جھاگ میں لگنے کے باعث سرد تھیں۔ آخر کار مقام کرم ورت پر وہ اس جنگی چوکی پر پہنچ گیا جس کا نام کامبو تھا اور جو اس جگہ واقعہ تھی جہاں آجکل شعد پور آباد ہے۔

وہاں اس نے سنا کہ وزرائے کشمیر کسی وجہ سے اس مقام پر جہاں مختلف قسم کے لوگوں کا ہجوم تھا آئے ہوئے ہیں۔ اپنے سابقہ کپڑے اُتار کر اس نے صاف ستھرا لباس پہنا اور راجہ کا فرمان پہنچانے کے لئے ان کی طرف روانہ ہوا۔ چونکہ نیک فالوں کے ذریعے اس کی کامیابی کی علامات ظاہر ہو چکی تھیں اس لئے اُس کے ہمراہی مسافر اُس کے پیچھے پیچھے اس غرض سے گئے کہ دیکھیں یہ فال کہاں تک صحیح ثابت ہوتے ہیں۔

جب دربانوں نے دیکھا کہ بکرماجیت کا قاصد آگیا ہے تو انہوں نے وزرائے کشمیر کو اس کے آنے کی اطلاع کی اور وہ بڑی عزت کے ساتھ وزرا کے پاس جن کے ہمراہ ان کے سارے خدام تھے پہنچا دیا گیا۔ جب سارے وزیر بھی علے الترتیب اس کا مناسب استقبال کر چکے تو اُسے سب سے اونچی گدی پر بٹھا کر بڑی عزت

مومونی کا ذکر آتا ہے شلوک اول میں اس کا نام غیر ملکی راج پتروں اور پہاڑی شہزادوں کی فہرست میں آتا ہے جو راجہ سسل کے مشیر تھے۔ ان ناموں کی یکسانیت پر زیادہ اعتبار نہ کرتے ہوئے یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ اس موقعہ پر اُس شاہی خاندان کے کسی وارث کا ذکر آتا ہے جس کا حوالہ ابتدائی کتابوں میں دیا گیا ہے کابل کے شاہی نامی شاہی خاندان کی اولاد کے لئے لفظ شاہی کے مسلسل استعمال کا ثبوت اس وقت جبکہ اس خاندان کی حکومت تباہ ہو چکی تھی ترنگ کے شلوک ۱۴۸، ۲۴۴، ۱۴۲، ۱۵۱

کے ساتھ راجہ بکرماجیت کا فرمان طلب کیا اور جب اس نے کسی قدر جھجکتے ہوئے یہ حکم نامہ ان کے روبرو پیش کیا۔ تو انہوں نے اول اس کو سر آنکھوں پر لگایا اس کے بعد خلوت میں جمع ہو کر اسے کھولا۔ پڑھا اور واپس آکر ادب کے ساتھ کہنے لگے۔ کیا ماتر گپت آپ ہی کا نام ہے؟ اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "ہاں یہی ہے۔"

راجہ ماتر گپت

اس پر چاروں طرف خوشی کے نعرے گونج اُٹھے۔ گدی نشینی کا سامان تیار ہونے لگا اور وہ جگہ ایک لمحہ میں لوگوں کے ہجوم سے جو مختلف قسم کے نعرے لگائے تھے اور مضطرب سمندر کی مانند معلوم ہوتے تھے بھر گئی۔ ماتر گپت کا منہ مشرق کی طرف کر کے اُسے طلائی تخت پر بٹھایا گیا اور اعلےٰ درجہ کے درباری افسروں نے اسے گدی نشینی کا غسل دیا۔ گدی نشینی کی رسم کے وقت جو پانی اس کی بندھیاچل پہاڑ جیسی فراخ چھاتی پر سے ہو کر بلند آواز سے نیچے گرتا تھا وہ ریوا ندی سے مشابہ تھا۔

جب اسے اشنان کرا کر تیل ملا جا چکا تو زیورات سے آراستہ ہو کر

اور ترنگ ۸ کے شلوک ۲۲۰ میں ملتا ہے۔ اور اس سے ہمیں ایک مساوی نظیر مل سکتی ہے۔ اگر یہاں پر مراد کسی غیر ملکی حملہ آور سے ہے تو ہم سمجھ سکتے ہیں کہ اس کے شخصی نام کی بجائے خاندانی نام کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس نام کی ابتدا کے متعلق مزید کیفیت کے لئے دیکھو نوٹ ۲۳۶ کتاب ہذا۔ مسٹر جوگیش چندر دت نے راج ترنگنی کا جو انگریزی ترجمہ کیا ہے۔ اس میں موتی کی بجائے پرتاب شیل کا نام ہی استعمال کیا گیا ہے جس کی وجہ غالباً وہی ہے۔ جو مذکورہ بالا سطور میں ایک ٹیکا کار سے منسوب کی جا چکی ہے۔

وہ تخت پر بیٹھا اور رعایا اس سے یوں مخاطب ہوئی۔ "پرماتما کرے کہ آپ اس سرزمین پر حکمران رہیں کیونکہ راجہ بکرماجیت نے جن سے ہمنے خود اس ملک کی حفاظت کی درخواست کی تھی آپ کو اپنے بر ابر کا جان کر کشمیر کا راجہ نامزد کیا ہے۔ مہاراج آپ یہ نہ سمجھیں کہ یہ ملک جو ہمیشہ دوسرے ملکوں کے راجاؤں کو نامزد کرتا رہا ہے آپ کی صورت میں اسے نامزدگی کے لئے دوسروں کا دست نگر ہونا پڑا ہے۔ جس طرح والدین کسی بچے کی پیدائش کا جو اپنے پہلے افعال کی بدولت پیدا ہوتا ہے فوری سبب ہوتے ہیں ایسے ہی دوسرے راجہ راجاؤں کی صورت میں تخت نشانی کا باعث بنتے ہیں۔ گو درحقیقت بیٹھنے والا اپنی قسمت کے بل سے تخت نشین ہوتا ہے۔ مہاراج چونکہ معاملات کی یہ صورت ہے اس لئے مناسب ہے کہ کسی اور کو اپنا داتا نعمت سمجھ کر آپ ہماری اور اپنی عزت کو گرنے نہ دیں"۔

ہرچند کہ جو کچھ انھوں نے کہا تھا وہ راجہ ماترگپت کو مبنی بر انصاف معلوم ہوا تاہم اُسے جب اپنے آقائے سابق کا مہربانانہ سلوک یاد آیا تو وہ تھوڑی دیر تک مسکراتا رہا۔ اس نے وہ دن اپنی نئی شاہی طاقت کے مطابق نیا خزانہ عطیات تقسیم کرنے میں بسر کیا اور اپنی اعلٰے ترین خوش نصیبی کا

۱۶۷ مومونی کے مور کی طرح ناچنے کے متعلق جو عجیب قصہ اس جگہ بیان کیا گیا ہے۔ اس کی ابتدا شائد کسی ایسی رسم سے ہوئی ہوگی جو مومونی کی قوم میں چلی آتی ہو۔ غیر ملک کی اقوام کی عادات کی توضیح کے متعلق اسی قسم کا ایک اور قصہ ترنگ ۴ کے شلوک ۱۷۹ میں بیان کیا گیا ہے۔

۱۶۸ ترنگ ۳ کے شلوک ۹۹ کے رو سے ہمیں یہ خیال کرنا پڑتا ہے کہ پرورسین اول کی مقام رہائش سے مراد پورانا ادہشٹان سے ہے۔ جدید سرینگر کی بنیاد

وہ روز اسی مقام پر گذارا۔ اگلے روز جب وزراء نے اُسے دارالسلطنت کی طرف چلنے کو کہا تو اُس نے ایک قاصد کو عجیب وغریب تحائف دیکر راجہ بکرماجیت کی طرف جس نے اُسے سلطنت بخشی تھی روانہ کیا۔ مگر اس بات کو سوچ کر کہ شائد میرا آقا یہ سمجھے کہ میں اپنے حاصل کردہ ملک کی خوبیوں کی بدولت اس پر سبقت لے جانا چاہتا ہوں اُسے کچھ شرم سی محسوس ہوئی۔ اور اس نے چند اور قاصدوں کو طلب کر کے انہیں خوشگوار پھل اور اسی قسم کی اور کم قیمت چیزیں دیں اور انکی زبانی یہ کہلا بھیجا کہ جو خدمات میری طرف سے اپنے والئے نعمت کے لئے واجب الادا ہیں وہ مجھے اچھی طرح سے یاد ہیں۔ اس کے بعد جب اُسے بکرماجیت کی عجیب وغریب نیکیاں یاد آئیں تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اس نے ذیل کا شعر فی البدیہ لکھ کر تیسرے قاصد کے ہاتھ اس کے پاس روانہ کیا۔ "آپ جوش کی کوئی علامت ظاہر نہیں کرتے نہ کبھی شیخی بگھارتے ہیں اور نہ اپنی فیاضانہ طبیعت کی نمائش کرتے ہیں۔ البتہ درخت کی طرح عمدہ پھل دیتے ہیں اور ایک برسنے والے بادل کی طرح جو کبھی گرجتا نہیں آپ کی مہربانی کا نتیجہ آخر میں معلوم ہوتا ہے۔"

اس کے بعد وہ تمام فوجوں کو ہمراہ لئے جو افق تک پھیلی ہوئی تھیں دارالسلطنت

قائم کرنے کے متعلق جو قصہ بیان کیا گیا ہے وہ بھی اس خیال سے مطابق ثابت ہوتا ہے۔

۱۶۹ کشمیر میں اب تک بدروحوں سے محفوظ رہنے کے لئے سرسوں کے دانے استعمال کئے جاتے ہیں۔ اور عام طور پر انہیں چھوٹے بچوں کی ٹوپیوں میں سی دیا جاتا ہے۔

۱۷۰ پرورسین کے شہر کی بنیاد قائم ہونے کے متعلق جو روایتی تذکرہ درج

میں داخل ہوا اور ملک پر ایسی اچھی طرح حکومت کرتا رہا گویا وہ اُسے ورثہ میں ملی تھی۔ وہ فطرتاً عالی ظرف تھا اور جن موقعوں پر فیاضی یا مردانگی کے اظہار کی ضرورت ہوتی تو اپنے جذبات کو کسی نقیر کی طرح روکے نہیں رکھتا تھا اس نے اپنی فیاضی کے اظہار میں بہت بڑے یگ کی تیاری کی مگر جب سب کچھ تیار ہو چکا تو اس کی ضمیر نے جانوروں کے مارنے کی اجازت نہ دی اور اس کے دل میں رحم کا جذبہ پیدا ہوگیا۔ پس اس نے اسبات کی منادی کروادی کہ میرے عہد میں ملک کے کسی حصے میں جانوروں کو نہ مارا جائے اور یگ کے موقعوں پر اس نے جو کھانا تیار کروایا اس میں سونے کا سفوف اور ادر بیش قیمت چیزیں ملی ہوئی تھیں جب راجہ ماتر گپت نے اس کھانے کو فیاضانہ طور پر تقسیم کروایا تو کوئی شخص بھی ایسا باقی نہ رہا جس کی سیری نہ ہوئی ہو اور جو خوش نہ ہوگیا ہو۔

یہ راجہ جو بڑا مشہور اور فیاض تھا اور بدنصیبی کے دن دیکھ چکا تھا اس کے پاس بکرماجیت سے بھی بڑھ کر صاحب غرض لوگ آنے لگ گئے۔ اس کی دل خوش کن تفریحات جنہیں وہ قابل تعریف طریقے پر منتخب کرتا تھا دانا لوگوں کی خوشی کا باعث ثابت ہوتی تھیں۔ جب منتھ (شاعر) اپنی نئی نظم بہ عنوان

کیا گیا ہے اُسے جدید شہر سرینگر کے بیان کے متعلق ہی صحیح طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ کنگھیم صاحب نے جغرافیہ قدیم کے صفحہ ۹۷ پر اس بات کا ذکر کیا ہے کہ پرورسین کے دارالخلافہ کا مقام یہیں پر تھا۔ اس کی تائید میں وہ اسبات کا حوالہ دیتا ہے کہ ترنگ ۳ کے شلوک ۳۵۸ میں اس شہر کی جو کیفیت بیان کی گئی ہے وہ موجودہ دارالسلطنت کے محل وقوع سے ملتی جلتی ہے۔ اور اس کے علاوہ ہیون سانگ نے بھی اسکی تصدیق کی ہے۔ آخر الذکر دارالسلطنت کشمیر میں بے اندر کے اسی دیار کو اپنا مقام رہائش ظاہر

تھے گریو دوتھ (ہے گریو کی موت) راجہ کے پاس لیکر گیا تو اس نے اس کی تعریف یا مذمت میں اُس وقت تک ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالا جب تک کہ اس نے اسے ختم نہ کر لیا۔ سنانے کے بعد جب وہ کتاب کو بند کرنے لگا تو راجہ نے اس کے نیچے سونے کی طشتری اس غرض سے رکھ دی کہ اس کا لطف (رس) زائل نہ ہونے پائے (بہ نہ جائے)۔ جب بھرتر منتھ نے راجہ کی طرف سے اس قسم کی قدر دانی ہوتے دیکھی تو وہ بہت خوش ہوا اور اُسے مزید انعام کی ضرورت نہ رہی۔

اس نے مدھو سودن یعنی وشنو کا ایک مندر ماترگپت سوامن[159] کے نام سے تعمیر کروایا جس کے متعلقہ گاؤں ایک زمانہ گذرنے کے بعد مم نے اپنے مندر کے ساتھ ملا لئے۔ اس طرح اس راجہ کو حکومت کرتے ہوئے تین ماہ اور ایک دن کم پانچ سال ہو گئے۔

پرورسین کی واپسی اس اثنائے میں انجنا کے بیٹے پرورسین نے جو تیرتھ یاترا اور اپنے بزرگوں کی گیا کو داری کر چکا تھا معلوم کیا کہ میرے ملک میں تخت غصب کر لیا گیا ہے۔ جس طرح سورج کی حرارت رات کی شبنم کے قطروں کو درخت پر سے جذب کر لیتی ہے

کرتا ہے جس کے متعلق ترنگ ۳ کے شلوک ۳۵۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ پرورسین ثانی کے ماموں نے اُسے جدید شہر میں تعمیر کروایا تھا۔ پروفیسر بوہلر نے اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ جدید شہر کے بعض حصوں کے نام ان کے قدیم ناموں سے مشابہ ہیں۔ مثلاً دعامر = دوامٹھ۔ برزی مہر = بھٹارکا مٹھ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ موجودہ شہر اور پرورسین ثانی کا آباد کیا ہوا شہر دونوں ایک ہی ہیں دیکھو بوہلر صاحب کی رپورٹ صفحہ ۱۶۔

ایسے ہی غصے نے اُس کے اندر وہ نرم خیال جو اُس کے والد کے غم میں پیدا ہو چکا تھا جذب کرلیا اور کشمیر کو روانہ ہوا۔

جب سری پربت[16] کے مقام پر پہنچا تو اشوپاد نامی ایک رشی نے جس نے پاشوپت سنیاسی کا لباس پہنا ہوا تھا بنپتی سے تیار کیا ہوا کھانا اس کے روبرو پیش کیا اور کہا۔ "پچھلے جنم میں تم نے میری بڑی خدمت کی تھی اور جب مینے تمہاری خواہش دریافت کی تو تم نے جواب دیا کہ میں راجہ بننا چاہتا ہوں اس پر مینے شوجی سے جن کے مستک میں چندرماں براجمان ہے حصول مراد کی درخواست کی انہوں نے فرمایا کہ تمہارا یہ سیوک درحقیقت میرا ایک گن (رشیم فوق الفطرت خادم) ہے میں یقیناً اگلے جنم میں اس کی خواہش پوری کرونگا۔ پس اب شوجی آپ کی مدد کے لئے آئینگے اور تمہارے اس خیال کو پورا کرینگے"۔ یہ الفاظ کہکر اشوپد غائب ہوگیا۔

اس کے بعد جب پرورسین کو شاہی طاقت حاصل کرنے کے لئے ریاضت کرتے ہوئے ایک سال گذر گیا تو شوجی جنہیں اُس رشی کے الفاظ نے یاد دہانی کرائی تھی اُس کے سامنے نمودار ہوئے۔ اُنہوں نے اس موقعہ پر ایک سنیاسی کا لباس پہنا ہوا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں تمہاری خواہش پوری کرنے کیلئے

ان دو مورخوں نے جو رائے ظاہر کی ہے اس کی مزید تصدیق اس طرح پر ہوتی ہے کہ پرورپور کا نام (جو پرورسین پور یا اس کے مخفف بھیم دت کے برابر ہے) کھیم اندر۔ بلہن۔ کلہن اور اور مورخوں کی تصانیف میں موجودہ سرینگر کی مقامیت ظاہر کرنے کے لئے استعمال ہوا ہے۔ لیکن سب سے زیادہ تسلی بخش ثبوت عمارات اور مقامات کی اُس طویل فہرست سے ملتا ہے جن کا ذکر تاریخ میں جدید دارالخلافہ کے متعلق آیا ہے اور جو پرورسین کے اپنے عظیم مندر پرورلیش سے لیکر جدید سرینگر یا اس کے نواحات میں ملتے

آیا ہوں جو کچھ چاہتے ہو مانگو تو پرورسین نے عرض کی کہ میں ایک ایسا راجہ بننا چاہتا ہوں جسے ہر وقت دنیا کو فتح کرنے کا خیال ہو۔ شمبھو یعنی شوجی نے اس کا اصلی مدعا معلوم کرنے کی غرض سے کہا۔ "اے راج کنور! کیا باعث ہے کہ تو اپنی نجات کی طرف سے غافل ہوکر عارضی خوشیوں کے پیچھے پڑتا ہے"۔ اس نے جواب دیا۔ "میں نے یہ اس لئے کہا ہے کہ میں سمجھتا تھا کہ آپ سنیاسی کے بھیس میں شمبھو ہیں لیکن درحقیقت معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس پرتھوی کے مالک یعنی وہ دیوتا نہیں ہیں۔ کیونکہ بڑوں سے جب کوئی چھوٹی چیز مانگی جائے تو وہ بڑی چیز اپنی منشا سے ہی دے دیتے ہیں۔ اُس فیاض دیوتا (شوجی) نے اس کو جس نے پیاس میں دودھ مانگا تھا دودھ کا سمندر دے دیا تھا۔ کیا آپ اس شریف خاندان کی برہم کن تباہی کے حال سے ناواقف ہیں جسے دوبارہ گدی نشین ہونے کا موقعہ نہ دیا گیا تو آسمانی خوشیوں میں بھی اُسے مصیبت محسوس ہوتی رہے گی"۔ اس پر اس دنیا کے مالک (شوجی) نے مہربانی سے اس کی التجا منظور کرلی۔ اور اپنی اصلی صورت میں نمودار ہوکر پھر ایک بار کہا۔ "ایک ایسے وقت میں جب تم شاہی اختیارات کی خوشیوں میں غرق

ہیں۔ ہماری روایات میں جن مقامی ناموں کا ذکر آیا ہے انہیں ہم موجودہ سرینگر کی حدود کے اندر تلاش کرنے لگیں تو سب سے پہلے دریائے مہاسرت کا پتہ چلتا ہے۔ پہلے تو اسے کوئی نام ہی نہ سمجھا گیا تھا لیکن کئی موقعوں پر اس کا ذکر آنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ اس ندی کا قدیم نام ہے جو جھیل ڈل سے نکل کر سری نگر کے جنوب مشرقی انتہائی مقام پر وتسٹا سے جا ملتی ہے۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۳۳۹ میں کلہن نے بیان کیا ہے کہ راجہ اوچل کی لاش جسے اس کے محل واقعہ سرینگر میں قتل کیا گیا تھا اس کے چند وفادار نوکروں نے اُس مرگٹ میں جلا دی تھی جو مہاسرت اور وتسٹا ندی کے مقام اتصال پر

ہوگئے اشوپاد میرے حکم سے تمہارے پاس جاکر یہ جتلائیگا کہ تمہیں میری رفاقت کی ضرورت ہے۔

یہ الفاظ کہہ کر وہ دیوتا نظروں سے غائب ہوگیا اور پرورسین اپنی ریاضت کو ختم کرکے رشوپاد سے رخصت حاصل کر اُس ملک کی طرف جس کی اسے خواہش تھی روانہ ہوا۔

جب وہ کشمیر میں پہنچا تو وزرا اس کے سامنے حاضر آئے۔ لیکن اس نے انہیں یہ کہتے ہوئے ماترگپت کے خلاف دشمنی کے اظہار سے روکا۔ "میرا دل مغرور بکرماجیت کو تباہ کرنے کو چاہتاہے۔ مجھے ماترگپت کے خلاف کسی قسم کا بغض وکینہ نہیں۔ ایسے دشمنوں کو کچلنے سے کیا حاصل ہوسکتاہے جو مصیبت کو برداشت کرنے کے ناقابل ہوں۔ اُن لوگوں پر فتح حاصل کرنے کی خواہش رکھنا مناسب ہے جو اطل الذکر کی بیخ کنی کرسکیں۔ کنول پھولوں کی نسبت جو چاند سے نفرت کرتے ہیں اور کون سی چیز زیادہ نازک اور کمزور ہوسکتی ہے۔ مگر چاند کے لئے یہ زیبا نہیں کہ وہ ان کو ہاتھیوں کے دانتوں کے ذریعے اکھڑوا تا پھرے۔ بہادروں کو جب اپنی طاقت کے اظہار کا شوق ہوتا ہے تو وہ ان لوگوں سے مقابلہ نہیں کرتے جو ان کے برابر کے نہ ہوں بلکہ اپنے

بنے ہوئے جزیرے میں واقع تھا۔ جب ہم سری نگر کے نقشے پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ صرف ایک جزیرہ دارالسلطنت کے اندر یا اُس کے قریب جسے وتستا کے کسی اور ندی کے مقام اتصال پر واقع سمجھا جا سکتا ہے ، ایہ سم کا بڑا جزیرہ ہے اس کے جنوب میں تستا اور دونوں پہلوؤں پہ مذکورہ بالا ندی (مہاسرت) کی دو شاخیں ہیں۔ دیکھو نوٹ متعلقہ ناکشکاسوامن ۔ کلہن کی بیان کردہ مہاسرت ندی کی شناخت کے متعلق اس سے جو نتیجہ نکلتاہے اس کی مزید تصدیق اس بات سے ہوتی ہے کہ اس مقام کے قریب

جمع شدہ غصے کو انہیں پر ظاہر کرتے ہیں جو ان کے برابر کی طاقت رکھتے ہوں "

جب ترگرت کو فتح کرنے کے بعد کوچ کرتا ہوا پرور سین آگے بڑھا تو اس نے سنا کہ بکرماجیت فوت ہو چکا ہے۔ اس روز وہ متواتر سرد آہیں بھرتا رہا۔ اور نہایت رنج والم میں اس نے نہ تو اشنان کیا نہ کچھ کھایا اور نہ ہی آرام کیا۔

ماترگپت کا ترک سلطنت

اس سے اگلے دن اُسے خبر ملی کہ ماترگپت جو کشمیر کی سلطنت سے دست بردار ہو کر چلا آیا ہے پاس ہی ڈیرہ ڈالے پڑا ہے۔ اس بات کا اندیشہ کر کے کہ اُسے میرے ہی حامیوں نے جلا وطن نہ کر دیا ہو پرور سین تھوڑی سی فوج ہمراہ لیکر اُس کے پاس پہنچا۔ آپس میں ملنے کے بعد راجہ نے حلیمی اور شائستگی کے ساتھ پوچھا کہ آپ سلطنت کیوں چھوڑ آئے؟ ایک منٹ کی خاموشی کے بعد ماترگپت نے آہ بھر کر مسکراتے ہوئے جواب دیا "مہاراج! وہ فیاض شخص جس کے ذریعے میں اس ملک پر حکمران تھا چل بسا ہے۔ آتشی شیشے کی سطح پر جب تک سورج کی کرنیں پڑتی رہیں وہ تمام اطراف میں چمکتا رہتا ہے ورنہ بالکل ہی نہیں چمکتا کیونکہ وہ محض ایک پتھر ہے "

جہاں ڈل ندی کی مغربی شاخ وتشٹا سے ملتی ہے یعنی موجودہ پہلے پل سے کسی قدر نیچے کی طرف مہاراجہ رنبیر سنگھ کے زمانہ تک ہندوؤں کا مرگٹ موجود تھا۔ چونکہ اس کا ذکر سری ور نے اپنی کتاب کے باب اول شلوک ۲۴۴ میں کیا ہے اور وہ لکھتا ہے کہ پندرھویں صدی میں یہ مرگھٹ اسی مقام پر واقع تھا اس لئے یہ خیال کر لینا کچھ بے جا نہیں کہ اس کی مراد اسی مرگھٹ سے ہے جس کا ذکر ترنگ ۸ کے شلوک ۳۳۹ میں آتا ہے۔ سری ور اس مقام کا زیادہ جدید نام مری سنگم استعمال کرتا ہے جس کے متعلق وتشٹا مہاتم کے باب ۱۷

راجہ نے جواب دیا۔ "مہاراج! آپ کو کیا دکھ پہنچا ہے کہ آپ اُس حکمران پر اس طرح افسوس کے ساتھ غم کر رہے ہیں؟" یہ سنکر ماترگپت کے نچلے ہونٹ پر غصے کی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور بولا "کوئی شخص خواہ وہ طاقت میں مجھ سے بڑا کیوں نہ ہو مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ فی الواقع جب اس دور اندیش راجہ نے مجھے یہ عزت دی تھی تو اس نے مکھن کو آگ میں نہیں ڈالا تھا۔ نہ اناج کو بنجر زمین میں بویا تھا۔ لیکن وہ لوگ جو نفحات کو یاد رکھتے ہیں اور شکریہ کے غلام ہوتے ہیں بے خبری میں بھی اپنے مہربانوں کے قدم پر چلتے ہیں۔ کیا آتشی شیشے کی چمک سورج کے غروب ہونے کے بعد زائل نہیں ہو جاتی؟ یا سنگ ماہ کی روشنی گھٹتے ہوئے چاند کے ساتھ نہیں گھٹتی۔ پس امن و امان میں خوشی حاصل کرنے کی امید سے مقدس وارانسی (کاشی) کو جاتے ہوئے میں یہ خواہش رکھتا ہوں کہ جس طرح ایک برہمن کے شایاں شان ہوتا ہے مکمل تیاگ سے کام لوں۔ مجھے اس زمین کی طرف دیکھتے ہوئے بھی خوف پیدا ہوتا ہے کیونکہ وہ راجہ جو جواہرات کے چراغ کی مانند تھا اس کے بغیر اس پر تاریکی چھائی ہوئی ہے خوشیوں کا تو آپ کیا ذکر کرتے ہیں۔" حیرت و استعجاب کے عالم میں عمدہ خیالات کی اس مجسم صورت کے الفاظ سنکر دانا

شلوک ۵ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اسی مقام اتصال کا نام تھا جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ راج ترنگنی میں مہاسرت کا ذکر مقامات ذیل پر بھی آیا ہے ترنگ ۸ کا شلوک ۳۳، ۵۳، ۱۰۹۹-۵۸ ۱۱، ۳۱۳۱ – ان شلوکوں میں اس ندی کے متعلق ذکر آیا ہے کہ اس کے راستے شہر پر حملہ کیا جا سکتا ہے۔ بالخصوص اس صورت میں کہ قومیں مشرق سے آتی ہوں دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۳۳، ۵۳، و ۳۱۳۱ نقشے کو دوبارہ دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ وہ پایاب ندی جھیل ڈل سے آکر سری نگر کے اس حصے کی جنوب مشرقی حد قائم کرتی ہے جو تشٹا کے

پرورسین بولا۔

"مہاراج! اس دنیا میں آپ جیسے عابد اور شکر گذار لوگوں کا وجود بمنزلہ اُن جواہرات کے ہے جو زمین میں پیدا ہوتے ہیں۔ اپنی قوت فیصلہ کے لیئے اس راجہ کے علاوہ اور کس کی تعریف ہو سکتی ہے جس نے ایسی بے سمجھ دنیا میں آپ جیسے آدمی کو ڈھونڈ نکالا اے دانا آدمی شکریہ کی سڑکیں اگر آپ ان پر اپنا قدم نہ رکھتے ہمہ دراز تک ویران پڑی رہتیں۔ کسی نالائق شخص کے ساتھ مہربانی کی جائے تو عام طور پر وہ اپنے دل میں یہ سوچتا ہے و اگر مجھے یہ رتبہ آج اپنی قسمت سے حاصل نہیں ہوا تو کیا باعث ہے کہ اس نے اس سے پہلے مجھے نہ دیدیا۔ اگر اس کو مجھ سے کچھ غرض نہیں ہے تو وہ اپنے غریب رشتہ داروں پر ہی مہربانی کیوں نہیں کرتا۔ اگر وہ اس بات سے خائف نہ ہو کہ میں اس کی کمزوریوں سے واقف ہوں تو بھلا وہ حریص آدمی مجھے یہ دینا پسند کرتا؟" چھوٹی سی عزت بھی کسی اعلےٰ کیریکٹر کے شخص کو دی جائے تو وہ ایک سو شاخوں والے درخت کی صورت اختیار کر لیتی ہے کیونکہ اسے پہلے کی حاصل کی ہوئی خوبیوں سے غذائیت ملتی ہے پس تم جو نیکوں میں سب سے بڑے اور داناؤں کی تعریف کے مستحق ہو ایک پرکھے ہوئے جواہر کا درجہ رکھتے ہو

دائیں کنارے پر واقع ہے اور جس میں شہر کا زیادہ بڑا حصہ آجاتا ہے۔ چونکہ سرینگر کا یہ حصہ مشرق اور مغرب کی طرف سے جھیل ڈل اور انچار کے ذریعے محفوظ ہے اور جنوب کی طرف دریائے وتستا بہتا ہے اس لئے اسپر حملہ کرنے کا راستہ یا تو وہ تنگ قطعہ زمین ہے جو شمال کی طرف واقع ہے یا اُس ندی کو عبور کر کے حملہ کیا جا سکتا ہے جو جنوب مشرق کی طرف ڈل سے نکلتی ہے۔ اس ندی کے جس کا موجودہ نام سنتھ کل ہے شمال کی طرف یا دائیں کنارے پر ڈیڑھ میل لمبا ایک پورانا پشتہ ہے جو مشرق کی طرف گوہ سلیمان

جس کی صادق لوگ قدر کرتے ہیں۔ پس مجھ پر مہربانی کر کے اس تخت سے دست بردار نہ ہو جئے۔ کاش مجھے بھی یہ عزت حاصل ہو جائے کہ اپنے نیک آدمی ہی کی طرفداری کی ہے پرماتما کرے کہ آپ پھر اپنی محبت کو اس سرزمین پر نازل کر سکیں جو پہلے آپ کو اس نے دی تھی اور اب میں بھی دیتا ہوں۔"

راجہ کے ان فیاضانہ الفاظ کو سنکر ماترگپت آہستگی سے مسکراتے ہوئے بولا۔

"میں اُن الفاظ کو جن کے کہے بغیر مطلب ادا نہیں ہو سکتا آداب تہذیب کی حدود سے باہر نکلے بغیر کیونکر زبان سے ادا کر سکتا ہوں۔ اس لئے ممکن ہے کہ آج میری زبان سے کوئی ناشائستہ لفظ بھی نکل جائے گو مجھے یقین ہے کہ آپ کا شریفانہ برتاؤ بالکل صادق ہے۔ ہر شخص کسی دوسرے کی سابقہ حالات زندگی کی غیر اہمیت کو جانتا ہے لیکن بحالت موجودہ کسی شخص کو اپنی عظمت خود ہی کو معلوم ہوتی ہے۔ میری سابقہ حالت جو آپ کے ذہن میں ہے اور آپ کی جو میرے ذہن میں ہے یہ دونوں ہمارے خیالات کو مضطرب کر رہی ہیں یہی باعث ہے کہ ہم ایک دوسرے کے دلی خیالات کو نہیں سمجھ سکتے۔"

کے دامن سے لیکر مغرب کی طرف وتشتا کے بلند کنارے تک پھیلا ہوا ہے۔ اس پشتے کی قدامت کے متعلق کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ موجود نہ ہو تو شہر کے اُن بہت سے حصوں میں جو ڈل کے نشیبی کناروں پر آباد ہیں اور اُن بے شمار رودباروں میں جو ڈل سے لیکر مغرب تک پھیلے ہوئے ہیں جھیل کے تیرنے والے باغوں سمیت ہر سال دریا کی طغیانی کا پانی آ سکتا ہے۔ اس کی قدامت کا ایک اور ثبوت یہ بھی ملتا ہے کہ اس پشتے اور اس پرانے ہوئے مکان کے اوپر ستھ کا عام نام لکھا ہوا ہے

یہ کیونکر ممکن ہے کہ مجھ جیسی حیثیت کا شخص ایک بار شاہی کو تیاگ کر پھر اس طرف رخ کرے۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایک ہی قدم میں وہ تمام آداب شائستگی کو خیرباد کہہ دے۔ یہ ناممکن ہے کہ مجھ جیسا شخص محض عارضی خوشیاں حاصل کرنے کی خاطر اس راجہ کی فیاضی کی غیر معمولی عظمت کو بالکل معمولی باتوں کی سطح پر لے آئے۔ بالفرض اگر مجھے ان خوشیوں کی خواہش بھی ہو تو مجھے اپنا ذاتی اعزاز برقرار رکھتے ہوئے کون انہیں حاصل کرنے سے روک سکتا ہے۔ یہ امر یقینی ہے کہ اس نے میرے لئے جو فائدے کی صورت نکالی تھی اس کا اگر میں معاوضہ نہ دوں تو وہ میرے اندر سے زائل ہو جائیگی۔ اس راستے پر چل کر جو اس حکمران نے اختیار کر رکھا تھا میرے لئے ضروری ہے کہ اس شہرت کو روشنی میں لاؤں۔ جس کا وہ لائق اور نالائق اشخاص میں امتیاز کرنے کی وجہ سے مستحق ہے۔ اب جبکہ وہ اس دنیا سے کوچ کر چکا ہے اور اس کا صرف نام باقی رہنا ہے میں اسبات کی خواہش رکھتا ہوں کہ کم از کم خوشیوں کو تیاگ کر اپنے قول پر صادق ہو کر دکھاؤں۔"

راجہ پرورسین دوئم

یہ گفتگو کر چکنے کے بعد پرورسین نے کہا "جب تک تم زندہ ہو میں بھی اس

جس کے معنے پشتے کے ہیں۔ سجالیکہ باقی بے شمار پشتوں وغیرہ کے جو سری نگر اور اس کے نواحات میں بنے ہوئے ہیں خاص خاص نام ہیں۔ متعدد شہری بیانات سے اسبات کا ثبوت ملتا ہے کہ یہی وہ قدیم پشتہ تھا جس کے متعلق اس عام روایت میں جس کا ذکر کلہن نے بھی کیا ہے یہ بات آتی ہے کہ جس دیو نے پرورسین کو مہارت کے بعد اپنے پاس بلایا تھا یہ اسی کی ٹانگ اور گھٹنا ہے۔ سب سے اول تو ہمیں نقشہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ پشتہ

ملک کی دولت کو ہاتھ نہیں لگاؤ نگا"۔ اس کے بعد عبادت کیش ماترگپت درانفی کو چلا گیا۔ اس نے بھگوا لباس پہن لیا اور ہر چیز کو تیاگ کر جتی بن گیا۔ راجہ پرورسین بھی اپنے قول کا پورا ثابت ہوا اور وہ کشمیر کی تمام مالگذاری براہ راست ماترگپت کے پاس بھیجتا رہا۔ دانا ماترگپت جو خود خیرات پر گذارہ کرتا تھا اس تمام دولت کو جو اس کی خلاف مرضی اس کے پاس پہنچتی تھی۔ سائلوں میں تقسیم کر دیا کرتا تھا۔ اور اس طرح وہ دس سال تک زندہ رہا۔

ان تین راجاؤں میں سے ہر ایک میں حسن اخلاق اور باہمی لحاظ کی خوبیاں پائی جاتی تھیں اور ان کی داستان گنگا کے پانی کی طرح پوتر کرنے والی ہے۔

پرورسین کی فتوحات

اس کے بعد راجہ پرورسین نے دنیا کے بڑے بڑے راجاؤں کو اپنے سامنے سرنگوں کرایا اور اس طرح پر اس کی شہرت دنیا کے تمام حصوں میں پھیل گئی۔ اس کی عظیم الشان شان وشوکت جو اگست رشی کی طرح سمندر کو جذب کرنے اور پہاڑوں کو عبور کرنے کی طاقت رکھتی تھی مخلوق کے لئے باعث خوشنودی ثابت ہوئی۔ اسکی فوج نے ساحل بحر پر تمال کے درختوں کے پتے خشک کر دیئے۔ تاڑ کے پتے گرا دیئے۔ دشمنوں کی بیویوں کے چہروں سے .. ..

چنار باغ کے مقابل میں۔ ۹۰ درجہ کے زاویہ کے موڑ پر بنا ہوا ہے اس کی مشابہت جو ایک جھکے ہوئے گھٹنے کے ساتھ پائی جاتی ہے واقعی عجیب ہے۔ اس سے بھی اطمینان بخش ثبوت یہ ہے کہ ہمیں کشوری کا بلہ کا نام ملتا ہے جو ترنگ ۳ کے شلوک ۳۴۷ کے مطابق وہ مقام تھا جہاں پرورسین گھٹنے سے اُتر کر زمین پر پہنچا تھا اور یہ نام اپنی کشیری صورت خوربل میں شہر کے اس حصے سے متعلق ہے جو اس پلٹنے کے مغربی سرے کی طرف واقعہ ہے۔ گھڑبل اور کشوری کا بلہ کے تلفظ میں جو تعلق پایا جاتا ہے اس کی توضیح اس طرح پر ہوتی

بندیاں (تمال پتر) اُتار لیں اور ان کی بالیاں (تاڑی ڈل) نوچ لیں۔ اُس کے جنگی ہاتھیوں کی کنپٹیوں پر سے بہے ہوئے پسینہ کے مشرقی سمندر میں ملنے سے کالندی (جمنا) اور گنگا کے مقام ۱۲۳ اتصال کا نظارہ دکھائی دینے لگا۔ اپنی فوجوں کے ذریعے جو ساحل افق تک پھیلی ہوئی تھیں اس نے مغربی سمندر کے کنارے پر ۱۲۴ شوراشٹر کے باشندوں کی بیخ کنی کر دی اور ان کی سلطنت کو تباہ کر دیا۔ یہ راجہ جو دنیاوی اندر کا درجہ رکھتا تھا محض اپنی نمود کی غرض سے بلا کسی قسم کی محبت یا نفرت کے راجاؤں پر فتوحات حاصل کر رہا تھا۔ بکرماجیت کے بیٹے پرتاب شیل کو جس کا دوسرا نام سیلادتیہ ہے دشمن معزول کر چکے تھے لیکن اس نے اُسے اُس کی سلطنت واپس دلائی اور اُس کے باپ کا تخت ۱۲۵ جسے دشمن لے گئے تھے اس کے دارالسلطنت میں واپس پہنچا دیا۔

۱۲۶ موموِنی نے سات مرتبہ پرورسین کی ماتحتی سے نکلنے کی کوشش کی مگر جب آٹھویں مرتبہ وہ کوئی عذر پیش کرنا چاہتا تھا تو راجہ پرورسین نے غصے میں آکر حکم دیا۔ "ایسے حیوانوں پر تف ہے اس شخص کی مشکیں کس لو۔" موموِنی نے جان بچانے کی غرض سے جھٹ کہہ دیا۔ "مہاراج میں چونکہ ایک حیوان

ہے کہ کشمیری زبان میں گُر کا لفظ سنسکرت کے کشور کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

اخیر میں یہ امر قابل غور ہے کہ کلہن نے سیتو (پشتا) کے مہاسرت کا پانی تقسیم کرنے کے متعلق جو کیفیت بیان کی ہے۔ وہ اس صورت میں ستھ پر پورے طور پر عائد ہو سکتی ہے۔ جب یہ سوچ لیں کہ مختلف رود بار اور دلدل جو اس پٹنے کے شمال کی طرف واقع ہیں اور جن میں ستھ کل کی طرح ڈل کا پانی جاتا ہے ان سب کا مشترکہ نام مہاسرت ہے۔ اس مجموعے کا نام مہاسرت ہونا اس طریقے پر زیادہ اغلب ہو جاتا ہے کہ ستھ کے

ہوں۔ اس لئے میری جان بخشی ہونی چاہئے۔ یہ کہکر اس نے دہین دربار میں مور کی طرح ناچنا شروع کردیا۔ راجہ نے جب اُسے مور کی طرح ناچتے اور جھنکارتے دیکھا تو اس نے نہ صرف اس کی جان بخشی کی بلکہ اُسے اس کی اس حرکت کا جو ایک ایکٹر کے لائق تھی انعام بھی دیا۔

شہر پرورپور کی تعمیر فتوحات سے فارغ ہوکر جب وہ اپنے دادا پرورسین اول کے شہر میں قیام پذیر تھا اُسے اپنے نام پر ایک شہر آباد کرنے کی خواہش پیدا ہوئی مگر موقعہ کے انتخاب کیلئے اُسے بڑی دقت پیش آئی۔ اسی فکر میں ایک رات جب فوق الفطرت طریقے پر نئے شہر کی بنیاد کے لئے مقام کی تلاش میں محل سے نکلا تو اس کے مکٹ کے جواہرات پر ستاروں کی کرنیں پڑکر اُن سرسوں کے دانوں کی طرح نظر آتی تھیں جو بُری روحوں کے دفعیہ کے لئے رکھے گئے ہوں۔ پھرتا پھرتا وہ ایک ندی کے کنارے پہنچا جو شمشان کے پاس سے ہوکر گذرتی تھی اور جس کے کنارے بہت سے درخت اوگے ہوئے تھے اور جو اس وقت بے شمار چتاؤں کی روشنی میں بھیانک معلوم ہوتے تھے۔ اس وقت ندی کے دوسرے کنارے پر اُسے ایک گرجتا ہوا دیو جس نے اپنے بازو اوپر کی طرف اُٹھائے ہوئے تھے

تمام شمالی پانی کے راستوں کے جال کا نام آج تک مار رہا ہے جس کا ثبوت سطور بالا میں مار کی صورت میں ملتا ہے جو سنتھ کل کا ابتدائی نام تھا۔

یہ سوال کہ آیا ہمیں اس لفظ مار کی صورت میں مہاسرت کا کوئی مشتق لفظ ملتا ہے یا نہیں اس مصالحہ سے جو اس وقت ہمارے پاس موجود ہے طے نہیں ہو سکتا۔ نام کا ان نتائج پر کچھ اثر پڑ سکتا ہے جن کا ذکر سطور بالا میں کیا جا چکا ہے۔ سٹائن صاحب لکھتے ہیں کہ اس نتیجہ پر پہنچ چکنے کے بہت مدت بعد مجھے اتفاقیہ طور پر دگنی صاحب

نظر آیا۔ اس دیوکی آتشین نگاہوں کی سرخ روشنی میں راجہ اس طرح چمکتا تھا جس طرح ایک بہت بڑا پہاڑ شہاب ثاقب کی روشنی میں چمکتا ہے۔ راکھشس نے قہقہ لگایا اور ایک بڑی بھیانک آواز میں جو ہر طرف گونجتی تھی اس بے خوف راجہ کو یوں مخاطب کیا۔ "سوائے بکرماجیت۔ شودرک اور آپ کے جو دلیری میں بہت بڑھے ہوئے ہیں کامل استقلال کی مثال اور کہیں مشکل سے نظر آتی ہے۔ اے پرتھوی راج آپ کی خواہش پوری کی جائیگی۔ آپ اس پشتے پر سے گذر کر میرے پاس آیئے"۔ یہ کہہ کر راکھشس نے دوسرے کنارے سے اپنا گھٹنا آگے کی طرف پھیلایا جس سے ندی کا پانی اس پشتے کے باعث الگ ہو گیا۔ دلیر پرورسین نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ پشتہ راکھشس کے جسم کے ایک عضو سے بنا ہوا ہے میان سے خنجر نکالا۔ اور اس کے ذریعہ راکھشس کے گوشت کو کاٹ کر زینہ کی صورت بناتا اس پر سے گذر کر اس مقام پر جا پہنچا جو کشوری کا بلہ کہلاتا ہے جب وہ راکھشس کے قریب پہنچا تو وہ اُسے نگن بتا کر اور یہ کہتا ہوا غائب ہو گیا۔ "اپنا شہر اس جگہ تیار کروانا جہاں کل تمہیں میرا لگایا ہوا نشان نظر آئیگا"۔ یہ نشان جو بیتال لگا گیا تھا شاری تک کے مقام پر نظر آیا جہاں دیوی شارکا اور یکش ات رہتے تھے۔ یہی جگہ شہر

کا یہ ریمارک نظر آ گیا جس میں کوہ سلیمان کے دامن سے لیکر شہر پرورسین تک پشتے کی تیاری کا ذکر ہے۔ چونکہ وگنی صاحب کے پاس سوائے ولسن صاحب کے راج ترنگنی کے خلاصے کے اس قسم کا اور کوئی مصالح موجود نہیں اور اس خلاصے میں یہ قصہ مذکور نہیں اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقفیت انہوں نے زبانی حاصل کی ہوگی۔ ستھ کے متعلق آجکل اس قسم کی کوئی روایت مشہور نہیں۔ موضع شاری تک کے نام کا جہاں اس دیو نے پرکٹین کو نئے شہر کا مقام دکھایا تھا کہیں کھوج نہیں مل سکتا البتہ شارکا دیوی کے ذکر سے

کی آبادی کے لئے قرار دیگئی۔

جب راجہ پرور ایشور کا لنگ استھاپن کرنے لگا تو جے سوامن[۱۷۱] یعنی وشنو کی تصویر بیتر کو توڑ کر خود بخود قائم ہوگئی۔ راجہ نے وشنو کی اس مورتی کا نام جے نامی معمار کے نام پر جسے بیتال کا بتایا ہوا اگن یاد تھا جے سوامی رکھا۔

راجہ پرور سین چونکہ بھیم سوامن نامی ونایک[۱۷۲] کی مورتی کا بڑا بھگت تھا اس لئے اس مورتی نے یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ میں اس شہر کے قیام کے خلاف نہیں ہوں اپنا منہ مغرب سے مشرق کی طرف پھیر لیا۔ اس شہر میں اس راجہ نے جو پانچ نسلوں پر حکمران تھا پانچ دیویوں[۱۷۳] کے مندر تعمیر کرائے جن میں سے ہر ایک کے پیچھے لفظ شری لگا ہوا تھا۔ جیسے سد بھا وشری وغیرہ اس نے دریائے وتستا پر بڑا پل (بھرت سیتو[۱۷۴]) تیار کروایا۔ اور اسی کے زمانہ سے کشتیوں کے پلوں کی تیاری کی ابتدا ہوئی۔ راجہ کے ماموں جے اندر نے مشہور جے اندر وہار[۱۷۵] اور بدھ اعظم کی مورتیاں تیار کروائیں۔ اس کے وزیر موراک نے جس کے قبضے میں سنگھل اور دوسرے جزائر تھے موراک بھون[۱۷۶] تیار کروایا جو عجوبہ روزگار تھا۔ یہ شہر جس کی حدود پر وردھن سوامن[۱۷۷] اور وشنو کرسوامن

خیال پیدا ہوتا ہے کہ وہ اس کے قریب کہیں واقعہ ہوگا۔ آخرالذکر درگا کی ایک صورت ہے اور زمانہ قدیم سے اس کی پرستش اُس پہاڑی کے شمال مغربی حصے میں ہوتی چلی آئی ہے جو سری نگر کے مرکزی حصے کے عین شمال میں واقعہ ہے۔ اور اس کے نام پر شارکا پربت یا ہرپربت کہلاتی ہے۔ اس پہاڑی کا فاصلہ کھڑبل سے پونے دو میل کے قریب ہے۔ شارکا مہاتم میں جو روایت بالتوضیح درج ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ درگا نے شارکا (جسے پنجابی میں گٹار یالالی کہتے ہیں اور جو شکل میں مینا سے مشابہ ہوتی ہے (

کے مندر تھے ایک زمانے میں اس کے اندر ۳۶ لاکھ گھروں کی آبادی تھی۔ اس نے یہ شہر جس میں باقاعدہ طور پر لگنے والی منڈیوں کا انتظام تھا۔ پہلے پہل صرف دریائے وتستا کے دائیں کنارے پر تعمیر کرایا گیا تھا۔ اس میں اتنے اونچے محل واقعہ ہیں جو آسمان سے باتیں کرتے ہیں۔ اور جن پر چڑھ کر موسم گرما کے خاتمے پر بارش میں چمکتی اور ماہ چیتر میں پھولوں سے ڈھکی ہوئی زمین نظر آتی ہے۔ اس شہر کے علاوہ روئے زمین پر اور کونسا مقام ہے جہاں کسی شخص کو تفریحی مقامات رہائش اور منڈیوں کے قریب صاف اور خوشنما ندیاں[۱۶۸] بہتی ہوئی نظر آئیں۔ اور کہیں ایسا شہر موجود نہیں ہے جس کے وسط میں ایک تفریحی پہاڑی[۱۶۹] اس قسم کی واقع ہو جس پر سے مکانات کی شان وشوکت اسی طرح نظر آسکے جس طرح آسمان سے نظر آتی ہے۔ اور کس مقام پر باشندوں کو موسم گرما کے دن اپنے مکانات کے سامنے دریائے وتستا جیسا برف سے سرد شدہ پانی مل سکتا ہے؟ اس شہر میں راجاؤں نے ہر ایک مندر کے لئے اسقدر مال وقف کر رکھا ہے جس سے سمندروں تک زمین کو کئی ہزار مرتبہ خریدا جاسکتا ہے۔

اسی طرح اس عظیم الشان راجہ نے آہستہ آہستہ اپنی سلطنت کے ساٹھ سال

کی صورت اختیار کر کے کوہ میرو سے پہاڑی کو اپنی چونچ میں اُٹھا کر اس کے موجودہ مقام پر لا رکھا جس سے اس کی مراد یہ تھی کہ اس دوزخ کا جس میں دیت رہتے تھے دروازہ بند کر دیا جائے۔ اس کے بعد اس نے اپنی سکونت اسی پہاڑی پر اس غرض سے اختیار کر لی کہ وہ اس میں سے نکل نہ سکیں۔ کتھا سار کے ادھیائے ۳، شلوک ۱۰۹ میں بھی یہ کہانی مختصر لفظوں میں درج ہے۔

دیوات کے متعلق جس کے بارے میں ذکر آیا ہے کہ وہ موضع سناری تک میں شارکا

پورے کئے۔ اس کی پیشانی پر شوجی کے ترسول کی علامت تھی اور بڑھاپے کے باعث بال چونکہ سفید ہو گئے تھے اس لئے اُن سے دھوکا ہوتا تھا کہ گنگا کی لہروں نے اس کے مستک کو شوجی کی پیشانی سمجھ کر غلطی سے اپنے آپ کو وہاں منتقل کر لیا ہے۔

انہیں ایام میں اشوپاد نے شوجی کے حکم سے جے انت نامی ایک کشمیری برہمن کو جو حال ہی میں ان کے خدام کے زمرے میں شامل ہوا تھا پیغام دیکر راجہ کے پاس بھیجنا چاہا اور کہا۔ "اے آوارہ گرد مسافر تم تھک چکے ہو جس چیز کی تمہیں خواہش ہے وہ تم کسی اور ملک سے حاصل نہ کر سکو گے یہ خط راجہ پرورسین کے پاس لے جاؤ وہ تم کو اس کا کافی معاوضہ دیگا" یہ کہہ کر اس نے اپنا خط برہمن کے حوالہ کیا مگر اس نے جواب دیا کہ میں مسافت سے تھک چکا ہوں اس لئے آج ہی کسی طویل سفر پر روانہ نہیں ہو سکتا۔ اس پر اشوپاد نے کہا "تمہیں لازم ہے کہ اول اشنان کر لو۔ کیونکہ تم مجھ سے جو کا پالن ہوں چھو گئے ہو" یہ کہہ کر اس نے برہمن کو پاس کے تالاب میں پھینک دیا اور جب اس نے آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو وطن میں کھڑا پایا۔ اس وقت راجہ پوجا میں مصروف تھا اور اُس کے نوکر پانی لئے جا رہے تھے۔ اس نے

کے پاس رہتا ہے کوئی مزید حال معلوم نہیں ہو سکتا۔ کلہن نے اس دیو کا نام جا بجا بھوت راکھش اور بیتال ظاہر کیا ہے لیکن اُسے یکش بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ ترنگ ۲ کے شلوک ۱۹۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس مقام پر بیتال نے نشان قائم کیا تھا اس کا نام بیتال سوتر پاٹھ تھا لیکن اس عبارت سے اس کی مقامیت کا صحیح طور سے پتہ نہیں چل سکتا۔

راجہ شودرک جس کا نام بکرماجیت کے برابر قرار دیا گیا ہے ایک مشہور روایتی بہادر

بلا تامل اس خط کو ایک پانی کے مٹکے میں جسے نوکر دریا سے بھر کر راجہ کے پاس لئے جا رہے تھے ڈال دیا۔

جب راجہ نے جو پرورایش کے لنگ کو اشنان کرا رہا تھا اس خط کو مٹکے سے نکال کر پڑھا تو اس نے حکم دیا کہ ابھی جے انت کو میرے سامنے لے آؤ۔ اس خط کا مضمون یہ تھا۔ "جو تم نے کرنا تھا کر لیا۔ تم بہت کچھ داد و دہش کر چکے ہو۔ خوشیاں بھوگ چکے ہو۔ اور زندگی بسر کر لی ہے۔ اب تمہارے لئے اور کیا کام کرنا باقی ہے؟۔ جاؤ اور شوجی کے جائے رہائش پر پہنچ جاؤ۔"

جب پرورسین اس خط کو پڑھ چکا تو اس نے برہمن کو بہت سامان و دولت دیا اور پتھر کے عالیشان مندر کی چھت کو توڑ کر بے داغ آسمان میں جا پہنچ گیا۔ جس وقت وہ کیلاش پربت کی طرف جا رہا تھا۔ لوگوں نے اُسے روشن آسمان پر آفتاب کی طرح چمکتے ہوئے دیکھا۔

اس حیرت خیز واقعہ کے ذریعے دولت حاصل کرنے کے بعد جے انت نے اس سے یہ کام کیا کہ اپنے نام پر ایک اگرہار اور مقدس عمارتیں بنوائیں۔ اس طرح پر یہ بہترین راجہ دنیا کی شاہی بھوگ کر اپنی جسمانی حالت میں ہی شو لوک کو چلا گیا۔ پرورایش کے مندر میں اس مقام پر جہاں راجہ نے سدھی حاصل کی تھی

ہے۔ دیکھو کتھا سار باب ۳، شلوک ۵۔

۱۷۱ اس جگہ جو قصہ مذکور ہے اسے زیادہ بہتر طریقے پر سمجھنے کے لئے اسی طرز کے اُس قصے کو پڑھنا چاہئے جو نیشور اور ون سوامن کی مورتیوں کے متعلق ترنگ ۳ کے شلوک ۴۵۱ میں آتا ہے۔ پہلے بیانات سے معلوم ہو چکا ہے کہ پرورسین شو کی پرستش کرنے والا ہے اور سب سے پہلے شو پرورلیشور کا لنگ استھاپن کرنا چاہتا ہے لیکن ایک معجزہ سے اس جگہ جو لنگ کے لئے مخصوص رکھی گئی تھی وشنو کی ایک مورتی جے سوامن نمودار

اب تک ایک دروازہ نظر آتا ہے جو جنتی دروازے کا مقابلہ کرتا ہے۔

راجہ یدہشٹر ثانی

یدہشٹر ثانی جو پرورسین کی رتن پربھا نامی رانی کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ نو ماہ کم چالیس سال تک حکمران رہا۔ اس کے وزرا سرورتن بے اور سکند گپت نے وہار۔ چیتیہ اور اور مقدس عمارتیں تعمیر کرا کر اعزاز حاصل کیا۔ اس کا ایک وزیر بے اندر کا بیٹا وجر اندر بھی تھا اُس نے موضع بھو چھید کو چیتیہ اور اور مقدس عمارتیں بنوا کر مشہور کیا۔ اس کے وزرائے خاص میں کمار سین اور بعض اور لوگ تھے جنھوں نے اپنی شہرت کے سفوف صندل کے داغ افق کی دو شیزہ لڑکیوں کے چہروں پر لگائے (جن کی شہرت بہت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی)۔

راجہ نریندر دتیہ (لکھن)

نرایندر آدتیہ جو رانی پدما دتی کے بطن سے پیدا ہوا تھا تخت پر بیٹھا۔ اس کا دوسرا نام لکھن تھا اس نے نریندر سوامن کا مندر تعمیر کرایا۔ وجر اندر کے بیٹے وجر اور کنک جو اپنے نیک افعال کے لئے مشہور تھے اس کے وزیر اور جمال پربھا

ہو جاتی ہے۔ چونکہ مقدس مورتیوں کی پرتشٹا کے متعلق قاعدہ ہے کہ ہر ایک دیوتا کے لئے زمین پر جدا جدا نیتر تیار کئے جاتے ہیں۔ اس لئے وشنو مشوکی جگہ پر بغیر اس کے نیتر کو ہٹائے قابض نہیں ہو سکتا اس کہانی میں پرورسین کی وشنوکی مورتی کا نام اُس کے معمار سے منسوب کیا گیا ہے۔ نیتروں کے متعلق دیکھو وشنو دھرم اتر باب ۳ اور وشنو کی تصاویر میں لفظ سوامن کے استعمال کے لئے دیکھو ترنگ ۳ کا شلوک ۲۶۳۔

بے سوامن کے مندر کا ذکر صرف ایک مرتبہ پھر بے سوامی وہ وچن کے نام سے ترنگ ۵ کے

اس کی رانی تھی۔ سرکاری دستاویزات کی حفاظت کے لئے ایک خاص محکمہ قائم کرنے کے بعد یہ طاقتور راجہ تیرہ سال حکومت کرنے کے بعد دُنیا سے رحلت[۸۱۳] کر گیا۔

راجہ تنجین ثانی

بھائی کی وفات پر راجہ یدہشٹر کا دوسرا لڑکا تنجین کشمیر کے تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ اس نے نراندرادت کے بیٹے شیردول کو منصب وزارت عطا کر کے امورات جزوی وکلی میں مختار کر دیا۔ دونوں چچا بھتیجا باتفاق داد عدل وانصاف دینے لگے مگر یہ حالت زیادہ عرصہ تک نہ رہ سکی اور حاسدوں اور خوشامدیوں نے ان میں نفاق کا بیج بوکر انہیں ایک دوسرے کا مخالف بنا دیا۔ آخر باہمی کدورت نے مخاصمت کی صورت اختیار کی اور جنگ وجدل برپا ہو گیا شیردول مارا گیا اور کچھ عرصہ کے لئے آتش فتنہ بھی فرو ہو گئی۔ اس حادثہ کے وقت وزیر کا بیٹا سرب سین جو سات برس کا بچہ تھا خوف زدہ ہو کر ملک کشمیر سے بھاگ گیا۔ کچھ عرصہ اِدھر اُدھر رہ کر راجہ نگرکوٹ کے ہاں پناہ گزیں ہوا۔ اس کی بیکسی اور حق تلفی سے متاثر ہو کر راجہ موصوف بڑی تواضع سے پیش آیا اور خاصوں کے زمرہ میں داخل کر کے اس نے

شلوک ۴۸۴ میں آتا ہے اور اس کی مقامیت معلوم نہیں۔

پرورپش کے مندر کی مقامیت کی نسبت اغلب خیال یہ ہے کہ وہ سرینگر کے مرکز میں ہرپربت کے جنوب اور جامع مسجد کے درمیان اس مقام پر واقع تھی جہاں آجکل بہاؤالدین صاحب کی زیارت واقع ہے۔ اس زیارت کے گرد جو پرانا قبرستان ہے اس کی دیواروں اور مقبروں میں بہت سے قدیم آثار موجود ہیں۔

اس قبرستان کے جنوب مغربی گوشے پر بہت بڑی بلندی اور چوڑائی کا ایک قدیم

اس آوارہ دشت کے سر پر اپنی دامادی کا سہرہ باندھ دیا جس سے اس کے دلی رنج والم کے زخموں کی کسی قدر مرہم پٹی بھی ہوگئی۔ اور سر چھپانے کی جگہ بھی نکل آئی۔ جب ہوش سنبھالا تو اپنے باپ کے انتقام کا خیال پیدا ہوا۔ اِدھر اُدھر سے کچھ فوج جمع کر کے راجہ جموں سے بھی اس نے کافی کمک حاصل کر لی اور کشمیر پر چڑھ آیا۔ ادھر سے راجہ تونجین بھی فوج لے کر اس کے مقابلہ کو نکلا اور کوہستان بانہال میں معرکہ جدال وقتال کا ہنگامہ برپا ہوگیا۔ راجہ کشمیر معرکہ کارزار میں مارا گیا اور سرب سین مظفر و منصور داخل کشمیر ہو کر سلطنت پر متسلط ہوگیا۔ راجہ تونجین ثانی کی حکومت ۳۴ برس تک رہی۔

راجہ سرب سین

بقول جس کی لاٹھی اس کی بھینس راجہ سرب سین ۲۵۷ء میں دادا کی بیخ کنی کر کے تخت حکومت پر قابض ہوگیا۔ مخالفوں اور سرکشوں کا قلع قمع کر کے اس نے عدل و انصاف کے دروازے کھول دیئے۔ گرد و نواح کے جو علاقہ جات سابقہ حکمرانوں کے عہد میں ناچاقی اور ابتری کے باعث ہاتھ سے نکل گئے تھے۔ یہ راجہ پھر اپنے قبضۂ اقتدار میں لے آیا۔ یہاں سے فراغت پا کر اس نے دو مرتبہ ہندوستان پر

دروازہ ہے جس میں بڑی بڑی جسامت کے پتھر کے ٹکڑے لگے ہوئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی چھت بہت مدت گذری گر چکی ہے۔ برہمنوں کا خیال ہے کہ یہ دروازہ پردرسین کے مندر کا ایک حصہ تھا۔ اور اسی مقام سے راجہ شولوک کو گیا تھا۔

۲۷ گنیش یعنی ونائیک کی پوجا آجتک بھیم سوامی گنیش کے نام سے اس چٹان کی جو ہر پربت کے جنوبی سرے کے دامن میں اکبر کے قلعے کے باچھ دروازہ کے قرب واقع ہے ہوتی ہے۔ پوجاریوں نے اس پتھر کی مورتی پر سرخ رنگ کی اتنی موٹی تہ جلدی

یلغار کی۔ تمام سرکشوں اور خیرہ سروں کا تدارک کر کے اس نے راجۂ قنوج سے رابطہ استحاد جوڑا اور اس کی لڑکی سے شادی کر کے کشمیر کو لوٹ آیا۔ یہاں پہنچ کر اس نے چشمہ بجارناگ پر مندر بھوبی شورہ آباد کیا آخر ۴۸ سال تک طبل حکومت بجا کر اس نے عالم بقا کا راستہ لیا۔

راجہ گندھرپ سین

اب راجہ گندھرپ سین خلافت پدہ کا مالک بنا۔ یہ راجہ بڑے درجے کا عیاش اور لاپرواہ تھا۔ اس کی غفلت اور غرور سے مضافات بعیدہ مثل پنجاب وغیرہ بھی ہاتھ سے نکل گئے اور کشمیر میں بھی بدامنی اور ابتری پھیل گئی۔ ایک مرتبہ سیاحت ہند کے لئے گیا تو وہاں سے ایک قوال ہمراہ لایا۔ اس گویا کی نسبت مشہور ہے کہ اس کے لحن داؤدی سے جانور متاثر ہو کر بیہوش ہو جاتے تھے۔ اُس نے راجہ کے دل پر ایسا اثر کیا کہ دن رات اسی کی صحبت میں مجلس ساز و سرود اور عیش و طرب گرم رکھتا امورات ملکی اور مہام سلطنت کے پرداخت سے ایسا غافل ہو گیا کہ بھولے سے کبھی نام بھی نہ لیتا۔ گویا اس کی سلطنت کا دائرہ اس کی مجلس رقص و سرود کی چار دیواری میں محیط تھا۔ یہ حالت دیکھ کر راجہ تونجین ثانی کا پوتا لچھمن جو

ہے کہ معلوم نہیں ہو سکتا اس کی صورت ہاتھی کے سر والے دیوتا گنیش سے کہاں تک مشابہ ہے نہ اس بات کا پتہ چل سکتا ہے کہ اس کا رخ مغرب کی طرف ہے یا مشرق کی طرف۔

سری ور اپنی کتاب جین راج ترنگنی کی ترنگ ۳ کے شلوک ۲۰۷ میں زین العابدین کے ماتحت بھیم سوامی گنیش کے اعزاز میں ایک نئے مندر کی تعمیر کا ذکر کرتا ہے۔ آخر الذکر کی ایک چٹانی مورت کا حوالہ صاحب رام نے بھی اپنی کتاب تیرتھ سنگرہ میں دیا ہے۔ اس کے عین قریب مقدم صاحب کی زیارت واقع ہے جو اس وادی کے مقدس اسلامی

علاوہ وگھین پارہ میں جاگیردار تھا جادہ اعتدال سے منحرف ہوکر اپنی حق تلفی کے تدارک کی طرف متوجہ ہوا۔ اِدھر اُدھر ہاتھ پیر مار کر اس نے کچھ جمعیت بہم پہنچائی اور خفیہ طور پر اپنا انتظام درست کر کے دار السلطنت میں داخل ہوگیا۔ اور محلات شاہی کا محاصرہ کر کے مخالف کی پیش دستی کا منتظر ہوا۔ گندھرپ کے جور و ستم سے رعایا بھی اور فوج بھی بیزار تھی ۔اس موقعہ کو غنیمت جان کر لچھمن سے آملی تاہم سات روز تک مجلس عیش و طرب کے رفیق چنگ و رباب سے مسلح ہوکر مقابلہ پر ڈٹے رہے آخر راجہ کا نشہ ہرن ہونے لگا اور لچھمن کے پاؤں پر گر کر امن و سلامتی کا خواستگار ہوا۔ ہم جلیس تو سب چراغ سحری کی طرح اس کی مجلس سے منہ موڑ گئے لیکن راجہ صاحب کو اپنی رنگینئ طبع کا لطف اُٹھانا پڑا اور آخر ۳۷ سال کی حکمرانی کے بعد بجائے نغمہ و سرود کے سلاسل کی دل خراش صدائیں سننے کے لئے جیل خانہ کی رونق بڑھانے لگے ۔اور لچھمن خاک ادبار جھاڑ کر عروس ملک سے ہم آغوش ہوگیا۔

راجہ لچھمن

راجہ لچھمن نے عنان حکومت ہاتھ میں لے کر پرانے آئین کو رواج دیا جور

مقامات میں سے ایک ہے۔

ﷺ ان دیویوں کے مندروں کے متعلق اس کے علاوہ اور کچھ معلوم نہیں۔

ﷺ یہ امر اغلب معلوم ہوتا ہے کہ بھرت سیتو یعنی بڑا پل کسی خاص پل کا نام ہے۔ بھر نوع ترنگ ۸ کے شلوک ۱۱۷ میں اسے انہیں معنوں میں لیا گیا ہے بدقسمتی سے اس شلوک میں اسباب کا کچھ پتہ نہیں چلتا کہ اس پل کی مقامیت کہاں تھی۔ گو معلوم ہوتا ہے کہ یہ اشکا سوامن (مائے سم) سے تھوڑے فاصلے پر تھا۔ کشتیوں کے پلوں کا ذکر

وستم سے ملک کو صاف کر کے رعیت پروری اور دادگستری میں مشغول ہوا گمھسین
کے عہد میں جو علاقہ جات سرکش ہو گئے تھے اس کے عہد میں پھر مطیع و منقاد ہو
گئے جس نے ہوا نئے دوسری کو نہ چھوڑا حب وپکاسے راہ راست پر لایا گیا اسی
اثنا میں راجہ سوکرم پال والئے ملتان نے بغاوت کا جھنڈا کھڑا کیا راجہ لچھمن اسکی
گوشمالی کے لئے عازم ملتان ہوا۔ جب صوبہ پنجاب میں پہنچا تو ایک درخت کے
نیچے آرام کرنے کے لئے ٹھیرا اور سُرخ رومال منہ پر اوڑھ کر سوگیا۔ اتفاقاً ایک
چیل کی نگاہ اس رومال پر پڑی تو اُسے گوشت کا ٹکڑا خیال کر کے اس ظالم جانور
نے ایک ایسا جھپٹا مارا کہ بیچارے راجہ کی دونوں آنکھیں نکال کر لے گئی۔ اس
حادثہ سے لچھمن سخت بیتاب ہوگیا۔ یہاں تک کہ تین دن تک اس درد ناک حالت
میں مبتلا رہ کر ۳۳ سال ۶ ماہ کی فرمانروائی کے بعد غریب الوطن راجہ رخت سفر باندھ
کر منزل مقصود کو رحلت کر گیا۔

راجہ شورک

لچھمن کی وفات پر اس کا بھتیجا شورک جو ہمراہ لشکر تھا تاج شاہی سب سر
کر کے ملتان پہنچا۔ معمولی کارزار کے بعد سوکرم پال قلعہ میں محصور ہو یا مد خشورک

کلہن نے برس کے زمانہ میں کیا ہے دیکھو ترنگ ، شلوک ۱۵۴۹ دوسری ... کی مین راج
ترنگنی ترنگ ۴ شلوک ۱۹۶۔

یہ ایک عجیب بات ہے کہ دریائے وتستا پر بنے ہوئے بہت سے ... پلوں
میں سے جن پر صدیہ سیاحان کشمیر کی توجہ مبذول ہوئی ہے۔ زین کدل سے پہلے کے کسی
پل کا پتہ نہیں چلتا۔ اور یہ سری نگر کے اُن سات پلوں میں سے ایک ہے جنہیں ... پندھویں
صدی میں زین العابدین نے بنوایا تھا۔ دیکھو سری ور کی راج ترنگنی ترنگ اول شلوک ...

نے ایک مہینہ تک محاصرہ کر کے قلعہ توڑ ڈالا جس سے راجہ ملتان نے مغلوب ہو کر خراج دینا منظور کر لیا۔ راجہ شورک نے بھی معاملات کشمیر کو مدنظر رکھ کر صلح کر لی اور ملک اس کے حوالہ کر کے بہ تعجیل تمام کشمیر کو لوٹ آیا۔ بھیم کا بیٹا بھر دت ابھی نابالغ ہی تھا اس لئے یہاں بھی اس کی تخت نشینی میں کوئی مانع نہ ہوا۔ اور راجہ شورک باستقلال تمام بلا وسوسہ حکومت ملک پر قابض ہو گیا۔ اور عدل و انصاف سے حکمرانی کی داد دینے لگا۔ نظم و نسق مملکت سے اس نے تمام اندرونی سرکشوں اور فتنہ پردازوں کو حلقہ بگوش بنائے رکھا۔ لیکن حکومت کے آخری دور میں راجہ داروستان باغی ہو گیا۔ حدود کامراج میں داخل ہو کر اس نے تاخت و تاراج مچا دی۔ جب شورک نے سنا تو فوج لے کر اس کی مدافعت پر آمادہ ہوا۔ چند ایک لڑائیوں کے بعد راجہ داروستان شکست کھا کر واپس بھاگا۔ لیکن کوہستان شمالی میں پہنچکر اس نے پھر مورچے گاڑ دیئے۔ شورک نے اس کا تعقب کیا۔ لیکن بدقسمتی سے ایک درہ میں پھنس گیا۔ قوم دارو نے اسکی فوج کے چاروں طرف پہاڑوں پر مورچے گاڑ دیئے۔ رسد رسانی کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور کشمیری فوج ایسی نرغے میں آ گئی کہ جان بچانا مشکل ہو گیا۔ اسی اثنا میں قوم دارو نے پہاڑوں سے پتھر پھینکنے شروع کئے۔ بیچارے کشمیری اس بے بسی کی

۷۹۔ کیا اس سے یہ سمجھ لیا جائے کہ ہندوؤں کے زمانہ کے انجنیر جو پتھر کی عمارتوں کی تعمیر میں بہت بڑی قابلیت کا اظہار کرتے تھے اپنے مسلمان جانشینوں کی نسبت جو لکڑی کے کام میں خاص مہارت رکھتے تھے پلوں کی تعمیر میں کچھ کم ماہر تھے دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۷۰۰ کا نوٹ ۸۵۔ ہیون سانگ کی سوانح عمری کے صفحہ ۶۹ پر ذکر آتا ہے۔ جب میں دارالخلافہ میں پہنچا تو جی۔ پی ان تولو یا جے اندر کے دہار میں ٹھہرا تھا۔ اس دہار کے سب سے بڑے پوجاری نے مجھے شاستروں کی تعلیم دی اور اس ملک میں میرے دو سالہ قیام کا کثر

حالت میں مرنے لگے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن ساری فوج تلف ہو گئی شورک گرفتار ہو کر قلعہ پٹن واقعہ درد ستان میں محبوس ہو گیا۔ اسی اثنا میں جب یہ خبر کشمیر پہنچی تو راجہ لچھمن کا بیٹا بجرادت ٹڈی دل لشکر لے کر درد ستان پر حملہ آور ہوا۔ بھوکے بھیڑیے کی طرح قتل و غارت کا ہنگامہ برپا کرتا قلعہ پٹن پر پہنچ گیا لیکن اہل قلعہ نے کمال سنگدلی راجہ شورک کا سر کاٹ کر فصیل سے باہر پھینک دیا جس نے بجرادت کی آتش غضب کو تیل کا کام دیا یک بارگی حملہ آور ہو کر اس نے قلعہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ سرغنوں اور سرکشوں کو کما حقہ سزا دے کر مظفر و منصور کشمیر لوٹ آیا۔ راجہ شورک نے ۱۵ سال تک عدل و داد سے حکمرانی کی۔

راجہ بجرادت

بجرادت قلعہ پٹن فتح کرنے کے بعد راجہ شورک کے لڑکے بیبے اندر کو معزول کر کے آپ تخت حکومت پر بیٹھ گیا۔ بیبے اندر نے اپنے خیر خواہوں کو جمع کر کے علم بغاوت کھڑا کر دیا اور علاقہ مراج پر قابض ہو گیا۔ بجرادت بھی اپنی افواج آراستہ کر کے مقابلہ کو نکلا قریب ایک سال تک یہ شورش برپا رہی بالآخر بیبے

حصہ بیبی ابسرہوا۔ اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ مگر ... بون سانگ ٹھرا دی ہے جو اندر ونار بھی جس کا ذکر راج ترنگنی میں آتا ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر ... جی بھی ظاہر کرتے ہیں ... امر غلط معلوم ہوتا ہے کہ بیبے اندر کا استھاپن کیا ہوا بدھ اعظم کا بت ... بدھ سے ستا ... تھا جسے راجہ للتا دت نے تانبے کا بنوا کر پری ہاس پور میں نصب کر دیا تھا دیکھو ترنگ ... شلوک ۲۰۲۔ ترنگ ۷ کے شلوک ... سے معلوم ہوتا ہے کہ راجہ کھیم گپت نے بیبے اندر وہار کو جلا دیا اور بدھ کے بت کو پگھلوا کر اس کی دھات ... کھیم گورشور کے مندر کی تعمیر

ہزاروں جانیں تلف ہوگئیں لیکن نتیجہ کوئی نہ نکلا دونوں کا پلہ برابر ہی رہا۔ آخر کار مصلحان دولت نے درمیان آکر صلح کرادی۔ لیکن بجرادت نے ہے انند کو ملاقات کے موقعہ پر خیمہ میں لیجاکر مار ڈالا۔ جب یہ خبر ہے انند کی فوج کو ہوئی تو وہ جوش میں آکر بجرادت کی سپاہ پر آگری اور خوب گھمسان کی تلوار چلنے لگی۔ اس موقعہ پر طرفین کے دس ہزار سپاہی کھیت رہے آخر بے سر فوج قائم نہ رہ سکی اور میدان چھوڑ کر بھاگ گئی۔ بجرادت مظفر و منصور واپس آگیا۔ اگرچہ ہے انند کے قتل نے اسکے نام پر ایسا دھبہ لگادیا جو قیامت تک نہ ہٹ سکیگا تاہم اس نے فتنہ و فساد سے فرصت پاکر عدل و انصاف کو اپنا شعار بنالیا۔ رعایا پروری اور داد گستری میں چار دانگ عالم میں اسکی دھاک بندھ گئی۔ اپنے گناہوں کی مغفرت حاصل کرنیکے لئے اس نے بہت سے نیک کام بھی کئے۔ کئی مندر طیار کرائے مندر وزیہ ایستری کی مرمت بھی کرائی۔ اس کے عہد میں غلہ اسقدر ارزاں ہوا کہ بحساب چار پیسے فی خروار بکنے لگا۔ آخر دس برس اور آٹھ ماہ کی فرمانروائی کے بعد عازم عالم جاودانی ہوگیا

راجہ رنادتیہ

رینددتیہ کے بعد اُس کا چھوٹا بھائی رنادتیہ راجہ بنا۔ اس کا دوسرا نام

میں صرف کی اس شہر کے ... بدھ کے ایک اور بہت بڑے بت کے وجود کا ذکر راجہ ہرش اور سوسل کے زمانہ میں ترنگ ۷ شلوک ۱۰۹۷-۱ اور ترنگ ۸ شلوک ۱۱۸۴ میں آتا ہے۔ اُس ... ذکر کے لئے جو چودھویں صدی تک قائم رہا۔ دیکھو جونراج کی راج ترنگنی شلوک ۴۴

لکھئے میں خوش نصیب وزیر کے وہار یا مندر کا ذکر جس کی نسبت کلہن کا خیال ہے کہ وہ سلوں پر ... تھا اور کہیں نہیں ہے۔

کنکھ جنگل ... مندروں میں سے کسی ایک کا پتہ بھی نہیں چل سکتا۔ ورہن

ترجمن مشہور تھا۔ اس کا سر جس کی شکل سنکھ کی تھی[شـ۱۷۴] تمام مخلوق کے سروں سے بالکل مختلف تھا اور اس کے اندر اس قسم کی عظمت پائی جاتی تھی گویا سورج چاند کے اندر جذب ہو چکا ہو۔ اس کی تلوار اپنے دشمنوں کی گردنوں پر اُترتی تھی تو ان کی عورتیں خوب آنسو بہا بہا کر روتی تھیں۔ اس کی شان وشوکت کی آگ جو عدیم النظیر تھی جب دشمنوں کے علاقوں میں جا گھُستی تو وہاں کی عورتوں کی آنکھوں سے پانی کی ندیاں بہا دیتی اور ان کے گھروں میں گھاس اُگا دیتی تھی۔ جب وہ اپنی تلوار ہاتھ میں لیتا تو غنیم کی صف میں سوائے بے سر کی لاشوں کے اور کوئی ناچتا نظر نہ آتا تھا۔ اس فوق الفطرت صورت کے راجہ کی رانی ایک نہ ختم ہونے والی طاقت کی دیوی تھی فی الحقیقت وہ وشنو کی سکتی (دلکشی) تھی جو نارمیھ کا نام اختیار کر کے اس زمین پر آئی ہوئی تھی۔

دیوی بھرمرواسنی کی داستان

{ اپنے پہلے جنم میں یہ راجہ ایک جواری (قمار باز) تھا اور اپنی ساری جائداد جوئے میں ہار کر سخت مشکلات میں پھنس گیا تھا۔ ہر چند۔ وہ اپنی جان سے ہاتھ دھونے پر آمادہ تھا تاہم اس نے سوچا" کیا کوئی ایسا طریقہ ہے جس سے میں کچھ نفع حاصل کر سکوں"۔ حقیقت یہ ہے کہ اخیر وقت تک جوئے باز

سوامن کا ذکر دوبارہ ترنگ ۲ کے شلوک ۱۹۱ میں اس حیثیت سے آتا ہے کہ یہ اور بھکشو کی پارک دونوں اس عظیم آگ کی انتہائی حد تھے جس نے بیتال سوتر پاٹ کے مکانات کو تباہ کر دیا تھا۔ دشو کرمن کا ذکر دوبارہ کہیں نہیں آتا۔ البتہ کسی قدر تبدیلی کے ساتھ ترنگ ۸ کے شلوک ۲۳۸ میں اس کا حوالہ دیا ہوا ہے۔

شـ۱۷۵ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ کلہن یہاں پر اُن بے شمار نہروں کا ذکر کرتا ہے جو جھیل ڈل اور انچھار سے نکل کر سرینگر کے نواحات کو قطع کرتی ہوئی شہر کے مرکز تک جا پہنچتی ہیں

نفع کے موقعہ کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے اس نے ارادہ کیا کہ بندھیاچل پربت پر بھرمرواسی[۱۶۶] دیوی کا درشن کیا جائے جو فضول ثابت نہیں ہوگا۔ کیونکہ اُسے اُمید تھی کہ شائد وہ اسے برکت دے۔ اور اس کے علاوہ وہ اپنی جان سے بھی لاپرواہ تھا وہ جانتا تھا کہ جو فانی انسان اُس کے مسکن تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے اس کے لئے پانچ یوجن (۲۰ کوس) کا فاصلہ طے کرنا بہت مشکل ہوتا ہے کیونکہ راستہ میں بڑے بڑے تیز ڈنگوں والی مکھیاں اور اور کیڑے اُسے ستاتے ہیں۔ اس نے عاقبت بینی سے یہ بات سوچ لی کہ ایسے جسم کو جس کا تلف ہونا ضروری ہے۔ اُن کے ہیرے کی طرح سخت ڈنگوں سے محفوظ کرلینا کچھ مشکل نہیں۔ اس نے پہلے اپنے جسم پر زندہ بھینی اس کے اوپر بھینسے کی کھال اوڑھی اور پھر گوبر میں مٹی ملاکر اس کے اوپر لیپ لی۔ جب وہ دھوپ میں مٹی کی ان تہوں کو اپنے جسم پر سے خشک کرچکا تو وہ مضبوط ارادہ کرکے مٹی کے ایک ڈھیلے کی طرح روانہ ہوا۔ آسان راستے کو زیست کی اُمید کے ساتھ پیچھے چھوڑ کر وہ ایک غار میں داخل ہوا جس کی تاریکی نہایت خوفناک تھی۔ دفعتاً اس غار کے اندر سے بے شمار مکھیاں نکل آئیں جن کے پروں کی آواز سے جو ماتمی باجوں سے مشابہ تھی کان بہرے [illegible] جاتے تھے۔ اس نے اپنے اوپر جو مٹی کی تہ جمائی ہوئی تھی اس پر سے گرد کے اڑنے کے باعث مکھینگی

بڑے بڑے بازار اب تک دریا اور نہروں کے کناروں پر بنے ہوئے ہیں اور یہی گھاٹ [illegible] کا کام دیتے ہیں

نوٹ ۱۶۶ یہاں پر مراد بھرمر پربت یا شارکا کی پہاڑی سے ہے جہاں پر کھڑے ہوکر سری نگر کا بڑا پرلطف نظارہ ہو سکتا ہے۔ دیکھو نوٹ ۳۵ کتاب ہذا۔

نوٹ ۱۶۷ پرورش کے مندر میں پرورسین کے جسم سمیت بہشت کی طرف اڑ جانے کی روایت اس صورت میں جس میں کہ اوپر بیان ہوئی ہے پہلے سے بلہن شاعر کو بھی معلوم تھی اپنی

آنکھوں پر یہ اثر پڑا کہ گو وہ پوری طاقت سے اسے زخمی کرنے کی کوشش کرتی تھیں تاہم اس میں کامیاب نہ ہوتی تھیں۔ جن مکھیوں کی آنکھیں گرد سے لدھی ہو جاتی تھیں وہ پیچھے ہٹتی جا رہی تھیں لیکن ان کے تازہ جھنڈ اُڑ کر آتے اور مٹی کی تہ میں سوراخ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ جب وہ اس طرح تین یوجن فاصلہ طے کر چکا تو اُن تند مکھیوں نے اس مٹی کی تہ میں اسقدر سوراخ کر دیئے کہ وہ رفتہ رفتہ بالکل جھڑ گئی۔ اس کے بعد بھینسے کی کھال پر ان کے متواتر ڈنک مارنے سے ایک بڑا بھیانک اور خوفناک شور پیدا ہونے لگا۔ چوتھے یوجن کا نصف حصہ طے کرنے کے بعد اس نے کھڑکھڑاہٹ سے یہ بات معلوم کی کہ مکھیاں دہاتی زرہ پر حملہ آور ہو رہی ہیں۔ اس کے بعد وہ پوری طاقت سے دوڑنے لگا۔ آخر کار اُس زرہ میں بھی مکھیوں نے اس قدر سوراخ کر دیئے کہ وہ بھی گر پڑی لیکن اس کے مستقل ارادے میں بال بھر فرق نہیں آیا۔ جب وہ دیوی کے مندر سے صرف ایک گویتی (دو کوس؟) کے فاصلہ پر رہ گیا تو اپنے بازوؤں سے مکھیوں کو ہٹاتا ہوا دلیری اور استقلال کے ساتھ آگے کو دوڑنے لگا۔ آخر کار جب وہ دیوی کے مندر کے قریب پہنچا تو مکھیوں نے اس کی ساری جلد نوچ لی تھی اور اُس کے پٹھے اور ہڈیاں صاف نظر آ رہے تھے لیکن اپنی

کتاب وکرما نک دیو چرت کے ادھیائے ۱۸ اشلوک ۲۸ میں یہ شاعر بیان کرتا ہے کہ پرورش کے مندر میں اب تک اوپر کی طرف ایک شگاف موجود ہے جو بہشت کے دروازے سے مشابہ ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اسی راستے سے راجہ پرورسین جسم سمیت آسمان کو چڑھ گیا تھا۔ نوٹ ۱۸۹ کتاب ہذا میں یہ بات ظاہر کی جا چکی ہے کہ اسی قسم کی ایک روایت اب تک ایک قدیم شکستہ دروازے کے متعلق مشہور رہے جس کی نسبت اغلب یہ ہے کہ وہ پرورش مندر ہی سے متعلق ہوگا۔ آخر الذکر کے مقام پر اب بہاء الدین صاحب کی زیارت موجود ہے

آنکھوں کو اس نے بازوؤں کے ذریعے محفوظ رکھا ہوا تھا۔ جب مکھیوں کا حملہ بند ہوا۔ اور اُسے روشنی نظر آئی تو وہ دیوی کے قدموں پر گر پڑا اس وقت اس کی جان نکلنے والی ہی تھی۔ اس پر دیوی نے وہ تھوڑی بہت جان جو اس کے اندر باقی تھی بحال کرنے کے لئے اُسے ایک عمدہ جسم دیا اور اُس کے اعضا کو اپنے ہاتھ سے چھوا۔ جونہی دیوی کے امرت بھرے ہاتھ کے چھونے سے اس کی طاقت بحال ہوئی اس نے تمام اطراف میں دیکھنا شروع کیا۔ وہ بھیانک شکل کی دیوی جسے اس نے سنگھاسن کے قریب پہنچ کر دیکھا تھا اب اُسے کہیں نظر نہ آتی تھی۔ البتہ کنول پھولوں والے ایک تالاب کے کنارے بیلوں سے بنی ہوئی ایک محراب کے نیچے کھڑی ہوئی اُسے ایک چنچل۔ کنول نینی دوشیزہ لڑکی نظر آئی۔ اس کے موتیوں کی مالا ایک ارگھیے کی صورت میں تھی۔ شباب نے اُسکے جسم کی پوجا حسن کے بیش بہا پھولوں سے کی تھی اور اُس کے (شباب کے) جوڑے ہوئے ہاتھ اس کی ابھری ہوئی چھاتیوں کی شکل میں نظر آتے تھے۔ اس کے پاؤں بڑے خوشنما طریق پر لاکھی رنگے ہوئے تھے۔ وہ ان کے ذریعے بڑی آہستگی سے چل سکتی تھی۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس کی چھاتیوں میں چھپے ہوئے چہرے کو دیکھنے کے لئے ہر روز بہت کچھ ریاضت کرتے ہیں۔ اُس کا نچلا ہونٹ چمکدار

جو اس کے آثار پر بنائی گئی تھی۔

۱۸۱ سکند گپت نے جو وہار تعمیر کیا تھا اس کا نام یقیناً سکند بھون وہار ہے جس کا ذکر ترنگ ۶ کے شلوک ۱۳۷ میں آتا ہے اس وہار کی مقامیت کے متعلق جہاں اب کھنہ بھون واقع سرینگر موجود ہے اسی شلوک کے نوٹ سے مزید کیفیت معلوم ہو سکتی ہے۔ اوکنگ نے کشمیر میں جس جی۔ جی کے وہار کا ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مطلب بھی کے وہار سے ہے۔

(بھاسوت[۱۴۲]) یعنی بمب پھل کی مانند سرخ تھا۔ اُس کے بال سیاہ (کرشن) تھے۔ اس کا چہرہ چندرمان (سوم) کی طرح تھا۔ اس کی کمر شیر ببیر (ہری) سے مشابہ تھی۔ اور اس کی صورت نازونزاکت دشنو سے معمور تھی اس طرح پر اس کی شخصیت میں تمام دیوتاؤں کا وجود پایا جاتا تھا۔ اپنے آپ کو اس بے عیب صورت کی دوشیزہ لڑکی کے قریب تنہا پاکر جو عین عالم شباب میں تھی اس کے مندر جذبۂ عشق جو پیدائشی اختلافات کی حدود کو تسلیم نہیں کرتا پیدا ہوگیا۔ وہ اس کے حسن گلوسوز پر ایسا وارفتہ ہوا کہ یہ بات اس کو بالکل فراموش ہوگئی کہ میرا اس تک رسائی حاصل کرنا ناممکن ہے۔ فی الحقیقت وہ اُسے اس وقت دیوی نہیں بلکہ ایک اپسرا (حور) معلوم ہوئی۔ اس کی حالت پر رحم کھاکر وہ بولی "تمہیں راستہ میں بہت تکلیف ہوئی ہے اب ذرا آرام کرکے جو کچھ تونے مانگنا ہو مجھ سے طلب کر" یہ الفاظ سُنکر اس نے اس سے اس بات کا وعدہ لے لیا کہ جو کچھ میں کہونگا اُسے ماننا ہوگا۔ اس کے بعد اس نے شرم وحیا کو بالائے طاق رکھ کر ہم صحبت ہونے کی درخواست کی جس پر اس نے جواب دیا "اے مورکھ یہ تیرا کیا غلط خیال ہے مجھ سے کچھ اور مانگ کہ میں بھر مرد انسی ہوں" اُسے دیوی جانتے ہوئے بھی اُس کے من نے پرواہ نہ کی۔ بھلا اُن موہ[illegible]ں کو جو

۱۴۲؎ برنیل کنگھیم صاحب اپنی کتاب لیٹر اندو سیتھین کے صفحات [illegible] ۔ وباب کے صفحہ ۲ پر اس بات کا ذکر کرتے ہیں کہ راجہ تکمن کا نام ایک چاندی کے [illegible] پر صاف طور سے پڑھا جا سکتا ہے۔ کنگھیم صاحب اس سکے کو اس بنا پر کشمیر کے منسوب [illegible] ور دیتے ہیں کہ اس کی شکل وصورت جسامت اور عام طرز ساخت دیوشاہی کھنگل کے عجیب [illegible] وغریب سکوں سے مشابہ ہے۔ آخرالذکر کی نسبت خیال ہے کہ اس سے مراد کھنکھ [illegible] مزید دتیہ اول سے ہے جس کا ذکر راج ترنگنی کی ترنگ اول سلوک ۳۴۷ میں آتا ہے۔ [illegible] دونوں سکوں

سابقہ جنموں سے چلی آتی ہوں کون دبا سکتا ہے؟ اس نے جواب دیا۔ "اے دیوی اگر تم اپنے قول پر صادق رہنا چاہتی ہو تو میری التجا پوری کرو۔ میری خواہش اور کسی چیز کے لئے نہیں ہے۔ کیونکہ خوشبو جو کسی شخص کو اُس کے سابقہ جنم میں ایک بار لگ چکی ہو وہ اخیر وقت تک تلوں کی خوشبو کی طرح دور نہیں ہو سکتی تم خواہ دیوی ہو یا حسین عورت خوفناک ہو یا خوبصورت میں جیسے تمہیں پہلے دیکھ چکا ہوں ویسی ہی تم اب بھی مجھے نظر آتی ہو"۔ جب اس نے یہ الفاظ کہے تو دیوی نے سمجھ لیا کہ اس کا ارادہ بدل نہیں سکتا پس اس نے یہ کہکر اس کی درخواست منظور کر لی "دوسرے جنم میں ایسا ہی ہو گا۔ کیونکہ وہ لوگ جو فانی انسانوں سے تعلق رکھتے ہیں کسی فوق الفطرت عورت کو چھو نہیں سکتے۔ پس اے پکے ارادے والے شخص یہاں سے چلا جا"۔ یہ الفاظ کہکر وہ وہاں سے غائب ہو گئی۔ اس امید پر کہ میں اُس دیوی کے ساتھ نیا جنم حاصل کروں اس نے پریاگ میں مقدس انجیر کے درخت کی شاخ سے لٹک کر اپنی جان دیدی۔

اس کے بعد وہ دنیا پر رانا دتیہ کے جسم میں پیدا ہوا اور وہ دیوی جسے اپنے فانی وجود میں بھی سابقہ جنم کی خبر تھی رنا رمبھہ کی صورت میں نمودار ہوئی اور ایک دن جب چول قوم کا راجہ رتی سین سمندر کی پوجا کرنے گیا تو وہ اسے

اور ان سکوں کی شکل وصورت میں جن پر جبل۔ مہر کل ہرنیہ وغیرہ نام ہیں۔ ایک قریبی مشابہت یہ پائی جاتی ہے کہ اُنکے اوپر ساسانی وضع کی تصویر موجود ہے۔ اس طرح پر کنگھیم کا اس نتیجے پر پہنچنا بالکل بجا ہے کہ یہ تمام سکے قوم ایفتھے لائٹ یا سفید ہن کے حکمرانوں سے متعلق تھے۔ چونکہ آخرالذکر کے علاقہ میں کشمیر بھی شامل تھا اس لئے یہ امر اغلب معلوم ہوتا ہے کہ راج ترنگنی میں لکھن جو نریندر دتیہ کا نام آیا ہے اُس سے مراد وہی لکھن اودے دتیہ ہے جس کا نام سکوں پر مضروب ہے۔ کھنکھل کی طرح اس صورت میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ لکھن کے غیر ملکی نام

اس کے اندر سے موتیوں کی ایک چمکدار لڑی کی صورت میں حاصل ہوئی - وہ اسے گھر لے آیا- اور اس کی پرورش کرتا رہا- بچپن ہی سے اُس کی گفتگو میں دیوتاؤں کا سا لہجہ پایا جاتا تھا- شباب کو پہنچکر وہ بہت ہی حسین ثابت ہوئی راجہ چونکہ اُس کا بیاہ کسی دیوتا سے کرنا چاہتا تھا اس لئے گو دنیا بھر کے حکمرانوں نے اس شادی کی درخواستیں کیں تاہم وہ سب کو انکار ہی کرتا رہا- جب راجہ رنادتیہ کا وزیر شادی کی درخواست لیکر آیا تو وہ اُسے بھی انکار ہی کرنے والا تھا کہ اس لڑکی نے خود اس بر کو بہترین قرار دیا- اس بات کی توضیح کے لئے اس نے اپنی ابتدا کی تمام کیفیت بیان کی جس پر اس کے باپ نے اُسے اپنے ایک دوست یعنی کلوت[۱۸۴] کے راجہ کے ملک میں بھیجدیا-

یہ ملک چونکہ زیادہ فاصلے پر نہیں تھا اس لئے رنادتیہ خوشی خوشی وہاں پہنچا اور اُسے بیاہ کرنے آیا- اور اپنے محل کی پٹ رانی بنایا- چونکہ وہ فانی انسان کی چھوت سے ڈرتی تھی اس لئے باوجود اس کی پٹ رانی ہونے کے بھی اس نے کبھی اُسے نہیں چھوا- بلکہ جادو کے زور سے اُسے دھوکا دیتی رہی- وہ راجہ کے بستر پر اپنی ہم شکل ایک مصنوعی عورت لٹا دیتی تھی اور خود مکھی کی صورت بنکر رات کے وقت باہر نکل جاتی تھی -

کے ساتھ ایک ہندوستانی نام موجود ہے- سٹائن صاحب کا خیال ہے کہ ہمارے پاس جو مصالح موجود ہے اس کی بنا پر ہم اس بارہ میں کچھ تحقیقات نہیں کر سکتے کہ کلہن نے اس ہندوستانی نام میں کیوں تبدیلی پیدا کی- لیکن ساتھ ہی یہ بات بھی عجیب ہے کہ ایفتھے لائٹ فرمانرواؤں کے جن سکوں کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ان کے ہم شکل تانبے کے سکوں میں نریندر کا نام بھی موجود پایا جاتا ہے-

[۱۸۴] کلہن نے اپنی کتاب میں راجہ نریندر دتیہ کے بعد اس کے چھوٹے بھائی

رانیشور اور رن سوامن } راجہ چونکہ شوجی کا بھگت تھا اس لئے اس نے اپنے اور اپنی رانی کے نام پر دو مندر تعمیر کروائے۔ اور معماروں سے دو شولنگ بنوائے۔ جب انہیں استھاپن کرنے کا وقت آیا تو ایک خاص جوتشی نے جو باہر سے آیا ہوا تھا ان دونوں لنگوں کو دیکھکر بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ وہ بڑے یقین کے ساتھ بار بار یہ بات کہہ رہا تھا کہ ان دو پتھر کے بنے ہوئے لنگوں میں سنگریزے اور مینڈک بھرے ہوئے ہیں راجہ حیران تھا کہ اس معاملہ میں کیا کیا جائے انہیں استھاپن کرنے میں جو یہ رکاوٹ حائل تھی وہ اُسے مضطرب کئے دیتی تھی۔ آخر رانی نے جو فوق الفطرت بصیرت رکھتی تھی خود بخود اُسے کہا۔ مہاراج! ایک وقت پاربتی کی شادی پر پرجاپتی (برہما) جو اس موقعہ پر پروہت کا کام کرتا تھا اپنے سامان یگ کے ذخیرے میں سے اپنی دیوتائی مورتی پوجا کی غرض سے لے آیا۔ شوجی نے جس وقت دیکھا کہ یہ مورتی جس کی میں پوجا کر رہا ہوں وشنو کی ہے تو اس نے اسے بالکل فضول خیال کیا۔ کیونکہ اس میں شوجی کے بغیر صرف شکتی ہی[۱۹] شکتی موجود تھی۔ اس پر شوجی نے ان جواہرات کو جنہیں دیوتا اور اُسر بطور شادی کے تحفوں کے لیکر آئے تھے یک جا کر کے خود وہ لنگ تیار کیا جو سارے

رنادتیہ کا تخت نشین ہونا بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ اسی راجہ کا دوسرا نام تنجن تھا۔ لیکن منشی محمد الدین صاحب نے رتناگر کے حوالہ سے اپنی تاریخ میں نریندر دتیہ کے بعد چھ اور راجوں کے حالات درج کئے ہیں۔ اس سلسلہ کا ساتواں راجہ رنادتیہ تھا جو نریندر دتیہ کی وفات سے ۲۲۲ سال بعد تخت نشین ہوا۔ تنجن نریندر دتیہ کا بھائی تھا مگر رنادتیہ سے بالکل علیحدہ تھا۔ بھائی کی وفات پر یہی گدی کا مالک بنا۔

ان حالات کی عدم واقفیت کے باعث جو کلہن نے رنادتیہ کا عہد حکومت ۳۰۰ سال

عالم میں مشہور ہے۔ وشنو کی مورت اور وہ لنگ جس کی شوجی نے پوجا کی تھی اور جو اس قابل تھا کہ پرجاپتی خود اس کی پرستش کرے ایک زمانہ گزرنے کے بعد یہ دونوں راون کے قبضہ میں آ گئے۔ راون ان کی پوجا کرتا رہا اور یہ عرصہ دراز تک لنکا میں رہے۔ جس کے بعد ہنومان کی فوج انہیں وہاں سے اُٹھا لائی۔ بندر جو ہمالیہ پربت پر رہتے تھے چونکہ بے وقوف جانور ہوتے ہیں اس لئے انہوں نے اپنا استجاب رفع کرنے کے بعد انہیں اترمانس[۱۹۱] جھیل میں پھینک دیا۔ چنانچہ میں نے ہوشیار آدمیوں کے ذریعے ان دونوں کو اس جھیل سے نکلوا لیا ہے اور کل وہ یہاں پہنچ جائینگے۔ ان دونوں کو ان کے بجائے استھاپن کر دینا"۔ یہ کہنے کے بعد رانی اپنے محل میں واپس چلی گئی۔ اور وہاں جا کر اس نے ان دیوتاؤں کو جو ہوا میں رہتے ہیں یاد کیا اس کے یاد کرتے ہی وہ حاضر ہو گئے اور اس کا حکم پا کر انہوں نے دونوں دیوتاؤں یعنی ہری (وشنو) اور ہر (شو) کی مورتیوں کو پانی میں سے نکلوا کر انہیں راجہ کے محل میں رکھوا دیا۔ صبح کے وقت لوگوں نے جب ہر اور نارائن کی مورتیوں کو دیوتائی پھولوں سے ڈھپے ہوئے شاہی محل میں دیکھا تو وہ نہایت حیران ہوئے۔ جب استھاپن کرنے کا وقت آیا تو راجہ نے جو مہیشور کا معتقد تھا

قرار دیا ہے اس کی بھی تصحیح ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ان چھ راجاؤں کے حالات جو کلہن کی تواریخ میں نہیں پائے جاتے۔ تاریخی سلسلہ قائم کرنے کی غرض سے منشی محمد الدین صاحب کی تاریخ سے اخذ کر کے درج کئے گئے ہیں ان راجوں کے نام حسب ذیل ہیں۔

تنجن ثانی۔ سرب سین۔ گندھرپ سین۔ لچھمن۔ شورک اور بکرادتیہ۔

علاوہ ازیں راجہ دینادت کے حالات بھی جو رنادتیہ کے بعد تخت نشین ہوا منشی محمد الدین صاحب کی تواریخ کشمیر سے اخذ کئے گئے ہیں کیونکہ اس راجہ کے حالات بھی

پہلے رن ایشور کے لنگ کو استھاپن کرنے کی تیاری کی مگر نارمبھ کی طاقت کے ذریعے رن سوامن نیتر کو توڑ کر معجزانہ[۱۹۲] طریق پر موجود ہو گیا۔ اس پر رانی نے اس کی طاقت کا امتحان کرنے کے لئے اپنی جائداد اس کے فیصلہ کے سپرد کر دی۔ اور وشنو کی اس خود بخود پیدا شدہ مورت نے اپنے آپ اسبات کا تصفیہ کیا کہ راجہ اور رانی مختلف گاؤں کو کیونکر وقف کریں۔ آجتک بعض لوگوں کے دلوں میں اس واردات کی ایک اور کیفیت موجود ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک پانی دینے والے[۱۹۳] کے بھیس میں برہمن نامی ایک سدھ رہا کرتا تھا۔ رانی نے اُس کی حقیقت حال سے واقف ہو کر اس سے دونوں لنگ استھاپن کروائے جب اس نے دیکھا کہ مجھے شناخت کر لیا گیا ہے تو وہ رن ایشور کا لنگ استھاپن کرنے کے بعد ہوا میں غائب ہو گیا۔ اس نے ایک پوشیدہ طریقے پر رن سوامن کو استھاپن کیا تھا۔ لیکن لوگوں نے یہ بات معلوم کر لی کہ اس نے اپنے آپ کو اوتار کی صورت میں اسے اپنی پیٹھ پر رکھا تھا اس سدھ کے اعزاز میں جو برہمن اور برہمن ودّ (فلاسفر) کی پوری تصویر تھا۔ رانی نے برہمن منڈپ نامی ایک نہایت عالیشان ہال تیار کروایا۔ اسی راجہ اور رانی نے ملان رمبھ سوامن اور رن رمبھ دیو کے مندر اور فقیروں کے لئے ایک

کلہن کی راج ترنگنی میں موجود نہ تھے۔

۱۹۴؁ سنکھ کی شکل کے سر کو خوبصورتی کی علامت سمجھا جاتا ہے اس شلوک میں سنکھ اور چاندی کے درمیان ان کی سفیدی کے لحاظ سے استعارہ قائم کیا گیا ہے۔ سورج کی روشنی چونکہ سرخی مائل ہوتی ہے اس لئے اس کا چاندی کے اندر جذب ہونا اس لحاظ سے دکھایا گیا ہے کہ اس طرح سے اس کی روشنی سفید نمودار ہوتی ہے۔

۱۹۵؁ بھرمرواسنی درگا کی ایک صورت ہے جس کا دوسرا نام وندھیا واسنی بھی

مٹھ پر دیومن[۱۹۳] پہاڑی پر تیار کروایا۔ اس کے علاوہ راجہ نے ایک مکمل ہسپتال بیماروں کی شفا اور اپنی رانی سینا مکھی کو ایک خطرے سے بچانے کے لئے بنوایا۔ اس نے موضع سنگروٹ[۱۹۵] سکا میں مارتنڈ کا ایک مندر بنوایا جو رن پچھ سوامن کے نام سے ہر جگہ مشہور ہوا۔ اس راجہ کی ایک اور رانی امرت پربھا نے رنیش کے داہنے کنارے پر امرت[۱۹۶] ایشور کا مندر بنوایا۔ راجہ میگواہن کی ایک رانی یہنا نامی نے جو وہار تعمیر کروایا تھا اس میں اس راجہ نے بدھ کا ایک خوشنما بت رکھوا دیا۔

رانی رنا رنبھ نے جس پر راجہ مفتون تھا اور اس سے بہت کچھ ہمدردی رکھتا تھا اسے ہٹ کیشور کا منتر بتایا جس سے اسے پاتال لوگ پر اختیارات حاصل ہو گئے۔ اس منتر کو حاصل کرنے کے بعد جو رنا رنبھ نے اسے اس غرض سے سکھایا تھا کہ اس کا میرے ساتھ تعلق قائم کرنا بے سود ثابت نہ ہو۔ راجہ کئی سال تک اس کا جاپ کرتا رہا۔ اول اس نے اشٹکا پتھ[۱۹۷] میں بڑی سخت ریاضت کی پھر وہ نندی شیلا میں چلا گیا اور کئی سالوں کے بعد اپنی کوشش میں کامیاب ہوا۔ انسانی طاقت سے زیادہ طاقت کے نشان دیکھ کر اور اکاش بانی کے ذریعے اپنی کمالیت سے واقف ہو کر وہ چندر بھاگا کے

مشہور ہے۔

[۱۹۴] موتیوں کو چاولوں کے دانوں سے تشبیہ دی گئی ہے جو درگا کی مورتی کے سامنے پوجا کے وقت رکھے جاتے ہیں۔ شباب جو انداز پیدا کرتا ہے اس کی تشبیہ اُن پھولوں سے دی گئی ہے جو پوجا کرنے والا ہاتھ جوڑ کر دیوی کے آگے چڑھاتا ہے۔ اُن چھاتیوں کی تشبیہ جن کو شباب نے ابھارا ہوا ہے شاعر نے پوجا کرنے والے کے بندھے ہوئے ہاتھوں سے دی ہے عورت کی ہلکی چال کو اکثر ہاتھی کی رفتار سے تشبیہ دی

پانی میں سے گزر کر نموچی دیو کی گھپا میں گیا۔ ۱۲ روز تک یہ گھپا کھلی رہی۔ وہ اہل شہر کو اس کے اندر لے جاتا رہا اور اس طرح پر دیت عورتوں کی محبت کا لطف حاصل کرنے کا انہیں پہلی دفعہ موقعہ دیا۔

۳۰۰ سال حکومت کرنے کے بعد جس عرصہ میں وہ پاتال لوک پر بھی حکمران رہا اس نے آخر کار نروان حاصل کر لیا۔ جب راجہ معہ اپنے ہمراہیوں کے دیت عورتوں کے پاس گیا ہوا تھا اس کی رانی جو وشنو کی شکتی تھی سویت دویپ (جزیرہ سفید) کو چلی گئی۔ بے شمار شاہی خاندانوں میں سے صرف دو خاندان اور ان میں سے صرف دو راجہ ایسے ہو گزرے ہیں جنہیں اپنی رعایا کا بہت بڑا خیال تھا ان میں سے ایک تو خاندان گونند کا راجہ رنادتیہ اور دوسرا رگھو کل کا رامچندر تھا جن کی رعایا دوسری دنیا میں بھی ان کی خوشی میں شریک رہی ہے۔

راجہ دینادت

یہ راجہ راجہ رنادت کے ہاں رانی امنارمبھ کے بطن سے پیدا ہوا اور بچپن ہی سے اسے ریاضت وعبادت کا شوق تھا۔ جب گیارہ سال کی عمر کو پہنچا تو

جاتی ہے۔ اور اسے نہایت موزون خیال کیا جاتا ہے جیسا کہ لفظ گج کامنی سے معلوم ہوتا ہے۔

۲۸۱ مختلف مرکب الفاظ جو دیوی کی تعریف کے لئے استعمال کئے گئے ہیں ان میں خوبی یہ ہے کہ دیوتاؤں کے نام بھی آجاتے ہیں۔ جیسے بھاسوت، کے ایک معنے سب پھل کے اور دوسرے سورج دیوتا کے ہیں۔ کرشن کے ایک معنے سیاہ کے ہیں اور دوسری طرف یہ ایک دیوتا کا نام ہے۔ سوم کے ایک معنے سفید اور دوسرے چندرمان کے

اپنے چچا منگلا دت کے ہمراہ معابد ہندوستان کی زیارت کے لئے روانہ ہوا تمام مشہور مقامات۔ اور تیرتھ ومنادر کے درشن کر کے تین سال کے بعد مراجعت پذیر ہوا لیکن جب کوہستان سوالک میں پہنچا تو اُسے معلوم ہوا کہ ایک فقیر کامل گنپت نام ایک سو سال سے کسی غار میں گوشہ تنہائی اختیار کئے بیٹھا ہے دینا دت کو بھی اس کے درشن کرنے کی خواہش ہوئی لیکن جب اُس فقیر روشنضمیر کی خدمت میں پہنچا تو وہیں کا ہو رہا۔ بیعت اختیار کر کے فقیر کی تعلیم وتربیت کے مطابق ریاضت وعبادت میں مشغول ہو گیا۔ بارہ برس تک اُس نے سوائے دودھ کے کوئی چیز نہ کھائی ہمیشہ برت رکھتا۔ آخر فقیر کے یمن وبرکت اور خدا کی عنایت سے اسے پوری صفائی قلب حاصل ہو گئی۔ تاہم آٹھ برس اور اسی خدا کے پیارے کی خدمت میں رہا۔ جب اس نے توحید باری اور معرفت الٰہی کے تمام عقدے حل کر لئے۔ گنپت نے تسلی وتشفی دے کر رخصت کر دیا اگرچہ اس کی فقیرانہ طبیعت مرشد کامل کی مفارقت کو گوارا نہ کرتی تھی لیکن گرو کے ارشاد کی تعمیل بھی لازمی تھی اس لئے کلیجہ پر پتھر رکھ کر وطن مالوف کو روانہ ہو پڑا۔ کشمیر پہنچکر بھی اس نے سرینگر میں قدم نہ رکھا بلکہ کوہ شنکر اچارج (سلیمان) کی چوٹی پر مندر زشتی شور میں حسب عادت پرستش الٰہی میں مصروف

ہیں۔ ہری کا لفظ ایک طرف شیر ببر کے لئے استعمال ہوتا ہے اور دوسری طرف اس کے معنے اندر کے ہیں۔ ایسے ہی لفظ سو موزونیت کے معنے رکھنے کے علاوہ ایک دیوتا کا بھی مشہور نام ہے۔ دیکھو ہرش چرت صفحہ ۷۹۔

۱۸۸ قوم چول سے مراد باشندگان تنجور سے ہے۔

۱۸۹ کلوت سے مراد کُلو کا پہاڑی علاقہ ہے جو بیاس کی بالائی وادی میں واقعہ ہے۔

ہو گیا۔ ایک سال کے بعد راجہ رنادت تخت حکومت سے کنارہ کش ہو کر غار میں جا بیٹھا تو اعیان ملک نے دینا دت سے تخت نشینی کی التجا کی۔ پہلے تو اس فقیر منش نے قطعی انکار کر دیا۔ لیکن عوام کی خواہش سے مجبور ہو کر اس نے جبراً وقہراً ان کی درخواست اس شرط پر منظور کر لی۔ کہ اس کے عہد میں رعایا بہ ایا اقاصی و ادانی ان شرائط کے پابند رہیں۔

(۱) جھوٹ قطعی کوئی نہ بولے۔

(۲) وعدہ خلافی کوئی نہ کرے۔

(۳) بیگانہ حق نہ کھائے۔

(۴) جانور کشی یا گوشت خوری کا کوئی اقدام نہ کرے۔

ان شرائط کی پابندی کا اطمینان حاصل کر کے دینادت مندر سے باہر نکلا اور تخت نشین ہو کر عدل انصاف رعایا پروری اور دادگستری میں مصروف ہوا۔ پہلے پہل اُس نے بمقام گگری بل اپنے لئے جو سانے کا ایک معبد طیار کرایا یہی اس کا محل سرا اور دولت خانہ تھا اس کے متصل مراج اور کامراج کے محاصل کے لئے دو خزانے علیحدہ علیحدہ تعمیر کرائے اور حکم دیا کہ ہر ایک شخص اپنی آمدنی کا دسواں حصہ خود بخود ان خزانوں میں سوراخوں کے راستہ جو

نوٹ ۱۹۰ دشنو کو شوجی کی شکتی یا طاقت کا مجسمہ خیال کیا جاتا ہے۔

نوٹ ۱۹۱ اترمانس سے مراد دریائے گنگا کے منبع کی وہ مقدس جھیل ہے جو کوہ ہرمکھ کے برفانی پہاڑوں کے مشرق میں نیچے کی طرف واقعہ ہے۔ اور جس کا عام نام گنگ بل مشہور ہے۔ دیکھو نوٹ ۔۔ کتاب ہذا۔ اس جھیل کا یہی نام ہر مکٹ مہاتم میں اور ہر حریت چنتامنی کے ادھیائے ۲ شلوک ۳۸ میں بھی آتا ہے۔ نیز نیل مت پوران کے شلوک ۹۱۰-۹۷۰ و ۱۲۶۳ میں پایا جاتا ہے۔

اس غرض کے لئے پہلے سے بنائے گئے تھے ڈال جایا کرے۔ پہلے راجاؤں کے وقت سے جو عملہ اور سررشتہ اس کام کے لئے مقرر تھا سر بسر موقوف کر دیا۔ تاکہ رعایا پر کسی اہل کار کا دست تعدی دراز نہ ہو سکے۔ پچھلے انتظام سے صرف فوج باقی رہ گئی لیکن اس کا انتظام اس نے اپنے بھائی بکرمادت کے سپرد کر دیا اور جنگی مصارف اور سپاہیوں کی تنخواہ کے لئے خزانہ کامراج کی چابی بھائی کے حوالہ کر دی اور اُسے تاکید کر دی کہ ہر مہینہ کے اختتام پر فوج اور دیگر ملازموں کی تنخواہ زر نقدی دی جایا کرے۔ دوسرے خزانہ کی کُنجی اس کے اپنے ہاتھ میں تھی۔ یہ خزانہ ہر روز شام کے وقت کھولا جاتا تھا جس قدر آمدنی دن میں ہوتی شام کے وقت سب کی سب غربا و مساکین میں تقسیم کر دیتا۔ یہاں تک کہ اپنے مصرف کے لئے بھی کچھ نہ رہنے دیتا۔ اپنے اذوقہ کے لئے اس نے کچھ زمین بہم پہنچا رکھی تھی اسے اپنے ہاتھ سے کاشت کرتا۔ محاصل کا دسواں حصہ بیت المال میں داخل کر کے باقی اپنے مصرف میں لاتا اور بڑی قناعت اور کفایت شعاری سے اسی آمدنی پر سال بھر گذارہ چلاتا۔ راجہ کی وقامیت کا اثر

۱۹۲ اس جگہ جو کہانی بیان کی گئی ہے اس کے متعلق دیکھو نوٹ ۱۷۱ کتاب ہذا کلہن نے جو روایت بیان کی ہے اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ رنیش اور رن سوامن کے مندر شہر سری نگر کے اندر یا اس کے قریب تھے۔ اور ان میں باہم چنداں فاصلہ نہ تھا۔ رنیش کے مندر کا پھر کہیں ذکر نہیں آتا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ رن سوامن کے مندر نے بعد میں خوب شہرت حاصل کی تھی اور اس کے متعلق جو حوالے ملتے ہیں ان میں سے بعض کے ذریعے ہم اس کی مقامیت کا اندازہ بھی لگا سکتے ہیں۔ کلہن نے ترنگ ۵ کے شلوک ۳۶۴ میں ذکر کیا ہے کہ ماگھ کے مہینے میں چکر ورمن کی رانی اس مندر کی زیارت کے لئے گئی حالانکہ اسی مہینے میں وادی کے اندر زیادہ برف پڑتی ہے۔ اور یہ مہینہ سیر و سیاحت

لوگوں کے دل پر کچھ ایسا بیٹھ گیا کہ خود بخود ماس کے احکام کی تعمیل کرنے لگے ہر ایک شخص اپنی پیداوار کا دسواں حصہ فروخت کر کے جو کچھ وصول ہوتا سرکاری خزانہ میں ڈال آتا۔ یہ نفس کش راجہ تمام عمر ایک ہی خرقہ پہنے رہا گوشت اور نمک کے نزدیک تک نہیں گیا۔ مدبرانہ نگاہوں سے معاملات ملکی کے جانچنے سے یہ امر بالکل خلاف عقل معلوم ہوتا ہے کہ ایسے متوکل راجہ کا انتظام دو دن بھی درست رہ سکے مگر نہیں اس راجہ کی حسن نیت نے تمام ملک میں کچھ ایسا رعب پیدا کر دیا کہ ہر ایک شخص بجائے خود خائف تھا کسی کو بے ایمانی یا بد دیانتی کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ واقعی تائید غیبی اسی کا نام ہے۔ آخر کار ۳۴ سال کی حکمرانی کر کے ایک دن حجرہ شاہی سے غائب ہو گیا۔

اس راجہ کی کشف کرامات اور خرق عادات کے بہت سے قصے مشہور ہیں۔ اس کے عہد کی نسبت مورخوں نے لکھا ہے کہ اگر کوئی ادائیگی خراج میں قصور کرتا تو فوراً بلائے ناگہانی میں مبتلا ہو جاتا۔ اگر کوئی حق الناس کھاتا تو غیب سے اُسے سزا مل جاتی۔ اگر کوئی چوری کا اقدام کرتا۔ تو اُس کے ہاتھ خشک

کے لئے بالکل غیر موزوں ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مندر محل سے کہیں قریب ہی واقع ہوگا۔ شری کنٹھ چرت کے ادھیائے ۳ شلوک ۶۸ میں کلہن کا ہم عصر منکھ اپنے والد کے رن سوامن کی پوجا کرنے کا ذکر کرتا ہے اور جون راج اپنی ٹیکا میں بوضاحت آخر الذکر کو سری پرور پور پردھان دیوتا قرار دیتا ہے جونراج اپنی تاریخ کے شلوک ۸۷۲ میں یہ بھی بیان کرتا ہے کہ زین العابدین جین گنگا نامی نہر کو جس پر جین نگری کا نیا شہر تعمیر ہوا تھا رن سوامن تک لے گیا تھا۔ چونکہ جونراج اپنی کتاب کے شلوک ۸۷ میں قابل تعریف صحت کے ساتھ پردیوم نگری اور امریش پور یعنی ہر ہر بت اور امرو ہر کو جین نگری کی انتہائی حدود قائم کرتا ہے اس لئے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نہر وہی ہے جس کا نام

ہو جاتے۔ اس کے عہد میں کسی فردِ بشر کو کوئی مضرت نہ پہنچتی تھی۔ یہاں تک کہ درندے اور حیوان بھی کسی سے مزاحمت نہ کرتے ریاضت الٰہی کے باعث پانی کی سطح پر بآسانی چل سکتا تھا۔ اور جو کچھ اس کی زبان سے نکل جاتا فوراً پورا ہوتا۔ اسی طرح کی بہت سی حکایتیں مشہور ہیں لیکن سیاق تاریخ نویسی سے خارج ہیں۔ اس لئے یہاں درج کرنے کی ضرورت نہیں۔

راجہ بکرمادتیہ

دینادت کے غائب ہونے پر اس کا بھائی بکرمادتیہ زینت بخش تخت شاہی ہوا۔ اس راجہ نے جس کی طاقت ترِوی کرم یعنی وشنو کے برابر تھی۔ شوجی کا مندر بکریشور تعمیر کروایا۔

یہ راجہ جو اندر کا ثانی تھا اپنے وزرا برہمن اور گلن سمیت ۴۲ سال حکمران رہا۔ برہمن نے برہمن مٹھ اور گلن نے جس نے تمام بدکاروں کو نشٹ کیا تھا ایک وہار اپنی بیوی رتناولی کے نام پر تعمیر کروایا۔

اب بچم کل پڑ گیا ہے اور جو دریائے سندھ سے بواسطہ امرو ہر نوشہر اور سنگین دروازہ تک پانی لاتی ہے۔ آخر الذکر ہر پربت کے مغرب کی جانب واقع ہے۔ یہ نہر چتوب کی طرف ہوتی ہوئی جامع مسجد کے پاس سے گذر کر قاضی کدل نامی پل کے قریب شہر مار میں جا ملتی ہے۔ سٹائن صاحب لکھتے ہیں کہ اگرچہ بات ثابت ہو سکے کہ بچم کل کا موجودہ انتہائی مقام وہی ہے جو بقول جونراج زین العابدین کے وقت میں تھا تو میں اُس قدیم شکستہ مندر کے کھنڈرات کو جو مار اور بچم کل کے مقام اتصال پر بنے ہوئے ایک کونے میں موجود ہیں رن سوامن کا مندر ہی سمجھنے کے لئے تیار ہوں۔ اس سے کسی حد تک قائم رہنے کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان اسے پیر حاجی محمد صاحب کی زیارت سمجھتے رہے ہیں۔ ایک ہشت

(منشی محمد الدین صاحب اپنی تواریخ میں لکھتے ہیں کہ اس راجہ نے درگاہ کبریا سے دعا مانگی تھی کہ اس کے عہد میں کوئی نہ مرے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آخر ۴۲ سالہ حکومت کے بعد ایک دن اس نے راستہ پر کسی مسافر کی لاش پڑی دیکھی اور اُسی وقت جان بحق تسلیم ہوا جب اس کی لاش جلانے لگے تو اُسے آگ نہ لگی۔ آخر ہر مکھ ولنکا میں جا کر ڈالا۔ لیکن وہاں بھی پانی نے اس کی لاش کو آسمان کی طرف پھینک دیا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ اب تک اس کی لاش آسمان پر اُڑ رہی ہے)۔

راجہ بالادتیہ

جب یہ راجہ حکومت کر چکا تو اس کا چھوٹا بھائی بالا دتیہ جو مخالف حکمرانوں کو اذیت دینے والا تھا تخت نشین ہوا۔ اس کی شان و شوکت اُسکے دشمنوں کی بیویوں کے منہ میں آنسو بھر لاتی تھی اور جس سے انہیں ایسی پیاس لگتی تھی گویا اس نے انہیں کھاری سمندری پانی پلا دیا ہو۔ آجتک مشرقی سمندر

پہلو کوٹھڑی کی دیواروں اور دو دروازوں تک پہنچانے والی سیڑھیوں کے علاوہ قدیم احاطے کی بیرونی دیواریں اور دروازے ابتک کھڑے ہیں۔ کشمیر کے آثار قدیمہ کے متعلق اس عمارت کا ذکر کسی مضمون میں نہیں ہوا۔ اگر زمانہ قدیم میں لچھ کل زیادہ شمال کی جانب اُس شاخ میں جو بہت کدل کے قریب جھیل ڈل میں جاملتی ہے گرتی تھی تو ہم رن سوامن کی تلاش ان قدیم مندروں کے بے شمار کھنڈروں میں کر سکتے ہیں جو سنگین دروازے کے شمالی حصہ میں بادین صاحب کی مسجد کے قریب واقع ہیں۔ پنڈت صاحب رام اپنی کتاب تیرتھ سنگرہ میں مختصر طور پر ذکر کرتے ہیں کہ رن سوامی وشنو ہر پربت کے مغرب کی طرف واقع ہے لیکن اس کے علاوہ اس کی مقامیت کے متعلق کچھ پتہ نہیں چلتا۔

سمندر میں اس کی فتوحات کے نشان کھڑے ہیں۔ جن کی نسبت معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے دشمنوں کے دلوں کے احساس کا اندازہ کرنے کے لئے انہیں قائم کیا تھا۔ اپنی طاقت کے ذریعے بنگال[۱۹۱] کو فتح کر کے اس نے کشمیریوں کی رہائش کے لئے کالمبی نامی ایک شہر آباد کیا۔ مدھوراج واقعہ کشمیر میں اس نے برہمنوں کے لئے بھیدر[۱۹۲] کا اگرہار قائم کیا جو اپنی مالی خوشحالی کے لئے مشہور تھا اس کی رانی بمباتے جس کے ہونٹ بمب پھل کی طرح سرخ تھے ارشغوت[۱۹۳] ساون کے مقام پر شو بجیتشور کا مندر تعمیر کروایا جس کے ذریعے لوگوں کی ارشنا[؟] مصیبت دور ہو گئی۔ اس کے تین وزیروں ککھ۔ سترہن اور مالو نے جو تینوں بھائی تھے علے الترتیب ایک متھ ایک مندر اور ایک بند تعمیر کروایا۔ اس راجہ کی ایک بیٹی اننگ لیکھا نامی تھی جس کا حسن عجوبہ روزگار سمجھا جاتا تھا اور جو بحر عشق پر ماہتاب کی چمک کی مانند تھی۔ ایک راست گو جوتشی نے اس مرگ نینی لڑکی کو اپنے والد کے سامنے دیکھ کر اور اس کی علامات کا اندازہ کر کے صاف لفظوں میں کہا۔

۱۹۳ اصل کتاب میں اس کے لئے لفظ کمبھ داس آیا ہے جس کا سنسکرت لغات میں کہیں پتہ نہیں چلتا۔ لیکن اس کی ظاہری ترکیب کی بنا پر سٹائن صاحب نے اس کا ترجمہ پانی دینے والا کر دیا ہے۔ کوشوں میں اس کی تانیث کمبھ داس کے لئے دلالہ کا جو لفظ دیا گیا ہے وہ بھی اس تشریح میں کسی قسم کی روکاوٹ پیدا نہیں کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ کشمیر میں آجتک برہمنوں کے گھروں میں نیچ ذات کے آدمی اور انکی عورتیں پانی دیتی ہیں۔ آخر الذکر کا چونکہ گھروں میں اکثر آنا جانا ہوتا ہے اس لئے ممکن ہے کہ انہوں نے وہ شہرت حاصل کر لی ہو جس کا ذکر کوشوں میں آتا ہے۔ کمبھ داس کے معنے عام طور پر ایک ادنٰے درجہ کی خادمہ کے لئے جاتے ہیں۔

"تمہارا داماد دنیا کی حکومت حاصل کریگا اور خاندان گونند کی حکومت تمہارے ساتھ ہی ختم ہو جائیگی" اسپر راجہ نے جو نہیں چاہتا تھا کہ شاہی اختیارات میری لڑکی کی اولاد میں منتقل ہونے پائیں قسمت کو انسانی کوشش کے ذریعے شکست دینے کا ارادہ کیا۔ یہ خیال کر کے کہ اگر اس کی شادی کسی ایسے شخص سے کی جائے جس کی رگوں میں شاہی خون نہ ہو تو وہ کشمیر کے تخت پر قابض ہونے نہ پائے گی اس نے اس کی شادی کسی شاہزادے سے نہ کی۔ اور دُرلب وردھن نامی داروغہ اصطبل کو اپنا داماد بنالیا۔ اس میں خوبی صرف اتنی ہی تھی کہ وہ ذرا شکیل تھا مگر راجہ کو یہ معلوم نہ تھا کہ حقیقت میں وہ تخت کی ملکیت کے لئے ہی پیدا ہوا ہے۔ کیونکہ یہ ناگ کارکوٹ کا بیٹا تھا۔ جس نے اس کی ماں سے جب اس نے بعد از فراغت ایام حیض غسل کیا سپرش کیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قسمت جو اپنی مرضی کے مطابق کام کرنا چاہتی ہے اُس شخص کو دولت دیتی ہے جسے دوسرے لوگ جو اپنے آپ کو دانا سمجھتے ہیں پرلے درجہ کا نالائق تصور کرتے ہیں۔ سورج جو غروب ہوتے وقت حسد سے دوسرے سیاروں

حاشیہ ۱۹۲ پردیومن مور دہن سے مراد سری نگر کا ہری پربت یا ہر پربت ہے دیکھو نوٹ عنٰا کتاب ہذا۔ اس کے لئے اکثر موقعوں پر پردیومن پیٹھ۔ پردیومن نگری۔ پردیومن سکھر وغیرہ الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں۔ دیکھو ترنگ ۲ شلوک ۱۶۱۶۔ وکرما نک دیوچرت ادھیائے ۸ شلوک ۵ اجونراج کی راج ترنگنی شلوک ۸۰، ۵۰۵، ۵۸۰۔ سری ورکی جین راج ترنگنی ترنگ اول شلوک ۴۳۱۔ ترنگ ۲ شلوک ۸۸۔ مہا دیو مہاتم ادھیائے ۲ شلوک ۷ شارکا مہاتم وغیرہ۔ آخر الذکر میں اس نام کی کچھ توضیح نہیں کی گئی البتہ سوم دیو نے کتھا سار کے ادھیائے ۳۷ شلوک ۱۰۹ میں ایک کہانی کا حوالہ دیا ہے جس کے ذریعے اس پہاڑی کا تعلق اوشا اور پردیومن کے بیٹے انرودھ کے باہمی عشق سے ہے۔ اس پہاڑی کا مشرقی ڈھلان

کو نظر انداز کر کے اپنی روشنی آگ میں[۲۰۴] جمع کرتا ہے کیونکہ وہ ایک غیر یکساں چیز کو قابل تصور کرتا ہے وہ قسمت کو نہیں سمجھتا۔ اور اس بات کا مستحق ہے کہ اس پر ہنسی اڑائی جائے۔ آگ کو تو جانے دو وہ لمپ بھی جنہیں یہ روشن کرتا ہے اگر قسمت نے چاہے تو دنیا کو سورج کا لطف بھلا سکتے ہیں۔

درلب وردہن نے چونکہ کامیابی حاصل کرنے کا مستقل ارادہ کر رکھا تھا اس لئے اس نے اپنا چال چلن شائستہ بنایا اور ہر شخص کی نظروں میں سمانے لگا۔ کچھ زمانہ گذر جانے پر اُس کے خسر نے درلب وردہن کو جو اپنی ذہانت سے روشنی پھیلا رہا تھا۔ اس کا نام پرگیا دت رکھا اور اُسے کبیر کی سی دولت عطا کی۔ لیکن راجکماری جووالدین کے لاڈو پیار سے بڑی مغرور بن چکی تھی۔ اس کی طرف چنداں ملتفت نہ ہوتی تھی۔ اس کی صحبت میں آزاد عورتیں تھیں۔ شباب کا عالم تھا۔ طبیعت عیش پسند تھی۔ باپ کے گھر بود و باش تھی اور ان سب پر طرہ یہ کہ خاوند حلیم طبع تھا غرض کوئی بات بھی ایسی نہ تھی جو اُس کے چال چلن کو ٹھیک رکھ سکے۔ رفتہ رفتہ اننگ لیکھا کا کھنکھ نامی وزیر سے ناجائز تعلق ہو گیا۔ یہ دونوں چونکہ ہمیشہ ایک دوسرے سے ملتے جلتے رہتے تھے اس لئے

حصہ اور دامن وسیع مکانات سے ڈھپا ہوا ہے۔ جن میں مقدم صاحب اور آخون ملاشاہ کے مشہور اسلامی معابد سے متعلق سرائیں بھی ہیں یہ شائد زمانہ قدیم کی اُن ہندو عمارات کے محل وقوع پر بنی ہوئی ہیں جن میں سے ایک کا اصل کتاب میں مٹھ کی حیثیت سے ذکر آیا ہے۔ یہ امر مشتبہ ہے کہ آیا وہ دو مندر جن کا یہاں ذکر آتا ہے اسی پہاڑی یا کسی اور جگہ واقعہ تھے۔

۱۹۵ سنگھ روت سکا کی مقامیت کا کچھ پتہ نہیں نہ کہیں اس مندر کا ذکر آتا ہے جو وشنو کے نام پر اس کے مارتنڈ یا سورج کی صورت میں بنایا گیا تھا۔ کنگھیم صاحب نے

واقفیت یہاں تک بڑھی کہ کھنکھہ نے اُس کے دل پر قبضہ کر لیا۔ تب اس خفیہ عشق کی خوشیوں میں پڑ کر اس کی شرم وحیا اور بدنامی کا ڈر سب دور ہو گئے اور اس کی دلیری یہاں تک بڑھی کہ شب وروز وہ اسی کے خیال میں محو رہتی تھی وزیر نے انعام واکرام دیکر اور اپنا ذاتی دباؤ ڈال کر نوکروں کو اپنے قبضہ میں کر رکھا تھا اور محل سرا میں جس طرح اُس کا جی چاہتا کر سکتا تھا۔ رفتہ رفتہ دانا دل ودرہن نے اننگ لیکھا کے اندر نفرت کی علامات پاکر یہ بات معلوم کی کہ اس کا اخلاق بالکل تباہ ہو چکا ہے۔ قاعدہ ہے کہ جو عورت اپنا دل ناجائز محبت کی نذر کر چکی ہو وہ بد اخلاقی کی پیدا کی ہوئی تبدیلیاں ظاہر کرنے لگ جاتی ہے۔ وہ اپنی ہم جولیوں میں خفیہ طور پر مسکراتی ہے مگر اپنے شوہر کو دیکھ کر اس کا رنگ بدل جاتا ہے۔ بیٹھے بیٹھے اچانک کھڑی ہو کر مسکراتی ہوئی وہ راستوں کی طرف دیکھنے لگ جاتی ہے اور جب اس کا شوہر ناراض ہو تو وہ اپنی بھوؤں آنکھوں اور ٹھوڑی کی حرکات کے ذریعے نفرت کا اظہار کرتی ہے۔ جب وہ سخت کلامی سے پیش آتا ہے تو مسکرا کر نیچی نگاہ ڈال لیتی ہے۔ وہ اُن لوگوں کی کچھ پرواہ نہیں کرتی۔ جو اُس کے شوہر سے ملنے جلنے والے ہوں۔ البتہ

اس شلوک اور ترنگ ۴ کے شلوک ۱۹۳ کے سمجھنے میں غلطی کھا کر اسباب کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ جس مندر کا یہاں ذکر آتا ہے اُس سے مراد مارتنڈ کے مشہور مندر کی درمیانی عمارت سے ہے۔ اور کہ للتادتیہ نے اس کے باہر کا احاطہ بنوایا تھا۔ دیکھو جرنل اف رائل ایشیاٹک سوسائٹی صفحہ ۲۵۹ لیکن اس خیال کی کچھ تو یونہی تائید نہیں ہوتی اور کچھ فرگوسن صاحب نے انڈین آرکیالوجی کے صفحہ ۲۸۹ پر عام اور عمارتی بنا پر اس کی تردید کر دی ہے۔

۱۹۶ امرت ایشور کے مندر کا جس کا اس شلوک میں ذکر ہے یا بھتا کے دیا کا

اُس کے رقیبوں کی تعریف سے خوش ہوتی ہے۔ جب دیکھتی ہے کہ وہ مجھ سے مل کر خوشی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ تو اپنی سہیلیوں سے گفتگو میں محو ہو جاتی ہے جب وہ بوسہ دیتا ہے تو گردن نیچی ڈال لیتی ہے۔ وہ اس سے بغل گیر ہونا نہیں چاہتی۔ اس سے گلے مل کر اُسے کوئی خوشی حاصل نہیں ہوتی۔ اور جب اس کے بستر پر پڑی ہو تو ایسا ظاہر کرتی ہے گویا وہ سو رہی ہے۔

درلب وردہن جو اپنی بیوی کی خفیہ بد چلنی کے غم میں سوکھ کر کانٹا ہو گیا تھا ایک روز رات کے وقت جب محلسرا میں آیا تو اس نے دیکھا کہ راجکماری اپنے عاشق سے لپٹ کر گھوک سو رہی ہے۔ کیونکہ عیاشی کی تکان سے نیند بہت جلد آ جاتی ہے۔ اُس کے گہرے سانس سے جس میں سے گھبراہٹ ابھی دور نہیں ہوئی تھی اور اس کی اُبھری ہوئی چھاتیوں کی حرکت سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ابھی ابھی فعل ناجائز کر کے فارغ ہوئے ہیں۔ جب اس نے اُسے اس حالت میں دیکھا جسے دیکھ کر ایک اجنبی کو بھی غصہ آتا ممکن تھا اور مشکل تھا کہ اس صورت میں تحمل سے کام لیا جا سکتا۔ اس کے غصے کا شعلہ بھڑک اُٹھا۔ وہ

جس ۵ اس سے اگلے شلوک میں ذکر ہے　　*ٹین صاحب لکھتے ہیں کہ انہیں کچھ پتہ نہیں ہے

ف ۱۹۷ یہ امر یقینی طور پر معلوم نہیں ہو سکا کہ یہاں کن مقامات سے مراد لی گئی ہے۔ نندی شیل اغلباً وہ جگہ ہے جس کا تعلق نندن واقعہ کوہ ہرمکٹ کی روایت میں آتا ہے۔ دیکھو نوٹ [illegible] کتاب ہذا متعلقہ نندی کیشتر۔ نیل مت کے پوران کے ادھیائے ۱۰ شلوک ۱۰۰۰ میں ذکر آتا ہے کہ شیلاد نے نندن کو چٹانوں کے سنگ فصیت تیار کیا تھا۔ اور وہ اُس چٹان پر جو اُس کے نام سے منسوب ہے اپنے سر پر بہت بڑی سلائیں ہوئے ریاضت کرتا رہا تھا۔ بخلاف اس کے یہ امر قابل غور ہے کہ وتستا مہاتم کے ادھیائے ۲۲ شلوک ۳۲ میں نادھیل کے موجودہ گاؤں کا نام نندی شیل دیا گیا ہے۔ یہ موضع نادھیل حمل پرگنہ میں واقع ہے۔ نیل مت پوران

جوش میں آکر اُسے مارنے کو تھا لیکن کچھ سوچ کر وہ رک گیا اور کچھ عرصہ کے غور وخوض کے بعد اس کے غصے کا جوش جو سمندر کی طرح موجزن تھا ٹھنڈا پڑ گیا۔ وہ شخص قابل عزت ہے جو حسد کے زہر سے پیدا شدہ تیز صفراوی مرض (غصہ) پر غالب آسکے۔ یہی شخص نفس امارہ پر قابو رکھنے والوں میں سب پر فوق رکھتا ہے وہ اپنے دل میں سوچنے لگا۔ اُن بد ذات عورتوں پر تف ہے جو اپنے جذبات شہوانی کی غلام بن کر بغیر سوچے سمجھے مردوں کو دوزخ میں کھینچتی ہیں۔ وہ چیز جسے عورت کہتے ہیں خواہش نفسانی کو پورا کرنے کا ایک ذریعہ ہے اور اس لحاظ سے دوسری تمام چیزوں کی طرح ہر شخص اسے استعمال کر سکتا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ نفس امارہ پر قابو رکھنے والے شخص اُنپر ناراض ہوں۔ جو عورت متلون مزاج ہو بھلا اُسے کون روک سکتا ہے۔ یا اگر اُسے روکا بھی جائے تو اس سے کونسی دانائی کی بات حاصل ہو سکتی ہے۔ جذبۂ عشق میں دو شخصوں کا مان (عزت کا خیال) اگر اپنے آپ کو اُن دو کتوں کی لڑائی کی حیثیت میں ظاہر کرے جو ایک ہی چیز پر قابو حاصل کرنے کے درپے ہوں تو بھلا اس سے بڑھ کر اومان

کے شلوک ۱۰۸۱ میں جس مقام کا نام پتھیشور اِشتا آتا ہے اُس سے مراد غالباً اشتکا پتہ ہی سے ہے۔ اور یہ بھی ہماری توجہ کو ہر مکت ہی کی طرف دلاتا ہے۔ اس مقام کے متعلق ایک ٹیکا کار نے ذکر کیا ہے کہ یہ مراد راون کے جدید گاؤں واقعہ لار پرگنہ کا جہاں سے ہر مکت یا ترا کی چڑھائی شروع ہوتی ہے۔ دوسرا نام ہے۔

۱۹۸ الف نموچی دیو کی غار کو جس کا مفصل حال جرنل اف دی اینگلو اورینٹل سوسائٹی بابت سنہ ۱۸۰۹ کے صفحہ ۱۴۳ پر پروفیسر بلوم فیلڈ کے مضمون میں آتا ہے پاتال کا ایک حصہ خیال کیا جاتا ہے۔ چندر بھاگا سے مراد غالباً دریائے چناب سے ہے۔

۱۹۸ ب تاریخ کشمیر مصنفہ منشی محمد الدین صاحب فوق کے ... ہے اس راجہ کا عہد حکومت

(بے عزتی) کیا ہو سکتا ہے۔ سمجھدار شخص کو کیا پڑی ہے کہ وہ آہو چشم عورتوں سے خود غرضانہ عشق رکھیں اور جبکہ خود اپنے جسم کو اپنا ثابت نہیں کیا جا سکتا تو عورت کو کیونکہ اپنی کہا جا سکتا ہے۔ اگر یہ عورت میری نظروں میں موت کی مستحق ہے کیونکہ اس نے میرے اندر اضطراب پیدا کیا ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس منہ بہ عشق کو ہی جو اس اضطراب کے درخت کی جڑھ ہے فناہ نہ کر دیا جائے۔ اور اس جذبہ کے درخت کو جس کی جڑیں سات دوزخوں تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اس وقت تک کیونکر جڑھ سے اکھاڑا جا سکتا ہے جب تک کہ حسد کو جو اس کی پیدائشی زمین ہے تباہ نہ کیا جائے۔ جو شخص حسد کو تباہ کر دے وہ نصف منٹ کے اندر اس عشق کے جذبہ کو بالکل فناہ کر سکتا ہے۔ اس علاج کو جوان لوگوں کے لئے مفید ہے جو بہت جلد جوش میں آجاتے ہیں مدنظر رکھ کر انسان کو پہلے حسد پر غالب آنا چاہئے اس کے بعد یہ جذبہ خود بخود منتشر ہو جاتا ہے"۔

اس طرح پر سوچنے کے بعد اس نے کھنکھ کی پوشاک پر یہ الفاظ لکھ دئے۔ "یاد رکھو کہ گو تم موت کے مستحق تھے لیکن تمہیں قتل نہیں کیا گیا"۔ جب

ساٹھ سال ۳ ماہ ہوتا ہے۔

۱۹۹ ؎ سٹائن صاحب لکھتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں ہو سکا کہ بنگالن سے مراد کس قوم سے لی گئی ہے

۲۰۰ ؎ بھیدے سے مراد غالباً موجودہ موضع بدے سے ہے جو برنگ پرگنہ میں واقع ہے۔ اس گاؤں کے مرکز میں ایک ٹیلہ ہے جس کے متعلق ستمبر ۱۹۰۱ء میں سٹائن صاحب کو بتلایا گیا تھا کہ یہاں ایک قدیم مندر واقعہ تھا۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ یہاں سے تراشی ہوئی سلیں نکال لی گئی ہیں۔ مانگل گنڈ۔ کے پاس کے گاؤں میں جہاں بہت سے برہمن آباد ہیں درگا کی ایک قدیم مورتی کی پوجا بدا دیوی کے نام سے ہوتی ہے۔ مندر اج کے لئے دیکھو

ورلب وردھن بغیر کسی کو نظر آنے کے چپ چاپ وہاں سے نکل گیا تو وزیر کی آنکھیں کھلیں۔ اور اس نے ان الفاظ کو پڑھا۔ اس مہربانی کے صلہ میں جو دراب وردھن نے اس کی جان بخشی کر کے ظاہر کی تھی کھنکھ نے اننگ دیکھا کو تو دیس اپنے دل سے نکال دیا اور اس فکر میں ہوا کہ اس کی مہربانی کا معاوضہ کیونکر ادا کیا جائے۔ جب وہ اس معاوضہ کا کوئی مناسب ذریعہ ڈھونڈ رہا تھا اس کا دل نہایت متفکر ہوا لیکن عشق کے پانچ تیروں کے باعث نہیں! اسکی آنکھوں کی توجہ بے خوابی میں لگی ہوئی تھی لیکن راجکماری میں نہیں!!

انہیں ایام میں بالادتیہ جس نے بہت سے کارہائے نمایاں کئے تھے ۳۶ سال ۸ مہینے حکومت کرنے کے بعد انتقال کر گیا۔ اس کے چونکہ اولاد نرینہ نہ تھی اس لئے خاندان گونند اس کنول پھولوں کے تالاب کی طرح قابل رحم بن گیا جس کے پھولوں کو پہلے تو ہاتھیوں نے کچل ڈالا ہو اور اس کے بعد پانی کے طوفان نے ان کی ڈنڈیوں کو بھی اکھاڑ پھینکا ہو۔ اب وزیر نے اپنے شکریہ کا اظہار کرنے کے لئے کسی طریقے پہ ان مشکلات کو جو وزرائے خاص کی نامنظوری

نوٹ ۱۲۵ کتاب ہذا۔

۲۰۱؎ ایک ٹیکا کار نے اس جگہ کا نام رتوشان لکھا ہے جس سے مراد غالباً رتن کے موجودہ گاؤں سے ہے۔ جو مانچھ ہوم پرگنہ میں واقع ہے پنڈت کاشی رام کو جو ۱۸۹۱ء میں سٹائن صاحب کی طرف سے یہاں گئے تھے کوئی قدیم آثار نظر نہیں آسکے۔

۲۰۲؎ نیل مت پوران کے شلوک ۹۰۱ میں کارکوٹ ناگ کا ذکر کشمیر کے ناگوں کی فہرست کے شروع میں نیل واسکی اور تکشک کے ساتھ آتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مختلف روایات میں ان کی پوجا ہوتی رہی ہے۔ کارکوٹ دانگ کا نام کارکوٹ ناگ ہی سے لیا گیا معلوم ہوتا ہے دیکھو نوٹ ۵ نمبر کتاب ہذا، نوٹ ۸۱۶ کتاب ہذا۔ اسکی نسبت

کے باعث پیدا ہو چکی تھیں دور کیا اور قدیم رواج کے مطابق راجہ کے داماد کو تخت نشین کر دیا۔

جب دُرلب وردھن نے جو ناگ کارکوٹ کا بیٹا تھا اپنے لمبے بازوؤں کے ذریعے جن پر اس کے مکٹ میں جڑے ہوئے چھوٹے موتیوں کی شعاعیں پڑتی تھیں اور اس لحاظ سے وہ سانپوں کے پھنوں کی چوٹیوں سے مشابہ تھے۔ زمین کو سہارا دیا تو ان بے شمار سنہری کنول پھولوں پر جو ایک ہار کی صورت میں اُسے آراستہ کئے ہوئے تھے شیش ناگ کی چمکدار آنکھوں کی نوکوں سے نکلی ہوئی نگاہیں پڑیں اور یہ اپنے رشتہ دار کی محبت میں خوش ہوا۔

اب سرزمین کشمیر کی حکومت راجہ گونند کے خالص خاندان سے نکل کر اس سے بھی خاص کارکوٹ ناگ کی نسل میں آ گئی جس طرح غیر فانیوں کا دریا

اغلب خیال یہ تھا کہ وہ لوہرین کی طرف جانے والے درہ توش میدان کی ایک چھوٹی پہاڑی جھیل میں رہا کرتا تھا۔ چنانچہ اس کا ذکر تیرتھ سنگرہ میں بھی آیا ہے اور اسی لحاظ سے کاکو درکا ٹیلہ مشہور ہے جس پر سے وہ سڑک گذرتی ہے۔

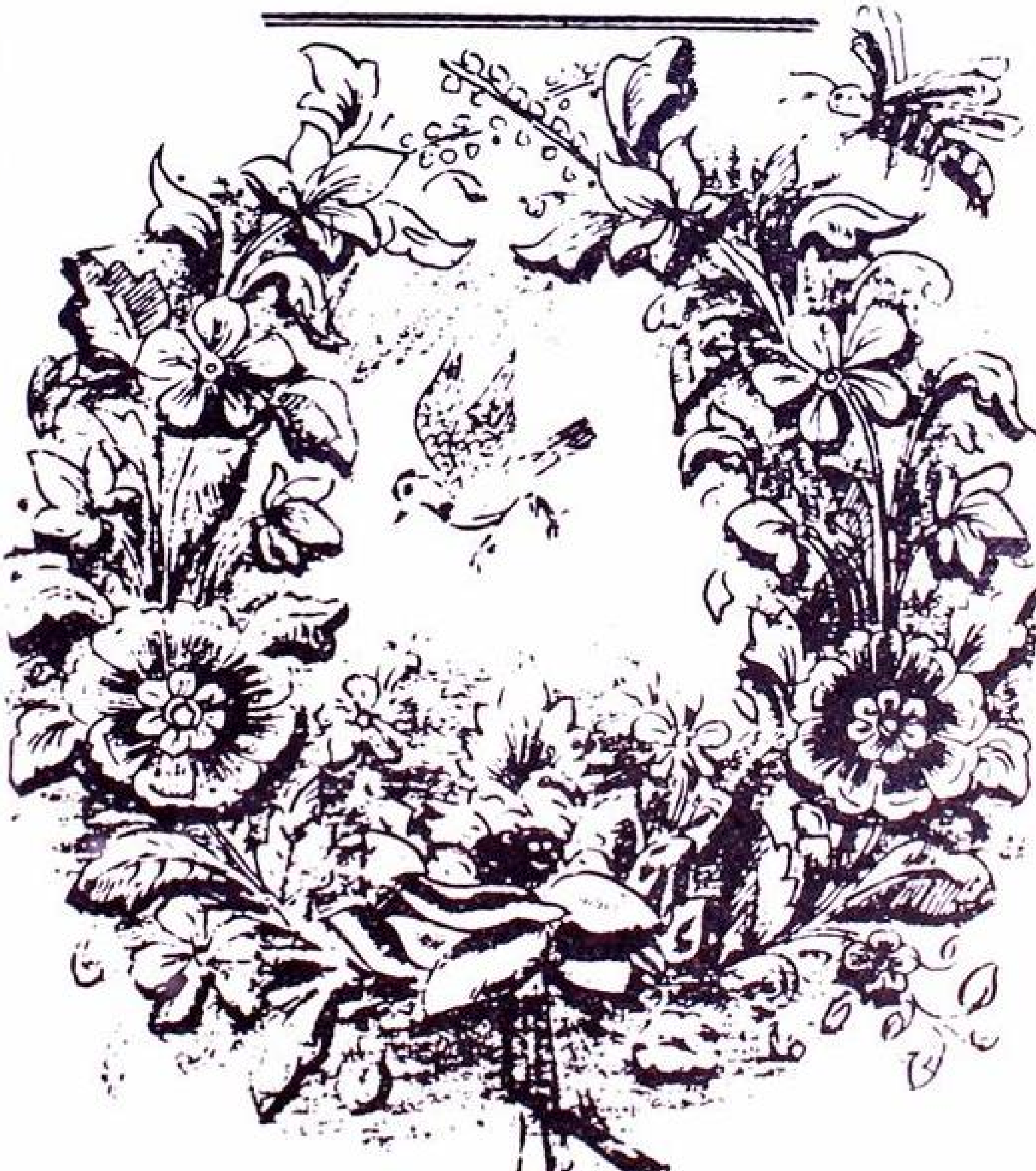
ایک اور کارکوٹ ناگ کا ذکر تیرتھ سنگرہ میں آتا ہے کہ وہ کتھار پرگنہ کے موضع اُترس میں رہتا تھا۔

۳۰۳ سورج کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ غروب ہوتے وقت وہ اپنی روشنی امانتاً آگ کے سپرد کر جاتا ہے۔

۳۰۴ خواہش نفسانی پورا کرنے کے ذریعے کے لئے اصل کتاب میں لفظ اندری ارتھ آیا ہے جس سے مراد وشے سے لی گئی ہے نیائے شاستر میں اس کی پانچ قسمیں ہیں۔ یعنی روپ۔ شبد گندھ۔ رس۔ اور سپرش۔ یہاں پر استری کو چھٹا وشے شمار کیا گیا ہے۔

(گنگا) دیولوک سے جہاں یہ عرصہ دراز تک رہی تھی نکل کر تینوں لوک کے مالک شمبھو (شوجی) کی جٹاؤں میں آ گئی تھی۔

یہاں پر راج ترنگنی مرتبہ کلہن کی جو کشمیر کے مشہور وزیر چمپک کا بیٹا تھا تیسری ترنگ ختم ہوتی ہے۔



مکمل راج ترنگنی

چوتھی ترنگ

اس نا قابلِ تحریک شوجی کا جسم جس سے کوئی علیحدہ زندگی نہیں ہے۔ جو پاربتی کے جسم سے ملا ہوا ہے اور جو مشکلات کی پرواہ نہیں کرتا تمہارے راستہ سے جو اس دنیا میں موجود ہو مصائب کو دور کرے۔ وہ شوجی جس کی جٹا پر سانپ جب کہ وہ اپنے جسم کو پاربتی کے آراستہ بالوں کے گرد جو لٹکتے ہوئے اپنی تاریکی کی شان وشوکت میں ناگن کے جسم سے مشابہ معلوم ہوتے ہیں بیٹھتا ہے تو اپنی مادہ سے بغل گیر معلوم ہوتا ہے۔

راجہ درلبھ وردھن

یہ راجہ جسے ایک ہی خاندان سے زمین (سلطنت اور راجکماری دونوں حاصل ہوئی تھیں مناسب وقت گذرنے پر مال و دولت اور بال بچوں والا بن گیا۔ رانی نے جس کے قصور کو اُس کے شوہر نے چھپائے رکھا تھا اور اس کی بدچلنی کا حال کسی کو معلوم نہ ہوا تھا اننگ بھون وہار تعمیر کروایا۔ راجہ کے ایک بیٹے

بھن نامی نے جس کے متعلق بچپن ہی میں ایک جوتشی نے پیشین گوئی کی تھی کہ اس کی عمر چھوٹی ہوگی وشنو کا ایک مندر بھن سوامن کے نام سے تعمیر کروایا۔ راجہ نے برہمنوں کا اچھی طرح آدر ستکار کرنے کے بعد انہیں موضع چندگرام جو نواحات قلعہ پاری وشوک میں[۲۰۵] واقعہ ہے اور اور مقامات دان دیئے۔ آخر کار سرینگر میں درلب سوامن[۲۰۶] نامی وشنو کا ایک مندر تعمیر کروانے کے بعد اس نے چھتیس[۳۶] سالہ عہد حکومت بسر کر کے انتقال کیا۔

راجہ درلبھک

(پرتاب ادتیہ ثانی)

اس کے بعد رانی اننگ لیکھا کا بیٹا درلبھک اندر کی طرح حکمرانی کرتا رہا۔ چونکہ اس کی ماں نے اسے اس کے نانا کا متبنےٰ قرار دیا تھا اس لئے اس نے اُس خاندان کے طریق کے مطابق پرتاب[۲۰۷] ادتیہ ثانی کا نام اختیار کر لیا۔ اس کے وزیر متوست نے جو اود کا بیٹا تھا اور جس کی خوش قسمتی کو عابد لوگ پسند کرتے تھے اید بد یعنی کوبیر سے دولت حاصل کر کے کئی اگر ہار قائم کئے۔ اس

[۲۰۵] پاری وشوک کا لفظ جو اس جگہ اور ترنگ ۷ کے شلوک ۱۳۰ و ترنگ ۸ کے شلوک ۲۱۹۴ میں ایک چھوٹے سے علاقے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے دراصل اسکے معنے وشوک سے پرے کے ہیں۔ وشوکہ جس کا موجودہ نام وساؤ ہے ایک ندی ہے جو کوثر ناگ (کرم سرس) واقعہ دہستان پیر پنچال سے نکلتی اور پہلے مشرق اور اس کے بعد شمال کی جانب بہ کر وج برور سے نیچے کہبیر سنگم کے مقام پر دریائے وتستا میں جا ملتی ہے۔ دیکھو وگنی صاحب کی کتاب سفرنامہ کشمیر فصل اول صفحہ ۲۹۷۔ نیل مت

جری راجہ نے جس کے پرتاپ (اقبال) کی اس کے دشمن تاب نہ لا سکتے تھے پرتاپ پور[207] کا شہر جو اندر کے شہر کا ثانی تھا آباد کیا۔

اُس کے ملک میں جس میں تمام علاقوں کے مختلف اجناس کے سوداگر آباد تھے علاقہ روہتک[209] نمانون نامی ایک سوداگر رہتا تھا۔ اس نیک مرد نے جو اپنی مذہبی خوبیوں کے لئے مشہور تھا سرزمین روہت کے پیدا شدہ برہمنوں کی رہائش کے لئے نون مٹھ تعمیر کرایا

راجہ کی شادی نریندر پربھا سے ایک دن راجہ نے اس سوداگر کو دوستانہ طریق پر اپنے ایوان شاہی میں مدعو کیا اور دن بھر ایک راجہ کی طرح اس کی خاطر و مدارات میں مشغول رہا جب اگلے روز صبح کے وقت راجہ نے مہربانی کے لہجہ میں اس کی آسائش کا حال پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ چراغوں کے دھوئیں سے مجھے درد سر کی شکایت

پوران میں اس کو دریائے لکشمی خیال کیا گیا ہے دیکھو نیل مت پوران شلوک ۱، ۲۔ اسمیں ایک کہانی اس کے نام تکلیف سے آزاد" کی وجہ تسمیہ کے متعلق بیان کی گئی ہے۔ نیز دیکھو نیل مت پوران ادھیائے ۱۰ شلوک ۲۳۰ - ۲۹۱ - ۱۰۳۱ وغیرہ۔ سری ورکی جین راج ترنگنی شلوک ۲۲۶ و ۲۲۸۔ ہر کر پوران ادھیائے ۴ شلوک ۵۲۔ ادھیائے ۱۲۔ شلوک ۲۰۵۔ اور وتستا مہاتم ادھیائے ۲ شلوک ۱۷۔

اب یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ چندہ گرام اور پرلی شو کوٹ (یری وشوک کا قلعہ) کہاں پر واقع تھے۔ ممکن ہے کہ پاری وشوک ضلع دیوسر کا وہ حصہ ہو جو وساؤندی کے مشرق کی طرف واقع ہے۔

[209]: رلب سوامن کے مندر اور دوسری عمارات جن کا اس راجہ کے عہد حکومت میں ذکر آیا ہے ان سب کی مقامیت کا اب کچھ پتہ نہیں چلتا۔

پیدا ہو گئی ہے۔ اس کے بعد جب سوداگر نے راجہ کی اپنے ہاں دعوت کی اور یہ اس کے مکان پر گیا تو بوقت شب اس نے دیکھا کہ شمع کی بجائے جواہرات سے روشنی کا کام لیا جاتا ہے۔ اس کی فضول خرچی اور دولت کو دیکھ کر راجہ حیران و ششدر رہ گیا۔ اور ایک عزت دار مہمان کی حیثیت میں چند روز اُسکے گھر میں مقیم رہا۔ ایک دفعہ اس نے اس گھر میں سوداگر کی بیوی مشہور و معروف نریندر پربھا کو جس کا جسم نہایت دلفریب اور چہرہ چاند کی مانند تھا دیکھا۔ راجہ کو وہ مجسم عشق کی دعوت نظر آئی۔ اس کی چھاتیاں بھرے ہوئے پیالوں کی مانند تھیں اور اس کی رانیں جادو کا اثر رکھتی تھیں۔ جب اس نے اس بے عیب حسینہ کو جو اپنے مکان کے اندر کھلے طور پر چلتی پھرتی تھی دیکھا تو اُس کا دل ہاتھ سے جاتا رہا۔ ادھر جب اُس کی سہیلیوں نے اس کی توجہ راجہ کی طرف دلائی تو اس نے بھی اپنا چہرہ کسی قدر اس کی طرف پھیر کر اپنی اُن

سری نگر کے بجائے سری نگری کے استعمال کے متعلق دیکھو نوٹ ۲۵ کتاب ہذا۔

۲۰۷ چونکہ بالادتیہ (راننگ لیکھا کا والد) کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی اس لئے اسکی وفات پر اس کی کریاکرم وغیرہ کے فرائض اور اس کا ورثہ روا جاً اس کے بیرہ کے حصے میں آیا۔ دیکھو منوسمرتی ادھیائے ۹ شلوک ۱۳۱۔

ملی ہوئی دھات کے وہ سکے جن پر سری درلب دیو کی روایت مندرج ہے اور جن کا ذکر کننگھیم صاحب نے اپنی کتاب "کائنز آف میڈیول انڈیا" کے صفحہ ۴۳ پر کیا ہے۔ غالباً درلبھک (پرتاب ادتیہ ثانی) کے زمانہ کے نہیں ہیں بلکہ اُس کے والد درلب وردھن کے وقت کے ہیں۔ اول الذکر کا نام سری پرتاب کی صورت میں دو قسم کے تانبے کے سکوں پر پایا جاتا ہے۔ کننگھیم صاحب غلطی سے آخر الذکر کو للتادتیہ سے منسوب کرتے ہیں۔ جس کے متعلق غلط فہمی سے انہیں یقین ہو گیا ہے کہ اس کا نام پرتاب ادتیہ بھی تھا۔

آنکھوں سے جن کے دنبالے اُس کے کانوں تک پھیلے ہوئے تھے۔ اس کی طرف دیکھا۔ معلوم نہیں کہ اس کا باعث کسی پہلے جنم کا رشتۂ محبت تھا یا یہ کام دیو کا اثر تھا کہ ایک ہی نگاہ میں اس نے راجہ کی روح کو اپنی محبت سے معمور کر دیا ہر چند کہ راجہ نے اُسے چھُوا نہ تھا تاہم اُسے محسوس ہوا کہ نریندر پربھا جو خوشی کے آب حیات کا درجہ رکھتی تھی میرے اندر رگ رگ میں پھیلی ہوئی ہے۔ اپنے جسم کو ایک لمحے کے لئے مکان کے ستون کے پیچھے چھپا کر وہ آگے کی طرف چلدی لیکن بار بار مڑ کر راجہ کی طرف دیکھتی جاتی تھی۔ اپنا دل اس حسینہ کو نذر کرنے کے بعد راجہ بادل ناخواستہ اپنے محل کو واپس آیا۔ اس کی آنکھوں سے تفکرات کے آثار نمایاں تھے۔ اس کی آنکھیں تخیل میں اس کی صورت پر محو تھیں۔ اس کا جسم دُبلا ہو گیا۔ اور رنورس کی چاہ اُس کے دل سے دور ہو گئی۔ مگر وہ اس حالت میں بھی سوچتا تھا "مجھے اپنی بدقسمتی پر افسوس آتا

کننگھیم صاحب اس اعتقاد کا اظہار کر چکے ہیں کہ "تو لو پا" نامی ہندوستان کا راجہ جو چینی تاریخ کے مطابق ۶۲۷ء سے ۶۴۹ء تک حکمران رہا تھا اور جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ کی پن (کابل) کے سفیروں کو اس نے اپنے ملک میں واپس بھجوا دیا تھا وہ درلب وردھن ہی تھا۔ اگر بفرض محال یہ خیال کر لیا جائے کہ "تو لو پا" سے مراد درلب ہی ہے تو پھر بھی یہ امر مشتبہ رہتا ہے کہ آیا اس سے مراد درلب وردھن یا اُس کے بیٹے درلبھک سے ہے۔ کلہن نے جو تقسیم سنین قائم کی ہے اُس کے مطابق اس زمانہ میں ان دو نو راجاؤں نے حکومت کی تھی۔

شلوک ۲۰۸ ایک ٹیکا کار نے پرتاب پور سے مراد موجودہ موضع تاپر سے لی ہے جو کہ وہن پرگنہ کا ایک قصبہ ہے اور اُس سڑک پر جو بارہ مولا سے سرینگر کو جاتی ہے واقع ہے۔ اس کی تصدیق ترنگ ۸ کے شلوک ۲۲۰ میں ہوتی ہے جہاں پرتاب پور کے متعلق بیان کیا گیا ہے

ہے کہ میرے من کے باغ میں خرابی کے پھل پیدا کرنے والا وہ زہریلا درخت جسے جذبۂ حیوانی کہتے ہیں پیدا ہو گیا ہے۔ اس عشق نے فہم و عقل کو شکست دیکر قوت فیصلہ اور اور ذہنی قابلیتوں کو جو میرے اندر موجود تھیں دشمنوں کی طرح بھگادیا ہے۔ میرے اندر صحیح چال چلن کی اٹل تبدیلی کیوں پیدا ہوتی ہے حالانکہ ایک راجہ کی حیثیت میں مجھے نیک اور بدنامی سے خائف ہونا ضروری ہے۔ اگر راجہ خود اپنی رعایا کی بیویاں اُڑانے پر آمادہ ہو جائے تو قانون کی خلاف ورزی کے لئے سزا دینے والا کون باقی رہے گا" راجہ اسی سوچ میں پڑا ہوا تھا مگر اُسے نہ تو اپنی نیک نامی کا اور نہ ہی اُس دنبالہ دار آنکھوں والی حسینہ کا خیال فراموش ہو سکتا تھا۔ اُس کی بیماری دن بدن ترقی کرتی گئی اور رفتہ رفتہ قریب المرگ ہو گیا۔

ہوتے ہوتے اس کی علالت کی خبر اس سوداگر کے کانوں تک بھی پہنچی۔ اور

کہ وہ اس سڑک پر واقعہ ہے جس پر سے سوسل سری نگر سے لوہر کو واپس گیا تھا (یعنی وہ سڑک جو بارہ مولا سے ہو کر گذرتی ہے) نیز دیکھو سری ورد کی راج ترنگنی شلوک ۸۲۰ جہاں یہ نام پاس کے پرگنہ بانگل کے سلسلہ میں استعمال ہوا ہے۔

سٹائن صاحب لکھتے ہیں کہ ۱۸۹۲ء میں جب میں تاپر کی سیاحت کر رہا تھا مجھے اُس سڑک کے قریب جو زیارت سید نظام الدین اور و ترباباصاحب کے درمیان واقع ہے دو کھنڈروں کے ٹیلے نظر آئے جہاں منقش ستونوں وغیرہ کے ٹکڑے موجود تھے۔ آخرالذکر زیارت کی دیواروں میں بہت سی زمانہ قدیم کی تراشی ہوئی سلیں لگی ہوئی ہیں۔ جب سے گاڑیوں کی نئی سڑک بننے لگی ہے ان میں سے بہت سے کھنڈر استعمال کر لئے گئے ہیں۔ مقامی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں راجہ تاپ دتیہ (پرتاپ دتیہ) کا بسایا ہوا ایک پرانا شہر آباد تھا۔

جب اس کو اس کا اصلی باعث معلوم ہوا تو وہ خود راجہ کے پاس آیا اور کہنے لگا۔
"اب آپ ایسی حالت میں پہنچ چکے ہیں کہ اس موقعہ پر قانون کی ہرگز پرواہ نہ کرنی چاہیئے۔ جب انسان کی جان پر ہی آ بنی ہو تو اُسے کسی کام کے کرتے میں دریغ کیسا؟ اُن لوگوں کی نسبت بھی جن سے دانا آدمی قانون کے پیچیدہ امور کے متعلق رائے لیتے ہیں مشہور ہے کہ ایسی حالتوں میں انہوں نے بھی پابندی کو بالائے طاق رکھ دیا ہے۔ علاوہ بریں شہرت کی خاطر اپنے جسم کی پرواہ نہ کرنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ مردہ لوگوں کے لئے دور تک پھیلی ہوئی شہرت اکسیر کا کام نہیں دیتی۔ میرا تو آپ خیال نہ کریں کیونکہ آپ کی خاطر جب مجھے اپنی جان تک کی بھی پرواہ نہیں تو پھر ان چیزوں کا ذکر ہی کیا ہے جو محض خواہشات نفسانی کو پورا کرنے کے لئے بنی ہیں۔ اگر اتنا کہنے پر بھی آپ اُسے منظور نہیں کرتے تو میں اسے ایک رقاصہ کی حیثیت میں کسی مندر پر چڑھا

---

۳۹ روہتک یا روہت کا نام شائد وہی ہے جس کا ذکر البرونی نے اپنی کتاب "انڈیا" کے صفحات ۳۰۸ و ۳۱۶ میں اس حیثیت سے کیا ہے کہ یہ ضلع ملتان کے ایک قلعے کا نام ہے۔ جو اب غیر آباد پڑا ہے۔ یہ نام لکھا منڈل کے کتبے میں بھی آتا ہے۔ پروفیسر بوہلر نے ڈاکٹر برگس کے مشورہ سے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ روہتک سے مراد روہتک کے اُس شہر اور ضلع سے ہے جو دہلی کے شمال مغرب کی جانب واقع ہے۔

۴۰ جس لفظ کا ترجمہ سٹائن صاحب نے اپنی کتاب میں بیوی کیا ہے اُس کے معنے بابو جوگیش چندر دت نے اپنے ترجمہ راج ترنگنی میں مدخولہ عورت کے لئے ہیں گو اس لفظ کے آگے خطوط وحدانی میں علامت استفہام دیکر بیوی کا لفظ بھی استعمال کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سنسکرت کا اصلی لفظ دونوں معنوں میں استعمال ہونے والا ہوگا جہاں تک قیاس کام کرتا ہے یہ امر اغلب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر مراد اس سوداگر

دیتا ہوں جہاں سے آپ اُسے حاصل کر سکتے ہیں۔"

جب سوداگر نے اُسے اس طرح تحریک کی اور اُس کے اپنے جذبۂ عشق نے بھی جوش مارا تو اُسے پہلے تو کچھ شرم سی محسوس ہوئی لیکن بعد میں اس نے کسی قدر تامل کے ساتھ اس خوبصورت آنکھوں والی حسینہ کو منظور کر لیا۔

اس رانی (نریندر پربھا) نے اپنے چال چلن کی بے استقلالی کی تلافی اس طرح پر کی کہ نریندریشور کا مشہور مندر تعمیر کروایا۔ اس کے بعد مناسب زمانہ گذرنے پر رعایا کی خوبیوں کے باعث اس رانی کے بطن سے چندر پیڈ نامی ایک بیٹا پیدا ہوا۔ جس طرح کہ زمین خزانہ پیدا کرتی ہے۔ اس لڑکے کی اعلےٰ صفات نے اس کی پیدائش کی بدنامی کو ویسے ہی دور کر دیا جس طرح اس غلاظت کو جو کان سے نکلے ہوئے جواہرات کے ساتھ لگی ہوتی ہے گھس کر دور کیا جا سکتا ہے۔ جس طرح بے حد غلیظ دھوئیں کے بنے ہوئے بادلوں کے جمع ہونے سے

کی کسی مدخولہ عورت سے ہی ہے کیونکہ اگر وہ اس کی شادی شدہ بیوی ہوتی تو وہ اس طرح پر راجہ کے پاس جا کر اس امر کی درخواست نہ کرتا کہ آپ اسے اپنے محل میں داخل کرنا منظور کر لیں۔ سوداگر نے راجہ کے سامنے جو یہ تجویز پیش کی کہ میں اسے مندر میں داخل کرا آتا ہوں اور آپ اسے وہاں سے لے آئیں اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ راجہ کے اُس اعتراض کو رد کیا جا سکے جو وہ رعایا کی کسی عورت پر قبضہ کرنے کے متعلق پیش کرتا تھا۔ بہر نوع واقعات سے یہ بات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی کہ نریندر پربھا اس سوداگر کی بیاہتا بیوی تھی۔

۲۱۱ مکتا پیڈ کے اصلی معنے یہ ہیں "وہ شخص جس کے مکٹ میں موتی موجود ہوں"۔ لیکن اس کے دوسرے معنے یہ بھی ہو سکتے ہیں۔ "وہ جس کا مکٹ اتار لیا جائے" اسی لئے کلہن نے اس راجہ کی عظمت کو مدنظر رکھ کر یہ لکھا ہے کہ اس کا نام اودی مکتا پیڈ ہونا

صاف پانی برستا ہے یا جس طرح کند پتھروں کی چٹان سے بہت تیز لوہا نکلتا ہے، یا جس طرح برف سے چمکدار آگ پیدا ہوتی ہے ایسے ہی ادنےٰ نسلوں سے اکثر اعلیٰ چال چلن کے لوگ پیدا ہوئے ہیں۔

اس کے بعد راجہ کے گھر اسی رانی کے بطن سے دوسرا بیٹا تاراپیڈ اور اس کے بعد مکتا پیڈ جس کا نام اودی مکتا پیڈ[۲۱۱] ہونا چاہیئے تھا پیدا ہوئے۔ پرتاب دتیہ کے ان بیٹوں[۲۱۲] یعنی چندر پیڈ اور باقی دو کے نام وجرادتیہ۔ اودے دیہ اور للتادتیہ بھی مشہور ہیں۔ پچاس سال حکومت کرنے کے بعد راجہ درلبھک اپنے نیک افعال کی سیڑھی کے ذریعے مقدس آسمانی دنیا میں جا پہنچا۔

راجہ چندر پیڈ

اس کے بعد مشہور و معروف چندر پیڈ[۲۱۳] راجاؤں کا سرتاج بنا اور اس کی شہرت

چاہیئے تھا جو نفی کے معنے دیتا ہے یعنی "وہ شخص جس کا مکٹ اتارا نہ جا سکے"۔

۲۱۲؎ ولسن صاحب نے اس شلوک کے غلط معنے سمجھ کر اپنی کتاب ہندو ہسٹری آف کشمیر" کے صفحہ ۴۳ پر لکھا ہے کہ پرتاب ادتیہ کے سات بیٹے تھے اور یہ ایک ایسی غلطی ہے جس کے ٹرائر اور لاسن صاحب بھی مرتکب ہوئے ہیں۔ اس شلوک کے صحیح معنے سب سے پہلے پروفیسر بوہلر نے ظاہر کئے تھے۔

۲۱۳؎ کلیپ راتھ صاحب نے اپنی کتاب "میمائرس ریلے ٹنس ایلا ایشی" کے باب ۲ صفحہ ۲۷۵ پر سب سے پہلے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ راجہ چندر پیڈ ہی کا نام راجہ "چین ٹو لوپی ٹی" تھا جس نے خاندان تنگ کی روایات کے مطابق ۷۱۳ء میں فغفور چین سے عربوں کے خلاف امداد مانگی تھی۔ ان روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ ۷۲۰ء کے قریب فغفور نے "چین ٹو لوپی" کو راجہ کا خطاب دینا منظور کیا تھا۔ اس سے معلوم

کے ذریعے جو چاند کی روشنی کو بھی مغلوب کر چکی تھی کالی تک کو تکلیف پہنچی۔ ایک ہوشیار شاعر کی مانند اُس نے اس قانون کو جسے پہلے راجہ سمسیہ^۲۱۴ کی طرح صرف ایک پد کے ساتھ چھوڑ مرے تھے باقی ماندہ تین پدوں کے ذریعے مکمل کیا۔ جس طرح مختلف موسم بہشت کے باغ کی یکساں خدمت کرتے ہیں ویسے ہی حلم اور بہادری جیسی متضاد خوبیاں یکساں طور پر اس کی خدمت گذار تھیں۔ جس طرح آب پاشی کی نہر ایک باغ کے مختلف درختوں کو یکساں طور پر سینچتی ہے ویسے ہی اس کی دولت سے اس کے تمام متعلقین کو اپنی اپنی جگہ پر یکساں فائدہ پہنچتا تھا۔ جس طرح ایک ندی اپنے بہاؤ کے ساتھ لائے ہوئے تمام غلیظ مادوں کو اُن چٹانوں پر جن پر سے وہ گذرتی ہے چھوڑ جاتی ہے ویسے ہی خوش قسمتی اپنی خرابیاں دوسرے راجاؤں پر چھوڑ کر خالص حالت میں اس تک پہنچتی تھی۔ معاملات سے واقفیت رکھنے کے باعث وہ کوئی ایسا کام نہ کرتا تھا

ہوتا ہے کہ وہ ۶۱۹ء کے قریب زندہ ہوگا بحالیکہ کلہن کی تقسیم سنین کے رو سے اس کا عہد حکومت ۵۸۶ء سے ۵۹۵ء تک بنتا ہے۔ اس طرح پر خاندان کارکوٹ کے نسب نامہ کے متعلق کلہن کے بیان کی صحت پر اصحاب ذیل نے بحث کی ہے۔ کنگھیم صاحب جغرافیہ قدیم صفحہ ۹۱۔ انڈین اینٹی کوئٹی باب ۲ صفحہ ۱۰۷ پروفیسر ایم مولر کتاب "انڈیا" صفحہ ۳۳۲ پندوریگ پنڈت کی کتاب "گودہو" صفحہ ۸۰۔ نیز دیکھو کتاب میمائر کے صفحہ ۱۸۸ پر رینالڈ صاحب کا ریمارک متعلقہ ہندوستان کے شمال مشرقی حالت کے جب کہ عربوں کا پہلا حملہ ہو چکا تھا۔

۲۱۴ سمسیہ سے مراد زبان سنسکرت کی ایک قسم کی کوتا (شاعری) سے ہے جس میں ایک پد یا تو خود تیار کر لیا جاتا ہے یا کسی مشہور شاعر کے کلام سے اخذ کر کے اس پر باقیماندہ پد جوڑے جاتے ہیں۔

جس کا نتیجہ اس کے لئے باعث فکر ثابت ہو لیکن وہ گو قابل تعریف کام سر انجام دینے میں مصروف رہتا تھا تاہم جب اس کی تعریف کی جاتی تو اُسے شرم محسوس ہوتی تھی۔ جس طرح ایک بیش قیمت پتھر ہیرے کو نہیں کاٹ سکتا بلکہ خود اُس سے کٹ جاتا ہے اسی طرح یہ راجہ اپنے وزرا سے مشورہ حاصل نہیں کرتا تھا بلکہ خود انہیں مشورہ دیا کرتا تھا۔ اس اندیشہ سے کہ مجھ سے خلاف قانون کوئی کارروائی نہ ہو جائے وہ اُن موقعوں پر جہاں قانون مشتبہ ہوتا تو اپنا پکش (ضد) چھوڑ دیتا جس طرح گرڈ نے اندر کے اگن بان سے ڈر کر اپنا پکش (پر) چھوڑ دیا تھا۔ جس طرح سورج اپنے روزانہ راستے سے مندھیہا^{۲۱۵} کو دور کرتا ہے ایسے ہی راجہ انصاف کا راستہ قائم کرتا اور بڑے رواجات (مندھیوں کو) دور کرتا جاتا تھا۔ اگر میں اس راجہ کی نیکیوں کے بیان کو ختم کرتا ہوں تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ اس کے اندر ان کے علاوہ اور کوئی قابل ذکر خوبی موجود نہ تھی بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس داستان کا سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے۔

---

۲۱۵ مندھیہ ایک قسم کے راکھشش ہیں جو اودے پربت پر طلوع ہوتے وقت سورج کا راستہ روکتے ہیں۔ چنانچہ اسی بناء پر لوگوں کا خیال ہے کہ سورج نکلنے کے وقت مشرق کی طرف جو سرخی افق پر پھیلی ہوئی نظر آتی ہے وہ انہیں راکھششوں کا خون ہوتا ہے جنہیں قتل کر کے سورج نمودار ہوتا ہے۔

۲۱۶ اصل کتاب میں اس کے لئے لفظ باہیالی آیا ہے جس سے مراد عام طور پر محل کے اُس بیرونی حصے سے لی جاتی ہے جہاں راجہ ادنٰے حیثیت کے لوگوں کو شرف ملاقات بخشتا ہے۔ دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۳۸۵-۳۹۲-۹۲۶-۹۸۶- ترنگ ۸ شلوک ۴۰۴۔ شاہان مغلیہ کے دیوان عام اور دیوان خاص میں بھی کچھ ایسا ہی امتیاز ہوا کرتا تھا۔

چمار کی کہانی } جب اس راجہ نے تری بھون سوامن کے مندر کی تعمیر کا کام شروع کروانے کا ارادہ کیا تو ایک چمار نے اپنی جھونپڑی جو اس مندر کی حدود میں واقع تھی دینے سے انکار کر دیا۔ ہر چند کہ وہ اُن لوگوں سے جن کے سپرد اس نئی عمارت کا کام تھا اپنا مکان دینے کا وعدہ کر چکا تھا تاہم فطرتاً ضدی ہونے کے باعث وہ انہیں پیمائش نہیں کرنے دیتا تھا۔ اس پر وہ راجہ کے پاس گئے اور ساری کیفیت بیان کی جسے سنکر راجہ نے چمار کو نہیں بلکہ انہیں قصوروار ٹھرایا۔ راجہ نے اُن سے کہا "تم لوگوں کو شرم آنی چاہئے کہ نئے مندر کی تعمیر کرنے سے پہلے تمنے چمار سے فیصلہ نہیں کیا عمارت کا کام فوراً بند کردو یا کسی اور جگہ تعمیر شروع کراؤ۔ میں کسی دوسرے شخص کی زمین لیکر ایک مقدس کام پر دھبہ لگانا نہیں چاہتا۔ اگر ہم لوگ ہی جن کا فرض نیکی بدی میں امتیاز کرنا ہے خلاف قانون باتیں کرنے لگیں تو پھر صحیح راستے پر کون چلے گا۔"

جب راجہ یہ الفاظ کہہ چکا تو ایک شخص نے جو اس چمار کی طرف سے

۲۱۷؎ شائن صاحب لکھتے ہیں کہ مجھے اس کہانی کا جسکا یہاں حوالہ دیا گیا ہے کچھ پتہ نہیں مل سکا شاید کالشٹ کے جانشین مرلودہیاں سے دسترتھ یا رام سے نکلتی ہے رراائن میں بھی اس قسم کا کوئی واقعہ موجود نہیں (مترجم)

۲۱۸؎ کشمیر کے چمار جنہیں واتل کہتے ہیں ایک بالکل ادنےٰ طبقے کے لوگ ہیں اور عموماً خانہ بدوشوں کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں۔ اپنی جھونپڑیاں سرکنڈوں کی بناکر وہ اوپر سے بذریعہ کیچڑ لیپ دیتے ہیں اور کھڑکیوں کی بجائے بڑے بڑے مشکوں نلکیوں کے بالائی حصے لگا دیتے ہیں

۲۱۹؎ یہاں پر یہ بشٹر کی اُس کہانی کا حوالہ دیا گیا ہے جو مہابھارت کے ادھیائے ۱۷ اشلوک ۲ میں مذکور ہے

۲۲۰؎ تربھون سوامی کا یہ مندر راجہ اوچل کے وقت میں بھی قائم تھا دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۸۰ مگر اس کی اور نہ پرنا شک دہار کی مقامیت کا کچھ پتہ چلتا ہے۔

آیا تھا اور جسے وزرا کی کونسل نے راجہ کے سامنے پیش کر دیا تھا آگے بڑھ کر کہا۔" وہ چمار خود راجہ سے ملنا چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر میرا آنا دربار عام میں نامناسب ہو تو مجھے دربار کے باہر کسی وقت ملنے کی اجازت دیجئے"

راجہ نے اس سے اگلے روز ملنے کا وعدہ کیا اور جب وہ ملاقات کے لئے آیا تو پوچھا کہ تم ہمارے مقدس کام میں کیوں روکاوٹ پیدا کرتے ہو؟ اگر تمہیں وہ جھونپڑی خوشنما معلوم ہوتی ہے تو تم اُس سے بہتر مکان یا معقول نقد رقم لے سکتے ہو۔ جب راجہ چپ ہوا تو چمار نے جو اس بات کا شائق معلوم ہوتا تھا کہ راجہ کے سفید دانتوں کی کرنوں کے ناپ سے اس کے شریفانہ چال چلن کا اندازہ کرے کہا۔" اے راجہ! اگر میں اپنے دل کی باتیں صاف لفظوں میں بیان کروں تو ایک سچے منصف کی حیثیت میں آپ انہیں تکبر اور نخوت کے ساتھ نہ سنیں۔ میں ایک کتے سے کم درجہ نہیں رکھتا نہ آپ خاندان کاکشٹ[۲۲۱] کے وارثوں سے بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آپ کے درباری ہمارے درمیان اس قسم کی گفتگو ہونے سے گھبراتے ہیں۔ جو شخص وجود میں

[۲۲۱] ایک ٹیکا کار خیال ظاہر کرتا ہے کہ گھمبیر سوامن کا مندر گھمبیر سنگم کے مقام پر واقعہ تھا جس سے مراد وتشٹا مہاتم کے ادھیائے ۸ شلوک ۶۔ وجیشور مہاتم کے شلوک ۱۵۱ اور صاحب رام کے تیرتھ سنگرہ میں اُس تیرتھ سے لی گئی ہے جو دریائے وتشٹا اور وشوکا (وساؤ) کے مقام اتصال پر واقعہ ہے۔ لفظ گھمبیر سنگم کی قدامت کا پتہ اس بات سے چلتا ہے کہ دریائے وشوکا کے نچلے حصے کو جس میں اس مقام اتصال سے تھوڑے فاصلے پر رمبیا (رمنیہ توی) کا پانی ملتا ہے۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۱۰۹۳۔ اور ۱۴۹۷ میں۔ نیز جیدرت کے ہر چرت چنتامنی ادھیائے ۱۔ شلوک ۱۹۲ میں گھمبیر (سندھو) لکھا ہے۔ سٹائن صاحب لکھتے ہیں کہ مجھے گھمبیر سنگم پر سطح زمین سے اوپر کوئی قدیم آثار نظر نہیں آئے۔

آتا ہے اس کا جسم ایک کمزور زرہ سے مشابہ ہوتا ہے۔ جو خود غرضی اور ذاتی گھمنڈ کے دو کیلوں سے بندھا ہوا ہوتا ہے۔ ہر چند کہ میں ایک غریب آدمی ہوں تاہم میرے اندر بھی اس قسم کی ذاتی باخبری موجود ہے جیسی کہ آپ کنگنے۔ موتیوں کی مالائیں اور اور زیورات رکھتے ہوئے اپنے اندر موجود پاتے ہیں جس طرح آپ کا یہ اُستر کاری کیا ہوا محل آپ کو پیارا لگتا ہے ویسی ہی پیاری میرے لئے اپنی جھونپڑی ہے جس کی کھڑکی ایک ٹوٹی ہوئی ہنڈیا کے دہانے سے بنی ہوئی ہے بچپن سے میرے لئے یہ جھونپڑی بمنزلہ ایک ماں کے رہی ہے اور میں نے اپنی خوشحالی اور بدحالی کے دن اس کے روبرو گزارے ہیں اس لئے میں یہ گوارا نہیں کرتا کہ آج اسے گرا دیا جائے۔ جب کسی شخص سے اس کا گھر جبراً چھین لیا جائے تو اُسے جو تکلیف محسوس ہوتی ہے اس کا اندازہ یا تو وہ دیوتا لگا سکتا ہے جسے بہشت سے نکال دیا گیا ہو یا وہ راجہ جس کی سلطنت چھن چکی ہو۔ بایں ہمہ اگر آپ میرے مکان پر آئیں اور شائستہ طریقے پر اس کے لئے درخواست کریں تو مجھے اس کے دے دینے میں کچھ عذر نہ ہوگا۔"

---

۲۲۲ اصل کتاب میں فاقہ کشی کے لئے لفظ پرایوپویش آیا ہے۔ جس کے متعلق لکھا ہے کہ یہ ناانصافی کی حالت میں داد خواہی کا ایک ذریعہ تھا۔ دیکھو جولی صاحب کی کتاب "گرنڈرس ریکٹ انڈسٹ" صفحہ ۱۴۷۔

۲۲۳ ترنگ ۸ کے شلوک ۱۰۱۱ سے یہ بات یقینی طور پر معلوم ہوتی ہے کہ مکنک سوامن سری نگر کے ایک حصے یا اُس کے مضافات میں سے کسی ایک کا نام تھا۔ اس صورت میں سٹائن صاحب خیال کرتے ہیں کہ اس سے مراد مائے سم کا وہ جزیرہ ہے جو سری نگر کے جنوب مشرقی گوشے میں دریائے وتستا اور سونتھ کل یا مہاسرت کی دو شاخوں کے درمیان واقعہ ہے جیسا کہ کتاب ہذا کے نوٹ ۱۰۷ میں مذکور ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مکنک سوامن

یہ جواب سُنکر راجہ اس کی جھونپڑی میں گیا اور وہاں جاکر اس سے قیمتاً خریدلی۔ واقعی جو لوگ خوشی چاہتے ہیں وہ بناوٹی تکبر کی پرواہ نہیں کرتے۔ اس پر وہ چمار ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا۔ "مہاراج! آپ میں ممنون کرنے کا مادہ بدرجہ مناسب اور قانون کے مطابق موجود ہے۔ جس طرح زمانہ قدیم میں دھرم نے ایک کتے کی صورت میں پانڈو پتر کی صداقت آزمائی تھی ویسے ہی آج ایک اچھوت شخص کی حیثیت میں مینے آپ کی صداقت کو آزمایا ہے۔ پرماتما آپ کو سلامت رکھیں۔ اور آپ اپنے پاک اور خالص چال چلن کو جو اس قابل ہے کہ نیک لوگ اس پر بھروسہ رکھیں بدستور ظاہر کرتے رہیں۔"

اس طرح پر ایک بے عیب چال چلن کا ثبوت دیکر راجہ نے وشنو تری بھون سوامن کا مندر تعمیر کرواکر زمین کو پاک کیا۔ اس کی رانی پرکاش دیوی نے جو اس نام کی اس لحاظ سے مستحق تھی کہ اُس کے کام چمکدار آسمان (پرکاش اکاش) کی طرح روشن تھے پرکاشک وہار کی بناڈالی۔ اس کے گورو مہردتیہ نے جو بہت سی شریفانہ نیکیاں رکھتا تھا گھمیر سوامن کا مندر بنوایا۔ اُس کے

کے ابتدائی حصہ ماکشک کی صورت بدل کر پہلے ماہیا اور اس کے بعد مایا ہو گئی ہے۔

اس بات کا ثبوت کہ ماکشک سوامن سے مراد مائے سم ہےکیا ہے اُس جگہ بھی ملتا ہے جہاں ترنگ ۸ کے شلوک ۱۱۷۱ میں اول الذکر کا حوالہ اُس آگ کے متعلق دیا گیا ہے جو کاس تھیلا میں جس کا جدید نام کا تھول ہے لگ اٹھی تھی۔ مخفی نہ رہے کہ کا تھول سرنگر کا وہ حصہ ہے جو مائے سم کے قریب قریب مقابل میں واقع ہے مائے سُم کے جزیرے میں جب یوروپین آبادی نہ تھی شہر کے پہلے پل کے قریب اس کے مغربی انتہائی مقام پر ایک گھنی آبادی کی بستی واقع تھی۔

ماکشک سوامن ناگ کا ذکر نیل مت پوران کے شلوک ۹۵۱ میں بھی آتا ہے۔

کوتوال چلتنگ نے جو بڑے بڑے وزراتک کو برطرف کردینے کی طاقت رکھتا تھا چلتنا سوامن نامی وشنو کا مندر بنوایا۔

ایک جادوگر کی کہانی

ایک موقعہ پر ایک برہمنی نے جو فاقہ[۲۲۴] کشی کررہی تھی اور اس بارے میں قانونی افسروں نے اس سے بازپرس کی تھی اس وقت جبکہ راجہ دربار میں بیٹھا ہوا تھا اُس کے سامنے آکر کہا "افسوس ہے کہ آپ کے عہد حکومت میں جو تمام خرابیوں کو دور کررہے ہیں کسی شخص نے میرے شوہر کو جبکہ وہ امن کے ساتھ سو رہا تھا مار ڈالا ہے۔ واقعی کسی اچھے چال چلن کے راجہ کے لئے یہ شرم کا مقام ہے کہ اس کی رعایا سے کوئی شخص بے وقت مرجائے۔ لیکن اگر آپ جیسے راجہ کلجگ کا پربھاؤ جان کر اس بات (رعایا میں سے کسی کی بے وقت موت) پر چپ بھی ہو رہیں تو ایک ایسے واقعہ (قتل) پر جو اس سے بدرجہا بدتر ہے آپ کیونکر خاموش رہ سکتے ہیں۔ میں نے بہت کچھ غور کیا ہے لیکن مجھے اپنے شوہر کا کوئی دشمن نظر نہیں آتا۔ کیونکہ وہ خود بے عیب

۲۲۴ـ زمانہ قدیم سے کشمیر میں جادو کا رواج چلا آتا ہے۔ اور لوگوں میں اس کے باثر ہونے کا بہت گہرا خیال بیٹھا ہوا ہے حتےٰ کہ اس کا کچھ نہ کچھ اثر آجتک بھی پایا جاتا ہے۔ دیکھو بوہلر صاحب کی رپورٹ صفحہ ۲۴۔ مارکو پولو اہل کشمیر کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے "یہ لوگ جادو کے شیطانی طریقوں سے حیرت انگیز طور پر واقف ہیں حتےٰ کہ وہ اپنی مورتیوں سے گفتگو کروا لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ اپنے جادو کے زور سے موسم میں تبدیلی پیدا کرسکتے ہیں اور اور بہت سی عجیب باتیں اس قسم کی سرانجام دے سکتے ہیں کہ جن پر دیکھے بغیر یقین نہیں آسکتا"۔ دیکھو یول صاحب کی کتاب مارکو پولو فصل اول صفحہ ۱۷۵۔
ایک مہلک جادو یا سحر کے معنوں میں کمار کھود کی اصطلاح دوبارہ ترنگ ۵ کے

تھا۔ اس لئے ہر شخص کی اس کے ساتھ صلح تھی۔ چونکہ وہ کسی کی طرف سے دل میں کینہ نہ رکھتا تھا نخوت سے پاک تھا۔ دوستانہ طریق پر گفتگو کرتا تھا نیکیوں کا شائق اور حرص و ہوا کا دشمن تھا اس لئے کوئی شخص اس سے نفرت نہ کرتا تھا۔ میرا شبھرف ماکِشنک سوامن کے ایک برہمن پر ہے جو جادو جانتا ہے اور جو ہر چند کہ میرے شوہر کا ہم عمر ہے تاہم فضیلت میں ابتدا ہی سے اس سے کمتر درجہ پر رہا ہے۔ وہ کمینے لوگ جنہیں عزت حاصل نہ ہونے کے باعث نیند نہیں آتی اور جو شہرت کے میدان میں مقابلے کے لائق نہیں ہوتے۔ کینے میں آکر اُن لوگوں کی جان معرض خطر میں ڈالتے ہیں جو اپنی ہوشیاری کے باعث مشہور ہوں۔ کوئی شخص اگر وہ فاحشہ کا بیٹا نہ ہو تو بدچلن نہیں ہوتا۔ کوئی شخص اگر مجرم نہ ہو تو اُسے ہمیشہ خوف نہیں لگا رہتا۔ کوئی شخص اگر دروغ گو نہ ہو تو وہ باتونی نہیں ہوتا۔ کوئی شخص اگر وہ محرر (کایستھ) نہ ہو تو ناشکرا نہیں ہوتا۔ کوئی شخص اگر کسی فیاض آدمی کا بیٹا نہ ہو تو مصیبت کی حالت میں نہیں ہوتا۔ کوئی شخص اگر حاسد نہ ہو تو زیادہ افسردہ خاطر نہیں رہتا۔

شلوک ۲۳۹ میں آتی ہے اور اس کے علاوہ وجیشور مہاتم (آدی پوران) کے ادھیائے ۱۱ شلوک ۲۵ میں بھی اس کا ذکر آتا ہے۔

کہار کھوت کی صورت میں اس لفظ کا حوالہ ان۔پی۔ڈبلیو نے چرک کے ادھیائے ۶ شلوک ۲۳ سے دیا ہے۔ ہرچرت چنتامنی کے ادھیائے ۲ شلوک ۱۲۵ میں کرتیا اور بیتال کے علاوہ جادوگر کے لئے کہار کھوت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

کتاب ہذا کے نوٹ ۲۵۵ میں کُہر کھُت کے جس لفظ کا ذکر کیا گیا ہے معلوم نہیں اس کا کہار کھوت سے کچھ تعلق ہے یا نہیں۔

۲۳۵ بقول ایک ٹیکا کار کے برہم ہتیا یعنی برہمن کو جان سے مار ڈالنے کا جرم

کوئی شخص جو زن مرید نہ ہو تو لوگ اس پر تمسخر نہیں اڑاتے۔ کوئی شخص جو بوڑھا نہ ہو اس کی گفتگو حلیمانہ نہیں ہوتی۔ کوئی شخص جو کسی غیر کے نطفہ سے پیدا نہ ہوا ہو اپنے باپ سے نفرت نہیں کرتا۔ کوئی شخص جو جذبۂ عشق میں گرفتار نہ ہو شرم وحیا سے عاری نہیں ہوتا۔ جو شخص ادنیٰ تعلیم حاصل کردہ نہ ہو وہ پکا شریر نہیں ہوتا۔ معاملات کی حقیقی صورت کا خلاصہ یہ ہے۔"

جب برہمن کی بیوی چپ ہوئی تو راجہ نے اُس برہمن کو جس پر اس کا شبہ تھا اپنی حاضری میں طلب کیا۔ اور حکم دیا کہ تم اپنے آپ کو بے جرم ثابت کرو۔ اس پر برہمن کی بیوی پھر بولی "مہاراج یہ شخص اپنے جادو کے علم (کمار رکھشو ودیا)[۲۲۴] کے لئے مشہور ہے اور وہ کسی آزمائش میں بہ آسانی کامیاب ہو سکتا ہے۔ اس پر راجہ کا چہرہ سفید پڑ گیا اور اس نے اس عورت سے کہا "ہم اس شخص کے لئے کیا کر سکتے ہیں جس کا جرم ثابت نہ ہوا ہو سیہ تو برہمن ہے اور اس لحاظ سے اُسے سزائے موت نہیں دی جا سکتی۔ اس کی بجائے اگر کوئی اور شخص بھی ہوتا تو جب تک اس کا جرم ثابت نہ ہوتا اُسے سزا نہ دی جا سکتی تھی"۔ جب

ایک زنانہ بھوت کی صورت میں قاتل کے پیچھے پیچھے لگا رہتا ہے۔ سکند پوران کے کاشی کھنڈ اودھیائے ۱ ول شلوک ۱۳ میں مذکور ہے کہ برہم ہتیا سب سے پہلے شوجی کے پیچھے پیچھے جس نے برہما کا پانچواں سر اڑا دیا تھا نظر آئی تھی۔

۲۲۶ اصل کتاب میں یہ بات واضح نہیں کی گئی کہ برہمن کو اس موقعہ پر کیا سزا دی گئی تھی اور نہ اس بارے میں سٹائن صاحب یا بابو جوگیش چندر دت نے اپنے تراجم میں اس سزا کی کچھ تشریح کی ہے۔ البتہ منشی محمد الدین صاحب فوق نے اپنی کتاب تاریخ کشمیر میں لکھا ہے کہ اس برہمن کو پھانسی کی سزا دی گئی تھی مگر یہ بات اس لحاظ سے ناممکن معلوم ہوتی ہے کہ پھانسی پا چکنے کی صورت میں وہ تارا پیڈ کے ایما پر راجہ کو جادو کے زور سے

راجہ خاموش ہوا تو برہمن کی عورت پھر بولی " مہاراج چار دن ہو گئے میرے حلق میں ایک لقمہ نہیں گیا۔ میں اپنے شوہر کے ساتھ اس لئے ستی نہیں ہوئی کہ میں اس کے قاتل سے انتقام لینا چاہتی تھی۔ چونکہ اس شخص کو سزا نہیں ملی اس لئے میں فاقہ کشی کر کے مرتی ہوں۔"

برہمنی کے اصرار پر چندر پیڈ نے خود تری بھون سوامن کی مورتی کے سامنے بیٹھ کر پرائے اپوش کیا (برت رکھا) اور جب اُسے اِس حالت میں تین راتیں گذر گئیں تو اس دیوتا (وشنو) نے جو ستیہ (گرڑ) کی سواری کرتا ہے اور جو نہ سونے والے دیوتاؤں میں سب سے اعلےٰ ہے اس وقت جبکہ رات ختم ہونے والی تھی مفصلہ ذیل سچے الفاظ خواب کی حالت میں راجہ کے کان میں کہے۔" اے راجہ! کلجگ میں صداقت کے لئے اس قسم کی تلاش مناسب نہیں ہے بھلا رات کے وقت کون سورج کو آسمان پر نمودار کر سکتا ہے۔ لیکن تمہاری روحانی طاقت کی خاطر اب کی مرتبہ ایسا کر دیا جائیگا۔ تم میرے مندر کے صحن میں چاولوں کا آٹا چھڑکوا دو۔ اگر اس مندر کے گرد اُس شخص کے تین بار پرکرمان کرنے (چکر لگانے)

کیونکر مار سکتا تھا؟

ش۲۲۷ برہما کے متعلق خیال ہے کہ وہ کنول پھول سے پیدا ہوا تھا اور اسی پر اسکی نشت ہے چونکہ برہمنوں کو برہما کی اولاد تصور کیا جاتا ہے اس لئے ظاہر ہوتا ہے کہ اس تعلق کے باعث ان میں کنول کی سردی کا اثر منتقل ہو چکا ہے۔

ش۲۲۸ کاک پد کے لغوی معنے کوّے کا پنجہ ہیں اصطلاحی طور پر یہ اُن موقعوں پر استعمال ہوتا ہے جہاں عبارت میں کوئی لفظ رہ جانے کے باعث + اس قسم کا نشان بنا دیا جاتا ہے۔ کلہن نے اس کے لئے لفظ کاوک چھید و استعمال کیا ہے جواب تک کاسیونڈ کی صورت میں مروج ہے۔

کے بعد اُس کے قدموں کے نشانوں کے پیچھے برہم ہتیا[۲۲۵] کے پاؤں کے نشان نظر آئیں تو جان لو کہ وہ قاتل ہے اور مناسب سزا کا مستوجب ہے۔ یہ کارروائی رات کے وقت ہونی چاہیئے کیونکہ دن کے وقت سورج بُرائی کو پرے رکھتا ہے"

جب راجہ نے ایسا کیا تو برہمن کا جرم ثابت ہوگیا اس پر راجہ نے اُسے سزا دی[۲۲۶] مگر اس وجہ سے کہ قاتل ایک برہمن تھا سزائے موت نہ ہوسکتی تھی۔ غرض جب وہ اس دنیا کا اندر قاتل کو سزا کا حکم دے چکا تو برہمنی نے دعائیں دیتے ہوئے یہ کہا۔ "ان تمام راجاؤں میں سے جو آج تک ہوگذرے ہیں صرف کرت ویریج (ارجن) کے بیٹے اور آپ نے خفیہ جرائم کی سزائیں دی ہیں مہاراج! جب تک آپ اس زمین پر حکمران ہیں کوئی شخص اپنی دشمنی یا محبت کے انتہائی مقصد تک پہنچے بغیر نہ مرے گا۔

ہر چند کہ اس راجہ کا عہد حکومت بالکل مختصر تھا تاہم اُس کے دوران میں انصاف کے اس قدر موقع ظہور میں آئے کہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ وہ سب

۲۲۶ للتادتیہ یا کمتاپیڈ کا نام خاندان تنگ کی چینی روایات میں پایا جاتا ہے چنانچہ ان میں مذکور ہے کہ شہنشاہ ہیون سانگ کے عہد میں جو ۷۱۳ء سے ۷۵۵ء تک حکمران رہا۔ چینیوں کی مہم پولیو (بالِستان) کے بعد جو ۷۳۶ء اور ۷۴۷ء کے درمیان سر ہوئی تھی موتوپی راجہ کشمیر کا ایک سفیر دربار چین میں پہنچا۔ اس سفیر کی زبانی راجہ نے درخواست کی تھی کہ تبتیوں کے خلاف مجھے مدد دیجائے اور ایک چینی کمک اس غرض سے روانہ ہو کہ وہ میرے ملک میں جھیل مہاپدم یعنی ولر کے کناروں پر خیمہ زن رہے۔ راجہ نے اس بات کا بھی اطمینان دلایا تھا کہ میں دو لاکھ فوج کا سامان مہیا کر سکوں گا اور کہ وسط ہند کے راجا کی مدد سے مینے تبت کے پانچ راستے بند کر رکھے ہیں۔ ہر چند کہ ان سطور میں راجہ کشمیر

رت یگ سے متعلق ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ کنول پھول کی نشست کے باعث برہمن کی روح میں بیحد سردی داخل ہو گئی ہو گی ورنہ یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ ایسا راجہ جس نے مختلف خلقت کے لوگوں کی خوشی کا سامان مہیا کیا تھا قوس وقزح کی طرح اتنی جلدی نظروں سے غائب ہو جاتا۔ اس راجہ کو اُس کے چھوٹے بھائی تاراپیڈ نے اُس برہمن سے جسے سزایابی کا غصہ تھا جادو (ابھی کار) کروا کر مروا دیا۔ اُن خوشیوں کو بھوگنے کے لئے جو سابقہ برے افعال کے باعث کوئی راحت مہیا نہیں کر سکتیں شریر طبیعت کے لوگ نیکوں کو مار ڈالتے ہیں جس طرح پر اونٹ کے بچے کانٹوں تک پہنچنے کے لئے کیٹک کے درخت (کیکر؟) کو ضائع کر دیتے ہیں۔

اس وقت کے بعد جو شاہزادے اس سلطنت کے تخت کی خواہش رکھتے تھے۔ اپنے بڑے رشتہ داروں کے خلاف جادو اور اور برے اعمال سے کام لینے لگ گئے۔

کس شخص کے اندر یہ معلوم کر کے ایک قسم کا جوش پیدا نہیں ہوتا کہ

کی طاقت کا جو ذکر کیا گیا ہے وہ اصل کتاب کی کیفیت سے مختلف ہے تاہم اس بات میں شک نہیں کہ موتوپی اور بکت پیڈ یہ دونوں نام ایک ہی راجہ کے ہیں۔

چونکہ کشمیر کی سلطنت کی صحیح تاریخ معلوم نہیں ہو سکتی اس لئے ہم ان واقعات کا مقابلہ کلھن کی تقسیم سنین کے مطابق للتادتیہ کے عہد سے (سنہ تا ۷۳۶ء) نہیں کر سکتے۔ ہرے ناڈ صاحب اپنی کتاب میمائر کے صفحہ ۱۸۹ پر بیجا طور پر اس بات کا شبہ ظاہر کرتے ہیں کہ للتادتیہ سے جو عظیم فتوحات منسوب کی جاتی ہیں وہ اس لحاظ سے چنداں ممکن نہیں کہ ہندوستان کے شمال مغربی حصہ میں اُن دنوں عربوں نے حملے کر کے معاملات کی پولٹیکل صورت کو بالکل بدلا ہوا تھا۔

اس مشہور راجہ چندر پیڈ کا آخری معافی کا فعل یہ تھا کہ بوقت نزع جب یہ جادو گر برہمن اس کے سامنے حاضر کیا گیا تو گو وہ اس کے اختیار میں تھا مگر اس نے اس کے قتل کا حکم نہ دیا۔ بلکہ صرف اتنا کہکر چپ ہو رہا "اس غریب کا اس میں کیا قصور ہے جبکہ اسے ایک اور شخص نے اکسایا ہے" یقیناً خالق نے اس راجہ کو کرت یگ کے راجاؤں کی فہرست میں درج کرنا بھول کر اُسے کلجگ کے راجاؤں کی فہرست میں ایک کاک پد کا نشان دیکر داخل کر دیا تھا۔

یہ راجہ آٹھ سال آٹھ مہینے حکومت کر کے بہشت میں داخل ہو گیا اور نیکوں کے دلوں میں ہمیشہ کے لئے اپنی یاد چھوڑ گیا۔

راجہ تاراپیڈ

اس کے بعد ظالم تاراپیڈ جس نے بھائی کے خون کے ساتھ اپنی شان و شوکت کے ذریعے پیدا کئے ہوئے خوف کو ملا دیا تھا اس زمین کا حکمران بنا۔ شاہی طاقت حاصل کرنے کے بعد اس نے اپنے مخالفوں کی شہرت کو جو

البرونی اپنی کتاب انڈیا کے باب ۲ صفحہ ۱۷۶ پر شائد للتا پیڈ کی نسبت ہی یہ ذکر کرتا ہے کہ کشمیر کے راجہ مُتّی کے ترکوں پر فتح یاب ہونے کی خوشی اہل کشمیر چیتر کی دوسری تاریخ کو ایک تیوہار کی صورت میں منایا کرتے تھے۔ یہ مورخ لکھتا ہے "بیان کیا جاتا ہے کہ راجہ ساری دنیا پر حکمران تھا لیکن یہی بات اکثر راجاؤں کی نسبت بیان کی گئی ہے۔ مگر بے احتیاطی سے اس راجہ کے ساتھ جو زمانہ منسوب کیا گیا ہے۔ وہ ہم سے بہت پہلے کا نہیں اس لئے ان کی غلطی صاف طور پر معلوم ہو جاتی ہے"۔ پروفیسر بوہلر کا خیال ہے کہ متی سے مراد یہاں للتا پیڈ سے لی گئی ہے۔

سٹائن صاحب لکھتے ہیں کہ یہ نے اپنی کتاب "نوٹس اون اوکنگ" کے صفحہ ۵ پر یہ بات

بھرے ہوئے پیالوں سے مشابہ تھی بالکل دور کردیا اور بے سر کی لاشوں کو نچوایا اس برے کام کرنے والے راجہ کی شان نے ہر جگہ سمشان کی روشنی کی طرح بدنامی پھیلا دی اور یہ سوچ کر کہ برہمن اپنے سحر کے زور سے دیوتاؤں کی طاقت سے کام لیتے ہیں اس نے دیوتاؤں سے متنفر ہوکر برہمنوں کو سزائیں دینی شروع کیں۔ وہ اس زمین پر صرف چھ دن کم چار سال ایک ماہ حکمران رہا جس عرصہ میں اس کے سابقہ جنموں کی خوبیوں سے اس کی دغابازی کے وہ کام جو اس نے اپنے بڑے بھائی کے خلاف کئے تھے بڑھ گئے۔

برہمنوں نے خفیہ جادو کے زور سے اس کی زندگی کا خاتمہ کردیا۔ اور اُسے بھی اپنے بھائی کی سی موت نصیب ہوئی۔ گو وہ اس کے پیچھے بہشت کو نہیں گیا۔ جو شخص دوسروں کو تکلیف پہنچانے کے لئے سازش کرتا ہے وہ یقیناً خود بھی اُسی سازش سے مرتا ہے۔ وہ دھواں جو آگ آنکھوں کو اندھا کرنے کے لئے پیدا کرتی ہے بادل بن کر اپنے پانی کے ذریعے پھر اُسی آگ کو بوجھا دیتا ہے۔

جتلادی ہے۔ کہ اُس چینی سیاح نے بھی کتابیہ کا غالباً کسی قدر حوالہ دیا ہے۔

۲۳۰ پتروں کو پانی دینے کی رسم کے لئے اصل کتاب میں نیواپ کا لفظ استعمال ہوا ہے جس میں یہ دستور ہے کہ پانی میں وہ سفوف ڈال کر جس سے پیشانی پر تلک لگاتے ہیں پتروں کو ہاتھ جوڑ کر پانی دیا جاتا ہے۔

۲۳۱ گادھی پور قصبہ کنیا کبجا یا موجودہ شہر قنوج کا نام ہے جس کی بابت روایت ہے کہ راجہ گادھی نے اس کو آباد کیا تھا۔

۲۳۲ کنیا کبج کے راجہ یشو ورمن کے متعلق کوئی خاص تاریخی حالات معلوم نہیں صرف اتنا معلوم ہوا ہے کہ ایک نامعلوم گوڑ راجہ پر اس کے فتحیاب ہونے کے واقعہ کو

راجہ للتادتیہ

(مکتاپیڈ)

اس کے بعد مشہور و معروف راجہ للتادتیہ جو قسمت کے فہم و خیال سے بھی بالا تھا سارے عالم ۴۲۹ کا بادشاہ بنا۔ کیونکہ قسمت تو محض محدود علاقوں کے حکمرانوں کو پیدا کرتی ہے۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ راجہ اپنی شان و شوکت کی کرنوں کی چمک کے ذریعے جمبودیپ کے ہاتھی کو خوشبویات سے آراستہ کر رہا ہے۔ یہ راجہ جس کی فتوحات دور دور تک پھیل گئی تھیں اپنے جوش کو صرف اسی وقت مدہم کرتا تھا جب مخالف راجہ اُس کے فاتحانہ حملے کے آگے ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ یورش کے وقت اُس کے نقاروں کی آواز سے خوف زدہ باشندے اپنے مکانات کو چھوڑ کر اس طرح بھاگ جاتے تھے جس طرح عورتوں کے رحم سے اُن کا حمل گر جاتا ہے۔

واک پتی نے گوڑ واہو کے نام سے ایک تاریخی نظم کی صورت میں لکھا ہے۔ اس نظم سے جو مختصر سی واقفیت حاصل ہو سکتی ہے اس کے لئے دیکھو پنڈ وانگ پنڈت کا دیباچہ جو اس نے اپنی کتاب کے شروع میں دیا ہے۔

خیال کیا جاتا ہے کہ وسط ہند کے جس راجہ کے متعلق راجہ موتوپی یعنی مکتاپیڈ نے لکھا تھا کہ ہم نے اس سے اتحاد پیدا کر لیا ہے (دیکھو نوٹ ۲۲۹ کتاب ہذا) وہ یشوورمن ہی تھا۔ اس صورت میں یشوورمن کے ساتھ مکتاپیڈ کے جنگ، اور راول الذکر کے شکست یاب ہونے کی تاریخ مکتاپیڈ کے دربارہ چین میں اپنا سفر بھیجنے کے زمانہ کے بعد واقع ہوتی ہے۔ غالباً یہ تاریخ ۷۳۶ء کے بعد ہوگی۔ پوتھیر نے بیان کیا ہے کہ

دشمنوں کی بیویوں سے جن کے چہروں سے بندیاں دور ہو جاتی تھیں اور جنکے آنسو بہتے تھے وہ گویا ہاتھ جُڑوا کر پتروں کو پانی دلواتا تھا۔ یہ راجہ جو فتوحات کا خواہش مند تھا اپنا وقت زیادہ تر دشمنوں پر حملہ کرنے میں ہی گزارتا تھا۔ اور ہر وقت سورج کی طرح زمین کے گرد گھومتا رہتا تھا۔ اس نے اپنی چمکدار شان وشوکت کی موجودگی میں مشرقی اقطاع سے خراج حاصل کر کے گنگا اور جمنا کے درمیانی ملک پر جا چڑھائی کی جہاں اس نے اپنی پگڑی کی بجائے شہرت کی دستار پہنی ہوئی تھی۔

للتادتیہ کی لڑائی یشوورمن کے ساتھ

گادھی پور[231] کے مقام پر جہاں ہوا کے دیوتا نے لڑکیوں کو کبڑی بنا دیا تھا اس قابل تعریف راجہ نے جنگ جو مخالفوں کو مارے خوف کے کبڑا کر دیا۔ اور ایک لمحہ میں پہاڑ جیسے یشوورمن[232] کی فوجوں (درہنی) کو شکست دیکر اُس تیز سورج کی مشابہت حاصل کی جو پہاڑی ندی (ادری ورہنی) کو خشک کر دیتا ہے۔ کنیا کبجا کے عاقبت اندیش راجہ نے اپنی دانائی کا یہ ثبوت

یشوورمن وسط ہند کا راجہ ایجا فان موہی تھا جس نے ۷۳۱ء میں اپنے وزیر سینگ پوٹا کو چینی دربار میں بھیجا تھا۔ بقول پروفیسر ایم مولر (کتاب انڈیا صفحہ ۳۴۴) یشوورمن اور اس کا درباری شاعر واک پتی راج جین پتہ گچھ پتاولی میں سمت (۷۴۲ء) کے قریب زندہ بیان کئے گئے ہیں۔

یشوورمن کے ایک سکے کے متعلق جو مانکیالہ سٹوپ میں عربی ساسانی سکوں کے ساتھ پایا گیا تھا اور جس کے متعلق خیال ہے کہ وہ قنوج کے راجہ یشوورمن کے عہد میں مضروب ہوا تھا۔ دیکھو آرکیالوجیکل سروے رپورٹ باب ۲ صفحہ ۱۵۹۔

۲۳۳ اٹھارہ ابتدائی عہدے (کرم ستھان) وہ ہیں جن کا ذکر ترنگ اول کے

دیا کہ پہلے تو للتا دتیہ کی تیز چمک پر پیٹھ پھیر لی اور اس کے بعد اس کی اطاعت اختیار کر لی جس طرح صندل کے درخت کی ہوا میں موسم بہار سے بھی زیادہ تیز خوشبو ہوتی ہے اسی طرح للتا دتیہ کے ہمراہی بلحاظ اپنے غرور کے اس پر بھی سبقت لے گئے تھے۔ چنانچہ اس کے وزیر خارجہ مترشرما نے صلح کے متعلق تمام کارروائی کے خاتمہ پر اُس مدبرانہ شائستگی کو بھی گوارا نہ کیا جو یشو ورمن کے صلح نامہ میں مدنظر رکھی گئی تھی۔ اس نے خیال کیا کہ عہد نامے پر یشو ورمن کا نام چونکہ للتا دتیہ سے پہلے آیا ہے اس لئے اس میں میرے آقا کی سُبکی ہوتی ہے۔ وزیر کے اس اصرار کو راجہ نے مناسب خیال کیا گو اُس کے جرنیل جو جنگ کی طوالت سے بے اطمینان ہو چکے تھے اس پر ناخوش تھے۔ چنانچہ خوش ہو کر اس نے مترشرمن کو وہ پانچ عہدے دیدیئے جن کے ساتھ لفظ اعظم آتا ہے۔ (پنچ مہا شبد[۱۲۳]) بخلاف اس کے اس نے یشو ورمن کی بالکل بیخ کنی کر دی۔ اُس وقت سے لیکر ان اٹھارہ عہدوں کے علاوہ جو پہلے سے چلے آتے تھے وہ پانچ نئے عہدے جو اس نے قائم کئے جاری ہیں۔

شلوک ۱۲۰ میں آتا ہے۔ ان نئے پانچ عہدوں میں سے جو در اصل محض درباری خطابات ہیں صرف ایک کا ذکر دوبارہ ترنگ ۴ کے شلوک ۴۸۵ میں آتا ہے اور مجموعی طور پر ترنگ ۴ کے شلوک ۶۸۰ میں۔ نیز دیکھو جولی صاحب کی کتاب "ویبر فیسٹ گیب" صفحہ ۸۵۔

یہ عبارت اس لحاظ سے خاص دلچسپی رکھتی ہے کہ اس کے رو سے لفظ پنچ مہاشبد کی کم از کم حدود کشمیر کے اندر اہمیت کا پتہ چلتا ہے کیونکہ اس کا ذکر اکثر قدیم کتبوں اور ہندوستان کے دیگر حصص کے عطایا میں پایا جاتا ہے اس اصلاح کی یہ توضیح کہ یہ پانچ ایسے خطابات ہیں جو لفظ مہا سے شروع ہوتے ہیں پروفیسران بوہلر اور کیل ہارن اور مسٹر فلیٹ وغیرہ نے کی ہے دیکھو انڈین اینٹی کویٹی فصل ۴ صفحہ ۱۰۶، ۱۸۰، ۲۰۴، ۳۰۴۔ فصل ۱۲ صفحہ

اوران پانچوں عہدوں کے نام حسب ذیل تھے۔ مہا پرتی ہار پیڑا[۱] (اعلیٰ چیمبرلین) مہا سندھی وگرہ (خاص وزیر خارجہ) مہاشب شالہ (اعلیٰ افسر اسپان) مہا بھنڈاگر (اعلیٰ افسر خزانہ) اور مہا سادہن بھاگ (اعلیٰ انتظامی افسر) اس کے بعد خاندان شاہی کے[۲۳۴] اور دوسرے شاہزادے اکثر ان عہدوں پر مامور ہوتے رہے ہیں۔ اس راجہ کے اقبال کی بابت اس سے زیادہ اور کیا بیان کیا جا سکتا ہے کہ یشوورمن جس کے دربار میں واک پتی راج[۲۳۵] بھوبھوتی اور اور شعراء رہ چکے تھے شکست کھا کر اب خود للتادتیہ کی خوبیوں کا مدح سرا بن گیا۔ کنیا کبجا کا ملک جمنا کے کنارے سے کالکا[۲۳۶] کے کنارے تک ویسے ہی اُس کے قبضے میں تھا جیسے اُس کے محل کا صحن۔

للتادتیہ کی فتوحات

یشوورمن پر فتحیاب ہو کر اس کی فوج اس طرح جیسے گنگا کوہ ہمالیہ کو توڑ کر نکلتی ہے آسانی کے ساتھ مشرقی سمندر کی طرف بڑھی۔ اس کے ہاتھیوں کو وہاں جا کر اپنا پیدائشی مقام نظر آنے لگا اور اُن کے مضطرب فیلبان بہت کچھ گالی گلوچ کے بعد

اس کی ایک توضیح سر ڈبلیو ایلیٹ نے کتاب انڈین اینٹی کوئی کی فصل ۵ صفحہ ۲۵۱ پر یہ کی ہے کہ اس کی رو سے اہلکاروں کو اعزاز کے طور پر خاص خاص باجوں کے استعمال کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ پانچ کے عدد کی نسبت خیال ہے کہ اُس سے مراد ان باجوں کو دن میں پانچ مرتبہ بجانے یا پانچ مختلف قسم کے باجے استعمال کرنے سے ہے۔ لیکن اس بارے میں جو شہادت پیش کی گئی ہے یعنی انڈین اینٹی کوئی فصل ۱۲ صفحہ ۹۵ اور فصل ۱۴ صفحہ ۲۰۲ اس سے ان معنوں کی پورے طور سے تصدیق نہیں ہوتی ہے۔

آخری خطاب مہاسدہن بھاگ کے معنے مشتبہ ہیں۔ اس کا ترجمہ "خاص انتظامی افسر" ولسن صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۴۵ پر لکھا ہے۔ لاسن صاحب اپنی کتاب انڈش

بمشکل انہیں کالنگ ملک[۲۳۷] میں جانے سے روکتے تھے۔ ملک گوڑ[۲۳۸] سے بہت سے ہاتھی ان کے ساتھ آملے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اُس ہاتھی کے دوست ہیں جس پر لکشمی کا ہودہ تھا اور جو راجہ کے جلو میں تھی۔ جب اس کی بڑھتی ہوئی فوجیں مشرقی سمندر تک پہنچیں تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے بیشمار جنگی ہاتھیوں نے اپنے سونڈوں کو لہروں میں ڈال کر سمندر کو بالوں سے پکڑ لیا ہے سمندر کے کنارے کنارے جہاں گھنے جنگل تھے وہ یم کے ملک (جنوب) کی طرف گیا۔ اور اُس کے دشمن اس تلوار کے ذریعے یم کے ملک (پاتال) کو چلے گئے۔ کرناٹ کے لوگ جو اپنے بالوں کو اونچا کر کے آراستہ کرتے ہیں اُسکے سامنے جھک گئے۔ اور سنہری کیتکی پتوں کے سروں کے زیور اُتار کر انہوں نے اس کی شان و شوکت کو اپنے سر کا مکٹ بنایا۔ اُس زمانہ میں دکن (دکھشناپت) پر ایک مشہور اور ہوشیار کرناٹ قوم کی شاہزادی رتا نامی[۲۳۹] حکمران تھی۔ اس رانی نے جو درگا کی طرح غیر محدود اختیارات رکھتی تھی بندھیاچل پربت[۲۴۰] پر کافی اور کھلی سڑکیں بنوائیں اس رانی کی بھی اس وقت تسکین ہوگئی جب اس نے

آلٹر تھمس کنڈ" میں اس کا ترجمہ ڈاکٹر اف پبلک ورکس[؟] کرتے ہیں اور جولی صاحب کے نزدیک اس کے معنے "وزیر پولیس" کے ہیں۔

۲۳۶ سٹائن صاحب لکھتے ہیں کہ شاہی کا لقب اس خاندان کے لئے مستعمل ہوتا تھا جو سلاطین غزنی سے پہلے کابل اور گاندھار (قندھار) پر حکمران تھا۔ اور جس کا ذکر البرونی نے اپنی کتاب انڈیا کی فصل ۲ صفحہ ۱۳ پر کابل کے ہندو شاہیوں کے طور پر کیا ہے کتاب ہذا کے ضمیمہ کے نوٹ علا اور ترنگ پانچ کے شلوک ۱۵۲-۱۵۵ سے معلوم ہوسکتا ہے کہ للیا جس کا ذکر کلہن شنکر ورمن کے عہد میں اود بھانڈ کے زبردست شاہی حکمران کی حیثیت میں کرتا ہے وہ غالباً وہی راجہ ہے جو البرونی کی کتاب میں کلر کے نام سے ہندو شاہیوں میں

جھلک کر اپنی شباہت کو للتا دتیہ کے کنول جیسے پاؤں کے ناخنوں کے گول شیشے میں منعکس دیکھا۔ درختوں کے نیچے بیٹھ کر ناریل کا پانی پینے اور کاویری کے کناروں پر سرد ہوا لگنے سے جنگ جو سپاہیوں کو اپنی تکان بھول گئی۔ وہ سانپ جو کوہ ملایا (چند نادری) کے صندل کے درختوں سے جھڑتے تھے۔ اور جنہیں یہ پہاڑ حملہ کے خوف سے کانپتا ہوا گرا رہا تھا بے شمار خمدار تلواروں سے مشابہ تھے۔ اپنے پاؤں جزیروں پر اس طرح رکھ کر گویا وہ عبور کرنے کے پتھر ہوں اس نے سمندر کو اس طرح جلدی اور آسانی کے ساتھ عبور کر لیا جیسے کہ وہ ایک چھوٹی سی ندی تھا۔ جب سمندر کی لہریں اس کی فتح کی خوشی میں تالیاں بجا رہی تھیں یہ پہلا فاتح[۳۳۱] راجہ مغربی علاقوں کو روانہ ہوا اور جب سات کونکن میں پہنچا تو وہاں کے سپاری کے سیاہ درختوں میں اس کی شاندار عظمت اس طرح معلوم ہوتی تھی جیسے سات گھوڑوں کے ساتھ سورج[۳۳۲] کی مغربی سمندر کی لہروں میں ودوارکا شہر نظر آیا تو اس کے سپاہیوں کو اس کے اندر داخل ہونے کی خواہش پیدا ہوئی۔ چونکہ کرہ ہوائی میں وہ خاک بھری ہوئی تھی جو اس کی فوجوں کے چلنے کے

اول ہدھ جیان کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جن شاہیوں کا ذکر اس جگہ آیا ہے وہ اس خاندان کے متعلق نہ ہونگے۔ لیکن جس مضمون کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے شاہی لقب "شاہی" کا رواج اندو سیتھین زمانہ سے لیکر پونچی۔ چھوٹے پونچی۔ سفید ہتر اور ترکوں کے ان خاندانوں میں سے ہوتا ہوا جو یکے بعد دیگرے وادیٔ کابل اور قندھار پر حکمران رہے ہیں چلا آیا ہے۔ اس صورت میں یہ خیال بیجا معلوم نہیں ہوتا کہ جس شاہی کا ذکر اوپر کے مضمون میں آیا ہے وہ اس خاندان کے متعلق استعمال ہوا ہے جو ہند و شاہیوں سے پہلے حکمران تھا۔ البرونی اپنی کتاب انڈیا کی فصل ۲ صفحہ ۱۰ پر ان حکمرانوں کی نسبت لکھتا ہے کہ وہ تبتی نسل کے ترک تھے اور اس کی پوری تصدیق اوکنگ کے بیان سے

باعث معدنیات سے پیدا ہوئی تھی اس لئے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا بندھیاچل پربت غصہ میں سرخ ہو کر نمودار ہوا ہے۔ اس کے ہاتھی جب قطاریں باندھ کر اونتی میں داخل ہوئے تو اُن کے دانتوں کو صرف اسی چندرمان کی کرنیں جو شوجی (مہاکال)[۲۴۳] کے مستک پر چمکتا ہے پھاڑ سکتی تھیں (یعنی کوئی دنیاوی طاقت انہیں مغلوب نہ کر سکتی تھی)۔ جب اس نے دیکھا کہ تمام اطراف میں اکثر راجے شکست یاب ہو چکے ہیں تو وہ بکھرے راستوں پر سے ہوتا ہوا وسیع شمالی علاقے اترا پت میں جا پہنچا۔ وہاں اس نے یکے بعد دیگرے بڑے بڑے راجاؤں سے جنگ کیا۔ جس طرح اندر نے اس وقت بڑے بڑے پہاڑوں کے ساتھ جنگ کیا گیا تھا جب وہ اُن کے پر کاٹنے کے لئے تیار ہوا تھا۔

کام بوج[۲۴۴] کے اصطبل گھوڑوں سے خالی ہو گئے اور تاریکی میں وہ ایسے معلوم ہوتے تھے گویا انکے اندر سیاہ بھینسے بندھے ہوئے ہوں۔ اس کی آمد پر تو کھار[۲۴۵] اپنے گھوڑے چھوڑ کر پہاڑوں کو بھاگ گئے لیکن جب انہوں نے پہاڑوں میں گھوڑے کے

ہوتی ہے جس نے ۶۵۳ء اور ۶۶۴ء کے درمیان گاندھار کی سیاحت کی تو دیکھا کہ اس ملک پر ایک یقینی طور پر ترک خاندان حکمران ہے تنگ خاندان کی اُن روایات میں جن کا حوالہ پہلے دیا جا چکا ہے ان ترکی حکمرانوں کے نام اور سنین حکومت موجود ہیں جو آٹھویں صدی کے ابتدائی نصف حصہ میں کپن گاندھار پر حکومت کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مکتا پیڈ (للتادتیہ) کا عہد حکومت بھی اسی زمانہ میں تھا۔ دیکھو نوٹ ۲۲۹ کتاب ہذا۔ انہیں حکمرانوں میں شاہی خاندان کا ایک راجہ ہو گندا ہے جس کی نسبت کلہن کا دعوے ہے کہ وہ راجۂ کشمیر کا باجگذار تھا۔

نوٹ ۲۳۵ ورک پتی راج زیادہ تر پراکرت کاویہ "گوڑواہو" کے مصنف کی حیثیت میں مشہور ہے۔ جس میں ایک گوڑ راجہ پریشو ورمن کی فتح یابی کا تذکرہ ہے دیکھو نوٹ ۲۳۶ کتاب ہذا

منہ والے کنز دیکھے تو انہیں گھوڑوں کی چاہ باقی نہ رہی۔ اس نے ممونی کو تین بار شکست دینے کے بعد مغلوب کر لیا۔ فی الحقیقت بہادر لوگ کسی دشمن پر ایک فتح حاصل کرنا ویسا ہی اتفاقیہ خیال کرتے ہیں جیسے لکڑی میں گھن کے سوراخ کرنے سے اتفاقیہ طور پر کسی حرف کی شکل بن جاتی ہے۔ جس طرح بندروں کے چہرے پر جو قدرتی طور پر سرخی مائل بھورے ہوتے ہیں غصے کی علامات نظر نہیں آتیں ویسے ہی بھوٹوں[۲۴۶] کے چہروں پر جو قدرتی طور پر سفید تھے فکر کی علامات نمایاں نہ ہوتی تھیں (لیکن درحقیقت وہ خوف سے کانپ اُٹھے تھے) جس طرح صبح کا طلوع ہونے والا آفتاب پہاڑی کھنڈروں کی بوٹیوں کی روشنی کو گوارا نہیں کرسکتا ویسے ہی اس راجہ نے درد قوم کے لوگوں کی متواتر شراب پینے کی عادت کو گوارا نہ کیا۔ شمالی علاقوں کی ہوا جو مشکی ہرن[۲۴۸] سے چھو کر آتی تھی اور زعفرانی پھولوں کی پتیوں کو ہلاتی تھی۔ عورتوں کی طرح اس کی فوجوں کے ہمراہ رہا کرتی تھی۔

چونکہ پرزاگ یوتش[۲۴۹] کا شہر بالکل ویران پڑا تھا (کیونکہ یہاں کے باشندے

بھوبھوتی ایک مشہور ناٹک کار (ڈراما نویس) ہو گذرا ہے جس کے مشہور ناٹک "مالتی مادھو" "اترام چرت" اور "مہابیر چرت" ہیں دیکھو پروفیسر بھنڈارکر کا دیباچہ کتاب مالتی مادھو (بمبئی سیریز) صفحہ ۵۔

[۲۳۶] کالکا سے مراد شاید موجودہ کالی ندی ہے جو دریائے گنگا کی دائیں جانب متوازی بہتی ہوئی قنوج سے تھوڑے فاصلے پر اس میں جا ملتی ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ ہیون سانگ نے کنیا کبج کی سلطنت کے متعلق جو حدود قائم کی ہیں اُن سے یہ امر اغلب معلوم ہوتا ہے کہ گنگا سے پرے کا علاقہ بھی اس میں شامل تھا لیکن یہ چینی سیاح جہاں اس وقت آیا تھا جب ہرش وردھن اعظم یہاں کا حکمران تھا اس کے علاوہ کلہن نے

مارے دہشت کے اسے خالی چھوڑ کر بھاگ گئے تھے) اس لئے اُسے جنگل میں جلتے ہوئے اگر کا خوشبودار دھواں اُٹھتا ہوا نظر آیا۔ ریگستان کے سمندر (روالوکام بدھی) میں جہاں سراب کے باعث ندی کا دھوکا ہوتا تھا اُس کے بڑے بڑے ہاتھی مگرمچھوں کے گروہ کی طرح نظر آنے لگے۔ استری راج کی عورتوں نے اُس کے جنگ جو بہادروں کے دلوں کو اپنے ہاتھیوں کی پیشانیاں دکھا کر نہیں بلکہ اپنی ابھری ہوئی چھاتیاں دکھا کر نرم کر لیا۔ استری راج کی رانی جب اس کے روبرو جوش سے کانپتی اور ایسی ہی دیگر حرکات کرتی نظر آئی تو کوئی اس بات کا فیصلہ نہ کر سکتا تھا کہ آیا اس کا باعث خوف ہے یا جذبۂ عشق جس طرح سانپ گرڑ سے ڈر کر اپنے بلوں میں چھپ جاتے ہیں ایسے ہی اس راجہ سے خوف زدہ ہو کر اُتر کرو کے لوگ ان درختوں میں چھپ گئے جن میں وہ پیدا ہوئے تھے۔ اس کے بعد وہ راجہ اپنی فتوحات کے ذریعے حاصل کردہ خزانے کو اس طرح ساتھ لیکر اپنے ملک کو واپس آیا جیسے شیر ببر مارے ہوئے ہاتھیوں کے دانتوں سے پنجے بھر کر پہاڑ کو واپس جاتا ہے۔ اس نے اپنے ہمراہیوں کو

جہاں بعید ممالک کی روایتی مہموں کا ذکر کیا ہے ان کے متعلق پورے جغرافیائی حالات حاصل ہونے مشکل ہیں دیکھو کنگھیم صاحب کا جغرافیہ قدیم صفحہ ۳۷۶

ہندوستان کے گرد لِلتا دتیہ کے عجیب و غریب فتح کے کہچ کی مسائل مابعد پہ پورے طور سے ولسن صاحب نے اپنی ہسٹری کے صفحہ ۴۷ پر بڑی احتیاط اور فضیلت کے ساتھ بحث کی ہے۔

۲۳۷ کالنگ سے مراد وہ ملک ہے جو جزیرے کے جنوب مغربی ساحل بحر پر واقعہ ہے۔ اور جس میں موجودہ احاطہ مدراس کے اضلاع گنجام اور وزاگاپٹن شامل ہیں۔ دیکھو کنگھیم صاحب کا جغرافیہ قدیم صفحہ ۵۱۵۔

جالندھر[۲۳۷]۔ لوہر وغیرہ علاقوں کی حکومت دیگر راجہ بنادیا۔ اس زبردست راجہ نے مفتوح حکمرانوں سے شکست کا اظہار کروانے کے لئے انہیں مختلف علامات[۲۳۸] اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ جو اُن علاقوں کے لوگوں میں آج تک پائی جاتی ہیں۔ واقعی اُسی کے حکم سے اپنی تابعداری کے اظہار کے لئے ترشک (ترک) قوم کے لوگ اپنے بازوؤں کو پیٹھ کے پیچھے رکھ کر چلتے اور اپنے نصف سر منڈواتے ہیں۔ اس راجہ نے اہل دکن کو دھوتی کی ایک ایسی بندش پر مجبور کیا جس میں اس کا ایک حصہ دم کی مانند زمین کو صاف کرتا آتا تھا۔ اور اس سے مراد یہ لی کہ وہ جانور ہیں۔ کوئی شہر۔ گاؤں۔ دریا۔ سمندر یا جزیرہ ایسا نہیں جہاں اس نے ایک آدھ عبادت گاہ قائم نہ کی ہو۔ اس مغرور حکمران نے اپنی قائم کردہ بنیادوں کے ایسے ایسے نام رکھے جو بعض صورتوں میں اُس کے افعال کے لحاظ سے مناسب تھے اور بعض صورتوں میں اُن خاص موقعوں کے حسب حال تھے۔ جب اس نے دنیا کو فتح کرنے کا ارادہ کر لیا تو اس نے سونشچت[۲۴۵] پور نامی ایک شہر تعمیر کروایا اور اس کے بعد اپنے فخر کے اظہار کے لئے اس نے ورہت پور بنوایا

---

۲۳۸ گوڑ موجودہ بنگال کا پورانا نام ہے

۲۳۹ رتا سے مراد بظاہر مہاراشٹر کے خاندان رت یا راشٹرکوٹ سے لی گئی ہے جس نے آٹھویں صدی کے وسط میں کرناٹ یا علاقہ کانڑی کو مطیع کر لیا تھا اس بات کے ثبوت کے لئے کہ رت اور راشٹرکوٹ مترادف الفاظ ہیں دیکھو "انڈین اینٹی کوئی" فصل ۱۲ صفحہ ۲۱۶-۲۱۸۔ اور ان خاندان کی تاریخ کے لئے دیکھو بھنڈارکر صاحب کی تاریخ دکن صفحہ ۶۲۔

۲۴۰ یہاں پر درگا سے مراد درگا بندھیا واسنی سے لی گئی ہے۔

کلھن للتادتیہ کو کرناٹک سے دریائے کاویری اور اس کے بعد مالابار کی پہاڑیوں کی

جس میں کیشو یعنی وشنو کا ایک مندر تھا۔ ایک موقعہ پر جب راجہ کو کسی شخص نے پھل پیش کیا تو اس نے اس جگہ پر پھل پور[۲۵۳] نام کا شہر آباد کروا دیا۔ اسی طرح پتہ لیتے وقت پرنوتس کے نام کا اور کھیلتے وقت کریڑا رام کا دہار تعمیر کروا دیا۔ استری راج میں اس نے نرہری وشنو کی ایک معلق مورتی استھاپن کروائی جس کے اوپر ایک مقناطیس قائم کیا جو اُسے اوپر کی طرف کھینچے رکھتا تھا اور دوسرا جو نیچے قائم کروایا وہ نیچے کی طرف

جب یہ دنیا کا محافظ کسی اور ملک میں گیا ہوا تھا اُس کے میر عمارت نے اُس کے نام پر للت پور[۲۵۴] نامی شہر بنایا مگر راجہ اس پر نہایت خشمگین ہوا۔ غرور میں آکر اس نے کنیا کبج کا شہر معہ اُس کے متعلقہ دیہات کے آدتیہ مندر سے جسے اس نے للت پور کے شہر میں بنوایا تھا متعلق کر دیا ہشک پور[۲۵۵] کے مقام پر اس نیک طینت راجہ نے وشنو کا ایک عالیشان مندر مکت سوامن کے نام سے اور ایک بہت بڑا دہار اور ایک ستوپا (بدھ مندر) بنوایا۔ جب وہ دنیا کو فتح کرنے چلا تھا تو اُس نے اپنے ہمراہ ایک کروڑ کی رقم لے لی تھی لیکن واپسی پر

طرف جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بندھیا سے مراد یہاں پر وسط ہند کے اسی نام کے سلسلہ کوہ سے نہیں جیسا کہ وسن صاحب اپنی کتاب کے صفحہ ۷۴ پر لکھتے ہیں شاید مشرقی گھاٹ سے مراد لی گئی ہے۔ اصلی بندھیا چل پربت کا ذکر مناسب موقعہ پر شلوک ۱۶۱ میں آتا ہے۔

۲۴۱؎ وسن صاحب کا بیان ہے کہ سات کونکن ساحل مالابار کے مفصلہ ذیل علاقوں پر مشتمل ہیں۔ ایرل۔ تلنگ۔ گووا مسٹر ڈگون کو نکن خاص۔ کراتہ۔ ورتا اور بربر۔ مسٹر فلیٹ نے انڈین اینٹی کوئٹی کی فصل ۹ صفحہ ۱۳۰۔ اور فصل ۲۲ صفحہ ۱۸۲ پر جو حوالہ دیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سات کونکن کا لفظ آج تک روایتی طور پر لوگوں کو معلوم ہے۔

اس نے بھوتیش یعنے شوجی کے مندر میں گیارہ کروڑ کی رقم بطور کفارے کے داخل کی۔ اس جگہ پر اُس نے جیشٹا رودر[۲۳۷] کا ایک بلند مندر بنوایا اور بہت سی زمین اور گاؤں اس کے ساتھ وقف کر دیئے۔ چکردھر[۲۳۸] کے مقام پر اس نے اس بات کا انتظام کیا کہ دریائے وتسٹا کے پانی کو نکال کر مختلف جھلاروں کے ذریعے متفرق گاؤں میں تقسیم کیا جائے۔ اس فیاض راجہ نے مارتنڈ[۲۳۹] کا عجیب وغریب مندر جس کی بھاری بھاری سنگین دیواریں اور ایک بہت وسیع احاطہ تھا اور شہر میں جا بجا انگوروں کی بیلیں لگی ہوئی تھیں تعمیر کرایا۔ لوکا پنیہ[۲۴۰] کے مقام پر ایک شہر تعمیر کروا کر جس میں ضروری سامان موجود تھا اس فاتح راجہ نے معہ دیگر چند گاؤں کے وشنو کی بھینٹ کر دیا۔

شہر پرہاس پور کی تعمیر

اس کے بعد اس دیتا کے اندر نے بحالت تمسخر (پری ہاس) پرہاس پور[۲۴۱] کا شہر بنایا جو اندر پوری کی ہنسی اڑاتا تھا۔ اس جگہ پر اس نے وشنو کی پرہاس کیشو نامی شاندار چاندی کی مورتی استھاپن کی جو وشنو دیوتا کی اُس حالت کی مانند چمکتی تھی جب سمندر میں سوتے وقت اس پر موتیوں کی تیز روشنی پڑتی ہو۔

۲۴۲؎ دوارکا کرشن جی کے شہر کا نام ہے جو جزیرہ نما گجرات کے شمال مغربی سرے پر واقع ہے۔

۲۴۳؎ شوجی کی پوجا مہا کال کی صورت میں اوجین کے مشہور مندر میں جو اونتی واقعہ مالوہ کا دارالسلطنت تھا ہوتی تھی۔ دیکھو ولسن صاحب کی کتاب "سیلکٹڈ ورکس" فصل ۲ صفحہ ۱۴۲ دے ٹاڈ صاحب کا میموائر صفحہ ۲۹۱۔ البرونی کی کتاب انڈیا فصل ۲ صفحہ ۲۰۲۔ اس شلوک میں اس اعتقاد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ چندرماں کی کرنوں سے ہاتھیوں کے دانت پھٹ

وشنو کی مشہور سونے کی بنی ہوئی بکمت کیشو نامی مورتی اس طرح چمکتی تھی گویا اس نے اپنی چمک کنول پھول کی ان بہت سی پتیوں سے حاصل کی ہے جو وشنو کی ناف سے پیدا ہوا تھا۔ مہا وراہا نامی وشنو کی وہ مورتی جو سنہری زرہ میں ملبوس تھی اس طرح چمکتی تھی جیسے سورج جبکہ وہ نچلی دنیا کی تاریکی پر غالب آنے کے لئے چمکدار روشنی اختیار کر لیتا ہے۔ اُس کے پاس گووردھن دھر[۲۶۲] دیوتا کی چاندی کی مورتی تھی جو اس قدر سفید تھی گویا اس کی رنگت اُن دودھ کی ندیوں سے بنی ہے جو اس کی (کرشن جی کی) گایوں کے گلہ سے بہتی تھیں۔ ایک ۵۴ فٹ بلند عظیم پتھر کا مینار قائم کرکے اس نے جھنڈے کی چوٹی پر گرڑ کی تصویر قائم کی جو دیوتوں کے دشمن وشنو کی سواری ہے۔ اس راجہ نے جو تمام جذبات سے پاک تھا ایک ہمیشہ مالا مال رہنے والا راج وہار بنوایا جس میں ایک بہت بڑا صحن ایک بڑا چیتہ[۲۶۳] اور بدھ کی ایک عظیم الشان مورتی قائم تھی۔ مکت کیشو کی مورتی میں اس نے ۸۴ ہزار تولک[۲۶۴] سونا ڈھلوایا۔ اور اتنے ہی ہزار پل چاندی جمع کرکے اُس صاف دل راجہ نے پری ہاس کیشو کی اور اتنے ہی ہزار پرست تانبہ سے بدھ اعظم (برہد بدھ) کی مورتی بنوائی جو آسمان تک پہنچتی تھی۔ ہر حالت میں اس نے صحن (چتو شالہ) اور مقدس عبادت گاہ

جاتے ہیں۔

[۲۶۴] کام بوج کا ملک جس سے مراد افغانستان کے مشرقی حصے سے ہے ژند میہ نظم کی کتابوں میں اپنے گھوڑوں کی نسل کے لئے مشہور ہے۔ یا آنکہ کابلی گھوڑے اب تک شمال ہندوستان کے مختلف حصوں میں مہیا کئے جاتے ہیں۔ کلہن دلیری کے ساتھ اصطبلوں کی تاریک خالی حالت کا مقابلہ سیاہ رنگ کے بھینسوں سے کرتا ہے۔

[۲۶۵] جس ترتیب سے یہاں توخار قوم کا ذکر آیا ہے اُس سے یہ امر اغلب معلوم

یعنی چیتیہ[۲۴۵] کو اس قدر خرچ سے بنوایا کہ بلحاظ قیمت اس کی پانچوں مورتیاں یکساں تھیں۔ دوسرے کبیر کی طرح اس نے نوکروں کی مانند بڑے بڑے دیوتاؤں کے پہلوؤں میں ایسی مورتیاں جو بعض صورت میں چاندی اور بعض صورت میں سونے کی بنی ہوئی تھیں رکھدیں۔ کون اس بات کا صحیح اندازہ کر سکتا ہے کہ کتنا خزانہ۔ کتنے گاؤں اور کتنا عملہ اس نے ان عبادت گاہوں کے لئے وقف کیا تھا۔ اس کی رنواس کی عورتوں۔ وزیروں اور مصاحبوں نے سینکڑوں کی تعداد میں دیوتاؤں کی مورتیاں جو عجوبۂ روزگار تھیں استھاپن کیں۔ اسکی رانی کملاوتی نے جو کملاہٹ[۲۴۶] کی بنیاد ڈال چکی تھی کملاکیشو کی ایک بہت بڑی چاندی کی مورتی قائم کروائی۔ اس کے وزیر متر شرما نے بھی متر ایشور نامی شولنگ استھاپن کروایا۔ اور لاٹ[۲۴۷] کے راجہ کے نے وشنو کا مشہور مندر کے سوامی قائم کروایا۔ اسی راجہ نے مشہور و معروف اور عجیب کے دہار بھی تعمیر کرایا۔ جہاں بعد میں بھکشو سروجن میر رہا کرتا تھ۔ اور جسے بدھ ثانی خیال کیا جاتا تھا۔ توخار چنکن[۲۴۸] نے جو چنکن وہار کا بانی تھا ایک سٹوپا راجہ کے من سے بھی زیادہ عالیشان تعمیر کرایا۔ اور بدھ کی سونیکی مورتیاں بنوائیں اسکی بوی الیشان بیوی نے ایک کنواں تعمیر کرایا جسکا پانی اٰبحیات کیطرح خالص تھا اور جسے پیکر مریضوں کو شفا ہوتی تھی۔ للتادتیہ کی رانی چکر مردکا نے چکر پور بنوایا

ہوتا ہے کہ یہ وہی توخار ہیں جن کا ذکر کلاسیکل مصنفوں نے "توچاری" لفظ سے کیا ہے۔ ہیون سانگ اپنی کتاب "سی یوکی" کی فصل ۱ صفحہ ۳۰ پر "توہولو" یا توخار قوم کے ملک کا جو ذکر کرتا ہے اس سے یہ امر یقینی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ عظیم یو ای چی خاندان کی ایک شاخ تھے۔ اور دریائے سیحوں کی بالائی وادی میں بلخ بدخشاں وغیرہ کے نام انہیں کے ناموں پر مشہور ہوئے ہیں۔ یہ وہ علاقہ ہے جس کا ذکر قدیم مسلمان مورخوں نے توخارستان کے نام سے کیا ہے توخار نام کے ابتدا کے متعلق دیکھو وہ دلائل جو یول صاحب نے

جس میں سات ہزار مکانات تھے۔ بھپت نامی ایک فاضل استاد نے بھپتیشور کا لنگ بنوایا۔ اس کے علاوہ اور بہت سے لوگوں نے رگھیتش وغیرہ لنگ استھاپن کروائے۔ اس کے وزیر اعظم چنکن نے دوسرے دار الخلافہ[۳۶۹] سرینگر میں بھی ایک وہار تعمیر کروایا جس کے ساتھ ایک چیتہ بھی تھا۔ چنکن وزیر کے داماد ایشان چندر طبیب نے تکشک کی مہربانی[۳۷۰] سے دولت حاصل کر کے ایک وہار بنوایا۔ غرضیکہ اس نے اس طرح پر زمین کو طلائی بنا دیا (رونق دی) اور اپنی فیاضی۔ بہادری اور اور صفات میں اندر پر بھی سبقت لے گیا۔ اس کے منہ سے لاپرواہی کی حالت میں بھی اگر کوئی حکم نکل جاتا تو دیوتا تک اس کی تعمیل سے انحراف نہ کر سکتے تھے۔

کپت پھل کی کہانی

ایک بار کا ذکر ہے کہ جب اس نے موا اپنی فوج کے بحر شرقی کے ساحل پر خیمے نصب کیے ہوئے تھے۔ اس نے حکم دیا کہ اس وقت کپت پھل لائے جائیں۔ راجہ کے ہمراہی یہ حکم پا کر حیرت و پریشانی سے اندھے ہو رہے تھے کہ ایک فوق الفطرت صورت

جرنل اف رائل ایشیاٹک سوسائٹی جلد ۶ صفحہ ۹۴ میں پیش کی ہیں۔ نیز دیکھو سینٹ مارٹن صاحب کی کتاب میمائر اپنے ے ٹک صفحہ ۳۵۔ لاسن صاحب کی کتاب انڈین الٹرٹمس کنڈ فصل اول صفحہ ۱۰۲۳۔ وشنو پوران ادھیائے ۲ صفحہ ۱۸۶ اور بیل صاحب کا نوٹ متعلقہ "سی یو کی" فصل اول صفحہ ۳۴ پر۔ دونوں ناموں کے ظاہری تعلق کے باعث سابق مولفوں اور مترجموں نے اس لفظ کو بخار سمجھ کر اسے بخارا سے ملا دیا ہے۔ گو آخر الذکر کا سنسکرت کے لٹریچر میں کہیں پتہ نہیں چلتا۔ اس شلوک میں جن پہاڑوں کا ذکر آیا ہے اُن سے تو خارستان یا دریائے سیحوں کے بالائی علاقوں کے پہاڑوں سے مراد ہے۔ اور گھوڑوں سے مراد بھی تو خاری گھوڑوں سے ہی لی گئی ہے۔

کا آدمی کیت پھل[۲۳۵] لیکر حاضر ہوا۔ چوبدار نے راجہ کی آنکھ کا اشارہ پاکر اس کی موجودگی ہی میں وہ پھل لے لئے اور اس شخص سے پوچھا کہ تم کس کے نوکر ہو؟ اس نے جواب دیا کہ اندر نے مجھے یہ کیت پھل دیکر جنہیں راجہ چاہتا ہے یہاں پر بھیجا ہے اور میں نندن باغ کا محافظ ہوں میں اندر کا ایک پیغام بھی خلوت میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ یہ سنکر چوبدار نے تمام درباریوں کو باہر نکال دیا۔ اس پر وہ فوق الفطرت شخص بولا۔ "مہاراج! اندر نے آپ کو یہ پیغام بھیجا ہے۔ الفاظ ہر چند کہ مناسب لیکن گستاخانہ ہیں۔ تاہم آپ مہربانی کر کے معاف کر دیں۔" مہاراج! اس بات کی وجہ کہ اس چوتھے یگ میں ہم لوگ آپکے احکام کا ادب بجا لاتے ہیں یہ ہے کہ اس سے پہلے کسی جنم میں آپ ایک دیہاتی زمیندار کے ہاں جو بہت دولت مند تھا ہل چلانے کا کام کیا کرتے تھے ایک روز موسم گرما میں جب شام ہو گئی تو آپ ایک ایسے مقام پر موجود تھے جس میں کہیں پانی نہ تھا اور آپ بیلوں کو ہانکتے ہانکتے تھک گئے تھے اس وقت جبکہ آپ کو بھوک اور پیاس ستا رہی تھی آپ کے آقا کے

---

۲۳۶ قبل ازیں کتاب ہذا کے نوٹ ۱۶۲ میں مومنی کے نام کی پوری طور پر توضیح ہو چکی ہے ایک ٹیکا کار نے چونکہ اس کا مطلب مومن خاں لیا ہے اس لئے اوکنگ کے سفرنامہ کے مولفوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ مومنی خلفا کے لقب امیر المومنین کی دوسری صورت ہے لیکن یہ ٹیکا کار بالکل زمانہ حال کا ہے اور بقول سٹائن صاحب اس کی جغرافیائی یا تاریخی واقفیت پر چنداں بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔

۲۳۷ بھوٹ اور درد قوم کے متعلق دیکھو کتاب ہذا کا نوٹ ۱۳۲ پہاڑی کی شفا بخش بوٹیوں کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ وہ رات کے وقت چمکتی ہیں۔

[۲۳۸] بعض درد قوموں کی شراب خواری کے متعلق دیکھو ڈریو صاحب کی کتاب "جموں" صفحہ

گھر سے کوئی شخص پانی کی ٹھلیا اور روٹی لیکر آیا مگر جس وقت ہاتھ پاؤں دھوکر آپ کھانا کھانے بیٹھنے کو تھے آپ کو ایک مسافر برہمن نظر آیا جس کا دم لبوں پر تھا۔ اس نے آپ سے کہا۔ اُسے آپ نہ کھایئے میں قحط کے مارے بھوکوں مر رہا ہوں اور اگر مجھے کھانا نہ ملا تو میری جان نکل جائیگی۔ ہرچند کہ آپ کو آپ کے ہمراہی نے روکا تاہم آپ نے آدھی روٹی اور پانی تسلی دہ الفاظ کے ساتھ اس برہمن کو دیدیا۔ اس طرح خوش دلی کے ساتھ ایک مستحق شخص کو کھانا دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکاش میں آپ کے لئے سو غیر محدود خواہشوں کی منظوری مل گئی۔ اس پانی دینے کے باعث ہی اب آپ اگر صحرائی علاقوں میں بھی پانی کی خواہش کریں تو وہاں میٹھے پانی کی ندیاں نمودار ہوجائیں۔ اے راجہ! وہ عطیہ کا درخت کلپ برچھ پر بھی فوقیت رکھتا ہے جسے اگر مناسب زمین (مستحق شخص) کے اندر بویا جائے اور مہربانی کے الفاظ کی صورت میں اس کے گرد گڑھا کھودا جائے اور دلی خیرات کے پانی سے اُسے سیراب کیا جائے تو وہ باوجود چھوٹا ہونے کے بھی جو چیز اس سے مانگی جائے مہیا کرتا ہے۔ اے راجہ!

۲۴۸؎ مشکی ہرن کشمیر کے شمال اور مشرق کی طرف بلند کوہی سطوح مرتفع پر پایا جاتا ہے اور زعفران کے پھولوں کی کاشت خاص وادیٔ کشمیر میں ہوتی ہے۔

۲۴۹؎ کلہن للتا دتیہ کو بھوٹ اور درد قوم کے ممالک میں جو کشمیر کے شمال مشرقی سرحد پر واقع ہیں پہنچا کر اس کی مہم کو محض روایتی علاقوں میں ختم کر دیتا ہے جن کے متعلق ہندؤں میں یہ خیال چلا آتا ہے کہ وہ شمال اور مشرق کی طرف فاصلۂ بعید پر واقعہ ہیں۔ اُترکورو قوم کے ملک کا ذکر اہل ہند کے جغرافیہ متعلقہ علم الاصنام میں ایک قسم کے ہائی پر بودین بہشت کے طور پر آیا ہے دیکھو لاسن صاحب کی کتاب "زیٹ شر" فصل ۲ صفحہ ۶۲ نیز "انڈش آلٹرتھمس کنڈ" فصل اول صفحہ ۲۶ ۸ ان کے علاوہ دی۔ ڈی سینٹ مارٹن کی کتاب

چونکہ آپ اپنے احکام کو جا و بے جا لاپرواہی سے استعمال کرتے رہے ہیں اس لئے صرف چند ایک احکام ایسے باقی رہ گئے ہیں جن کی حکم عدولی نہیں ہوسکتی۔ آپ جو حقیقی عظمت رکھتے ہیں تعجب ہے کہ آپ کے اندر بھی وہ لاپرواہی پیدا ہو جاتی ہے جو دوسرے راجاؤں میں عام طور پر پائی جاتی ہے۔ بھلا خیال تو کیجئے کہ موسم سرما میں مشرقی سمندر کے قریب وہ پھل کیونکر مہیا ہوسکتے ہیں جو کشمیر میں بھی صرف چند دن موسم برسات میں پیدا ہوتے ہیں۔ آپ کے سابقہ عطیہ کے باعث جس علاقے میں بھی آپ جائیں اس کا محافظ دیوتا آپ کے احکام کی تعمیل کے لئے تیار رہتا ہے؛ چونکہ اب آپ مشرقی حصہ میں ہیں جس کا محافظ اندر ہے اس لئے آپ کے حکم کی تعمیل گو وہ حقیر سا ہے اس نے جسے کبھی اضطراب یا پریشانی نہیں ہوتی کسی نہ کسی طرح کردی ہے۔ اب چونکہ آپ کے احکام چند ایک باقی رہ گئے ہیں اس لئے آپ کو بغیر کسی خاص ضرورت کے ان سے کام نہ لینا چاہئے "

جب قاصد یہ الفاظ کہکر نظروں سے غائب ہوگیا تو اس وسیع النظر راجہ نے

تیماٹر اپنے لنک کے صفحات ۲۵۹ و ۲۷۰ پر بھی اس کا ذکر پایا جاتا ہے۔

استری راج یا عورتوں کے ملک کا ذکر جہاں کوئی آدمی نصف سال سے زیادہ عرصہ تک نہ رہ سکتا تھا مہابھارت اور وراہا میہر کی کتاب برہت سنگتا میں بھی آیا ہے دیکھو لاسن صاحب کی کتاب انڈس آلٹر تھمس کنڈ فصل اول صفحہ ۸۵۱۔

پراگ یوتش کے لئے دیکھو نوٹ ع۱۳۹ کتاب ہذا۔ ریت کے سمندر (والو کام بدھی) کا ذکر ترنگ ہم کے شلوک ۱۶۲ و ۲۷۹ میں آیا ہے اور جیسا کہ ترنگ ہم کے شلوک ۲۰۲ سے واضح ہوتا ہے یہ شمال کی طرف واقع تھا۔ خیال ہے کہ اس سے مراد مشرقی ترکستان اور تبت کے صحرائی علاقوں سے لی گئی ہے۔

اس علیہ کی عظیم طاقت پر غور کرنا شروع کیا اور نہایت حیران ہوا۔ ایسے ہی بیش قیمت نتائج حاصل کرنے کا اشتیاق دل میں لیکر اس نے پرہاس پور میں مستقل طور پر ایک عظیم الشان تیوہار قائم کیا اس تیوہار کے موقعہ پر جس کا نام سہسر بھگت ہے دکشنا کے علاوہ ایک لاکھ ایک کھانے کی رکابیاں تقسیم کی جاتی ہیں۔ اسی مدعا کو مدنظر رکھتے ہوئے اس نے شور علاقوں میں شہر تعمیر کروا دیئے تاکہ کوئی شخص اگر پیاسا ہو تو اُسے پینے کو پانی مل سکے۔

چنکن کی داستان جس طرح ہوا مختلف درختوں سے کھلی ہوئی کلیوں کو جمع کرتی ہے ویسے ہی اس نے مختلف ممالک کے داناؤں کو یکجا کیا۔ سرزمین توخار سے وہ گنگن ورش (گنکن کی بارش کرنے والا) جادوگر کے بھائی کو اپنے ہمراہ لے آیا جس کا نام چنکن تھا اور جس میں عجیب و غریب صفات پائی جاتی تھیں۔ اپنے جادو کے زور سے راجہ کے خزانہ میں بہت سا سونا تیار کر کے اس نے اُسے آرام مہیا کیا جیسے کنول پھول کا تالاب کنول کو آرام دیتا ہے۔

---

۲۵۰ جالندھر کا نام اب تک پنجاب کے ضلع و شہر جالندھر کی صورت میں قائم چلا آتا ہے لیکن مسلمانوں کی فتوحات سے پیشتر کے زمانہ میں جیسا کہ ہیون سانگ کے بیان مذکورہ کتاب "سی۔یو۔کی" فصل اول صفحہ ۱۷۵ اور کنگھم صاحب کی کتاب جغرافیہ قدیم کے صفحہ ۱۳۶ سے واضح ہوتا ہے جالندھر کی قدیم سلطنت میں وہ تمام پہاڑی علاقے شامل تھے جو بیاس کے بالائی حصے پر واقعہ ہیں۔ بالخصوص کانگڑے یا ترگرت کا علاقہ۔ دیکھو نوٹ نمبر ۱۵۱ کتاب ہذا۔

دہریا موجودہ لوہرین کی مقامیت پر مفصل طور پر نوٹ عا ضمیمہ کتاب ہذا میں پوری بحث کی گئی ہے۔

ایک بار راجہ پنج ند (پنجاب) کے علاقہ میں اُس جگہ پر جہاں پانچوں دریا ملکر ناقابل عبور تھے رُک گیا۔ اور چونکہ اس کی فوج کنارے پر روکی ہوئی تھی اس لئے اس کے دل میں سخت اندیشہ پیدا ہوا۔ جب اس نے وزرا سے اس دریا کو عبور کرنے کا طریقہ دریافت کیا تو چنکن نے جو کنارے پر کھڑا تھا ایک منی پانی میں جو نہایت گہرا تھا پھینک دی اس منی کے اثر سے دریا کا پانی پھٹ گیا اور راجہ دریا کو عبور کر کے دوسرے کنارے پر پہنچ گیا۔ اس کے بعد چنکن نے ایک اور منی کے ذریعے اس منی کو باہر نکال لیا اور ایک لمحے میں ندی کا پانی بدستور بہنے لگ گیا۔ اس معجزے کو دیکھ کر راجہ نے جس کے منہ سے بے اختیار تعریف نکل رہی تھی چنکن سے یہ دونوں منیاں مانگیں اس نے مسکرا کر جواب دیا۔ یہ صرف اسی وقت کام دیتی ہیں جب میرے ہاتھ میں ہوں۔ بھلا آپ انہیں لے کر کیا کرینگے۔ کوئی خوبی کی چیز صرف معمولی لوگوں میں شہرت حاصل کر سکتی ہے اُن بڑے بڑے لوگوں میں جن میں پہلے سے ہی بہت سی خوبیاں موجود ہوں ایسی چیز کی کیا قدر ہو سکتی ہے۔ سنگ قمری[۲۵۲] کی نمی کی قدر صرف اُسی وقت تک

۲۵۱ ولسن صاحب اپنی کتاب کے صفحہ ۴۹ پر ہری ونس کی ایک ایسی ہی روایت کا ذکر کرتے ہیں جس میں ذکر آیا ہے کہ راجہ ساگر نے ملیچھوں کی مختلف اقوام کو مجبور کیا تھا کہ اپنے بالوں کو مختلف امتیازی طریقوں پر آراستہ کیا کریں کلہن کے بیان کردہ قصے سے جن مشاہدات کا پتہ چلتا ہے وہ اب تک دیکھنے میں آتے ہیں مثلاً یارقندی اور تبتی لوگ اپنے ہاتھ پیٹھ کے پیچھے تہ کر کے پھرنے کے شائق ہیں اور آجتک سری نگر کے بازاروں میں اسی ہیبت سے پھرتے دیکھے جا سکتے ہیں کشمیریوں میں خواہ وہ برہمن ہوں یا مسلمان یہ حرکت بالکل غیر معمولی خیال کی جاتی ہے۔

دکھنی اور بنگالی جب دھوتی باندھتے ہیں تو اُس کا ایک سرا پیچھے کی طرف زمین تک

ہوتی ہے جب وہ ساحل سمندر پر کہیں موجود ہو۔ لیکن اگر سمندر اُسے بہالے جائے تو اس کی نمی خواہ کتنی بھی زیادہ ہو سمندر کے پانی میں محسوس نہیں ہو سکتی" جب وہ یہ الفاظ کہہ چکا تو راجہ نے حیران ہو کر پوچھا۔ کیا تم خیال کرتے ہو کہ میرے پاس ان دو سے بڑھ کر کوئی جواہر موجود ہے اگر تمہیں میرے پاس کوئی ایسی چیز نظر آتی ہے جو بلحاظ قدر کے ان سے بڑھی ہوئی ہو تو تم اُسے لیلو اور اس کے عوض یہ دونوں منیاں مجھے دے دو۔ چنکن بولا "مہاراج! میں آپکی مہربانی کا ممنون ہوں یہ دونوں منیاں آپ کی ہو چکیں لیکن میری ایک خواہش منظور کی جائے۔ براہ عنایت مجھے سُگت (بدھ) کی وہ مورتی دی جائے جو مگدھ دیش[۲۵۴] سے ایک ہاتھی پر رکھ کر لائی گئی تھی۔ آپ ان منیوں کو لے لیں جن کے ذریعے انسان پانی کو عبور کر سکتا ہے۔ اور مجھے وہ سگت کی مورتی دیدیجئے۔ جو اس سنسار ساگر کو عبور کرنے کا راستہ بنا دیتی ہے"

اس مناسب درخواست کو سُنکر راجہ نے اس کو بدھ کی مورتی دینی منظور کر لی۔ بیشک کسی فصیح شخص کی درخواست کو کون رد کر سکتا ہے۔ چنکن نے بدھ

لٹکتا رہتا ہے جسے دیکھ کر آجتک کشمیری متعجب ہوتے اور تمسخر اڑاتے ہیں۔

۲۵۲ ان دونوں مقامات میں سے کسی ایک کا بھی آجکل پتہ نہیں چلتا البتہ درپت پو کا ذکر آگے چل کر ترنگ ۷ کے شلوک ۹۶۶ اور ترنگ ۸ کے شلوک ۱۹۰۴ میں آتا ہے۔

۲۵۳ پھل پور جو غالباً پری ہاس پور کے قریب واقع تھا اور وتشتا اور سندھو کے مقام اتصال کے متعلق دیکھو نوٹ ۲۰ کتاب ہذا۔ اور ترنگ ۵ کا شلوک ۹۷۔ اور ترنگ ۲ کا شلوک ۶۷۳۔

پرنوتس بلاشبہ پونچھ کا نام ہے جسے کشمیری پُرنتس کہتے ہیں آجکل اس نام کی ایک

کی وہ موتی اپنے وہار میں لاکر رکھی جواب تک اپنی برنجی خوشنمائی کے باعث اس طرح چمکتی ہے گویا اس نے فقیروں کی طرح بسنتی رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے ہیں اب تک اس موتی کے سنگھاسن کے گرد دھات کے بند کسے ہوئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی زمانے میں یہ ہاتھی کی پشت پر رکھی گئی تھی۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ زمین بھی بڑے بڑے راجاؤں کی خواہشوں کی اطاعت اور انکے ساتھ رعایت کا سلوک کرتی ہے۔

مہاراجہ رامچندر جی اور لچھمن جی کی استھاپن کردہ وشنو کی مورتیاں

ایک بار یہ راجہ جو فن شہسواری میں طاق تھا اکیلا ایک بن سدھائے گھوڑے پر سوار ہو کر اُسے سدھانے کے لئے جنگل میں نکل گیا۔ وہاں پر اس ویرانے میں اُسے دو خوبصورت دوشیزہ لڑکیاں نظر آئیں جن میں سے ایک گا رہی تھی اور دوسری ناچ رہی تھی تھوڑی دیر کے بعد جبکہ وہ گھوڑے کو پھرا رہا تھا اس نے دیکھا کہ وہ دونوں آہو چشم لڑکیاں رقص و سرود سے فارغ ہو کر اُس کے سامنے کسی قدر جھکیں اور پھر وہاں سے

چھوٹی سی پہاڑی ریاست سلسلہ کوہ پیر پنچال کے جنوب مغرب کی طرف واقع ہے اور اس پر جموں کے خاندان کی ایک شاخ حکمران ہے۔ ہیون سانگ نے جو کشمیر سے راجپوری (راجوڑی) جاتا ہوا غالباً براستہ توش میدان یہاں پہنچا تھا اس کا ذکر پُن نوتسو کے نام سے کیا ہے دیکھو سی یوکی فصل اول صفحہ ۱۶۳۔ اس کے زمانہ میں یہ مقام براہ راست کشمیر کے ماتحت تھا جس کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اِسے لوہر کے پہاڑی علاقے میں شامل کر لیا گیا تھا۔ دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۱۳۰۰ ترنگ ۸ شلوک ۹۱۴-۹۱۷-۳۰-۱۶۳ و نوٹ ع۱ ضمیمہ کتاب ہذا ہیون سانگ نے چونکہ اس کا حوالہ ساتویں صدی کے نصف حصہ میں دیا ہے اس لئے ثابت ہوتا ہے کہ پرنوتس کا نام للتادتیہ کے زمانہ سے پہلے کا ہے کنگھیم صاحب نے اپنی کتاب

چلی گئیں۔ اس کے بعد وہ ہر روز گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں آنے لگا جہاں یہ دونوں خوبصورت لڑکیاں اسی صورت میں اسے نظر آیا کرتی تھیں۔ آخر کار اس نے متعجب ہو کر ان سے سوال کیا جس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ ہم ایک مندر کی رقاصہ لڑکیاں ہیں اور یہاں شور ورددہمان کے گاؤں میں ہمارا گھر ہے اپنی ماؤں کے کہنے سے جو اپنی معاش یہیں سے حاصل کرتی ہیں ہم اس جگہ ناچتی ہیں اور یہ ہمارا موروثی پیشہ ہے یہ رواج قدیم سے ہمارے خاندان میں سے چلا آتا ہے اس کی وجہ نہ تو ہمیں نہ کسی اور کو معلوم ہے۔ راجہ یہ سنکر نہایت حیران ہوا۔ اور اگلے روز ان کے بتانے کے مطابق اس نے اپنے کاریگروں کے ذریعے ساری زمین کھدوا ڈالی۔ جب گہری کھدائی ہو چکی تو راجہ کو ان کے کہنے کے مطابق دو پورانے مندر نظر آئے جن کے دروازے بند تھے۔ دروازے کھول کر اس نے دیکھا کہ وہاں دو کیشو کی مورتیاں ہیں جن کی پیٹھ پر یہ حروف کندہ ہیں کہ انہیں رام اور لکشمن نے بنوایا تھا۔

راجہ نے وشنو پر ساس کیشو کے مندر کے قریب ایک علیحدہ پتھر کی عمارت

جغرافیہ قدیم کے صفحہ ۱۲۸ پر ہر چند کہ پُن نوتسو سے مراد پوچھ لی ہے تاہم وہ یہ نہیں سمجھ سکے کہ یہی پرنوتس کا دوسرا نام ہے۔ کشمیر کے پنڈتوں کو بخوبی معلوم ہے کہ پرنتس اور پرنوتس ایک ہی نام ہیں۔ پرنتس کے شہر اور علاقے میں زیادہ تر کشمیریوں ہی کی آبادی ہے۔ اس کا باعث بدیہی طور پر یہ ہے کہ زمانہ قدیم سے لیکر اس میں اور کشمیر میں قریبی سیاسی تعلقات قائم رہے ہیں۔ سری ورکی کتاب میں پرنوتس کا ذکر بارہا آتا ہے دیکھو سری ورکی راج ترنگنی ترنگ اول شلوک ۶۷ - ۳۲۲ - ۶۰۷ - ۳۶۷ - ترنگ ۲ کا شلوک ۶۸ و ۱۱۵ - ترنگ ۴ کا شلوک ۱۴۵-۶۱۲۔

کریڑا رام وہار کا ذکر دوبارہ کہیں نہیں آتا نہ اس کی مقامیت کا کچھ پتہ ہے۔

بنوا کر رام سوامن کی مورتی وہاں استھاپن کروادی۔ لکشمن سوامن کی مورتی درخواست کر کے رانی نے لے لی اور اسے اس نے چکر بیغور[۲۵۳] کی مورتی کے قریب استھاپن کروایا۔

للتادتیہ کی یورش ریت کے سمندر پر جن دنوں یہ راجہ دنیا فتح کرنے کی مہم میں مصروف تھا ایک شخص جس کے بشرے[۲۵۴] سے معلوم ہوتا تھا کہ ابھی سزا بھگت کر آیا ہے راجہ کے سامنے جو ہاتھی پر سوار تھا آگیا۔ راجہ کو اس پہ رحم آیا اور اس شخص سے جس کے ہاتھ۔ ناک اور اعضا کٹنے کے باعث زخموں سے خون بہہ رہا تھا اور جو حفاظت کا ملتجی تھا اپنا قصہ بیان کرنے کے لئے کہا۔ اس نے عرض کی کہ میں اُس راجہ کا وزیر ہوں جو سکتا سندھو (ریت کے سمندر) کا حکمران ہے اور اب تک بڑی وفاداری کے ساتھ اس کی خدمت گذاری کرتا رہا ہوں لیکن جب میں نے اُسے آپ کی اطاعت گذاری کا نیک مشورہ دیا تو اس نے مجھے یہ سزا دی۔ راجہ نے وعدہ کیا کہ میں تمہارے آقا سے اس کا انتقام لونگا اور اسکے

---

۲۵۴ ایک ٹیکا کار نے خیال ظاہر کیا ہے کہ للت پور اور للتادتیہ پور جس کا ذکر ترنگ ۲ کے شلوک ۲۱۹ و ۲۲۴ میں آتا ہے ان دونوں سے مراد لت پورہ سے ہے جو دیہی پرگنہ کا ایک گاؤں اور دریائے وتستا کے داہنے کنارے پر واقع ہے یہاں کی مقامی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں پر راجہ للتادتیہ نے ایک بہت بڑا شہر بنوایا تھا جو دریائے اور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ لیکن آجکل سطح زمین پر اس کے کوئی آثار نہیں پائے جاتے۔

۲۵۵ ہشک پور یا اُشکر کے متعلق دیکھو نوٹ ۱۶۷ کتاب ہذا۔ یہاں پر جس ستوپا کا ذکر آتا ہے وہ غالباً وہی ہے جس کا حوالہ کنگھیم صاحب نے جغرافیہ قدیم کے صفحہ ۱۰۰ پر دیتے ہوئے لکھا ہے کہ پادری کوئی صاحب نے اسے اُشکر کے قریب درست حالت میں پایا

ساتھ بڑی مہربانی کا سلوک کیا۔ کچھ عرصہ بعد اس کے زخم مندمل ہو گئے ۔ اور اس کی صحت بھی بحال ہوگئی ۔ اس شخص نے جس کے ساتھ ایسا مہربانی کا سلوک ہوا تھا ایک بار اثنائے کوچ میں جبکہ اور کوئی شخص قریب نہ تھا راجہ سے کہا۔ "مہاراج میں اس جسمانی حالت میں محض انتقام کی خواہش سے زندہ ہوں جب میری خواہش پوری ہوگئی تو میں مصیبت اور خوشی ان دونوں کو اپنے آنسوؤں کے ذریعے تلانجلی دیکر اپنی زندگی کو جسے بے عزتی تباہ کر چکی ہے خیر باد کہونگا۔ جس طرح کسی شخص کے نعرے کی آواز کا جواب پہاڑ کی طرف سے گونج کی صورت میں بڑھ چڑھ کر ملتا ہے ایسے ہی دشمن کے پہنچائے ہوئے تھوڑے سے ضرر کے عوض اُسے بہت بڑا نقصان پہنچانا لازم ہے ۔ اس سرزمین میں جو یہاں سے تین مہینے کے فاصلہ پر واقعہ ہے ہم کیونکر بہ سرعت پہنچ سکتے ہیں۔ یا اگر وہاں پہنچ بھی جائیں تو یہ کیا ضروری ہے کہ دشمن اس وقت تک وہیں موجود رہے ۔ اس لئے میں آپ کو ایک ایسا راستہ بتلاتا ہوں جسے آپ نصف مہینہ میں طے کر سکینگے ۔ لیکن اس میں چونکہ پانی نہیں ملتا اس لئے

تھا اس ستوپے کا ۱۸۶۳ء کا لیا ہوا ایک فوٹو کول صاحب نے اپنی کتاب "اینشنٹ بلڈنگز" میں دیا ہے ماہ اگست ۱۸۹۲ء میں جب سٹائن کو یہاں جانے کا اتفاق ہوا تو انہیں گاؤں کے مغرب کی طرف چار سو گز کے فاصلہ پر ایک ستوپا کے تھوڑے سے آثار نظر آئے جس کے متعلق دیہاتیوں نے بیان کیا کہ کئی سال گذرے کسی صاحب نے آکر اسے کھود ڈالا اور کسی قدر سطح زمین کے برابر کر دیا تھا ۔ مسٹر لارنس نے اپنی کتاب "ویلی" کے صفحہ ۱۶۳ پر جو کچھ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام کو ۱۸۸۳ء میں مسٹر گیرک نے کھود دیا تھا ۔

ایک اور قدیم ستون ایک عظیم الشان لنگ کی صورت میں قریباً دس فٹ اونچا اور

صرف وہی فوجیں وہاں سے گذر سکتی ہیں جنہوں نے اپنے لئے پانی کا بندوبست کر رکھا ہو۔ میرے رشتہ دار جو اُس علاقے میں رہتے ہیں آپ کی آمد کی خبر کو مشتہر نہ کرینگے اور اس فریب سے راجہ کو مع اُس کے وزرا اور رنواس کے زیر حراست کر لیا جا سکتا ہے۔"

ایسی ایسی باتیں کر کے اس نے راجہ کو ریت کے سمندر میں کوچ کرنے پر آمادہ کر لیا۔ جب آدھا مہینہ گذر گیا تو فوج کا پانی ختم ہو گیا۔ اس صورت میں بھی راجہ دو تین دن تک برابر کوچ کرتا رہا لیکن جب آخر کار اس نے دیکھا کہ فوج پیاس سے بے حال ہو رہی ہے تو اس نے اپنے رہبر سے کہا "جتنے دن اس کوچ کے لئے مقرر تھے وہ تو پورے ہو چکے اور فوج جاں بلب ہو رہی ہے۔ ابھی کس قدر فاصلہ اور باقی ہے؟" اس پر اس نے مسکرا کر جواب دیا۔ "واہ صاحب! آپ تو فاتح بننا چاہتے ہیں آپ مجھ سے دشمن کے ملک تک پہنچنے کا باقی فاصلہ دریافت کرتے ہیں یا یم راج کی سلطنت میں پہنچنے کا؟ حقیقت یہ ہے کہ میں نے اپنے والئے نعمت کے فائدے کو مدنظر رکھ کر اور اپنی

سیدھا اُشکر اور بارہ مولا کے موجودہ ٹونگوں نکے اڈے کے مابین دیکھا جاتا ہے جس کا فاصلہ دونوں مقامات سے نصف نصف میل کے قریب ہے۔ نواحات کے کھیتوں میں پرانے مقامات کی دیواریں اب تک سطح زمین پر مختلف مقامات میں دیکھی جاتی ہیں۔ سٹائن صاحب نے اوکنگ کے متعلق جو نوٹ لکھے ہیں اس کتاب کے صفحہ ۳ پر واضح طور پر اُن دلائل کا ذکر کیا ہے جن کی بنا پر خیال کیا جا سکتا ہے کہ جس وہار کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے وہی مونگٹی وہار ہے جس کا حوالہ چینی سیاح نے معابد کشمیر کی فہرست کے آغاز میں دیا ہے۔ اوکنگ واضح طور پر لکھتا ہے کہ اس معبد کو شمالی ہند کے ایک راجہ نے شہرت حاصل کرنے کے بعد بنوایا تھا اور اس میں کچھ شبہ نہیں کہ مونگٹی سے اس کی مراد اسی راجہ (مکتاپیڈ) کے نام سے ہے

جان کی پرواہ نہ کرکے آپ کو مع آپ کی فوج کے یہاں موت کے منہ تک پہنچایا ہے۔ یہ کوئی چھوٹا موٹا صحرا نہیں بلکہ ایک خوفناک ریت کا سمندر ہے۔ جہاں کہیں پانی نہیں ملتا۔ اے راجہ! اب کون تمہاری حفاظت کریگا"۔ یہ سُنکر فوج کی ہمت اس طرح شکست ہوگئی جیسے کوئی دہان کا کھیت اولوں سے تباہ ہوگیا ہو اور صرف ڈنڈیاں ہی باقی رہ گئی ہوں۔ خوف زدہ سپاہی جو زندگی سے بے امید ہو چکے تھے اُن کی آہ وزاری بند کرنے کے لئے راجہ نے اپنا بازو اُٹھایا اور کہا۔ "اے وزیر! جو کچھ تو نے اپنے آقا کی امداد کے لئے کیا ہے اس سے ہم خوش ہیں۔ اور یہ خوشی ہمارے اندر اس انتہا تک پہنچ گئی ہے کہ اس صحرا میں ہمیں سردی محسوس ہوتی ہے۔ لیکن جس طرح ہیرے پر لوہا ٹوٹ جاتا ہے ویسے ہی میرے مضبوط استقلال پر تمہاری یہ کوشش بھی بے سود ثابت ہوگی۔ جس طرح کوئی شخص دھوکے میں آکر آگ کی چنگاڑی کو جواہر سمجھ کر اُٹھالیتا ہے اور اس کے بعد جب اس کی انگلیاں جلنے لگتی ہیں تو افسوس کرنے لگتا ہے۔ ویسے ہی آج تمہیں اپنے اعضا بے فائدہ کٹوانے پر افسوس ہوگا۔ جس طرح زمین

البرونی نے اپنی کتاب انڈیا کی فصل ۲ صفحہ ۱۷۸ میں جس طرح پر مکت پیڈ کا حوالہ دیا ہے اس میں اور اوکنگ کے اشارے میں ایک عجیب مشابہت پائی جاتی ہے۔ یہ مشابہت اور اس بات کا خیال کہ چینیوں نے ہندوستانی ناموں کو بگاڑ کر کچھ کا کچھ بنا لیا ہے۔ ان دونوں باتوں سے یہ امر اغلب معلوم ہوتا ہے کہ مونگٹی کا لفظ مکٹ یا مکتا کی اختصار شدہ صورت مت یا متا سے مشابہ ہے۔ کلہن نے جن مندروں کا حوالہ دیا ہے ان میں مکتا پیڈ کی بجائے مکت یا مکتا دونوں صورتیں استعمال ہوتی رہی ہیں جیسے مکتا کیشو جس کا ذکر ترنگ ۳ کے شلوک ۱۹۶ و ۲۰۱ میں آیا ہے اور مکت سوامن جس کا ذکر شلوک ۱۸۸ میں آتا ہے۔

بادل کی گرج پر قیمتی پتھر باہر نکالتی ہے۔ ویسے ہی دیکھو کہ میرا حکم پاکر آج زمین پانی پیدا کرتی ہے"۔ یہ کہکر اس نے اپنا نیزہ پانی نکالنے کے لئے زمین میں گاڑ دیا۔ جس طرح شوجی نے وتستا کا پانی سطح زمین تک لانے کے لئے اپنے ترسول سے زمین کو پھاڑا تھا۔ اس پر زمین کے نیچے سے سیاہ کی امیدزیست کے ساتھ ساتھ ایک ندی نمودار ہوئی جس کی ظاہری صورت دوزخ کی حسن کی دیوی کی پُرادا مسکراہٹ سے مشابہ تھی۔ اِس ندی نے سپاہیوں کی تکلیف اور اس وزیر کی امید کو جس نے اپنے اعضا بے فائدہ کٹوائے تھے نابود کر دیا۔

ناکامیاب وزیر گالیاں سناتا ہوا اپنے آقا کے شہر میں داخل ہوا۔ اور اس کے پیچھے پیچھے موت بھی۔ راجہ نے سب سے پہلے اس دغا باز حکمران کو سزا دی اور اس کی بھی وہی حالت بنادی جو اُس کے وزیر کی بنی تھی۔

آجتک شمالی علاقے میں وہ ندیاں بہتی ہیں جنہیں اس راجہ نے اپنے نیزہ کے زور سے پیدا کیا تھا اور عندالضرورت انہیں ساتھ ساتھ تیار کرتا جاتا تھا۔

شہر پر ہاس پور کو جلانے کی کوشش } اس کے علاوہ اس راجہ کے متعلق اور بھی ہزاروں داستانیں

سطور بالا میں جس عظیم وہار کا ذکر کیا گیا ہے وہ تکتا پیڈ کے قائم کردہ معابد کی طویل فہرست میں سے ایک ہے جس کا نام کلہن نے نہیں لکھا۔ اس وجہ سے اور نیز تکت سوامن کے نام کی مشابہت سے جو راجہ نے اسی جگہ کے وشنو کے مندر کے لئے رکھا تھا یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ اس وہار کا نام تکت وہار ہوگا جسے اوکنگ نے بدل کر مونگٹی وہار لکھا ہے۔

دوسرا عظیم وہار جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ راجہ نے اُسے پرہاس پور میں بنوایا تھا (دیکھو ترنگ ۴ شلوک ۲۰۰) معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نام راج وہار یعنی راجا کا وہار رکھا گیا تھا۔ ان دونوں وہاروں کی مزید تسدیق اس طرح پر ہوتی ہے کہ اوکنگ نے

مشہور ہیں لیکن یہاں پر انہیں اس لئے نظر انداز کیا جاتا ہے کہ ان کے باعث تاریخ کا سلسلہ غیر ضروری طور پر ٹوٹتا ہے۔ جس طرح پر بڑی بڑی تبدیلیوں کے قدرتی طور پر خاموش پانی میں اُس جگہ گونج پیدا ہو جاتی ہے جہاں ان کے نیچے بڑی بڑی چٹانیں موجود ہوں اور عام طور پر ہمیشہ صاف رہتی ہوئی اُس وقت گدھلی ہو جاتی ہیں جب بادل محیط آسماں ہوں ایسے ہی بڑے بڑے آدمیوں کو بھی اپنا چال چلن مقام اور وقت کے مطابق بنانا پڑتا ہے۔ معلوم نہیں کہ یہ کلجگ کا پربھاو تھا یا تخت شاہی کا غرور کہ اس راجہ کو بھی بعض خوفناک شرارتیں سوجھیں۔ ایک بار جبکہ وہ پرہاس پور میں مع اپنے رنواس کے ٹھہرا ہوا تھا نشے کی حالت میں اس نے اپنے وزرا کو حکم دیا۔ "اگر تم خیال کرتے ہو کہ پرورپور [۳۷۹] کا شہر جسے پرورسین نے آباد کیا تھا خوبصورتی کے لحاظ سے میرے شہر کے برابر ہے تو اُسے جلادو"۔ یہ خوفناک حکم سنکر اور راجہ کے حکم سے انحراف ناممکن خیال کر کے یہ لوگ باتل آنگن[۳۸۰] میں گئے اور وہاں جو گھاس کا ذخیرہ گھوڑوں کے لئے جمع تھا اُس میں آگ لگادی۔ جب راجہ نے محل کی چوٹی سے اس آگ کا

سونگٹی وہار کا ذکر اپنی فہرست کے آغاز میں کیا ہے اور وہاں پر اُس تعلیم کا بھی حوالہ دیا ہے جو وہ اس جگہ حاصل کرتا رہا ہے۔ اوکنگ کشمیر میں اس سلطنت کے مغربی دروازہ واقع بارہ مولا سے داخل ہوا تھا اس صورت میں غالباً ہشک پور میں بنایا ہوا مکت پیڈ کا وہار پہلا مقام ہوگا جہاں اس نے اس وادی میں آکر آرام اور تعلیم حاصل کی۔

۲۵۶ھ اس شلوک میں جو اعداد دیئے گئے ہیں وہ سکہ دینار سے متعلق معلوم ہوتے ہیں۔ دیکھو نوٹ ع۹ ضمیمہ کتاب ہذا و ترنگ ۴ شلوک ۴۹۵۔

راجہ کا فرض خیال کیا جاتا تھا کہ جب ناپاک وحشیوں کے ممالک سے مہم کر کے واپس آتا تو اُسے پراشچت کرنا پڑتا تھا جیسا کہ کشمیری برہمن ممالک غیر کے سفر سے واپس آکر

نظارہ کیا تو اُس کے شعلوں کی چمک سے اس کا چہرہ روشن ہو کر اس طرح نظر آنے لگا گویا کسی چمکدار چہرے والے بھوت کا ہو جو خوش ہو کر دیوانگی کی حالت میں ہنس رہا ہو۔ جب کوئی شخص خواہ وہ نیک چلن ہی ہو نفرت یا اس قسم کے اور جذبات سے متاثر ہو جائے تو غلطی سے اُسے دوسرا شخص بہت بڑا نظر آتا ہے اُسے اپنے سامنے چاند اور اور اجرام فلکی دوہرے نظر آنے لگتے ہیں۔ اس کی آنکھ ہر چند کہ قدرتی طور پر روشنی سے معمور ہوتی ہے تاہم اس میں تاریکی کا نقص پیدا ہو جاتا ہے ورنہ اگر یہ نہ ہوتا تو کیونکر ممکن تھا کہ اُس راجہ کو جس نے بے شمار شہروں کی بنا ڈالی پرورسین کا ایک شہر غیر ضروری نظر آتا۔ جب اس کا نشہ دور ہو گیا اور شہر کو جلا دینے کے متعلق اُسے اپنا قصور محسوس ہوا تو تاسف کی آگ جس کے ساتھ گرم آہیں بھی ہوتی ہیں اس پر اپنا اثر دکھانے لگی ۔
جس طرح پرانے درختوں (اس جگہ مراد غالباً بانس کے درختوں سے ہے کیونکہ ان کی آپس کی رگڑ سے آگ پیدا ہو جاتی ہے) کو وہ آگ جو اُنکے کھوکھلے تنوں میں ہوتی ہے جلا ڈالتی ہے ویسے ہی جن لوگوں کا من کھوکھلا ہو وہ اندر ہی اندر

کچھ مدت گذری اس وقت تک کیا کرتے تھے ۔

۲۵۷ے اس شلوک سے معلوم ہوتا ہے کہ جیشٹ ایش یا جیشٹ رودر کا قدیم لنگ جس کا ذکر نوٹ ۱۰۵ے کتاب ہذا میں آ چکا ہے بھوتیشور یا بت شیر کے مندر کے قریب واقع تھا۔ نوٹ ۳۵۶ے کتاب ہذا میں جو شہادت پیش کی گئی ہے اُس سے معلوم ہوگا کہ وہاں پر تباہ شدہ مندروں کے جو دو حصے پائے جاتے ہیں ان میں سے مغربی حصہ میں جیشٹ رودر کی پوجا ہوا کرتی تھی۔ اس صورت میں خیال کیا جا سکتا ہے کہ اس مندروں کے مجموعہ کی خاص علامت ھتادیہ کا مندر تھا۔

۲۵۸ے مکرودھر جس کا موجودہ نام سکدر ہے جو دج بردر کے نیچے کی طرف واقع ہے

جلتے رہتے ہیں اور آخرکار بھسم ہو جاتے ہیں۔

صبح کے وقت جب وزیروں نے راجہ کو افسوسناک حالت میں دیکھا تو انہوں نے اس کا غم دور کرنے کے لئے عرض کی کہ شہر کا جلانا محض ایک بناوٹی بات تھی۔ جب راجہ کو یہ معلوم ہوا کہ شہر تباہ نہیں ہوا تو اس کی افسردگی اس طرح دور ہو گئی جیسے کوئی شخص خواب میں یہ دیکھتا ہوا کہ میرا بیٹا مر گیا ہے بیدار ہو کر معلوم کرتا ہے کہ وہ تو میرے سامنے کھڑا ہے۔ راجہ نے وزیروں کی اس دانائی کی تعریف کی اور حکم دیا کہ آئندہ بحالت نشہ میں جو حکم دوں اس کی مطلق تعمیل نہ کی جائے۔ اُن نوکروں پر تف ہے جو اپنے آپ کو فائدہ پہنچانے کے لئے راجہ کو جو اس دنیا کا عارضی مالک ہوتا ہے ایک فاحشہ عورت کی طرح غیر مناسب عیش و خوشی میں محو کر دیتے ہیں۔ وہی شریف دل والے نوکر اس دنیا کو پوتر بناتے ہیں۔ جو اپنی جان تک کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ راجہ غلط راستہ پر نہ چلے۔

پرہاس پور کا ہنگامہ { اس راجہ نے جو بلحاظ عظمت اندر پر بھی سبقت لے گیا تھا ایک اور بھی ایسی خطا کی جو کسی اور معمولی راجہ

اس کے لئے دیکھو نوٹ ۱۳ کتاب ہذا۔ آبپاشی کے جس طریقے کا یہاں حوالہ دیا گیا ہے اس کی توضیح وہاں کی زمین کی صورت سے ہی ہوتی ہے۔ چونکہ یہاں پر بلند سطوح مرتفع یا اودر واقعہ ہیں جو وج برور سے سکدر کے نیچے تک ایک نیم دائرے کی صورت میں پھیلے ہوئے ہیں اس لئے وہ زمین جو اُن کے اور دریا کے بائیں کنارے کے درمیان واقعہ ہے اُسے معمولی نہروں کے طریقے سے پانی نہیں دیا جا سکتا۔ نیز دیکھو ترنگ اول شلوک ۱۵۷۔ آج کل ان دونوں مقامات کے درمیانی کھیتوں اور باغوں میں کنوؤں کے ذریعے آبپاشی ہوتی ہے۔

سے مزید ہونی ممکن تھی۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ ترہی گرامی[۲۸۱] کے مقام پر اس نے گوڑ (بنگال) کے راجہ کو قتل کروا دیا ہر چند کہ اس نے اپنے مہمان کی حفاظت کے لئے پرہاش کیشو کی وشنو کی شاندار مورتی کو ضامن ٹھہرایا ہوا تھا۔ اس موقعہ پر گوڑ کے راجہ کے نوکروں[۲۸۲] نے بڑی عجیب بہادری دکھائی۔ اور اپنے مقتول آقا کے لئے دلیری کے ساتھ اپنی جانیں قربان کر دیں۔ شاردا دیوی[۲۸۳] کے مندر کی یاترا کے بہانے کشمیر آ کر گوڑ کے راجہ کے نوکروں نے اس دیوتا کے مندر کا جسے ضامن بنایا گیا تھا محاصرہ کر لیا۔ راجہ چونکہ کسی غیر ملک میں گیا ہوا تھا اس لئے پوجاریوں نے انہیں اندر داخل ہونے کے خواہشمند پا کر وشنو پرہاس کیشو کے مندر کا دروازہ بند کر لیا۔ گوڑ کے راجہ کے نوکروں نے رام سوامن نامی وشنو کی چاندی کی مورتی پر حملہ کیا اور اسے پرہاس کیشو کی مورتی خیال کر کے الٹ دیا۔ توڑ ڈالا اور اسے چکنا چور کر کے تمام اطراف میں بکھیرنا اور دوسری طرف سری نگر سے سپاہیوں نے آ کر خود انہیں کاٹنا شروع کر دیا۔ جب یہ سانولی رنگت کے آدمی خون سے بھرے ہوئے تلوار کی ضربوں سے زمین پر گرتے تھے تو ایسا

۲۵۹؎ مارتنڈ کے جس مندر کا یہاں پر ذکر کیا گیا ہے اُس کے کھنڈرات کشمیر کے زمانہ قدیم کے فن تعمیر کی عجیب و غریب یادگار ہیں۔ یہ کھنڈرات مٹن کی سطح مرتفع کے شمالی کنارے کے قریب واقعہ ہیں مندر کے شمال مغرب کی جانب ایک میل کے فاصلہ پر اودر کے دامن کے قریب مارتنڈ تیرتھ کے مقدس چشمے واقع ہیں اس مندر کے نام اور اس کے مقام سے کوئی شبہ اس بات کے متعلق باقی نہیں رہتا کہ اسے وشنو سورج کے اعزاز میں تعمیر کیا گیا تھا جس کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم سے لیکر مارتنڈ کی صورت میں اس تیرتھ پر اس کی پرستش ہوتی رہی ہے۔

یہ تیرتھ اب تک اس وادی کا مشہور مقام یاترا ہے اور ہر سال ہندوستان کے مختلف

معلوم ہوتا تھا کہ سرے کی چٹان سے پتھر کے ٹکڑے سیال گیرو میں رنگ کر نیچے گر رہے ہیں۔ ان کی خون کی ندیوں نے اپنے آقا کی غیر معمولی وفاداری کو روشن اور زمین کو زرخیز کر دیا۔ ہیرے (وجر) سے بجلی (وجر) کا خطرہ دور ہو جاتا ہے لعل خوشحالی پیدا کرتا ہے۔ زمرد بہت زہروں کے اثرات کو زائل کر دیتا ہے اس طرح پر ہر ایک جواہر اپنی خاصیت کے مطابق کام دیتا ہے۔ لیکن وہ انسانی جواہرات جو اپنی غیر محدود طاقت کے باعث ان سب پر سبقت رکھتے ہیں کیا کچھ سرانجام نہیں دے سکتے؟ اس طویل فاصلے کو جو انہیں طے کرنا تھا اور اپنے مقتول آقا کی وفاداری کو مدنظر رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ خالق (برہما) بھی وہ کام نہیں کر سکتا جو گوڑ کے باشندوں نے اس وقت کیا۔ اس زمانہ میں ہر جگہ راجاؤں کے پاس ایسے ہی جواہر سیرت نوکر ہوا کرتے تھے جو اپنے آقاؤں سے فوق الفطرت وفاداری کرتے تھے۔ رام سوامن کی مورتی توڑنے کے وقت پریہاس کیشو کی مشہور مورتی جو راجہ کو مرغوب تھی اس فساد میں جو گوڑوں نے آکر مچایا تھا محفوظ رہی آجتک رام سوامن کا مندر خالی پڑا ہے لیکن ساری

علاقوں سے بے شمار لوگ یہاں آتے ہیں۔ مارتنڈ مہاتم میں جو قصہ درج ہے اس میں اس جگہ کو سورج کے اُس بے جان انڈے (مرتانڈ) سے پیدا ہونے کی روایت سے منسوب کیا جاتا ہے جو کشپ کی بیوی آدتی کے بطن سے تیرھویں بچے کی بجائے پیدا ہوا تھا۔ مارتنڈ تیرتھ کا ذکر نیل مت پوران کے شلوک ۱۰۲۶ میں آتا ہے جہاں اسے سورج کے مقدس مقامات میں سے ایک خیال کیا گیا ہے۔

للتادتیہ کے مندر کے کھنڈرات کا انکی جسامت اور تعمیری خوشنمائی کے باعث کشمیر کی کسی اور عمارت کی نسبت زیادہ ذکر کیا گیا ہے دیکھو ہوگل صاحب کی کتاب "کشمیر" فصل صفحہ ۳۶۰-۳۹۴ - کنگھم صاحب کی کتاب جے۔ اے۔ ایس۔ بی کا صفحہ ۲۵۸ اور لوکی صاحب

دنیا ان گوڑ بہادروں کی شہرت سے گونج رہی ہے۔

للتادتیہ کا انجام اس طرح پر اس راجہ نے اپنے اوقات مختلف کاموں میں بسر کیئے اور گو کچھ مدت اپنے شہر کے کاموں میں بھی مصروف رہا تاہم اس کا زیادہ وقت ممالک غیر میں وہ جن ملکوں میں آجتک کوئی نہیں پہنچا تھا انہیں دیکھنے کے لئے خواہش ذوہ شمال کے غیر محدود علاقوں کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں کوبیر اور ادہ آسمانی محافظوں نے اس کی طاقت آزمانے کے لئے مختلف مصائب نازل کیں لیکن ان ملکوں میں بھی جہاں آجتک سورج کی شعاع نہیں پہنچی کسی کو راجہ کے حکم سے انحراف کی جرات نہ پڑی۔

جب وزیروں کو مدت تک اس کی طرف سے کوئی خبر موصول نہ ہوئی تو ایک قاصد اس کی طرف روانہ کیا گیا جس نے واپس آکر کہا کہ مہاراج فرماتے ہیں۔ "یہ کیسی عجیب بات ہے کہ جب میں اس ملک میں پہنچ گیا ہوں تو تمہارے جیسے لوگ میرے جلد واپس آنے کے خواہشمند ہیں۔ تمہیں میرے لئے اور کونسا کام

کی کتاب "انیشنٹ بلڈنگز" صفحہ ۱۹ وغیرہ۔

ان کھنڈرات کی تفصیل یہ ہے کہ ایک بلند مرکزی عمارت موجود ہے جس کے دروازے کے دونوں طرف ایک ایک چھوٹی سی عبادت گاہ اور ایک بہت بڑا مستطیل صحن بنا ہوا ہے غالباً کلہن اپنے شلوک میں اسی کا حوالہ دیتا ہے۔ کنگھیم صاحب نے اس عبارت اور ترنگ ۳ کے شلوک ۲۰۴ کے متعلق غلط فہمی کا شکار ہو کر لکھا ہے کہ یہ مندر نادتیہ نے بنوایا تھا اور کہ للتادتیہ نے صرف اس میں احاطہ کا اضافہ کر دیا تھا۔ فرگوسن صاحب اپنی کتاب انڈین آرکیٹیکچر کے صفحہ ۲۸۵ پر اس عمارت کا ذکر کرتے ہوئے خالص تعمیری لحاظ سے اس رائے کو غیر درست قرار دیتے ہیں۔

نظر آتا ہے جو میں اپنی سلطنت کو واپس آجاؤں اور پھر روز نئی فتوحات حاصل کرنے کے کام سے دست بردار ہو جاؤں۔ دریاؤں کا انتہائی مقام جو اپنے مقام ابتدا کو چھوڑ کر چلتے ہیں سمندر ہے لیکن جو حقیقی فاتح بننا چاہیں انکی منزل کہیں ختم نہیں ہوتی۔ اس لئے میں اپنے ملک کی حکومت کے متعلق تمہیں تمام اصول خلاصہ طور پر لکھتا ہوں اگر تم ان پر عامل رہو گے تو بغیر کسی رکاوٹ کے سلطنت کا کاروبار چلا سکو گے اور تم سے کوئی خطا بھی سرزد نہ ہوگی۔"

"جو لوگ اس ملک میں طاقت در بننا چاہیں انہیں اندرونی فسادات سے محفوظ رہنے کی کوشش کرنی چاہئے کیونکہ ممالک غیر کے دشمنوں سے انہیں ویسا ہی کم خطرہ ہو سکتا ہے جیسے چارواک (ستک) کو پرلوک کا۔"

"جو لوگ ایسے پہاڑوں میں رہتے ہیں جن تک رسائی حاصل کرنا مشکل ہے وہ خواہ کچھ بھی قصور نہ کریں تاہم انہیں سزا دیتے رہنا چاہئے۔ کیونکہ اپنے قلعوں میں محفوظ ہونے کے باعث ان کے جتھے کو اس وقت توڑنا مشکل ہوگا۔ جب وہ دولت جمع کر لینگے۔"

(کنگھم صاحب نے اپنی مذکورہ بالا کتاب کے صفحہ ۲۷۳ پر جو شبہ اس بارہ میں ظاہر کیا ہے کہ صحن کا اندرونی حصہ کسی زمانہ میں پانی سے بھرا رہتا تھا اور اس طرح پر مندر ناگوں کی براہ راست حفاظت میں ہوا کرتا تھا غلط معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس خشک سطح مرتفع میں نہ تو کوئی ناگ اور نہ چشمے موجود ہیں اور زمانہ قدیم میں دریائے لار سے جو ایک آبپاشی کی نہر یہاں تک پہنچائی گئی تھی اس نے کبھی ان چشموں کی روایتی اہمیت حاصل نہ کی ہوگی)۔

مارتنڈ کے مندر کا ذکر کلہن نے دوبارہ راجہ کلش کے عہد میں کیا ہے جس کا وہاں انتقال ہوا تھا۔ دیکھو ترنگ ۷، شلوک ۷۰۹-۷۱۵-۷۲۲، یہ مندر ہرش کی لوٹ سے

"اس بات کی احتیاط رکھنی ضروری ہے کہ گاؤں والوں کے پاس ایک سال سے زیادہ عرصہ کے لئے خوراک موجود نہ ہو نہ اس سے زیادہ بیل ہوں جتنے کھیتوں میں ہل چلانے کے لئے ہونے ضروری ہیں کیونکہ اگر ان کے پاس دولت زیادہ جمع ہوئی تو وہ ایک ہی سال کے عرصہ میں خوفناک ڈامر[۳۵۴] بن جائیں گے اور راجہ تک کے احکام کی پرواہ نہ کرینگے۔"

"جب دیہاتی کپڑے، عورتیں۔ اونی کمبل۔ اشیاء خوردنی۔ زیورات۔ گھوڑے مکانات اس قسم کے حاصل کرلیں جیسے شہر والوں کے لائق ہوتے ہیں۔ جب راجہ دیوانہ پن کی حالت میں اُن مضبوط مکانات سے غافل ہو جائے جن کی نگرانی ضروری ہے۔ جب نوکر بے سمجھی اور نا عاقبت اندیشی کے آثار ظاہر کرنے لگیں۔ جب خاص فوجیں ایک ہی علاقہ سے بھرتی کی جائیں جب مختلف سرکاری افسروں میں ایک دوسرے سے شادی کے تعلقات قائم ہوں۔ جب راجہ دیستھوں (محرروں) کی طرح دفاتر کی نگرانی کرے تو اس وقت یقیناً جان لینا چاہیے کہ رعایا کی بدقسمتی کے آثار نمودار ہو رہے ہیں۔"

بھی بچار رہا ہے۔ دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۱۰۹۶ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد کلہن کے زمانہ میں باغیوں کی ایک جماعت نے اس سے ایک قلعے کا کام لیا تھا اس موقعہ پر مندر کے احاطے کا خاص طور پر ذکر آیا ہے۔ دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۳۲۸۱-۳۲۸۸-۳۲۹۵۔ جون راج اپنی راج ترنگنی کے شلوک ۵۹۰ میں لکھتا ہے کہ یہ مندر اُن مندروں میں سے ایک تھا جنہیں بت شکن سلطان سکندر نے تباہ کیا تھا۔ لیکن آگے چل کر اس نے مارتنڈ کے نام سے اس مقام کا بھی ذکر کیا ہے۔ دیکھو شلوک ۸۷۵ و ۹۷۹ پنجابھٹ اور شک کی راج ترنگنی شلوک ۵۲۰۱-۵۳۲-۸۵۰۔ کسی قدر مشتبہ اشارہ اس بارے میں "سری کنٹھ چرت" ادھیائے ۳ شلوک ۱۵ میں پایا جاتا ہے۔ اس مندر اور تیرتھ کا نام

میرے شاہی جانشینوں کی طبائع کا حال جن کا میں ذکر کرتا ہوں اُنکے چال چلن سے خفیہ طور پر معلوم کر کے اپنے دل میں رکھنا۔ دیوانے ہاتھی کا قریب موجود ہونا اس کی کنپٹی کے پسینے کی بو کے ہوا میں پھیل جانے کے باعث معلوم ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی بادل کی گرج کا پتہ اس بات سے چل جاتا ہے کہ بجلی بڑی تیزی سے چمک رہی ہو۔ اسی طرح کسی شخص کی نہ بدلنے والی من کی حالت جسے وہ پہلے جنم سے حاصل کر چکا ہو اس کے چال چلن سے واضح ہو جاتی ہے اور جس کی نوعیت کا اندازہ کوئی غور بین شخص اپنے فہم و فراست سے لگا سکتا ہے۔ کولیہ دتیہ اور بجرادتیہ دونوں یکساں طور پر میرے بیٹے ہیں لیکن ان دونوں بھائیوں کی طبیعتیں جو مختلف ماتاؤں سے پیدا ہوئے ہیں مختلف قسم کی ہیں ان میں سے بڑے کو تخت پر بٹھانا چاہیئے اگر اس کی طبیعت میں تندی پائی جائے تو تمہیں ضرور اس کے احکام کی تعمیل سے انحراف کرنا چاہیئے۔ میرے اس قول کو یاد رکھو کہ ایسا راجہ خواہ اپنی زندگی یا تخت سے بھی دست بردار کیوں نہ ہو جائے کوئی اس پر افسوس نہ کرے۔ چھوٹے کو راجہ بنانا لیکن

اب کشمیریوں کی زبان کے مطابق متن ہے جو بارتنڈ سے لیا گیا ہے۔ اور یہی نام آئین اکبری کی فصل ۲ صفحہ ۳۵۸ میں بھی آتا ہے۔ بحالیکہ وہ گاؤں جوان چشموں کے گرد واقع ہے عام طور پر بون (سنسکرت بھون) کے نام سے مشہور ہے۔ اب یاتری اس قدیم مندر میں یاترہ کرنے نہیں جاتے بلکہ مارتنڈ کے اُس جدید مندر میں جاتے ہیں جو ناگ کے قریب بنا ہوا ہے۔

۲۶۰ لوکا پنیہ کا ذکر اس کتاب کے آخری حصہ میں کئی موقعوں پر آتا ہے۔ دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۱۱۳۹ - ۱۳۵۷ - ترنگ ۸ شلوک ۵۲۳ - ۱۴۲۳ - ایک ٹیکا کار کا خیال ہے کہ لوکا پنیہ کا موجودہ نام لوک بون ہے جو لار ک پور کے قریب برنگ پرگنہ

اگر ناعاقبت اندیشی سے ایسا ہو جائے تو اُس کے احکام کی تعمیل کرنی چاہئے اور خواہ وہ بُرے چال چلن کا ہی کیوں نہ ہو اس کی حفاظت کو مقدس سمجھنا چاہئے" "جیا پیڈ کو جو میرے پوتوں میں سب سے چھوٹا ہے اور ابھی بچہ ہی ہے ہمیشہ کہتے رہنا کہ وہ اپنے دادا کی مانند بنے۔"

مایوسی کی حالت میں انہوں نے جھک کر تعریف کے ساتھ راجہ کی اس آخری ہدایت کو جو پر معنی تھی منظور کیا اور اس کی واپسی سے ناامید ہو کر گریہ وزاری کرنے لگے۔

چنکن نے تمام رعایا کو جمع کر کے اپنے آنسوؤں کے ذریعے زمین کو جو اپنے مالک سے جدا ہونے کے باعث آتش فراق میں گرم ہو رہی تھی تر کرتے ہوئے یہ کہا "راج کمار کو لیہ پیڈ کو تخت پر بٹھا دو۔ ہمارا نیک نام راجہ پر لوک کو سدھار گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دیوتاؤں نے اس دانا راجہ کی دولت بڑھانے کے متعلق جو میرے اندر جادو کی طاقت پیدا کی ہوئی تھی وہ یکایک زائل ہو گئی ہے۔"

میں ایک چھوٹا سا ناگ یا چشمہ ہے۔ اس چشمہ کے قریب ایک چھوٹے سے پرانے مکان کے کھنڈرات ہیں جس کی نسبت معلوم ہوتا ہے کہ شاہان مغلیہ میں سے کسی نے کسی سابقہ عمارت کے مصالح سے اُسے تعمیر کرایا تھا۔ قدیم پتھر کی مورتیوں کے ٹکڑے اس چشمے کے قریب پانی میں پڑے ہوئے ہیں اور نواحات سے برہمن یہاں یاترہ کی غرض سے آتے ہیں۔

۲۶۱ھ پر ہاس پور کی مقامیت اور اس کے مندروں کی نسبت اس گمان کے متعلق کہ وہ پرس پور اودر کے کھنڈرات میں موجود ہیں دیکھو نوٹ ع ضمیمہ کتاب ہذا۔

۲۶۲ھ کرشن جی کا نام گوردھن دھر بھی مشہور ہے کیونکہ جب اندر نے اپنی پوجا بند

ہر چند کہ وہ راجہ بہت فاصلے پر تھا تاہم اس کی قسمت کی طاقت سے یہاں سارے کام بڑی آسانی سے سرانجام ہو گئے۔ سورج خواہ گہرے بادلوں میں بھی چھپا ہوا ہو تاہم اس کی تاثیر کنول پھولوں تک پہنچتی ہے۔ بادل خواہ کتنی دور بھی ہوں تاہم اُن کے باعث سورج کی تپش میں کمی ہو جاتی ہے۔ یقیناً بڑوں میں کوئی ایسی طاقت ضرور موجود ہوتی ہے۔ جس کے باعث دور کے کام بلا روکاوٹ سرانجام پا جاتے ہیں۔ یہ راجہ جسے اس کی رعایا چاند کی طرح دیکھتی تھی اس طرح پر چھتیس سال سات ماہ اور گیارہ دن حکومت کر کے انتقال کر گیا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ آریانک[۲۶۵] کے ملک میں بے موسم زیادہ برف باری کے باعث ہلاک ہوا تھا۔ بعض یہ بیان کرتے ہیں کہ خاص نازک حالت میں وہ اپنے اُس اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے جو اُسے راجاؤں پر حاصل تھا چتا میں بیٹھ کر جل گیا۔ بعض یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ مع اپنی فوج کے اُن بے حد شمالی علاقوں میں داخل ہو گیا۔ جہاں تک صرف غیر فانی لوگ (دیوتا)

کئے جانے پر غضبناک ہو کر موسلا دھار بارش شروع کی تو اس وقت کرشن جی نے گوردھن پربت کو اپنی انگلی پر اُٹھا کر گائیوں اور گوکل کے باشندوں کو اس کے نیچے پناہ دی تھی۔

۲۶۳ جس عظیم الشان مورتی کا یہاں حوالہ دیا گیا ہے اس کا ذکر ترنگ ۵ کے شلوک ۲۰۳ میں بردھ بودھ کے نام سے آیا ہے۔ نیز دیکھو نوٹ ۷ ضمیمہ کتاب ہذا ترنگ ۴ شلوک ۱۹۴ تا ۲۰۴ اور ترنگ ۷ شلوک ۱۰۹۷۔

۲۶۴ تولک کا وزن جس کا جدید نام تولہ ہے کشمیر میں اب بھی سو دماشہ یعنی ۲۴ رکتکا (رتی) کا شمار ہوتا ہے جیسا ابوالفضل کے زمانہ میں تھا۔ دیکھو آئین اکبری فصل ۲

ہی بہ آسانی پہنچ سکتے ہیں۔ غرض جس طرح اس راجہ کے کارنامے عجیب وغریب تھے ویسے ہی اس کی موت کی خبریں بھی نہایت متحیر کرنے والی ہیں۔ جب سورج غروب ہوتا ہے تو بعض کہتے ہیں کہ وہ سمندر کے پانی میں چلا گیا۔ بعض کہتے ہیں آگ میں داخل ہو گیا اور بعض یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ کسی دوسری دنیا میں پہنچ گیا ہے ویسے ہی یہ بات کچھ چنداں عجیب نہیں کہ جب بڑے آدمی مرتے ہیں تو اُن کے ایک عدیم النظیر طریقے پر رخصت ہونے کے باعث ایسی کہانیاں لوگوں میں پھیل جاتی ہیں جو اُن کی غیر معمولی شان وشوکت کا اظہار کرنے والی ہوتی ہیں۔

کولیہ پیڈ

اس کے بعد مشہور ومعروف کولیہ پیڈ نے جو کمل دیوی کا بیٹا تھا قرص زمین (کولیہ) پر اس طرح حکومت کی جس طرح آدتی کا بیٹا اندر کرتا ہے۔ اپنی فیاضی کے ذریعے اس نے شاہی قسمت میں جو ایک محبت (انورکت) کی

صفحہ ۳۵۴ تا ۳۶۶۔

جیسا کہ پی ڈبلیو نے اپنی کتاب میں لکھا ہے پل چار کرش کا ہوتا ہے اور ایک کرش مساوی ہے سولہ ماشہ کے اس طرح پر گویا ایک پل چار تولک کا ہوتا ہے پرست کا وزن عام طور پر سولہ پل کے برابر سمجھا جاتا ہے اب تک کشمیر میں ۱/۴ حصہ سیر کے لئے پل کا لفظ بولتے ہیں۔

۳۶۵؎ چتوشالہ اور چیتہ کی اہمیت کے لئے دیکھو پرس پور کے کھنڈرات کی کیفیت مندرجہ نوٹ ع ضمیمہ کتاب ہذا۔

۳۶۶؎ کملاہٹ کے معنے کملا کی منڈی کے ہیں۔ جس طرح اُن لنگوں اور چھوٹی

چیز ہے ایک بے عیب چمک پیدا کردی جس طرح سانپ اپنی کھینچلی اتارتا ہے تو اُس کے اندر ایک بے عیب چمک پیدا کردیتا ہے گو قدرتی طور پر اس کی رنگت سیاہ ہوتی ہے۔ کچھ مدت تک وہ اپنے بھائی کی وجہ سے جو اس کے برابر کی طاقت رکھتا تھا چمک سے اس طرح محروم رہا جس طرح آگ کی روشنی میں چراغ کا اوجالا مدہم پڑ جاتا ہے۔ جب درباری انعام (ورن) کی خواہش میں ان دونوں حکمرانوں کے درمیان پھرتے تھے اُن کے خزانے کی اس طرح درگت ہوتی رہی جس طرح ایک مست ہاتھی کی دونوں کنپٹیوں کے پسینے کی ہوتی ہے جبکہ شہد کی مکھیاں اُس خوشبودار پسینے (دان) کی خواہش میں دونوں کنپٹیوں کے درمیان پھرتی ہیں۔ آخر تھوڑے عرصہ بعد راجہ کولیہ پیڈا اپنے چھوٹے بھائی اور اُن وزرا کی سازشوں پر غالب آگیا جو دونوں کی دولت لوٹ رہے تھے۔ جب اُس نے سلطنت کو دشمنوں سے پاک کردیا اور طاقت حاصل کرلی تو اپنے آپ کو اس کام کے قابل محسوس کرکے دنیا کی فتح کے لئے فوجیں جمع کرنی شروع کیں۔ اُن دنوں ایک وزیر نے شائد اُس کے باپ کی نصیحتوں کو یاد کرکے یا ذاتی نخوت

عبادت گاہوں کا جن کا ذکر پریاس پور کے متعلق آیا ہے کچھ پتہ نہیں چلتا ویسے یہ مقام بھی عدم پتہ ہے۔

۲۶۷ لاٹ کے متعلق جو گجرات کے وسطی اور جنوبی علاقے کا قدیم نام ہے دیکھو یوئل صاحب کی کتاب مارکو پولو فصل ۲ صفحہ ۳۵۳ - اور انڈین اینٹی کوٹی فصل ۲۲ صفحہ ۱۸۳ -

۲۶۸ کلہن نے آگے چل کر ترنگ ۴ کے شلوک ۲۱۵ اور ۲۴۶ تا ۲۶۲ میں چنکن کا جو ذکر کیا ہے اُس سے اس اقتدار کا پتہ چلتا ہے جو یہ توخاری وزیر للتادتیہ کے دربار میں رکھتا تھا۔ میسرز لیوی اور کیونن نے اوکنگ کے سفر نامے کے متعلق اپنے نوٹوں

یں آکر اس کے احکام کی خلاف ورزی کی جب رات ہوئی تو راجہ غصے سے بھرا ہوا اپنے بستر پر اسی نافرمان بردار وزیر کے فعل پر غور کرتا رہا اور ایک لمحہ بھر کے لئے بھی اُسے نیند نہ آئی۔ جب وہ اس طرح پر اُس قصور وار وزیر کی موت کا فکر کر رہا تھا اُسے اپنے غصے کے جوش میں یہ بھی خیال آیا کہ اُس وزیر کے ساتھ تعلق رکھنے والے اور بھی بہت سے لوگوں کو مار ڈالنا ضروری ہے۔ جس طرح دیوتاؤں نے سمندر کو کوہ مندر سے بلو یا تھا تو اُس میں سے کال کوٹ (زہر) کے بعد آبحیات (شدھا) نکلا تھا اسی طرح جب اس کی روح تفکرات کے باعث جوش میں آئی تو غصے کے بعد اس کے اندر تیاگ کا احساس پیدا ہوا۔ اس پر اس کا غصہ دور ہوگیا اور اس نے سوچا بھلا یہ کیا بات ہے جس کے لئے مجھے خیال گذرا کہ اتنے آدمیوں کو قتل کرا دوں۔ اس جسم نے جس کے فائدے کے لئے بُرے کام کئے جاتے ہیں اور گناہ کیا جاتا ہے کس شخص کا ساتھ دینا ہے؟ کون ایسا شخص ہے جو اپنے حافظے کو قائم رکھتا ہوا اس ناشکرے جسم کی خاطر (احمقانہ چال چلن کے) دوامی راستوں کو مٹانے کی کوشش کر سکتا ہے؟ افسوس ہے

یں عجیب مشابہت کا ذکر کیا ہے جو کلھن کے بیانات، اور ان علامات میں پائی جاتی ہے جو او کنگ نے آٹھویں صدی کے وسط میں کشمیر کے متعلق توکیو یا ترکوں کے بارے میں ظاہر کی ہیں۔ ان تعلقات کو مدنظر رکھ کر سٹائن صاحب نے او کنگ کے متعلق اپنے نوٹس کی کتاب میں صفحہ ۱۹ پر یہ بات ظاہر کی ہے کہ کلھن نے جس چنکن وہار کا ذکر کیا ہے اُس سے مراد غالباً وہ عبادت گاہ ہے جو او کنگ کی تیار کردہ کشمیر کے وہاروں کی فہرست میں سیانگ کیون (سیناپتی) کے نام سے درج ہے۔ مستند اہل الرائے کا خیال ہے کہ چین اور کن ان دونوں لفظوں کو چینی زبان میں لکھا جائے تو سیانگ کیون بن جاتا ہے۔ چونکہ چنکن کو واضح طور پر توخاری انسل بیان کیا گیا ہے۔ اس لئے سٹائن صاحب کا خیال ہے کہ چنکن کا نام اُس ترکی

کہ لوگ اس بات سے بے خبر ہیں کہ ہر لمحہ کال نامی باورچی جوان کے خاتمے کی طیاری کرتا ہے اُن کی اپنی حالت میں تبدیلی واقعہ کرتا رہتا ہے۔ طویل العمر وجود (دیوتا لوگ) اُس وقت ہنستے ہیں جب وہ دیکھتے ہیں کہ کل ہمارا چہرہ ایک بلا وجہ (بچپن کی) مسکراہٹ سے روشن اور (گلابی رنگت کے لحاظ سے) کنول پھول کی پنکھڑیوں سے مشابہ تھا آج یکایک اُس پر ڈاڑھی کے سخت بال نکل آئے ہیں اور اس پر (جوانی کی) چمک پائی جاتی ہے اس سے اگلی صبح کو (بڑھاپے کے) سفید بال نظر آنے لگتے ہیں اور ہمارا چہرہ ایک بوڑھی بکری کے سر سے مشابہ ہوجاتا ہے"۔

جس تیاگ سے اس قسم کے مستقل خیالات اُس کے اندر پیدا ہوئے تھے اُس سے حاصل ہونے والی خوشی کی چاہ میں راجہ اپنی سلطنت کو چھوڑ کر پلشنک[۲۸۶] پر سروں میں چلا گیا۔

"میرے نیک دوست سیدھا جنگل کو چلا جا اور وہاں اپنی روح کو ریاضت میں مصروف رکھ۔ اس قسم کی (دنیاوی) دولت زوال پذیر ہے اور ایک لمحہ

نام کی سنسکرت صورت ہے جسے چینی زبان میں لکھا جائے تو سیا نگ کیون بن تا ہے اس خیال کی تائید اس طرح پر بھی ہوتی ہے کہ اوکنگ کی فہرست میں سیانگ کیون کا ، ہار اُن مقدس بنیادوں سے عین پہلے مذکور ہے جو ترکوں کے خاندان شاہی کے اراکین سے منسوب کی گئی ہیں۔

پروفیسر لیوی نے اپنے ۲۔اکتوبر ۱۸۹۴ء کے ایک خط میں سٹائن صاحب کو لکھا تھا کہ چنکن کا سیانگ کیون ہونا میں بھی تسلیم کرتا ہوں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ سنسکرت نام چینی نام سے حاصل کیا ہوا ہے۔ پروفیسر لیوی کا یہ دعوے ہے کہ اس قسم کا نام چونکہ چینیوں میں مشہور ہے اور عام طور پر پایا جاتا ہے اس لئے امید نہیں پڑتی کہ کسی چینی نے

میں غائب ہوتی ہے "

سلطنت کو چھوڑنے سے پہلے راجہ نے یہ شلوک اپنے تخت پر لکھدیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے تیاگ کا احساس اس کے اندر کس قدر زبردست تھا یہ راجہ جس نے اپنی مسلسل عبادت کے ذریعے سدھی حاصل کر لی تھی سری پربت[۲۸۴] اور دوسرے متقدس مقامات پر آج تک عابد لوگوں کی نظروں کے سامنے پھر جاتا ہے۔

متر شرما نے جب دیکھا کہ میرے (سابقہ) راجہ کا بیٹا رخصت ہو چکا ہے تو اس نے بھی رنج کے مارے وتستا اور سندھو کے سنگم[۲۸۵] پر خود کشی کر لی۔ اور اسکی بیوی نے بھی اس کی تقلید کی۔

اس عابد راجہ نے ایک سال نصف مہینہ حکومت کرنے کے بعد وہ تکمیل حاصل کی جو آخری نجات کی طرف لے جانے والی سیڑھی ہے۔

راجہ بجرادتیہ

(بپیک)

اس کے بعد بجرادتیہ جس کے دوسرے نام بپیک اور للتادتیہ تھے اور

انہیں دو الفاظ کو ملاکر کسی غیر ملکی نام کو ظاہر کرنے کی جرات کی ہو۔ اس لئے ہمیں یہ ماننا پڑتا ہے کہ کلہن نے چنکن کا جو لفظ استعمال کیا ہے وہ ایک چینی نام کی سنسکرت صورت ہے جس کے متعلق خیال ہے کہ کسی طرح یہ لفظ توخار ملک میں پہنچ گیا ہوگا اور اس کے بعد توخاری وزیر کے متعلق چین میں مشہور ہو گیا ہوگا (لفظ ہمیر کے متعلق ایسے ہی استعمال کی ایک اور مثال نوٹ نمبر ۲۰۸ کتاب ہذا میں ملتی ہے) ۔ شائن صاحب چونکہ خود چینی زبان سے ناواقف تھے اس لئے انہوں نے لیوی صاحب کے بیان کو صحیح تسلیم کر لیا ہے۔ گو انہوں نے اسبات کی خواہش ظاہر کی ہے کہ زمانہ مستقبل میں کوئی

جس کی ماں کا نام چکر مرد کا تھا راجہ بنا۔ یہ راجہ جو ظالمانہ طبیعت کا تھا اپنے بھائی سے جو رعایا کو سکھ دینے والا تھا ویسا ہی اختلاف رکھتا تھا۔ جیسے دریا سُسؔ منی چاند سے۔ اس شریر اور حریص راجہ نے پرہاس پور کے وہ اوقاف واپس لے لئے جنہیں اس کا باپ منظور کر گیا تھا۔ یہ شہوات نفسانی کا غلام راجہ اپنے رنواس میں بہت سی رانیاں رکھتا تھا جن کے ساتھ وہ اسی طرح باری باری سے بھوگ کرتا تھا جس طرح گھوڑا گھوڑیوں سے۔ اُس نے بہت سے لوگوں کو ملیچھوں کے ہاتھ بیچ ڈالا اور ملک میں ایسے ایسے رواجات داخل کئے جو ملیچھوں کے شایاں شان تھے۔ سات سال حکومت کرنے کے بعد یہ گنہگار راجہ تپدق کے باعث مر گیا جو عیاشی میں بے حد مشغول رہنے کی وجہ سے لاحق ہو گیا تھا۔

راجہ پرتھوپاپیڈ

اس کے بعد اس کا بیٹا پرتھوی پیڈ جو رانی منجر کا کے بطن سے پیدا ہوا تھا اور اپنی رعایا کو تباہ کرنے والا تھا چار سال ایک ماہ حکمران رہا۔

محقق اس بات پر روشنی ڈالے کہ چینی لفظ ہماری اس تاریخ میں کیونکر استعمال ہوا۔ چنکن نے دو بہار وہار جو رینگر میں تعمیر کیا تھا اس کا ذکر ترنگ ۸ کے شلوک ۲۱۵ میں آتا ہے اس میں بھی بانی کا نام موجود تھا جیسا کہ ترنگ ۸ کے شلوک ۲۴۲ سے معلوم ہو سکتا ہے۔ یہ بات ٹھیک طور پر معلوم نہیں ہو سکتی کہ او تنگ کا مطلب ان میں سے کس وہار سے ہے۔

ششہ دوسرے وہار انحلا فہ سے مراد یہاں سری نگر سے ہی معلوم ہوتی ہے جو حقیقی دارالخلافہ تھا کیونکہ پرہاس پور بھی اپنے بانی کے عہد میں عارضی طور پر شاہی قیامگاہ

راجہ سنگرام پیڈاول

پرتھویا پیڈ کو معزول کر کے راجہ سنگرام پیڈاول جو رانی مما کے بطن سے بپیہ کا بیٹا تھا سات دن[۲۹۰] حکمران رہا۔ جب شاہی طاقت ان دونوں بھائیوں کے ہاتھوں میں پہنچی تو اس میں چنداں روشنی پیدا نہیں ہوئی جس طرح سورج میں اس وقت زیادہ تیز روشنی نہیں ہوتی جب وہ ہیمینت (سرما) اور ششر (ابتدائی بہار کے موسموں میں داخل ہوتا ہے۔

راجہ جیا پیڈ

سنگرام پیڈ کی موت کے بعد مشہور و معروف راجہ جیا پیڈ[۲۹۱] جو بپیہ کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا وقت مناسب پر تخت نشین ہوا۔ وزراء کے ان الفاظ کو یاد رکھتے ہوئے "تم اپنے دادا کی طرح ثابت ہو" اس نے شوق سے فوج جمع کی اور دنیا کی فتح کو روانہ ہوا۔ جب اپنے ملک سے معہ ماتحت والیان ریاست کے روانہ ہونے لگا تو اس دور اندیش راجہ نے ایک بوڑھے آدمی سے

شمار ہونے لگ گیا تھا۔ اور وہاں بھی ایک چنکن وہار موجود تھا (ترنگ ۳ شلوک ۲۱۱)۔
چنکن کا سری نگر والا وہار کلہن کے زمانہ تک موجود تھا اور راجہ جے سنگھ کے عہد میں رلہن وزیر کی بیوی سُسلا نے اس کی مرمت کروائی تھی۔ دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۲۴۱۵۔
جنکل اس کی مقامیت کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ یہ امر یقینی معلوم ہوتا ہے کہ پرہاس پور والے چنکن وہار میں نہیں بلکہ اسی میں کلہن نے بدھ کی وہ مورتی دیکھی تھی۔ جس کا حوالہ اس نے ترنگ ۴ کے شلوک ۲۵۹ میں دیا ہے۔ کلہن کے زمانہ میں پرہاس پور ویران پڑا تھا اور اس کے مندر کھنڈرات کی حالت میں تھے۔ دیکھو نوٹ ع ضمیمہ کتاب ہذا۔

جو درہ کشمیر کے قریب رہتا تھا پوچھا۔ جب میرا دادا یہاں سے گذرا تھا تو اسکی فوج کتنی تھی؟ تم نے اس کی مہموں کے موقعہ پر اس کی فوج کا اندازہ کیا تھا۔ اس لئے اب میرے سوال کا جواب دو۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مہاراج! یہ سوال پوچھنے سے اب کیا فائدہ ہے کوئی شخص اُن باتوں کی جو گذر چکی ہیں برابری نہیں کر سکتا۔ اُس راجہ کی مہم کے موقعہ پر سوا لاکھ کرنی رتھیں ۲۷۱ ڈولیں ہمراہ تھیں لیکن اب آپ کے ساتھ صرف اسی ہزار ہیں۔" یہ سنکر جیاپیڈ چنداں دل شکستہ نہیں ہوا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ زمانہ کی مغلوب کرنے والی طاقت کے باعث زمین دن بدن چھوٹی ہوتی جا رہی ہے۔ جب بوڑھے نے راجہ کی خصلت میں اس قسم کی خوبیاں دیکھیں تو اس نے راجہ للتادتیہ کی دور اندیشی کو محسوس کیا۔

جج کا قبضہ تخت کشمیر پر

جس وقت راجہ ملک سے دور نکل گیا تو اُس کا سالہ جج نامی دھوکے سے کشمیر میں داخل ہو کر زبردستی تخت پر قبضہ کر بیٹھا۔ اس کے بعد دن بدن سپاہی جو اپنے وطن کو واپس جانے کے خواہشمند تھے اور اپنے آقا

(ترنگ ۴ شلوک ۴۰۹ تا ۴۲۰)

نوٹ ۲۷۰ کشمیر میں تکشک ناگ کی پوجا کے متعلق دیکھو نوٹ ۲۰۳ کتاب ہذا۔

نوٹ ۲۷۱ لغت کی کتابوں میں کپتھ ایک خاص قسم کے درخت کا نام آیا ہے جس میں ایک پھل لگتا ہے جسے ہم فیل سیب کہہ سکتے ہیں۔ ترنگ ہذ کے شلوک ۲۴۷ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کلہن نے مراد ایک ایسے پھل سے لی ہے جو کشمیر میں پیدا ہوتا ہے لیکن ہندوستان میں نایاب ہے۔ لیکن یہ ایک عجیب بات ہے کہ فیل سیب ہندوستان کے میدانوں میں تو پایا جاتا ہے مگر کشمیر میں پیدا نہیں ہوتا۔

کے متعلق اپنے فرض کو پورا کرنے سے غفلت کرتے تھے شاہی فوج کو چھوڑنے لگے لیکن جیا پیڈ نے جو دوسروں کی مدد کے بغیر اپنی طاقت کو ثابت کرنے کا خواہشمند تھا ایک اور چالاکی کی تجویز سوچی۔ اس مضبوط دل راجہ کی خود اعتقادی ناقابل شکست تھی اور اسی کے ذریعے وہ قسمت کی نامہربانی پر غالب آیا۔ اُس نے اُن راجاؤں کو جو اس کی مہم کے ساتھ روانہ ہوئے تھے اپنے اپنے ملک کو بھیجدیا اور خود تھوڑی سی فوج ساتھ لیکر پریاگ کی جانب چلا۔ وہاں پر اپنے صبا رفتار گھوڑوں کو جو اُس کے پاس باقی تھے جمع کر کے ایک کم ایک لاکھ معہ بہت سی دکشنا کے برہمنوں کو دیدیئے۔ ایک مہر جس پر ذیل کے الفاظ کندہ تھے طیار کروائی۔ "مشہور و معروف راجہ جیا پیڈ کی" یہ مُہر اُن موقعوں پر قابل استعمال تھی۔ جب لوگ گنگا کا پانی [۲۹۳] برتنوں میں بند کر کے دور دراز علاقوں میں لے جائیں۔

جیا پیڈ نے یہ حکم دیدیا "یہاں پریاگ میں اگر کوئی اور شخص پورے ایک لاکھ گھوڑوں کا دان کرے تو میری بجائے اس کی مُہر استعمال کی جائے"۔ آجتک بڑے بڑے راجہ مقدس گنگا کا پانی ان برتنوں سے لیکر پیتے ہیں جنپر اس راجہ کی مہر کا نشان

ترنگ [؟] کے شلوک ۲۳۰ میں کلہن کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ کپت پھل موسم گرما کے شروع میں صرف تھوڑے عرصہ کے لئے کشمیر میں دستیاب ہو سکتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پھل سے مراد حقیقت میں چیری (شاہ دانہ) سے ہے چیری کی دو قسموں کی کاشت عام طور پر کشمیر میں ہوتی ہے جہاں اس کے درخت میں اپریل مئی کے مہینوں میں پھول آتے ہیں اور ماہ جون میں پھل پکتے ہیں۔ شمال مغربی ہمالہ پہاڑوں کے علاوہ چیری ہندوستان کے کسی اور حصہ میں بالکل نہیں ہوتا۔

۲۹۲ سنگ قمری یا چندر کانت کی تاثیر یہ بتائی جاتی ہے کہ جب اس پر چاندکی

لگا ہوا ہوتا ہے اور انکو اس سے سخت رنج پونہچتا ہے۔ اپنے ایک معتبر نوکر کے پاس اس بات کا حکم چھوڑ کر کہ سپاہی واپس اپنے ملک کو چلے جائیں وہ رات کے وقت لشکر سے نکل کر اکیلا روانہ ہوا۔

جیا پیڈ کی سرگذشت سفر اپنی شان وشوکت کے اظہار کے لئے کوئی مناسب مقام تلاش کرتا ہوا وہ آس پاس کے راجاؤں کے ملکوں (منڈل) میں گھومتا تھا جس طرح سورج بادلوں کے مجموعے (منڈل) میں۔ آخر کار وہ پوندرودہن کے شہر میں داخل ہوا جو اُس زمانہ میں راجگان گوڑ کے ماتحت تھا اور جس پر جے انت[۲۷۴] نامی ایک راجہ حکومت کرتا تھا۔ اہل شہر کی دولت سے خوش ہوکر جو ایک عمدہ حکومت کے باعث خوشحال تھے وہ نرت دیکھنے کے لئے کارتکیہ کے مندر میں گیا۔ وہاں اس نے بھرت[۲۷۵] کے اصولوں کے مطابق نرت اور کیرتن ہوتا دیکھا اور چونکہ خود بھی اس شاستر سے واقف تھا۔ اس لئے وہ مندر کے دروازے پر ایک پتھر کے اوپر بیٹھ گیا۔ لوگ اس کے غیر معمولی جاہ وجلال کو دیکھ کر مضطرب ہوکر پرے ہٹ گئے لیکن کملا نامی ایک رقاصہ (رام جنی) نے اس خوبصورت

کرنیں پڑیں تو اس کے اندر سے سردمی نکلتی ہے۔

[۲۷۳] مگدہ کی سلطنت میں گیا اور پٹنہ کے دو جدید اضلاع جو دریائے گنگا کے جنوب میں واقع ہیں شامل تھے۔ بدھ نے اپنی ابتدائی زندگی یہیں بسر کی تھی دیکھو کنگھم صاحب کا جغرافیہ قدیم صفحہ ۴۵۲۔

[۲۷۴] معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر اُس وہار سے مراد لی گئی ہے جو چنکن نے سرینگر میں بنوایا تھا۔ اور جو کلھن کے زمانہ میں بھی موجود تھا۔ دیکھو نوٹ ع[۲۶۹] کتاب ہٰذا و ترنگ ۸ کا شلوک ۲۴۱۵۔

شاہزادے کو غور سے دیکھا۔ اُسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس بظاہر عزت دار شخص کا ہاتھ رہ رہ کر جلدی سے اپنے کندھے کے پیچھے کی طرف جاتا تھا اس نے خیال کیا کہ یقیناً یہ کوئی راجہ یا بڑے خاندان کا راج پُتر ہے جس نے بھیس بدل رکھا ہے اُسے اپنے پیچھے کھڑے ہوئے نوکروں کے ہاتھ سے پان[۲۷۶] کے بیڑے لینے کی عادت ہے اور اس لئے اُس کا ہاتھ ہر لمحہ کندھے کے پیچھے کی طرف جاتا ہے۔ ہاتھی کا کان اُس وقت بھی ہلتا رہتا ہے جب مکھیاں اس کی کنپٹی کا رس حاصل کرنے کے لئے جمع ہونے سے ہٹ جاتی ہیں۔ شیر اس وقت بھی پیچھے کی طرف مُڑ مُڑ کر دیکھتا رہتا ہے جب ہاتھیوں کا گلہ اُس کے پیچھے نہیں آتا۔ مور اس وقت بھی جھنکارنے سے باز نہیں آتا۔ جب اُس کی بادلوں کی توقع دور ہو جاتی ہے۔ غرض عادات اُس صورت میں بھی دور نہیں ہوتیں جبکہ انہیں پیدا کرنیوالی وجہ باقی نہ ہو۔" اس قسم کے خیالات اس رقاصہ کے دل میں پیدا ہوئے اور اپنی ایک گہری سہیلی کے ساتھ مشورہ کر کے اس نے اسے راجہ کے پاس بھیجا۔ جب اُس کا ہاتھ پھر حسب دستور پیچھے کی طرف اُٹھا تو اس نے اس میں پان کا بیڑا رکھ دیا۔ جیا پیڈ نے اسے منہ میں ڈال لیا اور پیچھے کی طرف مڑ کر اُس لڑکی

---

۲۷۵ جس مقام کا یہاں پر حوالہ دیا گیا ہے اس کا آجکل کہیں پتہ نہیں چلتا۔

۲۷۶ چکریشور نامی لنگ کی مقامیت کا اب کہیں پتہ نہیں چلتا۔ نیل مت پوران مہاتموں اور تیرتھ سنگرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم چار مختلف مقامات میں شوجی کی پوجا اس نام سے ہوتی تھی۔ یہ مقامات حسب ذیل ہیں۔ اوّل مدھومتی کا کنارہ (جس سے مراد بند پور کی ندی سے ہے دیکھو ترنگ ، شلوک ۱۱۷۹) ۔ اس کا حوالہ نیل مت پوران کے شلوک ۱۵۱ میں موجود ہے۔ دوسرا مقام وجیشور کے نواحات ہیں دیکھو وجیشور مہاتم شلوک ۱۵۶۔ ونشٹا مہاتم ادھیائے ۲ شلوک ۱۱۔ ادھیائے ۵ شلوک ۲۳۔ تیسرا مقام

کو دیکھا۔ جب اس نے بھوؤں کے اشارے سے اُس خوبصورت بھوؤں والی لڑکی سے پوچھا کہ تو کس کے ساتھ ہے تو اس نے اس رقاصہ کی طرف اشارہ کیا جس نے اس کے ہاتھ پان کا بیڑہ بھیجا تھا۔ اپنے مختلف شیریں الفاظ کے ذریعے اُس کے اندر مہربانی کا احساس پیدا کر کے وہ اسے رفتہ رفتہ اُس رقاصہ کے مکان تک لے گئی۔ جو اب رقص سے فارغ ہو چکی تھی۔ آخر الذکر بڑی حسین و جمیل تھی اور اس نے ایسے ادب اور سلیقہ کے ساتھ گفتگو کی کہ راجہ حیران رہ گیا اس کے بعد جب رات کا چہرہ چاندنی کی روشنی میں سفید ہو گیا تو وہ راجہ کو ہاتھ سے پکڑ کر خوابگاہ میں لے گئی۔

دونوں ایک ساتھ سنہری پلنگ پر لیٹ گئے اور کملا نے جو نشہ میں مخمور تھی اپنے ناز و انداز کے ذریعے اُسے بس میں لانے کی بہت کوشش کی لیکن راجہ اس کی بات پر رضامند نہ ہوا۔ اس سے کملا شرمندہ سی ہو گئی جس پر لمبے بازوؤں والے راجہ نے اُسے اپنے گلے سے لگا لیا۔ اور آہستگی کہنے لگا۔

اے کنول نینی! تو نے میرے دل کو موہ لیا ہے لیکن مناسب وقت کا لحاظ رکھنے کے باعث میں تمہیں ناخوش کرنے پر مجبور رہوں۔ اے سندری!

وہ چشمہ ہے جو ایش ایشور (ایش بر) متصل سری نگر کے قریب چکر تیرتھ کے نام سے مشہور ہے۔ دیکھو ایشیا لیہ مہاتم اور سریشوری مہاتم۔ چوتھا مقام کھمن موہ سے اوپر ہر ایشور تیرتھ کے قریب ایک غار ہے جس کا حوالہ تیرتھ سنگرہ میں پایا جاتا ہے۔

۲۷۷ یہاں پر جو کہانی بیان کی گئی ہے وہ اس کہانی سے بالکل ملتی جلتی ہے۔ جس کا ذکر البرونی نے اپنی کتاب انڈیا کی فصل ۲ صفحہ ۱۱ پر کنک (کننشک) کے راجہ قنوج پر چڑھائی کرنے سے متعلق کیا ہے۔ یہاں پر صاف طور سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک قدیم کہانی کو کسی کے ایک بہادر راجہ سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ دیکھو لاسن صاحب کی

میں تمہارا غلام ہوں جسے تم نے اپنی غیر مصنوعی اداؤں سے خرید لیا ہے۔ تجھے بہت جلد میری داستان معلوم ہو جائیگی اور میں تجھ سے اچھی طرح پیار کرونگا اے نازنین! میں تجھے جتلانا چاہتا ہوں کہ میں نے یہ بات کا ارادہ کر لیا ہے کہ اُس وقت تک کسی خوشی سے حظ حاصل نہ کرونگا جب تک کہ وہ کام جو باقی اور عنقریب ہونے والا ہے ختم نہ کرلوں"۔ یہ الفاظ کہہ کر اس نے ایک آہ بھری اور اپنی انگلی میں پہنی ہوئی انگوٹھی کے ذریعے پلنگ کو بجاتے ہوئے ذیل کا شلوک پڑھا۔ "کسی مضبوط دل شخص کے لیے جس نے فتوحات کا ارادہ کر رکھا ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ عورتوں کا خیال کرے۔ سورج اپنی پیاری شام کے پاس اس وقت تک نہیں پہنچتا جب تک وہ ساری دنیا کے اوپر سے نہ گذر چکے"۔

یہ شلوک جو راجہ نے اپنے آپ سے مخاطب ہو کر پڑھا تھا اسے سُنکر کملا نے جو بڑی سمجھدار عورت تھی جان لیا کہ ضرور یہ کوئی بڑا آدمی ہے صبح کے وقت جب راجہ باہر جانے لگا تو اس پیاری عورت نے تہ دل سے اُس کے آگے التجا کی کہ آپ زیادہ عرصہ تک باہر نہ رہیں۔

کتاب ونڈرش آف کتھس کنڈ فصل ۳ صفحہ ۹۹۵۔ تفاصیل ایک دوسرے سے اس قدر مشابہ ہیں کہ یہ بات ماننی پڑتی ہے کہ کلہن نے بھی یہ کہانی وہیں سے حاصل کی ہوگی جہاں سے البرونی نے حاصل کی تھی۔

ﮦ۲۷۸ نیل مت پوران کے شلوک ۲۴۷ میں دریائے وتستا کے متعلق یہ روایت مذکور ہے کہ شوجی نے نیل ناگ (ویرناگ) کے قریب اپنا ترسول زمین میں گاڑ کر دریائے وتستا کو نچلی زمین سے سطح زمین پر نمودار کیا تھا۔

ﮦ۲۷۹ پرورپور سے مراد سری نگر سے ہے دیکھو نوٹ ۱۷۱ کتاب ہذا

ایک موقعہ پر جبکہ وہ شام کے وقت دریائے کے کنارے سندھیا کرنے گیا اور دیر تک گھر نہ لوٹا تو واپسی پر اس نے کملا کو بڑے فکر کی حالت میں پایا اور جب اُس نے اس سے اس کی وجہ پوچھی، تو وہ مسکرا کے کہنے لگی۔ یہاں ایک بہت بڑا شیر رہتا ہے جو جانداروں پر حملہ کرتا اور انہیں مارتا ہے۔ یوماً فیوماً اس نے بہت سے آدمیوں۔ ہاتھیوں اور گھوڑوں کو مار ڈالا ہے چونکہ آپ کو بھی آنے میں دیر ہوگئی تھی اس لئے میں خوف زدہ ہوگئی۔ اس جگہ کے راجہ اور راج پتر اس خطرے سے بہت بے چین ہیں اور رات پڑنے کے بعد اپنے گھروں سے باہر نہیں نکلتے"۔ جب وہ حسینہ اس قسم کی باتیں کر رہی تھی جیا پیڈ نے اُسے چپ کرا دیا اور ہنسنے لگا اور اس کے بعد اس نے وہ رات اضطراب کی حالت میں بسر کی۔ اس سے اگلے روز بوقت شب وہ شہر سے نکل کر بڑھ کے درخت کے نیچے شیر کے انتظار میں جا بیٹھا۔ آخر کچھ فاصلہ پر وہ حیوانات کا بادشاہ دکھائی دیا۔ وہ اس طرح چمک رہا تھا جسطرح بکول کا درخت شگوفے کھلنے کے موسم میں چمکتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ موت کی ہنسی کی ایک متحرک تصویر ہے۔ جس وقت شیر ایک دوسرے

شلوک ۲۰ بائی آنگ کی مقامیت کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔

شلوک ۱۰۲ ترتی گرامی سے مراد بلاشبہ موجودہ موضع ترتی گام سے ہے جو سایر المواضی کے پرگنہ میں پرہاس پور کے مندروں کے کھنڈرات سے شمال مشرق کی جانب ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر واقعہ ہے۔ اس کی تصدیق ترنگ ۵ کے شلوک ۹۷ سے ہوتی ہے جہاں ذکر آیا ہے کہ ترتی گرامی اس مقام پر واقعہ تھا جہاں سویہ کے دریاؤں کو باقاعدہ بنانے سے پہلے وتستا اور سندھو ملا کرتے تھے۔ نیز دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۳۳۵۶۔

کپل موچن تیرتھ کی یاترا کے موقعہ پر لوگ اکثر یہاں جاتے ہیں اور اس کا ذکر اس

راستہ پر سے آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا جارہا تھا اس شاہی شیر نے لاپرواہی سے اس پر ایک نعرہ بلند کیا۔ شیر نے کان کھڑے کئے۔ منہ کھولے۔ ایال ہلاتا آنکھیں چمکاتا اور گرجتا ہوا اپنے جسم کا اگلا حصہ اونچا کئے اس کی طرف لپک کر آیا اور جب اُس نے غصہ میں آکر اس پر حملہ کیا تو جیا پیڈ نے جلدی سے حرکت کرکے اپنی کوہنی اس کے حلق میں داخل کردی اور اپنا خنجر اُس کی چھاتی میں گھونپ دیا۔ ایک ہی وار سے کٹ کر شیر تو مرگیا اور اس کا بہتا ہوا خون اس طرح معلوم ہوتا تھا گویا وہ اُن ہاتھیوں کے ماتھوں پر لگا ہوا سیندھور ہے جنہیں وہ کھا چکا تھا۔ اپنی زخمی کوہنی پر پٹی باندھ کر وہ اس رقاصہ کے گھر کو واپس چلا آیا اور حسب معمول رات کو سو رہا۔

صبح کے وقت راجہ جے انت کو یہ سنکر بڑی خوشی ہوئی کہ شیر کو مار دیا گیا ہے۔ چنانچہ اپنا استعجاب رفع کرنے کے لئے وہ خود اس کی لاش کو دیکھنے نکلا مگر جب اس نے دیکھا کہ اتنے بڑے شیر کو صرف ایک ہی وار سے مارا گیا ہے تو اُسے بڑی حیرت ہوئی اور اسے بات کا یقین ہوگیا کہ اسے مارنے والا

تیرتھ کے مہاتم اور صاحب رام کی کتاب تیرتھ سنگرہ میں آیا ہے۔

باہم کسی معاہدہ کو محفوظ رکھنے کے لئے کسی دیوتا کی مورتی کو مناسق ہنلانے کی رسم کے متعلق دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۱۵۱ ۵ جہاں ساکشن کا لفظ اس شلوک کے لفظ مہیت کے معنوں میں آیا ہے۔

۲۸۲ معلوم ہوتا ہے کہ گوڑ کے باشندے اپنے راجہ کے قتل کے بعد کشمیر میں اس غرض سے آئے تھے کہ اپنے راجہ کی موت کا انتقام لینے کے لئے للتادتیہ کی پسندیدہ مورتی پرہاس کیشو کو توڑ دیا جائے۔

۲۸۳ شارولے کے مندر واقعہ وادی کشن گنگا کے متعلق دیکھو نوٹ ۱۳ کتاب ہذا۔

ضرور کوئی فوق الفطرت طاقت کا آدمی ہے اُس کے نوکر نے ایک اننت (کنگن)، اُس شیر کے دانتوں میں سے نکال کر اُس کے حوالے کیا اور وہ یہ دیکھ کر بہت حیران ہوا کہ اس پر جیا پیڈ کا مشہور و معروف نام موجود تھا۔ جب راجہ نے دریافت کیا کہ وہ پرتھوی کا حکمران کیونکر اس مقام میں آگیا ہے تو سارا شہر جیا پیڈ کی آمد سے ڈر کر دہشت زدہ ہونے لگا۔ آخر کار سوچ کر راجہ ؑ نے اہل شہر سے کہا۔ "اے احمقو! تم کس لئے ڈرتے ہو جبکہ یہ موقعہ خوشی کا ہے سنا ہے کہ راجہ جیا پیڈ اپنے بازو کے بل پر بھروسہ کر کے کسی وجہ سے بالکل تن تنہا غیر ملکوں میں راج پتر کلت کے نام سے سیاحت کرتا پھر رہا ہے۔ میرا چونکہ کوئی بیٹا نہیں اس لئے میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اپنی بیٹی کلیان دیوی اس کو دیدوں۔ اگر وہ جس کی ہمیں تلاش کرنی ہے یہاں پہنچ چکا ہے تو یہ گویا اُس وقت خزانے کو اپنے ہی گھر میں پا لینے کے برابر ہے جبکہ کوئی شخص جواہرات جمع کرنے کی خواہش سے جواہرات کے جزیرے کی طرف روانہ ہونے کے لئے تیار ہو۔ وہ سارے عالم کا مالک ضرور اس شہر میں ہو گا اگر کوئی شخص اُسے ڈھونڈ کر مجھے اس کی اطلاع دیگا تو جو کچھ وہ

۲۸۴ ؎ ڈامر لفظ کے استعمال اور اہمیت کے متعلق دیکھو نوٹ ... ضمیمہ کتاب ہذا۔ جیسا کہ آٹھویں ترنگ سے معلوم ہوگا ڈامر لوگوں نے اُن تمام سیاسی فسادات میں جو کلہن کے زمانہ میں ہوئے بہت بڑا حصہ لیا تھا۔ یہاں پر جو اس لفظ کا حوالہ دیا گیا ہے اُس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ کلہن للتادتیہ کے کشمیر کی پولیسی کے اصول لکھواتا ہوا دراصل اپنے زمانہ کو مدنظر رکھتا ہے۔

۲۸۵ ؎ ٹراٹر اور لاسن اپنی کتاب انڈش آلٹرتھمس کنڈ کی فصل ۳ صفحہ ۱۰۰۴ میں یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ آریانک سے مراد یونانی جغرافیہ دانوں کے ایریان سے ہے جو عام

مجھ سے مانگے گا میں اُسے دونگا۔

اہل شہر نے اپنے صادق القول راجہ کے الفاظ پر اعتبار کر کے اس بھیس بدلے ہوئے راجہ کو ڈھونڈ نکالا اور اطلاع دی کہ وہ کملا کے گھر میں رہتا ہے۔ راجہ مع اپنے وزرا اور رانیوں کے وہاں پہنچا اور اس سے بڑی سنجیدگی کے ساتھ اپنے ہمراہ چلنے کی درخواست کی اور آخر کار ایک دعوت کا انتظام کر کے اُسے اپنے محل پر لے گیا۔

اس کے بعد اس نے اس راجہ کے ہاتھ میں جس کی قسمت میں خوشحالی (کلیان) بھوگنا لکھا تھا کلیان دیوی کا ہاتھ اس طرح پر دیدیا گویا وہ اُس شاہی دولت (لکشمی) کا ہاتھ تھا جسے وہ پہلے تیاگ آیا تھا۔ جیا پیڈ نے اس موقعہ پر اپنی بہادری کا اظہار اس طریقے پر کیا کہ بغیر تیاری کے پانچ گوڑ راجاؤں کو شکست دی اور اپنے خسر کو ان کا حاکم اعلےٰ بنا دیا۔ اس اثنا میں متر شرما کا بیٹا دیو شرما جو بعض سپاہیوں کے چلے جانے کے بعد دوسروں کو جن کا کوئی رہبر نہ تھا جمع کرتا رہا تھا اس کے ساتھ آملا۔ اس وزیر کی درخواست پر راجہ اپنے ملک کی طرف واپس لوٹا۔ اُس کے آگے آگے فتح کی دیوی تھی

طور پر مشرقی ایران کا نام تھا۔ لیکن یہ خیال بہت بڑی حد تک مشتبہ ہے کیونکہ یہ نام ہندوستان میں اگر کبھی ان معنوں میں استعمال ہوا بھی تو ممکن نہیں کہ ملتادتیہ یا کلہن کے زمانہ تک باقی رہا ہو بالخصوص اس لئے کہ اور سنسکرت کی کتابوں میں اس کا کہیں ذکر نہیں آتا۔

۲۸۶ے ایک ٹیکا کار کے خیال میں پلشک پرسرون کا دوسرا نام نئے مشارنیہ ہے جس کا ذکر رزمیہ نظموں اور پورانوں میں ان معنوں میں آیا ہے کہ رشی لوگ وہاں پر نواس کیا کرتے تھے۔

اور پیچھے پیچھے خوبصورت آنکھوں والی دو عورتیں۔ کنیا کبج کے راجہ کو میدان جنگ میں شکست دیکر یہ راجہ جو بڑا بہادر تھا اُس کے تخت ۲۹۷ کو جو شاہی طاقت کی علامت تھا اپنے ہمراہ لے گیا۔

ججّ کی شکست اور قتل } اس طرح پر اپنی دلیری کے کرتب ظاہر کرتا ہوا جیا پیڈ جس وقت اپنے ملک کے اندر داخل ہوا تو ججّ جس کی فوجیں تیار تھیں میدان مقابلہ میں آیا۔ کئی دن تک ان دونوں کے درمیان موضع شششٹ کلیتو ۲۹۸ میں بڑے معرکے کا جنگ ہوتا رہا۔ علایا چونکہ اس راجہ سے محبت کرتی تھی اس لئے میدان جنگ میں بہت سے دیہاتیوں اور اُن جنگلی لوگوں نے اس کا ساتھ دیا جو ججّ کی حکومت برداشت کرنیکے ناقابل تھے۔ گاؤں کے ایک چنڈال ۲۹۹ شری دیو نامی نے اپنی ماں سے یہ کہکر کھانا مانگا "میں راجہ کی مدد کو جا رہا ہوں" اور جب وہ ہنسنے لگی تو یہ کہکر اسے تسلی دیتا ہوا راجہ سے جا ملا۔ "میں ججّ کو ماروں گا" میدان جنگ میں دوسرے دیہاتیوں کے ہمراہ پہنچکر وہ اِدھر اُدھر سپاہیوں سے پوچھتا پھرتا تھا کہ ججّ کہاں ہے؟ سپاہیوں نے دور سے اس کی طرف اشارہ کرکے بتایا

۲۹۷ سری پربت کے لئے دیکھو نوٹ ۱۶۰ کتاب ہذا۔

۲۹۸ جس مقام پر دریائے وتستا اور سندھو ملتے ہیں اور جہاں آجکل موضع سلوپوَر یا شہاب الدین پورواقعہ ہے اس کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ یہ ویسا ہی مقدس مقام ہے جیسے پریاگ میں دریائے گنگا اور جمنا کا جائے اتصال۔ آخری مقام کا نام نیل مت پوران کے شلوک ۲۹۹ میں بالواسطہ طور سے کشمیر تیرتھ پر عائد کیا گیا ہے۔ نیز دیکھو وتستا مہاتم ادھیائے ۲۱ شلوک ۴۰۔ وجیشور مہاتم ادھیائے ۲ شلوک ۱۰۷ و تیز دیگر ایسی کتابیں دریلکے پورانے مقام اتصال کے متعلق دیکھو نوٹ ۵ ضمیمہ کتاب ہذا و ترنگ ۵ شلوک ۹۷

(وہ جج ہے) جو اس وقت مارے پیاس کے میدان جنگ میں گھوڑے پر سوار ایک سنہری صراحی میں سے پانی پی رہا تھا شری دیتے گوپیا چلاکر زور سے اُس راجہ کے منہ پر ایک پتھر مارا اور بے خطا نشانہ لگاتے ہوئے بہ آواز بلند کہنے لگا۔ "اے لو! میں نے جج کو مار ڈالا ہے"۔ جج کا چہرہ بُری طرح زخمی ہو چکا تھا وہ گھوڑے پر سے نیچے گر پڑا اور جس وقت زمین پر نزع کی حالت میں پڑا تھا اس کے ہمراہی اُسے چھوڑ کر بھاگ گئے۔ جج کو ہمیشہ اپنے طاقتور دشمن کے حملے کا خوف لگا رہتا تھا آخر کار تین سال کے بعد وہ سلطنت جو اس نے دغا سے حاصل کی تھی اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔ وہ دولت جسے سوداگر امانت میں خیانت کر کے یا فاحشہ عورتیں اپنے چاہنے والوں کو دھوکا دیکر یا راجہ دغا بازی سے حاصل کرتے ہیں وہ ہمیشہ رہنے والی نہیں ہوتی۔ جب جج قتل ہو چکا تو جیا پیڈ نے پھر اپنا شاہی اعزاز حاصل کر لیا۔ حکمرانی کا بار اپنے کندھوں پر اُٹھا لیا اور اپنے نیک کاموں کے ذریعے نیک لوگوں کے دلوں کو موہ لیا۔

اس ملک میں جہاں راجہ کو دشمن کو شکست دینے کے بعد فتح (کلیان) حاصل ہوئی تھی کلیان دیوی نے کلیان پور[۲۹۰] کی بنا قائم کی۔ راجہ نے ملہان پور[۲۹۱]

[۲۸۹] پورانوں میں ایک قصہ مذکور ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کینہ ور اور بد خو منی دربا سس سوم یعنی چندرماں دیوتا کا بھائی تھا۔

[۲۹۰] ایک ٹیکا کار نے اس موقعہ پر لفظ واسران کا استعمال کیا ہے جس کا ترجمہ وہ ہے جو اوپر دیا گیا ہے لیکن ٹرائر۔ لاسن اور درگا پرشاد نے یہاں پر لفظ وتسراں استعمال کرنے کو ترجیح دی ہے جس کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ سنگرام پیڈ کی حکومت سات سال رہی تھی لیکن یہ اندازہ غلط معلوم ہوتا ہے کیونکہ کلہن نے ترنگ ۲ تا ۸ کے عہد حکومت کا جو اندازہ ۱۳۲۸ سال کا لگایا ہے اُس میں اس سے فرق آتا ہے چنانچہ اس کا ذکر ڈاکٹر

بنایا اور وِپوش کیشو کا مندر تیار کروایا۔ کملانے بھی اپنے نام پر کملا پور شہر کی بنا ڈالی۔ کلیان دیوی پر اس راجہ کی توجہ اس قدر تھی کہ اس نے اس کا اعزاز مہا پرتی ہار پیڑا (چیف چیمبرلین) کے عہدے سے بھی بڑھا دیا۔

جیا پیڈ کی سرپرستی علم } جس طرح کشپ نے وتستا کو نمودار کیا تھا ویسے ہی اس راجہ نے علم کو جو اس ملک سے چھپ چکا تھا پھر اس کے اپنے وطن میں نمودار کیا۔ جب کوئی بے علم شخص اُسکے روبرو سوالی بن کر آتا تھا تو وہ اُسے اسبات کے کہنے پر مجبور کرتا تھا کہ میں بیوقوف ہوں جس سے باقیوں کے دلوں میں قدرتی طور پر تحصیل علم کا شوق پیدا ہوتا تھا۔ اس راجہ نے باہر سے بہت سے قابل ٹیکا کار (شارح) منگوائے اور اُنکے ذریعے مہابھاشیہ کے مطالعہ کو جو رک چکا تھا اپنے ملک میں ازسرنو بحال کیا۔ بیاکرن کے ایک مشہور پنڈت کشیر سے تعلیم حاصل کر کے جیا پیڈ نے داناؤں میں عزت حاصل کی۔ یہ صاف دل راجہ کسی اور راجہ کو اپنے ساتھ مقابلہ نہ کرنے دیتا تھا بلکہ خود تعلیم یافتہ لوگوں کے ساتھ مقابلہ کرنے پر فخر کرتا تھا۔ بجائے ایک راجہ کے ایک عالم کی حیثیت میں اس کی شہرت اسقدر

ہلزش نے انڈین اینٹی کوئی کی فصل ۱۸ صفحہ ۹۹ میں بھی کیا ہے۔ نیز دیکھو نوٹ ۱۹ کتاب ہذا۔

نوٹ ۲۹۱ جیسا کہ ترنگ ۴ کے شلوک ۵۱۷ سے واضح ہوتا ہے جیا پیڈ کا دوسرا نام ونایہ دتیہ بھی تھا چنانچہ جیا پیڈ کے زمانہ کے ملی ہوئی دھات کے سکے جن پر یہ نام موجود ہے اکثر دیکھنے میں آتے ہیں نیز دیکھو کننگھیم صاحب کی کتاب " کائنز اف مڈیول " صفحہ ۴۵۔

نوٹ ۲۹۲ البرونی اپنی کتاب "انڈیا" کی فصل اول صفحہ ۲۰۶ میں لکھتا ہے کہ باشندگان کشمیر اکثر پیادہ چلتے ہیں کیونکہ وہاں سواری کے جانور یا ہاتھی نہیں ہوتے لیکن ان میں

بڑھی ہوئی تھی کہ باوجود اُس کے بہت سے نقائص کے زمانہ آجتک دوسری چیزوں کی طرح اسے دور نہیں کر سکا۔ چونکہ اس راجہ کی عالموں سے بڑی موانست تھی اس لئے جو راجہ اس کی خدمت کرنے آتے اور اُس کے روبرو پیش ہونا چاہتے تھے، وہ عُلما ہی کے گھروں میں جایا کرتے تھے۔ اس راجہ نے عالموں کو اس قدر تلاش کر کے جمع کیا کہ دوسرے راجاؤں کے ممالک میں علما کی سخت قلت ہوگئی۔ تھلیہ کو جو وزیر شنکر نت کے خیرات خانوں (بھکت شالاؤں[۲۹۵]) کا سپرنٹنڈنٹ تھا اس نے اپنے مبارین مین لیکر اس کی فضیلت کی وجہ سے ایک اعلےٰ عہدہ دیدیا۔ اس راجہ کا سبھاپتی (خاص پنڈت) بھٹ اوبھٹ[۲۹۶] نامی فاضل تھا جسے ایک لاکھ دینار روزانہ ملا کرتے تھے۔ جس طرح بلی نے کوی کو اپنا مشیر خاص بنایا تھا ویسے ہی اس راجہ نے کوی دامودر گپت کو جو "کٹنی مت[۲۹۷]" نامی نظم کا مصنف تھا اپنا مشیر خاص بنا لیا اُس کے درباری شاعر منورتھ[۲۹۸]۔ سنکھ دنت۔ چٹک اور سندھی مت تھے اور وامن وغیرہ اُس کے وزرا تھے۔ ایک دفعہ جب اس نے اپنے خواب میں سورج کو مغرب کی طرف سے نکلتے دیکھا تو اس نے خیال کیا کہ قانون کا کوئی بڑا

جو لوگ امیر ہوتے ہیں وہ ایک قسم کی پالکی میں سوار ہو کر چلتے ہیں جسے کٹ کہتے ہیں۔ اور جسے چند آدمیوں نے کندھوں پر اُٹھایا ہوا ہوتا ہے "ممکن ہے کٹ کا لفظ کرنی تھ کو ہی بگاڑ کر فارسی زبان میں بنالیا گیا ہو۔

۲۹۳ آجتک گنگا کے مقدس پانی کو لوگ برتنوں اور بوتلوں میں بند کر کے اوپر مُہر لگا کر لے جاتے ہیں کلہن کے اس بیان کے متعلق کہ اُس کے زمانے تک پریاگ میں ایسے برتنوں پر مہر لگانے کے وقت جیا پیڈ کے نام کی مُہر استعمال کی جاتی تھی تحققات کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ ٹرائر اور لاسن صاحب نے یہ خیال ظاہر

استاد خوش قسمتی سے اس ملک میں آگیا ہے۔ یہ ذہین اور منصف مزاج تجربہ کار راجہ اُن تمام باتوں کے مختلف لطفوں سے واقف تھا جن سے حظ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جو راجہ دلفریب چیزوں کو دیکھنے کے قابل آنکھیں نہیں رکھتے نہ اس بات کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ کونسی چیز شیریں ہے وہ اندھے بیلوں کی طرح سوائے کھانے کے اور کس چیز سے واقف ہو سکتے ہیں۔ جو تعلق بیوی کی بغل گیری کا اس مردہ شخص سے ہے جو چتا پر پڑا ہو اور حس کے ساتھ ستی ہونے کی اُسے خواہش ہو جو تعلق نیشکر کے رس کو اُس شخص سے ہے جو غش کی حالت میں بالکل بیہوش ہو چکا ہو اور جو تعلق بے شمار ہاروں کی خوشبو کو اس زندگی سے ہے جو گندی ہو وہی تعلق چیزوں کی فطرتی خوبصورتی اور عظمت کا بیوقوف کے ساتھ ہے۔ اُس کی ایک شخصیت کا عکس جب دربار اور میدان جنگ نامی دوشیشوں پر پڑتا تھا تو وہ کئی ہزار گنا زیادہ بڑھ جاتا تھا۔

شہر جیہ پور کی تعمیر ایک موقعہ پر اُس نے ایک سفیر کو جو اس کے سامنے کھڑا تھا حکم دیا کہ راجہ لنکا سے پانچ راکھشش لاؤ اور اول الذکر نے اس ناممکن الامر کو منظور کر لیا۔ جس وقت یہ

کیا ہے کہ جیا پیڈ نے اپنی مُہر دریا میں پھینک دی تھی۔

۲۹۴ راجہ جے انت کے نام کا ذکر اور کہیں نہیں پایا جاتا لاسن صاحب اپنی کتاب انڈش آلرٹمس کنڈ کی فصل ۳ صفحہ ۷۲۰ پر یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ یہ راجہ جے دھر تھا جس کا نام راجگان بنگال کی اُس فہرست میں آتا ہے جو ابو الفضل نے آئین اکبری کی فصل ۲ کے صفحہ ۱۴۵ پر دی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پال خاندان کا آخری راجہ تھا۔

پونڈر وردہن یا جیسا کہ بعض اور کتابوں میں اس کا نام آیا ہے پُنڈر وردہن وہی مقام

سفیر اس کام کے لئے جا رہا تھا وہ راستہ میں جہاز پر سے سمندر میں گر گیا اور ایک بہت بڑی مچھلی اُسے نگل گئی لیکن وہ مچھلی کا پیٹ چاک کر کے باہر نکل آیا اور کنارے پر پہنچ گیا۔ فانی انسانوں کے دوست وبھیشن نے رامچندر جی سے محبت رکھنے کی وجہ سے اس سفیر کو جو راجہ کا تحریری حکم لایا تھا اُس کے ملک میں مع پانچ راکھشوں کے واپس بھیجدیا۔ راجہ نے اس سفیر کو بہت کچھ مال و متال دیا۔ راکھشوں کی مدد سے ایک گہری جھیل پر کروادی اور جیہ پور کا کوٹ (قلعہ) بنوایا جو خوبصورتی کے اعتبار سے بہشت کے مشابہ تھا۔ اس عابد راجہ نے بدھ کی تین مورتیاں اور ایک بڑا اساوہار قائم کر دیا اور شہر میں بھی جے دیوی کے نام کا ایک مندر بنوایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کیشو [1] (وشنو) نے چنی چترانتن صورت اور شیش پر لیٹنے کی عادت چھوڑ کر جیہ پور کے شہر میں رہنا اختیار کر لیا۔ بعض لوگ بیان کرتے ہیں کہ ان راکھشوں سے تو کوئی اور کام لیا گیا تھا اور جھیل کا پانی معمولی کاریگروں سے خشک کروا لیا گیا تھا۔ کنس کے دشمن (وشنو) نے چونکہ خواب میں اسے یہ بات کہی تھی کہ میرے لئے پانی میں دوارونی بنا دو اس لئے اس نے اس قسم کا کام شروع کر دیا تھا۔ یہی

معلوم ہوتا ہے جہاں ہیون سانگ دریائے گنگا کے شمال میں بنگال کا دورہ کرتا ہوا پہنچا تھا اور جس کا نام اُس نے "پن نا فاتن نا" کی سلطنت لکھا ہے دیکھو سیوکی "فصل ۲ صفحہ ۱۹۴۔ یہ نام پنڈر قوم کے لوگوں سے منسوب معلوم ہوتا ہے۔ ہیون سانگ نے اس کے متعلق جو کیفیت بیان کی ہے اُس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ موجودہ ضلع راج شاہی میں کسی جگہ واقع تھا۔ اس دارالسلطنت کی صحیح قیامیت کے متعلق اُن لوگوں کی رائیں مختلف ہیں جنہیں بنگال کے اس حصے کے متعلق قدیم تحقیقات کرنے کا موقعہ ہوا ہے۔ دیکھو بیل صاحب کا نوٹ متعلقہ سیوکی۔ کنگھم صاحب کا جغرافیہ قدیم صفحہ ۴۸۰

وجہ ہے کہ آج تک لوگوں میں دوارَوتی کے[۲۹۵] مشہور مقام رہائش کا نام بیرونی قلعہ (باہیاکوٹ) اور جیہ پور کا نام اندرونی قلعہ (ابھے انتر کوٹ) مشہور ہے۔

اس پرتھوی کے مالک کا ایک وزیر جے دتیہ نامی تھا جو ان پانچ عہدوں میں سے ایک عہدے پر مامور تھا جنہیں پنچ مہاشبد کی اصطلاح میں قائم کیا گیا تھا۔ اس وزیر نے جیہ پور کے قلعے میں ایک مٹھ بنوایا۔ متھرا کے راجہ پرموِد کے عابد داماد آچ نے جو راجہ کا چمبرلین تھا شوا چیشور کا مندر بنوایا۔

اپنی تیاریاں مکمل کرنے کے بعد وہ پھر ایک بار دنیا کی فتح کو روانہ ہوا۔ اس کی فوج مع اپنے بڑے بڑے ہاتھیوں کے ساحل بحر کے سلسلہ کوہ کو لمبا کرتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ اور کوہستان ہمالیہ سے لیکر مشرقی سمندر تک ایک مسلسل سفٹ کی صورت میں اس کے پیچھے چلتی ہوئی اس طرح معلوم ہوتی تھی جیسے گنگا بھاگیرتھ[۳۱۱] کے پیچھے۔ ممونی اور ادر والیان ریاست تنعر خوچنڈ الوں کو ساتھ لئے اُس کی فوج کے گرد گھومتے رہتے تھے اور رات کے وقت پہرے کا کام دیا کرتے تھے۔ اپنا دوسرا نام وِنے یادتیہ اختیار کرکے اس راجہ نے وِنے یادتیہ نامی ایک شہر آباد کرکے مشرقی علاقے کو خوشنما بنایا۔

اور آرکیولاجی کل سروے رپوٹ جلد ۱۵ صفحات ۱۰۲ و ۱۱۰۔

شلوک ۲۹۵ منی بھرت کو ناچنے اور ایکٹ کرنے کا روایتی بانی خیال کیا جاتا ہے۔

شلوک ۲۹۶ اعلےٰ نسل کے لوگوں میں پان چبانے کی عادت کے متعلق دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۱۰۹۷۔

شلوک ۲۹۷ اس تخت کا ذکر آگے چل کر ترنگ ۸ کے شلوک ۸۱ میں بھی آتا ہے۔

شلوک ۲۹۸ شش کلیشر کے لئے جس کا موجودہ نام ہکھلتر ہے دیکھو نوٹ سوم کتاب ہذا

شلوک ۲۹۹ وِنا بر جہاں پر چنڈال کا لفظ ایک نیچ ذات کے آدمی کے لئے استعمال کیا

راجہ بھیم سین پر فوج کشی { بڑے بڑے راجاؤں کی قسمتیں بھی اُس وقت معرض خطر میں پڑ جاتی ہیں جب وہ اپنی شان و شوکت کے باعث بے حد خود اعتمادی کی وجہ سے دور اندیشی سے خالی کام کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں۔ یہ راجہ ایک سادھو کا بھیس بدل کر معہ دوسرے سادھوؤں کے مشرقی علاقہ کے ایک راجہ بھیم سین کے قلعہ میں اس کی بےخبری میں داخل ہو گیا۔

جج کے ایک بھائی سندہ نامی نے جو عرصے سے وہاں رہتا تھا اس وقت اُسے شناخت کر لیا جبکہ وہ قلعے کے کمزور مقامات کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ اُس راجہ کے پاس جا کر اس کی مخبری کر دی۔ بھیم سین نے یکایک جیا پیڈ کو گرفتار کر کے بیڑیاں ڈلوا دیں جس طرح کہ نہش ایک سانپ نے طاقت ور بھیم کو قید کر لیا تھا میں خیال کرتا ہوں کہ قسمت نے جو بہادروں سے نفرت کرتی ہے اُس وقت اپنا سر اونچا کیا ہو گا جب اس بہادروں کے بہادر راجہ کے پاؤں میں زنجیر ڈالی گئی تھی۔ لیکن جیا پیڈ اس مصیبت میں بھی مضطرب نہ ہوا اور اپنی قسمت کے عروج کا انتظار کرتا ہوا مختلف گھاتیں سوچتا رہا۔ انہیں ایام میں راجہ بھیم سین

گیلہے جس میں سے آجتک چوکیدار اور گاؤں کے دوسرے ادنٰے خدمتگار حاصل کئے جاتے ہیں (بزبان کشمیری لفظ ڈُوم۔ بزبان سنسکرت لفظ ڈوم) باوجود ادنٰے تمدنی حالت رکھنے کے ڈوم اور اسی قسم کی اور ذاتوں کے لوگ فطرتی ذہانت اور پھرتی کے اعتبار سے عام طور سے معمولی دیہاتیوں پر سبقت رکھتے ہیں۔ دیکھو لارنس صاحب کی کتاب "ویلی" صفحہ ۳۱۱۔

۳۰۔ کلمیان پور کا ذکر کئی مرتبہ ترنگ ۸ میں آیا ہے اور اس کے متعلق یقینی طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ وہی جگہ تھی کہ جہاں آجکل شکر دپرگنہ میں کلم پور اُس سڑک

کے ملک میں مرض "لوٹا" کی وبا پھیل گئی جس سے اہل شہر کو سخت تکلیف ہونے لگی۔ اس ملک کی آب و ہوا میں نقص ہونے کے باعث یہ مرض متعدی اور مہلک تھا۔ اور اس لئے جس شخص کو یہ بیماری لاحق ہوتی اُسے لوگ چھوڑ جایا کرتے تھے۔ یہ سنکر جیا پیڈ نے بچاؤ کا یہی وسیلہ سوچا اور مختلف ضروری سامان اپنے نوکر کے ہاتھ منگوا کر اور اس قسم کی چیزیں کھا کر جن سے صفرا بڑھتا ہے اس نے بخار پیدا کر لیا اور اس کے بعد "وجر برکش" کا رس اپنے جسم پر مل کر پھوڑے پیدا کر لئے۔ جب اس کے دشمن نے داروغۂ جیل کی زبانی یہ بات سنی کہ اُسے مرض "لوٹا" ہو گیا ہے تو اُس نے خیال کیا کہ یہ یقیناً مرجائیگا اور اس لئے اُسے ملک بدر کروا دیا۔

اس طرح جب وہ اپنے من کی طاقت سے بحرِ مصائب کے کنارے جا لگا تو اُس نے دشمن کے قلعے پر جو آسمان تک پہنچتا تھا قبضہ کر لیا اور اس کے ساتھ ہی اس کی عظمت بھی چھین لی۔

علم کا درخت جس پر بیوقوف بنتے ہیں اس کی جڑیں شگوفے وغیرہ نہیں ہوتے البتہ اس کا پھل مصیبت کے وقت ایک ہی مرتبہ میں انسان کی مصیبت کو دور

پر واقع ہے جو شوپین سے سرینگر کو جاتی ہے۔ اس کی تصدیق ترنگ ۸ کے شلوک ۱۲۸۱ اور سری ورکی راج ترنگنی کی ترنگ ۸ کے شلوک ۲۲۸ سے ہوتی ہے۔ کلیان پور کی مقامیت آخری شلوک میں اس جگہ پورے طور پر واضح کی گئی ہے جہاں درابھگرام کا ذکر آیا ہے جس کا موجودہ نام دراب گام ہے اور جو کلم پور کے شمال مغرب کی طرف دو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

۱۰۳ ایک ٹیکا کار خیال ظاہر کرتا ہے کہ لھان پور موجودہ موضع لور کا نام تھا جو دریائے وتستا کے بائیں کنارے پر واقع ہے۔

کر دیتا ہے۔

نیپال پر چڑھائی } نیپال کے راجہ ارموڈی[۳۶۳] نے جو دانا اور بہادر تھا چالاکی کے ذریعے اس پر غالب آنے کی خواہش کی۔

جب راجہ جیاپیڈ اُس کے ملک میں داخل ہوا تو اس نے اس کے روبرو اپنی اطاعت کا اظہار نہ کیا بلکہ اپنی فوج لیکر دور فاصلے پر چلا گیا۔ جب جیاپیڈ نے جو فتح کا خواہشمند تھا اس کا تعاقب کیا تو اس نے بغیر کسی خاص مہم کو ہاتھ میں لئے یکے بعد دیگرے مختلف راجاؤں کو شکستیں دیں۔ جس طرح عقاب فاختہ کے پیچھے جھاڑیوں میں تعاقب کرتا پھرتا ہے ویسے ہی یہ راجہ ایک ملک سے دوسرے میں اپنے دشمن کے تعاقب میں جو کبھی چھپ جاتا اور کبھی ظاہر ہو جاتا تھا پھرتا رہا۔

آخر کار جب اسے بھاگنے کو کوئی جگہ نہ رہی تو دنیا کے فاتح نے اپنی فوج کو ندی کے کنارے اُس مقام پر پہنچایا جہاں وہ سمندر کے قریب پہنچتی تھی۔ دو تین دن کے بعد وہ اس جگہ سے روانہ ہوا اور اپنی فوجوں کو جن کے جھنڈوں کے پھریرے ساحل بحر کی ہوا میں پھڑ پھڑاتے تھے لیکر مشرقی سمندر کی طرف چلا

وپوں کیشو کے مندر یا کملا پور کے شہر کی مقامیت کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔

۳۶۲ نیل مت پوران کے شلوک ۲۵۵ میں ایک قصہ اس بارے میں مذکور ہے کہ جب شوجی وتشٹا کو کشمیر میں لے آئے تو اس کے بعد وہ مختلف قسم کے پاپیوں کو دیکھکر غائب ہوتا رہا لیکن کشپ کی دعا سے یہ دیوتائی ندی ہر موقعہ پر کشمیر کو واپس آکر ایک تازہ منبع سے بہنی شروع ہوتی رہی یہی قصہ وتشٹا مہاتم میں بھی مذکور ہے۔

۳۶۳ پانچلی کے مہا بھاش کے مطالعہ کے متعلق ترنگ اول کے شلوک ۱۷۶ میں بھی ذکر آچکا ہے۔

آخر اُس ندی کے سامنے کنارے پر راجہ کے دائیں جانب کو ارموڈی نظر آیا جہاں اس کی فوج مقیم تھی اور چتر لگا ہوا تھا۔ جس وقت جیا پیڈ نے اس کی عظیم الشان فوج کو دیکھا تو اس کے غصے کی آگ اس طرح بھڑک اُٹھی جس طرح گھی ڈالنے سے آگ کا شعلہ بھڑک اُٹھتا ہے اور جب اُسے معلوم ہوا کہ دریا کا پانی صرف گھٹنوں تک ہے اور اُسے عبور کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئیگی تو وہ اُس ملک سے بے خبر ہونے کے باوجود غصے کی وجہ سے اُس کے اندر داخل ہوگیا۔ جب ندی کے وسط میں پہنچا تو سمندر چونکہ قریب تھا اس لئے یکا یک اس میں جوار آنے سے پانی ناقابل عبور ہوگیا۔ اُس کی ساری فوج ہاتھی گھوڑے اس دریا میں بہ گئے اور ایک لمحہ میں نظروں سے غائب ہو گئے۔ زور دار لہروں نے راجہ کے زیورات توڑ اور کپڑے پھاڑ ڈالے اور وہ خود بھی لہروں کو کاٹتا ہوا دور تک چلا گیا۔ ایک فوج کی آہ وزاری۔ دوسری کی فتح کے نعروں اور دریا کی موجوں کے شور و غل نے ہر طرف ایک عجیب ہنگامہ برپا کر دیا دوسری طرف سے غنیم نے ان لوگوں کے ذریعے جو مشکیں پھلائے تیار کھڑے تھے جیا پیڈ کو باہر نکلوا لیا اور خوب خوشی منائی۔

۳۰۴؎ جیا پیڈ کو ویاکرن میں تعلیم دینے والے استاد کشیر کے متعلق کشمیری پنڈتوں میں یہ روایت مشہور ہے کہ یہ ایشور سوامن کا بیٹا کشیر سوامن تھا جو کوش کی شرح اور کئی چھوٹی موجودہ صرف نحو کی کتابوں کا مصنف ہو گذرا ہے۔ دیکھو ایم مونر کی کتاب انڈیا صفحہ ۳۳۴۔ اف ریکٹ صاحب کی کتاب "کیٹا لوگس کیٹا لوگورم" صفحہ ۱۳۴۔ "ونش استتی" میں جوراجانک استد نے اپنی نئے شد چرت کی شرح کے ضمیمے کے طور پر ۱۶۵۴ء میں تیار کی تھی کشیر سوامن کے متعلق دعوٰے ہے کہ وہ کشمیر کے خاندان راجانک کے مشہور علما میں سے ایک تھا۔ اور باقیوں کے نام "کئی یت" "اووٹ" اور "ممت" تھے۔

جیا پیڈ کی گرفتاری قسمت اور بادل یہ دونوں کبھی مہربانی کا سلوک نہیں کرتے اول الذکر ذرا سی خوشی کا سامنا پیدا کر کے ساتھ ہی انسان کو کسی سخت مصیبت کے لئے تیار کرتی ہے اور آخر الذکر موسم گرما کے ایک لمبے دن کی تکلیف دہ گرمی سے نجات دینے کی امید دلاتا ہوا بجلی کے ذریعے درختوں کو تباہ کر دیتا ہے۔ ارموڈی نے جیا پیڈ کو معتبر افسران جبل کے حوالے کر دیا اور ایک قلعے میں جو کلل گنڈ کے کنارے پر پتھر کا بہت بلند بنا ہوا تھا نظر بند رکھا۔

کشمیر کا راجہ جب اس طرح پر مصیبت میں پڑ گیا تو اُسے اپنی افسوسناک حالت پر سخت اضطراب ہوا اور اندر ہی اندر آتش غم میں جلنے لگا۔ دور اندیش ارموڈی نے اُسے ایسی حفاظت سے رکھا ہوا تھا کہ چالاکوں میں سے چاند اور شانداروں میں سے سورج بھی اُسے نہ دیکھ سکتا تھا جب وہ تھوڑی

(دیکھو پوتا سیلینیس کو لیکشن ۷۱-۱۸۷۵ء عدد ۱۴۳ صفحہ ۲۷۳۔

۳۰۵ بھگت شالہ سے مراد وہ مقام معلوم ہوتی ہے جہاں کھانا (بھکت) باقاعدہ طور پر بطور خیرات کے تقسیم ہوتا ہے دیکھو لفظ "دھرم بھکت" مستعملہ ترنگ اول شلوک ۱۴۷ نیز ترنگ ۴ شلوک ۲۴۳۔

۳۰۶ ایک ٹیکا کار کا یہ خیال صحیح ہے کہ "بھٹ اُدبھٹ" ایک النکارک (استعارہ کے استعمال کو قائم کرنے والا) ہو گذرا ہے۔ اس کی تصنیف کردہ مختصر سی کتاب "النکار شاستر" کا پتہ پروفیسر بھولر نے لگایا ہے دیکھو رپورٹ صفحہ ۶۵۔

لفظ دینار کے متعلق دیکھو نوٹ عدد ۹ ضمیمہ کتاب ہذا۔

۳۰۷ دامودر گپت کی نظم کی کتاب "کٹنی مت" (دلالہ کے خیالات) جس کا ذکر اوپر آچکا ہے اسے پروفیسر پٹیرسن نے کیمپ بے ٹمپل لائبریری میں دیکھا تھا۔ یہ نظم کا دیہ مالا

دیر کے لئے اپنے قید خانہ سے باہر نکلتا تو اپنی آنکھیں کھڑکی کے ساتھ لگا کر جس میں سے اُسے قریب ہی بہتا ہوا دریا نظر آتا تھا اپنی فراری کی تجویزیں سوچتا رہتا تھا۔ اس نے اس جگہ وہ کرجو شلوک [۲۹۹] لکھے تھے اور جن میں اس نے اپنی حالت کو بیان کیا تھا انہیں پڑھ کر آجتک فاضل آدمی نہایت افسردہ خاطر ہو جاتے ہیں۔

راجہ کی قیمت کے زمانے میں ذاتی اعزاز رکھنے والا دیوشرما ہی اُس کے وزیروں میں ایک ایسا شخص تھا جو اس کی مہربانیوں کو یاد کر کے دن رات افسوس کیا کرتا تھا۔ اپنی جان پر تنگ کھیل کر اپنے آقا کو مدد دینے کے خیال سے اس نے آرموڑی کے پاس قاصدوں کی زبانی اُس کا دل لبھانے والے پیغام بھیجنے شروع کئے۔ اور انہوں نے جا کر کہا کہ دیوشرما کشمیر کی حکومت اور جیا پیڈ کے خزانے آپ کے حوالے کر دیگا۔ ادھر سے آرموڑی نے بھی

کی فصل ۳ صفحہ ۳۲ پر چھپ چکی ہے۔ دیکھو پروفیسر پیٹرسن صاحب کی رپورٹ متعلقہ تلاش مسودہ جات سنسکرت ۸۴-۱۸۸۳ء صفحہ ۳۲۔

[۳۰۰] دامودر گپت کا حوالہ نظم کے کئی گلدستوں میں آیا ہے دیکھو اوفریکٹ صاحب کی کتاب "کٹیا لوگس کٹیا لوگورم" صفحہ ۲۵۱۔

بلی وہ دیتہ ہے جسے وشنو نے پاتال کا راجہ مقرر کیا تھا۔ کوی یعنی سیارہ شکر بلی کا وزیر ہے۔

[۳۰۱] منورتھ کی نظموں کا حوالہ بلب دیو کی "سوبھاشتاولی" کے صفحہ ۵۰ پر دیا ہوا ہے سنکھ دنت۔ چٹک اور سندھی مت کے نام اور کہیں مذکور نہیں۔

جیا پیڈ کے وزیر وامن کے متعلق خیال ہے کہ یہ وہی وامن تھا جس کی نسبت ہم جانتے ہیں کہ پانتی کے ویاکرن کی مشہور شرح "کاشی کا ورتی" کے دو مصنفوں میں سے ایک تھا۔

اپنے سفیر روانہ کئے اور آخر کار جب یہ معاملہ طے ہوگیا تو وزیر فوج لیکر نیپال کی طرف روانہ ہوا۔ اور اپنی فوج کو دریائے کال گنڈکا کے کنارے چھوڑ کر چند ہمراہیوں سمیت دوسرے کنارے پہنچا۔ ادھر سے اس کے استقبال کے لئے چند باجگذار راجہ آئے اور انہوں نے اُسے دربار میں پہنچا دیا۔ جہاں پر اس نے اظہار اطاعت کیا اور آرموڈی نے مناسب جواب دیکر اُسے بیٹھنے کو جگہ دی۔ اس کے بعد جلدی ہی وہ اس بہانے سے راجہ کے پاس سے چلا آیا کہ میں سفر میں تھکا ہوا ہوں اور اُس کے بھیجے ہوئے تحائف لیکر وہ دن اپنے ہی قیام گاہ پر بسر کیا۔ اگلے دن اس نے اور راجہ ارموڈی نے باہم "پیت کوش" پر حلف لیا اور پوشیدہ طور پر اس معاملہ کو طے کر لیا۔ اس کے بعد وزیر نے راجہ سے کہا۔ "جیا پیڈ کا خزانہ فوج کے پاس ہے اور اس کی جگہ صرف اُس کے معتبر نوکروں کو یا خود اُسے معلوم ہے۔ پس میں اس بہلنے سے کہ زرفدیہ ادا کر کے تمہیں رہا کروایا

دیکھو بھوٹ لنک صاحب کی کتاب "پانتی" ایڈیشن اول صفحہ ۵۴ اور رپورٹ صفحہ ۲۷ جہاں پروفیسر بوہلر نے اس قسم کی ایک کشمیری روایت کا حوالہ دیاہے۔ بخلاف اس کے جیساکہ ولسن صاحب نے اپنے "اے سے" کے صفحہ ۵۵ پر ظاہر کیاہے یہ بھی خیال ہے کہ یہ وامن تاویہ النکار برتی" کا مصنف تھا جس میں شاعرانہ سوتروں کی تفصیل اور اُن کا ٹیکا موجود ہے دیکھو بوہلر صاحب کی رپوٹ صفحہ ۶۵۔ ان دونوں شناختوں سے متعلقہ مسائل پر پروفیسر ایم مولر اپنی کتاب انڈیا کے صفحہ ۳۳۹ پر پورے طور پر بحث کر چکے ہیں۔ پروفیسر موصوف کو اسی ترنگ" کی تصنیف میں جس کی آخری تاریخ ۶۹۰ء ہے چونکہ کاشی کا ورتی" کا حوالہ ملاہے اس لئے یہ خیال مشکل معلوم ہوتا ہے کہ جیا پیڈ کے ایک ہمعصر نے اس شرح کی تصنیف میں حصہ لیا ہو۔ تاہم دیکھو پروفیسر بھنڈارکر کی رپوٹ متعلقہ تحقیقات مسودہ جات سنسکرت ۸۴-۱۸۸۳ء صفحہ ۵۸

جائے گا اُس سے معلوم کرونگا کہ خزانہ کہاں جمع ہے۔ اس وجہ سے میں ساری فوج کو یہاں نہیں لایا کیونکہ جن لوگوں کی سپردگی میں خزانہ ہے انہیں خزانے سمیت گرفتار نہ کیا جاسکے گا لیکن اگر ہم انہیں ایک ایک کرکے بلاتے اور قید کرتے جائیں تو باقی سپاہیوں کو چونکہ ہمارا ارادہ معلوم نہ ہوگا اس لئے اُن میں گھبراہٹ پیدا نہ ہوگی اور وہ ہمیں سب کچھ بتا دینگے"۔ اس طرح پر جب وہ چالاک وزیر اُس بیوقوف ارموڈی کی منظوری حاصل کرچکا تو وہ مقید راجہ جیاپیڈ کے پاس پہنچا چونکہ اُس کا ارادہ پختہ تھا اس لئے اُس نے راجہ کے سامنے اپنی تکلیف کسی طرح پر ظاہر نہ ہونے دی اور وہاں سے سب لوگوں کو ہٹا کر اُسے پوچھا "کیا آپ کی قدرتی ہمت زائل تو نہیں ہوگئی کیونکہ اس دلیرانہ تجویز کی کامیابی کے لئے اس کی ویسی ہی ضرورت ہے جیسے تصویروں کے لئے دیوار کی"۔ راجہ نے جواب دیا۔

۳۰۹ھ وشنو لوگ وشنو کی پوجا چار صورتوں (چترآتمن) میں کرتے ہیں یعنی سنکرشن انرودھ - واسدیو - پردیومن - دیکھو وشنو پوران ادھیائے ۵ صفحہ ۱۶ - مارکنڈے پوران ادھیائے ۴ شلوک ۴۳ و ادھیائے ۵ شلوک ۲۵۔

۳۱۰ھ یہاں پر جیاپیڈ کے قائم کئے ہوئے دو شہروں جے پور اور دوارو تی کی جو کیفیت بیان کی گئی ہے اسپر پروفیسر بوہلر نے پورے طور پر بحث کی ہے جنہوں نے ۱۸۷۵ء میں دورہ کرتے ہوئے موضع اندر کوٹ کے قریب ان کی مقامیت اور آثار کا پتہ لگایا تھا۔ اندر کوٹ جھیل سنبل کے پاس واقع ہے پروفیسر بوہلر نے پوری کیفیت اپنی رپوٹ کے صفحہ ۱۳ پر دی ہے لیکن ذیل کی باتیں جو متنا ختم سے براہ راست تعلق رکھتی ہیں صرف انہیں کا بیان کردینا کافی معلوم ہوتا ہے۔

اندر کوٹ اس گاؤں کا نام ہے جو کسی قدر اس جزیرے پر واقع ہے جو جھیل سنبل میں

"اے وزیر! میں بالکل نہتا ہوں اگر میرے اندر ہمت موجود بھی ہو تو کونسا معرکہ سر کر سکتا ہوں"۔ وزیر بولا "اگر آپ کی طاقت آپ کے اندر سے رخصت نہیں ہو گئی تو آپ دیکھیں گے کہ ہم اس مصیبت کے سمندر کو ابھی ابھی عبور کرتے ہیں۔ کیا اس کھڑکی میں سے دریا کے پانی میں گر کر آپ سامنے والے کنارے پر پہنچ سکینگے۔ کیونکہ وہاں آپ کی فوج موجود ہے"۔ راجہ نے جواب دیا۔ "اگر کوئی شخص کھڑکی میں سے کودے تو وہ بغیر پھلائی ہوئی مشک کے اوپر نہ اُٹھ سکے گا اگر مشک موجود ہو تو وہ اتنی بلندی سے گر کر پھٹ جائیگی۔ غرض یہاں سے نکلنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ نہ میں یہ چاہتا ہوں کہ میری زندگی کا خاتمہ اسی بے عزتی میں دشمن کو تباہ کئے بغیر ہو جائے"۔ تھوڑی دیر سوچ کر وزیر نے اُسے اس طرح مخاطب کیا۔

"اے راجہ آپ کسی بہانے دو نالکا (۴۸ منٹ) کے عرصے تک باہر چلے

بنا ہوا ہے اور کسی قدر اس نشیب زمین پر جو اُس جھیل کو وتسٹا سے جدا کرتی ہے اس جزیرے پر بے شمار مندروں کے کھنڈرات ہیں جنہیں اہل دہ واضح طور پر راجہ جیاپیڈ سے منسوب کرتے ہیں۔ سٹائن صاحب نے کئی موقعوں پر مقامی طور پر اس روایت کی تصدیق کی جو اُس بیان سے بالکل مطابق ہے جو سرینگر کے پنڈتوں کی زبانی سنا جاتا ہے۔ یہ لوگ سب کے سب اندرکوٹ کو جیاپیڈ کے دارالخلافے کا مقام تصور کرتے ہیں یہ روایت اس لحاظ سے زیادہ اہم ہے کہ اُس پر ایک ٹیکا کار نے بھی بحث کی ہے اس کے قیام کی وجہ کافی طور پر یہ نظر آتی ہے کہ سری ور کے زمانے میں بھی یعنی پندرھویں صدی کے خاتمے کے قریب اس جگہ کا نام جیاپیڈ پور یا جے پور تھا۔ دیکھو سری ور کی راج ترنگنی ترنگ اول شلوک ۱۴۶۔۔۲۵۰۔ ۲۵۷۔ ترنگ ۴ شلوک ۴۰۔ ۵۔ ۵۴۵۔ ۵۔ ترنگ ۴ شلوک ۱۱۵۔ میں ذکر آتا ہے کہ دواروتی جسے پانی میں تعمیر کیا گیا تھا اور کرشن جی کا

جائیں اس کے بعد جب آپ واپس آئینگے تو پانی کو عبور کرنے کی ایک ترکیب آپ کو تیار ملے گی۔ اس سے آپنے بلا تامل کام لینا۔ یہ الفاظ سنکر راجہ باہر چلا گیا اور جتنا عرصہ وزیر نے کہا تھا پاخانے میں گذار دیا۔

جیا پیڈ کی رہائی جب واپس آیا تو دیکھا کہ وزیر زمین پر مردہ لیٹا ہوا ہے اور اُس کے گلے میں کپڑے کا ایک پھندا پڑا ہے جس سے بظاہر اُس کا دم گھٹ چکا ہے۔ اُس کپڑے کے ٹکڑے پر جو اس کی گردن کے گرد بندھا ہوا ہے راجہ نے دیکھا کہ وزیر اپنے جسم سے ناخنوں کے ذریعے نکالے ہوئے خون سے ذیل کی عبارت لکھ گیا ہے۔ "میں ابھی مرا ہوں اور میرا جسم جو ہوا سے پھولا ہوا ہے اس سے آپ ایک نہ پھٹنے والی مشک کا کام لے سکتے ہیں۔ آپ اس پر سوار ہو کر ندی کو عبور کریں۔ سوار ہونے کے بعد آپ کی رانوں کے سہارے کے لئے مینے اپنی پگڑی اپنی رانوں پر لپیٹ لی ہے"

شہر کہتے تھے اس کا عام نام کلہن کے زمانے میں باہیا کوٹ یعنی بیرونی قلعہ اور بے پور کا ابھینتر کوٹ یعنی اندرونی قلعہ تھا۔ آخری نام بلاشبہ اب تک اندکوٹ کی صورت میں موجود چلا آتا ہے۔ جس کے معنے کشمیری زبان میں یہی ہوتے ہیں۔ پروفیسر بوہلر نے باہیا کوٹ کا نام باہر کوٹ کے لفظ میں شناخت کیا تھا جو اُس واقفیت کے مطابق جو اُس کے کشمیری اسسٹنٹ نے حاصل کی تھی (دیکھو رپوٹ صفحہ ۱۵) اس جزیرے پر واقعہ ایک گاؤں کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔

لیکن سٹائن صاحب نے مختلف موقعوں پر اس گاؤں اور اس کے نواحات میں بغور تحقیقات کی ہے لیکن معلوم ہوا ہے کہ باہر کوٹ کا نام کوئی جانتا بھی نہیں۔ اور کہ گاؤں کے دونوں حصوں کو اندکوٹ ہی کہتے ہیں جیسے پروفیسر بوہلر کو اُس کے انجینئر نے بھی بتایا تھا۔ اس سے یہ امر اغلب معلوم ہوتا ہے کہ پروفیسر بوہلر کو اطلاع دینے والے

آپ اس کے اندر ٹانگیں ڈال کر دریا میں کود جائیں۔"

راجہ پہلے تو حیران اور افسوس ناک بنا کھڑا رہا اس کے بعد دریا میں کود کر سامنے والے کنارے پر جا پہنچا اور اپنی فوج میں ملنے کے بعد اس نے جھٹ سلطنت نیپال پر چڑھائی کی اور اُسے مع اُس کے حکمران کے بالکل تباہ کردیا۔ اس طرف افسران جیل کو اس کی فراری کی خبر ہی نہ تھی اور اُس طرف اس نے سلطنت کو ایک زمانہ ماضی کی چیز بنادیا۔ جس کا ذکر صرف کہانیوں میں باقی ہے۔

راجہ کے قید خانہ سے چھوٹنے کے بعد ایک جنگی دعوت ہوئی جس میں ناچنے والے بے سر کی لاشیں تھیں۔ ہار وہ تھے جو اپسرائیں میدان جنگ کے مقتولوں کے گلے میں ڈالتی ہیں اور موسیقی ڈھول تاشوں کی آواز تھی۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ جب موسم گرما میں دوسری پہاڑیوں پر جنگلی آگ موجود ہوتی ہے اور لوگوں کو

شخص کو اس بارے میں غلط اطلاع ملی ہوگی۔ کشمیر کے گاؤں کا ایسا نام ہونے کی صورت میں یہ بات اور بھی عجیب معلوم ہوتی کیونکہ کشمیری زبان میں باہر کا لفظ بالکل استعمال ہی نہیں ہوتا بلکہ اندر کے مقابلہ میں "نے بر" کا لفظ کام میں لاتے ہیں۔

باہر کوٹ کے نام کے ساتھ ہی ہمیں پروفیسر کی اس تجویز کو بھی چھوڑنا پڑتا ہے جو انہوں نے دواروتی کو جزیرے پر اور جے پور کو مقابل والی جھیل کے کنارے پر قائم کرنے کے متعلق کی تھی۔ کلہن نے جن عمارات کا ذکر ترنگ ۴ کے شلوک ۵۰۸ تا ۵۱۲ میں کیا ہے مثلاً دہار جے دیوی۔ برہما اور کیشو کے مندر اور جے دتیہ کا مٹھ یہ سب جے پور ہی میں واقع ہیں۔ اس قسم کی تعمیری ساخت سے مشابہ کھنڈرات ساحل مقابل کی نسبت اندر کوٹ کے بلند جزیرے میں زیادہ پائے جاتے ہیں۔ اور اس لئے یہ امر زیادہ اغلب ہے کہ اول الذکر ہی جے پور کا مقام تھا۔ سب سے بڑا کھنڈر جو سطح رقع کے

اُن سے پرے رہنا پڑتا ہے اُس وقت کوہ ہمالیہ پر برف کے ڈھیر پگلتے ہیں اور وہ خاص طور پر رہائش کے قابل بنتا ہے۔ اُس وقت جبکہ جج اور دوسرے اس قسم کے لوگ پیدا ہوئے تھے جنہوں نے اپنے آقا کے ساتھ دغا بازی کی اسی وقت دانا وزیر دیوشرما پیدا ہوا تھا۔ جس طرح تاریک شینچر کا اپنے باپ چمکدار سورج سے بہت زیادہ اختلاف ہے ویسے ہی دیوشرما کی اپنے باپ مترشرما سے بہت قریبی مشابہت تھی۔

جب وہ وزیر جو ایک محافظ تعویز کا درجہ رکھتا تھا مر گیا تو راجہ نے یہ خیال کیا کہ شاہی طاقت میرے ہاتھ سے جاتی رہی ہے۔ گو یہ طاقت اُسے ابھی نصیب ہوئی تھی۔ اس طرح پر ملک فتح کرنے سے راجہ کے دل سے اپنی عزت کا دھبہ دور ہو گیا لیکن اس وزیر کی خدمت کی یاد دور نہ ہوئی۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ استری راج میں ایک بہت بڑا علاقہ فتح کر لینے کے بعد دوسرے

شمال مغربی کنارے پر واقع تھا اُسے پروفیسر بوہلر نے شناخت کیا ہے کہ یہ وشنو کا مندر تھا کیونکہ اس میں اس دیوتا کے متعلق بہت سی کندہ تصاویر پائی گئی ہیں۔ اس کھنڈر کا زمانہ کیشو کے مندر کے زمانہ کے مطابق خیال کیا جا سکتا ہے جس کا ذکر کلہن نے ترنگ ۴ کے شلوک ۵۰۰ میں کیا ہے۔

کوٹ کا لفظ جو کلہن نے جے پور کے متعلق ترنگ ۴ کے شلوک ۵۰۶ اور ۵۱۲ اور اس کے بعد ترنگ ۷ کے شلوک ۱۶۲۵ میں استعمال کیا ہے اور جو سری ورکی راج ترنگنی کی ترنگ ۴ کے شلوک ۵۴۔ ۵۴۵ میں درگا کے نام سے موجود ہے اپنی مناسب اہمیت حاصل کر لیتا ہے۔ اگر ہم اُس مضبوط مقامیت کا لحاظ رکھیں جو اندر کوٹ کی سطح مرتفع کو حاصل تھی کیونکہ اس کے تمام اطراف میں پانی تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ مابعد میں بھی جے پور ایک شاہی جائے سکونت کا کام دیتا تھا دیکھو جونراج کی

راجاؤں نے اس کی فتح اس وقت زیادہ عظیم الشان سمجھی جب وہ اندری گرام (خواہشات نفسی) پر قابض ہو گیا۔ اس نے دھرم آدی کرن (انتظام انصاف) کی ایک عمارت بنائی جہاں پر کرن (کرن سری پت) کا شاہی کپڑا سجایا جسے وہ مفتوح حسری راج سے لایا تھا۔ اس نے ایک اور دفتر چل گنج (سفری خزانہ) کا قائم کیا جس سے اُن مہمات کے موقعہ پر کام لیا جاتا تھا جبکہ اس کا اپنا خزانہ فاصلے پر ہوتا تھا۔ غرضیکہ کہاں تک بیان کیا جائے جبکہ فتح کی دیوی اس سے بغل گیر تھی اور چاروں سمندر اس کے لئے جواہرات جڑے ہوئے آئینوں کا کام دیتے تھے۔ کشمیر واپس آکر یہ راجہ باجگذار حکمرانوں میں رہتا ہوا عرصے تک اُس شان و شوکت کو بھوگتا رہا جو اس نے اپنی فتوحات کے ذریعے حاصل کی تھی۔

ناگ مہاپدم کی کہانی } ایک موقعہ پر اس راجہ کو جس نے تمام علاقوں پر فتح حاصل کر کے طاقت پیدا کر لی تھی خواب میں ایک ایسے شخص نے جس کی صورت فوق الفطرت تھی اور

راج ترنگنی شلوک ۳۰۵،۰ لیکن اس کے مکانات زین العابدین کے زمانہ میں ہی کھنڈرات کی صورت اختیار کر چکے تھے دیکھو سری ور کی راج ترنگنی ترنگ اول شلوک ۲۵۔

دوابروتی کے متعلق راج ترنگنی یا بعد کی تاریخوں میں کوئی مزید تذکرہ موجود نہیں اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ اس جگہ کی اہمیت جلدی ہی دور ہو گئی تھی دوابروتی کے اغلب مقام پر جو کھنڈرات موجود ہیں ان کی نسبت کم اہمیت کی وجہ بھی اس سے معلوم ہوتی ہے۔ ان کھنڈرات کا موجودہ نشان چند چھوٹی چھوٹی جھونپڑیاں دیتی ہیں جو سب کے اندر کوٹ سے متعلق ہیں اور جزیرہ اندر کوٹ کے شمال میں جھیل کے کنارے پر ایک نیم دائرے کی صورت میں پھیلی ہوئی ہیں سٹائن صاحب جب مئی ۱۸۹۶ء میں اس جگہ

جس نے ہاتھ جوڑے ہوئے تھے مخاطب کیا۔ اور کہا۔ "اے راجہ! میرا نام مہاپدم ہے میں ناگوں کا راجا ہوں اور مع اپنے رشتہ داروں کے بڑے آرام کے ساتھ آپ کے علاقہ میں رہتا ہوں۔ میں آپ سے حفاظت کا خواستگار ہوں۔ ایک دراوڑی ساحر مجھے اس غرض سے یہاں سے لے جانا چاہتا ہے کہ جن خشک علاقوں میں پانی موجود نہیں وہاں مجھے نقد معاوضہ لیکر فروخت کر دے۔ اگر آپ اس وقت میری حفاظت کرینگے تو آپ کی مہربانی کے بدلے آپ کو اسی ملک میں وہ پہاڑ دکھلا دونگا جس میں کچا سونا موجود ہے" یہ خواب دیکھکر راجہ نے اپنے آدمی چاروں طرف لگادیئے اور جب آخر کار وہ ساحر پکڑا گیا اور اُس کے سامنے لائے تو اُس نے اس کا ارادہ دریافت کیا۔ جب جان بخشی کا وعدہ لیکر ساحر نے وہ سب کچھ بیان کر دیا جو ناگ نے کہا تھا تو راجہ نے خود متعجب ہوکر سوال کیا۔ "تم اُس طاقتور ناگ کو اس جھیل کے نیچے سے جو کئی یوجن میں پھیلی ہوئی ہے کیونکر نکال سکتے ہو؟" ساحر نے جوابدیا "جادو کی طاقتیں بعید از فہم ہیں اگر آپ دیکھنا چاہتے ہیں تو میرے ساتھ چلیں

تھوڑے عرصہ کے لئے گئے تو انہیں معلوم ہوا کہ زیارت سید حبیب اللہ اور قاضی حجام نام کی ایک پورانی عمارت میں بہت سا مصالح ان کھنڈرات سے لیکر استعمال کیا گیا ہے اُس مرکزی مقام سے جہاں آخر الذکر واقع ہے ایک ۔۔۔ ہم گز لمبی پگ ڈنڈی "سر" پر سے ہوتی ہوئی جزیرہ اندکوٹ تک پہنچتی ہے۔ قاضی حجام کی عمارت بالکل پورانے پتھر سے بنی ہوئی ہے دیہاتیوں میں جو روایت مشہور ہے وہ ان کھنڈرات کو اور انکو جو جزیرے پر موجود ہیں یکساں طور پر راجہ جیا پیڈ سے منسوب کرتی ہے

۳۱۱ھ راجہ بھاگیرتھ نے گنگا کو سورگ سے ہمالیہ پربت پر اتارا تھا اور وہاں سے اُسے سمندر تک لے گیا تھا۔

میں آپ کو ایک عجوبہ دکھاؤنگا۔"

غرض [۳۱۲] وہ راجہ کو ساتھ لیکر جھیل کے کنارے پہنچا اور جادو کے زور سے تمام اطراف ۳۱۰ شلوک
بند کرکے جادو ہی سے چلائے ہوئے تیروں کے ذریعے پانی کو خشک کر دیا۔ وہاں
پر راجہ نے کیچڑ کے اندر ایک انسانی چہرے کے سانپ کو جو نو انچ لمبا تھا مع
اور بہت سے چھوٹے سانپوں کے تڑپتے دیکھا۔ ساحر کہنے لگا۔" اے راجہ!
میں نے اپنے جادو کے زور سے اسے اس حالت میں پہنچا دیا ہے اور اب اس پر
قبضہ کر سکتا ہوں۔ لیکن راجہ نے اُسے اس کے گرفتار کرنے سے منع کر دیا جس پر
اس نے اپنے سحر کا زور ہٹا لیا اور جھیل پھر سابقہ صورت اختیار کرکے ہر طرف
پھیل گئی۔ راجہ نے اُس دراوڑی کو روپیہ دیا اور اُسے روانہ کرکے خیال کیا۔
"کیا ناگ کو آج ہی مجھے سونے کی کان کا پہاڑ نہ دکھا دینا چاہئے؟" یہ سوچ
ہی رہا تھا کہ ناگ نے اُسی رات خواب کی حالت میں اُس سے کہا" کس مہربانی
کے لئے تجھے سونے کا پہاڑ دکھایا جائے؟ مسلسل کسی جگہ رہنے کی وجہ سے
جانداروں کے دل میں تعلق اور بے تعلقی کے اعمال منطق کے ذریعے یہ خیال

---

۳۱۲ ؎ بھیم جو پانچوں پانڈوں میں سے ایک تھا اُس کے نہش سانپ کے قابو میں
آنے کا قصہ مہابھارت کے پرب ۳ ادھیائے ۱۷۸ کے شلوک اول میں مذکور ہے۔

۳۱۳ ؎ پرنسپ صاحب نے اپنی کتاب "انڈین اینٹی کوٹی" کی فصل ۲ کے صفحہ ۲۶۸
اور رائٹ صاحب نے ہسٹری آف نیپال کے صفحہ ۳۱۲ پر راجگان نیپال کی جو روایتی
فہرست درج کی ہے اس میں ارموڈی کا نام کہیں نہیں آتا۔

۳۱۴ ؎ بظاہر کال گنڈ کا سے مراد دریائے گنڈکی سے لی گئی ہے جو نیپال کے
مغربی حصوں کو سیراب کرتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ بالائی حصہ میں اس کا نام کالی بھی ہے
دیکھو لاسن صاحب کی کتاب انڈس آلٹرتھمس کنڈ فصل ۱ صفحہ ۵۷۔

پیدا ہوجاتا ہے "یہ میرا اپنا ملک ہے" "یہ کسی غیر کا ہے" میں بے عزتی کے خوف سے تمہارے پناہ مانگنے آیا تھا لیکن تم نے جو خود میرے محافظ تھے میری بیعزتی کی۔ رعایا کا خیال ہوتا ہے کہ ان کے آقا کو سمندر کی طرح بہت کم مضطرب کیا جا سکتا ہے مگر اُس کے لئے اس سے بڑھ کر بے عزتی کیا ہو سکتی ہے جب اُن کے روبرو ہی دوسرے اُس کی بے عزتی کریں۔ میں اپنے ذاتی اعزاز کو برقرار رکھتا ہوا کیونکہ اُن عورتوں کا چہرہ دیکھ سکتا ہوں جنہوں نے معلوم کر لیا ہے کہ جب ایک اور شخص ان کی بے عزتی کرتا تھا میں اُنہیں محفوظ رکھنے سے عاجز تھا۔ لازم تھا کہ آپ ہمیں پیدائشی رتبہ کے اعتبار سے اپنے برابر سمجھتے لیکن آپ نے ہمیں حقیر جان کر لاپرواہی سے ہم پر ہنسی ٹھٹھا اُڑوایا لیکن ایسے راجاؤں کے نامناسب سلوک پر کیا تعجب ہو سکتا ہے جو شاہی طاقت کے نشے میں اندھے ہو کر بلا سوچے سمجھے کام کرتے ہیں۔ راجہ شریفوں کو شرمسار کر کے اُسے محض ایک تفریح سمجھتے ہیں لیکن آخر الذکر اُسے اپنی زندگی بھر موت خیال کرتے ہیں۔ راجاؤں کے نزدیک عزت اُن چیزوں میں سے ہے

۳۱۵ ؎ بلب دیو کشمیری کی "سوبھاستاولی" میں ۱۷۱ نمبر کا ایک شلوک ہے جسے کسی جیا پیڈ سے منسوب کیا جاتا ہے اغلب ہے کہ وہ راجہ جیا پیڈ ہی ہو دیکھو پروفیسر پیٹرسن اور درگا پرشاد کا ایڈیشن صفحہ ۴۰۔

۳۱۶ ؎ کرن سری پت کے معنے بالکل مشتبہ ہیں پت کے معنے اُس پلیٹ کے بھی ہو سکتے ہیں جس میں کوئی تصویر یا فرمان کندہ ہو۔ ممکن ہے یہاں پر انگس کے راجہ کرن کی طرف جو کوروں میں سے ایک تھا اشارہ ہو۔ بہر نوع اس کے متعلق کسی ایسی کہانی کا پتہ نہیں چلتا جس کا اس فقرے سے تعلق قائم کیا جا سکے۔

۳۱۷ ؎ ناگ مہاپدم جھیل ولر کا دیوتا ہے جو کشمیر کی جھیلوں میں سب سے بڑی ہے اور

جن سے اُن کے فائدے کی خاطر غفلت برتی جاسکتی ہے لیکن ذاتی اعزاز رکھنے والے شخص کے لئے یہ اُن چیزوں میں سے ایک ہے جنہیں جان کو گنوا کر بھی بچانا فرض ہے۔ اُن لوگوں کے دلی خیالات کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ جن سے کوئی بڑا آدمی بے عزتی کا سلوک کرتا ہے اور بے عزتی کی حالت میں انہیں دوسروں کے روبرو لاتا ہے۔ لیکن ایسی حالتوں میں بھی ہمیں دیکھنا اس قدر خالی از منفعت نہیں جس قدر تمہیں دیکھنا۔ اس لئے میں تمہیں ایک ایسا پہاڑ دکھاتا ہوں جس میں تانبے کی دھات بکثرت موجود ہے" یہ کہہ کر اس نے خواب میں اُسے اس قسم کی ہدایات کیں کہ جب وہ صبح بیدار ہوا تو اُسے تانبے کی کان والا پہاڑ مل گیا۔

اس پہاڑ سے جو کرم رج میں واقعہ تھا راجہ نے اس قدر تانبا حاصل کرلیا کہ اپنے نام کے ایک کم ارب ریاز[۳۱۹] مضروب کروالئے اور دوسرے راجاؤں کے غرور کو توڑنے کے لئے اُس نے یہ شرط قائم کی کہ جو راجہ پورا ایک ارب دینار تیار کروائے گا وہ مجھ سے بازی لے جائیگا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ

جس کا قدیم نام مہاپدم سرس ہے۔ نیل مت پوران کے شلوک ۹۲۸ میں ایک مفصل قصہ اس مطلب کا درج ہے کہ ناگوں کے راجہ نیل نے مہاپدم کے رشتہ داروں کو وہ جگہ سکونت کے لئے دی تھی جہاں پہلے راجہ وشوگشو کا شہر چندپور تھا جو بعد ازاں غرق ہوکر جھیل کی صورت میں بن گیا تھا۔ نیز دیکھو خلاصہ مندرجہ "رپورٹ" صفحہ ۱۰۔ اس جھیل کے متعلق روایات جو تراج نے شلوک ۹۰۹ تا ۹۴۴ میں اس مصنوعی جزیرہ لنکا کے متعلق بیان کی ہیں جو زین العابدین نے اس کے اندر بنوایا تھا۔

ترنگ ۵ کے شلوک ۱۱۴ اور نوٹ ع۳۷ کتاب ہذا سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مہاپدم ناگ جسے یہ جھیل ورثہ میں ملی ہوئی ہے وہ کالی ناگ ہی ہے جسے کرشن جی نے

راجہ اپنے کاموں میں تھوڑی سی کمی رکھ کر دوسرے راجاؤں کے لئے سمیہ قائم کرتا تھا تاکہ اُن راجاؤں کی ویسے ہی عظیم کام کرنے کی خواہش میں کمی واقعہ ہو۔

جیاپیڈ کے مظالم اس کے بعد یکایک رمایا کی قسمت میں تبدیلی واقعہ ہونے سے اس دنیا کے محافظ نے اپنے دادا کا چلن چھوڑ دیا اور اپنے باپ کے راستہ پر چلنے لگا۔ اہلکاروں (کالیستھوں) نے اُس سے التجا کی کہ ساری دنیا فتح کرنے اور اسی قسم کے دوسرے اولوالعزمانہ کاموں کے لئے مصیبتیں برداشت کرنے سے کیا حاصل ہے۔ آپ اپنے ملک سے ہی بہت کچھ دولت حاصل کر سکتے ہیں۔ اس پر اس نے اپنی سلطنت میں ظلم کرنا شروع کر دیا۔ شودرس اور اسی قسم کے دوسرے حریص افسران مال نے اُس کے اندر لا انتہا خزانے جمع کرنے کی خواہش کو بھڑکا دیا اور وہ حرص و ہوا کا شکار بن گیا۔ اِس وقت سے لیکر کشمیر کے راجاؤں کی عادت ہوگئی کہ وہ رہنمائی کے لئے اپنے اہلکاروں کے چہروں کی طرف دیکھتے تھے اور اپنے نوکروں کی ہدایات پر عمل کرتے تھے اس سے پہلے راجہ کی تجاویز مختلف حکمرانوں کی

مطیع کیا تھا۔ اس جھیل کا حوالہ مہاپدم سرس کے ادھیائے ۵ شلوک ۹۸-۱۰۳-۱۱۸ اسری کنٹھ چرت ادھیائے ۳ شلوک ۹۔ جونراج کی راج ترنگنی شلوک ۹۰۹ تا ۹۱۲ و ۹۴۹ اور سری ور کی رج ترنگنی کی ترنگ ۳ شلوک ۲۹۲-۵۲۰۔ ترنگ ۴ شلوک ۲۰۰ وغیرہ میں بھی آتا ہے۔ خاندان تنگ کی تاریخ میں جس کا ذکر نوٹ ۲۲۹ کتاب ہذا میں کیا گیا ہے اس جھیل کا نام "موہو پولو نونگ" کی صورت میں موجود ہے۔

اس جھیل کی کیفیت کے متعلق دیکھو مور کرافٹ صاحب کا سفرنامہ فصل ۲ صفحہ ۲۲۲ وگنی صاحب کا سفرنامہ فصل ۲ صفحہ ۱۵۳۔ لارنس صاحب کی کتاب "ویلی" صفحہ ۲۰۔ اس کا جدید نام وُلر سنسکرت نام اُلولاسرس سے ماخوذ ہے جس کے معنے بلند لہروں

گرفتاری کے متعلق ہوا کرتی تھیں لیکن اب وہ اپنی ہی رعایا کو قید کرنے کی طرف لگی رہنے لگیں۔ ملم جونیکوں کے لئے دلی امن پیدا کرنے کا باعث ہوتا ہے اس نے جیاپیڈ کے اندر جب وہ شرارتوں پر اُتر آیا رعایا کو ستانے کے متعلق ایک قسم کی ضد پیدا کردی۔ گو اُس نے سُودرس کے ایک اور بیٹے (کلماشش پاد) کی طرح بہت سے لوگوں کی زندگیاں تباہ کیں تاہم اُسے نیند میں بھی اپنے افعال بد کی طرف سے سیری نہ ہوتی تھی۔ اگر کوئی بدکار عورت صرف ایک ہی مرتبہ اپنا استعجاب رفع کرنے کے لئے بدچلنی کرے یا کوئی راجہ اس بات کا پختہ ارادہ کرکے کہ میں اس سے زیادہ ظلم نہ کروں گا صرف ایک ہی بار بستم کاری کی آزمائش کرے تو پھر ان کی روحوں میں بدافعالی اس قدر جاگزیں ہوجاتی ہے کہ الوالذکر خراب سے خراب شخص سے بھی بغل گیر ہوتے وقت افسردہ خاطر نہیں ہوتی نہ آخر الذکر کو اُس صورت میں رنج ہوتا ہے کہ وہ اپنے والدین کو قتل کرڈالے۔ حرص میں پھنس کر وہ اس قدر مظالم پر اُتر آیا کہ تین سال تک ساری فصل خود لے لیا کرتا تھا اور کاشتکار تک کو حصہ نہ

والی جھیل کے ہیں اس نام کا استعمال جونراج کی راج ترنگنی میں شلوک ۹۳۸ کے اندر پہلی مرتبہ ہوا ہے۔ اس کے علاوہ جونراج نے سری کنٹھ چرت کی جو شرح لکھی ہے اس کے ادھیائے ۳ شلوک ۹ اور مہاتم کی کتابوں میں اکثر اس کا ذکر آتا ہے۔

۳۱۸ اطراف بند کرنے کے لئے اصل کتاب میں لفظ وگ بندھ) آیا ہے جس کے معنے بدروحوں کے اثر کے خلاف راستہ بند کرنا ہے اس لفظ کا استعمال تنتر کی کتابوں مثلاً راجانک نکش کورت کی کتاب "نیتا رچن پدتی" وغیرہ میں جادو کرتے وقت جو تیاری کی جاتی ہے اس کے متعلق اکثر ہوا ہے۔ نیز دیکھو رگھو انند کی کتاب "پدہات رتن مالا" صفحہ ۳۸۰۔

دیتا تھا۔ جب وہ اس طرح حرص کا شکار بن رہا تھا اُس کے اہلکار (کایستھ) ہی اُس کے مشیر تھے۔ یہ رعایا کی ساری جائداد چھین کرلے جاتے تھے لیکن آگے جاکر اُس کا بہت ہی تھوڑا حصہ دیا کرتے تھے۔ سمندر کی مچھلیاں اور راجہ اس لحاظ سے مشابہ ہوتے ہیں کہ الوالذکر بادل کو اس صورت میں فیاض خیال کرلیتی ہیں کہ وہ انہیں کے پانی کو جذب کرکے اُس کے چند قطرے اُن کو دے۔ ایسے ہی آخرالذکر اُن شریر اہل کاروں کو وفادار وخدمت گذار خیال کرتے ہیں جو ہر چیز کو لوٹ کر اس کا بہت ہی تھوڑا حصہ انہیں دیتے ہیں لیکن آفرین ہے برہمنوں کی ہمت پر کہ وہ اس بے رحم حکمران کی سختیوں کو بھی بڑی دلیری سے جھیلتے رہے۔ بہت سے لوگ وطن چھوڑ گئے لیکن جو باقی رہے نہ تو وہ شکوہ وشکایات کرتے ہوئے مرنے سے رکے اور نہ راجہ لوٹنے سے۔ آخرکار راجہ نے غصے میں آکر حکم دیا کہ اگر کسی دن ایک کم ایک سو برہمن مرے تو اس کی مجھے اطلاع دینا۔ جوں جوں یہ ظالم راجہ اپنے چال چلن کو بدلتا گیا توں توں عالم لوگ اپنی نظموں میں اس قسم کے ذومعنی تعریفی اشعار داخل کرتے

اگنی بانوں کے ذریعے پانی خشک کرنے کے متعلق دیکھو مہابھارت کا پرب ۷ ادھیائے ۲۰۱ شلوک ۲۵

۳۱۹ یہ ایک عجیب بات ہے کہ گوجیاپیڈ کے زمانے کے اس قسم کی ملی جلی دھاتوں کے سکے جن میں چاندی کا جز زیادہ ہے اب تک بکثرت دیکھنے میں آتے ہیں تاہم اُس کے عہد کے تانبے کے سکوں کا کوئی خالص نمونہ اب تک دریافت نہیں ہوا دیکھو کنگھیم صاحب کی کتاب "کائنز اف مڈیول انڈیا" صفحہ ۲۶۔

۳۲۰ کلماش پاد کی روایت کے متعلق دیکھو مہابھارت پرب ادھیائے ۱۷۶۔ شلوک ۳۵۔

گئے کہ ان کے دوسرے معنے ہجو کے بھی لئے جاسکتے تھے مثلاً ایک شلوک حسب ذیل تھا۔

"پُرعظمت راجاؤں جیا پیڈ اور پانتی میں کیا فرق ہے؟ اول الذکر نے اپنے تمام کام پورے کرلئے ہیں (کرت کرتیہ) اور نیکیوں کو بڑھا دیا ہے۔ (گن وردھی یا تمام کاموں کو تباہ کرکے نیکیوں کو زائل کردیا ہے) اور آخرالذکر نے علامات کرتیہ کا پورا پورا بیان لکھا ہے اور گن اور وردھی کے قواعد قائم کئے ہیں۔ ایسا ہی چھپا ہوا حملہ عالم آدمیوں نے اس پر مہابھاش کی تشریح کے متعلق بڑے مناسب اشعار میں کیا تھا۔ جو حسب ذیل ہے۔ شاندار راجہ جیا پیڈ اور پانتی میں کیا فرق ہے؟ اول الذکر نے اپنے آپ کو برہمنوں کے ماتحت بنایا ہے (کرتیہ وپرو پسرگ) اور لوگوں کو مکمل کیا ہے (بھوت نشٹا وردھاین یا برہمنوں پر مصیبت نازل کی ہے اور لوگوں کو تباہ کیا ہے) اور آخرالذکر نے اُپ سرگ وی اور پرا پر بحث کی ہے اور زمانہ ماضی (بھوت) کے نشٹا (خاتمہ) کے قواعد مقرر کئے ہیں۔

۳۲۱ے تل مُلیہ سے مراد موجودہ تل مل سے ہے جو اُن دلدلوں میں واقعہ ہے جن سے گذرنے کے بعد دریائے سندھ وتشٹا سے جا ملتا ہے۔ تل مل میں ایک بڑا چشمہ اس خیال سے مقدس سمجھا جاتا ہے کہ یہ مہاراجنی کی جائے رہائش ہے۔ جسے درگا کا ایک سروپ جان کر کشمیر کے برہمن لوگ بہت پوجا کرتے ہیں۔ اور آج تک بہت سے یاتری یہاں جاتے آتے رہتے ہیں۔

اس شلوک سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جس چندر بھاگا کا یہاں ذکر آیا ہے اُس سے مراد دریائے چناب نہیں جو کشمیر کے جنوب مشرق کی طرف واقعہ ہے اور جس کا ذکر ترنگ ۳ کے شلوک ۴۶۷ اور ترنگ ۸ کے شلوک ۴۵۵ و ۲۷۶ میں اسی نام سے

جب وہ تل مُل[۳۲۱] کی زمین پر تصرف کر رہا تھا تو اس نے چندر بھاگا کے کنارے پر یہ بات سنی "ایک کم ایک سو برہمن اس کے پانی میں گر کر مر چکے ہیں"۔ اسکے بعد اس نے اگر ہار ضبط کرنے بند کر دیئے لیکن وہ زمین جو اس نے فرداً فرداً مختلف باشندوں سے لی تھی واپس نہ دی۔

جیا پیڈ کا انجام ایک بار تل مل کے رہنے والے برہمن دربانوں کے ہاتھ سے مار کھا کر دربار کے وقت چیختے چلاتے اندر داخل ہو گئے اور کہنے لگے "منو۔ مان دہاتر[۳۲۲] اور رام اور اور بڑے بڑے راجہ ہو گذرے ہیں لیکن اُنکے سامنے بھی برہمنوں کی یہ درگت نہ ہوتی تھی کیونکہ برہمنوں کو اگر غصہ آ جائے تو وہ ایک لمحہ میں آسمان کو معہ اندر کے۔ زمین کو معہ پہاڑوں کے اور دوزخ (پاتال) کو معہ ناگ راجاؤں کے تباہ کر سکتے ہیں" یہ الفاظ سنکر باجگذار والیان ریاست جو راجہ کے پیچھے کھڑے تھے پرے ہٹ گئے لیکن اُس نے ایک بھون چڑھا کر نخوت سے کہا۔ "تمہارے دماغ میں رعونت کا یہ کیا بخار چڑھ گیا ہے کہ تم جیسے شریر آدمی جو فقیروں کی روٹیوں پر گذارہ کرتے ہیں۔

آتا ہے بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اور کسی ندی کا نام تھا جو تل مل کے قریب بہتی تھی ممکن ہے یہ دریائے سندھ کی اس شاخ کا نام ہو جو تل مل کے قریب ہو کر بہتی ہے تاہم یہ ذکر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ نیل مت پوران اور اور کتابوں میں جہاں چندر بھاگا کا ذکر آیا ہے وہاں سٹائن صاحب کو صرف ایک ہی مثال ایسی ملی ہے جس سے مراد چناب کے علاوہ کسی اور ندی سے لی گئی ہو۔ اس سے ہمارا اشارہ نیل مت پوران کے شلوک ۱۳۹۹ کی طرف ہے جہاں چندر بھاگا کا ذکر برکمت گنگا یا دریائے سندھ کے بعد اس حیثیت میں کیا ہے کہ وہ کشمیر کے اُن دریاؤں میں سے ایک ہے جو بہکر دریائے دتشنا میں جا ملتی ہیں۔

رشیوں کی طرح یہاں آکر اپنی طاقت کا اعلان کرنے لگتے ہیں۔" اس کی خوفناک تیوری کو دیکھ برہمن خائف ہو گئے اور چپ رہے۔ آخر دو بختمے اِمل نے جسے برہمنی اعزاز کا خزانہ کہیں تو بجا ہے کہا۔ "اے راجہ! بلاشبہ ہم رشی نہیں ہیں کیونکہ یگوں کی تبدیلی کا اثر آپ جیسے راجہ کی طرح ہم پر بھی پڑا ہے۔ اور جو کچھ ہم ہیں یا جو کچھ نہیں اُسے یگوں کی اس تبدیلی ہی سے منسوب کیا جا سکتا ہے۔" اس پر راجہ نے غرورانہ لہجہ میں پوچھا۔ "پھر تو کون ہے؟ وشوامتر ہے۔ وشسٹ ہے یا اگست رشی کی طرح ریاضت کا ایک خزانہ ہے" اسپرو ہ بھڑک اُٹھا۔ اُس کے اندر ایک آگ شعلہ زن معلوم ہوتی تھی جس کے باعث اُس کے جسم کی طرف دیکھا نہ جا سکتا تھا۔ اور اُس سانپ کی مانند جو اپنا پھن اُٹھاتا ہے غصے سے رکتی ہوئی آواز میں راجہ سے کہا: "اگر تم ہرشچندر۔[۳۲۳] ترشنکو یا نہش بھی ہو تو میں اکیلا اُس سے زیادہ کرکے دکھا سکتا ہوں جو وشوامتر اور دوسرے رشیوں نے کیا تھا۔" راجہ نے قہقہہ مارتے ہوئے جواب دیا "وشوامتر اور دوسرے رشیوں کے غصے سے ہرشچندر اور

---

[۳۲۲] مان دھاتر کا ذکر اکثر موقعوں پر عہد شجاعت کے راجگان عظیم میں سے ایک کی حیثیت میں آتا ہے دیکھو ترنگ ۵ شلوک ۱۱۲۲۔ ترنگ ۸ شلوک ۳۳۱۔ ۳۳۶۲۔ اس کی کہانی کے متعلق دیکھو مہابھارت پرب ۳ ادھیائے ۱۲۶۔ اور بدھوں کی کتابوں میں اس کے حوالوں کے متعلق دیکھو پروفیسر ونڈِش صاحب کی کتاب "مار اینڈ بدھ" صفحات ۲۷۷-۲۸۱

[۳۲۳] راجہ ہرشچندر۔ ترشنکو اور نہش کو علے الترتیب وشوامتر۔ وشسٹ اور اگست رشی نے سزا دیئے تھے۔ ان تینوں کے زوال کے متعلق رزمیہ نظم کی کتابوں میں ذکر آتا ہے۔

دوسرے راجہ برباد ہو گئے تھے اب تمہارے غصے سے مجھ پر کیکو بال کٹنے والا ہے۔" برہمن نے ناراض ہو کر اپنا ہاتھ زمین پر مارتے ہوئے کہا۔ تم کیا وجہ ہے کہ میرے غصے کے باعث اس لمحہ تم پر براہمن کا ڈنڈا نہ چڑھے۔ یہ سُنکر راجہ ہنسنے لگا اور غصے سے برہمن کو جواب دیا۔ "برہمن کا ڈنڈا اگر تلے ہے تو گرنے دے آج بھی کس لئے رُکا ہے؟" برہمن نے چلا کر کہا۔ "اے بدنصیب راجہ! دیکھ ابھی گرتا ہے۔" جس پر ایک سونے کی چوب شامیانہ سے نکلکر راجہ پر گر پڑی۔ اس کے باعث راجہ کے جسم پر ایک زخم پیدا ہو گیا جس کے باعث اس کا جسم گل گیا اور اُس کے اندر سے آریوں کے ذریعہ بے شمار کیڑے دور کرنے پڑتے تھے۔ کئی راتیں اس قدر تکلیف برداشت کرنے کے بعد جو دوزخ میں اس کی آئندہ تکالیف کا پتہ دیتی تھیں زندگی جو نکل جانیکی خواہشمند تھی اس کے جسم کو چھوڑ گئی غرض اس طرح پرمراجاؤں کا یہ سردار (ڈونڈ دھر) جس نے اپنے اوپر یہ فوری سزا (ڈنڈ) برداشت کی تھی برہمن کے ڈنڈے (برہم ڈنڈ) کے ذریعے پائی ہوئی سزا بھگت کریم (ڈونڈ دھرم) کے

---

۳۲۴ یہاں پر شلوک کا لفظی ترجمہ کر دیا گیا ہے گو معلوم نہیں ہوتا کہ عورتوں کے دانتوں کے ذریعے بال کاٹنے سے کیا مراد لی جا سکتی ہے۔

۳۲۵ ایک ٹیکا کار کا خیال ہے کہ سورن پارشو سے مراد موجودہ موضع سُپا ہے جو بیرو پرگنہ میں واقع ہے آج کل یہاں پر زمانہ قدیم کے کوئی آثار دیکھنے میں نہیں آتے۔

لوچ نوتس کے متعلق بھی جس کا ذکر سورن پارشو کی طرح صرف اسی شلوک میں آتا ہے کوئی خاص کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی۔

پھل پورے سے مراد پرہاس پور سمیپ سے لی گئی معلوم ہوتی ہے جس پر نوٹ عنہ

روبرو حاضر ہوا۔

یہ حالات اُس مشہور راجہ کے ۳۱ سالہ عہد حکومت کے ہیں جو اپنی خواہشات کو پورا نہ کرسکتا تھا۔ راجے اور مچھلیاں جب ان کی پیاس۔ دولت اور خراب پانی کے باعث تیز ہو جاتی ہے تو وہ اپنی جگہ چھوڑ کر برے راستوں میں پڑ جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ دوزخ کے مضبوط جال میں جکڑے جاتے ہیں۔ اول الذکر تو اُن تبدیلیوں کے باعث جو قسمت پیدا کرتی ہے اور آخر الذکر مچھروں کے ہاتھ سے۔ گناہ کی حالت میں اُسے اپنی زندگی سے رخصت ہوتے، یکھ کر اسکی ماں امرت پربھا نے اپنے بیٹے کی نجات کے لئے امرت کیشو کا مندر بنوایا۔

راجہ للتاپیڈ

اس کے بعد جیاپیڈ کا بیٹا للتاپیڈ جو رانی درگا کے بطن سے تھا تخت حکومت پر بیٹھا۔ یہ راجہ اپنی خواہشات کا غلام تھا۔ شاہی فرائض کی طرف اس کی بالکل توجہ نہ تھی اس لئے اُس کے عہد میں سلطنت فاحشہ عورتوں کے

ضمیمہ کتاب ہذا اور ترنگ ۵ کے شلوک ۹۷ تا ۱۰۰ میں مفصل بحث کی گئی ہے۔

۳۲۶ے شراب کھینچنے والے کے لئے سنسکرت میں لفظ "کلیہ پال" استعمال ہوا ہے جس کی موجودہ صورت کشمیری زبان میں کلوال ہے۔ کشید شراب کے متعلق سرکاری ٹھیکہ قائم ہونے سے پہلے یہ پیشہ اس وادی کے مسلمان باشندوں کے ہاتھ میں تھا۔ پنجاب میں جو قوم اس پیشہ سے تعلق رکھتی ہے وہ کلال کہلاتی ہے۔

۳۲۷ے سنسکرت میں اس کے لئے لفظ "اوردھا" ترنگ ۷ کے شلوک ۱۰۴، ۲۲۴، ۲۷۷، ۸۵۸، ۱۴۶۱ اور ترنگ ۸ کے شلوک ۲۱۰، ۹۶۶، ۱۹۳۶ میں بھی استعمال ہوا ہے اس سے مراد ایک ایسی عورت سے لی جاتی ہے کہ جو بیوہ ہو جائے تو کوئی اعلےٰ ذات کا

قبضے میں آگئی اور ہر طرح بد اخلاقی کا دور دورہ رہا۔ اُس کے وزیر باپ نے اعمالِ بد کے ذریعے جس قدر دولت جمع کی تھی وہ سب بھانڈوں نقالوں پر ضائع کر دی اور اس طرح پر وہ دولت جدھر سے آئی تھی اسی طرف کو چلی گئی۔ فاحشہ عورتوں سے رشتہ رکھنے کے باعث محل شاہی میں بہت سے خوشامدی جمع ہو گئے اور انہوں نے اسے شہوت پرستی کی خوب ہی تعلیم دی۔ اس نے مکٹ اور مالا کا استعمال ترک کر دیا اور اپنے جسم کی صرف اسی قدر سجاوٹ کو کافی خیال کیا کہ عورتیں اپنے دانتوں کے ذریعے اُس کے بالوں کو کاٹ[۳۳۴] دیتی تھیں اور اُس کی چھاتی پر ان کے ناخنوں کے نشان بنے رہتے تھے جو شخص فاحشہ عورتوں کے متعلق قصے کہانیاں جانتا ہو یا ہنسی مذاق میں مشاق ہو اُسے راجہ اپنے مشیروں میں لے لیتا تھا لیکن کسی بہادر یا عالم آدمی کو اپنے پاس نہ آنے دیتا تھا۔ چونکہ اس کی تسلی تھوڑی بہت عورتوں سے نہ ہوتی تھی اور اس کے جذبات حیوانی درجہ انتہا کو پہنچ چکے تھے اس لئے اس نے خیال کیا کہ جیا پیڈ نامرد تھا کہ استری راج کو فتح کر کے وہاں سے چلا آیا۔ یہ راجہ

آدمی اُس کے ایک ادنےٰ نسل سے تعلق رکھنے یا کسی اور وجہ سے قانوناً اُس کے ساتھ شادی نہ کر سکے۔ ترنگ ۷ کے شلوک ۵۸ ۸ اور ترنگ ۸ کے شلوک ۷۰۳ ۱۹ میں ذکر آیا ہے کہ فاحشہ عورتوں کو اور دھا کی حیثیت میں رنواس میں داخل کر لیا گیا تھا۔ راجہ بھکشا کرنے ایک اعلےٰ ذات کی بیوہ عورت کو اور دھا کی حیثیت میں لیکر جو مثال قائم کی تھی اس کا ذکر ترنگ ۸ کے شلوک ۹۷۷ میں آتا ہے۔

آکھو کا محل وقوع عدم پتہ ہے۔

۳۳۸ بیبیا راجہ وجرا دتیہ کا دوسرا نام تھا دیکھو ترنگ ۴ شلوک ۳۹۳۔ جس بھدلوی کا یہاں ذکر کیا گیا ہے یہ وہ بے دیوی نہیں جو اُتپل پدم وغیرہ کی بہن تھی۔

بد کار عورتوں اور اسی قسم کے آدمیوں کی صحبت میں خوش رہتا تھا اور اس لئے سابقہ راجاؤں کی دنیا فتح کرنے کی کوششوں پر ہنسا کرتا تھا۔ خوشامدی لوگ اپنے ہنسی مذاق کے ذریعے باحیا بڈھے آدمیوں کو بہت دق کرتے تھے اس لئے وہ دربار سے پرے رہنا ہی پسند کرتے تھے۔ لیکن راجہ ان خوشامدیوں کو بہت چاہتا اور انہیں خوب تحفے تحائف دیا کرتا تھا۔ علانیہ ہنسی مذاق کرنے میں وہ ایک زرخرید غلام کی طرح چالاک تھا اور اپنی فاحشہ عورتوں کی منڈلی میں بیٹھ کر ایسی ایسی ہزلیات کرتا کہ بڈھے درباری مارے شرم کے عرق عرق ہو جاتے تھے۔ اُس کی بدکاری اس انتہا کو پہنچ گئی کہ اس نے قابل عزت مشیروں کو اس قسم کے خوشنما لبادے پہنائے جن کے اوپر ان فاحشہ عورتوں کے پاؤں کے نشان بنے ہوئے تھے۔ ایک ذاتی عزت رکھنے والا مشیر منورتھ ہی ایسا تھا جو اس سے بچتا رہا۔ کیونکہ نہ تو وہ اُسے روک سکتا تھا اور نہ اس سے میل جول رکھنا پسند کرتا تھا۔ بُرے کام غیر موزونیت نہایت خراب حالت۔ دغا بازی کا چال چلن اور بدچلن مالک ان سب کا ملاج سوئے

۳۲۹ اس شلوک کے صحیح معنے معلوم کرنے مشکل ہیں کیونکہ اس زمانے کے مالی انتظام کے متعلق جس کا یہاں حوالہ دیا گیا ہے ہمارے پاس کوئی تفصیل موجود نہیں۔ ایک ٹیکا کارنے باقی چار محاسب خانوں کے نام شال استھول نام ایانک۔ ملھان اور نوگرام آدی مقرر کئے ہیں۔

۳۳۰ اُتپل پور کا دوبارہ ذکر جونراج کی راج ترنگنی کے شلوک ۳۲۲ و ۸۵۹ میں آتا ہے لیکن صحیح محل وقوع کا پتہ کسی میں بھی درج نہیں۔ راجنک رتن کنٹھ کی لکھی ہوئی کتاب ہیتر پال پدتی کے مسودے کے اخیر میں ایک نوشتہ کے اندر اُتپل پور کو ہیرہ کی جگہ بیان کیا گیا ہے یہ کتاب آجکل لاہور کے پنڈت جگ موہن کے قبضے میں ہے

اس کے اور کچھ نہیں کہ انسان ان سے بچتا رہے۔ اس راجہ نے سوزیا پڑشو پھل پور اور لوچ نوتس کے اگرہار برہمنوں کو دیئے اور بارہ سال تک حکومت کی۔

راجہ سنگرام پیڈثانی

اس کے بعد راجہ جیا پیڈ کا بیٹا سنگرام پیڈ ثانی جورانی کلیان دیوی کے بطن سے تھا دنیا کا مالک بنا۔ اس راجہ کا دوسرا نام پرتھویا پیڈ بھی تھا۔ اس نے سات سال حکومت کی۔

چپت جیا پیڈ

(برہسپتی)

اس کے بعد مشہور و معروف راجہ چپت جیا پیڈ جس کا دوسرا نام برہسپتی تھا اور جو للتا پیڈ کا نوعمر بیٹا تھا حکمران بنا۔ اس کی ماں جیدیوی ایک شراب

وہاں پر اس جگہ سے مراد کاک پور سے لی گئی ہے جس کا موجودہ نام کاک پورہی ہے اور دریائے وتشٹا پر واقع ہے۔

اگر یہ شناخت درست ہے تو اُتپل سوامن کے مندر کو کاک پور کے کھنڈرات مین ہی کہیں تلاش کرنا چاہئے۔

پدم پور بلا شبہ موجودہ شہر پامپر کا نام ہے جو دریائے وتشٹا پر واقع ہے اور جسے پنجابی پام پور کہتے ہیں چنانچہ وگنی صاحب نے اپنے سفرنامے کی فصل ۲ صفحہ ۳۱ میں اس کا ذکر بھی کیا ہے۔ یہاں شہر کے مرکز میں ایک قدیم مندر کے جو چند ایک کھنڈرات موجود ہیں ان کا ذکر کنگھیم صاحب نے کیا ہے۔ پدم پور کا ذکر آخری دو ترنگوں میں کئی بار

والی[۳۲۶] کی بیٹی تھی۔ راجہ للتا پیڈ جو شہوات نفسانی کے مگرمچھ کے پنجے میں پھنسا ہوا تھا یہ اس کی داشتہ عورت تھی۔ اس کا باپ اُپ نامی موضع آکھوسہ ایک شراب نکالنے والا تھا اور اسے راجہ نے جو حسن ظاہری پر مرتا تھا داشتہ عورت[۳۲۷] کی حیثیت میں رنواس میں ڈال لیا تھا۔

پدم اور اُت پلک وغیرہ کا زور پکڑنا

چھوٹی عمر میں چیت جیا پیڈ کے سربراہے اُس کے ماموں پدم۔ اُت پلک۔ کلیان۔ مم اور دھرم تھے۔ جو اس کی حکومت میں حصہ دار تھے اس کا بڑا ماموں اُت پلک پنج مہا شبد عہدوں پر فائز تھا اور باقیوں نے دوسرے عہدے اپنے قبضے میں کر رکھے تھے۔ اس کی ماں جیہ دیوی نے جس کی ہدایات پر اس کے بھائی ہمیشہ چلتے تھے اُن دنوں جبکہ اُسے شاہی طاقت حاصل تھی جے ایشور کا مندر بنوایا۔ وہ شاہی خزانہ جو حرص کے ذریعے حاصل کئے ہوئے روپیہ کی وجہ سے ناپاک ہو چکا تھا اُسے نو واردوں نے بہت جلد لٹا دیا۔ جیا پیڈ کی دولت کچھ تو اس کا بیٹا للتا پیڈ ضائع کر گیا تھا باقی کو اُس کے بیٹے کے سالوں نے خوب ہی دل کھول کر لوٹا۔ ان خوش قسمت لوگوں نے اُس طاقت کے ذریعے جو اُن کی بہن کے حسن کا جادو انہیں دلا چکا تھا دوامی فائدے کی

آتا ہے۔ دیکھو جو نراج کی راج ترنگنی شلوک ۹۴۶۔ سری ورکی راج ترنگنی ترنگ ۴ شلوک ۱۳۲۔

۳۴۴۔ وشنو مہاتم ادھیائے ۱۱۔ شلوک ۲۰۔

۳۳۱ کلن اس سے پہلے ترنگ ۳ کے شلوک ۲۶۳ میں بیان کر چکا ہے کہ مم نے اپنے مندر کے وقف کے لئے ماترگپت سوامن کے مندر کے متعلقہ گاؤں واپس لے لئے تھے مم کے قائم کردہ مندر کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔

کمبہ پرتشٹا کے متعلق دوبارہ ذکر ترنگ ۷ کے شلوک ۶۹۹ میں آتا ہے۔

خوشی کا سامان کر لیا۔

جیت جیاپیڈ کا قتل یہ ادنےٰ پیدائش کے لوگ جو ہر کام کو بلا روک کرتے تھے اپنے بھانجے یعنی راجہ کو بالغ ہوتے دیکھ کر خوف کھا رہے تھے آخر کار مل کر انہوں نے سازش کی اور شاہی طاقت پر قبضہ حاصل کرنے کے لئے جادو کے ذریعے راجہ کو جو انکی بہن کا بیٹا اور اُن کا آقا تھا مار ڈالا۔ جب یہ راجہ بارہ سال حکومت کرنے کے بعد مرگیا تو ان بھائیوں نے جو ایک دوسرے سے حسد کرتے تھے کسی ایک کے ہاتھ میں بھی تخت نہ آنے دیا۔ ملک چونکہ انکے قبضہ میں تھا اس لئے ہر شخص یہ کوشش کرتا تھا کہ اپنی پسند کا کوئی اعلےٰ نسل کا راجہ برائے نام حکمران بنایا جائے۔

راجہ اجتاپیڈ

راجہ ببپیا[۲۲۸] اور رانی میگھاولی کے بیٹے تربھوناپیڈ کو گو وہ سب سے بڑا بیٹا تھا اس لئے تخت سے علیحدہ رکھا گیا تھا کہ وہ سازشوں میں شریک ہونا

۲۳۲؎ یہاں سے کلہن نے مختلف عہد حکومت اور واقعات کا ذکر معہ تاریخ کے لکھنا شروع کیا ہے وہ لوکک یا سپت رشی سمت کا استعمال کرتا ہے جو کشمیر اور اس کے قریب کے پہاڑی علاقوں میں عام طور پر مروج ہے۔ اس سمت کی ابتدائی تاریخ کے متعلق جسے کشمیری جیتر شدی ایکم ۲۵ سنہ کلجگی مطابق ۳۰۷۶-۵ قبل مسیح سے قائم کرتے ہیں دیکھو نوٹ ۱۹ کتاب ہذا۔

اس عام رواج کو مدنظر رکھ کر جو آجتک کشمیر میں پایا جاتا ہے کلہن نے جا بجا صدیوں کے اعداد کو حذف کر دیا ہے لیکن ان کا اندازہ خود حساب لگا کر بہ آسانی کیا جا سکتا ہے۔

پسند نہ کرتا تھا۔ جے دیوی کے بطن سے اُس کا ایک بیٹا اجتا پیڈ تھا جسے اُت پل نے جبراً تخت نشین کر دیا یہ لوگ راجہ کو پانچویں محاسب خانہ کی آمدنی سے کھانا کپڑا دیا کرتے تھے۔ جس میں باقی چار محاسب[۳۲۹] خانوں کی جوشیڈ وغیرہ کہلاتے تھے بچت آیا کرتی تھی۔ راجہ چونکہ ہر بات میں اُن کا محتاج تھا اس لئے وہ بیچارا سخت مشکل میں پھنسا ہوا تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ سب کے سب ایک ہی حیثیت کے ہوں کیونکہ اگر وہ ایک کے ساتھ گفتگو کرتا تو باقی ناراض ہو جاتے تھے جو لوگ ملک کی مالگذاری پر قابض تھے اُنھوں نے اس راجہ کے عہد میں شہر۔ مندر اور اور عمارات بنائیں۔ یہ لوگ مع اپنے ورثا کے باہمی حسد میں بے مالک کی مملکت کو اس طرح لوٹ لوٹ کر کھا رہے تھے جس طرح جنگل میں مرے ہوئے بھینسے کو بھیڑیئے کھاتے ہیں۔

اُت پل پور اور پدم پور کی بنیاد ڈالنا } اُت پل نے اُتپل سوامن نامی وشنو کا مندر بنوایا اور شہر اُتپل پور[۳۳۰] کی بنا ڈالی۔ پدم نے پدم سوامن نامی وشنو کا مندر قائم کیا اور پدم پور کا شہر بسایا۔ پدم کی بیوی گنا دیوی نے جو بڑی نیک عورت تھی۔ ایک مٹھ

اور اس لئے اس کتاب میں صدیاں بھی ساتھ ہی ساتھ درج کی گئی ہیں

۳۳۳ چاند کی وجہ سے سمندر کا پانی خوش ہو کر اونچا ہوتا ہے (اُس میں جوار آتا ہے) اس خیال کو مدنظر رکھ کر یہ استعارہ قائم کیا گیا ہے۔ بلب دیو اور شارنگ دھر کے گلدستہ ہائے نظم میں شنکگ کے شلوک آتے ہیں اور اس کی نسبت کاویہ پرکاش کے اُدلاس چار میں لکھا ہے کہ اُس کی رائے استعارات کے معاملہ میں مستند خیال کی جاتی ہے دیکھو کاویہ پرکاش بمبئی ایڈیشن ۱۸۸۹ء صفحہ ۱۰۶ اور بھاستادلی صفحہ ۱۲۷۔

۳۳۴ اس جگہ نیل مت پوران کے شلوک ۲۰۰ اور ۲۲۶ کی کہانی کا حوالہ دیا گیا

دمدا اسلطنت میں اور دوسرا وجیشور میں بنوایا۔ دھرم نے جو دھرم کا بہت بڑا حامی تھا دھرم سوامن کا مندر بنوایا اور عابد کلیان ورمن نے کلیان سوامن وشنو کا مندر۔ چالاک دانا اور دولت مند مم نے مم سوامن وشنو کا مندر بنوایا اور اس موقعہ پر بوقت کمبہ پچاسی ہزار گائیں برہمنوں کو دان دیں اور ہر گائے کے ساتھ پانچ ہزار دینار بطور دکشنا کے دیئے۔ غرض اس اکیلے شخص نے مندر پر جس قدر روپیہ صرف کیا اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس صورت میں اُس کے دوسرے بھائیوں کا جن کے پاس بڑی بڑی دولتیں تھیں ذکر ہی کیا ہے اُن کی دولت خاص دھوکے کے ذریعہ کمائی ہوئی تھی یا راستی کے طریقے سے بہر نوع سب لوگ ان کی فیاضی کے باعث خوش تھے۔ جو مندر انہوں نے تعمیر کروائے اُنکے مقابلے میں دوسرے مندر چھوٹے معلوم ہوتے تھے جس طرح بڑے ہاتھیوں کے مقابلہ میں چھوٹے ہاتھی۔ لوکک سمت ۳۸۸۹ (۸۱۳ء) سے لیکر جب اُن کا بھانجا مرا سمت ۳۹۲۶ (۸۵۰ء) تک وہ بلارو ک حکومت کرتے رہے۔ اس کے بعد مم اور ات پلک میں ایک خوفناک جنگ چھڑ گیا جس کے باعث دریائے وتستا کا پانی مقتول سپاہیوں کی لاشوں سے اٹ گیا۔ اس

ہے جس میں لکھا ہے کہ کشپ کے ایک سراپ کی وجہ سے کشمیر پر چھ ماہ تک پشاچوں کی حکومت رہتی تھی جو اس ملک کے انسانوں کو اسوج کی پورن ماشی سے چیتر کی پورنماشی تک باہر نکال دیا کرتے تھے۔ اس کہانی کے خلاصے کے لئے دیکھو "رپوٹ" صفحہ ۴۰ یہ راجہ جو ایک دوسرے کے بعد جلد جلد تخت نشین ہوئے انہیں اس زمانہ کے راجاؤں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جنہیں ماہ اسوج کی پورنماشی کو ملک سے نکل جانا پڑتا تھا۔

۳۹۱ وہ قدیم رسم جو ماہ اسوج کے یوم پورنماشی کے متعلق نیل مت پوران کے شلوک میں درج ہے وہ بھی اس روایت کے متعلق ہے اس موقع پر لوگ ایک دوسرے پر کیچڑ

واقعہ سے متعلق کوی شنگگ نے جو علماء کے بحر پر ایک چاند کا رتبہ رکھتا تھا اپنی نظم "بھون ابھیودے" لکھی۔ ابتدائے جنگ کے موقع پر مم کے بیٹے یشووردمن نے بہادروں کی چمک کو اس طرح کھینچ لیا جس طرح سورج ستاروں کی چمک کو کھینچ لیتا ہے۔

راجہ اننگاپیڈ

اب مم اور باقیوں نے مل کر اجتاپیڈ کو شکست دی اور سنگرام پیڈ ثانی کے بیٹے اننگاپیڈ کو تخت پر بٹھایا۔ اُت پل کا بیٹا سکھ ورمن اس راجہ کی حکومت کا مخالف تھا کیونکہ غصے کی وجہ سے وہ مم کے اختیارات کو دیکھنا گوارا نہ کر سکتا تھا۔

راجہ اُتپلاپیڈ

جب اُت پلک مر گیا تو اس کے تین سال بعد سکھ ورمن نے اجتاپیڈ کے بیٹے اُتپلاپیڈ کو راجہ بنایا۔ گو یہ فرمانروا ماہ اسوج کے پورن ماشی کے

پھینکا کرتے تھے گالیاں نکالتے اور ہنسی ٹھٹھا کیا کرتے تھے تاکہ پشاچوں کو جو اس روز لوگوں کے گھروں میں داخل ہونے کی کوشش کرتے ہیں ڈرا کر بھگا سکیں۔ یہ رسم جواب بالکل فراموش ہو چکی ہے اس کا ذکر کلہن ترنگ سات کے شلوک ۱۵۵۱ میں اسوجی گال کے نام سے کرتا ہے۔ البرونی اپنی کتاب انڈیا کی فصل ۲ صفحہ ۱۸۰ پر غالباً اسی قسم کی کسی اور رسم کا ذکر کرتا ہے جہاں وہ ماہ اسوج کی پندرہ تاریخ کے ایک تیوہار کی کیفیت بیان کرتا ہے (جبکہ چاند اپنے آخری مقام ریوتی میں قائم ہوتا ہے) اس تیوہار کے موقعہ پر بقول البرونی لوگ ایک دوسرے سے جھگڑتے اور جانوروں کے ساتھ کھیلتے ہیں۔ اس

راجاؤں کی مانند تھے تاہم اُنکے ماتحت رہ کر بعض چالاک وزیروں نے اختیارات حاصل کرلئے۔ راجہ کا وزیر امور خارجہ (ساندھی وگراہک) رتن با اختیار تھا اور اس نے رتن سوامن نامی وشنو کا ایک مندر تعمیر کرایا۔ نرا اور دوسرے سوداگروں نے جن کے پاس بے عیب گھوڑے اور گاؤں تھے اپنے جداگانہ تخت قائم کرلئے اور دارو ابھیسار اور اس کے قریب کے علاقوں میں حکومت کرنے لگ گئے۔

کارکوٹ نسل کے راجاؤں کا سلسلہ قریب قریب تباہ ہوگیا اور اُت پل کے ورثا نے بڑی طاقت حاصل کرلی۔ انہیں دنوں سکھ ورمن کو جس نے اپنی طاقت کے ذریعے شاہی اعزاز حاصل کرلیا تھا۔ اس کے اپنے ایک رشتہ دار

تیوہار کا نام "پوسائی" لکھا ہے معلوم نہیں پشاچ کے نام سے اس کا کہاں تک تعلق ہوسکتا ہے۔

۳۳۵ تمام بڑے بڑے شاہی خاندان مثلاً سورج بنسی۔ چندر بنسی اپنی ابتدا سورج یا چاند سے منسوب کرتے ہیں شاعر اس موقعہ پر یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ ان سب نے اپنی روایات اس راجہ کے جو ایک نئے خاندان کا پہلا حکمران تھا سپرد کردیں۔

۳۳۶ یہاں پر ترنگ چار کے مختلف راجاؤں کے عہد حکومت کا جو عرصہ دیا گیا ہے اس میں سنگرام پیڈ کا عہد حکومت بجائے سات دن کے سات سال گنا گیا ہے۔ چونکہ اگر سات سال کا عرصہ صحیح خیال کیا جائے تو کلہن کے تاریخی حساب میں فرق پڑجاتا ہے۔ اس لئے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مختلف ترنگوں کے اخیر پر اس قسم کے جو خلاصے مندرج ہیں وہ بعد میں زائد کئے گئے ہیں جسکی تصدیق بعض اور طریقوں پر بھی ہوتی ہے۔

ایک ٹیکا کار نے اس خلاصے کے متعلق اپنے نوٹ میں اس ترنگ کے شلوکوں کی تعداد ۷۱۶ لکھی ہے لیکن صحیح اندازے سے یہ بات پائی گئی ہے کہ کل شلوکوں کی تعداد ۷۲۰ ہے

نے جس کا نام ششنک تھا حسد کی وجہ سے مار ڈالا۔ اس پر وزیر شور نے سکھ ورمن کے لائق بیٹے اونتی ورمن کا ساتھ دیا اور اُس کی نسبت اعلان کیا کہ وہ تخت کا حقدار ہے۔ اُتپلا پیڈ کو خارج کر کے اس نے اُسے نوگک سمت ۳۹۳۱ (۸۵۵ء) میں راجہ بنا دیا تاکہ رعایا کی مصیبتوں کا خاتمہ ہو۔ ہر چند کہ اس کامیابی کے لئے اس کا باپ اور دادا بے فائدہ کوشش کرتے مر گئے تھے تاہم اس نے اپنے سابقہ جنموں کے پن کے باعث بغیر کسی کوشش کے اُسے حاصل کر لیا۔ جن شکوں میں سمندر کا پانی بھر کرے جایا جاتا ہے وہ ہمیشہ ایک فضول کام میں لگے رہتے ہیں لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ایک شخص (اگست رشی) نے جو ایک مٹکے کے اندر سے پیدا ہوا تھا باتوں ہی باتوں میں سارے سمندر کو پی لیا تھا۔ اس کے بعد راجہ اونتی ورمن کو سونے کے برتن میں پانی ڈال کر تخت نشینی کا غسل دیا گیا اور شاہی قسمت کی وز دیدہ نگاہ اس کے سر کی تاج بنی۔ معلوم ہوتا تھا کہ چاند اور سورج ۳۳۵ نے دو جڑاؤ آویزوں کی صورت اختیار کر کے راجہ کے کانوں سے قرب حاصل کیا ہے تاکہ اس کی حاصل کردہ سلطنت کے متعلق اُسے طریق حکومت سکھائیں جیسا کہ اُن راجاؤں نے جو ان کی نسل سے تھے سکھایا تھا۔ اُسکے چمکدار شاہی چتر کے بھیس میں اس کنول پھول کی شان و شوکت اس پر اُٹھتی نظر آتی تھی جو قسمت کی دیوی (لکشمی) کا جائے نشست ہے۔

یہاں پر راج ترنگنی کی چوتھی ترنگ ختم ہوتی ہے جسے کشمیر کے مشہور وزیر چمپک کے بیٹے کلہن نے تالیف کیا۔

۳۳۶

(۲۶۰ سال اور چھ ماہ کے عرصے میں کارکوٹ خاندان کے ۱۷ راجے ہوئے)۔

مکمل راج ترنگنی

پانچویں ترنگ

۳۳۷ وہ دیوتاؤں (شوجی اور پاربتی) کی زبانیں تمہاری رکھشیا کریں جو اپنے عجیب طلب کی وجہ سے ایک ساتھ حرکت کرتی ہیں۔ لیکن اُن سے جو الفاظ ادا ہوتے ہیں وہ اگرچہ آواز کے اعتبار سے مختلف نہیں ہوتے تاہم معنے کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں (شوجی پاربتی سے کہتے ہیں) تمہاری زلفوں میں سانپوں کی طرح کا کوئی (ناقابل بیان) جادو ہے اپنی طرف دیکھو۔ تمہارے گلے کی آواز نر کوئل کی مانند سانپ کی آنکھ کو جو اپنی آنکھ کے ذریعے سُنتا ہے خوش کرتی ہے (پاربتی شوجی سے کہتی ہے) آپ کو اپنی جٹا میں سانپ لگانے کا شوق ہے۔ اپنی طرف دیکھئے سانپ جو اپنی آنکھ کے ذریعے سُنتا ہے اس کی آنکھ رنگوں کی اُن کرنوں سے خوش ہوتی ہے جو آپ کے نر کوئل کی مانند گلے سے خارج ہوتی ہیں۔

---

۳۳۷ پہلی ترنگوں کے منگلاچرنوں کی طرح اس موقع پر بھی اردھن میں شوجی کو اردھی انگور کی صورت میں مخاطب کیا گیا ہے اصلی شلوک میں شاعر نے یہ خوبی رکھی ہے کہ الفاظ کو

راجہ اونتی ورمن

از ابتدائے ۸۵۵-۶ء لغایت ۸۸۳ء

جب اونتی ورمن نے اپنے دشمنوں (کنٹک) کی بیخ کنی کرکے شاہی طاقت حاصل کرلی تو اس نے اپنے عظیم کارناموں کے ذریعے نیکوں کے جسم میں ایک قسم کا خوشی کا جوش (کنٹ کت) پیدا کر دیا۔ راجہ اور اُس کا وزیر حکم دینے کے لحاظ سے دونوں یکساں طور پر آقا تھے اور نوکر ان دونوں کے احکام کی یکساں تعمیل کرتے تھے۔ اگر راجہ شکر گذار اور نرم طبیعت کا ہو اور وزیر وفادار اور تکبر سے خالی تو بعض اوقات پچھلے جنموں کے پھلوں کی وجہ سے ایسا تعلق دیرپا ثابت ہوجاتا ہے۔ راجہ نے جو منصف مزاج اور دانا تھا جب تخت حاصل

دونوں معنوں میں لیا جا سکتا ہے یعنی اس طرح پر بھی گویا شوجی نے ان کے ذریعہ پاربتی کو مخاطب کیا ہو نیز اس طرح پر کہ پاربتی نے شوجی کو وہ الفاظ کہے ہوں۔ سانپوں کے متعلق خیال ہے کہ وہ اپنی آنکھوں کے ذریعے سُنتے ہیں اور موسیقی پر شیدا ہیں۔ موسم سرما میں انکی آنکھیں سکڑ جاتی ہیں اور پھر جب کوئل پہلی مرتبہ بولتی ہے اس وقت کھلتی ہیں۔ شوجی کا گلا چونکہ تاریکی نما نیلگون رنگ کا ہے اس لئے اُس کی مشابہت کوئل کے رنگ سے دی گئی ہے۔

۳۳۸ اصل کتاب میں لفظ "ماتنگ گوت سنگلا" استعمال ہوا ہے جس کے معنے یہ بھی ہو سکتے ہیں "جو ادنے طبقے کے لوگوں کی گود میں رہتی ہے" مصنف نے یہ لفظ دونوں معنوں میں لے جانے کے خیال سے استعمال کئے ہیں۔

۳۳۹ ایک ٹیکا کار کا خیال ہے کہ بعض حیوانات جنہیں "اگنی شوچ" کہتے ہیں آگ میں داخل ہو کر اپنی سموری کھال کو صاف کرتے ہیں۔ اسی کہانی کا حوالہ ترنگ ۶ کے شلوک ۳۰۳

کر لیا اور شاہی عظمت دیکھی تو واقعات گذشتہ کو فراموش نہیں کیا بالکل اندھی اندھی سوچنے لگا۔ لکشمی چور راجاؤں کی داشتہ عورت کی مانند ہے اور اپنے ہاتھی کی پیٹھ پر سوار ہوتی ہے تیز خواہشات پیدا کر کے ملی ظرف لوگوں کو بگاڑ دیتی ہے اور ایک کمینے آدمی کی طرح جس کے ساتھ پہلے محبت کرتی ہے انجام کار اُسے مصیبت میں ڈال دیتی ہے۔ بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ جس نے سمندر میں رہکر آسمانی اپسراؤں کی صحبت میں تربیت حاصل کی ہے صرف ایک ہی آدمی سے تعلق رکھنے والی عورت کی طرح وفاداری کا سبق سیکھ سکے؟ اس کے اندر محبت کا عنصر بالکل موجود نہیں۔ جب کبھی راجہ دوسری دنیا کو بغیر زاد راہ یا ہمراہی ساتھ لئے روانہ ہوتے ہیں تو وہ کبھی اُنکے ساتھ نہیں جاتی خواہ اس دنیا میں اس کا اُنکے ساتھ عرصہ دراز تک کتنا ہی گہرا تعلق رہ چکا ہو۔ کیا وجہ ہے کہ یہ راجہ جب دوسری دنیا کو گئے تو وہ اُس سونے۔ سامان۔

اور ترنگ ۸ کے شلوک ۳۰۲۴ میں بھی دیا گیا ہے۔ نیز دیکھو برہم ویورت پوران جلد ۴ ادھیائے ۴ شلوک ۱۵۳-۱ ادھیائے ۶ شلوک ۷۰ و ۹۹ ادھیائے ۸ شلوک ۲۴ وغیرہ۔

نوٹ ۳۴۰ اب تک خاص خاص موقعوں پر برہمنوں کو کھچڑی دینے کا رواج چلا آتا ہے دیکھو ترنگ ۳ شلوک ۲۵۶ ترنگ ۸ شلوک ۱۱۸ چنانچہ پنجاب میں ماگھ کی پہلی تاریخ کو کھچڑی کے دان کا رواج عام طور پر موجود ہے۔

نوٹ ۳۴۱ ایک ٹیکا کار نے کھاڈویا کے بجائے ڈنڈ کھوہا کا لفظ استعمال کیا ہے لیکن سٹائن صاحب کو ان دونوں میں سے کسی کا پتہ نہیں مل سکا۔

اسی ٹیکا کار کے خیال میں ہستی کرن" دیا گہر آشرم واگھام کے مقام پر جس کا موجودہ نام واگ ہوم ہے واقعہ تھا یہ جگہ دچین پور پرگنہ میں دریائے وتستا کے دائیں کنارے پر واقعہ ہے اس گاؤں میں ایک چشمہ نکلتا ہے جس کا نام آجتک ہستی کرن ناگ ہے اور

قیمتی چیزیں اور اور جائداد کے مالک نہ تھے جو انہوں نے اپنے خزانوں میں جمع کر رکھا تھا؟ کیا وجہ ہے کہ اُنکے بعد جو راجہ آئے انہیں اس وقت نہ تو شرم محسوس ہوئی اور نہ پاکیزگی کا خیال آیا جب وہ ان برتنوں میں کھانا کھانے لگے جو پہلے راجہ اپنے پیچھے چھوڑ گئے تھے؟ کون ہے جسے اس وقت دھڑکا محسوس نہیں ہوتا جب وہ گذشتہ راجاؤں کے ناموں کی علامات کھوپڑیوں سے مشابہ بڑے چاندی کے پیالوں پر دیکھتا ہے؟ کون ایسا آدمی ہے جو ان منحوس اور ناپاک مالاؤں کو دیکھ کر خوش ہو سکتا ہے جنہیں کسی مرتے ہوئے راجہ کی گردن سے اتارا گیا ہو؟ کس شخص کے دل کو اس وقت صدمہ نہیں ہوتا جب وہ گذشتہ راجاؤں کے اُن زیورات کو چھوتا ہے جنہیں وہ موت کے ساتھ جدوجہد کرتے ہوئے تکلیف کے گرم آنسوؤں سے ناپاک کر چکے تھے؟ دولت کی دیوی ہمیشہ ناپاک رہتی ہے خواہ وہ سمندر کے پانی کے وسط

اس کا ذکر اسی نام سے وجیشور مہاتم ادھیائے ۱۱ شلوک ۱۸۲ - امریشور مہاتم ادھیائے اول شلوک ۹ اور تیرتھ سنگرہ میں آیا ہے - ہرچرت چنتامنی کے ادھیائے ۱۴ شلوک ۴۲ - اور نیل مت پوران کے شلوک ۹۸۵ میں بھی غالباً اسی چشمے کا حوالہ دیا گیا ہے سری ورنے اپنی راج ترنگنی میں ترنگ اول کے شلوک ۱۴۴ میں ماری ندی یا مہاسرت کے متعلق جس ہستی کرن کا ذکر کیا ہے وہ ضرور کوئی اور جگہ ہوگی اور غالباً سری نگر کے نواحات میں واقعہ ہوگی - ترنگ ۷ کے شلوک ۱۶۵۰ میں شائد اسی جگہ کا حوالہ دیا گیا ہے۔

خوورہاسوامن کے مندر کی مقامیت کا پتہ نہیں چلتا شورہ من کے گوکل کا ذکر ترنگ ۸ کے شلوک ۲۴۳۶ میں آتا ہے ترنگ ۵ کے شلوک ۴۶۱ اور ترنگ ۸ کے شلوک ۹ میں بھی غالباً اسی مندر کا حوالہ دیا گیا ہے - گو آخری شلوک سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دار السلطنت میں واقعہ تھا - ترنگ ۸ کے شلوک ۲۴۳۶ سے اندازہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ گوکل کا

میں ہی کیوں نہ چلی جائے۔ لیکن جب وہ مستحق اشخاص کے پاس جاتی ہے جو اپنے افلاس کی وجہ سے عطیات کے ویسے ہی حقدار ہیں جیسے آگ اہوتی کی تو اس وقت وہ اُس ہرنی کی مانند[۳۳۶] پاک ہوجاتی ہے جو اپنے آپ کو آگ کے اندر صاف کرتی ہے"۔ یہ سوچ کر راجہ نے سونے اور دوسری چیزوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرواکر ملالیا اور اپنے ہاتھ سے برہمنوں کو کھچڑی کی طرح تقسیم کرنے لگا۔ جب برہمنوں میں سے ایک نے بجائے "شاباش اے راجہ" کے خوشی میں آکر "شاباش اے اونتی" کہدیا تو اُس نے اُسے بہت سی مٹھیاں بھر بھر کر دیں۔ دانا اونتی ورمن نے اس طرح اپنا سارا خزانہ خیرات میں دیدیا اور اپنی شاہی عظمت کی چیزوں میں سے صرف چوریاں اور چتر باقی رہنے دیا۔ اس راجہ کے لئے شروع شروع میں شاہی اعزاز سنبھالنا مشکل تھا۔ کیونکہ اس کے بے شمار رشتہ دار جن کے پاس بہت سی دولت تھی مشکلات پیدا

نام ایک خاص قسم کی مذہبی عمارات کے لئے استعمال ہوتا ہوگا اور بظاہر اس کی مشابہت اُس مشہور گوکل سے ہے جو بندرابن کے جنگل میں کرشن جی کی بچپن میں جائے رہائش تھی۔ ترنگ ۱ کے شلوک ۳۴۲ سے واضح ہوتا ہے کہ گوکلوں میں گائیوں کے چرنے کے لئے رمنے رکھے جاتے تھے۔

[۳۳۶] پنچ ہستا سے مراد موجودہ موضع پانزت سے ہے جو دیوسر پرگنہ میں واقعہ ہے۔ اس کے نواحات میں ایک بہت بڑا چشمہ اس لحاظ سے مقدس خیال کیا جاتا ہے کہ اول اول وشنو یہاں پر نمودار ہوا تھا۔ نیل مت پوران کے شلوک ۲۵۵-۹۰۸-۹۲۵ اور ۱۲۹۳ میں اس کا نام پنچ ہستک ناگ آیا ہے نیز دیکھو ہرچرت چنتامنی ادھیائے ۱۲ شلوک ۲۲۔ اب اس جگہ کوئی آثار اس قسم کے موجود نہیں جن سے معلوم ہو سکے کہ یہ مٹھ کس جگہ واقعہ تھا۔

کرتے رہتے تھے اس نے بار بار میدان جنگ میں اپنے حقیقی اور عمزاد باغی بھائیوں کو شکست دی اور اس طرح پر سلطنت کو مخالفوں سے پاک کر دیا جب اس نے اپنی سلطنت کو مستقل طور پر قائم کر لیا تو اس رحم دل راجہ نے شاہی دولت اپنے رشتہ داروں اور نوکروں میں تقسیم کر کے اس کا لطف حاصل کیا۔

عہد اونتی ورمن کی مقدس عمارات

چونکہ اسے اپنے کنبے کے لوگوں سے بہت محبت تھی اس لئے اُس نے اپنے سوتیلے بھائی دانا شور ورمن کو یوراج (ولی عہد) کے وسیع اختیارات دیدیئے۔ آخرالذکر نے کما دویا[۳۳۲] اور ہستی کرن کے اگرہار منظور کئے اور شور ورما سوامن وشنو کا مندر اور ایک گوکل قائم کیا شور ورمن بڑا کامل روحانی عظمت رکھنے والا اور عبادت کے کاموں میں دلچسپی لینے والا

[۳۳۲] ایک ٹیکا کار نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ سمر سوامن کا مندر سُمر بگ کے چھوٹے گاؤں میں جو بیج پرگنہ کے اندر وتستا کے بائیں کنارے پر واقع ہے موجود تھا۔ اس کے قریب ہی موضع سالین اور سالیان گرام واقع ہیں جن کا ٹیکا کار نے ذکر کیا ہے ستمبر ۱۸۹۱ء میں جب سٹائن صاحب اس جگہ گئے تو انہیں یہاں کوئی قدیم آثار نظر نہ آیا صرف چند خوشنما سلوں کا ایک مکان اس مقام پر بنا ہوا تھا جہاں سے کسی زمانہ میں ایک پل دریا پر ہو کر موضع پانڈو چک کی طرف جاتا تھا سمر سوامن کے مندر کا ذکر ترنگ ۷ کے شلوک ۱۱۰۵ میں راجہ ہرش کے زمانہ میں پھر آتا ہے۔

یہاں پر کیشو وشنو کو جتر آتمن خیال کیا گیا ہے۔ بابو جوگیش چندر دت نے راج ترنگنی کا جو ترجمہ کیا ہے اُس میں یہ بات ظاہر کی ہے کہ سمر نے سمر سوامی کی مورتی کے علاوہ رامچندر جی اور اُنکے بھائیوں کی مورتیاں بھی استھاپن کروائی تھیں۔

آدمی تھا۔ اس نے ونج ہستا[۳۴۴] کا اگرہار منظور کیا اور ایک مٹھ جو بہت بڑی بوتائی عظمت کا جائے رہائش تھا بنوایا۔ اس راجہ کے ایک اور بھائی سمر نے کیشو کی چترآتمن صورت کے لئے سمر سوامن[۳۴۵] نامی مندر تعمیر کروایا۔ ایک چھوٹے بھائی شور کے دو بیٹوں دھیرا اور ونپ نے اپنے نام پر مندر بنوائے اور اُس کے دو بھتیجوں نے جو محاسب خانوں کے افسر اعلےٰ (گنناپتی) تھے اس دنیا میں اپنی روحانی طاقتوں کو دیوانگی کے بھیس میں چھپانے کے بعد شوجی کی دنیا میں اعلےٰ درجہ کی نشستیں حاصل کیں۔ مشہور و معروف مہودے نے جو شور کا خاص دربان تھا مہودے سوامن[۳۴۶] نامی وشنو کا مندر بنوایا اور اس مندر میں اتالیق کا عہدہ رامت نامی ایک استاد کو دیا جو علم گرامر (دیاکرن) کے متعلق اپنی کوششوں کے لئے مشہور تھا۔ راجہ کے وزیر مشہور و معروف پربھاکرورمن نے وشنو کا ایک مندر پربھاکر سوامن نامی بنوایا۔ جب وہ اس مندر کو استھاپن کروا رہا تھا

---

[۳۴۴] ایک ٹیکا کار نے مہودے سوامن کے مندر کے متعلق بیان کیا ہے کہ یہ مدوآشرم میں واقع تھا۔ وتستا مہاتم ادھیائے ۵ شلوک ۳۷ کی تشریح کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ "مرحوم" کے بڑے گاؤں کا نام تھا جو وتستا کے بائیں کنارے پر واقع ہے۔ یہاں اب سطح زمین پر کسی قسم کے آثار موجود نہیں صرف اس گاؤں کے اندر ایک مقدس چشمہ ہے جس کی زیارت امرناتھ کے یاتری راستے میں کر جاتے ہیں۔

[۳۴۵] اصل کتاب میں لفظ شوکا ولی استعمال ہوا ہے جس کے صحیح معنے مشتبہ ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی قیمتی اور قابل انتقال چیز تھی کیونکہ ترنگ ۸ کے شلوک ۸ میں ذکر آتا ہے کہ ہرش مدس شکاولی کو اٹھا کر لے گیا تھا اور اس کے بعد اوچل نے تر بھون سوامن کے مندر کی آرائش کے لئے دیدیا تھا۔

[۳۴۶] یہاں پر جو نام درج ہیں ان میں سے دو کشمیری لٹریچر میں خاصے مشہور ہیں۔

تو اس کا اپنا طوطا اور اس کے ساتھ بعض اور طوطے موتی لے آئے جس پر راجہ نے ایک مشہور طوطے خانہ[۲۲۵] (شکاولی) قائم کر دیا۔ وزیر شور نے جو عالم آدمیوں کی عزت کرتا تھا اور راجہ کی سبھا میں انہیں نشست دیتا تھا علم کو جس کا بہاؤ رک چکا تھا پھر اس زمین پر اُترنے کے لئے مجبور کیا۔ عالموں کو بہت بڑی دولت اور اعلےٰ اعزاز دیئے جاتے تھے اور وہ ایسی پالکیوں میں بیٹھ کر جو راجاؤں کے شایاں شان ہوں سبھا میں پہنچا کرتے تھے۔ مکتا کن[۲۲۶]۔ شوامن شاعر آنند وردھن اور رتناکر نے اونتی ورمن کے عہد میں شہرت حاصل کی۔ وزیر شور کے دربار میں کرت منسا نامی بھاٹ ہمیشہ ذیل کا شلوک سنایا کرتا تھا تاکہ اپنے آقا کو اُسکے ادائے کی یاد دہانی کرایا رہے۔ "اسوقت متلون مزاج خوش نصیبی حاضر ہے لہٰذا لوگوں کو فائدہ پہنچانیکا یہی وقت ہے جسوقت بد نصیبی نمایاں ہوگی اسوقت فائدہ پہنچانیکا موقعہ ہاتھ نہ آسکے گا"۔ اس وزیر نے بہت سی عمارات تعمیر کروائیں اور سریشور[۲۲۷] نے کھیتر میں شوجی اور پاربتی کے

آنند وردھن کی لکھی ہوئی دو کتابیں آجتک مروّج ہیں ان میں سے ایک "دھونیا لوک" نامی فصاحت و بلاغت کے متعلق اور دوسری "دیوی شتک" نامی نظم کے متعلق ہے دسویں صدی کے اخیر میں ان دونوں پر شرح ہو چکی ہے دیکھو پروفیسر بوہلر کی رپوٹ صفحہ ۶۵ اور کاویہ مالا فصل اول شلوک ۱۰۱۔

جس ٹیکا کار کا اوپر حوالہ دیا جا چکا ہے اس نے صحیح طور پر رتناکر کو ہرویے نامی مشہور نظم کا مصنف بیان کیا ہے جو پہلے پروفیسر بوہلر کو کشمیر میں ملی تھی اور اسکے بعد "کاویہ مالا" میں شائع ہو چکی ہے۔ اس ترنگ کے اخیر پر جو خلاصہ درج ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رتناکر نے جس کا پورا نام راجانک رتناکر دجیتو رتھا اسے راجہ برہسپتی (چپت جیا پیڈ) کے عہد میں مرتب کیا تھا۔ جو کلہن کے اپنے بیان مذکورہ ترنگ ۴ شلوک اونتی ورمن کے تخت نشین ہونے سے ۴۴ سال پہلے مر چکا تھا دیکھو "رپوٹ" صفحہ ۶۶

اعزاز میں ایک ایسا مندر بنوایا جو ہمیشہ قائم رہنے والا تھا۔ دانا وزیر نے سریشور[۳۴۴] کا مندر قائم کرنے کے بعد جو اس کے محل کے برابر اونچا تھا عابدوں کے فائدے کے لئے شور مٹھ بنوا دیا۔ اس نے جنگی چرکی جو پہلے کرم ورتی[۳۴۵] کے مقام پر واقع تھی اپنے قائم کردہ خوشنما شہر شور پور میں منتقل کر دی شور کے ایک بیٹے رتن وردھن نے سریشوری کے قریب شوبھو تیشور[۳۴۶] کا ایک مندر اور شور مٹھ کے اندر ایک اور مٹھ بنوایا۔ شور کی بیوی کا و یہ دیوی نے جو شریف النسل تھی سریشوری میں کاویہ دیوی ایشور نامی[۳۴۷] سداشو کا مندر بنوایا۔ اونتی ورمن نے جو حسد سے پاک تھا اپنے اخیافی بھائیوں شور اور اس کے بیٹے کو شاہی اختیارات دے رکھے تھے۔ یہ راجہ جو اپنے وزیر کے منشا پر اس طرح چلا کرتا تھا گویا کہ وہ کوئی دیوتا ہو بظاہر اپنے آپ کو شوجی کا اپاسک ثابت کرتا تھا گو حقیقت میں وہ بچپن ہی سے

---

۳۴۳ کیٹا لوگس کیٹا لوگودم صفحہ ۱۹۳۔

نکلتا کون کا اس کے علاوہ صرف وہی ذکر نظر آتا ہے جو کھیم اندنے گیارھویں صدی میں اپنی کتابوں میں کیا ہے دیکھو کیٹا لوگس کیٹا لوگودم صفحہ ۴۵۹۔ شوشو امن غالباً وہ شاعر تھا جس کے اشعار کھیم اندنے کوی کنٹھ بھرن اور گلدستہ ہائے مابعد میں درج کئے ہیں۔ دیکھو کیٹا لوگس کیٹا لوگرم صفحہ ۶۵۴ اور سبھ استاولی کا دیباچہ صفحہ ۱۲۹۔

۳۴۴ آج تک درگا کی پوجا سریشوری (دیوتاؤں کی ملکہ) کے نام سے ایک اونچے ٹیلے پر جو موضع ایش برکے اوپر جھیل ڈل کے مشرقی سلسلہ کوہ میں واقع ہے ہوتی ہے اس ٹیلے کی چوٹی پر ایک قدرتی چٹان کی نسبت خیال ہے کہ وہ درگا کے شوہر کی تصویر ہے سریشوری مہاتم میں اس دیوی اور اس کے شوہر کے یہاں رہنے کے متعلق ایک روایت ہے جو دیو رود کے مارے جانے سے متعلق ہے۔ اس میں تشریح کے ساتھ یاترا کا وہ

وشنو کا معتقد تھا۔ وشوے کشار کے مقام پر جہاں مرنے والوں کو مکتی حاصل ہو جاتی ہے اس راجہ نے اونتی پور[۲۴۳] کے شہر کی بنیاد قائم کی جہاں سامان تفریح بکثرت موجود تھا۔ تخت نشینی سے پہلے وہاں اونتی سوامن نامی وشنو کا مندر بنوانے کے بعد راجہ نے تخت نشین ہو کر اونت ایشور نامی شو کا مندر بنوایا۔ اس راجہ نے ترپوریشور۔ بھوتیش[۲۴۴] اور وجیش کے مندروں میں تین سنگھاسن اس قسم کے بنوائے جن کے ساتھ نہانے کا پانی نکالنے لئے چاندی کی نالیاں لگی ہوئی تھیں۔

وزیر شورمن کی وفاداری } شور کے لئے بھی راجہ بمنزلہ بڑے دیوتا کے تھا جسے خوش کرنے کے لئے وہ اپنے مذہب۔ زندگی یا بیٹے تک کی قربانی سے انکار نہ کرتا تھا ایک موقعہ پر راجہ شوبھوتیشور[۲۴۵] کی پوجا کرنے گیا۔ اور جب اپنے شاہی عزاز

راستہ بھی تبلایا گیا ہے جو خاص چشموں (ست دھارہ وغیرہ) سے شروع ہوتا ہے جو موضع ایش بر کے عین نواحات میں واقع ہے دیکھو نوٹ [۱۳۴] کتاب ہذا۔

اس جگہ پر سریشوری کیشتر سے مراد آخر الذکر مقام کے محل وقوع سے ہی لی گئی ہے دیکھو ترنگ ۵ شلوک ۷، ۴۸ اجو نراج کی راج ترنگنی شلوک ۵۲ -۴ -۸۷۔ سری ورکی راج ترنگنی ترنگ اول شلوک ۴۲۶ -اور سرشیوری ادھیائے ۵ شلوک ۱۴ -ادھیائے ۸ شلوک ۵۶ ۴۴ ۷- ۴۴ ۲۲ وغیرہ -ایش بر کی مقامیت جو نراج کی راج ترنگنی (شلوک ۵۲) اور سری ورکی راج ترنگنی (ترنگ اول شلوک ۴۱۹ - ۴۲۶) میں واضح طور پر ظاہر کی گئی ہے جہاں سریشوری کے متعلق ذکر ہے کہ وہ جھیل ڈل کے کنارے پر واقع ہے - نیز دیکھو "سمہ امہ ماترکا" ادھیائے ۲ صفحہ ۲۹ جہاں ست دھارہ کے چشمے کا سریشوری کے ساتھ ذکر آیا ہے -اس کے متعلق جو حوالے اس قسم کے دیئے گئے ہیں کہ موت کے

کے مطابق چڑھاوا چڑھا چکا تو اس نے دیکھا کہ مندر کے پوجاریوں نے مورتی کے آگے اُتپل شاک نامی ایک کڑوی جنگلی نباتات رکھی ہوئی ہے جب راجہ نے پوجاریوں سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے ڈنڈوت کی اور ہاتھ جوڑ کر کہا "اے راجہ علاقہ لہریں میں دھنو نامی ایک طاقتور ڈامر رہتا ہے جس کے ساتھ شور وزیر کی بڑی محبت ہے اور اس کے ساتھ بیٹے کی طرح سلوک کرتا ہے اس ڈامر نے جس کی طاقت لامحدود ہے اس مندر کے متعلقہ گاؤں چھین لئے ہیں اس لئے ہم بھوتیش کے آگے یہی چیز پیش کر سکتے ہیں"۔ اسپر راجہ یکایک قولنج کا بہانہ کر کے پوجا کو چھوڑ آیا اور اس طرح پر باہر نکل گیا گویا یہ معلوم ہو کہ جو بات اس نے سن لی تھی حقیقت میں نہیں سنی۔ شور جو اس بات کو جانتا تھا کہ راجہ کے یکایک رخصت ہونے اور بظاہر فوری مرض قولنج میں مُبتلا ہونے کی کوئی وجہ ہے اس معاملے کی

وقت یہاں پہنچ جانا چاہیے (دیکھو ترنگ ۲ شلوک ۱۴۷۔ ترنگ ۸ شلوک ۲۲۴۴۔ ۲۴۱۰)

ان سے اس تقدس کا اظہار ہوتا ہے جو اس کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے۔ اس کی مفصل کیفیت "سرو اوتار" کے پانچویں ادھیائے میں دی ہوئی ہے۔ سریشوری تیرتھ کے نام کا پتہ پہلے سے نیل مت پوران کے شلوک ۱۳۲۲ میں موجود ہے۔ شوجی اور پاربتی کے مشترکہ مندر یعنی اردھن ایشور کا مندر وہی ہے جس کا ذکر کلہن نے ترنگ ۸ کے شلوک ۳۳۶۵ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ اُس کے زمانہ میں سریشوری میں واقع تھا۔ آجکل نہ تو اس کی اور نہ شلوک ۴۰-۱۴ کے مندروں کی مقامیت کا یقینی طور پر کچھ پتہ چلتا ہے۔ گو مختلف کھدی ہوئی سلیں اور سنگ تراشی کے عمل کے وہ ٹکڑے جو مقدس چشموں کے قریب اور ایش بر کے مکانات کی دیواروں میں پائے گئے تھے اُن سے پورے طور پر اسباب کا ثبوت ملتا ہے کہ شکستہ مندر کے قریب یقیناً

نسبت تحقیقات کے درپے ہوا جب اُسے اصلی واقعات معلوم ہوئے تو غصے میں بھرا ہوا جلدی سے بھیرو کے مندر کو گیا جس کی پوجا معہ باترسی[ف۳۵۰] چکر کے بھوتیش کے قریب ہی ہوتی ہے۔ اس نے لوگوں کے ہجوم کو پرے ہٹا دیا۔ اور صرف چند ہمراہیوں کو پاس رکھ کر دھنو کو لانے کے لئے قاصد پر قاصد بھیجے شروع کئے۔ آخر کار جب خونخوار ڈامر شور کے سامنے آیا تو اُس کے پیادہ سپاہیوں کے چلنے سے زمین ہل گئی اور اس نے اپنی پیٹھ میں خم نہ آنے دیا۔ جونہی وہ اندر داخل ہوا مسلح آدمیوں نے شور کا حکم پاکر بھیرو کی مورتی کے سامنے اس کا سر کاٹ ڈالا۔ دانا شور نے اس طرح پر راجہ کی ناراضگی کا باعث دور کر کے لاش کو جس میں سے خون بہ رہا تھا پاس کے تالاب میں ڈلوا دیا اور خود باہر چلا گیا۔

جب راجہ نے یہ بات سنی کہ وزیر نے اُس ڈامر کا جسے وہ اپنے بیٹے

پہلے کوئی قدیم عمارات واقع ہونگی۔ یعنی اُس جگہ جس کا حوالہ نوٹ ۱۳۴ کتاب ہذا میں دیا گیا ہے۔

ف۳۴۸ ایک ٹیکا کار کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سریشور کا مندر شور پور (ہوکپور) میں واقع تھا۔ آخر الذکر مقام پر قدیم عمارات کا مصالحہ اب مغل سرائے کی دیوار وں پر اور ایک مسجد میں نظر آتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شور مٹھ دار السلطنت میں واقع تھا دیکھو ترنگ ۶ شلوک ۳۰۲ ترنگ ۷ شلوک ۲۶ اور بالخصوص ترنگ ۶ شلوک ۲۴۳۔ اس کی صحیح مقامیت عدم پتہ ہے۔

ف۳۴۹ کرم ورت اور شور پور کی مقامیت کے متعلق دیکھو نوٹ ع۵ ضمیمہ کتاب ہذا و ترنگ ۳ شلوک ۲۲۷۔ اس جنگی چوکی کے شور پور تبدیل ہونے کے بعد اس کی مقامیت کا پتہ سٹائن صاحب نے ستمبر ۱۸۹۱ء میں ہور پور میں لگایا تھا ان کا بیان ہے کہ

کی طرح محبت کرتا تھا سر قلم کر دیا ہے تو اس کا غصہ رفع ہو گیا اور اُسے پشیمانی سی محسوس ہونے لگی۔ شور نے راجہ کا مزاج پوچھا اور جب اس نے کہا کہ اب میرا درد باقی نہیں رہا تو اُسے اُٹھایا اور پوجا مکمل کروائی۔ اس طرح پر اس وزیر نے جو ہمیشہ صحیح بات موقعہ پر کہنا جانتا تھا بارہا بغیر جتلانے کے اپنی[۹] جان تک کی پرواہ نہ کر کے راجہ کی مدد کی۔ ایسے راجہ اور ایسے وزیر کی یکجائی جن کے تعلقات پر باہمی منافرت کا کبھی بھی دھبہ نہیں آیا اور کہیں دیکھی یا سنی نہیں گئی۔ راجہ اونتی ورمن کے عہد میں مشہور و معروف میگواہن کے عہد حکومت کی طرح دس سال تک جانوروں کے مارنے کی ممانعت رہی۔ اس موقعہ پر مچھلیاں ٹھنڈے پانی سے بے خوف نکل کر دریا کے کناروں پر موسم خزاں کی دھوپ میں سکنے کے لئے آ بیٹھا کرتی تھیں۔ اونتی ورمن کے عہد میں مشہور و معروف بھٹ کلٹ اور اور سدہ لوگوں کے فائدے کے لئے

موجودہ ہور پورے اوپر کی طرف تقریباً سوا میل کے فاصلے پر ایک جگہ ہے جہاں پہاڑی کے پہلوؤں میں سے نکلے ہوئے چٹانی کراروں کے ذریعے وادی کی سطح زمین ایک کھڈ کے برابر ہو گئی ہے۔ مقامی روایت یہاں کے متعلق یہ مشہور ہے کہ اس جگہ کسی زمانے میں ایک دیوار اور دروازہ ہوا کرتا تھا جو اس راستے کو بند کرتا تھا جو دریائے رمبیار کے دائیں کنارے سے ہوتا ہوا درہ پیر پنچال تک جاتا ہے۔

یہ جگہ جہاں صنوبر کے بہت سے درخت اُگے ہوئے ہیں اب اکھی دروازہ کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن موجودہ مقدم یا نمبردار کے باپ کو جو ایک بڑا عمر رسیدہ شخص ہے یہ بات صاف طور پر یاد تھی کہ اس جگہ کا نام دورنگ ہوا کرتا تھا۔ اس جگہ قدیم سکے بکثرت پائے جاتے ہیں اور زمین کے اوپر جو گھنی جھاڑیاں اُگی ہوئی ہیں ان میں پرانی دیواروں کے آثار کہیں کہیں دکھائی دیتے ہیں۔

اس دنیا پر آئے۔ ان کی زندگیوں کے حالات کا بیان تو نہایت طویل ہوگا اس لئے ہم بطور نمونہ ان میں سے ایک کے متعلق ایک پاک و صاف بنانے والی کہانی کا ذکر کرتے ہیں۔

سویہ کی داستان } ملک کشمیر میں چونکہ جھیل مہاپدم کے باعث طغیانی آجاتی تھی اور اس میں بہت سی ندیاں واقعہ تھیں اس لئے ہمیشہ سے ہی اس میں بہت کم پیداوار ہوتی رہی ہے۔ لیکن جب راجہ للتادتیہ کی محنت شاقہ کی بدولت کسی قدر پانی خارج کردیا گیا تو یہاں تھوڑی بہت پیداوار ہونے لگی۔ راجہ جیا پیڈ کی وفات کے بعد جو کمزور راجے حکمران ہوئے انکے عہد میں پھر پہلے کی طرح تباہ کن طوفان آنے لگے۔ ایک قحط زدہ علاقے میں دھانوں کی ایک کھاری[۳۵۹] ایک ہزار پچاس دیناروں میں خریدی گئی۔ اس کے بعد اونتی ورمن کے نیک کاموں کی وجہ سے خوراک کا

فن قدیم کی ایک یادگار ۳۰۰ گز اوپر کی طرف ندی کے دائیں کنارے پر پائی جاتی ہے جہاں ایک بڑی چٹان میں تین منقش محرابیں موجود ہیں جن کے اوپر کشمیری وضع کے مندروں کی نہایت خوشنما ابھری ہوئی تصاویر دیکھنے میں آتی ہیں۔ دیکھو سٹائن صاحب کے نوٹ متعلقہ راستہ پیر پنچال مندرجہ جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۱۸۹۵ء صفحہ ۳۸۵۔

ایک قدیم روایت کے بموجب جو اب تک زبان زد عام و خاص ہے ہور پور جو ایک چھوٹا سا کاروباری قصبہ اور محصول چنگی کا مقام ہے کسی زمانے میں ایک بڑا شہر ہوا کرتا تھا اور سوپیان کی جانب قریباً تین میل کے فاصلے تک پاد پاون تک پھیلا ہوا تھا۔ ابتک دریا کے دونوں کناروں پر پرانے مکانات کے آثار موجودہ گاؤں کی نچلی طرف دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔

مالک (ان پتی)[۳۵۰] خود مشہور و معروف سویہ کی صورت میں لوگوں میں ازسر نو زندگی ڈالنے کے لئے آیا۔ اس دانا آدمی کی ابتدا کے متعلق کسی کو خبر نہ تھی۔ اس کے افعال دنیا کو متحیر کرتے تھے اور اُن سے یہ بات واضح طور سے ثابت ہوتی تھی کہ گو وہ چوتھے یگ میں پیدا ہوا ہے تاہم عورت کے رحم سے پیدا نہیں ہوا۔ اس کی پیدائش کی کیفیت یہ ہے کہ ایک موقعہ پر ایک چنڈال عورت سویہ نامی سڑک پر جھاڑو دے رہی تھی کہ اُسے ایک مٹی کا برتن نظر آیا جس پر ڈھکنا دیا ہوا تھا۔ جب اُس نے ڈھکنا اُٹھا کر دیکھا تو اُس کے اندر ایک بچہ تھا جس کی آنکھیں کنول کی پتیوں کی مانند تھیں اور وہ اپنی انگلیاں چوس رہا تھا اس چنڈال عورت نے سوچا کہ ضرور کوئی بدنصیب ماں اس پیارے بچے کو یہاں ڈال گئی ہے۔ اس کے بعد محبت سے خود بخود اس کی چھاتیوں میں دودھ اُتر آیا مگر بچے کو اپنی چھوت سے ناپاک نہ کرکے اُس نے اس بات کا انتظام کیا کہ ایک

---

۳۵۰ سرشیوری پران گنتا سے مراد غالباً موضع ایش بر کا محل وقوع ہے جو جھیل ڈل پر واقعہ ہے دیکھو نوٹ عـ۳۴۷ کتاب ہذا۔ چونکہ وہ ٹیلہ جسپر سرشیوری کی پوجا کی جاتی ہے نہایت بلند ہے یعنی ڈل کی سطح سے تین ہزار فٹ کے قریب اونچا ہے اور اس تک پہنچنے والے ڈھلوان راستے بالکل عمودی ہیں اس لئے یہ بات خیال میں نہیں آسکتی کہ کوئی عمارت اس ٹیلے کے اوپر یا اس کے نواحات میں بنائی گئی ہو۔

اس اصلی مندر کے متعلق جہاں شو کی پوجا بھو تیشور کے نام سے ہوتی تھی دیکھو نوٹ عـ۴۸ کتاب ہذا۔ رتن وردہن کے مندر اور اول الذکر میں جو تعلق پایا جاتا ہے وہ اُس سے مشابہ ہے جو جیشٹ رودر جس کی بنا اشوک نے سری نگر کے قریب ڈالی تھی اور بوت شیر کے مقام پر اس نام کے قدیم لنگ میں موجود ہے دیکھو نوٹ عـ۵۵ و عـ۵۷ کتاب ہذا و نوٹ عـ۴۲ ضمیمہ کتاب ہذا۔

شودر دائی اُسے اپنے گھر میں رکھ کر اس کی پرورش کرے۔ یہ بچہ سویہ ہی کے نام سے مشہور ہوا اور آخر کار بالغ ہو کر بڑا ذہین ثابت ہوا۔ اور علم پڑھنے کے بعد ایک مالک مکان کے گھر میں چھوٹے بچوں کو تعلیم دیتا رہا۔ چونکہ وہ برت رکھتا۔ اشنان کرتا اور اسی قسم کے باقی تمام کام کیا کرتا تھا۔ اور اسکے علاوہ بہت ذہین تھا اس لئے نیک آدمی اُسے پسند کرنے لگ گئے۔ اور وہ ہمیشہ اس کی صحبت میں رہا کرتے تھے۔ ایک دن جب وہ آپس میں طغیانی کے مصائب کا ذکر کر رہے تھے تو اس نے کہا میں اس طغیانی کو روک تو سکتا ہوں لیکن بغیر وسائل کے کچھ نہیں کر سکتا۔

سویہ کے کام متعلقہ وتشٹا جب راجہ کو اپنے جاسوسوں کی معرفت اس بات کا پتہ لگا کہ وہ بہ اصرار انہیں لفظوں کو دوہرا رہا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس کا دل ہل گیا

۳۵۱ اخیافی سے مراد اس قسم کے بھائیوں سے لی جاتی ہے جن کے باپ مختلف اور ماں ایک ہی ہو۔ بخلاف اس کے علاتی یا سوتیلے بھائی وہ ہوتے ہیں جن کا باپ ایک لیکن مائیں مختلف ہوں۔

۳۵۲ اونتی پور کا نام آجتک موضع ونتی پور میں برقرار چلا آتا ہے جو دریائے وتشٹا کے دائیں کنارے پر دلر پرگنہ میں واقع ہے۔ اس کے خستہ حال مندروں کی طرف اکثر یوروپین سیاحوں کی توجہ مبذول ہو چکی ہے دیکھو فارسٹر صاحب کی کتاب "جرنی فروم بنگال ٹو انگلینڈ" فصل ۲ صفحہ ۹۔ اور مورکرافٹ کی کتاب "ٹریولس" فصل ۲ صفحہ ۲۴۴۔ آخر الذکر کے متعلق اپنے ایک نوٹ کے دوران میں پروفیسر ولسن نے یہ بات ظاہر کی ہے کہ اس جگہ کا نام اونتی پور تھا۔ سرینگر کے پنڈتوں کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہے اور اس کی مزید تصدیق اُن جغرافیائی علامات سے ہوتی ہے جو اس تاریخ کے

ہے تو وہ نہایت متعجب ہوا۔ آخرکار اُس نے اُسے اپنے روبرو بلا کر اس سے چند سوالات کئے اور اس نے بڑے اطمینان سے جواب دیا کہ میں واقعی اس قسم کا علم رکھتا ہوں راجہ کے درباری ہرچند کہہ رہے تھے کہ سویہ پاگل ہے تاہم راجہ نے اس کے علم کا امتحان لینے کی خاطر شاہی خزانہ اس کے خرچ کے لئے کھلوا دیا وہ خزانے سے دیناروں کی بھری ہوئی بہت سی دیگیں نکلوا کر لے گیا اور کشتی پر سوار ہو کر مدوراج پہنچا۔ موضع نندک [۳۶۱] میں جو طغیانی کے پانی میں چھپا ہوا تھا روپیہ کی بھری ہوئی ایک دیگ ڈال کر وہ جلدی سے پیچھے لوٹ آیا۔ ہرچند کہ مشیروں نے یہ بات کہی کہ سویہ یقیناً ایک پاگل آدمی ہے تاہم راجہ نے جب اس کے بیانات سنے تو اُس نے اس کی کارروائی کے متعلق دلچسپی ظاہر کی اور نتیجے کا نگران رہا۔ کرمراج میں یکش [۳۶۲] در نامی مقام پر پہنچ کر اس نے

مجسمے شلوکوں میں جو اس بارہ میں آئے ہیں پائی جاتی ہیں مثلاً دیکھو ترنگ ۲ شلوک ۶۶۔ ۱۳۔ ترنگ ۸ شلوک ۹۷۰۔ ۴۴۔ ۱۱۔ ۱۳۷۴۔ ۱۵۰۲۔ سری ورکی راج ترنگنی ترنگ اول شلوک [۳۳۸]

ونتی پور کے کھنڈرات میں زیادہ تر دو مندروں کے آثار موجود ہیں جن کا مفصل حال کنگھیم صاحب نے جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۱۸۴۸ء صفحہ ۲۷۵ اور کول صاحب نے اپنی کتاب "اینشنٹ بلڈنگس" کے صفحہ ۲۵ پر لکھا ہے۔

کننگھیم صاحب کی رائے میں اس گاؤں کے اندر جو شکستہ مندر موجود ہے وہی اونتی سوامی ہے جس کا کلہن نے ذکر کیا ہے۔ اور وہ بڑا مندر جو اس سے نصف میل کے قریب شمال مغرب کی جانب موضع جوبار کے قریب واقع ہے وہ اونتی ایشور ہے جسے اونتی ورمن نے تخت نشین ہونے کے بعد بنوایا تھا۔ ان دونوں مندروں کے مرکزی بھون بالکل منہدم ہو چکے ہیں اور اب ان کی جگہ صرف پتھروں کے ڈھیر نظر آتے ہیں۔ اس صورت میں اس بات کا اندازہ کرنا مشکل ہے کہ ان میں سے کونسا مندر کس کا ہے۔ کیونکہ کننگھیم صاحب نے انکے

دونوں ہاتھوں سے دینار پانی میں پھینکنے شروع کئے۔ اس مقام پر چٹانیں جو ہلحط روں سے ٹھسک کر دریا کے دونوں کناروں پر آپڑی تھیں اور انہوں نے وتستا کے پاٹ کو اس طرح تنگ کر دیا تھا کہ پانی جکڑا ہوا گذرتا تھا۔ قحط زدہ دیہاتی دینار ڈھونڈنے کے لئے پانی میں گھس گئے اور دریا کے اندر سے چٹانیں نکال نکال کر وتستا کی تہ کو صاف کر دیا۔ جب اس طریقے پر عقلمندی سے اس نے دو تین دن تک اس پانی کو نکلوانے کا انتظام کر لیا تو اُس نے کاریگروں سے ایک مقام پر دریائے وتستا کے اوپر بند بنوایا اور سارے دریا کو جسے نیل نے پیدا کیا تھا اُس نے سات دن تک پتھر کے بند کی تعمیر کے لئے روکوا چھوڑا جو ایک بڑی عجیب بات ہے۔ آخر دریا کی سطح کو صاف کروا کر اور پتھر کی دیواریں اس غرض سے بنوا کر کہ جو چٹانیں اس میں بہہ کر آ جائیں وہ

باہمی اختلاف کو ان دونوں عمارات کی جسامت کے فرق پر ہی قائم کیا تھا۔ سنہ ۱۸۶۵ء میں بشپ کلکٹی نے چھوٹے مندر کے صحن میں زمین کھود کر جو تحقیقات کی تھی اس سے بھی کوئی شہادت اس بارے میں دستیاب نہیں ہو سکی۔ دیکھو جرنل اف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال بابت ۱۸۹۵ء صفحہ ۱۲۱۔

کلش کے عہد میں (۱۰۶۳ء تا ۱۰۸۹ء) اونتی سوامن کے مندر کو اُن گاؤں سے محروم کر دیا گیا تھا جو اس کے متعلق وقف ہو چکے تھے۔ دیکھو ترنگ ۷، شلوک ۷۰۵۔ راجہ جے سنگھ کے ۱۱۲۸ء میں تخت نشین ہونے کی تھوڑی مدت بعد جب شاہی فوج کے کمانیر بھاس کو اونتی پور میں ہولاڈ وُلر ضلع کے باغی ڈامروں نے محصور کر لیا تو اُس کے صحن سے مقام مورچہ بندی کا کام لیا گیا تھا دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۴۲۹۔

اس بات کا ثبوت کہ اونتی پور اپنے بانی کے زمانے کے بعد عرصہ دراز تک ایک مشہور مقام رہا اس بات سے ملتا ہے کہ کلہن اور اس کے بعد کے مورخوں نے جا بجا

ان سے دریا کو محفوظ رکھیں آخر کار اس نے بند کو دور کروا دیا اس کے بعد وہ سمندر کی طرف بہنے والی ندی بڑی تیزی کے ساتھ آگے کو بڑھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ رکے رہنے کے بعد سمندر سے ملنے کا اس کے اندر بہت اشتیاق پیدا ہو گیا ہے۔ آخر کار جب پانی دور ہوا تو زمین پر چاروں طرف کیچڑ نظر آتا تھا اور تڑپتی ہوئی مچھلیاں دکھائی دیتی تھیں۔ جس سے زمین رات کے آسمان سے مشابہ ہو گئی جس پر بادل نہ ہوں تو اس کی تاریکی اور اس کے اندر ستارے نظر آتے ہیں۔ جہاں جہاں اس کے خیال میں اندیشہ تھا کہ طغیانی سے پانی بہ نکلے گا وہاں اس نے دریائے وتستا کا نیا پشتہ بنوا دیا۔ دریا سے نکلی ہوئی مختلف شاخیں اُسے اُس ناگن سے مشابہ بناتی تھیں جس کے ایک ہی سر سے مختلف پھن نکلے ہوئے ہوں۔

اس کا ذکر کیا ہے۔ دیکھو انڈکس اور جونراج کی راج ترنگنی شلوک ۴۲۱ - ۴۳۰ - ۴۴۵ ۸۶۳ سری ور کی راج ترنگنی ترنگ اول شلوک ۴۳۸ - ترنگ ۳ شلوک ۴۲ - کھیم اندر کی کتاب "سمے ماترکا" ادھیائے ۲۷ - اس شہر کی وسعت کا اندازہ مسمار مکانات کے اُن آثار سے ہو سکتا ہے جو اُس سلسلہ کوہ کی ڈھلوانوں پر پائے جاتے ہیں جو موجودہ اونت پور کے مشرق کی طرف دو میل تک پھیلا ہوا ہے۔

یہ بات معلوم نہیں ہو سکی کہ کس بنا پر ایک ٹیکا کار نے وشوے کھشار کے بستر کے متعلق جس کا ذکر اوپر آیا ہے یہ بات ظاہر کی ہے کہ اس کا موجودہ نام موضع بہار سو یا بارُس ہے جو نقشوں پر کہیں درج نہیں البتہ معلوم ہوا ہے کہ اونت پور سے نیچے کی طرف تین میل کے فاصلے پر دریائے وتستا کے دائیں کنارے پر گور پور کے مقابل واقع ہے۔ سٹائن صاحب ستمبر ۱۸۹۱ء میں جب بارُس پہنچے ہیں تو انہیں آثار قدیمہ میں سے ایک خوشنما پانچ فٹ سے زیادہ اونچائی کا لنگ نظر آیا تھا جو رودر گنگا نام ایک

وتسٹا اور سندھو کے مقام اتصال کی تبدیلی

سندھو اور وتسٹا یہ دونوں عظیم دریا پہلے وینیہ سوامن کے مندر کے قریب ترگرامی کے بائیں اور دائیں طرف بہتے ہوئے ملا کرتے تھے لیکن اب ان کا مقام اتصال شہر سری نگر کے قریب آجتک اس جگہ ہے جہاں اسے سویہ نے قائم کیا تھا۔ اور دنیا کے خاتمہ تک وہیں رہیگا۔

اصلی مقام اتصال کے دونوں کناروں پر وشنو سوامن اور وینیہ سوامن کے مندر علے الترتیب پھل پور اور پرہاس پور میں واقعہ تھے۔ بجائیکہ موجودہ مقام اتصال کے کنارے جو سندری بھون کے قریب ہے "رشی کیش یوگ سائین" کا مندر واقعہ ہے۔ جس کے معنے وشنو بحالت مراقبہ کے ہیں۔ اور سویہ اسی کی پرستش کیا کرتا تھا۔ آجتک دریا کی پہلی تہوں کے کناروں پر اُگے ہوئے پورانے درخت اس قسم کے دکھائی دیتے ہیں کہ جن میں نشادوں کی باندھی

چھوٹے ناگ کے قریب واقعہ ہے جس جگہ امرناتھ کے یاتری اکثر جاتے رہتے ہیں۔

ستھہ کشیری مندروں میں دستور تھا کہ دیوتاؤں کے لنگوں اور مورتیوں کو ہمیشہ خوشنما پتھر کے سنگھاسنوں پر جنہیں بیٹھ یا بعد پیٹھ کہا جاتا تھا رکھتے تھے۔ ان میں اکثر اب تک بمبت شیر (بھوتیش) نارستان۔ مٹن وغیرہ مندروں کے کھنڈرات میں دیکھے جاتے ہیں۔ لنگوں اور مورتیوں کو چونکہ روزانہ نہلایا جاتا ہے اس لئے اُس پانی کو وہاں سے نکالنے کے لئے ایسے سنگھاسنوں میں ان کی بالائی سطح میں ایک قسم کی نالی لگادی جاتی ہے۔ جس کے آخری حصے پر کسی مورت کی شکل کا فوارہ لگا ہوا ہوتا تھا۔

شرپوریشور یاترپوریش کی سکامیت غالباً موجودہ موضع تپ ہر کے قریب قائم کی جاسکتی ہے آخر الذکر اُس وادی میں واقع ہے جو ڈل کے شمال مشرقی گوشے کی مشرقی

ہوئی رسیوں کے نشان پائے جاتے ہیں۔ اس نے مختلف ندیوں کو جنکی لہریں سانپوں کی متحرک زبانوں کی مانند ہیں حسب خواہش اس طرح متحرک کیا جیسے کوئی سپیرہ سانپوں کو کرتا ہے۔ دریائے وتشٹا کے کنارے سات یوجن تک پتھر کے پشتے بنوا کر اس نے جھیل مہاپدم کے پانی پر بند لگوایا۔ اور دریائے وتشٹا کو ایسی تربیت دی کہ وہ جھیل مہاپدم کی تہ سے ایسی تیزی کے ساتھ آگے کی طرف چلنے لگا جیسے کمان سے نکل کر تیر جاتا ہے اس طرح پر زمانہ قدیم کے وراہ اوتار کی طرح پانی سے خشکی نکال کر اس نے بہت سے گاؤں کی بنیاد ڈالی اور جہاں بے شمار خلقت آباد ہو گئی۔ گول پشتوں کے ذریعے پانی کو روک کر اس نے ان گاؤں کو کنڈوں کی صورت دے دی اس لئے لوگ انہیں کنڈل کہتے ہیں اور ان مقامات میں اجناس خوردنی بکثرت پیدا

سمت والے میدان میں آخر الذکر سے کوئی تین میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس جگہ کو اس کے ساتھ نام کا جو تعلق ہے اس کے علاوہ ذیل کی شہادت بھی اسبارہ میں دستیاب ہوئی ہے۔

سروا وتار کے چوتھے ادھیائے میں شو جیشٹ ناتھ یا جیشٹیشور کا ایک مہاتم ہے جس میں مذکور ہے کہ شوجی کی پوجا ستھانے ترپود لیشور سنجن کے" کے طور پر ہوتی ہے۔ اس جگہ جو روایت مذکور ہے اس کی رو سے پایا جاتا ہے کہ اس مقام کا نام تری پود دیو کے نام پر قائم ہے جسے وہاں شوجی نے ہلاک کیا تھا۔ اور یہ بات لکھی ہے کہ یہ جگہ مہاشٹر ندی کے کنارے پر کوہ مہادیو کے قریب واقع ہے۔ آخر الذکر چوٹی کا نام اب تک نقشوں میں مہادیو مذکور ہے۔ جو ترپ ہر کے مشرق کی طرف اوپر اٹھتی ہے اور یاتری لوگ آجتک وہاں جاتے ہیں۔ مہاشرت کے نام کے متعلق نوٹ ۱۷۰ کتاب ہذا میں یہ بات ظاہر کی جا چکی ہے کہ یہ اس ندی کا پورا نام تھا جو ڈل سے نکل کر بہتی ہے اور اب

ہوتی ہیں۔ آجتک موسم خزاں میں اس دریاؤں کے اندر سے بہت سے خشک مقامات اُن بلیوں کی مانند نمودار ہو جاتے ہیں جن کے ساتھ مست ہاتھیوں کو باندھا جاتا ہے۔ اس نے روپے کی بھری ہوئی دیگ جو دریا کی اتھاہ گہرائی میں ڈال دی تھی آخر کار اس وقت خشک زمین پر پائی گئی جب نندک گاؤں پانی کے اندر سے نکلا۔

سویہ کا طریق آبپاشی زمین کی مختلف قسموں کا امتحان کرنے کے بعد سویہ نے ان گاؤں کے لیئے دریا کے پانی کی بہم رسانی کا انتظام کیا اور اس طرح پر یہ صرف بارش کے پانی پر منحصر نہ رہے۔ تمام دیہاتی زمینوں میں آب رسانی کا انتظام کرنے کے بعد اس نے ہر ایک گاؤں سے تھوڑی مٹی لیکر اور اس بات کا اندازہ کر کے کہ

ملہ کہلاتی ہے۔

اس بات کی تصدیق کہ جھیل ڈل کے خاص معاون دریائے آرا کا نام جیسر ترپ ہر جاتع ہے یہی تھا اس طرح سے ہوتی ہے کہ "سروا دتار" میں ادھیائے ۴ کے شلوک ۱۲۹ کے اندر مہاشرت کا منبع صاف طور پر جھیل مہاسرس بیان کیا گیا ہے۔ جس کا دوسرا نام مارس ہے اور یہیں سے وہ دریا حقیقت میں نکلتا ہے (سٹائن صاحب کا بیان ہے کہ مجھے اس ندی کا کوئی عام مشہور یا خاص نام معلوم نہیں ہو سکا۔ آرا غالباً کشمیری زبان کے لفظ آرا سے بگڑ کر بنا ہوا ہے جس کے معنے پہاڑی ندی کے ہیں)۔

سری ور کی راج ترنگنی کی ترنگ اول شلوک ۱۲۰۴ بھی ہماری توجہ اسی بات کی طرف دلاتا ہے کہ دریائے تل پرستھا تری پوریشور سے بہ کر جھیل ڈل میں آملتا ہے سری ور کی راج ترنگنی کی ترنگ ۴ شلوک ۵۵ و ۶۱ اور سریشوری مہاتم اور تیرتھ سنگرہ کی رو سے یہ بات ثابت کی جا سکتی ہے کہ تل پرستھا دریائے آرا کی اس شاخ کا پرانا

وہ کتنے عرصہ میں خشک ہوتی ہے اس نے اسبات کو معلوم کر لیا کہ مختلف زمینوں کے لئے کتنے عرصے کے بعد آب پاشی کی ضرورت پڑیگی۔ اسکے بعد اس نے ہر ایک گاؤں میں حسب ضرورت پانی کی بہم رسانی کا مستقل انتظام کر دیا اور انولا اور دوسری ندیوں سے آبپاشی کا کام لیکر اس نے تمام علاقوں میں کھیتوں کے اندر اسقدر آبپاشی کرادی کہ وہاں بکثرت پیداوار ہونے لگی۔ غرض جو فوائد اس ملک کو نیک دل سویہ سے حاصل ہوئے وہ نہ تو کشیپ اور نہ شنکرشن (بلبھدر) سے حاصل ہو سکے تھے۔ سویہ نے جب کے اندر بہت سی مذہبی خوبیاں تھیں ایک ہی جنم میں وہ سب کام کر لئے جو وشنو کو چار اوتار دھارن کر کے کرنے پڑے تھے۔ یعنی ایک تو پانی کے اندر سے زمین پیدا کی۔ دوسرے یہ کہ اُسے مستحق براہمنوں کو دان دیا۔ تیسرے پانی

نام ہے جو تھوڑا فاصلہ نیچے کی طرف ترپ ہر کو شاخ شالی ملہ سے جدا کرتی ہے۔ لہذا اسکے بعد زیادہ مغرب کی طرف بہتی ہوئی تیل بل نالہ کے نام سے بہتی ہوئی جھیل ڈل میں جا گرتی ہے۔

ترپ ہر اس سلسلہ کوہ کے دامن میں شمال مشرق کی طرف واقع ہے جس پر سریشوری تیرتھ قائم ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ نیل مت پوران کے شلوک ۱۳۲۳ میں ترپوریش کے متعلق مذکور ہے کہ وہ سریشوری اور کوہ مہادیو کے مقدس مقامات کے درمیان واقع ہے۔

ایک ٹیکا رنے ترپوریش کو صاف طور پر ترپ ہیر لکھا ہے ان دونوں مقامات کے ایک ہی ہونے کا حال پنڈت صاحب رام کو بھی معلوم ہو گا کیونکہ اس نے اپنی تیرتھ سنگرہ میں ان تیرتھوں کا ذکر کرتے ہوئے جو جھیل ڈل کے گرد واقع ہیں موضع ترپور یشد میں گنگا کی یاترا کا ذکر کیا ہے (رایس بھکے پردھتوں میں سے ایک کا بیان ہے کہ ایک

میں پتھر کے بند بندھوائے اور چوتھے کالی ناگ کو مطیع کیا۔ اُن مقامات میں جہاں ابتدائے آفرینش سے چاولوں کی ایک کھاری بھتات کے زمانہ میں دو سو دینار پر فروخت ہوتی تھی۔ اس نے ایک ایک کھاری ۳۶ دیناروں تک بکوائی۔ دریائے وِتستا کے کنارے پر اُس مقام کے قریب جہاں[۳۷۱] وہ جھیل مہاپدم کے پانی سے نکلتا ہے۔ اُس نے سورگ کی طرح کا ایک شہر آباد کیا جو اس کے اپنے نام پر مشہور تھا۔ اس جھیل کے متعلق جو افق کے کنارے تک پہنچتی ہے اس نے اپنے حکم سے اس بات کی ممانعت کر دی کہ دنیا کے خاتمے[۳۷۲] تک نہ تو یہاں مچھلیوں کا اور نہ پرندوں کا شکار کیا جائے۔ اپنی ماں سویہ کے اعزاز میں سویہ کنڈل[۳۷۳] کا گاؤں برہمنوں کو دان دیا۔ اس نے اسی کے نام پر ایک بند سویہ سیتو تعمیر کروایا۔ اُن زمینوں پر جو اُس نے پانی کے اندر سے نکال لی تھیں اونتی ورمن اور اور

چھوٹی سی ندی کا نام جو تریپ ہر کے قریب کوہ مہادیو کی ڈھلوانوں سے آتی ہوئی آرا میں جا ملتی ہے مقامی طور پر گنگا مشہور ہے) آخر میں اس بات کا بھی ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پورانے وجیشور مہاتم کے ادھیائے ۱۱ شلوک ۱۱۲ میں صاف طور پر تر پوریش کے متعلق ذکر آیا ہے کہ اس کی پوجا سریشور یام کے طور پر ہوتی ہے۔

ہرچند کہ برہمنان کشمیر کو اب یہ جگہ بطور مقام یاترا کے یاد نہیں رہی تاہم یقین ہے کہ زمانہ قدیم میں تر پو ریشور کو بڑا مقدس مقام خیال کیا جاتا ہوگا۔ ترنگ ۷ کے شلوک ۱۵۱ ۵۲۶ اور ۹۵۷ میں کلہن نے بار بار تر یوریشور میں ہی مقدس عمارات کی بنیاد اور اوقاف کی منظوری کا ذکر کیا ہے۔ علاوہ بریں ترنگ ۵ کے شلوک ۱۲۳ میں بھی وہ اس جگہ کا ذکر اس حیثیت میں کرتا ہے کہ ایام مرگ میں راجہ اونتی ورمن یہیں چلا گیا تھا ترنگ ۸ کے شلوک ۱۳۵ سے ہم نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ یہاں گداگر بہت جمع ہوا کرتے تھے اور یہی حال مسلمانوں کے زمانہ میں بھی رہا کیونکہ سری ور اپنی راج ترنگنی کی ترنگ ۱ شلوک ۳۰۳

لوگوں نے بجے اسمل وغیرہ ہزاروں گاؤں آباد کئے۔

راجہ اونتی ورمن نے اس دنیا پر مال دہاتر کی طرح حکومت کی اور اپنے افعال نیک کے ذریعے پھر ایک دفعہ کرتیہ یگ کا نظارہ پیش کر دیا۔ جب وہ مرض مرگ میں مبتلا ہوا تو وہ اس جگہ چلا گیا جو جیشٹھیشور کے مندر کے قریب ہے اور یہ مندر ترپورکیش پہاڑی پر واقعہ ہے۔ جب اُسے اپنی موت کے قریب ہونے کا یقین ہو گیا تو اپنی زندگی کے خاتمہ پر اس نے ہاتھ جوڑ کر شور سے اپنے وشنو کی پوجا کرنے کا شوق ظاہر کیا جسے اس نے عرصہ دراز تک چھپائے رکھا تھا۔ بھگوت گیتا کا پاٹھ سنتا اور وشنو کے جائے رہائش (بیکنٹھ) کا دھیان کرتا ہوا وہ اس دنیاوی زندگی کے جامے کو اُتار کر خوشی خوشی رحلت کر گیا۔ دنیا کا یہ عظیم الشان فرمان روا لوکک سمت ۳۹۵۹ مطابق ۸۸۳ء

میں اس بات کا ذکر کرتا ہے کہ شاہ زین العابدین نے وہاں فقیروں کے کھلانے کے لئے ایک دائمی وقف کر دیا تھا۔ دیکھو نوٹ ۱۱۹ کتاب ہذا۔

۳۵۴ نوٹ ۴۸ کتاب ہذا میں یہ بات ظاہر کی جا چکی ہے کہ شو بھوتیش کے پورانے بھون کو کوہ ہر مکھ کے دامن میں بوت شیر کے تباہ شدہ مندروں میں تلاش کرنا چاہئے اس بھون کے پروہتوں نے اپنے افلاس کو راجہ کی نظروں میں لانے کے لئے مورتی کے آگے دوسری مناسب چیزوں کی بجائے ات پل شاک کے پتے چڑھائے تھے۔ جن کی کچھ قیمت نہیں ہوتی۔ اس نباتات کا موجودہ نام اوپل ہاک ہے اور یہ اب تک کشمیر میں بکثرت پائی جاتی ہے۔ یہ سات ہزار سے گیارہ ہزار فٹ کی بلندی پر پہاڑی ڈھلوانوں میں بکثرت پیدا ہوتی ہے اور دیہاتی بہت بڑی مقدار میں اس کے پتے جمع کر لیتے ہیں۔

اگست ۱۸۹۱ء میں بوت شہر کے کھنڈرات کا معائنہ کرتے ہوئے سٹائن صاحب نے اوپل ہاک کو دیکھا۔ یہ نباتات جنگل کی پیداوار میں جس کے اندر مندر دبے ہوئے ہیں بکثرت

میں ماہ اساڑھ کے شکل پکش کی تیسری تاریخ کو انتقال کر گیا۔ اس کے مرنے کے بعد اتپل کے بے شمار ورثا نے جن میں سے ہر ایک کے دل میں اپنی اپنی طاقت کا گھمنڈ تھا تخت پر قابض ہونے کی خواہش کی۔

راجہ شنکر ورمن

۸۸۳ء تا ۹۰۲ء

راجہ کے چمبرلین رتن وردہن نے اپنی کوششوں کے ذریعے سلطنت راجہ اونتی وردہن کے بیٹے شنکر ورمن کو دلوائی مگر رتن وردہن سے دشمنی کے خیال سے ونپ کے ایک مشیر کرنپ نے شور ورمن کے ایک بیٹے سکھ ورمن کو

اُگی ہوئی نظر آتی تھی اس کے پتوں کا ذائقہ تلخ ہوتا ہے لیکن بار بار اوبالنے سے دور ہو جاتا ہے قدیم اعتقاد یہ چلا آتا ہے کہ جنگل میں قدیم رشی لوگ اوپل ہاک ہی کھایا کرتے تھے۔

۳۵۵ لہر کا نام آج تک جدید ضلع لار کی صورت میں پایا جاتا ہے جس میں وہ سارا علاقہ شامل ہے جسے دریائے سندھ اور اُس کے معاون سیراب کرتے ہیں۔ اس امر کی تصدیق ایک ٹیکا کار نے کی ہے اور ان جغرافیائی شہادتوں سے بھی ہوتی ہے جو ذیل کے شلوکوں میں پائی جاتی ہیں۔ ترنگ ۷ شلوک ۹۱۱ و ۱۳۶۰ ترنگ ۸ شلوک ۷۳۴-۷۲۹-۷۹۳-۱۱۲۸۔ جونراج کی راج ترنگنی شلوک ۱۶۷۔ سری ورکی راج ترنگنی ترنگ ۵ شلوک ۱۳۶۔ لوک پرکاش فصل ۲۔ بعض حالتوں میں مثلاً ۷ کے شلوک ۹۶۵ اور ترنگ ۸ کے شلوک ۹۱۳ میں لوہر کی بجائے لفظ لہر استعمال ہوا ہے لیکن یہ ایک کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے جس کی توضیح اس بات سے ہوتی ہے کہ یہ دونوں نام جابجا استعمال ہوتے رہے ہیں۔ لفظ ڈامر کے لئے دیکھو نوٹ نمبر ضمیمہ کتاب ہذا۔ اور ترنگ ۴ شلوک ۳۴۸۔

یوراج کے اختیارات دلا دیئے۔ اس کے بعد ان دونوں یعنی راجہ اور یوراج میں ایک جنگ چھڑ گئی جس کے دوران میں سلطنت ہر لمحہ ڈانوا ڈول نظر آتی تھی اس جنگ میں شوشکتی اور اور بہادر کام آئے اور اُنکے اعلےٰ کیریکٹر کے امتحان کا یہ ایک نادر موقعہ ثابت ہوا۔ ہر چند کہ اُنکے مالک کے دشمنوں نے انہیں دولت اور عزت دینے کا وعدہ کیا تاہم انھوں نے ان مہربانیوں کی ذرا بھی پرواہ نہ کی اور سب سے بڑا خیال اپنی عزت کا رکھا اُس زمانہ میں ملازم مکر و فریب سے پاک ہوا کرتے تھے اور چونکہ ابھی تک انھوں نے کتوں کے چلن کی نقل اتارنا نہ سیکھا تھا اس لئے وہ روٹی کے ٹکڑے کے واسطے لڑنے کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ آخر کار بمشکل شنکر ورمن نے طاقت ور یوراج کو شکست دی اور اس طرح پر اپنی فتوحات کے آغاز میں اونکار کی

۳۵۶ اس شلوک میں جن باتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے ان میں زمانہ قدیم کی بہت کچھ دلچسپی موجود ہے۔ کیونکہ ان سے کسی قدر صحت کے ساتھ ان خاص خاص عمارات کے محل وقوع کا پتہ چلتا ہے جو بوت شیر کے تباہ شدہ مندروں میں واقع تھیں۔ نوٹ ۲۴۲ کتاب ہذا میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ ان کا تعلق شو بھوتیش کے مقدس مقام سے ہے جس کا ذکر بارہا اس تاریخ میں آیا ہے۔

جرنل اف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال بابت ۱۸۶۶ء کے صفحات ۱۰۱ تا ۱۰۹ میں بشپ کوئی کے پر مغز نوٹوں کے ساتھ جو نقشے موجود ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مندروں کے دو جدا گانہ گروہ ہیں۔ ان کے گرد کی دیواریں بالکل الگ ہیں اور وہ ایک دوسرے سے کوئی دو سو گز کے فاصلے پر واقع ہیں۔ دوسرے یا مشرقی مجموعے کے احاطے سے پرے اس کے شمال مشرقی گوشے میں ایک بہت بڑا بیضوی تلاب ہے جو بشپ کوئی کے نقشہ میں صرف ٹی کے ذریعے واضح کیا گیا ہے۔ اس میں پورانی سلیں لگی ہوئی ہیں اور

رسم ادا کی۔ سمرورمن اور دوسرے دشمنوں کے ساتھ بے شمار لڑائیاں لڑ کر اس راجہ نے شان وشوکت کو شہرت پر ترجیح دی۔ جن میں آخر الذکر اس کی جلیتی بیوی کی مانند تھی

شنکر ورمن کی غیر ملکی مہمات

اب اس فاتح اور مشہور راجہ نے اپنے رشتہ دار (ول) کو مغلوب کر کے شہرت حاصل کرنے کے بعد دنیا فتح کرنے کا رخ کیا۔ ہرچند کہ انقلاب زمانہ سے کشمیر کا ملک کیا بلحاظ آبادی اور کیا بلحاظ دولت بہت کچھ گھٹ چکا تھا تاہم جس وقت وہ ورے سے باہر نکلا اُس کے ہمراہ نولاکھ پیادہ فوج تھی۔ ایک وقت تھا کہ اُس کے اپنے دارالسلطنت کے اندر لوگ اس کے احکام کی پرواہ نہ کرتے تھے لیکن اب باہر کے راجہ اس کے احکام کو سر آنکھوں سے

یہ ایک چشمے کے شفاف پانی سے بھرا ہوا ہے۔ اس چشمے کا نام آجکل ناران ناگ ہے۔ لیکن جیسا کہ نوٹ ع۵۶ کتاب ہذا میں دکھایا جا چکا ہے یہ وہی جگہ ہے جس کا ذکر نیل مت پوران میں و نیز کلہن نے سودر تیرتھ کے نام سے کیا ہے چونکہ بوت شیر کے قریب اور کوئی تالاب یا چشمہ واقعہ نہیں ہے اس لئے ہمیں ناران ناگ کی تہہ کے تالاب کو ہی وہ جگہ خیال کرنا پڑتا ہے جس میں دھنو کی مقتول لاش کو پھینکا گیا تھا۔ تالاب کے مغرب کی جانب ۲۰ گز کے فاصلہ پر اور سنگین دیوار کے شمالی پہلو کے مقابل میں جوان مندروں کے دوسرے مجموعے کے گرد ہے ایک چھوٹے سے تنہا مندر کے کھنڈرات پائے جاتے ہیں جن کے محل وقوع کو نقشے پر حرف گ کے ذریعہ واضح کیا گیا ہے۔ ان کے پیچھے کی طرف ایک پہاڑی کا پہلو واقعہ ہے جہاں سے بہ بہ کر اسقدر مٹی آتی ہے کہ اس میں یہ کھنڈرات اب بالکل دفن ہو چکے ہیں چونکہ یہ مندر تالاب کے قریب واقعہ ہے اور مندروں کے مجموعوں کے باہر ایک الگ جگہ میں موجود ہے اس لئے یہ امر اغلب معلوم ہوتا ہے کہ یہیں پر

بجا لانے کے لئے تیار رہتے تھے۔ راجہ شنکر ورمن نے اپنی قوت فیصلہ سے دنیا کی فتح کے متعلق اس روایت کو جو رفتہ رفتہ زائل ہوتی جارہی تھی تازہ دم کردیا۔

جس طرح ایک بڑے دریا میں چھوٹی ندیاں ملتی ہیں ویسے ہی اُس کی فوج باجگذار والیان ریاست کی فوجوں کے ساتھ ملتے جانے سے بہت کچھ بڑھتی گئی۔ اس کی فوج کے نعروں کی آواز دارو ابھیسار کے مالک کی فوجوں کو نہ سنائی دیتی تھی بلکہ اُن پہاڑ کی کھڈوں کو جس میں اُس خوف زدہ راجہ نے پناہ حاصل کی۔ اس نے اپنی بے شمار گھوڑ چڑھی فوج کے ذریعے ہری گن کا محاصرہ کرلیا اور اُسے اپنے قلعے تک پہنچنے نہ دے کر کسی دوسرے قلعے کا مہمان بنا دیا۔

بھیرو کے بھون کے آثار موجود ہیں جہاں دہنو کو قتل کیا گیا تھا۔ چونکہ بھیرو کی پوجا کے متعلق خونی قربانیاں کی جاتی ہیں اس لئے آجکل اس کے بھونوں کو بالعموم دوسرے دیوتاؤں سے تھوڑے فاصلہ پر بنایا جاتا ہے۔

مگر یہ شناخت صحیح ہو تو دوسرے مجموعے کے مرکزی اور خاص مندر میں جو ایک وسیع عمارت ہے شو بھوتیش کے بھون کو قائم کرسکتے ہیں۔ مذکورہ بالا شلوک سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بھون بھیرو کے مندر کے عین قریب واقع تھا اس کے علاوہ ہم اس نتیجے پر بھی پہنچتے ہیں کہ مندروں کا دوسرا مجموعہ جو اس مجموعے کے مغرب میں واقع ہے شو جیشٹھیش کے اعزاز میں تعمیر ہوا تھا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اس نام کے قدیم لنگ کی پوجا بھوتیش کے بھون کے نواحات میں ہوا کرتی تھی۔

اس مجموعے میں ایک بڑا مرکزی مندر بھی داخل ہے جو غالباً وہی ہے جو ترنگ ۴ کے شلوک ۱۹۰ کے مطابق راجہ للتا دتیہ نے تعمیر کرایا تھا۔ اور اس کے گرد متعدد چھوٹی

گجرات کی فتح اس راجہ کے ہمراہ نولاکھ فوج پیادہ۔ تین سو ہاتھی اور ایک لاکھ سوار تھے۔ جس وقت وہ گورجر (فتح) کی فتح کی دھن میں روانہ ہوا تو اس نے ترگرت کے راجہ پرتھوی چندر کا جو اپنی شکست یابی کی طرف سے متفکر تھا اس دھو کے پر مضحکہ اُڑوایا۔ اس راجہ نے پہلے سے اپنا بیٹا بھون چندر بطور یرغمال کے دے رکھا تھا اور اب وہ خود شنکر ورمن کے پاس اظہار اطاعت گذاری کرنے کے لئے آیا تھا لیکن جب اس نے راجہ کی فوج کو جس کے ہمراہ بہت سے باجگذار والیان ریاست تھے دیکھا اور وہ اُسے ایک عظیم الشان سمندر کی طرح نظر آئی تو وہ اپنی گرفتاری کے خوف سے واپس لوٹ کر فرار ہو گیا واقعی یہ راجہ جس کا نا قابل بیان حسن اس قسم کا تھا کہ زمانہ قدیم کی داستانوں سے واقف لوگ آجتک اس کا ذکر کرتے ہیں خوف زدہ والیان ریاست کو موت کے

کوٹھریاں ہیں۔ بشپ کوئی کو مندروں کے اس مجمع کے احاطے کے جنوب مغربی گوشے پر جس عظیم لنگ کا نچلا حصہ دستیاب ہوا تھا وہ بھی غالباً جیشٹیش کے متعلق تھا۔

کلہن نے احتیاطاً اُن معائنوں کا ذکر کر دیا ہے جو اُس کے والد چمپک نے نندی کیتر کے بھونوں اور وہاں کے قیمتی او قاف کے کئے تھے۔ دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۹۵۴ ترنگ ۸ شلوک ۲۳۶۵۔ اس لئے ہم یہ خیال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ کلہن خود اس مقدس مقام سے کامل طور پر واقف تھا۔ اور اس لئے وہ دوسرے بھونوں کے محل وقوع کے متعلق ہمیں جو واقفیت مہیا کرتا ہے وہ اپنی تمام تفاصیل میں صحیح ہے۔

ماتری چکر کے متعلق دیکھو نوٹ ۵۴ کتاب ہذا۔

۳۵۷ اصل کتاب میں اس قسم کی مچھلیوں کے لئے لفظ پا تھین استعمال ہوا ہے جسے علم حیوانات کی اصطلاح میں سیلورس بلوری اس کہتے ہیں۔ سمرتیوں میں اس کے کھانے کی اجازت دی ہوئی ہے (دیکھو یاگیہ ولکیہ ادھیائے اول شلوک ۱۷۸) اور منو نے اپنی

دیوتا کی طرح نظر آتا تھا۔ گورجہ کے حاکم ال خاں کی مستحکم قسمت کو اس نے میدان جنگ میں ایک لمحہ کے اندر مغلوب کردیا اور اُس کے بجائے طویل غم پیدا کردیا گورجہ کے حاکم نے اپنا ملک بچا کر تنک دیش اس کے سپرد کردیا۔ گویا اس کی وہی مثل تھی جیسے کوئی شخص اپنی انگلی ضائع کرکے اپنے جسم کو بچالے۔ راجہ بھوج نے جس شاہی طاقت پر قبضہ کرلیا تھا وہ اس نے خاندان ٹھکیہ کے وارث کو جو اس کے پاس بعہدہ چیمبرلین ملازم تھا واپس دلادی۔ ال خاں کے مددگار مشہور ومعروف للیہ شاہی کو جو شیر اور سور کے مشابہ دردا اور ترشک قوم کے حکمرانوں کے درمیان اس طرح تھا جس طرح ہمالیہ اور بندھیاچل کے درمیان آریہ ورت واقع ہے جس کے قصبہ اودبھانڈ میں راجہ اس طرح پناہ گزیں ہوا کرتے تھے جیسے پہاڑ اُس وقت سمندر میں ہوئے تھے جب اندر اُن کے پر کاٹنے

سمرتی کے ادھیائے ۵ شلوک ۱۶ میں لکھا ہے کہ یہ مچھلی شرادھ کے موقعہ پر ضرور استعمال کرنی چاہئے۔ کشمیری پنڈت اس نام کو رام گاڈ نامی ایک چھوٹی مچھلی سے منسوب کرتے ہیں جو عام طور پر شرادھ کے رتعہ پر کھائی جاتی ہے۔ مسٹر لارنس اپنی کتاب ویلی کے صفحہ ۱۵۸ پر لکھتے ہیں کہ جب پانی سرد ہو جاتا ہے تو اس قسم کی مچھلیاں جھیلوں اور دلدلی کھیتوں پر چلی جاتی ہیں۔

۳۵۸ء بھٹ کلٹ کی نسبت مشہور ہے کہ وہ وسوگپت کا چیلہ تھا جو کشمیر کے شیو فلاسفی کی سپند شاستر نامی شاخ کا بانی ہو گذرا ہے۔ اس نے اپنے گورو کی کتاب "سپند کارکاس" پر ایک شرح لکھی تھی جس کا نام سپند سروس ہے اور جو آج تک دیکھنے میں آگئی ہے۔ دیکھو پروفیسر بوہلر کی رپوٹ صفحہ ۷۸۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ایک اور شرح کی کتاب وسوگپت کے شوسوتر کے متعلق بھی لکھی تھی دیکھو رپوٹ مذکورۃ الصدر صفحہ ۱۶۸۔ حال صاحب کی کتاب "انڈکس ٹو۔ اے ببلی اوگرافی اف انڈین فلاسفیکل سسٹم" صفحہ ۱۹۷ اور شائن صاحب

نگا تھا جس کی شان و شوکت شمال کے راجاؤں سے اس طرح بڑھی ہوئی تھی جیسے ستاروں سے سورج کی شنکر ورمن نے جوئے سے اس کی شاہی حالت سے گرانا چاہتا تھا اس کی تابعداری کو منظور نہ کیا۔

شہر شنکر پور کی تعمیر اس طرح پر تمام علاقوں کو فتح کرنے کے بعد جب یہ راجہ اپنے وطن کو واپس آیا تو اس نے اپنے نام پر شنکر پور نامی ایک قصبہ پنچ استر[357] میں تعمیر کروایا۔

شمالی علاقے کے مشہور و معروف فرماں روا سوامی راج[358] کی بیٹی سوگندھا اس کی رانی تھی۔ جس کے ساتھ اسے ویسا ہی اُنس تھا جیسے چاند کو پورنماشی سے ہوتا ہے۔ اس راجہ نے جو اندر سے مشابہ تھا اس کے ساتھ مل کر اُس خوشنما شہر میں شو کے دو مندر شنکر گوریش[359] اور سوگندھیش نامی بنوائے۔ گوری پت

کی کتاب "کے لے لوگ آف جموں مینو سکرپٹس" صفحہ ۱۶۱ ۔

۳۵۹ کہاری ایک قدیم پیمانہ تھا جس کا ذکر رگ ویدکی رچا میں آیا ہے۔ یہ پیمانہ پانتی کو بھی معلوم تھا اور آج تک کشمیر میں مروج چلا آتا ہے۔ کشمیری زبان میں اس کے لئے لفظ کہار استعمال ہوتا ہے۔ لیکن سرکاری زبان میں صدیوں سے اس کے واسطے فارسی کا لفظ خروار استعمال ہوتا رہا ہے جو در اصل خر اور بار یعنی گدھے کے بوجھ سے مرکب ہے۔ یہی لفظ ابوالفضل کی کتاب آئین اکبری کی فصل ۲ صفحہ ۳۶۶ میں استعمال ہوا ہے۔ لوک پرکاش میں بھی ۶ پیمانے کو کہاری یا کہار کا لکھا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اکبر کے زمانہ سے لیکر کہار کی تقسیم اور وزن میں کوئی فرق واقعہ نہیں ہوا۔ کیونکہ مسٹر لارنس نے اپنی کتاب "ویلی" کے صفحہ ۲۴۴ پر حقیقی استعمال کے اوزان کی جو فہرست دی ہے وہ اس بیان سے ملتی ہے جو ابوالفضل نے اور مور کرافٹ نے اپنی کتاب کے "ٹریولس" کی فصل ۲ صفحہ ۱۳۵ میں درج کیا ہے۔ اور جس میں لکھا ہے کہ کہار (خروار) ۱۴۴ پل

(شوجی) کے ان دو مندروں کا انتظام اس نے برہمن نایک کے سپرد کیا جو چاروں وید جانتا تھا اور سرستی اس کے مقام رہائش سے واقف تھی (یعنی اس پر مہربان تھی) زمانہ حال کے شعرا اور راجہ اکثر دوسروں کی نظمیں یا جائداد چھین کر اپنے کام کو بڑھا لیا کرتے ہیں۔ چنانچہ اس راجہ نے بھی جس میں اعلیٰ درجہ کی صفات بہت کم موجود تھیں پرہاس پور کی تمام قیمتی چیزیں اپنے شہر میں پہنچا دیں تاکہ اس کی شہرت بڑھے۔ کیونکہ اس شہر کو جو شہرت حاصل تھی وہ انہیں چیزوں سے تھی جو اب تک پٹن میں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً اونی کپڑوں کے بننے کا کام اور مویشیوں کی خرید و فروخت وغیرہ وغیرہ۔ رتن وردھن وزیر نے جس نے راجہ کو تاج دلایا تھا۔ رتن وردھنیش نامی سداشو کا شاندار مندر تعمیر کروایا۔

برابر ہوتا ہے اگر ایک پل کو ۴ ۲/۳ تولہ کے برابر قرار دیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کھار کا وزن ۱۷۷ ۱۲۹/۱۷۵ پونڈ ایوارڈوپو کے برابر ہوتا ہے ایک کھار کے سولہ ترکھ ہوتے ہیں اور ہر ایک ترکھ کے چار منوتہ من کے لئے ابوالفضل نے لفظ من استعمال کیا ہے اور جو تیس پل کا ہوتا ہے یا اس کی تقسیم چھ سیوں میں کی جاتی ہے۔ جن میں سے ہر ایک کا وزن ۲۰ پل کے برابر ہوتا ہے۔

چونکہ تھوڑی مدت گزری اس وقت تک کشمیر میں نقد کے بجائے تنخواہوں کا اندازہ اور ادائیگی اناج ہی میں ہوا کرتی تھی اس لئے کھار کا لفظ نقدی کے سکے کی حیثیت میں بھی استعمال ہونے لگ گیا یہی وجہ ہے کہ لوک پرکاش میں کئی مقامات پر دینار کھاری یا سودن کھار کا کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ جن سے مراد بقول ابوالفضل خرواہ جنسی اور خروار نقدی ہے ایسے ہی زمانہ قدیم سے کھار کا لفظ اس رقبہ زمین کے لئے استعمال ہوتا چلا آیا ہے جہاں دھان کی کاشت ہو اور جس کے متعلق خیال کیا جائے کہ اس میں بیج ڈالنے کے لئے ایک کھار دھان کافی ہوں گے۔ دیکھو لفظ کھاری کھاری مذکورہ لوک پرکاش ادھیائے ۲ و لفظ کھار کا مستعمل

شنکر ورمن کا انتظام متعلقہ خزانہ و خراج

یہ ایک عجیب بات ہے کہ جس طرح ہاتھی نہانے کے بعد اپنے اوپر مٹی اور ڈھکر ڈال لیتے ہیں ویسے ہی راجہ شہرت کی لہروں میں اپنے آپ کو پاک کر کے خطاؤں میں پھنس کر اپنے آپ کو ناپاک کر لیتے ہیں۔ کچھ مدت گذر جانے پر اس راجہ کے دل میں حرص و ہوا جاگزیں ہو گئی اور وہ اپنی رعایا کو دبلانے کے فن میں طاق ہو گیا۔ وہ عیش و عشرت کی زندگی میں پڑ گیا جس میں اس نے اپنا بہت سا خزانہ لُٹا دیا۔ اور اس کے بعد مختلف چالاکیوں سے وہ رفتہ رفتہ اس مال پر قبضہ کرنے لگا جو دیوتاؤں (کے مندروں) اور اور لوگوں کے پاس تھا۔ گاؤں میں مندروں کے اندر جو مال موجود تھا اُسے اور اور جا ئداد کو لوٹ کر اس نے دو نئے دفاتر آمدنی قائم کئے جن میں سے ایک کا نام

پانی جلد ۵ فصل ا شلوک ۴۵۔ اور لارنس صاحب کی کتاب ویلی صفحہ ۲۴۳ ۔ ترنگ ۵ کے شلوک ۱۱۶ میں کلہن نے بیان کیا ہے کہ سویہ کے طریق آبپاشی سے پہلے اچھی فصل کے موقعوں پر ایک کہاری چاولوں کی قیمت دوسو دینار ہوتی تھی جو اس سسٹم کے مروج ہونے کے بعد ۳۶ دینار رہ گئی ۔ اس کے بعد ترنگ ۱۲۲۰ میں ہم دیکھتے ہیں کہ راجہ ہرش کے زمانہ میں ایک قحط کے موقعہ پر ایک کہاری کی قیمت ۵۰۰ دینار ادا کی گئی تھی۔ قحط کے اور موقعوں ۱۵۰۰ اور ایک موقعہ پر دس ہزار دینار کی قیمت کا بھی ذکر آیا ہے۔

دیناروں کی قیمت اور ان رقوم کے متعلق جو اوپر بیان کی گئی ہیں صحیح اندازہ کرنے کے لئے دیکھو نوٹ ۹ ضمیمہ کتاب ہذا ۔ اور ترنگ ۴ کا شلوک ۴۹۵ ۔

ؔ ۳۶۰ معلوم ہوتا ہے کہ ان پتی ایک دیوتا کا نام تھا جو اچھی فصلوں کا قائم مقام خیال کیا جاتا ہے چنانچہ ایک موقعہ پر دوران قحط میں ان پت کا ذکر کیا گیا ہے کہ خوراک کا مالک (ان بمعنی خوراک) (ان آدھیپ) در بھکش (قحط) سے مقابلہ کر رہا ہے پنڈت گوبند کول کا بیان ہے کہ کشمیر کے

استھ پتی بھاگ (منڈی کے مالک کا حصہ) اور دوسرے کا گرہ کرتیہ (امور خانگی) رکھا مندروں میں دھوپ، صندل کی لکڑی اور پوجا کے سامان کی فروخت سے جو بچت ہوتی تھی یہ راجہ اس بہانے سے لیا کرتا تھا کہ وہ اس کا جائز حقدار ہے۔

اس نے چوسٹھ مندروں[۳۹۰] پر خاص افسر نگرانی کے بہانہ سے مقرر کئے اور انکی معرفت ان تمام مندروں کو لوٹا۔ اُس نے مندروں کے متعلق تمام گاؤں[۳۹۱] واپس لے لئے اور اس کے بعد کاشتکار کی طرح خود زمین کی کاشت کرنے لگا۔ اُس نے اوناں[۳۹۲] کو بدرجہ ایک تہائی کم کر دیا اور باوجود ان تمام باتوں کے وہ یہ کہا کرتا تھا کہ میں مندر کے پرشد (کمیٹی) کو مقررہ سالانہ رقم سے زیادہ دیتا ہوں اور تخفیف کے متعلق یہ عذر کیا کرتا تھا کہ وہ لونی کپڑوں اور خوراک وغیرہ کے متعلق ہے۔

ایک موقعہ پر جب وہ کسی دوسرے علاقہ میں گیا ہوا تھا تو اس نے اُن تمام

پورانے گیتوں اور ضرب الامثال میں پایا جاتا ہے کہ کسان اچھی فصل کا نام سوچی راز (سنسکرت سوبکش راج) قرار دیتے ہیں۔

۳۹۱ے موضع ننک کا ذکر آگے چل کر پھر شلوک ۱۰۰۸ میں آتا ہے لیکن اس کی مقامیت صحیح طور پر قائم نہیں کی جا سکی۔ ممکن ہے اس نام کے ساتھ پورانی نانڈی نہر کا نام منسوب کیا جا سکے جس میں موضع کیموہ سے اوپر کی طرف دریائے وساؤ کا پانی آتا ہے اور جو اُس تنگ قطعہ زمین کی آبپاشی کا کام دیتی ہے جو اننت ناگ اور وج برور کے قریب وساؤ اور وتشتا کو ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے۔ ان دریاؤں کے مابین جس قدر موضع واقع ہیں وہ سب کے سب نشیب میں ہیں اور انہیں طغیانی سے بچانے کے لئے اونچے اونچے بند قائم کئے ہوئے ہیں۔

۳۹۲ے ایک ٹیکا کار نے اس نام کے لئے فقط دیار گل استعمال کیا ہے جس کی وجہ سے اس کی مقامیت قائم کی جا سکتی ہے آخر الذکر نام دیار گُل کی صورت میں آجتک ایک چنانی گاؤں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو موضع کھا دیار کے قریب دریائے وتشتا کی تہ تک

دیہاتیوں کو جنہوں نے آکر اس کا بوجھ نہ اُٹھایا سال بھر کے لئے اس علاقے کی اعلیٰ شرح قیمت کے مطابق بوجھ کی مالیت قائم کر کے فرداً فرداً انپر جرمانہ کر دیا اس سے اگلے سال مختلف گاؤں کے تمام دیہاتیوں پر بغیر کسی قصور کے اسی حساب سے بوجھ کی قیمت لگا کر جرمانہ کیا گیا اور اس طرح پر اُس نے جبریہ بوجھ اُٹھانے کا[۳۹۳] مشہور طریقہ قائم کیا جو گاؤں میں مصیبت کا منبع خیال کیا جاتا ہے۔ اور تیرہ قسم کا ہے سکند کون دیہاتی محرروں[۳۹۴] (گرام کایستھ) وغیرہ کی ماہوار تنخواہ کے لئے ٹیکس لگا کر اور دوسرے جابرانہ طریقوں سے اس نے دیہاتیوں کو بالکل مفلس کر دیا مناسب اوزان کو گھٹا بڑھا کر اور گاؤں پر جرمانے کر کے نیز اسی قسم کے دوسرے طریقوں سے اس نے گرہ کرتیہ کے دفتر کے لئے روپیہ جمع کیا اور اپنے دفتر خاص میں پانچ سکرٹری (دور[۳۹۵]) اور چھوٹا خزانچی (گنج ور) شنکچ مقرر کیا جسے لوت بھی کہتے

پھیلا ہوا ہے اور بارہ مولا سے نیچے کی طرف تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ ایک سلسلہ کوہ کا آخری بڑھا ہوا حصہ ہے جو کاج ناگ چوٹیوں سے جنوب مشرق کی طرف نیچے کو ہوتا آیا ہے۔

اس کرارے کے اندر سے ایک درز میں سے ہو کر وہ سڑک گذرتی ہے جس پر سے زمانہ قدیم میں دریائے وتستا کے دائیں کنارے پر بارہ مولا اور مظفر آباد کے درمیان آمد و رفت ہوا کرتی تھی۔ دیار گل ٹیلے کے دامن کے قریب دریا کی تہ پر چٹانوں کا ایک سلسلہ پھیلا ہوا ہے اور وہیں سے دریائے وتستا کا پہلا آبشار جو سروے کے نقشہ پر موجود ہے پایا جاتا ہے۔ اس سے پرے کی طرف کشتیاں نہیں اُتاری جا سکتیں۔ یہ ظاہر ہے کہ اس جگہ اور اس کے پرے کہاد نیار اور بارہ مولے کے درمیان دریا کی تہ کو گہرا کرنے کے متعلق جو کارروائی کی گئی ہوگی اس سے ساری وادی میں دریائے وتستا کی سطح آب نیچی ہو گئی ہوگی۔ اس لئے غالباً کلہن نے جو روایت یکش دریا دیار گل کے متعلق اس مطلب کی بیان کی ہے کہ دریا

تھے۔ اس طرح اس بیوقوف راجہ نے اپنے گناہوں کے ذریعے زمانہ مستقبل کے راجاؤں یا عہدہ داروں کو فائدہ پہنچانے کے لئے خود دوزخ مول لیا۔ صرف شنکرورمن ہی کی بدولت اس ملک کے فاضلوں کی عزت اور راجاؤں کا شاہی اعزاز مٹ چکا ہے۔ اس راجہ نے جو بیوقوفوں کی فہرست میں نمبر اول پر تھا اُن غلاموں کے بیٹوں (کایستھوں) کو با اختیار بنا دیا جو دیانتدار لوگوں کی دولت پر قبضہ کر کے راجاؤں کی شہرت کو پامال کرتے ہیں۔ اس راجہ کے عہد حکومت میں ملک کایستھوں کے قبضے میں یہاں تک چلا گیا کہ یہاں کے راجاؤں کو ویسے ہی لعنت ملامت کی جاتی ہے گویا وہ خود ملک کو لوٹ رہے ہوں۔

گوپال ورمن کا اپنے باپ کو نصیحت کرنا

جبکہ لوگ اس طرح سے مظالم برداشت کر رہے

کے نیچے کی طرف بہاؤ میں سویہ نے یہیں تک کارروائی کی تھی وہ صحیح ہے۔

یکش ورکے لئے دو مختلف ٹیکا کاروں نے لفظ یکش درہ اور یکش دھرا استعمال کئے ہیں۔ مذکورہ بالا شلوک میں جو صورت اس لفظ کی استعمال ہوئی ہے اس کے معنے "دیو کا رخنہ" کے ہو سکتے ہیں غالباً اس سے مراد اس درزے سے ہے جو مذکورہ بالا کرارے کے اندر پائی جاتی ہے۔ در کا لفظ موجودہ نام کے حصہ گل سے ملتا جلتا ہے کیونکہ اس کے معنے بھی شگاف۔ درز یا دروازے کے ہیں۔ اس کے مقابلے میں ہم دیکھتے ہیں کہ پہاڑی لفظ گلی اکثر پہاڑی دروں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً سلسلہ پیر پنچال میں "چھوٹی گلی" وغیرہ موجود ہیں۔ لفظ گل اور گلی دونوں غالباً سنسکرت کے لفظ گل یعنی گلے یا گردن سے لئے گئے ہیں۔ چنانچہ مقامی طور پر درگا گلکا کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے۔

یہ امر اغلب معلوم ہوتا ہے کہ جدید نام کا پہلا حصہ کلہن کے قصے سے ضرور کچھ تعلق رکھتا ہے کشمیری زبان میں دیار کے معنے روپیہ کے ہیں۔ اور اس کے مقابلے کا سنسکرت لفظ دینا

تھے راجہ کے بیٹے گوپال ورمن کے دل میں رحم آیا۔ اور اس نے اُسے بدیں الفاظ مخاطب کیا۔ "پتاجی آپ نے ایک موقعہ پر میری بات ماننے کا جو وعدہ کیا تھا اسے اب تک کام نہیں لیا گیا۔ آپ چونکہ صادق القول ہیں اس لئے میں اب اس وعدے کا ایفا طلب کرتا ہوں۔ آپ نے کایستھوں کے کہنے سننے پر لوگوں پر جو تشدد قائم کیا ہے اُس سے انکے لئے صرف سانس لینا ہی باقی رہ گیا ہے۔ آپ لوگوں پر جو ظلم کر رہے ہیں اُس سے آپ کو نہ تو اس دنیا میں اور نہ پرلوک میں کسی قسم کا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ اُس نطفے کے متعلق جو نگاہوں سے پوشیدہ اور چھپا ہوا ہے کون اندازہ کر سکتا ہے لیکن اس نمودار زندگی میں بھی ایسے افعال سے سوائے بُرائی کے اور کچھ توقع نہیں ہو سکتی۔ ایک طرف تو رعایا طاعون۔ قحط وغیرہ کے نہ ختم ہونے والے سلسلۂ مصیبت میں مبتلا ہے اور دوسری طرف آپکی حرص و ہوس۔ جو راجہ حرص و

ہے۔ ماہ ستمبر ۱۸۹۲ء میں جب سٹائن صاحب ویارگل اور بارہ مولا کے نیچے کی کھنڈ کا معائنہ کرنے گئے تو انہیں اس جگہ سویہ کے بنائے ہوئے کاموں کے کوئی آثار نظر نہیں آئے۔

۳۶۳ دریائے وتستا کے متعلق خیال ہے کہ وہ نیل ناگ میں سے نکلا تھا۔ دیکھو نوٹ عث کتاب ہذا۔

۳۶۴ ان شلوکوں کے مطلب اور اُن جغرافیائی تفصیلات پر جو ان کے اندر موجود ہیں نوٹ عث ضمیمہ کتاب ہذا میں بحث کی گئی ہے۔

۳۶۵ نشاد کا لفظ ان قدیم جنگلی قوموں کے آدمیوں کے متعلق استعمال ہوتا ہے جو شکار مار کر اور مچھلی پکڑ کر گذارہ کرتے ہیں۔ اس جگہ بظاہر اس لفظ کا مطلب اس وادی کے ملاحوں یا ہانجیوں سے ہے۔ یہ لوگ آجتک تمدنی طور پر نہایت ادنے راجہ کے خیال کئے جاتے ہیں۔ اور انہیں ایک معمولی کاشتکار سے بھی بہت نیچا درجہ دیا جاتا ہے۔ ہانجی لوگ اکثر مچھلیاں پکڑ کر اوقات بسر کرتے ہیں۔ دیکھو لارنس صاحب کی کتاب "ویلی" صفحہ ۳۱۲

پھٹانے سے کام لیتا ہو اس کی شان و شوکت سے کسی کو خوشی حاصل نہیں ہو سکتی۔ جسطرح اُس بے موسم پھول سے جس کے بعد پھل نکلنے کی توقع نہ ہو۔ راجہ اگر فیاضی اور مہربان برتاؤ سے کام لے تو ہر چیز کو اپنے قابو میں لاسکتا ہے لیکن حرص کے ساتھ جب جبر ملا ہوا ہو تو وہ سب سے پہلے انہیں دو صفات کا خاتمہ کرتا ہے۔ جس طرح بادل موسم سرما کے دن کی چمک طوالت اور خوشنمائی کو زائل کر دیتا ہے وہی اثر حرص کا راجہ پر پڑتا ہے۔ جو راجہ اخراجات کے ڈر سے اولوالعزمانہ کاموں سے معترض رہتا ہے اس کے رشتہ دار باغی ہو جاتے ہیں جو شخص اسقدر کمزور دل کا ہو کہ وہ اپنے نوکروں کی خدمات کا معاوضہ نہ دے سکے کوئی نوکر اس سے اظہار وفاداری نہ کریگا۔ جو راجہ دولت جمع کرتا ہے اس کی اپنی رعایا کے لوگ اس کی جان لینے کے درپے ہو جاتے ہیں۔ پس وہ کونسی بُرائی ہے جو حرص ایک دشمن

۳۶۶ یوجن کے متعلق دیکھو نوٹ ۵۹ کتاب ہذا۔ کلہن نے بوضاحت اس بات کو بیان نہیں کیا کہ سات یوجن کا فاصلہ کہاں سے شمار کیا گیا ہے لیکن آگے چل کر چونکہ وہ جھیل ولر پر بندلگانے کا ذکر کرتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان پشتوں کی لمبائی کا ذکر کرتا ہے جو جھیل سے اوپر کی طرف وتستا کے کناروں پر باندھے گئے تھے۔ اس کی تصدیق دریا کے اس حصے کی حقیقی لمبائی سے بھی ہوتی ہے۔ ڈریو صاحب نے اپنی کتاب جموں کے صفحہ ۱۶۳ پر اندازہ کیا ہے کہ یہ بند ولر اور کھان بل کے درمیان جہاں دریا کی زیادہ سے زیادہ قابل جہازرانی گہرائی ہے ۴۰ میل لمبا قائم کیا گیا تھا۔ کلہن کے سات یوجن کم و بیش ۴۲ میل کے بنتے ہیں اور اس لئے ان دونوں تخمینوں میں چنداں زیادہ فرق نہیں ہے۔

۳۶۷ جھیل ولر کے جنوب میں جو دلدلہ علاقہ ہے اُس کے اندر بسنے کے گاؤں ہیں مصنوعی پشتے بنے ہوئے ہیں اور انکی شکل ویسی ہی ہے جیسی کہ اس جگہ بیان کی گئی ہے۔

کی طرح عمل کر کے راجہ پر نہیں لاتی ؟ پس اے لوگوں کے محافظ اس نئے ٹیکس کو معاف کر دو ۔ جس کا نام راج سنگواہن رکھا ہے ۔ جسے آپ نے مبتلا حرص ہوکر قائم کیا ہے اور جو لوگوں کی جانیں لئے جا رہا ہے"۔

جب راجہ نے راجکمار کی زبانی یہ باتیں جن میں فیاضی کی جھلک پائی جاتی تھی سنیں تو اس نے سنچلے ہونٹوں میں مسکراتے ہوئے بہ آہستگی جواب دیا۔ "تمہاری اس تقریر سے جس کے اعلےٰ جذبات دلفریب ہیں اور جو تمہاری جوانی کی شایاں شان معلوم ہوتی ہے میرے اندر زمانہ گذشتہ کا احساس تازہ دم ہوتا ہے ۔ بیٹا جب میں بھی تمہاری طرح نوعمر تھا اور نرم دل رکھتا تھا تو لوگوں سے مجھے بڑی محبت ہوا کرتی تھی ۔ اُن دنوں میرے والد مجھے جوتا پہنائے بغیر پیدل گرمیوں میں بھاری زرہ لگا کر اور سردیوں میں پتلا کپڑا اوڑھا کر ہمراہ لے جایا

ان میں سے دو گاؤں اتس کنڈل اور مرکنڈل جو دونوں دریائے وتستا کے بائیں کنارے کے قریب واقع ہیں ان کے ناموں میں آجتک کنڈل کا لفظ پایا جاتا ہے ۔ ایسے ہی یہ لفظ سویہ کنڈل میں پایا جاتا ہے جس کا ذکر آگے چل کر آئیگا ۔ ولر کے کنارے ایک جین کنڈل کا ذکر جوناراج نے اپنی راج ترنگنی کے شلوک ۷۰۴ میں کیا ہے ۔ کنڈل کا لفظ جو سنسکرت سے نکلا ہوا ہے اور جس کے معنے حلقے کے ہیں آجتک کشمیری زبان میں اس گول مٹی کے برتن کے لئے استعمال ہوتا ہے جو کانگر (کاستھانگریکا) میں رکھا ہوتا ہے آخر الذکر کے متعلق دیکھو کتاب انڈین انٹی کوٹی جلد ۱۴ صفحہ ۲۶۵ جلد ۱۵ صفحہ ۷۰۔

شلوک ۳۶۸ دھانوں کی کاشت کے لئے جو اس وادی کی سب سے بڑی پیداوار ہے ۔ آبپاشی ایک لازمی امر ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ رقبہ مزارعہ جوں جوں پہاڑوں کے دامن سے دریائے وتستا یا پاس کی وادیوں میں اس کے معاونوں کی طرف نشیب ہوتا جاتا ہے اس میں بڑی چھوٹی انہار آبپاشی کا ایک جال سا بچھا ہوا ہے ۔ مسٹر لارنس نے اپنی کتاب ویلی کے

کرنے لگے۔ جب راجہ (میرے باپ) کے نوکروں نے یہ بات دیکھی کہ شکار کے موقعہ پر اور بعض اوقات میں گھوڑوں کے ساتھ ساتھ بھاگتا پھرتا ہوں۔ پاؤں کانٹوں سے چھلنی ہو چکے ہیں اور آنکھوں سے آنسو بہ رہے ہیں تو انہوں نے میری طرف سے سفارش کی۔ اس نے جواب دیا۔ مینے چونکہ معمولی درجہ سے ترقی حاصل کی تھی (۲) لئے میں اُن مصیبتوں سے واقف ہوں جو نوکروں کو اپنی خدمات کے دوران میں مختلف موقعوں پر پیش آتی ہیں۔ اس قسم کی تکالیف بھوگ کر میرا بیٹا بھی جب تخت نشین ہوگا تو وہ یقیناً دوسروں کی تکالیف کو پہچانے گا ورنہ تخت پر پیدا ہونے کے باعث ممکن تھا کہ وہ ان باتوں سے بالکل ناواقف ہی رہتا۔ ہر چند میرے والد نے ایسے طریقوں پر مجھے بہت کچھ تربیت دی تھی تاہم شاہی اعزاز حاصل کر کے مینے اپنی رعایا کو اس قدر

صفحہ ۴۴۲ پر اس طریق کے متعلق بڑی احتیاط سے ذکر کیا ہے جس سے آجکل پہاڑی ندیوں کا پانی خاص خاص مقامات پر حاصل کر کے اُسے کام میں لاتے ہیں۔ سرحد کے نقشوں پر ان میں سے اکثر انہار مثلاً لدر۔ علاپت۔ سندھ وغیرہ کے نچلے حصوں کے نخانات موجود ہیں۔

سنین ماسبق میں طریق آبپاشی آجکل کی نسبت بھی زیادہ وسیع ہوگا۔ کیونکہ اس زمانہ میں آبادی زیادہ ہوا کرتی تھی۔ بہت سی زمین جو آجکل پہاڑی ڈھلوانوں۔ اودر کی سطح مرتفع اور طول کے قریب نشیبی علاقوں میں بیکار پائی جاتی ہے اُس زمانہ میں زیر کاشت ہوا کرتی تھی۔ اس کی تصدیق زمانہ قدیم کی بنی ہوئی آبپاشی کی اُن نالیوں سے ہوتی ہے جن کے ذریعے ایک زمانے میں بلند چوٹیوں پر برفانی پانی لایا کرتے تھے۔ لیکن آجکل وہ بیکار پڑی ہیں۔ بعض حالتوں میں اس قسم کی نالیاں سٹائن صاحب کو وادئی ولر و سندھ کے درمیان گیارہ ہزار فٹ کی بلندی پر نظر آئی ہیں جیسے کہ وہ جو توش میدان اور گرات وت پر واقع تھیں سنہ

تکالیف دی ہیں۔ جس طرح جاندار پیدا ہو کر اُس تکالیف کو بھول جاتے ہیں جو انہوں نے رحم کے اندر رہ کر برداشت کی تھی ویسے ہی راجہ تاج پر قبضہ پاتے ہی اپنے سابقہ خیالات کو ضرور بھول جاتا ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آج تم خود میرے ساتھ اس بات کا اقرار کرو کہ تخت پر بیٹھ کر اپنی رعایا سے کم از کم اس سے زیادہ ظلم نہیں کرو گے"۔

اس طرح پر پُر حقارت لہجہ میں اس نے اپنے بیٹے کو جواب دیا جو شرمندہ ہو کر پاس کھڑا تھا اور راجہ کے بدمعاش وزیر ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر ہنس رہے تھے۔ یہ راجہ جو فیاض ہو جانے کے اندیشہ سے فاضل لوگوں کی صحبت سے معترض رہا کرتا تھا اُس کے عہد میں بلٹ[۳۷۰] جیسے شاعر اور اور لوگ نہایت کمینہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوئے۔ بڑے بڑے شاعروں کو

قدیم کی نہروں سے آبپاشی کا کام لینے کا ذکر قبل ازیں ترنگ اول کے شلوک ۹ اور نوٹ[۳۱۱] کتاب ہذا میں آچکا ہے۔

ستائن صاحب کا بیان ہے کہ اس شلوک میں جس ندی کا ذکر آیا ہے اسے نہ تو میں شناخت کر سکا ہوں اور نہ یقینی طور پر مجھے اُس کا نام معلوم ہو سکا ہے۔ ممکن ہے اس ندی کا نام اتولا ہو یا چنولا۔ چنانچہ وتشٹا مہاتم میں کشمیر کے دریاؤں کی جو فہرست دی ہوئی ہے اس میں بھی آخری نام آتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ نیل مت پوران میں یہ نام بطور سمولا کے آیا ہے۔ ستائن صاحب نے ایک اور موقعہ پر "سمرلا" بھی دیکھا ہے جو غالباً سمولا کی جغرافیائی غلطی سے تیار ہو گیا ہے۔

[۳۶۹] کشپ نے ستی سر دور کر کے جس طرح پر کشمیر کو نمودار کیا تھا۔ اس کا حال کتاب ہذا کے شروع میں کشمیر کی وجہ تسمیہ کے بیان میں درج ہے۔ نیل مت پوران کے شلوک ۱۶۵ میں پانی نکالنے کا کام انت یعنی شیش سے منسوب کیا گیا ہے چونکہ اس کے متعلق روایت ہے کہ

اس راجہ کی طرف سے کچھ معاوضہ نہ ملتا تھا۔ لیکن لوت نامی ایک حمال کو جس پر یہ مہربان تھا دو ہزار دینار[۳۳۹] ملا کرتے تھے۔

یہ راجہ لوگوں کے ساتھ دیوبانی (سنسکرت) میں گفتگو نہ کیا کرتا تھا بلکہ اس قسم کی گنواری بولی (اپ بھرنش) بولتا تھا جو کسی شرابی کے شایاں شان ہو سکتی ہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی تھی کہ وہ خراب نکالنے والوں کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ ڈاڑھی چڑھا کر پگڑی کے نیچے کسی ہوئی۔ انگوٹھے کے پاس والی انگلی ناک کے سرے پر دھری ہوئی نگاہ غور میں لگی ہوئی یہ عادتیں جو کسی خوبی سے رکھنے والے آدمی کے لائق ہوتی ہیں جب ان کا اظہار سکھ راج وزیر کی طرف سے ہوتا تھا جو اس بُرے چال چلن والے راجہ کے نقش قدم پر اسطرح چلا کرتا تھا جیسے ناٹک میں نقلیں اُتاری جاتی ہیں تو وہ باعث تمسخر ثابت ہوا کرتی تھیں۔ دغا سے ڈر کر اس راجہ نے وارو ابھیسار[۳۴۰] کے راجہ بہادر نرواہن کو

اس نے پہاڑ توڑنے پر ہل مارا تھا جو بلبھدر کا مخصوص ہتھیار ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ یہاں آخر الذکر سے ہی مراد لی گئی ہے۔ پورانوں میں بلبھدر یا شنکرشن کو شیش کا اوتار قرار دیا گیا ہے دیکھو وشنو پوران ادھیائے ۲ صفحہ ۲۱۱۔ ادھیائے ۵ صفحہ ۱۲۔

۳۴۰ف یہاں پر وشنو کے ورا ہا۔ پرسرام۔ رامچندر۔ اور کرشن اوتار کا حوالہ دیا گیا ہے اول الذکر صورت میں اس دیوتا کے متعلق روایت ہے کہ اس نے زمین کو ایک سور کی شکل میں سمندر کی تہ سے نکالا تھا۔ دوسری صورت میں اس نے کشتریوں کی بیخ کنی کی اور زمین برہمنوں کے حوالے کر دی۔ تیسری صورت میں وہ معہ اپنی فوج کے اس پتھر کے پل کو جو ہنومت اور بندروں نے مل کر بنایا تھا عبور کر کے جزیرہ لنکا میں پہنچا تھا۔ چوتھے اوتار کی صورت میں اس نے کالی ناگ پر جو فتح حاصل کی اس کا مقابلہ ناگ مہاپدم یعنی ولر پر بند لگانے سے کیا گیا ہے۔ دیکھو وشنو پوران ادھیائے ۱ شلوک ۴۱۔ ادھیائے ۴ شلوک ۲۳۔ ادھیائے ۳ شلوک ۳۱۷۔ ادھیائے ۴ شلوک ۲۸۶۔

رات کے وقت قتل کروا دیا۔ بحالیکہ اُسے یا اُس کے ہمراہیوں کے دل میں اسکی طرف سے کوئی عداوت نہ تھی۔

آخر کار لوگوں کی بد دعا کا اس پر ایسا اثر پڑا کہ بغیر بیمار ہونے کے اسکے بیس یا تیس بچے مر گئے۔ جو راجہ اپنی رعایا کے ساتھ برائی کرتے ہیں انکا خاندان شان و شوکت۔ زندگی۔ رانیاں یہاں تک کہ ان کا نام بھی ایک لمحہ میں نشٹ ہو جاتا ہے۔ یہی بات پہلے بیان ہو چکی ہے اور آئندہ بیان ہوتی رہیگی۔ اور حقیقت میں اسے ہی راست خیال کرنا چاہئے۔ کیونکہ ظلم کی وجہ سے اس راجہ کا نام بھی غائب ہو چکا ہے۔ کونسا اور ایسا راجہ ہو گذرا ہے جس نے شنکر وردمن کے طور پر اپنے نام سے شہر آباد کیا ہو اور آگے چل کر اس کا اصلی نام دور ہونے کے بعد صرف پٹن (شہر) نام رہ گیا ہو۔

آخرالذکر کے متعلق یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جونراج نے اپنی راج ترنگنی کے شلوک ۹۳۳ میں ایک روایت لکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جھیل ولر میں جو مہاپدم ناگ رہتا ہے وہ در اصل کالی ناگ ہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ دھیان ایشور مہاتم میں بھی مذکور ہے جس کے شلوک ۳۲ میں کالی کے متعلق ذکر ہے کہ اس کی پوجا "اولاسرس" یا ولر میں ہوتی ہے۔

۱۲۷ سوییہ نے اپنے نام پر سوییہ پور نامی جو شہر آباد کیا تھا اُس سے مراد یقیناً زمانہ حال کے سوپور سے ہے آخرالذکر ٹھیک اسی مقام پر واقعہ ہے جس کا کلہن نے ذکر کیا ہے۔ یعنی وتستا کے دونوں کناروں پر اور اس جگہ سے ایک میل کے فاصلہ پر جہاں وہ جھیل ولر سے نکل کر آتا ہے۔ اس جگہ کا قدیم نام اب تک بہت سے پنڈتوں کو معلوم ہے۔ پروفیسر بوہلر کی رپورٹ کے صفحہ ۱۱ پر بھی جو کیفیت مندرج ہے اس سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ بحالیکہ کننگھم نے اپنے جغرافیہ قدیم کے صفحہ ۹۹ پر غلطی سے سوپور سے مراد کلہن کے

سکھ راج کی بہن کا ایک بیٹا جسے اس نے دوارادھیپ[۳۹۹] (درے کا مالک) کا عہدہ دیا تھا غفلت کے باعث ویرانک[۴۰۰] نامی ایک مقام پر موت کا شکار ہوا۔

شنکرورمن کی موت

اس بات سے غصہ میں آ کر یہ راجہ خود مہم پر روانہ ہوا اور ویرانک کو تباہ کر کے فتح کی خواہش میں بھرا ہوا شمالی علاقے (اُتر پتھ) کی طرف کوچ کر دیا۔ جب دریائے سندھ کے کنارے پر مختلف علاقے[۴۰۱] فتح کر چکا۔ اور خوف زدہ راجے اُس کی اطاعت کا اظہار کر چکے تو وہ واپس اپنے ملک کی طرف لوٹ آیا لیکن جس وقت وہ اُرشہ[۴۰۲] میں سے ہو کر گذر رہا تھا فوجوں کے خیمہ زن ہونے کے متعلق باشندگان ارشہ سے اس کا جھگڑا ہو گیا ایک سوپاک[۴۰۳] نے جو پہاڑی کی چوٹی پر متعین تھا راجہ کی طرف ایک تیز تیر چلایا جو اس کی گردن کے آرپار ہو گیا۔ بحالت نزع اس نے اپنے وزرا کو حکم دیا کہ تم

شور پور یا ہمہ پورہ سے لی ہے۔ سویہ پور کا ذکر آگے چل کر کلہن ترنگ ۸ کے شلوک ۳۱۲۸ میں جھیل مہاپدم کے متعلق کرتا ہے اور جو نراج بھی اس کا حوالہ اپنی کتاب کے شلوک ۳۴۰۔ ۸۹۹ و ۳۷۸ میں دیتا ہے۔ سری ور اپنی راج ترنگنی کی ترنگ ۳ شلوک ۱۸۳ میں ذکر کرتا ہے کہ سویہ پور میں سلطان حسن شاہ نے ایک نئی شاہی عمارت تعمیر کروائی تھی۔

سوپور اب تک کسی قدر اہمیت رکھنے والا مقام ہے اور ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کی رو سے یہاں کی آبادی ۸۰۰۰ تھی۔ پروفیسر بوہلر نے بجا طور پر یہ بات لکھی ہے کہ یہ جگہ نہ تو سورگ سے مشابہ ہے اور نہ سوئے اس کے نام کے اور کوئی بات قابل ذکر ہے۔ مزید حالات کے لئے دیکھو مور کرافٹ صاحب کی کتاب "ٹریولس" فصل ۲ صفحہ ۲۳۰ ہوگل صاحب کی کتاب "کشمیر" فصل ا صفحہ ۱۵۲۔ انس صاحب کی کتاب "ہینڈ بک" صفحہ ۲۲۰۔

۳۷۲ے موسم سرما میں بے شمار جنگلی راج ہنس اور مرغابیاں جھیل ولر میں جمع ہوتی ہیں جہاں کشتی بان اور دوسرے لوگ انہیں بہت بڑی تعداد میں مار کر شہر میں بغرض فروخت لے جاتے ہیں۔

رہبری کرکے فوج کو بچایا اور اس کے بعد خود بھی ایک کرنی رتھ میں سوار ہوکر وہاں سے چلا آیا۔ اس کی نظر زائل ہو چکی تھی اس لئے اس نے رانی سوگندھا کو جو اس کے پاس کھڑی روتی اور اس کے گلے ملتی تھی بمشکل اُس کے لب و لہجے سے شناخت کیا۔ اور رُکتی ہوئی آواز کے ساتھ اپنے بیٹے گوپال ورمن کی حفاظت کا کام اُسکے سپرد کیا۔ جو ابھی کم عمر تھا اور جس کا کوئی اور رشتہ دار نہ تھا۔ آخر کار جب اس کی گردن سے تیر نکالا جا رہا تھا وہ بحالت کوچ لولک سمت ۳۹ (۹۰۲ء) ماہ پھاگن کے کرشن پکش کی ساتویں تاریخ کو راہی ملک عدم ہوا۔ سکھراج اور اس کے دوسرے وزیروں نے دشمن کے علاقوں میں سے گزرتے ہوئے فوج کو محفوظ رکھا اور مختلف فرضی باتیں پیش کرکے اس کی موت کو چھپائے رکھا۔ رسیوں کے ذریعے جو ایک پتلی کی طرح اس کے سر کو اوپر اُٹھاتی اور جھکاتی تھیں انھوں نے ان باجگذار راجاؤں

جھیل میں مچھلیاں بکثرت پائی جاتی ہیں اور وہ لوگ جو جھیل کے قریب گاؤں میں رہتے ہیں انکا گزارہ زیادہ تر مچھلیوں پر ہوتا ہے دیکھو مورکرانٹ صاحب کی کتاب "ٹریولس" جلد ۲ صفحہ ۲۲۷۔ وگنی صاحب کی کتاب "ٹریولس" جلد ۲ صفحہ ۱۵۶۔ لارنس صاحب کی کتاب "ویلی" صفحات ۲۸ و ۱۵۷ جھیلوں پر مچھلیاں اور پرندے مارنے کے متعلق اسی قسم کی ممانعت کا ذکر جونراج اپنی کتاب کے شلوک ۹۵۸ میں سلطان زین العابدین کے عہد میں کرتا ہے۔ دیکھو ترنگ ۳ شلوک ۵۔ ترنگ ۵ شلوک ۶۴۔ اس جگہ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مہاراجہ گلاب سنگھ کے انتقال کے بعد کئی سال تک دریائے وتستا میں مچھلیاں پکڑنے کی ممانعت رہی تھی۔

۳۷۳ موضع سویہ کنڈل کا ذکر جونراج نے اپنی کتاب کے شلوک ۹۴۳ میں ولر کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ وہ جھیل کے کنارے پر واقع ہے۔ ڈاکٹر سٹائن صاحب کو اس کی مقامیت کا پتہ نہیں چل سکا اور نہ سیہ سیتو کا پتہ مل سکا ہے۔

۳۷۴ ایک ٹیکا کار نے بتھل کے لئے لفظ جھل استعمال کیا ہے۔ لیکن ان دونوں

کے سامنے جو اظہار اطاعت کرنے آئے تھے انکے سلاموں کا جواب دلوایا۔ آخر جب چھ دن کے بعد وہ بلیا سک نامی اپنے علاقے کے ایک شہر میں پہنچے اور انکا خطرہ دہ ہوا تو انہوں نے اسے جلانے کی رسم ادا کی۔ تین رانیاں جن میں سے ایک سریندر وتی اور دو ادر تھیں۔ معہ جے سنگھ نامی ایک ہوشیار اور وفادار ویلاوت کے اس راجہ کے ساتھ ستی ہوئیں۔ دو نوکر لاڑ اور وجرسار نامی بھی اس کے ساتھ جل مرے اور اس طرح پردہ معہ چھ اور شخصوں کے آگ میں بھسم ہوا۔

راجہ گوپال ورمن

۹۰۲ئہ تا ۹۰۴ئہ

اس کے بعد گوپال ورمن جو اعلےٰ درجہ کی نیکیاں رکھتا تھا اور اپنے قول کا پورا

ناموں کے متعلق مزید حالات عدم پتہ ہیں۔

۳۴۵ قبل ازیں نوٹ ۳۵۳ کتاب ہذا میں ترپوریش یا ترپوریشور کی مقامیت پر بحث ہو چکی ہے۔ سرواد تا   یہاں ظاہر کیا گیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہاں شو جیشٹھیشور کی پوجا ہوتی ہے۔ بلکہ ظاہر ہے کہ کلہن اس جگہ پر اس لنگ کو دوسرے موجود جیشٹھیشوروں سے ممیز کرنا چاہتا ہے۔ جن کی پوجا کے مقامات کا ذکر ترنگ ۱ کے شلوک ۱۱۳ و ۱۲۴ میں ہو چکا ہے۔ اس لئے وہ اس کے لئے الفاظ ترپوریش۔ ادری نشٹ استعمال کرتا ہے۔ اصطلاح مستعملہ سے یہ امر مشتبہ رہ جاتا ہے۔ آیا وہ مندر ترپوریش کی پہاڑی پر یا اس کے دامن میں موضع ترپ ہر کے قریب اس وادی کے مندر واقعہ تھا جو جھیل ڈل کی طرف جاتی ہے۔ ھیم اندر اپنی کتاب "دش او تار چرت" کے خلاصے میں بیان کرتا ہے کہ ترپوریش بھی ایک عمدہ مقام تفریح تھا۔

ثابت ہوا۔ اپنی ماں سوگندھا کے زیر حفاظت ملک کا حکمران بنا۔ ہر چند کہ وہ نو عمر تھا اور ادنےٰ چال چلن کے منہ لگے آدمیوں میں رہا کرتا تھا تاہم اس نے بُری عادات اختیار نہیں کیں۔ اس کی ماں جو اپنی بیوگی کی حالت میں بھی شہوات نفسانی کی غلام تھی پربھاکر دیو نامی وزیر پر فریفتہ ہوگئی۔ اس کی پرجوش محبت سے خوش ہوکر اس نے اُسے دولت۔ رتبہ اور محبت یہ تینوں چیزیں اس طرح پر دیں جیسے ایک ٹکٹ پر تین ہلال موجود ہوتے ہیں۔ خزانے کے سپرنٹنڈنٹ (گوشادھیاکش) کی حیثیت میں اس نے شیدا رانی کی دولت کو خوب ہی لوٹا اور اُدبھانڈپور کے مقام پر سلطنت شاہی کو مغلوب کرکے اس کی سلطنت للیہ کے بیٹے تورمان[۳۷۹] کو دیدی اور اس کا نیا نام کملک رکھا۔ وہاں سے واپس آکر جب وہ شہر میں داخل ہوا تو اُسے اس فتح اور اپنی شخصیت پر بہت ناز تھا جس کے اندر بہادری اور

ف ۳۷۶: درے کے لئے اصل کتاب میں لفظ دوار استعمال ہوا ہے۔ جس کے متعلق دیکھو نوٹ ۵۳ ۵۵ اور ۹۷ کتاب ہذا۔ شنکرورمن کی فوج نے جو راستہ اختیار کیا اُس سے یہ امر اغلب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر مراد سڑک بیر پنچال کے سرحدی مقام سے ہے۔

ف ۳۷۷: جیسا کہ قبل ازیں متعدد موقعوں پر بیان ہوچکا ہے داروا بھیسار سے مراد نچلی پہاڑیوں کا وہ علاقہ ہے جو گجرات کے شمال کی طرف وتشٹا اور چناب کے درمیان پھیلا ہوا ہے۔ ایک ٹیکا کار نے اس کے لئے لفظ دان گلو استعمال کیا ہے جس سے مراد بھمبر کے نواحات کا ایک علاقہ ہے۔ آخر الذکر مقام گجرات کے شمال کی طرف قریباً ۲۸ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

ف ۳۷۸: ہری گن کا لفظ اور کہیں استعمال نہیں ہوا۔ یہ تو ممکن نہیں کہ اس سے مراد داروا بھیسار سے ہو کیونکہ اس کا ذکر نرداہن کے نام سے ہوا ہے۔ ہری گن کے معنے شیروں کی لک

عشق دونوں باتیں موجود تھیں۔ راجہ کی ماں کے اس عاشق نے اس فتح کے گھمنڈ میں جو اس نے حاصل کی تھی روزمرہ بہادروں کو ذلیل کرنا شروع کیا۔ جس طرح کسی فاحشہ عورت کے مکان میں کوئی ادنےٰ درجہ کا عیاش آدمی موجود ہو تو کوئی اور وہاں نہیں جا سکتا ویسے ہی جتنا عرصہ یہ محل شاہی میں رہتا تھا کوئی اور شخص اندر داخل نہ ہو سکتا تھا۔ جب رفتہ رفتہ گوپال ورمن کو حقیقت حال معلوم ہوئی تو اس کی دولت اور عزت کو لوٹنے والا یہ شخص بری طرح اس کی آنکھوں میں کھٹکنے لگا مگر جب اس نے خزانے کی پٹیاں دیکھنے پر اصرار کیا تو اُسے جواب دیا گیا کہ جو کچھ خزانے میں موجود نہیں وہ شاہی کی مہم پر صرف ہو چکا ہے مگر اس پر خزانچی نہایت خائف ہوا اور اس نے اپنے رشتہ دار رام دیو کی معرفت جو کھارکھوو (جادو) ودیا میں ماہر تھا راجہ پر جادو کروا دیا۔ جس کے اثر سے گوپال ورمن کو بہت تیز

جماعت کے بھی ہو سکتے ہیں۔ اور ٹرائر اور دت نے انہی معنوں کو لیکر ترجمہ کیا ہے۔

۳۷۹ گورجر کا لفظ آجکل شہر گجرات کی صورت میں موجود ہے جو پنجاب میں چناب کے مغربی ساحل پر قریباً پانچ میل کے فاصلہ پر واقع ہے اس مشناخت کی طرف نہ صرف ایک ٹیکا کار نے توجہ دلائی ہے بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ ولسن اور لاسن صاحب کو بھی پہلے معلوم تھی۔ چنانچہ اول الذکر نے اس کا حوالہ اپنی کتاب "ہسٹری" کے صفحہ ۶۵ اور آخرالذکر نے کتاب "اندش آلٹرتھس کنڈ" کی جلد ۳ صفحات ۵۰۲ و ۱۰۲۷ میں دیا ہے۔

مزید شہر کا نام وسیع معنوں میں اس علاقے کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے جس میں دوابہ چج کا بالائی حصہ جو بھمبر کی پہاڑیوں کے دامن میں واقع ہے شامل کر لیا جاتا ہے۔ کشمیر میں یہ نام ان معنوں میں خاص مشہور ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر جس زمانہ کے واقعات کو دہرایا گیا ہے اس میں گورجر کے پورانے نام کے معنے زیادہ وسیع لئے جاتے تھے۔ چنانچہ آگے چل کر کلہن نے ننگ وش کو

بخار ہوگیا اور وہ دو سال حکومت کرنے کے بعد چل بسا۔ جب خبر پر رام دیو کا فعل بد مشتہر ہوا تو اُسے راجہ کی سزا کا خوف پیدا ہوگیا اور اس لئے اس نے خودکشی کر لی۔

راجہ سنکٹ

سمہ ۹۰۴ء

اس کے بعد گوپال ورمن کے بھائی سنکٹ کو جس کی پرورش شاہراہ عام سے اُٹھا کر کی گئی تھی تخت پر بٹھایا گیا اور وہ دس ہی دن حکومت کر کے مر گیا۔

بھی سلطنت گورجر کا ہی حصہ قرار دیا ہے۔ جو بقول ہیون سانگ چناب کے مشرق کی طرف واقع تھا۔ اس کی تشریح میں صرف اس قدر بیان کر دینا کافی معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم میں بہت سی ہندی سلطنتوں کے نام اُن کے دار الخلافوں کے نام پر مشہور تھے۔ جیسا کہ لاہور کا نام رنجیت سنگھ کے عہد میں سارے پنجاب کے لئے استعمال ہوا کرتا تھا۔

گجرات کی قدیم تاریخ کے بعض حالات کے متعلق دیکھو کنگھیم صاحب کی کتاب "جغرافیہ قدیم" صفحہ ۱۷۹۔

کانگڑہ کے پہاڑی علاقہ ترگرت کے متعلق دیکھو نوٹ ۱۵۳ کتاب ہذا۔ اس موقع پر ٹیکا کار نے ترگرت کی تشریح کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ اس سے مراد نگر کوٹ ہے جس کا جدید نام کوٹ کانگڑہ ہے اور جو ضلع کانگڑہ کا صدر مقام ہے لی جا سکتی ہے۔ کوٹ کانگڑہ اور اس کے مشہور پرانے قلعے کے لئے نگر کوٹ کے نام کا استعمال محمود غزنوی کے زمانے سے ہوتا چلا آیا ہے۔ دیکھو البرونی کی کتاب "انڈیا" فصل ۲ صفحہ ۱۱۔ کنگھیم صاحب کی کتاب

رانی سوگندھا

سنہ ۹۰۴ء تا سنہ ۹۰۶ء

اس طرح پر جب راجہ شنکرورمن کا سلسلہ نسل منقطع ہوگیا تو رعایا کے کہنے پر رانی سوگندھا خود تخت نشین ہوئی اور اپنے مذہبی عقیدہ کو ترقی دینے کے لئے گوپال پور کا شہر۔ گوپال مٹھ۔ گوپال کیشو نامی وشنو کا مندر اور ایک اور شہر اپنے نام پر تعمیر کرایا۔ گوپال ورمن کی بیوی نندا نے جو ایک بڑے بے عیب خاندان سے تعلق رکھتی تھی ہر چند کہ وہ چھوٹی ہی عمر کی تھی تاہم نند امٹھ اور نند اکیشو نامی مندر کی بنیاد قائم کی۔ گوپال ورمن کی ایک اور بیوی جے لکشمی حاملہ تھی اور اسکی

"آرکیو لاجیکل سروے رپوٹ" جلد ۵ صفحہ ۱۵۵۔

کننگھیم صاحب جو اپنی کتاب "کا نیراف ٹڈیول انڈیا" کے صفحہ ۱۰۰ پر راجگان کانگڑہ کے ورثا کے شجرہ ہائے نسب کا ذکر کرتے ہیں۔ اس میں انہوں نے پرتھوی چندر اور بھون چند کے نام کہیں نہیں لکھے۔ تاہم وہ بجا طور پر اسباب کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ لفظ چندر جو ان ناموں کے پچھلے حصوں میں پایا جاتا ہے وہ ایسے ہی تمام خاندانی ناموں میں موجود ہے چودھویں صدی سے نیکر سکوں اور دوسری دستاویز کی شہادت کے ذریعے ان ناموں کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے ناموں کا استعمال نہایت قدیم زمانہ سے چلا آتا ہے۔ بظاہر اس کی وجہ وہ روایت ہے جو کانگڑے کے کوچ چھ راجاؤں کو چیند بنسی خاندان سے ملاتی ہے۔ اس خاندان کے ایک مابعد کے راجہ اندر چندر کے متعلق دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۱۵۰۔

کلہن کے الفاظ سے یہ بات واضح نہیں ہوتی آیا شنکرورمن کی مہم ترگرت تک پہنچی

ساس جو یہ چاہتی تھی کہ خاندان کا سلسلہ قائم رہے اس پر بھروسہ رکھے بیٹھی تھی لیکن رانی کا بچہ پیدا ہوتے ہی مر گیا۔ اس پر غمزدہ سوگندھا نے اس بات کی کوشش کی کہ سلطنت اپنے رشتہ داروں میں سے کسی کو دیدی جائے۔

تنترن سپاہ کا زور پکڑنا

انہیں دنوں تنترن نامی پیادہ فوج نے اپنی جماعت مرتب کر رکھی تھی۔ اور وہ اس قدر با اختیار تھے کہ ملک کے حکمران سے جیسا چاہتے اچھا یا بُرا سلوک کر سکتے تھے۔ اس پر سوگندھا خود ہی دو سال حکمرانی کرتی رہی جس کی وجہ کچھ تو ایگانگوں[۳۵۵] کی مدد اور کچھ تنترن سپاہیوں کی خوشنودی تھی۔ ایک موقعہ پر اس نے درزا۔ راجگان باجگذار۔ تنترن اور ایکانگ لوگوں کو اس غرض سے کونسل میں جمع کیا کہ کسی مناسب شخص کو اختیارات شاہی دیئے جائیں۔ چونکہ اونتی ورمن کا خاندان منقطع ہوچکا

تھی یا نہیں۔ گولاسن صاحب نے اپنی کتاب انڈش آلٹرتھس کنڈ جلد ۳ صفحہ ۱۰۲۷ پر یہی خیال ظاہر کیا ہے کہ ترگرت بھی اس مہم میں داخل تھا یکلمن نے بھمبر کے راستہ راجہ کو گجرات کی طرف یا بالائی سندھ کے مغرب کی جانب چلاتے ہوئے جو راستہ مقرر کیا ہے کانگڑہ اس کے مشرق بعید میں واقع ہے۔

۳۸۰ وِلسن صاحب نے اپنی کتاب "ہسٹری" کے صفحہ ۶۵ پر ال خاں کے عجیب نام کی طرف توجہ دلائی ہے جو بظاہر ایک عجیب قسم کا اسلامی نام معلوم ہوتا ہے۔ اس بارہ میں یہ جتلا دینا بھی غیرضروری معلوم نہیں دیتا کہ منشی محمد الدین صاحب فوق نے اپنی تاریخ کشمیر میں گجرات کے اس حاکم کا نام علی خاں لکھا ہے۔ اس صورت میں ہم خیال کر سکتے ہیں کہ شاید اُس زمانہ میں عارضی طور پر ملتان کی اسلامی سلطنت شمال کی جانب بھی پھیل چکی تھی۔ کیونکہ دسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں اس سلطنت کی خوشحالی کے متعلق بہت سے عرب مورخوں نے تصدیق کی ہے۔ دیکھو رینا ڈ صاحب کی کتاب میمائر صفحہ ۲۱۲۔ لیکن ساتھ

تھا اس لئے رانی کی منشا یہ تھی کہ شور ورمن کے پوتے اور سکھ ورمن کے بیٹے ترجت ورمن کو تخت نشین کیا جائے کیونکہ وہ اس کی اپنی رشتہ دار گنگا کے بطن سے تھا اور اسے امید تھی کہ خاندانی موانست کی وجہ سے وہ اس کی مرضی پر چلیگا۔

راجہ پارتھ

سنہ ۹۰۶ء تا سنہ ۹۲۱ء

بعض وزرا نے یہ اعتراض کیا کہ ایک ایسا شخص جس کا نام پنگو (لنگڑا) پڑا ہوا ہے کیونکر تخت کے لائق ثابت ہو سکتا ہے؟ کیونکہ ساری رات عیاشی میں ضائع کر کے وہ دن بھر سویا رہتا ہے۔ اور اٹھ نہیں سکتا۔ یہ تو رانی کی تجویز

ہی یہ بات عجیب معلوم ہوگی کہ جیسا آگے چل کر معلوم ہوتا ہے۔ ال خاں اُدبھانڈ کے للیہ شاہی پر تمام تر دار ومدار رکھتا تھا۔ کابل کے خاندان شاہی کی ہندو نسل جس کا غالباً للیہ شاہی بانی تھا۔ اور جو محمود غزنوی کے زمانہ تک تمام شمالی پنجاب پر قبضہ رکھتا تھا اس کے حالات کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کے ترقی حاصل کرنے کی ہر طرح مخالفت ہوتی رہی تھی۔

۳۸۱ تک دیش کا ذکر صرف ایک بار آگے چل کر ترنگ ۷ کے شلوک ۱۰۹۱ میں تک وشیہ کے نام سے آتا ہے۔ ترنگ ۷ کے شلوک ۵۲۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۶۴۔ ۱۲۰۷ میں تک کا لفظ خاص خاص اشخاص کے ناموں کے متعلق بھی استعمال ہوا ہے۔

کننگھم صاحب نے بجا طور پر تک کے نام کو سلطنت "تسیہ کیا" سے منسوب کیا ہے۔ جہاں پر ہیون سانگ راجپوری یا راجوری کے جنوب مشرق کی طرف سیاحت کرتا ہوا پہنچا تھا۔ دیکھو جغرافیہ قدیم صفحہ ۱۴۸ و "سیوکی" جلد ۱ صفحہ ۱۶۵۔ "تسیہ کیا" کی سلطنت کے متعلق

اس قسم کے اعتراض کر ہی رہے تھے کہ دوسری طرف تنتر ن پیادہ سپاہیوں نے ایک جداگانہ جتھا بنا کر نرجت ورمن کے بیٹے پارتھ کو جس کی عمر دس سال کی تھی تخت پر بٹھا دیا اور انہوں نے خیال کیا کہ اس طرح پر سوگندھا کو تخت سے علیحدہ کرنے میں ہم نے بہا کر دیو خزانچی کی اُن باتوں کا جن سے اس نے ان کی عزت پر حملے کئے تھے انتقام لے لیا ہے۔ جب اس سے شاہی طاقت چھن گئی تو رانی محل سے نکل گئی اور اس نے اپنی موتیوں کی سجلئے بہتے ہوئے آنسوؤں کا ہار پہنا ہوا تھا۔ جس وقت وہ باہر نکلی تو اس نے دیکھا کہ پورانے نوکروں میں سے ہر ایک جو بظاہر اُس کا مددگار نظر آتا تھا دراصل دشمنوں کے ساتھ ملا ہوا تھا۔

رانی سوگندھا کی گرفتاری اور قتل { لوکک سمت ۳۶۹۰ (۹۱۴ء)

میں ایکا نگ فوجوں نے متفق

بیان کیا گیا ہے کہ وہ مشرق کی طرف و پاس (بیاس) اور مغرب کی طرف دریائے سندھ تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کا دارالسلطنت قدیم شہر "شی کی لو" کے قریب واقعہ تھا۔ آخرالذکر مقام بلاشبہ قدیم شہر شاکل تھا جو برہمنوں اور بدھوں کی روایات میں اکثر مقامات پر مذکور ہے۔ دیکھو وی ڈی سینٹ مارٹن صاحب کی کتاب "میمائر اینے ٹک" صفحہ ۷۷۔ مہابھارت میں شاکل کی نسبت ذکر ہے کہ وہ مدراس یا باہکا قوموں کا دارالسلطنت تھا جو جدید پنجاب میں آباد تھیں۔ دیکھو لاسن صاحب کی کتاب انڈس آلٹرتھمس کنڈ جلد ا صفحہ ۸۰۱۔ اور ہیم چندر کی مترادف الفاظ کی لغات میں جس کا نام "ابھی دہان چنتامنی" ہے ہم دیکھتے ہیں کہ ٹک اور باہک دونوں ایک ہی قوم کے آدمی تھے۔ دیکھو بوٹلنک ریو صاحب کا ایڈیشن کتاب مذکور شلوک ۹۵۹۔

شاکل کے محل وقوع کے متعلق تاحال کسی قسم کا یقین نہیں ہو سکا گو اس کے متعلق

ہو کر سوگندھا کو ہشک پورے سے جہاں وہ ٹھہری ہوئی تھی واپس بلایا اور جب ماہ چیتر کے اخیر میں تمام تنترن لوگوں نے جو پار تھ کے طرف دار تھے اس کی آمد کا ذکر سنا تو وہ مارے جوش کے لڑائی کے لئے آمادہ ہو کر نکلے۔ اپنی فوجوں کو صف بستہ کر کے انہوں نے اکانگوں کو جن کا اتفاق ٹوٹ چکا تھا لوکک سمت ۳۹۹۰ (۹۱۴ء) کے ماہ بیساکھ میں شکست دی اور فرار ہوتی ہوئی رانی کو گرفتار کر کے قید کر دیا اور پھر نشپا لک سوہار[۱۶۱] میں جان سے مار ڈالا۔ واقعی قسمت کے رستے عجیب ہیں جو کبھی گرتے اور کبھی اُٹھتے رہتے ہیں۔

اس کے بعد اس ملک میں مصائب کا ایک سلسلہ پیش آیا جس سے جا بجا دولت اور جانیں تباہ ہوئیں راجہ کے باپ پنگو (نرجت ورمن) نے جو بباعث اس کے نابالغ ہونے کے اس کا محافظ تھا اپنے وزیروں کے ساتھ

مورخوں نے مختلف رائیں ظاہر کی ہیں۔ جن میں سے ایک کا خیال یہ بھی ہے کہ یہ "تبلی موس" کے شہر "یوہتی ڈی میا" کا نام تھا۔ دیکھو کننگھم صاحب کا جغرافیہ قدیم صفحہ ۱۷۹۔ لیکن یہ امر اغلب ہے کہ یہ قدیم شہر چناب اور راوی کے درمیان کسی مقام پر واقع تھا۔ اس صورت میں ہمیں صرف تک قوم کے صدر مقام کو تلاش کرنا باقی رہ جاتا ہے جو ہیون سانگ کے زمانہ میں شمالی پنجاب کے سب سے بڑے حصہ پر حکمران تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ نویں صدی کے اخیر میں اس قوم کی طاقت بہت کچھ گھٹ چکی تھی کیونکہ ہمارے شلوک میں تک دیش کا لفظ ہیون سانگ کی سلطنت "تسیہ کیا" سے زیادہ محدود معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

البرونی نے سلسلہ کوہ پیر پنجال کے ایک جنوبی علاقے کا نام جو لوہاور (لاہور) کے علاقے کے متصل تھا تاکیشر لکھا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ کننگھم صاحب نے بجا طور پر اسے اپنے جغرافیہ قدیم کے صفحہ ۱۵۱ میں تک قوم سے منسوب کیا ہے۔ دیکھو کتاب "انڈیا" جلد ا صفحہ ۲۰۸۔ و جلد ۲ صفحہ ۸ و نیز نوٹ ع ضمیمہ کتاب ہذا۔ کننگھم صاحب نے لفظ "طاقن"

مل کر جن کا کام صرف رشوتیں لینا تھا ملک پر خوب ہی تشدد کیا۔ فی التحقیقت راجہ تنترن لوگوں کی خدمت کرتے تھے اور ایک دوسرے سے زیادہ رشوت دیکر دیہاتی اہلکاروں کی طرف ایک دوسرے کو خارج کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ ایک زمانہ تھا جب اسی ملک کے حکمران کنیا کبج اور اور ممالک کو فتح کر چکے تھے یا اب یہ حالت تھی کہ یہاں کے راجہ تنترن لوگوں کو ہنڈیاں دے دیکر بحال رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ وزیر میرو وردھن کے جس نے پورانا ادھشٹان میں میرو وردھن سوامن نامی وشنو کا مشہور مندر تعمیر کروایا تھا بیٹوں نے رعایا پر جبر و تشدد کرکے دولت جمع کرلی۔ اور وہ بڑی گہری سازشیں کیا کرتے تھے لیکن ابتک تخت کے متعلق اپنی خواہش کو انہوں نے چھپائے رکھا تھا۔ شنکر وردھن جو ان سب میں سے بڑا تھا خفیہ طور پر سوگند حادتیہ سے مل گیا اور دونوں نے مل کر

میں بھی تک کا لفظ ہی تحقیق کیا ہے جسے ابن خورداذبہ اور ابن روستہ نے ہندوستان کے ایک علاقے کے لئے استعمال کیا ہے۔ لیکن پروفیسر ڈی گوجے نے ان جغرافیہ دانوں کی تصانیف کو تالیف کرتے ہوئے بلفظ طافن استعمال کیا ہے۔ بہر صورت اس علاقے کے محل وقوع کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔

زمانہ حال کا ایک ٹیکا کار تک کے نام کو دریائے اٹک کے نام میں شناخت کرتا ہے اور اس کا خیال ہے کہ تک دیش سے مراد "سکرڈو" سے ہے۔

اطاعت کی علامت کے طور پر انگلی کاٹنے کی رسم کے متعلق جس کا یہاں پر ذکر کیا گیا ہے دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۵۹۴۔

لی فرو کے متعلق مزید حالات یول صاحب کی کتاب "کے تھے" کی جلد ۱ صفحہ ۱۸۴ میں بھی مل سکتے ہیں۔

۳۸۲ کنگھیم صاحب نے اپنی آرکیالوجیکل سروے رپوٹ کی جلد ۲ صفحہ ۲۲۵ - اور

خفیہ طور پر شاہی محل کو خوب ہی لوٹا۔ ایک طرف تو لوگ ان مصیبتوں میں مبتلا تھے دوسری طرف طوفان سے چاولوں کی ساری فصل خریف تباہ ہوگئی اور اس نے رعایا کے زخموں پر نمک کا کام دیا۔

ایک خوفناک قحط } لوکک سمت ۳۹۹۳ (۹۱۷-۹۱۸ء) کے خوفناک سال میں لوگ ایک قحط کی وجہ سے تباہ ہوگئے۔ گرانی کا یہ عالم تھا کہ ایک ایک کھاری ہزار ہزار دینار کو فروخت ہوتی تھی۔ جس کی وجہ سے خوراک کا میسر آنا مشکل ہو رہا تھا۔ دریائے وتستا میں پانی نام کو نظر نہ آتا تھا کیونکہ وہ بالکل لاشوں سے چھپا ہوا تھا۔ عرصۂ دراز تک پڑے رہنے کے باعث پھول چکی تھیں اٹا ہوا تھا خشکی پر ہر طرف ہڈیاں ہی ہڈیاں نظر آتی تھیں جس کے باعث ملک ایک وسیع قبرستان معلوم ہوتا تھا اور جس سے ہر شخص خوف کھاتا تھا۔ راجہ کے وزرا اور تنتری لوگوں نے بڑے گراں نرخ پر چاول بیچ بیچ کر

جلد ۱۰ صفحہ ۱۰۱ میں ادھیراج بھوج کے متعلق جس کا ذکر اس شلوک میں آیا ہے خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ خود مختار راجہ (پرمیشور) بھوج تھا۔ جس کی حکومت کا ذکر کتبہ دیوگڑھ بابت ۸۶۲ء کتبہ گوالیار ۸۷۶ء اور کتبہ پہووا ۸۸۲-۸۸۳ء میں پایا جاتا ہے۔ پروفیسر کیل ہارن نے کتبہ سیادونی کی تشریح کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ یہ راجہ کنیا کبج یا قنوج کا حکمران تھا۔

ان کتبوں کے متعلق مسٹر فلیٹ نے اپنی کتاب انڈین اینٹی کوئی جلد ۱۵ صفحہ ۱۱۰ اور پروفیسر بوہلر و نیز ڈاکٹر ہلزش نے اس شلوک پر پورے طور سے بحث کی ہے۔

لیکن یہ امر قابل تاسف ہے کہ ہمارے شلوک کے الفاظ اسقدر واضح نہیں کہ جن کی رو سے اس شناخت کے متعلق پورے طور سے یقین ہو سکے۔ جیسا کہ پروفیسر بوہلر بیان کر چکے ہیں کننگھم صاحب کے خیال کے مطابق کلہن کے الفاظ سے اس بات کی توضیح نہیں ہوتی کہ بھوج شنکر ورمن کا ہم عصر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کتبوں میں جو تاریخیں پائی جاتی ہیں اُن سے شنکر ورمن کے عہد حکومت کی تاریخوں کے قریب تر ہونے کے باوجود ہمیں اس

خوب ہی دولت جمع کی۔ راجہ اُس شخص کو اپنا وزیر بناتا تھا جو رعایا کو ایسی حالت میں فروخت کر کے تنتریوں کی ہنڈیوں کا روپیہ وصول کر سکے۔ جس طرح کوئی شخص اپنے گرم غسل خانہ میں بیٹھ کر باہر کی طرف اُن لوگوں کو دیکھے جو کسی جنگل کے اندر آندھی اور طوفان میں بحالت مصیبت کھڑے ہوں ویسے ہی بدبخت پنگو ایک عرصہ دراز تک اپنے محل میں رہتا ہوا لوگوں کو مصیبت میں دیکھتا لیکن اپنے آرام کی قدر کرتا رہا۔ اس طرح پر یہ شیطان راجے (باپ بیٹا) اُس رعایا کی تباہی کا سامان پیدا کرتے رہے جس کے ساتھ تنجن اول چندر پیڈ و دیگر محافظین رعایا محبت کیا کرتے تھے۔ اُس زمانہ میں راجاؤں کو کسی طرح پر عرصہ دراز تک حکومت کا موقعہ حاصل نہ ہو سکتا تھا اور وہ اُن بلبلوں کی مانند تھے جو کسی امر آلود دن میں پانی برسنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی پارتھ اپنے

ساخت کی کامل شہادت حاصل نہیں ہو سکتی سٹے نے فی الحقیقت اصل عبارت کے معنے اس طرح پر بھی لئے جا سکتے ہیں کہ جس سے معلوم ہو بھوج شنکرورمن سے کچھ مدت پہلے ہو گذرا ہے۔

کلہن نے اس موقعہ پر لفظ بھوج ادھیراجن استعمال کیا ہے جس کے معنے بقول ڈاکٹر ہلزش بھوجوں کا راجہ بھی ہو سکتے ہیں۔ اس صورت میں ہمیں تسلیم کرنا پڑیگا کہ بھوج کا لفظ وہی ہے جس کا ذکر بارہا رزمیہ نظموں اور پورانوں میں آیا ہے تاہم یہ امر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس اصطلاح کا صحیح مقام نا معلوم ہے اور آخر الذکر کا پتہ سوائے تاریخی دستاویزوں کے اور کہیں نہیں چلتا۔

سٹائن صاحب لکھتے ہیں کہ میں نہیں بیان کر سکتا لفظ ٹھکیک سے ان پر کیا مراد لی گئی ہے۔ کیونکہ اس کا ذکر اور کہیں نہیں آتا۔ کیا اس کا اُس ٹھگیہ بندھ سے کچھ تعلق ہو سکتا ہے جس کا ذکر ترنگ ۴ کے شلوک ۴۷۹ میں آیا ہے؟

باپ کو الگ کر کے خود اختیارات حاصل کر لیتا تھا اور کبھی اس کا باپ تنتری لوگوں سے سازش کر کے اُسے علیحدہ کروا دیتا تھا۔ نوجوان سوگندھا دتیہ کا پنگو کی رانیوں سے ناجائز تعلق تھا ایک طرف تو وہ رانی بپت دیوی سے بغل گیر ہو کر اس کی آتشِ عشق کو فرد کیا کرتا تھا اور دوسری طرف وہ اُسے بیش بہا چیزیں دیکر اسکی حرص دولت کو فرد کرتی تھی۔ حسین رانی مرگاوتی جسے میرو وردہن کے بیٹوں نے خود پنگو کے ساتھ اس لئے بیاہا تھا کہ اپنی بہن کے حسن کی بدولت اپنے اختیارات کو تقویت دے سکیں۔ یہ نازنین بھی اپنی مرضی سے سوگندھا دتیہ سے محبت کرنے لگی اور دونوں عیش و عشرت میں محو رہنے لگے۔ جس طرح کسی غریب آدمی کی دو بیویاں باری باری ایک ہی برتن کو استعمال کرتی ہیں اسی طرح سوگندھا دتیہ ان دو رانیوں کے پاس باری باری سے جایا کرتا تھا اور یہ بھی اپنے بیٹوں کیلئے

۳۸۳ اس شلوک کے تاریخی واقعات اور اودبھانڈ کے صحیح محل وقوع پر نوٹ ۱۱ء ضمیمہ کتاب ہذا میں پورے طور پر بحث کی گئی ہے۔

۳۸۴ ترنگ ۵ کے شلوک ۱۵۶ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ شہر موجودہ شہر پٹن ہی ہے۔ اس شلوک میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شنکر ورمن نے جو شہر اپنے نام پر آباد کیا تھا اس کا نام بعد میں پٹن یعنی شہر ہی رہ گیا۔ گنگھیم صاحب کو واقفیت بہم پہنچانے والے پنڈتوں کو بظاہر یہ بات معلوم تھی اور ایسے ہی پنڈت صاحب رام کو بھی جس نے اپنی کتاب تیرتھ سنگرہ میں اس جگہ کا نام شنکر وردھا پور لکھا ہے۔ ابتداً میں بلاشبہ اس شہر کا نام شنکر پور تجویز کیا گیا ہوگا۔ اور کھیم اندر نے اپنی کتاب شمہ ماترکا کے ادھیائے ۲ شلوک ۱۳ میں اسے ہی استعمال کیا ہے۔ اور یہی نام ایک ٹیکا کار نے بھی لکھا ہے۔ لیکن آج کل پٹن میں نہ تو شنکر پور اور نہ پنچ استھ کے نام کی تحقیق ہو سکتی ہے۔

پٹن ایک بڑا سا گاؤں ہے جو سرینگر اور بارہ مولا کی شاہراہ پر واقع ہے۔ کسی زمانہ

تخت حاصل کرنے کی خواہش میں ایک دوسرے سے بڑھ کر محبت کرتیں اور بیش بہا چیزیں پیش کیا کرتی تھیں۔

راجہ نرجیت ورمن
سنہ ۹۲۱ تا سنہ ۹۲۲ء

آخر کلد لوکک سمت ۳۹۹۷ (سنہ ۹۲۱ء) میں پنگو اپنے بیٹے پارتھ کو مغلوب کرکے تنتترن کی مدد سے تخت نشین ہوا۔

میں یہ تلگام پرگنہ کا صدر مقام ہوا کرتا تھا۔ دیکھو مورکرافٹ صاحب کی کتاب "ٹریولس" جلد ۲ صفحہ ۱۱۳ اور وگنی صاحب کی کتاب "ٹریولس" جلد ۲ صفحہ ۱۶۶۔ جب سے مسٹر لارنس نے بندوبست کیا ہے یہ جگہ ایک تحصیل کا صدر مقام بن گئی ہے۔ پٹن کے کھنڈرات کے متعلق آئندہ نوٹوں میں ذکر کیا جائیگا۔

۳۸۵ سوامی راج کے متعلق خیال کیا جا سکتا ہے کہ وہ علاقہ دروپا اُس کے قریب کسی علاقہ کا حکمران تھا۔

۳۸۶ کنگھیم صاحب نے بجا طور پر یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ شنکر ورمن اور اس کی رانی نے جن مندروں کی بنا ڈالی تھی یہ وہی دو تباہ شدہ مندر تھے جو اب تک موضع پٹن میں قائم ہیں۔ چنانچہ ان کی پوری کیفیت کنگھیم صاحب نے جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال بابت سنہ ۱۸۴۸ صفحہ ۲۸۲ پر دی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں چنداں وسیع نہیں۔ زمانہ قدیم کے کشمیری مندروں کی طرح انکے گرد ذو اربعۃ الاضلاع منیار موجود ہیں۔ دیکھو کول صاحب کی کتاب "اینشنٹ بلڈنگس" جس کے اندر صفحہ ۲۸ و ۳۵ پر انکی تصاویر موجود ہیں۔

کلہن نے شلوک ۱۶۱ میں جو کیفیت لکھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شنکر ورمن کے

راجہ چکرورمن

سنہ ۹۲۳ء تا سنہ ۹۳۳ء

نرجت ورمن جس کے پچھلے جنم کے کوئی پن نہ تھے لوکک سمت ۳۹۹۸ (۹۲۳ء) میں اپنے نوعمر بچے چکرورمن کو تخت نشین کر کے ماہ ماگھ میں راہی ملک بقا ہوا انہیں دنوں پارتھ اپنے باپ کے تخت پر قابض ہونے کا خواہشمند تھا جسپر تنترن پیادہ فوج نے اس کے طرفدار بن کر اکانگوں سے جنگ کیا۔ نوعمر راجہ کچھ مدت اپنی ماں بپت دیوی کے اور اس کے بعد دس سال تک اپنی دادی کشلکا کے زیر حفاظت رہا۔ چونکہ جوانی نے اس کے شریرانہ چال چلن پر پردہ

اپنے نئے شہر کی تعمیر کے لئے مصالح پرہاس پور کے عظیم کھنڈرات سے حاصل کیا تھا۔ اور ممکن ہے ان مندروں کا مصالح بھی وہیں سے لیا ہو۔ دیکھو نوٹ ع ضمیمہ کتاب ہذا۔ و ترنگ ۴ شلوک ۱۹۴ تا ۲۰۴۔ ان کھنڈرات کے محل وقوع اور پٹن کے درمیان کم و بیش صرف سات میل کا فاصلہ ہے اور پمب سر کی دلدلی زمینوں کو کشتی میں بیٹھ کر بہ آسانی عبور کیا جا سکتا ہے۔

۳۸۷؎ ابھی نوگپت اور اس کے بعد کے کشمیری مورخوں نے ایک شخص بھٹ نایک نامی کے متعلق لکھا ہے کہ وہ الکار کا مصنف ہو گذرا ہے۔ دیکھو پروفیسر بوہلر کی رپورٹ صفحہ ۶۴-۶۷۔ اور "کیٹا لوگس کیٹا لوگورم" صفحہ ۲۸۷۔ سوال پیدا ہوتا ہے کیا یہی وہ شخص تھا جس کا اوپر کے شلوک میں ذکر آیا ہے۔ اس کا کوئی شافی جواب نہیں مل سکتا۔ البتہ کیٹا لوگس کیٹا لوگورم میں اس نام کے اور کسی مصنف کا ذکر نہیں آتا۔

۳۸۸؎ پٹن جس کے لفظی معنے شہر کے ہیں یہاں شنکرورمن کے شہر کے لئے استعمال

ڈال دیا (جوان ہوتے ہی وہ مرگیا) اس لئے ان دونوں نے اس کی جسقدر تربیت کی اس پر کچھ حرف نہیں آسکتا۔ اور معاملہ کی یہ صورت رہ گئی گویا انہوں نے انڈے کے اندر چھپے ہوئے کسی سانپ کی پرورش کی ہو۔

راجہ شورورمن اوّل

سنہ ۹۳۳ء تا سنہ ۹۳۴ء

اس کے بعد لوکک سمت ۴۰۰۹ (سنہ ۹۳۳-۳۴) میں تنترن لوگوں نے چکرورمن کو مغلوب کر کے شورورمن کو جو رانی مرگاوتی کے بطن سے پنگو کا بیٹا تھا راجہ بنا دیا اس کے چچوں اور وزیروں نے جنہیں اس کے ساتھ کوئی محبت نہ تھی اور صرف

ہوا ہے۔ کلہن نے اس کے متعلق جو کیفیت بیان کی ہے کہ یہاں ایک منڈی ہوا کرتی تھی اور اس کے علاوہ اس کی کسی مزید دلچسپی کا ذکر نہیں کیا وہی بات زمانہ حال کے شہر پٹن پر عائد ہوتی ہے جہاں ایک خاصہ بڑا سا بازر ہے اور گذشتہ بندوبست کے بعد یہ شہر ایک تحصیل کا صدر مقام بن گیا ہے۔

۲۰۹ کلہن نے یہاں پر جن انتظامی تفاصیل کا ذکر کیا ہے انہیں پورے طور پر سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ مسٹر لارنس کی کتاب "ویلی" کے باب ۱۷ بہ عنوان انتظام قدیم کے صفحہ ۳۹۹ کا مطالعہ کیا جائے۔ اس شلوک اور نیز ترنگ ۷ کے شلوک ۱۲۰۱، ۸۰۸ اور ترنگ ۸ کے شلوک ۲۲۲۴ و ۲۵۱۳ کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ٹیکس کا وہ پیچیدہ طریقہ جو زمانہ حال تک کشمیر میں مروج تھا جس کی رو سے تمام پیداواروں اور نیز فتوں پر محصولات لئے جاتے تھے اور سرکاری ٹھیکوں اور بیگار کو اس میں بہت کچھ دخل تھا وہ یہاں نہایت قدیم زمانہ سے چلا آتا تھا۔ ابوالفضل کی کتاب آئین اکبری کی جلد صفحہ ۳۶۶

اپنے ہی فائدہ کو مدنظر رکھتے تھے چونکہ تنترینوں کو ان کا حق واجب الادا نہ دیا اس لئے یہ راجہ جلدی ہی مغلوب ہو گیا۔ ہر چند کہ یہ راجہ نیک چلن تھا تاہم انعام نہ دینے کی وجہ سے تنترینوں نے اسے ویسا ہی ناپسند کیا جیسے فاحشہ عورتیں اس نیک صفات مرد کو جو انہیں قیمتی چیزیں نہ دے سکے ناپسند کرتی ہیں۔

راجہ پارتھ (بار دوئم)

۹۳۴ تا ۹۳۵ء

جب ایک سال گذر گیا تو تنترن پیادہ سپاہیوں نے شور ورمن کو معزول کر دیا اور اپنے نفع کو مدنظر رکھ کر فیاض پارتھ کو پھر ایک بار راجہ بنا دیا۔ سام وتی نلمی

ہیں اکبر کے زمانہ میں اس وادی کے مختلف حصوں کی مالگذاری کا بیان موجود ہے۔ لیکن اسکی مفصل کیفیت مذکور نہیں۔ ۱۸۷۱-۷۲ء میں دیہات اور شہر کی آبادی سے جو ٹیکس واجب الادا تھے اُن کی عجیب و غریب تفاصیل کے لئے دیکھو اُس سال کی آمدنی کا سرکاری تخمینہ مذکور کتاب "ویلی" مصنفہ مسٹر لارنس صفحہ ۲۳۶۔

اس تخمینے کو دیکھنے سے اُن ٹیکسوں کی کیفیت معلوم ہوتی ہے جو منڈیوں کی دوکانوں اور کاریگروں سے وصول کئے جاتے تھے۔ ممکن ہے ایسے وسائل کی آمدنی جمع کرنے کا کام شنکر ورمن کے نئے قائم کردہ صیغہ "ات پتی بھاگ" کے سپرد ہوا ہو۔

صیغۂ گرہ کرتیہ میں جو آمدنی ہوا کرتی تھی اس کا ذکر کسی قدر شلوک ۱۷۶ میں آتا ہے ممکن ہے۔ اُس میں وہ محصولات بھی شامل ہوں جو شادی۔ یگیو پویت وغیرہ کے موقعوں پر وصول کئے جاتے تھے۔ اس قسم کے محصولات کا ذکر ترنگ ۸ کے شلوک ۱۴۲۸ میں آتا ہے۔ گرہ کرتیہ ادہی کار کا دوبارہ حوالہ ترنگ ۷ کے شلوک ۴۲ میں دیا گیا ہے۔

ایک فاحشہ عورت راجہ پارتھ کی داشتہ تھی جس نے سازش کے کاموں میں مہارت رکھنے کے باعث تنتریوں کو اپنا طرفدار بنالیا تھا اس نے سیئیشور[۳۹۰] سوامی شوجی کا مندر بنوایا۔

راجہ چکرورمن (بار دوئم)

۹۳۵ء

اس کے بعد لوکک سمت ۱۱[۴۰۱] (۹۳۵ء) میں چکرورمن کو جو وقت کا منتظر تھا اور بڑے بڑے انعامات دینے پر آمادہ تھا دوبارہ راجہ بنادیا گیا۔ میرووردہن کے بیٹوں کو قبل ازیں پارتھ اور دوسرے راجاؤں کو بیدخل کرنے کی سازشوں

نوٹ ۳۹۰ ان مندروں کے متعلق یہی کہا جاسکتا ہے کہ انہیں سنین ماسبق کے راجہ یا اُن کے رشتہ دار تعمیر کرا چکے تھے۔ اس قسم کے مندر اب بھی کشمیر میں موجود ہیں جو براہ راست مہاراجہ کے زیر اختیار رہیں۔

نوٹ ۳۹۱ اس شلوک سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ راجہ نے وہ گاؤں واپس لے لئے جو بطور اگرہار کے مندروں سے متعلق تھے۔ اور جن کے متعلق یہ سمجھوتہ چلا آتا تھا کہ اُن گاؤں کی مالگذاری کے عوض کوئی مقررہ رقم ادا ہوتی رہے۔ بعد میں ان گاؤں کو براہ راست سالی انتظام میں لے لیا گیا۔ کشمیر میں اس قسم کی مثالیں نایاب نہیں ہیں جنہیں راجہ زمین کے ٹکڑوں پر براہ راست خود کاشت کاری کرتا ہو۔ اصطلاح میں ایسے رقبوں کو خود کشت کہتے ہیں۔ اس قسم کا طریق عمل مہاراجہ گلاب سنگھ نے بھی اختیار کیا تھا۔ کشمیر پر قبضہ پاتے ہی ا... نے وہ ساری جاگیریں واپس لے لیں جو عہد مغلیہ۔ افاغنہ و سکھ میں عطا کی گئی تھیں۔ اور ...یک دھرم ارتھ فنڈ قائم کرکے ان جاگیروں کی بجائے بہت کم معاوضہ مقرر کردیا

میں بہت کچھ نفع حاصل ہو چکا تھا۔ گو انہوں نے مختلف حیثیتوں میں رہ کر انہیں راجاؤں سے سامان معاش حاصل کیا تھا۔ وہ اس کے باپ اور بھائی کو بے دخل کر چکے تھے اور ایک لڑکی (مرگاوتی) شادی میں دیکر انہوں نے بار بار ان کے تعلقات کو ضرر پہنچایا تھا لیکن باوجود اس کے کہ اُنکے عیوب ظاہر تھے اس اوندھی عقل کے راجہ نے انہیں معزز عہدوں پر ممتاز کردیا۔ اس نے شنکرورمن کو اکش پٹل کا سپرنٹنڈنٹ اور جھوٹے اور چالباز شنبھو ورمن کو گرہ کرتیہ کے دفتر کا انچارج بنا دیا۔ چونکہ روپے کی قلت کی وجہ سے وہ تنتریوں کو ہنڈیوں کا روپیہ ادا نہ کرسکتا تھا اس لئے اسی سال ماہ پوس میں ڈر کر فرار ہوگیا۔ جن دنوں وہ (چکرورمن) مدوراج میں ٹھہرا ہوا تھا شنکرورمن نے جو تخت کا خواہشمند تھا شمبھو وردہن کو اس غرض سے بھیجا کہ تنتریوں سے جا کر عہد و پیمان کرے۔

۳۹۲ اس شلوک کے معنے مشتبہ ہیں اور اصل عبارت بھی ناقص معلوم ہوتی ہے چاولوں اور دوسری اجناس کی صورت میں معاوضہ ادا کرکے ہلکے اوزانکے ذریعے معطیوں کو باقاعدہ دھوکہ دیتے رہنا اہلکاران سرکاری کے لئے بالکل سہل تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعض اور چیزیں جو جنس کی صورت میں دی جاتی تھیں انہیں اس ناواجب تخفیف کے لئے ایک عذر قرار دے لیا گیا تھا۔

کشمیر میں تھوڑی مدت گذری اس وقت تک مالگذاری جنس میں وصول کی جاتی تھی۔ جیسا کہ آئین اکبری کی جلد ۲ صفحہ ۳۶۶ سے واضح ہوتا ہے یہ طریقہ بظاہر نہایت قدیم تھا اس سے تمام اہلکاروں کو ناواجب مداخلت کے جو موقعے مل جاتے تھے ان کا مسٹر لارنس نے اپنی کتاب ویلی کے صفحہ ۴۰۹ پر نہایت دلچسپ طریقے پر ذکر کیا ہے۔ اس طریق میں جو خرابیاں تھیں ان میں درجہ اول پر اوزان کی کمی تھی۔

راجہ شمبھو وردہن

سنہ ۹۳۵ تا سنہ ۹۳۶ء

لیکن شمبھو وردہن نے شنکر ورمن کو دھوکا دیا اور سب لوگوں کے ساتھ بڑی بڑی رشوتوں کے وعدے کر کے انہیں اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ اسے تخت پر بٹھا دیں۔ تمی مچھلی گو مقدس پانی میں رہتی ہے تاہم اپنی ہی جنس کی مچھلیوں کو کھاتی ہے۔ بگلا ہر چند کہ ایک تارک الدنیا کی طرح خاموش رہتا ہے تاہم وہ تمی کو تاک لگا کر پکڑتا اور اُسے کھا جاتا ہے۔ شکاری جو ایک عابد کی طرح جنگل میں رہتا ہے بگلے کو مار ڈالتا ہے۔ اس طرح پر گویا ایک دوسرے سے

شلوک ۳۹۴ ان شلوکوں میں غالباً پہلی مرتبہ اس طریق کا حوالہ ملتا ہے جو کار بیگار کے نام سے ریاست کشمیر کے انتظام میں آ جتک قائم چلا آتا ہے۔ ملک چونکہ ناہموار ہے اور مناسب سڑکیں موجود نہیں اس لئے بوجھ اُٹھانے کے دوسرے طریقوں پر کلیوں کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اس سے اہلکاروں کو جبر و تعدی کا بہت سا موقعہ مل جاتا ہے۔ کشمیر میں بیگار کے متعلق جو بے شمار خرابیاں پائی جاتی ہیں ان کا ذکر پوری وضاحت کے ساتھ مسٹر لارنس نے اپنی کتاب ویلی کے صفحہ ۴۱۱ پر کیا ہے۔ چونکہ کوئی خاص مزدور پیشہ جماعت موجود نہیں اس لئے مال لے جانے کا سارا بوجھ دیہاتیوں پر پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس وادی کے باہر مختلف اوقات میں جو مہمیں اختیار کی جاتی رہی ہیں ان میں دیہاتی اس خیال سے بہت خوف زدہ ہوا کرتے تھے کہ انہیں پہلے سے زیادہ بوجھ اُٹھانے کی ضرورت پڑیگی۔ جب تک گلگت کی سڑک نہیں بنی تھی یہ حال تھا کہ جب کبھی فوجیں اس راستہ سے آتی جاتی تھیں تو دیہاتیوں میں یہ خبر سنکر بھاگڑ مچ جاتی تھی۔ دیکھو کتاب

زیادہ قریب کا سلوک کر کے اس پر غالب آتا ہے۔ ایک موقعہ پر چکروَرمن اپنا تخت گنوانے کے بعد مشہور ڈامر سنگرام کے گھر جو سری مڈہک[۴۱۵] میں رہتا تھا پہنچا ڈامر نے اس راجہ کو اس کی وجاہت سے پہچان لیا اور ہاتھ جوڑ کر نمسکار کرنے کے بعد اُسے اپنی جگہ بیٹھنے کو دی۔ جب وہ اپنی سلطنت کے ہاتھ سے نکل جانے کے متعلق سارے حالات بیان کر چکا اور مدد کا طلب گار ہوا تو ڈامر نے جس کا خیال تھا کہ یہ صرف مصیبت کے باعث مہربان ہوا ہے با ادب کہا "کیا میدان جنگ میں تنتریوں یا گھاس کے تنکوں کو گنا جا سکتا ہے؟ پھر بھی وہ کونسا کام ہے جس میں میں آپ کو مدد دینے کے لئے تیار نہیں۔ لیکن یقیناً جب آپ کو اختیارات حاصل ہو جائینگے تو آپ ہمیں مروا ڈالینگے۔ کیونکہ راجاؤں کا مطلب جس وقت پورا ہو جائے تو وہ اپنی مدد کرنے والے کو

"ڈیلی" صفحہ ۴۱۳ ایسے موقعوں پر بوجھ اُٹھانے والے دیہاتیوں کو جو تکالیف برداشت کرنی پڑتی تھیں ان کا ذکر کلہن نے ترنگ ۸ کے شلوک ۲۵۱۳ میں کیا ہے۔

بلاشبہ شنکرورمن ہی پہلا راجہ نہ تھا جس نے اسباب کو ایک مقام سے دوسرے تک پہنچانے کے لئے بیگار کا طریق مروج کیا البتہ اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اس کے عہد میں یہ طریق باقاعدہ طور پر منظم ہوگیا۔ اور اس ذریعے لوگوں سے روپیہ بھی وصول کیا جاتا رہا۔ جیسا کہ اوپر کے شلوک میں بیان کیا جا چکا ہے۔ جب کبھی دیہاتی اپنے اپنے حصہ کا بوجھ اُٹھانے نہ آتے تھے تو انہیں اس بوجھ کی بڑھائی ہوئی قیمت کے حساب سے جرمانہ کیا جاتا تھا اور یہی جرمانہ دوسری مرتبہ اگلے سال سارے گاؤں سے وصول کیا جاتا تھا۔ جس تیرہ قسم کی بیگار کا ذکر اوپر آیا ہے اس کی کچھ تشریح نہیں ہو سکتی۔ ترنگ ۷ کے شلوک ۱۰۸۸ میں ذکر آتا ہے کہ مندروں کے پروہتوں کو بیگار سے مستثنیٰ قرار دیا جاتا تھا۔ ممکن ہو سکتا ہے کہ زمانہ حال کی بیگار کی طرح اس زمانہ میں بھی اہلکار گاؤں سے چیزیں

۴۱۶

فراموش کر دیتے ہیں۔ جس طرح لکڑ ہارا کسی درخت سے اُترتا ہے تو انہیں شاخوں کو کاٹ ڈالتا ہے جنہوں نے اسے چڑھنے میں مدد دی تھی۔ یہی حال راجاؤں کا ہے۔ جس شخص کی مدد اور استقلال سے راجہ کو عروج حاصل ہو اُس سے وہ انہیں صفتوں کے باعث کہ مبادا یہ میرے زوال کا باعث ثابت ہوں خائف رہتا ہے۔ ایامِ خوشحالی میں راجہ اُن شخصوں کی گذشتہ خدمات کو فراموش کر دیتا ہے جنہوں نے اسے خطرے کے وقت مدد دی تھی اور اگر اتفاقیہ طور پر ان سے کوئی قصور سرزد ہو جائے تو اُسے یاد رکھتا ہے۔ جب راجہ بااختیار ہو جاتے ہیں تو وہ مارے شرم کے انہیں لوگوں کو مروا ڈالتے ہیں جنہوں نے انہیں بیماری۔ بھوک۔ تکلیف یا دشمن سے اندیشے کی حالت میں دیکھا ہو۔ راجہ خواہ نیک بھی ہو تاہم اُس سے کسی بات کی توقع نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ

لیکر انکی قیمت ادا نہ کیا کرتے ہوں دیکھو کتاب ویلی صفحہ ۴۱۴۔

۳۹۴ گرام کایستھ غالباً زمانہ حال کے پٹواریوں کی بجائے کام کرتے تھے۔ آخر الذکر وہ دیہاتی محاسب ہوتا ہے۔ جس کے پاس مختلف اہل دہ کی اراضی کے رقبے اور مالگذاری کی تفصیلات موجود ہوتی ہیں دیکھو کتاب ویلی صفحہ ۴۰۰ و ۴۲۶۔ سکندک کے معنے مشتبہ ہیں۔ یہ لفظ "سمہ ماتر کا" کے ادھیائے ۲ شلوک ۱۵ میں بھی آتا ہے شائد اس سے مراد گاؤں۔ کے مقدم یا نمبردار سے ہوا کرتی تھی جو مالگذاری کی ادائیگی کا براہ راست ذمہ وار ہونے کی حیثیت میں زمانہ قدیم سے دیہاتی انتظام کا ایک ضروری جزو چلا آتا ہے۔ دیکھو کتاب ویلی صفحہ ۴۴۷۔

۴۸۳ میں کشمیر کے ایک گاؤں میں جو ٹیکس وصول کئے جاتے تھے ان میں باقاعدہ مالگذاری کے علاوہ ایک پٹوار ایک تا نونگو ٹیکس اور ایک عملے کا ٹیکس نظر آتا ہے۔ دیکھو کتاب ویلی صفحہ ۴۱۵۔ یہ ٹیکس بظاہر اُن محصولات سے مشابہ ہیں جن کا ذکر

بڑے مشیر ہمیشہ دوسروں کی برائی ہی کہتے ہیں ممکن ہے کہ دن کے وقت راجہ کے دل کو برائی سے پاک رکھا جائے لیکن اسبات کی قدرت کسے حاصل ہے کہ رات کے وقت اس کی رانی جو کچھ اسے سکھائے اُسے اس کے دل سے دور کر سکے؟ دن بھر جسقدر باتیں بمشکل اس کے اندر داخل کی جاتی ہیں اُسے راجہ ایک سفید گدھے کی مانند بالکل بھول جاتا ہے۔ ہر شخص جو راجہ کے پاس پہنچتا ہے پہلے اس کی حرص کا اور اس کے بعد قضا کا نشانہ بنتا ہے۔ راجہ صرف ان لوگوں کو مرواتا ہے جو اس کے پاس ہوں نہ کہ دور رہنے والوں کو۔ کوئی شخص راجاؤں کی بُری رغبتوں کو جو مناسب موقعہ پر ظاہر ہوتی ہیں قبل از وقت نہیں جان سکتا شیر جب کسی کو مارنے لگتا ہے تو جھک جاتا ہے۔ سانپ جب کسی کو کاٹتا ہے تو اول اُسے لپٹ جاتا ہے اور شیطان کسی کو تباہ کرتے وقت مسکراتا

مذکورہ بالا شلوک میں آیا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عہد مغلیہ سے بہت مدت پہلے دیہاتی اہلکاروں کا تقرر چلا آتا تھا۔ گو عام طور پر لوگ اسے عہد مغلیہ سے ہی منسوب کرتے ہیں۔ دیکھو سٹر لارنس کی کتاب ویلی صفحہ ۱۹۰۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۲۳۸۳ میں ایک برہمن کے لئے بھی لفظ کائستھ استعمال ہوا ہے۔

۳۹۵ کلہن نے دور کا لفظ ترنگ ۵ کے شلوک ۱۱۱ و ۱۱۹ اور ترنگ ۸ کے شلوک ۱۳۱ میں بھی استعمال کیا ہے۔ اور پروفیسر بوہلر نے اس کی تشریح اپنی کتاب "انڈین اینٹی کوئٹی" جلد ۶ صفحہ ۱۰ میں کی ہے۔ اس جگہ پر لوک پرکاش کی جن عبارتوں کا حوالہ دیا گیا ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ دور اس قسم کے اہلکار ہوا کرتے تھے جن کا کام زیادہ تر لکھائی اور حساب کے متعلق ہوا کرتا تھا۔ اسی ماخذ سے نکلا ہوا لفظ دبیر فارسی میں لکھنے والے یا سکرٹری کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

اس جگہ پر جس شخص کے لئے لفظ لوت کا استعمال ہوا ہے وہ بظاہر وہی ہے جس کا

کرتا ہے۔ ایسے ہی راجہ لوگ بھی جن کی تعریف کرتے ہیں اُنہیں کو قتل کروا دیتے ہیں۔ پس اگر آپ وعدہ کریں کہ ہمیشہ ہم پر مہربانی کی نظر رکھیں گے تو میں کل ہی فوج لیکر آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔"

ان الفاظ کو سنکر راجہ نے اضطراب کے ساتھ مسکرا کر جواب دیا۔ "تم جو سب سے پہلے میری مدد پر آمادہ ہوئے ہو میں اپنی جان کی طرح تمہاری حفاظت کرونگا۔" اس کے بعد راجہ اور ڈامر نے تلوار ہاتھ میں لئے بھیڑ کی خون آلودہ کھال پر پاؤں رکھ کر کوش کے طریق پر حلف اُٹھایا۔ اور دوسری صبح چکرورمن لا انتہا خونخوار ڈامروں کو یکجا کر کے دارالسلطنت کی طرف روانہ ہوا۔

چکرورمن کا تنتریوں کو مغلوب کرنا

ادھر سے ماہ چیتر کے شکل پکش کی آٹھویں تاریخ کو تنترن

ذکر ترنگ ۵ کے شلوک ۲۰۵ اور ترنگ ۸ کے شلوک ۲۶۳ میں ایک بوجھ اُٹھانے والے کی حیثیت میں کیا گیا ہے۔ معلوم نہیں گنج کا لفظ بھی اسی پیشے کے متعلق استعمال ہوا ہے یا نہیں۔ گنج ور سے مراد بلاشبہ خزانچی ہے۔ کتاب لوک پر کاش کے شروع میں اہلکاروں کی جو فہرست دی گئی ہے ان میں گنج ور کا لفظ کوشٹ ادھی پتی اور گنج ادھی پتی کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔

۳۹۶ــ۵ بلٹ کے متعلق مشہور ہے کہ اس نے بلٹ شتک اور پد منجری نامی ایک لغات کی کتاب مرتب کی تھی۔ اس کا حوالہ کھیم اندر نے کئی جگہ دیا ہے دیکھو کتاب کیٹالوگس کیٹالوگرام صفحہ ۳۹۷۔

۳۹۷ــ۵ کلہن نے اس جگہ یہ بیان نہیں کیا کہ دو ہزار دینار کا معاوضہ کتنی مدت کے لئے ملتا تھا۔ ترنگ ۴ کے شلوک ۵۹۵ کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں روزانہ معاوضے سے مراد لی گئی ہے۔ دینار کی جو کیفیت نوٹ ع۹ ضمیمہ کتاب ہٰذا

قوم کے پیادہ سپاہی شنکرورد ہن کو اپنا رہبر قرار دیکر میدان جنگ میں نکلے۔ چکرورمن کی شخصی شجاعت اب تک مناسب موقعہ کے انتظار میں چھپی ہوئی تھی اور فریق ثانی نے مقابلے میں آتے وقت اس کا خیال نہ کیا تھا اب اس نے اسے ظاہر کرنا شروع کیا۔ پدم پور کے باہر خوفناک لڑائی شروع ہوئی اور اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاکر سب سے پہلے شنکرورد ہن کو قتل کیا۔ جب تنتزن فوج کا رہبر کام آگیا تو خود فوج بھی سینکڑوں اطراف میں منتشر ہو گئی۔ اس کی حالت اس وقت بعین ہی اس جہاز کی مانند تھی جو سمندر کے خوفناک طوفان میں تھپیڑے کھا رہا ہو۔ چکرورد ہن نے جو تیز رفتار گھوڑے پر سوار تھا تعاقب کر کے ان کا راستہ روک دیا۔ اور اُن کے سروں کو اپنی تلوار کے ذریعے صفوں کی صورت میں کاٹ ڈالا۔ جس وقت چکرورمن میدان جنگ میں دوڑتا پھرتا تھا تو اُس کے

میں دی گئی ہے اُسے مدنظر رکھ کر دیکھا جائے تو زمانہ حال کے خیالات کی رو سے یہ رقم چنداں زیادہ نہیں۔

ش ۳۹۸ یہاں دارو ابھیسار کے جس راجہ کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد غالباً وہی نرواہن ہے جو خاندان لوہر کے شجرہ نسب میں راجہ نروا لئے دارو ابھیسار کے بیٹے کے طور پر مذکور ہے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ داستان کے سلسلہ میں یہ بات کہیں معلوم نہیں ہوتی کہ دارو ابھیسار کا راجہ جو شنکرورمن کے جنوبی مہم اختیار کرنے پر پہاڑوں میں چھپ گیا تھا اب کیونکہ اس راجہ کے قابو میں آگیا۔

ش ۳۹۹ دواراد ھیپ کے لفظی معنے درے یا دروں کے مالک کے ہیں اور اس کے مترادف الفاظ دوارپتی۔ دوارایش۔ دوار دھیشور۔ دوار نایک۔ دوار ادہی کارن وغیرہ اس کتاب میں جا بجا مختلف موقعوں پر استعمال ہوئے ہیں۔ ٹرائر اور لاسن صاحب نے اس کے معنے چیف چیمبرلین کے لئے ہیں اور مسٹر جوگیش چندرت نے دوار نامی

سر کی پگڑی (سیر پیٹ) کی جھالریں شیر ببر کے گھنے ایال کی مانند دکھائی دیتی تھیں۔ غرض کہاں تک بیان کیا جائے پانچ چھ ہزار تنتری لوگ تھوڑے عرصہ میں میدان جنگ کے اندر کام آئے اور چکرورمن نے انہیں لڑائی کے گھمسان سے نکال کر زمین پر گدھوں کے سایہ میں آرام کی نیند سلا دیا۔ بہادر شنکر ورمن نے سوا اپنے شریف النسل اور ستودہ صفات مردہ ہمراہیوں کے بہادروں کے بستر (میدان جنگ) کو مزین کیا۔ تنتریوں پر کسے رشک نہیں آتا جنہیں اپنے اتحاد کے باعث کامیابی حاصل ہوئی تھی اور جو متحدہ صورت میں ہی اپنے انجام پر پہنچ گئے۔ بُری زندگی والے تنتریوں نے اس سے پہلے ظالم سپیروں کی طرح عزت کے مستحق ہونے والے اور اعلےٰ نسل کے شہزادوں کو پالتو سانپوں کی مانند بالکل محتاج بنا دیا تھا اور اپنے ذاتی فوائد کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر روز کے

کسی مفروضہ صوبہ کے منتظم کے۔ لیکن جب تمام شلوکوں کا غور کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو یہ امر یقینی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد اس افسر اعلےٰ سے تھی جس کے سپرد وادیٔ کشمیر کے دروں کا انتظام تھا۔ قبل ازیں نوٹ ۵۵ کتاب ہذا میں یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ اس قسم کے دروں کو دوار ہی کہا کرتے تھے۔

محولہ بالا نوٹ میں اس بات کا ذکر آ چکا ہے کہ تمام اوقات میں ان دروں کے انتظام کو کس قدر اہمیت دی جاتی رہی ہے۔ کشمیر کے چاروں طرف پہاڑ اس طرح عظیم دیواروں کی صورت میں کھڑے ہیں کہ کسی غیر ملکی حملہ آور کو داخل ہونے کے بہت ہی کم راستے مل سکتے ہیں۔ موجودہ صدی تک کی تاریخ کشمیر سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان راستوں ہی کی محافظت پر ساری وادی کی محافظت کا دارومدار ہوتا تھا۔ اس سے ہم بہ آسانی سمجھ سکتے ہیں کہ ان دروں کی محافظت اور مقامات نگرانی کا نام انتظام کس لئے ایک خاص افسر اعلےٰ کے سپرد کیا جاتا تھا۔

نئے نئے مطالبات سے چالاکی کے ذریعے انہیں شرمساری کی نوبت تک پہنچا دیا تھا چکرورمن کو اس حقارت آمیز سلوک پر سخت غصہ تھا اور اس نے ایک لمحہ میں انہیں اس طرح تباہ کر دیا گویا کہ وہ ایک بڑا سانپ تھا اور اس کی خفیہ نفرت تیز زہر کا درجہ رکھتی تھی۔

راجہ چکرورمن (بار سوئم)

۹۳۶ء تا ۹۳۷ء

اس کے بعد اگلے روز جبکہ بہادر شمبھو وردہن تنتریوں کی منتشر جمعیت کو جمع کر رہا تھا چکرورمن اپنی فتح کی شان و شوکت میں باجگذار روالیاں ریاست وغیرہ

یہ بات کہ دوارادھیپ یا دوارپتی وغیرہ کے نام کے افسروں کا کام یہی ہوا کرتا تھا۔ آخری دو ترنگوں کے بعض بعض شلوکوں سے واضح ہوتی ہے۔ چنانچہ ترنگ ۸ کے شلوک ۲۲۴ میں یہ بات بوضاحت بیان کی گئی ہے کہ جس شخص کے سپرد دوار کا انتظام ہوتا تھا اُس کے اندر سپاہیانہ صفات کا ہونا ضروری خیال کیا جاتا تھا۔ اور یہ بھی لازم ہوتا تھا کہ وہ کڑے سے کڑے فرائض کی انجام دہی میں پہلوتہی نہ کرے۔ ترنگ ۷ کے شلوک ۲۱۰ میں دوارادھی کار کے نام کے افسر کا ذکر آتا ہے جو کھش قوم سے لڑتا ہوا بہادری سے جان دیتا ہے۔ قبل ازیں نوٹ ۱۲۳ کتاب ہذا میں یہ بات جتلائی جا چکی ہے کہ اس قوم کے لوگ وادیئے کشمیر کے جنوب مغربی علاقوں پر قابض تھے اور ہمیشہ یہاں کے حکمرانوں کو تکلیف دیتے رہتے تھے۔ ترنگ ۷ کے شلوک ۹۷۷، ۹۷۶، ۹۷۵ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دنت کا افسر بہادر کزرپ راجپوری اور دوسرے سرحدی علاقوں کی مہموں میں اکثر مصروف رہا کرتا تھا۔ اُس کے جانشین کے متعلق یہ بات خاص طور پر قابل نوٹ ہے کہ وہ چونکہ دولت مند تھا اس لئے ایک بہت

اور ایکانگوں کے حلقے میں گھرا ہوا جو اس کے ساتھ شامل ہو چکے تھے شہر کے اندر داخل ہو گیا اس کی فوجیں جو نعرے مارتی ہوئی مختلف سڑکوں پر چل رہی تھیں افق تک پھیلی ہوئی تھیں اپنے سواروں کے حلقے میں وہ ایک اعلےٰ نسل کے گھوڑے پر جو ناچتا ہوا چلتا تھا سوار تھا۔

اس کے بائیں ہاتھ میں باگ تھی اور جب کبھی اُس کا خود نیچے کو سرک جاتا تھا تو یہ اُس ہاتھ سے اُسے اوپر کو اُٹھا دیتا تھا۔ اس کے دوسرے پسینے سے تر ہاتھ میں تلوار تھی جس پر سورج کی روشنی منعکس ہو کر اس کے کانوں کے کنڈلوں پر پڑتی تھی۔ اس کے تند چہرے پر بھوؤں میں بل پڑے ہوئے تھے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ بلند زرہ اس کی گردن کو تکلیف دے رہی ہے۔ اس کے چہرے کو دیکھکر ہر شخص کو خوف آتا تھا۔ جن لٹیروں نے دو کانوں وغیرہ کو

بڑی مسلح جماعت قائم رکھ کر اپنے فرائض کو سرانجام دے سکتا تھا۔ بعد ازاں جب کندرپ نے دوبارہ دورے کا چارج اپنے ہاتھ میں لے لیا تو جیسا ترنگ ، کے شلوک ۹۶۶ و ۱۸۵ سے ظاہر ہوتا ہے اس نے بھون راج نامی مدعی حکومت کو کامیابی کے ساتھ داخل ہونے سے روکا تھا۔ اسی نے باغی شہزادہ وجے مل کو علاقہ درد کی سڑکیں بند کر کے فرار ہونے سے روکے رکھا تھا۔ دیکھو ترنگ ، شلوک ۹،۱۰۔ خاندان شاہی کے ایک رکن مل نے جبکہ کلش کے ماتحت اُسے عارضی طور پر دوارپتی کا عہدہ حاصل تھا پاس کے والیان ریاست سے جنگ کی تھی اور جیسا کہ ترنگ ، کے شلوک ۴،۵ سے واضح ہوتا ہے اُرشا پر بھی حملہ کیا تھا۔ ترنگ ، کے شلوک ۱۱۷۲ میں ایک اور دورے کے افسر کا ذکر ہے جس نے ایک سرحدی قلعے کے حاکم پر اپنے عدالتی اختیارات سے کام لیا تھا۔

ترنگ ، میں جا بجا مختلف دورے کے حاکموں کے متعلق ذکر آتا ہے کہ انہیں فوجی اختیارات بھی حاصل ہوتے تھے بالخصوص سرحدی علاقوں کے فسادات کے متعلق دیکھو

لوٹ لیا تھا انہیں اس نے نفرت آمیز الفاظ سے دھمکایا۔ اور اپنے سر اور آنکھوں کے اشارہ سے خوف زدہ اہل شہر کو تسلی دی۔ فوجی نقاروں کی آواز سے جس کے باعث اہل شہر کی دعائیں سنی نہ جاتی تھیں کان بہرے ہوئے جاتے تھے۔

جس وقت راجہ فتح کی خوشی میں عظیم الشان تخت پر بیٹھا تو بھوبھٹ شمبھو وردہن کو پابزنجیر کئے اس کے سامنے لایا۔ اور اپنی وفاداری کے اظہار کے لئے چنڈال کی طرح راجہ کے سامنے ہی گرفتار شمبھو وردہن کو جس نے مارے ڈر کے آنکھیں بند کرلیں تھیں قتل کر ڈالا۔ شمبھو وردہن کے بعد نوکروں نے مقدس قانون کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دغابازی سے راجاؤں کو جن کی عزت انہیں باپ کی طرح کرنی چاہئے تھی قتل کرنا شروع کر دیا۔

ترنگ ۸ شلوک ۵۷۴ ۔ ۵۹۲ ۔ ۷۴۲ ۔ ۱۰۰۵ ۔ ۱۸۳۲ ۔ ۱۹۲۷ ۔ ۲۲۰۱ ۔ ۲۵۰۳ وغیرہ۔

دوار کے عہدے کے متعلق اکثر تبدیلیوں کا ذکر کرتے ہوئے کلہن جس قسم کے فقرات استعمال کرتا ہے (مثال کے طور پر دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۵۷۰ و ۵۹۷ و ترنگ ۸ شلوک ۶۴۳ ۔ ۲۵۴۴) ان سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ عام طور پر درے کا چارج صرف ایک ہی شخص کے سپرد رہ سکتا تھا۔ اس سے بھی زیادہ تصدیق اس بارہ میں یہ ہے کہ آخری دو ترنگوں میں جن جن دوار پتیوں کا ذکر آیا ہے ان میں کہیں یہ نہیں پایا جاتا کہ ایک ہی وقت میں کسی ایک درے کے ایک سے زیادہ افسران اعلے متعین تھے

یہ بات اس لحاظ سے زیادہ قابل غور ہے کہ اس سے وہ فرق ظاہر ہوتا ہے جو زمانہ ہنود کے دوار پتی اور زمانہ بعد کے مارگیشوں (راستوں کے محافظ) میں پایا جاتا تھا۔ مارگیشو کے لئے دوسرے الفاظ مارگپ۔ ادھوپ۔ ادھویش۔ مارگ پیش استعمال ہوئے ہیں اور عام طور پر ان کے متعلق صیغہ جمع ہی استعمال کیا گیا ہے۔ دیکھو سری ودکی راج ترنگنی

جب راجہ چکرورمن سلطنت کو اپنے دشمنوں سے پاک کر چکا تو تھوڑی مدت گذرنے پر ہی وہ نہایت مغرور ہو گیا اور ظالمانہ اور بُرے کام کرنے لگ گیا۔ چونکہ وہ اپنی بہادری کے کاموں کی مبالغہ آمیز کیفیت سنکر بہت خوش ہوا کرتا تھا اس لئے خوشامدیوں۔ بھٹوں اور چاپلوسوں کے ہاتھوں میں پڑ گیا۔ جھوٹی تعریفوں سے دھوکے میں آکر وہ اپنے آپ کو دیوتا سمجھنے لگ گیا اور اس قسم کے افعال سرزد کئے جن میں انصاف نام تک کو نہ تھا۔

رنگ نامی ڈوم کی رسائی دربار میں

اسی زمانے میں راجہ نے اپنے دربار کے استقبالی کمرے میں رنگ نامی ایک مشہور ڈوم گوئیے کو جو باہر سے آیا ہوا تھا شرف حضوری بخشا۔ دربانوں نے وزرا اور والیان ریاست کو درجہ بدرجہ بٹھا کر راجہ

ترنگ ۳ شلوک ۴۸۲ ترنگ ۴ شلوک ۱۳۷-۱۵۴-۲۲۵-۳۵۴-۳۵۴۔ ان سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے زمانہ کے ملکوں سے مراد لی گئی ہے۔ یہ ایک قسم کے باجگذار حکمران ہوا کرتے تھے جن کے سپرد خاص خاص دروں کا انتظام موروثی چلا آتا تھا۔ اور اُن دروں کے سرحدی علاقوں کے متعلق انہیں قلعہ بندسپہ مہیا کرنا پڑتی تھی جس کے عوض بعض بعض علاقوں کی آمدنی انہیں دی جاتی تھی دیکھو سٹائن صاحب کے نوٹ متعلقہ راستہ پیر پنچال صفحہ ۳۸۳ و ہوگل صاحب کی کتاب "کشمیر" جلد ا صفحہ ۳۴۷ و جلد ۲ صفحہ ۱۶۷۔

سکھوں کی فتح کے زمانہ تک ان ملکوں کے اختیارات اور حقوق نہایت وسیع ہوا کرتے تھے تاہم یہ بات صاف طور پر معلوم ہوتی ہے کہ ہمیں انہیں زمانہ قدیم کے درنگ آدھیپوں یا سرحدی مقامات کے کمان افسروں کی حیثیت میں سمجھنا چاہئے جن کا ذکر کلہن نے مختلف راستوں کے متعلق کیا ہے۔ درحقیقت یہ لوگ درے کے افسر ہوا

کے سامنے کھلی جگہ چھوڑ دی محفل چراغوں کی روشنی سے منور تھی جن کی چمک سفید پگڑیوں کی وجہ سے دوبالا ہو رہی تھی۔ اور ایسی معلوم ہوتی تھی جیسے شیش ناگ کی سیج سانپوں کی منیوں اور جواہرات سے جڑی ہوئی ہونے کے سبب جگمگاتی ہے۔ شام کی ٹھنڈی ہوائیں جو محل شاہی کی عورتوں کی معطر زلفوں سے چھو کر آتی تھیں ہر طرف خوشبو پھیلا رہی تھیں۔ گول کھڑکیوں کی قطاریں، رنواس کی اُن خوشدل اور آہو چشم عورتوں کے چہروں سے منور تھیں جو جلسۂ موسیقی کا لطف حاصل کرنے آئی تھیں۔ آخر کار وہ ڈوم گویا اپنے ہمراہیوں کے ساتھ جنہوں نے بالائیں۔ سنہری بازو بند۔ پونچیاں اور اور زیورات پہنے ہوئے تھے آگے بڑھا اس کی دو مست آنکھوں والی لڑکیوں ہنسی اور ناگ لتا نے یہ عالم کر دیا کہ حاضرین مارے حیرت کے گردنیں اُٹھا اُٹھا کر دیکھتے تھے۔ اور صورت نقش بدیوار

کرتے تھے جن کے سپرد وادی میں داخل ہونے کے راستوں کا انتظام ہوتا تھا۔

دوراپتی کا سرکاری عہدہ بظاہر ایک اعلےٰ درجہ کا ہوا کرتا تھا کیونکہ کلہن نے اس کا ذکر وزیر اعظم (سرواد ھیکار) کمانڈر انچیف (کمپن)، چیف جسٹس (راجستھان) اور عہدہ پادا گر کے ساتھ ساتھ کیا ہے۔ ترنگ ۷ کے شلوک ۱۱۷۸ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ عہدہ منڈلیش یعنی گورنر سے بڑا ہوا کرتا تھا۔ درے کے افسر کے متعلق کئی موقعوں پر لفظ دوار بھی استعمال ہوا ہے دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۳۶۴۔ ۵۷۸۔ ۵۹۵۔ ۸۸۴۔ ۱۱۷۸۔ ترنگ ۸ شلوک ۲۱۔ ۱۷۹۔ ۱۵۔ ۴۵۱؛ ۱۲۳۔ ۱۲۳۴۔ ۹۷۴۔ درحقیقت دوار یہاں پر دوار کا ریہ مذکورہ ترنگ ۷ شلوک ۱۱۷۷ و ترنگ ۸ شلوک ۲۹۲۔ ۹۰۷ یا دوارادھی کار مذکورہ ترنگ ۷ شلوک ۲۱۳ کا خلاصہ ہے۔ دیکھو لفظ کمپن کا استعمال جس کی تشریح نوٹ ع۳۲۳ کتاب ہذا میں کی گئی ہے۔ ترنگ ۷ کے شلوک ۲۳۲ میں جو کلش کی تاجپوشی کا ذکر مندرج ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوارپتی کے متعلق چیف چیمبرلین کے جو فرائض منسوب کئے جا رہے ہیں انہیں درحقیقت ایک اور

ش ۳۶۱

خاموش بیٹھے تھے۔ دوسری طرف جب ان لڑکیوں نے اپنی محبت بھری نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ دربار میں دوبارہ پھولوں کی بارش کر رہی ہیں۔ اس وقت ان کے گیتوں سے جو وہ راجہ کی تعریف میں "راجہ عرصہ دراز تک زندہ رہے"۔ "راجہ کو فتح حاصل ہو" گا رہی تھیں سارا دربار گونج رہا تھا۔ دونوں لڑکیوں نے بانسری پر پنچم کی سر قائم کی اور بغیر سر یا آنکھ کو حرکت دیئے اس طرح گاتی رہیں گویا کہ ایک ہی شخص گا رہا ہے۔ راجہ بغیر حرکت کرنے کے ٹکٹکی لگائے ان کی طرف دیکھتا رہا۔ لڑکیاں راجہ کے جذبات کو تاڑ کر زیادہ دلفریب طریقے پر گانے لگیں۔ اور طرفین کے خیالات کا تبادلہ نگاہوں ہی نگاہوں میں ہو گیا۔

درباریوں میں سے ایک نے راجہ کے خیالات کو محسوس کیا اور اس کے جذبے کو اس طرح اکسایا "مہاراج! جس طرح کافور سے میریا شراب میں خوشبو پیدا

سرکاری اہل کار سرانجام دیا کرتا تھا۔

ش ۴۰۰ ان شلوکوں میں جو تفصیلات دی گئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ شنکر ورمن کی مہم نے جو راستہ اختیار کیا وہ ویرانک کی تباہی کے بعد جنوب مغربی سمت میں تھا اس صورت میں ہمیں خیال پیدا ہوتا ہے کہ ویرانک کہیں پر وادیٔ وتستا میں درۂ بارہ مولا سے نیچے کی طرف واقع ہو گا۔ اس کی تصدیق ترنگ ۸ کے شلوک ۴۰۹ سے بھی ہوتی ہے جہاں ویرانک کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس جگہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب سسل تخت کشمیر پر قابض ہونے کے متعلق اپنی کوشش میں ناکام رہا تو اس نے عارضی طور پر ویرانک میں پناہ حاصل کر لی۔ جہاں کھش لوگ آباد تھے۔

وہ لڑائی جس میں سسل کو اس کے دشمن سلہن کی فوجوں نے شکست دی تھی وہ ہشک پور بارہ مولا کے قریب ہی لڑی گئی تھی۔ دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۳۹۰۔ انجام کار سسل نے ویرانک سے اپنا قلعہ لوہر واپس لے لیا۔ سسل کو وسط موسم سرما میں شکست

ہو جاتی ہے ویسے ہی ان دو لڑکیوں کے ہونٹوں سے نکلے ہوئے گیت سے بو لطیف آتی ہے۔ جس وقت وہ گاتی ہیں تو چاند ان کے سفید دانتوں کو بوسہ دیتا ہے۔ اس طرح پر وہ گویا اپنے انداز۔ راگ اور ترچھی نگاہوں سے دیوتاؤں کو بھی مست کر رہی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ جان کر کہ ہم ان کا ذکر کر رہے ہیں ہماری طرف دیکھتی اور مسکراتی ہے۔ اور دوسری سر جھکائے گا رہی ہے اس کی بالیاں حرکت کرتی ہیں اور وہ خود دلفریب انداز کر رہی ہے۔ وہ جوان واقعی خوش قسمت ہے جس کے ویراگ میں ایسی عورتیں گا رہی ہیں۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ شاستروں کے فرمان کے موجب ہر چیز تو منظور کر لی جائے مگر صرف ایک کو نظر انداز کر دیا جائے۔ خوبصورتی دیکھنا گناہ نہیں۔ نہ راگ سننا گناہ ہے پھر ایسی عورت کو چھونے میں کیا گناہ ہو سکتا ہے"۔

ہوئی تھی جبکہ وہ سڑکیں جو سلسلہ پیر پنجال سے لوہر کو جاتی ہیں بالکل رکی ہوئی ہونگی۔ اس موسم میں لوہر تک آمدورفت کا راستہ صرف ان نچلے دروں کے ذریعے ہوتا ہے جو حاجی پیر پنجال کے مغرب کی طرف واقعہ ہیں۔ اور آخرالذکر بارہ مولا سے نیچے وادیئے وتستا کو علاقہ برنوتس یا پرنتش سے ملاتا ہے دیکھو نوٹ ع۶ ضمیمہ کتاب ہذا متعلقہ لوہر و ترنگ ۴ شلوک ۱۷۷ اس لئے یہ امر اغلب ہے کہ سسل کی واپسی کا راستہ پہلے بجانب مغرب تھا اور جب وہ ویرانک سے فرار ہو کر لوہر پہنچا تو انہیں دروں میں سے کسی ایک کے ذریعے گیا ہوگا۔

ایک ٹیکا کار نے ویرانک کے متعلق دھارودیا یام ویرانکم کا لفظ استعمال کیا ہے لیکن مخفی نہ رہے کہ دھارودیا کا لفظ اور کہیں مستعمل نہیں ہوا۔ البتہ ترنگ ۵ کے شلوک ۲۲۵ کی جو شرح کی گئی ہے اس میں بولیاسک واقعہ دھارودتی کو بارہ مولا کے قریب قرار دیا گیا ہے۔ جس سے خیال پیدا ہوتا ہے کہ شائد اس سے مراد نچلی وادیئے وتستا کے کسی حصہ سے ہوگی۔ سٹائن صاحب کا بیان ہے کہ ماہ مئی ۱۸۹۶ء میں کشمیر جاتے ہوئے انہوں نے جو

درباری کی زبانی اس قسم کے الفاظ شنکر راجہ کا جذبہ جو پہلے ہی کچھ بے چین ہو رہا تھا اور بھی بھڑک اٹھا۔ جس طرح یا مل خچروں کو غلط راستہ پر لے جاتے ہیں ویسے ہی درباری اکثر راجاؤں کو بُرے راستہ پر ڈال دیتے ہیں۔ اگر خوشامدی درباری بیوقوفوں کو نہ بہکا سکیں تو پھر دوزخ میں کون جائے؟ راجہ نے جو رادھے (کرن) کی طرح فیاض تھا لیکن اس کی فیاضی غیر مستحق اشخاص کی طرف تھی ڈوموں کو ہار۔ کیور اور کنڈل بطور انعام کے دیئے اور خلوت میں چلا گیا۔

ان لوگوں پر دھتکار ہے جو معمولی گیتوں کو شاعری سمجھ کر اُن پر اپنی دولت لٹاتے ہیں!! بازاری عورتوں۔ قوس و قزح اور معمولی گیت کی خوبصورتی کبھی دیرپا نہیں ہوتی۔ راجہ کو ان دو لڑکیوں کے بغیر چین نہ آتا تھا۔ اور وہ دونوں بھی گاتی ہوئی اُس سے بغل گیر ہوگئیں جب یہ وہ شرمندہ سا ہو گیا۔ جوش میں راجہ کو

تحقیقات کی اس سے معلوم ہوا کہ دوار ودیا کا نام اب تک پہاڑی لوگوں میں دوار بدی کی صورت میں قائم چلا آتا ہے عام طور پر اسے وادیئے وتشتا کے اس حصے کے متعلق استعمال کیا جاتا ہے جو مظفر آباد سے بُلیاس سے اوپر تھوڑے فاصلے پر ایک مقام تک پھیلا ہوا ہے۔

آگے چل کر سٹائن صاحب بیان کرتے ہیں کہ یہ بات معلوم کر کے کہ بلیا سک یا بگیاس علاقہ دوار بدی سے ہی تعلق رکھتا ہے ینے دیہانک کے محل وقوع کا بھی پتہ لگا لیا جن باشندوں سے مجھے ملنے کا اتفاق ہوا ان سب کا حقیقہ بیان یہ ہے کہ دوار بدی کی شرقی بعید کی حد کو ڈنڈ ناہی ایک پہاڑی کرارا ہے جو شمال کی طرف سے موضع کھوچ کے مشرق کی طرف دریا تک پھیلا ہوا ہے۔

اُس او نیچے ٹیلے پر جو بائیں دریائی کنارے پر کرارہ کو ڈنڈے سے ملا ہوا ہے اور آخر الذکر کے عین جنوب میں موضع ویران واقع ہے اس کے متعلق مجھے یہ بیان کرنے میں تامل نہیں کہ

جو پسینہ آیا اس سے اس کا جسم سرد پڑ گیا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا گویا اس کی خوش قسمتی کی حرارت ہمیشہ کیلئے اُسے خیر باد کہہ گئی ہے۔

محبت میں اندھے راجہ نے ہنسی کو پٹرانی کا درجہ دے دیا اور وہ رانیوں میں اس راجہ تک پہنچ گئی کہ اسپر چوری کی جاتی تھی۔ جن لوگوں نے اس کا سچا ہوا کھانا کھایا وہ نہ صرف چکرورمن کے دربار میں بیٹھے رہے بلکہ بعد کے راجاؤں کے درباروں میں بھی۔ ڈوموں کی مکارانہ اطاعت گذاری کی وجہ سے ہی وزرا کو عروج حاصل ہوتا تھا اور وہ اکش پٹیل وغیرہ اہم دفاتر کے عہدوں پر مامور کئے جاتے تھے۔ بعض سوپاک (ڈوم) جو بیوقوف تھے خود مشیروں کی جگہ کام کرتے تھے۔ لیکن اُن میں سے بعض جو چالاک تھے وہ وزرا کی طرح سلطنت کا انتظام کرتے تھے۔

ہی دیر انک ہے۔ ویرن کا نام سرکاری پیمائش کے نقشے پر موجود نہیں لیکن اس کا محل وقوع اس گاؤں کی علامت ہے جو پوچ کے جنوب مشرق کی طرف تقریباً ایک میل کے فاصلے پر واقعہ ہے یہ موضع وادی کی سطح سے پندرہ سو فٹ کی بلندی پر واقعہ ہے اور سٹائن صاحب وہاں وقت کی تنگی کے باعث نہ جا سکے انہیں جو واقفیت حاصل ہوئی اس سے بھی یہی معلوم ہو سکا کہ یہاں پر کسی قسم کے آثار قدیم موجود نہیں۔

یہ امر قابل غور ہے کہ وادی کی بائیں طرف کے خاص خاص اراضی داروں کے خاندان جو ویرن کے اوپر اور نیچے کی طرف تھوڑے فاصلہ تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اب تک ککھ قوم ہی کے ہیں۔ جس کے متعلق قبل ازیں ظاہر کیا جا چکا ہے کہ وہ کش ہی ہیں۔ ایک اور بات جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ویرن اور دیر انک دونوں ایک ہی ہیں یہ ہے کہ اس کا محل وقوع بُلیاس یا بُلیا سک کے قریب قریب مقابل کی طرف واقع ہے آخر الذکر کے متعلق ہمیں یہ بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ وہ سرحد کشمیر پر واقعہ تھا۔ جن حالتوں میں

ڈوموں کا عروج لیٹروں کو وزیر، سوپاک عورت کو رانی اور سوپاکوں کو دوست بنانے کے بعد راجہ چکرورمن کے لئے اور کونسی عجیب بات کرنی باقی رہ گئی تھی؟ جب سوپاک عورت نے حیض کے بعد غسل کیا تو اس نے حیض کے خون آلودہ کپڑے بطور انعام کے تقسیم کئے اور درباری بڑے فخر سے انہیں پہنکر دربار میں آئے۔ ایسا کوئی بھی نہ تھا جس نے راجہ کی دشمنی کی پرواہ نہ کر کے سوپاکوں کا جوٹھا[۴۱۹] کھانا نہ کھایا ہو۔ فی الحقیقت اگر ایسا کوئی شخص ہوتا تو وہ سوم پینے والے دیوتاؤں کی طرح شمار کیا جا سکتا تھا۔ یقیناً اُس زمانے میں اس ملک کے اندر طاقتور دیوتا موجود نہ تھے ورنہ یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ ایک سوپاک عورت اُنکے مندروں میں داخل ہوتی۔ جب وہ ننت دواوشی[۴۲۰] کے تیوہار کو لان سوامن نامی وشنو کے مندر میں گئی تو سرداروں

ویرانک کا ذکر اس شلوک اور ترنگ ۸ کے شلوک ۲۰۹ میں آیا ہے اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ بھی کشمیر کی اُس سرحد کے قریب واقع تھا جو قبیلہ کمش کی جانب تھی۔

[۲۱۸] اگلے شلوک سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شنکر درمن کی مہم وادیٔ سندھ کے ان حصوں کی طرف سر ہوئی ہوگی جو ہزارہ (اُرشہ) کے شمال مغرب کی طرف واقع ہیں۔ کشمیر سے ان علاقوں کی طرف جانے والا سہل ترین راستہ وتستا کے کنارے کنارے مظفر آباد کے قریب والے عظیم موڑ تک جہاں دریا اپنے شمال مغربی رخ سے پلٹ کر جنوب کو ہو لیتا ہے اور اس سے آگے وادیٔ کن ہر کی طرف۔ بجانب شمال یا مانسہرہ میں سے ہوتا ہوا بجانب مغرب چلتا ہے ترنگ ۵ کے شلوک ۲۲۵ میں بلیاسک کا جو ذکر آیا ہے اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ راجہ کی فوج جب کشمیر کو واپس کوچ کر رہی تھی تو اس نے یہ راستہ اختیار کیا تھا۔ اس سے پہلے نوٹ میں ویرانک کے محل وقوع

میں سے صرف معزور ڈامر ہی ایسے تھے جو اس کے پیچھے نہ گئے۔ ڈوموں کو راجہ سے تعلق رکھنے کا بہت بڑا فخر تھا اور اُن کے منہ سے جو حکم نکلے ضروری تھا کہ ہر شخص اُسے حکم شاہی کی طرح فوراً بجالائے۔ جب راجہ نے ہیلو کا گاؤں انگ کو بطور اگرہار کے دیدیا لیکن افسر پٹہ (پٹو پادھیائے) کو اس کے متعلق دستاویز تیار کرنے میں دیر ہوگئی تو انگ سیدھا اکش پٹل دفتر میں پہنچا اور وہاں جاکر غصے میں اس اہلکار سے کہنے لگا۔ "او غلام زادے! تونے کیوں یہ لکھ کر نہیں دیا کہ ہیلو انگ کو دیدیا جائے"۔ انگ کی تیوڑی سے خوف کھا کر اس نے کانپتے ہوئے فوراً دستاویز تیار کردی۔ ایک بدچلن راجہ کے عہد میں کونسی بات خلاف آداب واقع نہیں ہوسکتی؟

جب اس شریر راجہ نے اس نیچ قوم کی عورت سے اختلاط رکھنے کا پرائشچت

کے متعلق جو کچھ بیان ہو چکا ہے اس سے ہم نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ مہم کی روانگی کے وقت بھی وہی راستہ اختیار کیا گیا ہوگا۔ اس راستہ کے ذریعے سندھ کے جن علاقوں تک پہنچا جا سکتا ہے ان میں سے بعض مثلاً چیلاس اور سرن عین شمال اور باقی کشمیر کے شمال مغرب کی طرف واقع ہیں۔ اس صورت میں معلوم ہوتا ہے کہ کلہن نے اترا پتھ کا جو لفظ استعمال کیا ہے وہ کافی طور پر صحیح ہے۔

۴۰۲ھ ارشہ بلاشبہ اس پہاڑی علاقے کا نام ہے جو دریائے وتستا کے بالائی حصے اور سندھ کے مابین واقع ہے۔ اس کا بہت بڑا حصہ اب انگریزی ضلع ہزارہ میں آچکا ہے۔ سب سے پہلے لاسن صاحب نے ارشہ سے مراد وہ ملک خیال کی تھی جس کے متعلق بطلیموس نے اپنی کتاب کی جلد ۷ فصل ۱ صفحہ ۴۵ پر بیان کیا ہے کہ وہ بدسپس اور سندھ کے مابین واقع ہے۔ ہیون سانگ نے اس کا ذکر "و لاشی" کے نام سے کیا ہے جو بقول اُس کے کشمیر کے شمال مغرب کی طرف واقع تھی اور اسی پر ہر بات میں "دودہ"

پوچھا تو اس کے خوشامدیوں نے اُسے مضحکہ خیز طریقے بتلائے اور کہا کہ جس طرح برف برف کو گلا دیتی ہے ویسے ہی ایک گناہ دوسرے کو زائل کر دیتا ہے۔ ایک ناپاک عورت سے اختلاط رکھنے کے گناہ کو ایک پاک عورت سے اختلاط رکھ کر دور کرنے کی خواہش سے اس نے ایک برہمن کی عورت کو جس نے ماہوار برت رکھا ہوا تھا بے عزت کیا۔ اُس زمانہ میں بعض برہمن اس سے بھی زیادہ پرگناہ تھے جنہوں نے اس کے محل میں کھانا کھا لیا اور اس سے اگرہار لینے قبول کئے۔ ہر چند کہ وہ اس قدر بُرا تھا تاہم اس نے پشوپت کے عابدوں کے لئے چکر مٹھ تعمیر کرایا لیکن ابھی یہ آدھا ہی بنا تھا کہ راجہ مرگیا اور اُسے اس کی بیوی نے مکمل کروایا۔

ڈامروں کی سابقہ امداد کو بھلا کر ایک سو پاک عورت کے شاہی عاشق سے رکھتی تھی۔

مہابھارت میں اُرگا کا جو لفظ استعمال ہوا ہے اُس سے غالباً ارشہ ہی سے مراد ہے سکندر اعظم نے پنجاب پر جو چڑھائی کی تھی اس میں اس علاقے کے راجہ کا نام ارس کس لکھا ہے۔ دیکھو لاسن صاحب کی کتاب انڈس آلٹرتھمس کنڈ جلد ۲ صفحہ ۱۵۵ و ۱۷۵۔ ہیون سانگ کے زمانہ میں ارشہ اور اس کے دارالسلطنت کی جو وسعت ہوا کرتی تھی اس کے متعلق دیکھو کننگھم صاحب کی کتاب جغرافیہ قدیم صفحہ ۱۰۳۔ نیز انڈین اینٹی کوئی جلد ۲ صفحہ ۳۳۶۔

مسلمانوں کے عہد حکومت میں یہ سارا پہاڑی علاقہ پکھلی کے نام سے مشہور تھا دیکھو ٹیفن تھیلر جلد ۲ صفحہ ۳۹۰۔ ہزارہ کے نام اور اس ضلع کی جدید تاریخ کے متعلق دیکھو گزیٹر اف ہزارہ ڈسٹرکٹ ۸۴-۱۸۸۳ صفحہ ۱۹۔ یہ بات قابل غور ہے کہ سکھوں کے عہد حکومت میں بھی اس علاقے کے شمالی حصوں پر کشمیر کی طرف سے حکومت ہوا کرتی تھی۔

انہیں بے گناہ دھوکے سے قتل کروا دیا گو وہ اس پر اعتبار کرتے تھے۔ اسپر چند ڈامر لٹیرے جو اس کے نزدیک معتبر تھے اس غرض سے اس کے پاس رہتے رہے کہ داؤ لگے تو دھوکے سے اسے مار ڈالیں۔ چنانچہ ایک موقعہ پر انہوں نے رات کے وقت دیکھا کہ راجہ غیر مسلح حالت میں سوپاک عورت کی خوابگاہ کے قریب ایک کمرے میں آرام کر رہا ہے۔ جب انہوں نے یہ موقعہ دیکھا تو سب نے جلدی سے چاروں طرف سے اسپر بے شمار تیز ہتھیاروں کے وار کئے اس کی آنکھوں میں ابھی تک نیند کی خماری تھی مگر ہتھیاروں کی چوٹوں نے اُسے بیدار کر دیا۔ اس وقت اس نے اس قسم کی دردناک چیخیں مارنی شروع کیں جیسے کوئی شخص کنارے سوتا ہوا تالاب میں گر پڑے۔ چونکہ وہ غیر مسلح تھا اس لئے ہتھیار کو ڈھونڈتا ہوا خون میں شرابور دوڑتا ہوا خوابگاہ میں داخل

کلہن نے اُرشہ کے متعلق جسقدر حوالے دیئے ہیں اُن سے نہ صرف اس شناخت کی پورے طور پر تصدیق ہوتی ہے بلکہ وہ قریبی تعلق بھی ظاہر ہوتا ہے جو ہیون سانگ کے زمانہ میں اسے کشمیر کے ساتھ تھا۔ اور اس کے بعد عرصہ تک قائم رہا۔ کلش کے زمانہ میں اُرشہ پر ایک کشمیری فوج نے قبضہ کر لیا تھا جو دریائے کرشن یا کرشن گنگا کو عبور کر کے وہاں پہنچی تھی۔ کشمیر سے ہزارہ کو براہ راست جو راستہ اب جاتا ہے وہ اس دریا کے اوپر سے اس جگہ ہو کر گذرتا ہے جہاں مظفر آباد کے مقام پر دریائے وتستا سے اُس کا مقام اتصال ہے۔ بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ مُنگ کا بیٹا ابھے راجۂ اُرشہ دربار کلش میں مع اور باجگذار راجاؤں کے حاضر ہوا تھا۔ ابھے کی دختر کی شادی راجہ ہرش کے بیٹے بھوج سے ہوئی تھی۔ دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۶۔ اُرشہ کی طرف سے خراج کی ادائیگی کا ذکر سوسل کے عہد میں آتا ہے دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۴۲، ۵۷۔ اور دوتی راجہ اُرشہ پر جے سنگھ نے جو فتح حاصل کی اس کا کلہن کے اپنے زمانہ میں پتہ ملتا ہے۔ دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۲۶۰۲۔

ہو گیا اور اس کے پیچھے پیچھے اس کے حملہ آور بھی تھے۔ اُسے کوئی ہتھیار نہ مل سکا اور روتی ہوئی سپاکی نے اُسے چھاتی سے لگا لیا مگر حملہ آوروں نے اسی حالت میں اسے قتل کر دیا۔ اور راجہ کی اپنی رانیوں سے ترغیب پاکر انہوں نے ایک بڑے سے پتھر سے نزع کی حالت میں اس کے گھٹنوں کو توڑ ڈالا۔ غرض اس راجہ کو جو سوپاکوں کے بس میں پڑ چکا تھا لٹیروں نے ایک کمرے کے اندر لوکک سمت ۴۰۱۳ (۹۳۷ء) کے ماہ جیٹھ کے شکل پکش کی آٹھویں تاریخ کو کتے کی طرح قتل کر دیا۔

شلوک ۲۲۵ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کشمیری فوجیں بلیا سک کے قریب سرحد کشمیر میں اُس مقام سے چل کر جہاں ششنکر ورمن زخمی ہوا تھا چھ دن کے عرصہ میں پہنچی تھیں۔ نوٹ ۲۰۴ کتاب ہذا میں یہ بات ظاہر کی گئی ہے کہ یہ مقام موجودہ بلیاس ہی تھا جو کہنتی سے نیچے چارمیل کے قریب وتشٹا کے دائیں کنارے پر واقعہ ہے۔ آخر الذکر مقام سے اب تک اسباب کا اندازہ کیا جاتا ہے کہ ضلع ہزارہ کے جدید انتظامی مرکز ایبٹ آباد میں چھ روزانہ کوچوں میں پہنچ سکتے ہیں دیکھو ڈریو صاحب کی کتاب "جموں" صفحہ ۵۲۸۔ اس موقعہ پر مظفر آباد گڑھی حبیب اللہ اور مانسہرہ کا جو راستہ اختیار کیا گیا تھا اُسے ہمیشہ کشمیر سے مغربی علاقوں میں پہنچنے کا سہل ترین راستہ خیال کیا جاتا رہا ہے۔ اس صورت میں یہ خیال کر لینا چنداں بعید از قیاس نہیں کہ کشمیری فوج بھی بوقت واپسی اسی راستے گئی ہو۔ اس سے اور فاصلوں کی یکسانیت سے یہ امر اغلب معلوم ہوتا ہے کہ باشندگان اُرشہ سے جو مٹھ بھیڑ ہوئی اور جس میں ششنکر ورمن کو مہلک زخم آیا وہ ایبٹ آباد کے قریب ہی کہیں پہاڑیوں میں ہوئی ہوگی۔ اس بارے میں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ کننگھم صاحب نے اپنے جغرافیہ قدیم صفحہ ۱۰۴ پر بیان کیا ہے کہ عام لوگوں کے خیال کے مطابق منگلی جس کے اندر قدیم صدر مقام واقعہ ہے وہ مانسہرہ اور ایبٹ آباد کی درمیانی سڑک پر واقعہ ہے۔

راجہ اُنمتا ونتی

سنہ ۹۳۷ تا سنہ ۹۳۹ء

اس کے بعد شروت اور دوسرے بیوقوف وزیروں نے پارتھ کے شریر بیٹے اُنمتا ونتی کو تخت نشین کر دیا۔ سوپاکی کے شریر عاشق کے بیٹروں کے ہاتھوں بوقت شب قتل ہونے کے بعد رعایا کے گناہوں کی وجہ سے ایک ایسا شخص جو شریر (چکرورمن) سے بھی بدتر تھا راجہ بنا۔ میں اپنے راگ (داستان) کو بمشکل آگے چلا سکتا ہوں۔ کیونکہ وہ ایک خوف زدہ گھوڑی کی طرح اس راجہ کے حالات کی برائیوں کو چھونے سے ڈرتا ہے۔ جس طرح اور سب قسم کی آگ

نوٹ ۴۰۳ سوپاک کے لغوی معنے کتا پکانے والے کے ہیں لیکن یہ لفظ عام طور پر ادنےٰ درجہ کی جماعتوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے کلہن نے اس لفظ کو ڈوم وغیرہ کے مترادف الفاظ کی حیثیت میں استعمال کیا ہے۔

نوٹ ۴۰۴ ایک ٹیکا کار نے بلیا سک کا محل وقوع بارہ مولا کے قریب دوا روتی میں قائم کیا ہے۔ اس سے پہلے نوٹ ۴۰۰ کتاب ہذا میں یہ بات واضح کی جا چکی ہے۔ کہ دواروتی سے مراد موجودہ دوار بدی سے ہے جو وادیٔ وتستا کے اُس حصے کا نام ہے جو مظفرآباد سے اوپر کی طرف موضع بلیا سے سے پرے تھوڑے فاصلہ تک پھیلا ہوا ہے آخر اللہ کر مقام پر جو دریائے وتستا کے دائیں کنارے پر واقع ہے اور مظفرآباد سے کشمیر جانے والی پورانی سڑک پر ہمیں بلیا سک کا صحیح پتہ مل سکتا ہے۔

پلیاس کا نام جو نقشے پر اس کے بجائے دکھایا گیا ہے اُسے پہاڑی لوگ عام طور پر استعمال کرتے ہیں لیکن جو کشمیری بارہ مولا سے نیچے کی طرف وادی میں مقام کہنٹی۔

(وہ آگ جس کا سمندر کے نیچے ہونا بیان کیا جاتا ہے) پانی کو بھسم کر دیتی ہے۔ ویسے ہی یہ دیو سیرت بدراجہ آگے چل کر اپنے آبائی خاندان کی تباہی کا باعث ثابت ہونیوالا تھا۔ اس کے درزائے خاص اس قسم کے لوگ تھے جو اپنی ناکوں اور بغلوں وغیرہ کے ذریعے موسیقی کی سریں پیدا کر سکتے تھے اور جو گھونسوں اور تھپڑوں کے ذریعے کھوپریوں کو بجا سکتے تھے۔ سفری گویوں کی حیثیت میں وہی وزیر جنہوں نے مناسب وقت گننے پر خود حکمران بنا تھا بڑی بے حیائی کے ساتھ اُسے خوش کیا کرتے تھے۔

پروگپت کا عروج لیکن ان سب میں پیارا اُسے پروگپت تھا جو بر سر دربار دھوتی اُتار کر ناچا کرتا تھا۔ تنتریوں کے فساد کے بعد سے پروگپت ایسے راجاؤں کو دیکھتا آیا تھا جو کیڑوں کی مانند (حقیر) تھے

ہٹیاں اور دوسرے مقامات پر آباد ہیں وہ اس کا تلفظ بلیاس ہی ادا کرتے ہیں۔ اسکے متعلق سٹائن صاحب نے مختلف موقعوں پر مختلف مقامات میں تحقیقات کر کے تصدیق کر لی ہے۔ آواز کی رو سے بلیاس براہ راست بلیاسک ہی سے نکلا ہوا معلوم ہوتا ہے بلیاس نے اپنا نام اُس مشہور آبادی کو دے دیا ہے جو اس موضع کے شمال کی طرف واقع ہے۔ بلیاس اور وادیٔ وتشٹا میں علاقہ کشمیر کی قدیم سرحد پر بلیاسک کے محل وقوع کے متعلق دیکھو نوٹ ۲۰۰ کتاب ہذا۔

نوٹ ۲۰۵ ویلاوت کے معنے مشتبہ ہیں۔ یہ لفظ دوبارہ ترنگ ۶ کے شلوک ۳، ۱۰۶ - اور ۱۲۷ میں استعمال ہوا ہے۔ جہاں پر یہ راجہ یشاسکر کے کسی اہلکار یا درباری کے عہدے کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ ترنگ ۶ کے شلوک ۱۰۶ میں ویلاوت کا ذکر راجہ کے دوستوں، رشتہ داروں اور نوکروں کے ساتھ آیا ہے۔ ترنگ ۶ کے شلوک ۱۲۷ میں ایک ویلاوت کا ذکر ہے جو رانی ددا کا منظور نظر تھا۔ اس لفظ کی ترکیب پرشادد

اور ہمیشہ سے اس کا ارادہ تخت پر خود قبضہ کرنے کا چلا آتا تھا۔ آخر کار تخت کی پوشیدہ خواہش میں اس نے پانچ وزرائے خاص یعنی بھوبھت وغیرہ سے دوستی گانٹھی اور سب نے ہیت کوش پر حلف لیا۔ حلف لینے والوں کے نام بھوبھت۔ شروت۔ چوج۔ کوند اور رامرتا کر تھے۔ اور ان سب نے مل کر پدوگپت کے ساتھ سازش کر لی۔ ڈامر سنگرام کے گھر میں ایک بڑا شجاع برہمن رکّ نامی رہا کرتا تھا جسے جھیل گورکشا کے پانی میں شری دیوی کے درشن ہوئے تھے۔ جس زمانہ میں وہ محض ایک پیادہ سپاہی تھا راجہ نے میدان جنگ میں اسکی شجاعت دیکھی تھی۔ جس پر اس نے اس لحیم وشحیم اور بڑ پیٹو آدمی کو وزیر اعظم (مکھ منتری) کا عہدہ دیدیا تھا۔ شری دیوی جس صورت میں اسے جھیل میں نظر آئی تھی اسی میں اس نے رکّ جیا دیوی کے نام سے اس کی مورتی کھڑی کی۔

سے مشابہ معلوم ہوتی ہے۔ جس کے معنے منظور نظر کے ہیں دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۲۹۰۔ ۲۷۵ وغیرہ۔

۳۴۶ؔ خاندان شاہی۔ ان کے دارالسلطنت اود بھانڈ اور ودے ہنڈ کے متعلق دیکھو نوٹ عـ ضمیمہ کتاب ہذا۔ ترنگ ۵ شلوک ۱۵۵و۱۵۲۔

سٹائن صاحب لکھتے ہیں کہ میں نے اپنے مضمون بعنوان "زرگیس رشٹ ڈرکا مس وان کابل" کے صفحہ ۲۰۰ پر یہ بات ثابت کی ہے کہ تورمان کملک وہی کملو ہے جو البرونی کی فہرست میں ہندو خاندان شاہی کا تیسرا راجہ تھا۔ جامع الحکایات میں ایک کہانی مندرج ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کملو ہندوستان کا رائے تھا۔ اور ۸۷۸ء تا ۹۰۱ء میں عمرو بن لائیس (عمرو بن عاص ؟) حاکم خراساں کا ہمعصر ہو گذرا ہے۔ یہ واقعہ اس تاریخ سے بہت کچھ مطابقت کھاتا ہے جس کے متعلق کتاب میں درج ہے کہ اس موقعہ پر کملک کو گدی نشین کیا گیا اور دارالسلطنت شاہی پر چڑھائی کی گئی تھی۔ جس نامعلوم شاہی کی بجائے کملک کو

شریر پر وگپت کے ایما پر جو یہ چاہتا تھا کہ میدان صاف ہونے پر میں تخت پر قابض ہو جاؤنگا اس راجہ نے اپنے خاندان کو تباہ کر دیا۔

پارتھ کا قتل پارتھ جس کی ساری جائداد یہ حاصل کر چکا تھا معہ اپنی ملنیوں کے مشہور جے اندر دھار میں رہا کرتا تھا۔ جہاں شرمنوں کی طرف سے اُسے کھانا ملتا تھا۔ شنکر وردمن اور اُس کے بھائیوں کو جو ابھی بچے ہی تھے اور وہاں رہا کرتے تھے اس نے قید کر کے فاقوں مروادیا وہ اپنے باپ کو جان سے مارنے کا خواہشمند تھا جسپر اس نے ان وزیروں کو جنہوں نے اس کی رائے سے اتفاق کیا سروپا عنایت کئے اور باقیوں کو پابزنجیر کر دیا۔ آخر کار ایک خاص رات کو وزرا۔ والیان ریاست تنتریوں۔ اہلکاروں اور فوجوں نے اس کا حکم پاکر پارتھ کو محصور کر لیا۔ کوھ اور راجہ کے دوسرے منہ لگے نوکروں نے

بقول کلہن تخت نشین کیا گیا تھا وہ شاہ سامند (سامنت) یعنی البرونی کی فہرست کا دوسرا شاہی فرمان روا تھا۔

تورمان کا نام ترکی ماخذ سے نکلا ہوا ہے اور اس جگہ ایک ایسے خاندان کے متعلق اُسکا استعمال خالی از دلچسپی نہیں جس کی نسبت البرونی صاف طور پر لکھتا ہے کہ وہ برہمن الاصل تھا لیکن ہمیں معلوم ہے کہ یہ خاندان ایک قدیم خاندان کے بعد جو بلا شبہ ترکی نسل سے تھا قائم ہوا تھا۔ اور اس لحاظ سے اس بات کا بہ آسانی پتہ چل سکتا ہے کہ کیونکر یہ نام قائم چلا آیا۔ سمنت شاہی کا ذکر سٹائن صاحب نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں لکھا ہے۔

۲۰۷ ایک ٹیکا کار گوپال کے بجائے گوری پور لکھتا ہے آخر الذکر سے مراد غالباً موجودہ گوری پور کا وہ چھوٹا سا گاؤں ہے جو اونتی پور سے نیچے دریائے وتستا کے بائیں کنارے پر واقع ہے سٹائن صاحب کو باوجود تحقیق کرنے کے اس جگہ کوئی آثار قدیمہ نظر نہیں آئے۔ سرینگر کے ضلع رانی وور کے ایک چھوٹے سے علاقے کا نام بھی گور پور ہے۔

پارتھ کی رانی کو جو پھٹے پرانے کپڑوں میں دروازہ روکے کھڑی تھی قتل کر ڈالا۔ اور اُس کے روتے ہوئے بچے اس طرح اس کے ساتھ چمٹے ہوئے تھے جیسے بچھڑے گائے کے ساتھ۔ بالآخر وہ اُسے مکان سے باہر لے آئے اور بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے چلے۔ زمین کے پتھر اس کے جسم کو زخمی کر رہے تھے اور اس وقت اس کی وہی حالت تھی جیسے اُس مردہ بیل کی ہوتی ہے جسے مویشی خانہ سے گھسیٹ کر باہر لے جاتے ہیں۔ وہ مارے بھوک کے سوکھ کر کانٹا ہو رہا تھا ننگا اور پژمردہ تھا۔ اور اس کے پاس کوئی ہتھیار نہ تھا۔ اسی حالت میں چیختے چلاتے انہوں نے چنڈالوں کی طرح مار ڈالا۔

جب راجہ نے سنا کہ میرا باپ مارا جا چکا ہے تو صبح کے وقت وہ مع اپنے

ترنگ ۸ کے شلوک ۱۷۴۱ میں جس گوپال پور کا ذکر آتا ہے وہ بظاہر کوئی بالکل مختلف مقام ہے جو علاقہ کشمیر سے باہر راجپوری (راجوری) کے علاقہ میں واقع ہے۔ سری ور نے اپنی راج ترنگنی کی ترنگ ۱ شلوک ۵۰۸ میں کسی غیر علاقے کے راجاؤں میں سے آ سے گوپال پور کا حکمران ظاہر کیا ہے جس نے سلطان زین العابدین کو بہت سے تحائف بھیجے تھے۔

گوپال متھ اور گوپال کیشو کا اور کہیں ذکر نہیں آتا۔ اور نہ سوگندھا پور کے متعلق کوئی مزید حوالہ حاصل ہو سکا ہے۔

شلوک ۲۰۸ اس شلوک میں جن عمارات کا ذکر آیا ہے اُن کے متعلق کوئی حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔ ایک ٹیکا کار نے نندا متھ کی بجائے لفظ نندی متھ لکھا ہے جس کی کشمیری صورت نندی مر ہو سکتی ہے دیکھو دوامر۔ چھا متھ۔ ترنگ ۶ شلوک ۳۰۰۔ بردی مر = بٹھارک متھ ترنگ ۶ شلوک ۲۴۰۔ بہر نوع اب اس کے متعلق کوئی مقامی نام لوگوں میں مشہور نہیں۔

معتبر مشیروں کے اپنا استعجاب رفع کرنے کی غرض سے وہاں آیا اور بڑی خوشی سے لاش کو دیکھتا رہا۔ اُس کے افسر اس کے سامنے اپنی اپنی بہادری جتلاتے تھے۔ اور ان میں سے ہر ایک یہ کہتا تھا کہ دیکھئے مینے اس عضو پر وار کیا تھا۔

انہیں ایام میں راجہ نے کچھ مدت پرو گپت سے ناراض رہ کر اُسے پھر اپنے دربار میں داخل کر لیا تھا اس نے راجہ کو خوش کرنے کے لئے اپنے بیٹے دیو گپت کو آگے کیا اور آخر الذکر نے اپنا خنجر پارتھ کی لاش میں گھونپ دیا جس پر خوش ہو کر راجہ بہت دیر تک ہنستا رہا۔

وہ ملک جسے چکرورمن کی موت پر ڈامروں نے لوٹا تھا شریکا یستھوں کو ملازم رکھ کر اسے اور بھی سخت سزا دی گئی۔ بد بخت ہمراہیوں کے ایما پر وہ

---

۴۹ تنترن قوم کے لوگ جن کا ذکر آگے چل کر بہت جگہ پر آتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں کے زمانہ میں ایک عمدہ طور پر منتظم فوجی جماعت سے تعلق رکھتے تھے تنترن لوگوں کے عروج کا زمانہ وہ تھا جب کہ چکرورمن سے شنکر ورمن کے شکست کھانے کے بعد پارتھ کی تخت نشینی تک اندرونی فسادات خوب ہوا کرتی تھیں۔ فوج میں بھی ان کا عنصر نہایت تکلیف دہ ثابت ہوتا رہا ہے جہاں یہ لوگ بالعموم پیادوں میں بھرتی ہوا کرتے تھے۔

تنترن کا نام اب تک تانتری کی صورت میں کشمیر میں نظر آتا ہے۔ جہاں اکثر مسلمان کاشتکار اس کرام یا قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ وادیٔ کشمیر کے اکثر شہروں اور گاؤں میں ایسے خاندان موجود پائے جاتے ہیں جن کا دعوٰی ہے کہ ہم تانتری کرام سے تعلق رکھتے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں کاشتکار لوگوں کے مختلف کراموں میں جو تفریق ہوا کرتی تھی وہ ایک عرصہ سے دور ہو چکی ہے۔ آجکل یہ حالت ہے کہ شکل و شباہت یا رواجات کے لحاظ سے تانتری قبیلے میں دوسرے مسلمان دیہاتیوں سے کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ ٹین صاحب

ہتھیاروں کی ورزش اس طرح پر کیا کرتا تھا کہ عورتوں کو ننگا کھڑا کر کے انکی چھاتیوں کے درمیان خنجر پھینکتا تھا وہ حاملہ عورتوں کے رحم کو بچہ دیکھنے کے لئے کٹوا دیتا تھا اور مزدوروں کی قوت برداشت کا اندازہ کرنے کے لئے انکے اعضاء کٹوا دیتا تھا۔ عطیات کی پر اسرار خواہش یا بھیانک موت کے ڈر سے بعض برہمن ایسے اس قسم کے مل گئے جنہوں نے اس نیچوں کے نیچ راجہ سے بھی اگرہار منظور کر لئے۔ انجام کار اس راجہ کو کوئی گھلا دینے والا عارضہ جو اس کے ظالمانہ گناہوں کی مناسب سزا تھا لاحق ہو گیا۔ اور جس سے بے اندازہ تکلیف اُٹھائی۔ ان تکالیف سے نہ صرف اس کی رعایا خوش ہوتی تھی بلکہ اس کے اپنے محلسرا کی چودہ رانیاں بھی۔ اس بدذات پدر کش راجہ نے جب اس کا دوزخ

یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ تانتری کی ابتدا کے متعلق انہیں کوئی اصلی روایت معلوم نہیں ہو سکی۔ کشمیر کے کراموں کے پیچیدہ مضمون کے متعلق مسٹر لارنس نے اپنی کتاب ویلی کے صفحہ ۳۰۶ پر بہت کچھ بحث کی ہے جس کے دوران میں ایک فقرہ یہ بھی آتا ہے "شادی کے متعلق کسی قسم کی رکاوٹ نہیں۔ تانتری کرام کا کوئی مسلمان کسی تانتری لڑکی یا گاؤں کی کسی اور قبیلے کی لڑکی سے شادی کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ آخر الذکر کاشتکاروں کے کسی قبیلے سے تعلق رکھتی ہو"

۲۴۸ لفظ ایکانگ کے صحیح معنوں کے متعلق کوئی بات یقینی طور پر معلوم نہیں ہو سکی ترنگ ۵ اور ۷ میں کئی مقامات پر ذکر آیا ہے کہ یہ ایک مسلح فوج ہوا کرتی تھی راج ترنگنی سے باہر اور کہیں اس کا ذکر نہیں پایا گیا۔ ٹرائر اور بعض اسی قسم کے دیگر مصنفوں نے خیال ظاہر کیا ہے کہ ایکانگ لوگ شاہی باڈی گارڈ ہوا کرتے تھے۔ اور مختلف فقرات سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ معنے قریب قریب صحیح ہونگے۔ ترنگ ۵ کے شلوک ۲۴۲ و ۲۴۹ اور ترنگ ۶ کے شلوک ۹۱ و ۱۳۲ اور ترنگ ۷ کے شلوک ۱۳۵ میں

میں داخل ہونے کا وقت قریب آیا تو شورورمن نامی ایک چھوٹے بچے کو تخت پر بٹھا دیا جسے اُس کے رنواس کی گوپیاں کہیں سے لے آئی تھیں اور جھوٹ موٹ یہ بات مشتہر کر دی تھی کہ یہ راجہ کا بیٹا ہے۔ اسے اس نے اپنے وزیروں مشیروں۔ ایکانگوں اور تنتریوں کے سپرد کیا۔ اُسے کمل وردھن نامی کمانڈر انچیف (کمپن آدھی پتی[۴۲۳]) کا بہت خوف لگا ہوا تھا جو مدوراج میں موجود تھا۔ اور اپنے آپ کو ڈامروں کی بیخ کنی کے ویسے ہی قابل ثابت کر چکا تھا جیسے اپنے دشمن کو۔ آخر کار یہ راجہ اپنی رعایا کی قسمت سے لوکک سمت ۴۰۱۵ (۹۳۹ء) کے ماہ اسارٹھ میں اس دنیا سے رحلت کر گیا۔

ذکر آیا ہے کہ یہ لوگ مع سامنت (باجگذار امرا) وزرا۔ تنتری اور کایستھ (اہل کار) کے معاملات دربار و مملکت پر بہت کچھ اثر ڈالتے تھے۔ ایک موقعہ پر ان کی تنتری لوگوں سے لڑائی ہوئی ہے جو تاج کے ایک اور دعویدار کے موید تھے۔ (ترنگ ۵ شلوک ۲۸۹) اور دوسرے موقعہ پر وہ رانی دوا کو باغیوں سے بچاتے اور محل شاہی کے دروازے پر ان کا مقابلہ کرتے ہیں (ترنگ ۷ شلوک ۴۴۲) جب راجہ اننت دیو کے زمانہ میں تخت کا ایک اور دعویدار نمودار ہو گیا تھا تو انہوں نے اس کی حفاظت کی تھی اور اس کے معاوضے میں اس احسان مند راجہ نے انہیں اکش پٹل کی تکلیف دہ خدمات سے نجات دی تھی۔ (ترنگ ۷ شلوک ۱۵۵ تا ۱۶۲) جیسا کہ نوٹ ۲۱۲ کتاب ہذا سے واضح ہوتا ہے تو اعات اکش پٹل ہی میں ہرش نے ایکانگوں کی ایک جماعت آخری جدوجہد کے لئے اکٹھی کی تھی۔ دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۱۶۰۴۔

بعد کے حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایکانگوں کی جماعت فوجی طریق پر منظم ہوتی تھی۔ لیکن خاص طور پر ان سے پولیس کے فرائض لئے جاتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کشمیر میں تھوڑی مدت گذری اس وقت تک پلٹن نظامت کے نام سے سول حکام کی مدد کے لئے

راجہ شور ورمن ثانی

سنہ ۹۳۹ء

پدرکش راجہ کا یہ بیٹا ماہ اساڑھ کے شکل پکش کی ساتویں تاریخ کو بے ورمن نامی سورج دیوتا کے مندر کی زیارت کرنے گیا اس جوان راجہ کی شان وشوکت ایک نوجوان دوشیزہ کی طرح چمک رہی تھی۔ آخر الذکر کے بالوں کی خوشنما پٹیوں کی طرح تلواریں اور اس کی خوشنما ہنسی کی طرح چمکدار چھتری اور چوریاں تھیں۔

اور مالگذاری وغیرہ جمع کرنے میں ہاتھ بٹانے کے لئے جو رجمنٹ خاص طور پر رکھی جاتی تھی وہ انہیں کے نمونے پر تھی۔ دیکھو لارنس صاحب کی کتاب ویلی صفحہ ۲۰۲۔ یوروپ کے ملکوں میں جو یندرمہ فوج پائی جاتی ہے وہ بھی اسی نمونے پر قائم ہے۔

۲۱۱ ؎ اصل کتاب میں لفظ نشپا لک وہار آتس استعمال ہوا ہے جس کے معنے ایک تو یہ ہو سکتے ہیں کہ اس وہار کا نام نشپالک تھا جیسا کہ سطور بالا میں ظاہر کیا گیا ہے یا یہ کہ اس وہار کا کوئی نگران نہ تھا یعنی غیر آباد تھا۔

۲۱۲ ؎ موضع پانڈری تھن میں جو چھوٹا سا مندر اب تک قائم ہے اُس کے متعلق کنگھیم صاحب کی طرح سٹائن صاحب نے بھی خیال ظاہر کیا ہے کہ اسی کا نام میرو وردہن سوامن تھا کسی زمانہ میں اس مندر کے گرد جو صحن ہوا کرتا تھا وہ اب ایک پایاب تالاب کی صورت میں ہے۔ اور اسی پانی میں یہ مندر کھڑا ہے اس مندر کا ذکر ابتدائی یوروپین سیاحوں نے بھی کیا ہے۔ دیکھو مور کرافٹ صاحب کی کتاب ٹریولس جلد ۲ صفحہ ۲۴۰۔ ہوگل صاحب کی کتاب "کشمیر" جلد ا صفحہ ۲۶۰۔ وگنی صاحب کی کتاب ٹریولس صفحہ ۳۸۔ مفصل حالات کیلئے

کمل وردہن کی بغاوت اس اثنا میں کمل وردہن کو بھی اپنے مخبروں کے ذریعے خبر مل گئی اور وہ موہ باجگذار والیان ریاست کے نواحات شہر میں پہنچ گیا۔ جس وقت وہ شہر میں مع اپنی فوج کے تھکا ماندہ داخل ہوا تو ایکانگوں۔ تنتریوں۔ باجگذار والیان ریاست اور سواروں نے اُسے روک لیا۔ اگرچہ وہ راستے میں ڈامروں کے ساتھ لڑنے کی وجہ سے تھکا ماندہ تھا تاہم دشمن کی فوجوں پر غالب آگیا کیونکہ اسے اپنی بہادری کے ذریعے تقویت حاصل تھی۔ چند گھوڑ چڑھے جوانوں کے ذریعے ایک ہزار سوار کو فرار کرنے کے بعد وہ جلدی سے بلا مخالفت محل شاہی میں داخل ہوگیا۔

شورورمن ثانی کی معزولی جب فوجوں نے اس فتح کا حال سنا تو وہ اس نوعمر راجہ کو چھوڑ کر بھاگ گئیں اور جب وہ اکیلا رہ گیا تو اس کی ماں اُسے اپنے ساتھ لے گئی۔

دیکھو جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۱۸۶۶ء صفحہ ۲۰۳۔ کول صاحب کی کتاب اینشنٹ بلڈنگ صفحہ ۲۹ مع پلیٹ۔

۲۱۳؎ ایک ٹیکا کار نے بیان کیا ہے کہ یہ مندر موضع سام لیمران میں واقع تھا شاید موجودہ سوم برے مراد لی گئی ہے جو دریائے وتشتا کے دائیں کنارے پر ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ اس جگہ اب کسی قسم کے قدیم آثار موجود نہیں۔

۲۱۴؎ یہ بات ٹھیک طور پر معلوم نہیں ہو سکی کہ لفظ اکش پٹل کے صحیح معنے کیا ہیں۔ اس کا ذکر دوسری شائع شدہ کتابوں میں اور کہیں نہیں آتا اور اس کے مختلف معنے لئے گئے ہیں۔ ایک صاحب نے ٹرائر کی تقلید کرتے ہوئے اکش کے معنے مقومہ لیکر اکش پٹل سے مراد کچہری لی ہے۔ ایک اور مورخ نے اس کے معنے دفتر کے لئے ہیں اور انہیں معنوں کو پروفیسر جولی نے تسلیم کیا ہے۔

لیکن کسی سابقہ جنم کے افعال کے اضطراب یا بُرے مشیروں کے خراب مشورے کے باعث کمل وردھن بیوقوفی سے تخت نشین نہ ہوا۔ چونکہ وہ سیاسی امور سے واقف نہ تھا اس لئے اس روز تو اپنی جائے رہائش کو چلا گیا اور اگلے روز برہمنوں کو جمع کر کے اُن سے شاہی اختیارات کے متعلق رائے لینے لگا۔ اس نے ان سے کہا۔ "آپ نے کسی طاقتور اور بالغ ہم وطن کو راجہ بنا لو" اور اپنی سادگی میں یہ خیال کیا کہ میری قابلیت کی وجہ سے وہ مجھے ہی راجہ بنائینگے۔ اس سے زیادہ قابل رحم شخص کون ہو سکتا ہے جسے کوئی شرمگین جوان عورت تنہا جگہ میں مخمور مل جائے اور وہ بزدلی سے اس وقت تو لطف حاصل نہ کرے البتہ دوسرے روز قاصد کے ذریعے اُس کی مہربانی کا خواہشمند ہو یا اسی طرح پر اس سے

لیکن اس بارے میں صحیح واقفیت غالباً اُس ٹیکا کار نے مہیا کی ہے۔ جس نے اس کے معنے دفتر اکونٹنٹ جنرل کے لئے ہیں۔

اس شلوک نیز ترنگ ۵ کے شلوک ۳۸۹ و ترنگ ۷ کے شلوک ۲۰۸ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اکش پٹل کا سپرنٹنڈنٹ ایک اہم عہدہ رکھتا تھا۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۱۶۲-۱۶۰۴ اور ۲۴۰۹ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ایکانگوں کی ملٹری پولیس دفتر اکش پٹل سے متعلق ہوا کرتی تھی یہ ایک عجیب بات ہے کہ عہد دفتر نظامت جو اس وقت تک کشمیر میں اکونٹنٹ جنرل کے دفتر کا بدل خیال کیا جاتا تھا جب تک کہ جدید انتظامی اصلاحات عمل میں نہ آئی تھیں اس کے ماتحت پلٹن نظامت ہوا کرتی تھی۔ اور جیسا کہ شلوک ۲۴۹ میں واضح ہو چکا ہے ایکانگوں کی پلٹن اس سے بہت کچھ مشابہ تھی۔

۲۱۵ سری ڈھک کی مقامیت کا کچھ پتہ نہیں چل سکا۔ لفظ ڈھک کی تشریح کے لئے دیکھو ترنگ ۵ شلوک ۳۹۔

۲۱۶ سٹائن صاحب نے اپنی کتاب میں اس جگہ سے لیکر آئندہ تیرہ شلوک درج نہیں

بڑھ کر کون قابل رحم ہو سکتا ہے جو بزور بازو طاقت (حکومت) حاصل کر کے اُس وقت تو اسے اپنے ہاتھ سے نکل جانے دے اور اگلے روز تدبر کے ذریعے اُسے واپس حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

برہمنوں کی مجلس جب اُت پل کے خاندان کا خاتمہ ہو گیا تو برہمن موٹے اونی کپڑے پہنے ہوئے اس طرح گوکل میں جمع ہوئے جیسے بغیر سینگ کے بیل۔ یہ برہمن جن کی داڑھیاں دھوئیں سے جھلسی ہوئی تھیں عرصہ تک اس بات پر بحث کرتے رہے کہ تاج کسے دیا جائے۔ اور فلاں شخص کو تخت نشین کیا جائے یا فلاں کو۔ جب وہ اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ بحث کر رہے تھے کسی کو تخت نشینی کا پانی (آب غسل) حاصل نہ ہوا۔

کئے۔ چنانچہ ان شلوکوں کا ترجمہ مسٹر جوگیش چندر دت کی کتاب سے کیا گیا ہے۔

۴۱۷ کلہن نے جا بجا اس طریق حلف کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً دیکھو ترنگ ۲ شلوک ۸ - ۵۹ ۴۳ - ۴۷ ۷ اور ترنگ ۸ شلوک ۲۰۹۱ - ۳۰۰۶ - جو لوگ اس قسم کا حلف اُٹھائیں انہیں بیت کوش یا کوش پیٹھن کہا جاتا ہے۔ دیکھو علی الترتیب ترنگ ۴ شلوک ۸ ۵۵ ترنگ ۵ شلوک ۴۲۲ ترنگ ۶ شلوک ۲۲۵ - ترنگ ۷ شلوک ۲ ۴۷ ترنگ ۸ شلوک ۲۸۰ - ۱۶۵۶ - اور ترنگ ۵ شلوک ۳ ۴۳ - ترنگ ۶ شلوک ۲۱۱ - مختلف سمرتیوں میں اس طریق حلف کا بیان مذکور ہے۔ جہاں کوش کے طریق کو امتحان کے نو مختلف طریقوں میں سے ایک قرار دیا گیا ہے۔ دیکھو یاگولک ادھیائے ۲ شلوک ۱۱۲ نارد ادھیائے ۱ شلوک ۳۲۶ - وشنو پوران ادھیائے ۱۴ - عام طور پر کسی مقدس مورتی کو پانی میں نہلایا جاتا ہے اور جس شخص کو حلف دینا ہو اسے اس قسم کا پانی تھوڑی مقدار میں بطور چرن امرت کے دیا جاتا ہے اگر اس کے بعد تھوڑے عرصے میں اس پر یا اُس کے قریبی رشتہ دار پر کوئی مصیبت نازل ہو تو خیال کیا جاتا ہے کہ وہ در اصل قصوروار تھا۔

البتہ ان کی اپنی ڈاڑھیاں اُس تھوک کے باعث تر ہو گئیں جو وہ فضول بکواس میں گرا رہے تھے۔ جب سادہ لوح کمل وردھن نے ان برہمنوں کو جو تخت کے لئے کسی مستحق شخص کو تلاش کر رہے تھے اپنی یاد دہانی کروائی تو اُنھوں نے اسے اینٹیں مار مار کر نکال دیا۔

اس طرح پر برہمن پانچ چھ روز تک جمع رہے اس اثناء میں مختلف مقدس مقامات کے پروہتوں کا بھی گھمسان ہو گیا جنہوں نے اپنے نقاروں۔ جھانجوں اور دوسرے آلات موسیقی کے ذریعے ایک شور وغل پیدا کر رکھا تھا وہ جابجا چمکدار جھنڈیاں۔ نشان اور چھتر اُٹھائے لدو جانوروں پر سوار پھر رہے تھے کمل وردھن نے جب شاہی طاقت دوسروں کے ہاتھ میں دیکھی تو اُسے ویسے

پروفیسر جولی نے کوش کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاملہ بابعہ کے متعلق اعتبار پیدا کرنے کا ایک ذریعہ تھا۔ گلمن نے کئی ایک موقعوں پر اس لفظ کا استعمال ایسی صورتوں میں کیا ہے کہ جہاں سابقہ دشمنوں میں ملاپ ہو گیا ہے اور انہوں نے مستقبل کے صلح کا عہد کر لیا ہے اس کے علاوہ خفیہ جماعت بندیوں اور سازشوں کے متعلق بھی یہ لفظ کئی موقعوں پر استعمال ہوا ہے۔

اوپر کے شلوک اور نیز ترنگ ۸ کے شلوک ۲۰۰۷ سے اس عجیب رواج کا پتہ چلتا ہے کہ جو لوگ اس رسم کو انجام دیا کرتے تھے انہیں خون چھڑکی ہوئی بھیڑ کی کھال پر پالتی مار کر بیٹھنا پڑتا تھا۔ سٹائن صاحب کا بیان ہے کہ میں اس رسم کو ہندوستان کے کسی اور حصے میں تحقیق نہیں کر سکا۔

۲۱۸ یہاں بربھی ۲۶ شلوکوں کا ترجمہ بابو گیش چندر دت کی کتاب سے کیا گیا ہے کیونکہ سٹائن صاحب نے اپنی کتاب میں ان شلوکوں کا صرف خلاصہ ہی درج کیا ہے۔

۲۱۹ سمرتیوں میں عام طور پر کسی کا بچا ہوا کھانا کھانے کی ممانعت کی گئی ہے دیکھو

ہی دکھ پہنچا گویا اس کی اپنی بیوی فاحشہ عورت کی صورت میں بدل گئی ہے۔ اسی اثناء میں پدرکش راجہ کی رانی نے ان خود بخود فاقہ کشی کرنے والوں کے پاس اس غرض سے اہلکار بھیجے کہ وہ اُس کے مفروضہ بیٹے کے لئے تخت حاصل کرنے کی التجا کریں۔

یشسکر کشمیر کا راجہ منتخب کیا گیا } بیشا چک پور کے گاؤں میں ویردیو نامی کا کا دیو نامی ایک بیٹا جو بڑا نیک چلن اور پاک باز تھا رہتا تھا۔ اس نے اکشروں کی تھوڑی بہت تعلیم حاصل کر لی تھی جس کے بعد وہ میرو وردھن کے گھر میں لڑکوں کو تعلیم دیتا رہا اور کچھ مدت کے بعد خزانچی (گنج آدھی کارن) کے درجے تک پہنچ گیا۔ اس کے

منوسمرتی ادھیائے ۴ شلوک ۲۱۱۔ وشنو پوران ادھیائے ۲ شلوک ۱۰۔

۴۲۰ تل دوادشی ایک تیوہار ہے جو ماہ ماگھ کے کرشن پکش کی بارھویں تاریخ کو منایا جاتا ہے اور تل وغیرہ دان دیئے جاتے ہیں۔ نیل مت پوران کے شلوک ۸۰۴ میں تل دوادشی کا ذکر آتا ہے۔ اور اس کے متعلق چھ مراسم اس میں مذکور ہیں۔ رن سوامن کے مندر کے متعلق دیکھو نوٹ ۱۹۲ کتاب ہذا۔

۴۲۱ کلہن نے اس جگہ دہباریوں کی بے ادبی اور گستاخی کا ذکر کیا ہے۔

۴۲۲ گرواکشا سرس کا محل وقوع معلوم نہیں۔ نیل مت پوران کے شلوک ۱۰۳۴ میں تیرتھوں کی ایک فہرست کے اندر دیوی گورکشی کا ذکر آتا ہے لیکن اس کے تیرتھ کی مقامیت کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ ممکن ہے کہ اس دیوی کی پوجا اس جھیل میں ہوا کرتی ہو جس کا ذکر مذکورہ بالا شلوک میں آیا ہے۔

ایک مقدس جھیل کے پانی میں سے دیوی کے معجزانہ طریق پر نمودار ہو جانے کی ایک مثال ترنگ ۱ کے شلوک ۳۵ میں بھی ملتی ہے۔

بعد اس کا بیٹا پربھاکر دیو رفتہ رفتہ راجہ شنکر ورمن کے ماتحت خزانچی کے عہدے تک جا پہنچا۔ یہی سوگندھا کا خفیہ آشنا تھا اس کا بیٹا فاضل یشسکر معلوم نہیں لکشمی (دولت) اور سرستی (علم) کی دشمنی یا ملک کی بد قسمتی سے بے حد غریب ہو گیا اور معہ اپنے دوست پھلگونک کے کہیں باہر چلا گیا۔ نیک فال۔ خوابوں۔ اور چھینکوں [۴۲۳] دیوتی کے بر سے مطمئن ہو کر یہ انہیں دنوں اپنے وطن کو واپس آیا تھا اور اپنے دل میں بہت سی خواہشات رکھتا تھا۔ پدرکش راجہ کی بیوی نے جن قاصدوں کو برہمنوں کے پاس بھیجا تھا انہوں نے راستے میں اسے بباعث اس کی فصاحت کے ہمراہ لے لیا اور اس طرح پر وہ برہمنوں تک رسائی حاصل کر سکا۔ خوبیٔ قسمت دیکھئے کہ جونہی برہمنوں نے اُسے دیکھا سب کے سب

[۴۲۳] لفظ کمپن آدھی پتی میں کمپن یا کمپنا کا جو جز موجود ہے اور جو اس کتاب میں اور بہت موقعوں پر استعمال ہوا ہے اس کا مطلب اب تک مختلف مترجموں نے ولسن صاحب سے لیکر بابو جوگیش چندر دت تک یہی لیا ہے کہ وہ کشمیر کے قریب کسی علاقے کا نام تھا۔ چنانچہ کمپن آدھی پتی۔ کمپن ادھیپ۔ کمپن آدھیش۔ کمپنا پتی ایش وغیرہ سے مراد یہی لی گئی ہے کہ وہ اس مفروضہ علاقے کا حاکم یا باجگذار راجہ تھا۔ ٹرائر صاحب نے اپنی راج ترنگنی کی جلد ۳ کے صفحہ ۵۰۹ پر یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ کمپن دریائے کابل کی وادی کا نام تھا جسے چینی زبان میں کی پن کہتے ہیں۔ لاسن صاحب نے اپنی کتاب انڈش آلٹرتھس کنڈ کی جلد ۳ صفحہ ۱۰۴۹ پر اس نام کو دریائے کمپنا سے منسوب کیا ہے جس کا ذکر مہابھارت میں آتا ہے اور کمپنا کی نسبت لکھا ہے کہ وہ مشرقی کابلستان میں کہیں پر واقع تھا۔ اس کتاب کے باہر اس مفروضہ علاقے کا کہیں ذکر نہیں پایا جاتا نہ کوئی اس قسم کی شہادت پیش کی گئی ہے جس سے ثابت ہو کہ راج ترنگنی میں لفظ کمپن حقیقت میں کسی مقام کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

یک زبان ہوکر کہنے لگے۔ کہ ضرور اسے ہی راجہ بنانا چاہئے۔ اس کے بعد برہمن جلدی سے یشسکر کے قریب آئے جو زمین کو قابو رکھنے کی پوری طاقت رکھتا تھا اور جس طرح بادلوں سے پہاڑ پر پانی برستا ہے اس طرح پر اس پر پانی چھڑکا۔

بانسوں کا جنگل اُس آگ سے جل اُٹھتا ہے جو ان کی رگڑ سے پیدا ہوتی

تمام فقروں کو غور سے دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ کمپن اور کمپنا دراصل فوج کے معنے رکھتا ہے اور کمپن آدھی پتی یا کمپنا پتی کے معنے راجہ کی فوج کے سپہ سالار یا جرنیل کے ہیں۔ جن شلوکوں میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے اُن سے اس کے معنے یا تو فوج کے نکلتے ہیں (دیکھو ترنگ ۷ کا شلوک ۳۶۵ اور ۱۳۱۹۔ اور ترنگ ۸ شلوک ۵۷۵) یا اس سے مراد دوار۔ راجستھان۔ اور اور بڑے بڑے عہدوں کے برابر کے عہدے سے لی گئی ہے۔ دیکھو ترنگ ۱ شلوک ۲۵۹۔ ترنگ ۷ شلوک ۸۸۷۔ ترنگ ۸ شلوک ۱۹۸۲-۱۶۲۴-۱۰۴۶

جن شلوکوں میں کمپن آدھی پتی یا کمپن ایش کا لفظ آیا ہے ان میں غالباً ترنگ ۷ کے شلوک ۳۶۲ ۱ و ۱۳۶۶ نہایت پر مطلب ہیں۔ جب راجہ ہرش اوچل اور اس کے رشتہ داروں سے تنگ آیا ہوا ہوتا ہے تو کوئی وزیر کمپن کا چارج لینا منظور نہیں کرتا آخر کار چندراج اسے منظور کر لیتا ہے اور راجہ کی فوجیں ساتھ لیکر دشمن کے مقابلہ میں بڑھتا ہے۔ اس وقت اس کا ذکر سیناپتی کی حیثیت میں کیا گیا ہے اور اسے دروناچاریہ سے مشابہت دی گئی ہے جو آخری لڑائی میں کوروں کی فوج کا رہبر تھا۔ چندراج باغی فوج کے جس رہبر کو شکست دیتا ہے اس کے متعلق لفظ "ڈنگش کمپن ایش" استعمال ہوا ہے جس کے معنے دشمن کے جرنیل کے ہیں۔

ترنگ ۸ کے شلوک ۷۷۰، ۱۲ میں ہم دیکھتے ہیں کہ راجہ مزید فوجوں کے ذریعے کمپن ایش

ہے اور بارش کے یکایک ہو جانے سے انکی جڑیں بہ جاتی ہیں۔ خیال کی بات ہے کہ خالق اس غرض کے لئے کہ ایک ایسے درخت کو جو طوفان سے اکھڑ کر کسی اور جگہ سے آیا ہے۔ ایک بہت بڑے پہاڑ کی کھڈ میں اُگانے کے لئے کیا کیا نہیں کرتا۔ اگر پارتھ کا بیٹا نوکروں کے ایما پر اپنے خاندان کی بیخ کنی نہ کرتا۔ اگر کمل وردھن اس لڑکے کو تخت سے نہ اُتارتا تو کیونکر ممکن

کے کمپ میں کمک بھیجتا ہے۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۸۸۶ میں ایک گڑھے (سوبھر) کا ذکر جس کے باعث باغی لیڈر مارا گیا تھا ازراہ تمسخر فاتح کمپن ایش سوبھر کے طور پر کیا گیا ہے۔ ترنگ ۷ کے شلوک ۲۲۱-۲۶۷-۵۷۹۔ اور ترنگ ۸ کے شلوک ۵۰۹-۵۹۹-۶۲۷-۶۵۲-۶۶۹-۶۹۸-۱۰۳۹-۱۵۱۰-۱۵۸۰-۱۶۷۴-۱۸۴۰-۲۰۲۹-۲۱۹۰-۲۲۰۵ وغیرہ میں کمپن ادھی پتی مہم کے موقعوں پر شاہی فوجوں کے لیڈر کی حیثیت میں ہی نمودار ہوتا ہے۔

لوک پرکاش کے ادھیائے ۴ کی ابتدا میں کمپنا پتی کا ذکر بڑے بڑے درباری افسروں کی فہرست میں دواریتی اور اشوپتی کے درمیان کیا گیا ہے۔

یہ ایک عجیب بات ہے کہ لفظ کمپن اب تک شائع شدہ کوشوں میں سے کسی میں نہیں پایا گیا۔

۲۲۴ یہاں پر کسی خاص مقدس عمارت سے مراد لی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اور ممکن ہے کہ یہ وہی گوکل ہو جس کی تعمیر کا ذکر ترنگ ۵ کے شلوک ۲۳ میں آ چکا ہے۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۹۰۰ میں گوکل سے مراد ایک ایسے مقام سے لی گئی ہے جہاں برہمن پرایوپویشن (فاقہ کشی) کے لئے جمع ہوتے تھے۔ اس لفظ کے لغوی معنے چونکہ مویشی کے باڑے کے ہیں اس لئے شعر میں ایک خوبی پیدا ہو گئی ہے۔

۲۲۵ کلہن نے جمع شدہ برہمنوں کی تعریف تو نہیں کی البتہ ان کی تصویر نہایت

تھا کہ ییشسکر دیو جو عالی نسب نہ ہونے کے علاوہ ایک بھکھاری کی حیثیت میں ہر جگہ پھر چکا تھا شاہی اعزاز حاصل کر لیتا۔

جس راستے سے راجہ کا جلوس گذرتا تھا اس کے کنارے عورتوں کی آنکھیں کنول پھول کے گچھوں کی مانند لگی ہوئی تھیں۔ جو اس برکت یافتہ راجہ کی صورت دیکھنا چاہتی تھیں اور جسے تھوڑی مدت پہلے لوگ بغیر کسی ہمراہی کے

خوبی سے قلمبند کی ہے جس جگہ جھلنے کا ذکر کیا گیا ہے اس کی وجہ کانگڑ معلوم ہوتا ہے جو زمانہ قدیم سے کشمیر میں مروج چلا آتا ہے۔ کانگڑ میں گرم کوئلے ڈال کر کشمیری اُسے اپنے کھلے لبادہ کے اندر گلے میں ڈال لیتے ہیں اور وہ ان کی چھاتی سے لگا رہتا ہے۔ موسم سرما میں غربا تو ایک لمحے کے لئے اسے جدا نہیں کرتے۔ رات کو بھی کشمیری اسے ساتھ لیکر سو جاتے ہیں اور جب بیٹھتے ہیں تو اپنے سر کو آگے کی طرف جھکائے رکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ بہت کم لوگ ایسے پائے جاتے ہیں جن کو دہکتے ہوئے کوئلوں کے داغ نہ لگ چکے ہوں۔ دیکھو لارنس صاحب کی کتاب ویلی صفحہ ۲۵۰۔ کانگڑ کا ذکر سری کنٹھ چرت ادھیائے ۳ شلوک ۲۹ میں پایا جاتا ہے جس کے متعلق ڈاکٹر بلرش نے کتاب انڈین اینٹی کوئٹی کی جلد ۱۵ صفحہ ۵ پر ذکر کیا ہے۔ اغلب معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کشمیری نام سنسکرت زبان کے کاش ٹھانگاو کا سے اخذ کیا ہوا ہے۔

۲۲۶ جیسا کہ شلوک ۴۶۸ سے واضح ہوتا ہے یہ پروہت اس غرض سے جمع ہوئے تھے کہ کٹھن برت کے ذریعے برہمنوں کو مجبور کریں کہ آئندہ راجہ کے انتخاب کے متعلق جلد فیصلہ کریں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے اور بھی کئی موقعوں پر یہ کارروائی کی تھی اور اس اعتبار سے سیاسی پیچیدگیوں میں بہت سا حصہ لے چکے تھے۔ دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۷۰۹ اور ۹۰۰۔ آخر الذکر شلوک سے واضح ہوتا ہے کہ جب وہ برت رکھنے کے لئے اکٹھے ہوکر شہر کو آئے تو مقدس مورتیاں اور پوجا کا دوسرا سامان بھی ہمراہ ہی لیتے آئے۔

عام شخصوں کی طرح پیادہ پھرتے دیکھ چکے تھے۔ جس وقت راجہ شنکر دیو محل شاہی کی طرف جا رہا تھا تو وہ آہو چشم عورتوں کی دعائیں سُنکر غرور میں نہیں آتا تھا بلکہ اپنا منہ ان کی طرف سے پھیر لیتا تھا۔ اس سے داناؤں نے یہ نتیجہ نکالا کہ اس نے اپنی رعایا کی حفاظت کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ غرض اسی طرح پرتھوی کا یہ چاند محل شاہی میں جو عورتوں کی برکات اور دعاؤں کے نعروں سے گونج رہا تھا داخل ہوا۔

اس وقت اس کا چمکدار چتر جو سورج کی سی روشنی کے ساتھ چمک رہا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چاندی کے تھال میں اُس کے سر کے گرد آرتی اتار رہا ہے۔

یہاں پر راج ترنگنی کی پانچویں ترنگ ختم ہوتی ہے جسے کشمیر کے مشہور

---

۴۲۷ پیٹھ دیوی سے مراد غالباً درگا کی ایک صورت سے ہے جس کی پوجا کسی ایک پیٹھ استھان پر ہوتی ہے۔ آخر الذکر کی تعداد ۵۱ ہے جن کے متعلق تنتر شاستروں میں لکھا ہے کہ یہ وہ جگہ تھی جہاں ستی کے اعضا اُس وقت گرے تھے جب دکھش کے یگ کے موقعہ پر اس کی زندگی منقطع ہونے کے بعد اس کے شوہر شوجی نے انہیں پھیلا دیا تھا۔ (وشنو پوران ادھیائے ۸ صفحہ ۲۶۱)

۴۲۸ اس شلوک میں مختلف راجاؤں کے عہد حکومت کی جو تعداد بیان کی گئی ہے وہ اُن تاریخوں سے مطابق ہے جو اونتی ورمن اور شنکر کی تخت نشینی کی تھیں۔ چونکہ اونتی ورمن کے تخت نشین ہونے کی صحیح تاریخ معلوم نہیں اس لئے مہینوں کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔

شراب کشید کرنے والے جانشینوں سے مراد اُن حکمرانوں سے ہے جو اُتپل ورمن کی نسل سے ہو گذرے تھے شاہراہ عام سے اُٹھایا ہوا راجہ سنکٹ تھا۔ عورت سوگندھا اور وزیر شنبھو وردھن۔

وزیر چمپک کے بیٹے کلہن نے تالیف کیا۔

(۸۳ سال ۴ ماہ کے عرصہ میں خراب کشید کرنے والے کے آٹھ جانشینوں ۴۴۰
نے حکومت کی۔ جن میں سے ایک کی شاہراہ عام سے اُٹھا کر پرورش کی گئی تھی
اور ایک عورت اور ایک وزیر تھا) +



مکمل راج ترنگنی

چھٹی ترنگ

اپرنا (پاربتی جس نے اپنے برت میں ایک پتہ تک نہ کھایا تھا) ہماری حفاظت کرے۔ وہ جو دیوتاؤں کی استریوں کی زبانی اپنی کان کو خوش معلوم ہونے والی تعریف اس طرح پر سنتی ہے۔ "شوجی سے ملاپ حاصل کرنے کی وجہ ان ریاضتوں کی طاقت نہیں ہے جو محض پتوں یا ہوا پر گذارہ کر کے کی گئی ہوں کیونکہ دیکھ! بیل اور سانپ، اگرچہ انہیں دو چیزوں پر گذارہ کرتے ہیں تاہم ابھی تک شوجی کے جسم سے باہر ہیں۔ یہ صرف اس کی محبت کی وجہ سے ہے کہ تم دنیا کے مالک کے جسم کے نصف حصہ پر قابض ہو۔"

راجہ یشسکر

۹۳۹ء تا ۹۴۸ء

محل کے احاطے سے گذرتے ہی یشسکر نے دربانوں کو حکم دیا کہ برہمنوں کو

پیچھے ہٹادو۔ کیونکہ وہ رسائی سے بعید رہنا چاہتا تھا۔ لیکن جب دربان انہیں پرے ہٹا رہے تھے اس نے ہاتھ جوڑ کر ان سے کہا " تم نے مجھے تخت دیا ہے اور اس لائق ہو کہ میں دیوتاؤں کی طرح تمہارا پوجن کروں لیکن چونکہ میں جانتا ہوں کہ شاہی اعزاز دینے والے کی حیثیت رکھنے کی وجہ سے تمہارے اندر نخوت پیدا ہو جائیگی اس لئے تم میرے سامنے سوائے کسی کام کے وقت کے کبھی نہ آیا کرو " جب لوگوں نے یہ بات سنی تو انہوں نے جان لیا کہ وہ رسائی سے بعید ہے۔ اور اُس کے ساتھ رہنے کی وجہ سے اُن کے اندر اس کے متعلق واقفیت کا جو خیال پیدا ہو چکا تھا وہ انہیں فراموش کرنا پڑا۔

اپنی قوت ذہنی کے زور سے اس نے سابق راجاؤں کے احکام کو اس طرح رائج کیا جس طرح کوئی بہت بڑا شاعر زمانہ قدیم کے شعرا کے طریقوں کو بحال کرتا ہے۔ ملک چوری چکاری سے اس طرح پاک ہوگیا کہ بازاروں میں دروازے کھلے پڑے رہتے تھے۔ اور مسافر سڑکوں پر بڑے اطمینان کے ساتھ سفر کر سکتے تھے۔ چونکہ وہ خود بڑی نگرانی سے کام لیتا تھا اس لئے اُن تمام عمال کو جو ہر چیز کو لوٹ رہے تھے سوائے اس کے کچھ نہ بن پڑا کہ زراعت کا کام شروع کریں۔ اہل دہ چونکہ بالکل کاشت کاری میں لگے رہتے تھے اس لئے انہوں نے کبھی شاہی محل نہ دیکھا۔ برہمن چونکہ ہر وقت مطالعہ میں محو رہتے تھے اس لئے انہیں ہتھیار لگانے کی ضرورت نہ پڑی۔ برہمن گورو[۲۲۹] بھجن گاتے وقت شراب نہ پیتے تھے

---

[۲۲۹] گورو سے مراد غالباً اس جگہ اور اور موقعوں پر کلہن نے ایسے شخصوں سے لی ہے جو تنترک مراسم کے موقعہ پر پروہت کا کام انجام دیتے تھے دیکھو ترنگ ۲ شلوک ۲۷۸ و ۵۲۳۔

[۲۳۰] تسیا پوپ یگ تنترک رسوم کے مطابق ایک پیچیدہ قسم کا یگ ہوتا ہے

اور سنیاسیوں کے بچے بیویاں اور فصلیں نہ ہوا کرتی تھیں ۔ جاہل گورو تمیا پوپ[۴۳۰] یگ نہ کروایا کرتے تھے ۔ اور نہ قدیم منتروں کے بجائے اپنے من گھڑت منتروں سے کام لیتے تھے ۔ گورو دیکشا[۴۳۱] کے موقعہ پر عورتیں دیوتائی وجود کی حیثیت میں اپنے آپ کو ظاہر نہ کرتی تھیں ۔ اور نہ اپنے سر ہلا کر اپنے شوہروں کے چال چلن کی عیب جوئی کرتی تھیں ۔ غرض اُس زمانہ میں جوتشی ۔ ڈاکٹر ۔ مشیر ۔ استاد ۔ وزیر پروہت ۔ سفیر ۔ منصف ۔ محرر کوئی بھی علم سے خالی نہ تھا ۔

ایک بد دیانت سوداگر کی کہانی

جو افسر پرائے اپویش (فاقہ کشی) کرنے والوں کی نگرانی کرتے تھے انہوں نے خبر دی کہ ایک شخص پرائے اپویش کر رہا ہے ۔ جب راجہ نے اُسے اپنے سامنے بلایا تو وہ کہنے لگا ۔ "کسی زمانہ میں میں یہاں کا ایک دولت مند باشندہ تھا لیکن کچھ مدت گزرنے کے بعد انقلاب زمانہ سے مفلس ہو گیا ۔ جب میرا قرض اسقدر بڑھ گیا کہ قرضخواہ مجھے تنگ کرنے لگے تو میرا ارادہ ہوا کہ قرض اُتار کر ممالک غیر کی سیاحت کروں اسپر جو کچھ

جس کے متعلق کشمیر کے لوگ اب تک واقفیت رکھتے ہیں ۔ سٹائن صاحب نے مرتی تت وانو سمرن کے متعلق اپنے مسودے کے پانچویں باب میں تنترک شرادھوں کے ضمن میں اس کا ذکر کیا ہے ۔ ان موقعوں پر مچھلیاں اور روٹیاں (اپوپ) چڑھائی جاتی ہیں ۔
معلوم ہوتا ہے کہ کلہن نے اس موقعہ پر اپنے زمانے کے کسی مراسمی تکرار کا بلاواسطہ طور پر حوالہ دیا ہے ۔ کشمیری بلچ بٹوں میں آجتک یہ رواج چلا آتا ہے کہ وہ نئے تیار کردہ ذہنی پدھیتوں کے ذریعے ویدک یا تنترک مراسم کی غلطیوں کی تائید کئے چلے جاتے ہیں ۔

[۴۳۱] گورو دیکش ایک تنترک رسم ہوتی ہے جسے ادا کر کے شاگرد (سادھک) کو گورو یا استاد بنایا جاتا ہے ۔ اس دیکشا کا ذکر راگھوا نند کی پدھتی رتن مالا مسودہ جموں ع ۹۲ میں

میرے پاس تھا وہ سب میں نے قرض اُتارنے کے لئے فروخت کر دیا اور اپنی حویلی بھی ایک دولت مند سوداگر کے ہاتھ فروخت کر دی اس عظیم الشان عمارت کو فروخت کرتے وقت میں نے اپنی بیوی کے لئے ایک باؤلی مستثنیٰ قرار دے لی۔ اس خیال سے کہ میری بیوی اُس کرائے پر اوقات بسر کیا کریگی جو باغبان اسے دیا کرینگے کیونکہ وہ لوگ موسم گرما میں پھول پان وغیرہ اس سرد باولی میں رکھا کرتے تھے۔ بیس سال مختلف ملکوں میں گھومنے کے بعد تھوڑا سا روپیہ پیدا کرکے اپنے وطن کو واپس لوٹا ہوں مگر جب میں نے اپنی بیوی کو تلاش کیا تو دیکھا کہ اس کا جسم بالکل پژمردہ سا ہو رہا ہے اور وہ دوسروں کے گھروں میں محض ایک خادمہ کی حیثیت میں رہتی ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر سخت رنج ہوا اور میں نے اس سے پوچھا کہ جب تمہارے پاس گذارے کا سامان تھا تو پھر تم نے کیوں یہ طریق اختیار کیا۔ جس پر اس نے ساری داستان کہہ سنائی اور کہنے لگی کہ جب تمہارے جانے کے بعد میں اُس باولی میں گئی تو سوداگر نے مجھے ڈنڈے مار کر نکال دیا۔ اس صورت میں کیونکر اوقات بسر کر سکتی تھی۔ اتنا کہکر وہ چپ ہوگئی

موجود ہے۔ کشمیری پنڈتوں کی روایات میں اس قسم کی کتابیں پائی جاتی ہیں جن کا حوالہ کلہن نے دیا ہے جبکہ عورتیں تنترک گورو کے درجہ تک پہنچی ہیں۔ گورو دیکشا اور دوسرے تنترک مراسم کے موقعہ پر گورو اور اُس کے روحانی پیشروؤں کی پوجا یگ کرنے والوں کی طرف سے اُنکے اصلی ناموں کے ذریعے جن میں خاص خاص دیوتاؤں کے نام بھی ملائے ہوئے ہیں ہوتی ہے۔ مذکورہ بالا شلوک میں کلہن نے اُن عورتوں کو طعنہ دیا ہے جو گورو کا درجہ حاصل کرکے اپنے شوہروں کے چال چلن پر نکتہ چینی کرنے لگتی ہیں۔

۴۳۲؎ ایک ٹیکا کار نے بجا طور پر ادہی کرن بیکھک کی تشریح کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ وہ ایک اس قسم کا اہلکار ہوا کرتا تھا جس کی موجودگی میں کسی قطعہ زمین کی فروخت کا

اور مجھے سخت غم و غصہ ہوا۔ اس پر میں نے پرائے اپویش شروع کیا لیکن مختلف جج میرے خلاف مدعا علیہ ہی کے حق میں فیصلہ سناتے رہے۔ میں چونکہ ایک سیدھا سادھا شخص ہوں اس لئے قانون سے واقفیت نہیں رکھتا۔ لیکن اپنی جان کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ میں نے وہ باولی فروخت نہیں کی۔ چونکہ میری جائداد چھن چکی ہے اس لئے میں آپ کے دروازے پر مرتا ہوں۔ آپ اسباب کا خود فیصلہ کیجئے ورنہ یقین جان لیجئے کہ آپ ایک گناہ کا ارتکاب کر رہے ہیں"۔ جب راجہ سے اس طرح پر کہا گیا تو اس نے دربار منعقد کیا اور ججوں کو جمع کر کے حقیقت حال دریافت کرنے لگا۔ ججوں نے یہ جواب دیا کہ اس شخص کے مقدمہ پر بارہا غور کر کے اسے خارج کر دیا جاتا رہا ہے لیکن یہ مکار شخص قانون کی پرواہ نہیں کرتا اور اس لئے اسے ایک جعلی دستاویز بنانے والے کی حیثیت میں سزا دینی چاہئے۔ اس پر راجہ نے خود ان الفاظ کو پڑھا جو بیعنامہ میں موجود تھے۔ یہ الفاظ حسب ذیل تھے "حویلی معہ باولی کے فروخت کی جاتی ہے"۔ مشیر کہنے لگے اس سے سارا معاملہ ظاہر ہوتا ہے لیکن راجہ کے ضمیر نے چپکے سے کہا کہ مدعی

معاملے طے کرتے تھے اور جو زمین کو ناپ کر دستاویز تیار کرتا تھا۔ تھوڑی مدت گذری اُسوقت تک کشمیر میں یہ کام خاص طور پر متعین لیکن بلاتنخواہ اہلکاروں کے سپرد ہوتا تھا جنہیں صراف کہتے تھے زمانہ حال میں صراف اس بات کا مجاز ہوا کرتا تھا کہ وہ فروخت کنندہ سے اپنی محنت کا تھوڑا سا معاوضہ حاصل کرے۔

۲۳۳ فروخت کی دستاویز میں اصلی عبارت "سوپان کوپ رہت" لکھی تھی جس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ مکان جو فروخت کیا گیا ہے اس میں زینہ اور کنواں شامل نہیں۔ لیکن را (र) کو سا (स) سے بدل کر اس جگہ "سوپان کوپ سہت" کر دیا گیا جس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ زینہ اور کنواں بھی اس فروخت میں شامل ہے۔

راستی پر ہے۔ بظاہر ایک منٹ کے لئے غور کرنے کے بعد راجہ نے مشیروں کو دوسری عجیب عجیب کہانیوں میں لگائے رکھا اور دوران گفتگو میں اُنکے زیورات دیکھنے کے لئے لے لئے اور ہنستے ہوئے مدعا علیہ کے ہاتھ سے انگوٹھی اُتار لی۔ اس کے بعد مسکراتے ہوئے سب سے یہ کہہ کر کہ ایک منٹ کے لئے ٹھہر جاؤ وہ پاؤں دھونے کے بہانہ سے دوسرے کمرہ میں چلا گیا۔ وہاں سے اس نے ایک نوکر کو پیغام دیکر سوداگر کے مکان پر بھیجا اور انگوٹھی اُسے اس غرض سے دیدی کہ وہ پہچانا جا سکے۔ یہ انگوٹھی دکھا کر اس نوکر نے سوداگر کے محاسب سے اس سال کے حساب کی (بہی) طلب کی جس میں بیعنامہ طے ہوا تھا۔ جب محاسب کو یہ بات بتائی گئی کہ سوداگر کو وہ کتاب اس روز دربار میں درکار ہے تو اس نے انگوٹھی لیکر وہ کتاب دیدی۔ راجہ نے جب اس کتاب کو دیکھا تو اس میں اخراجات کی دیگر رقوم کے علاوہ ایک ہزار دینار کی رقم وہ تھی جو ادہی کرن لیکھک ۲۳۲ (رجسٹرار) کو دی گئی تھی۔ یہ دیکھکر اسے تھوڑی فیس کی بجائے بہت بڑی فیس دی گئی ہے راجہ کو یقین ہو گیا کہ سوداگر نے

۲۳۲ اس کے بعد کے عہد حکومت میں صرف ایک ہی کوتوال کا ذکر آتا رہا ہے جو شہر سری نگر میں ہوا کرتا تھا دیکھو ترنگ ۶ شلوک ۲۹۶۔ ترنگ ۷ شلوک ۱۰۸-۸۰-۵- ۴۲-۱۵- ترنگ ۸ شلوک ۲۵۶-۶۳۲-۸۱۴-۸۳۸-۱۴۵۹ وغیرہ۔ لیکن کلہن اس جگہ یہ بیان کرتا ہے کہ لشکر نے چار کوتوال اس غرض سے متعین کئے کہ انہیں مقابلے میں جو روپیہ داخل کرنا پڑتا تھا اُس کے ذریعے اپنی آمدنی کو بڑھائے اس صورت میں ظاہر ہے کہ اہلکار خود اپنے خسارے کو اہل شہر سے پورا کرتے ہونگے۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۲۳۲۴ میں اُن جرمانوں کی عجیب وغریب کیفیت درج ہے جو کسی شہر کا کوتوال عائد کر سکتا ہے۔ مالی فوائد کے لئے علاقوں کو مختلف حصوں میں تقسیم کرنے کی پولیسی کشمیر میں تھوڑا عرصہ گذرا ابھی تک

اس سے بجائے چھوٹے[۴۳۴] کے لکھوالیا ہے۔ آخر اس نے یہ بات دربار میں پیش کی۔ رجسٹرار کو وعدہ معافی دیکر اس سے سوالات پوچھے اور مشیروں کو یقین دلایا کہ سوداگر واقعی جھوٹا ہے اس کے بعد انہیں مشیروں کی درخواست پر اس نے سوداگر کا مکان اور اس کی جائداد مدعی کو دے دی اور مدعا علیہ کو ملک بدر کردیا۔

ایک برہمن کی کہانی ایک روز شام کے وقت جبکہ راجہ اپنا روزانہ کام ختم کرچکا تھا اور کھانا کھانے لگا تھا بوقت اطلاع دہی سے ڈرتے ڈرتے دربان نے عرض کیا "مہاراج ایک برہمن باہر کھڑا ہے اور کہتا ہے کہ اگر اس کی آپ سے ملاقات نہ ہوئی تو خودکشی کریگا گو میں نے اس سے یہ بات کہدی ہے کہ آپ دن بھر کا کام ختم کرچکے ہیں اور اُسے جو کہنا سُننا ہو کل کہئے"۔ راجہ نے باورچی کو روک کر برہمن کو اندر لانیکا حکم دیا۔ اور جب وہ اندر آیا تو سوالات کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ کسی سخت مصیبت میں مبتلا ہے۔ اس نے بیان کیا "عرصہ دراز تک باہر گھومنے کے بعد میں

تک پہنچ تھی دیکھو مسٹر لارنس کی تفصیل قدیم مالی انتظام مندرجہ کتاب ویلی صفحہ ۴۲۱۔

۴۳۵ کلہن یہاں پر کسی سختی کا ذکر کرتا ہے جس کے ذریعہ لشکر نے تکلیف دہ تنتریوں سے نجات حاصل کی تھی۔ جنہوں نے مختلف عہد ماسبق میں بہت سے انقلابات پیدا کئے تھے کسی مقدس تصویر کے روبرو تلوار رکھ دینے کا ذکر آگے چل کر اسی ترنگ کے شلوک ۸، ۹، ۲۰۷ میں آتا ہے۔ اس سے یہ مراد لی جاتی تھی گویا شخص مذکور نے تمام دنیاوی خواہشات کو ترک کردیا ہے۔

۴۳۶ منڈل ایش کا لفظ جس کے مترادف الفاظ منڈل ایشور اور منڈل ایشر بھی ہیں ایک حاکم ضلع کی حیثیت میں آخری دو ترنگوں کے اندر بہت جگہ استعمال ہوا ہے مثال کے

یہ سُنکر اپنے وطن کو واپس آ رہا ہوں کہ یہاں اچھی طرح حکومت ہوتی ہے اور ایک سو طلائی مہریں (سوسن رنیک) کما کر اپنے ساتھ لا رہا ہوں۔ میں سڑکوں پر بہ آرام چل رہا تھا کیونکہ آپ کے عہد میں وہ لٹیروں سے پاک ہو چکی ہیں چنانچہ تھکا ماندہ کل شام میں، لونوتش میں ٹھہر گیا۔ بہت دور چلنے کی وجہ سے چونکہ میں تھکا ماندہ تھا اس لئے بوقت شب بغیر کسی قسم کے خطرے کے سڑک کے کنارے باغ کے درخت کے نیچے سو رہا۔ جب میں بیدار ہوا تو وہ رقم جو میرے کپڑے کے پلے میں بندھی ہوئی تھی پاس ہی ایک کنوئیں میں جسے جھاڑی کی وجہ سے مینے نہ دیکھا تھا گر گئی۔ چونکہ میری ساری کمائی ضائع ہو گئی تھی اس لئے میں بڑی دیر تک چیختا چلاتا رہا اور اس گہرے کنوئیں میں خود گرنے والا تھا کہ لوگوں نے مجھے روک دیا۔ اس پر کسی شخص نے جو اس الوالعزمانہ کام کے لئے تیار تھا مجھ سے کہا کہ اگر تمہیں روپیہ مل جائے تو کیا دوگے؟ مینے اس سے کہا "اپنی موجودہ بے بسی میں کیونکر اس مال کو حاصل کر سکتا ہوں اس میں سے تمہیں جو کچھ مناسب معلوم ہو مجھے دیدینا" اس پر وہ کنوئیں میں اُتر گیا اور جب اوپر آیا تو اس نے

طور پر دیکھو حاکم لوہر کا بیان موجودہ ترنگ ۷ شلوک ۹۹۶ ترنگ ۸ شلوک ۱۲۲۸ - ۱۸۱۴ و ۲۰۲۹ -

۴۳۷ کٹھن پراسچت کے موقعہ پر گائیں اور دوسرے جانوروں کی کھال پہننے کے رواج کے متعلق دیکھو متاکشرا جلد ۳ ادھیائے ۵ شلوک ۲۵۴ و ۲۶۳ - نیز چتر درگ ودانک ادھیائے ۱۰ صفحہ ۶۹۳ -

۴۳۸ ایک ٹیکاکار ایک روایت کا ذکر کرتا ہے جس کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اگرہار کاش تھل موجودہ کاٹھول میں واقعہ تھے جو دوسرے پل کے اوپر کی طرف وتستا کے بائیں کنارے سری نگر کا ایک حصہ ہیں۔ وکرمانک دیو چرت ادھیائے ۱ شلوک ۲۵ میں اجہ

دو اشرفیاں مجھے دیدیں۔ اور باقی ۹۸ خود رکھ لیں۔ جب میں نے اُس کے اس طریق پر اعتراض کیا تو لوگوں نے حقارت آمیز لہجہ میں مجھ سے کہا کہ راجہ یشسکر کے عہد میں جو بات طے ہو جائے وہ قائم رہتی ہے۔ میری ساری کمائی ضائع ہو گئی ہے اور وہ محض اس لئے کہ مینے سادہ طور پر ایک تہذیب کا کلمہ جو کہا تھا اس سے ناجائز فائدہ حاصل کیا گیا ہے۔ آپ نے چونکہ اس قسم کی ناانصافی مروج کر رکھی ہے اس لئے میں اب یہاں آپ کے دروازے پر مرتا ہوں"۔

جب راجہ نے اس سے اس شخص کا نام اور چال چلن پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ میں صرف اس کی روشناسی ہی رکھتا ہوں۔ راجہ نے وعدہ کیا کہ کل صبح تم جس طرح چاہتے ہو کیا جائیگا۔ اور بصد مشکل اُسے پاس بٹھا کر کھانا کھانے پر آمادہ کیا۔ دوسرے دن راجہ نے باشندگان لونوتس کو قاصدوں کے ذریعہ طلب کیا اور ان میں سے برہمن نے اُسے وہ شخص کھڑا ہوا دکھلایا۔ جب راجہ نے اُس سے سوالات کئے تو اس نے سب کچھ ویسے ہی بیان کردیا جیسے برہمن نے کیا تھا۔ اور یہ بھی کہا کہ مینے جو کچھ کیا ہے وہ برہمن کے کہنے پر ہی

اننت کے قائم کردہ برہمن اگرہاروں کا ذکر اسی مقام کے متعلق آتا ہے۔

۴۳۹ء کلہن اس جگہ پر یشسکر کی موت کے متعلق ایک اور کیفیت درج کرتا ہے گو وہ اسے صحیح تسلیم نہیں کرتا۔ گوروؤں سے مراد غالباً یہاں پر تنترک استادوں سے ہے۔

منو نے اپنی کتاب کے ادھیائے ۹ شلوک ۲۳۷ میں لکھا ہے کہ چوری کی سزا یہ دی جانی چاہئے کہ چور کی پیشانی پر کتے کے پاؤں کا نشان گرم کر کے لگا دیا جائے۔

سٹائن صاحب نے اس جگہ چکر میلک کو ایک مقامی نام خیال کیا ہے یہ لفظ صرف اسی موقعہ پر آتا ہے ایک ٹیکا کار نے اس کے معنے کچھ اور لئے ہیں لیکن اسکی تشریح مٹی ہوئی ہے۔

کیا ہے۔ جو لوگ حقیقی واقعات اور دی ہوئی زبان کے قائم رکھنے میں کوئی فرق نہ دیکھتے تھے وہ بحالت اشتباہ زمین کی طرف تکنے لگے۔ اس پر راجہ نے دربار میں بیٹھ کر ۹۸ سکے اس برہمن کو اور دو دوسرے شخص کو دیئے۔ لیکن جب لوگوں نے اعتراض کیا تو انہیں اس نے جواب دیا۔ کہ عظیم الشان انصاف کا طریق معلوم کرنا مشکل ہے جو سر اُٹھاتے وقت بے انصافی کو دبا دیتا ہے۔ جسطرح سورج کی روشنی شام کے وقت آگ اور چاند کے آبی کرّہ کی صورت اختیار کرتی ہے تو لمپوں اور چاند کی روشنی میں اپنی چمک پیدا کر دیتی ہے۔ اور ان کے ذریعے اُٹھتی ہوئی تاریکی کو دبا دیتی ہے ویسے ہی انصاف اس طریق پر چلتا ہوا بے انصافی کو دور کرتا ہے۔ انصاف ایک نا معلوم طریقے پر ہمیشہ نا انصافی کے ساتھ لگا رہتا ہے اور اُسے ویسے ہی پکڑ لیتا ہے جس طرح آگ ایندھن کو۔ بجائے یہ کہنے کے "جو کچھ تم مجھے دوگے وہ خود رکھ لینا" اس نے یہ الفاظ کہہ دیئے تھے تمہیں جو کچھ مناسب معلوم ہو وغیرہ "۔ اس حریص برہمن کو ۹۸ سکے صحیح رقم معلوم ہوئے لیکن اس شخص نے اتنی رقم کے دینے کے بجائے دو سکے دیئے جو وہ رقم نہ تھی جس کی وہ خود

ش۴۴۰ لفظ راجانک کے لفظی معنے "قریب قریب ایک راجہ" کے ہیں۔ اور یہ خطاب ان خدمات کے لئے دیا جاتا تھا جو کوئی شخص راجہ کے لئے سرانجام دے۔ دیکھو پروفیسر بوہلر کی رپورٹ صفحہ ۴۲ اور ترنگ ۷ شلوک ۲۶۱۔ یہ خطاب اب راز دان کی صورت میں باقی رہ گیا ہے جو کشمیر کے بہت سے برہمنوں کا خاندانی نام ہے۔ راجانک رتناکر "ہروجے" کے مصنف کو یہ خطاب حاصل تھا جو نویں صدی میں ہو گذرا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے کشمیری مصنفوں کو بھی حاصل تھا جن کا ذکر ونش پرشستی میں آیا ہے جو اتند راجانک نے جو سترھویں صدی میں ہو گذرا ہے نے شدچرت کے متعلق اپنی شرح میں درج کی ہے۔ دیکھو دکن کالج کا مسودہ ۱۳۳ سنہ ۱۸۷۵-۷۶ نیز ہرچرت چنتامنی ادھیائے ۷ شلوک ۴۔ و ادھیائے ۱۲

خواہش کرتا تھا۔

غرض اس طرح پر ایسے مقدمات میں فہم و ذکاوت سے کام لیکر راجہ نے جو ہمیشہ نگرانی میں مصروف رہتا تھا گویا کرتیہ یگ کا زمانہ واپس لا دیا۔ اگرچہ وہ اس طرح پر لوگوں کی رہبری کر رہا تھا مگر خود اپنے ناعاقبت اندیشانہ چال چلن کی وجہ سے موجب تمسخر بن گیا۔ اور اُس کی اُس طبیب کی سی حالت ہو گئی جو دوسروں کے لئے تو اچھا کھانا تجویز کرتا ہے اور خود خراب غذا کھاتا ہے۔ ہر چند کہ خود بڑی احتیاط کے ساتھ ایک وید پاٹھی برہمن کی طرح اپنے آپ کو مٹی اور پانی سے پاک کرتا تھا تاہم اس نے اپنے پاس سے اُن نوکروں کو دور نہ کیا جنہوں نے ڈوموں کا جوٹھا کھانا کھایا تھا۔ اس نے شہر کے چار کوتوالوں[۲۲۴] د نگرادہی کرتا کے ذریعے دولت جمع کر لی جو خود باری باری سے روپیہ پر ہاتھ مارا کرتے تھے۔ اور ایک دوسرے کے پیچھے لگے رہتے تھے۔ ہر چند کہ اس راجہ نے رنیشور نامی شو کے لنگ کے نیچے اپنی تلوار چھپا رکھی تھی اور وہ صادق القول تھا تاہم اس کی پیادہ فوج[۲۲۵] اسی کے ذریعے اپنے انجام کو پہنچی جب اس کا بڑا بھائی مر گیا تو اس نے عرصہ دراز تک اس قسم کی خوشی ظاہر کی کہ سمجھدار

شلوک ۲۱۳۔ سری ورنے یہ خطاب بہت سے مسلمان اعلیٰ درجہ کے افسروں کے متعلق استعمال کیا ہے جس کی مخفف صورت راجان بھی ہے دیکھو سری ور کی راج ترنگنی ترنگ ۱ شلوک ۸۸ ترنگ ۳ شلوک ۱۹۲-۳۸۸-۳۹۰ - ترنگ ۴ شلوک ۲۲۵-۲۹۸-۳۵۵ وغیرہ

یہ خطاب ترگت کانگڑہ میں بھی مشہور تھا دیکھو پروفیسر بوہلر کی تالیف کردہ کتاب "بیجناتھ پرشستی" وغیرہ۔

[۲۲۱] کلہن اس جگہ پروگپت کی آسائش پر طعن کرتا ہوا اس مشہور کشمیری محاورے کو دوہراتا ہے جس کے الفاظ کے معنے یہ ہیں۔ "فلاں شخص کی ڈاڑھی ایک گھانس کے بنڈل کی مانند ہے" عام طور پر اس کے معنے بہت بڑی ڈاڑھی کے لئے جاتے ہیں۔

آدمی خیال کرنے لگے کہ اس نے اسے کوئی زہر تیار کرکے دلوادیا ہوگا۔ جب ایک ویلاوت نے جسے حاکم صوبہ (منڈل ایش)[۴۳۶] کا عہدہ دیدیا گیا تھا رانیوں سے سازش کی تو راجہ اس طرف سے چشم پوشی کرتا رہا۔ للا نامی ایک فاحشہ عورت جس کے عشق کو اس نے رنواس کی ساری رانیوں سے اعلےٰ درجہ دے رکھا تھا اسپر قطعی طور پر قابض تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے دلوں میں چونکہ نیک چلنی (سوبرت) کی گنجائش نہیں اس لئے خالق نے ان کی گول (سوبرت) چھاتیاں باہر لگادی ہیں۔ خالق نے اُن عورتوں کو جو اپنی بیرونی شکل و شباہت میں پاک ہیں اس لئے عورتیں بنایا ہے کہ وہ جانتا ہے انکا چال چلن وہی رہیگا خواہ وہ کسی اعلےٰ شخص سے تعلق رکھیں یا ادنےٰ سے۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ خوبصورت آنکھوں والی للا سے گو راجہ بہت پیار کرتا تھا تاہم رات کے وقت وہ ایک چنڈال چوکیدار سے ملا کرتی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ چنڈال جوان میں کوئی ایسی خوبی تھی جسکے باعث رانی اس پر عاشق ہوگئی اور اس کے قابو میں آگئی۔ شائد وہ خود کسی چنڈال خاندان کی تھی یا اسے فریفتہ کرنیکا فن آتا تھا۔ بغیر اس کے کیونکہ ممکن تھا

زعفران کے استعمال کے متعلق دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۱۱۹- ۷ ۱۸۹ و ۶۶ ۳۱- جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف راجاؤں کے لئے مخصوص تھا۔

[۴۴۲] اصل سے یہ بات واضح نہیں ہوتی آیا کلہن کی مراد یہ ہے کہ ہناوتیہ کا کنبہ اس کے ساتھ ہی نئی حالت کو پہنچ گیا یا ایکانگ نے فقیر ہونے کی ناراضگی سے بعد دوبارہ شادی کرلی۔

برہمنوں کو بال کٹوا کر یا اور طریقوں پر جو اس قسم کی سزائیں دی جاتی تھیں اُن کے متعلق دیکھو جیجی صاحب کی کتاب ریکیٹ انڈ سیٹ گرنڈرس صفحہ ۱۲۹-

[۴۴۳] سکند بھون وہار کے محل وقوع کے متعلق جس کا نام سری نگر میں کھندبون ہے

کہ ان دونوں میں اس قسم کا ناقابل اعتبار تعلق قائم ہو جاتا۔ یہ بات کہ وہ اس سے کیونکر ملا کرتی تھی کہیں سے معلوم نہیں ہو سکی۔ البتہ ہادی نامی ایک اہلکار نے ان کی نگاہوں سے تاڑ لیا کہ یہ دونوں گنہگار ایک دوسرے کے ساتھ ناجائز محبت رکھتے ہیں۔ راجہ نے مخبروں کے ذریعہ معلوم کر کے کہ واقعہ میں یہ بات درست ہے جہاں تک ممکن تھا پراسچت کرنے کی کوشش کی اور کالے[۴۳۷] ہرن کی کھال پہن لی۔ چونکہ رانی کے ساتھ اس کی اندھی محبت تھی اس لئے اس نے اسے مارا نہیں گو وہ خشمناک بے حد ہوا اور اس وجہ سے نکتہ چین لوگوں نے اُس کی نسبت طرح طرح کی باتیں کہنی شروع کر دیں جو اس کی نیک نامی کے لئے ضرر رساں تھیں۔ جس طرح کوڑھی کو چھونے سے دوسروں کو بھی کوڑھ کا مرض ہو جاتا ہے ایسے ہی ان لوگوں کے ساتھ جنہوں نے ڈوموں کا جوٹھا کھایا تھا تعلق رکھنے کی وجہ سے یشسکر پر بھی ناپاکی کا اثر پڑ گیا۔ راجہ چونکہ چاہتا تھا کہ میں اپنے آئندہ جنموں میں بھی شاہی اعزاز حاصل کر سکوں اس لئے اس نے دانائی سے شاہی نشان ایک برہمن کو دیدیا۔ کیونکہ اسے یقین تھا کہ میں چونکہ ایک معمولی آدمی ہوں اس لئے

نوٹ ع۱۲ ضمیمہ کتاب ہذا میں بحث کی گئی ہے۔

۴۳۴ سگت کی مورتی سے بظاہر مراد بدھ کی اس بہت بڑی مورتی سے لی گئی ہے جس کا ذکر ترنگ ۳ کے شلوک ۳۵۵ کے متعلق آیا ہے۔

کشیم گوریشور کے مندر کا ذکر مانک دیوچرت ادھیائے ۱۸ شلوک ۲۳ اور پردھ پوریا سری نگر کے متعلق بلہن کی کیفیت میں اس حیثیت میں آیا ہے کہ وہ ایک بڑی عالیشان عمارت ہے اس جگہ بیان کیا گیا ہے کہ اس کے منڈپ وتستا کے سنگم تک پھیلے ہوئے ہیں۔ بلہن نے اس ندی کا نام نہیں لکھا جس کے وتستا کے ساتھ ملنے سے یہ سنگم پیدا ہوتا ہے اس لئے ہم یقین کے ساتھ بیان نہیں کر سکتے کہ کشیم گوریشور کے مندر کی صحیح

مجھے یہ تخت ان نیک افعال کی وجہ سے ملا ہوگا جو میں نے سابقہ جنموں میں کئے تھے۔۔راجہ چونکہ اوقاف کا مشتاق تھا اس لئے اس نے اس قطعہ زمین پر جو اس کے باپ کا تھا آریہ ویش کے ان طلباء کے لئے ایک مٹھ بنوا دیا جو تحصیل علم میں مصروف تھے۔اس مٹھ کے سپرنٹنڈنٹ کو اس راجہ نے شاہی نشان مع چتروں اور چتوروں کے دیدیا اور صرف ٹکسال کی مہروں اور رنواس کو اپنے قبضہ میں رکھا۔ دریائے وتشٹا کے کنارے اس نے برہمنوں کو ۵۵ اگر ہار[۲۲۵] دان کئے جن کے اندر مختلف قسم کے سامان مہیا تھے۔

ورنت کا ولیعہد مقرر کیا جانا آخر کار اس راجہ کے پیٹ میں کوئی عارضہ ہوگیا۔جس پر اس نے اپنے دادا کے بھائی رام دیو کے بیٹے ورنت کو وزیروں۔ نایکانگوں اور باجگذار والیان ریاست کے صلاح مشورہ سے اپنا جانشین مقرر کیا اور اسے ان کی حفاظت میں دیدیا۔ اپنے بیٹے سنگرام دیو کو اس نے اس لئے بے دخل کر دیا کہ وہ جانتا تھا یہ میرا نہیں ہے۔

مقامیت کونسی ہے سری نگر کے سنگم کا ذکر کرتے ہوئے بلہن کی مراد ممکن ہے وتشٹا کے مہاسرت کے ساتھ جسے بموجب نوٹ عنے کتاب ہذا مار بھی کہتے ہیں یا ڈگدھ گنگا کے ساتھ جسے سویت گنگا یا چھنٹ کل کہتے ہیں اتصال سے ہو۔آخر الذکر ندی دریائے وتشٹا سے جنوب کی طرف ہوکر شہر کے مغربی انتہائی مقام پر آخری پل سے نیچے کی طرف ملتی ہے۔دگدھ گنگا کا ذکر بلہن نے ادھیائے ۱۸ اشلوک ۷ میں دگدھ سندھو کے نام سے کیا ہے۔اس صورت میں یہ امر اغلب معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے بجائے مہاسرت کے وتشٹا کے ساتھ اس ندی کے ملاپ سے مراد لی ہے۔

۲۲۵ کمش مالک سے مراد اس جگہ پر سنگ راج والے لوہو سے ہے۔قبل ازیں نوٹ عثلا

اس پر وہ لوگ جو تاج حاصل کرنے کے خواہش مند تھے سخت مضطرب اور بے چین ہوئے کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ اس بچے کو جسے بڑی آسانی سے معزول کیا جا سکتا تھا جانشین مقرر نہیں کیا گیا۔ پروگپت کی تجویز کو پورا کرنیکا وہ موقعہ جو عنقریب نمودار ہونے والا تھا اس روز غایب ہوتا نظر آیا۔ ورنت اس مرتے ہوئے راجہ سے جس نے اسے تاج دیا تھا ملنے نہ گیا اور گو ابھی محل کے اندر ہی تھا تاہم اس نے اتنا بھی نہ کیا کہ اس کی خبر ہی پوچھ لے۔ اس پر راجہ کو بیہوش ہوتے ہوتے ہوئے اپنی کارروائی پر سخت افسوس ہوا اور وزیروں نے اسے امید دلا دلا کر اور ترغیب دے دے کر اس بات پر آمادہ کر دیا کہ تخت سینگرام دیوی کو دیدیا جائے۔

غرض راجہ کے حکم سے ورنت کو ایک رات بھر کے لئے آٹھ ستونوں والے ہال (اشٹ استمبھ منڈپ) میں بند کر کے اس کے باہر قفل لگا یا گیا اور تجویز ہوئی کہ صبح ہوتے ہی اسے باہر نکال دیا جائے۔ اسکے نوکروں کے مورچے میں خوف یا بیداری سے اضطراب پیدا ہو گیا اور انہوں نے دربار کے کمرے کو پاخانہ

کتاب ہذا میں یہ بات ظاہر کی جا چکی ہے کہ لوہر کا علاقہ حکومت کمش میں داخل تھا۔

اس شلوک نیز ترنگ ۷ کے شلوک ۳۰، سے جواں پر منگراج کے ایک بالواسطہ ورثہ راجہ اننگرش کو کھش بیان کیا گیا ہے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ لوہر کا فرمانروا خاندان قبیلۂ کھش سے تعلق رکھتا تھا۔ راجپوری کے حکمران بھی اسی نسل سے تھے دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۱۲۷۶-۱۲۸۱ اور ترنگ ۸ شلوک ۱۴۶۶۔ ان دونوں خاندانوں میں اکثر باہمی شادیاں کی جایا کرتی تھیں دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۴۶۴ اور ۱۶۴۲۔

۳۴۶ لوہر کے متعلق جس کا موجودہ نام لوہرین ہے دیکھو نوٹ عا ضمیمہ کتاب ہذا

۳۴۷ نوٹ علا ضمیمہ کتاب ہذا میں یہ بات واضح طور پر بیان کی گئی ہے سینگراج

کی صورت میں بنا دیا۔ ایک دن کے راجہ (ودنت) کے ایک نوکر دیو پرشاد نامی نے جو شاہی خون اپنی رگوں میں رکھتا تھا مارے شرم کے اپنی تلوار وجیشور کے مندر میں رکھ دی۔

راجہ شمسکر کا انتقال } جب سنگرام دیو راجہ مقرر ہو چکا تو راجہ تکلیف بڑھ جانے کی وجہ سے محل سے اُٹھ کر مٹھ میں اس غرض سے چلا گیا کہ وہاں جا کر جان دے۔ جب راجہ زندہ تھا تو شاہی نوکر نمک حلالی کے مصنوعی اظہار میں کہتے تھے کہ ہم اپنا سر منہ منڈوا کر پگڑیوں کو پھینک دیں گے۔ فقیروں والا جوگیا لباس پہن لیں گے اور ہمیشہ کے لئے تلوار رکھ دیں گے۔ لیکن جب اس کی موت کا وقت آیا تو کسی نے کچھ بھی نہ کیا۔

مرتا ہوا راجہ محل سے اپنے ہمراہ کپڑے کی تہ میں لپیٹ کر ۲½ ہزار مہریں لے گیا تھا لیکن اس کے بھتیجے جی پروگپت اور دوسرے چار وزیروں نے انپر قبضہ کر دیا۔ اور اس کے سامنے ہی انہیں آپس میں بانٹ لیا۔ ایک جھونپڑی

کا خسر اور رانی ددا کا نانا بھیم شاہی، در اصل وہی راجہ بھیم تھا جس کا ذکر کرتے ہوئے البرونی نے کابل کے ہندو شاہیوں کے متعلق اپنی فہرست میں لکھا ہے کہ وہ کملو کا جانشین تھا جس کا نام کلہن نے ترنگ ۵ کے شلوک ۲۳۳ میں کملوک کے نام سے کیا ہے ترنگ ۸ کے شلوک ۱۰۸۱ میں کلہن نے واضح طور پر بھیم کو قصبہ اودبھانڈ کا شاہی فرمانروا بیان کیا ہے۔ اُدبھانڈ سے مراد گندھارے کے قدیم دارالخلافہ سے ہے۔ بھیم شاہی کے سکوں کے متعلق دیکھو کننگھم صاحب کی کتاب کائنز آف میڈیول انڈیا صفحہ ۶۴۔

شاہی قبیلے کا شاہی خاندان بعد میں اپنی لڑکیاں فرمانروایاں لوہر کو شادی میں دیتا رہا دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۹۵۶ و ۱۴۷۰۔

کے اندر جو مٹھ کے صحن میں واقع تھی راجہ گہری تاریکی میں بستر پر پڑا کروٹیں لے رہا تھا کیونکہ اس کے اندر بڑی شدت سے دورہ ہو رہا تھا چونکہ وہ بیہوش تھا اس لئے اسنے دیکھا کہ میرے آدمی بُرائی پر آمادہ ہیں۔ جب دو تین دن میں اس کی جان نہ نکلی، تو اس کے معتبر آدمیوں۔ رشتہ داروں۔ نوکروں اور ویلاوتوں نے جو جلدی سے سلطنت پر قبضہ کرنے کے خواہش مند تھے زہر دیکر اسے ٹھکانے لگایا۔ رنواس کی رانیوں میں سے صرف تریلوکیہ دیوی ہی ستی ہوئی اور اپنے شوہر کے ساتھ اس طرح سے چلی گئی جیسے سورج کے ساتھ اس کی اپنی روشنی۔

بعض گوروُں نے جو زمانہ سابق کے لوگوں کی فوق الفطرت طاقتوں کا حوالہ دیکر اپنی عظمت کو دوبالا کرنا چاہتے ہیں بڑے وثوق کے ساتھ یہ بات کہی ہے کہ یہ راجہ ہمیشہ اپنی رعایا کی ذاتوں اور زندگی کی حالتوں پر نگرانی کرنے کے لئے تیار رہتا تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ چکر میلک کے مقام (؟) پر چکر بھانو نامی ایک برہمن عابد صحیح روش سے منحرف ہو گیا ہے تو اس نے قانون کے مطابق اس کی پیشانی پر کتے کے پنجے کا نشان گرم کرا کے لگوا دیا

بھیم شاہی کے اختیارات کی یہ ایک علامت ہے کہ اس نے اپنی نواسی سے سسرال میں اپنے نام کا ایک مندر تعمیر کروایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بھیم کیشو کے ساتھ بہت سے اوقاف ہوا کرتے تھے۔ ترنگ، کے شلوک ۱۰۸۱ میں کلہن نے جو دلچسپ قصہ بیان کیا ہے اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔ کیونکہ اس قصے میں مذکور ہے کہ اس سے ایک صدی بعد راجہ ہرش نے اس مندر کا مال و جواہر ضبط کر لیا تھا۔ مارتنڈ (بون) کے مقدس چشموں کے شمال میں ایک میل کے فاصلہ پر اور دریائے لدر کے بائیں کنارے کی طرف بمزو میں جو قدیم مندر پایا جاتا ہے اس کی نسبت خیال کیا جا سکتا ہے کہ وہ بھیم شاہی کا مندر تھا۔ یہ مندر آجکل ایک اسلامی زیارت کی صورت میں مبدل ہو چکا ہے اور چونکہ اس کے اندر باہر پلستر کی موٹی تہ پھری

اس پر غصہ میں آ کر اس برہمن کے چچا ویرناتھ جادوگر نے جو اس راجہ کا وزیر خارجیہ تھا اس سے "انتقام لیا"۔ انہی لوگوں کا یہ بھی بیان ہے کہ وہ سات دن میں مرا تھا لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ایک عرصہ دراز تک رہنے والے مرض میں مبتلا ہو کر مرا ہے تو اس کو کیونکر باور کیا جا سکتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ واقعہ اس کے دوران علالت میں ہوا تھا تو خیال کیا جا سکتا ہے کہ اسکی موت کا باعث ورنت اور دوسروں کا سراپ تھا۔

راجہ سنگرام دیو

سنہ ۹۴۸ تا سنہ ۹۴۹ء

غرض راجہ یشسکر ۹ سال حکومت کرنے کے بعد لوکک سمت ۴۰۲۴ (سنہ ۹۴۸ء) کے ماہ بھادوں کے کرشن پکش کی تیسری تاریخ کو راہی ملک عدم ہوا۔ پروگپت نے اس چھوٹی عمر کے راجہ کی دادی کو تخت پر اس کا محافظ مقرر کیا اور خود

ہوئی ہے اس لئے اس کی تفصیلی باتوں پر غور نہیں ہو سکتا۔ اس عمارت کی مفصل کیفیت بشپ کوئی نے جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال بابت سنہ ۱۸۶۶ء صفحہ ۱۰۰ پر درج کی ہے۔

اس مندر کے متعلق آجکل خیال کیا جاتا ہے کہ یہاں پر ایک مسلمان ولی بابا بام دین صاحب کی آرامگاہ ہے اور اس وادی کے مسلمان اکثر یہاں زیارت کے لئے آتے ہیں۔ لیکن مقامی طور پر یہ روایت مشہور ہے کہ یہ ولی جس نے اس جگہ کو اپنے لئے بنایا تھا۔ دراصل پہلے ایک ہندو سادھو تھا۔ اس زیارت کے متعلق کشمیری روایات کے رو سے جن کا ایک مسودہ سٹائن صاحب کو اس وقت مل گیا تھا جب وہ ستمبر ۱۸۹۱ء میں وہاں

بھو بھٹ اور چار وزرا سمیت تمام اختیارات سے کام لینے لگا۔ رفتہ رفتہ طاقتور پروگپت نے باقی سب کو راستہ سے الگ کر دیا حتےٰ کہ راجہ کی دادی کو بھی ٹھکانے لگایا اور محل شاہی کا خود ہی مالک بن گیا۔ چونکہ وہ ایک ایسے طریقہ پر کام کرتا تھا جس میں فرائض وزارت کے ساتھ ساتھ شاہی اعزاز کی جھلک بھی پائی جاتی تھی۔ اس لئے لوگوں کے دلوں پر اس کی نسبت یہ اثر پڑتا تھا کہ وہ راجہ بھی ہے اور راجا تک بھی۔

پروگپت خود اس چھوٹی عمر کے راجہ کی خدمت کرتا تھا اور اپنے ہاتھ سے کھانا وغیرہ کھلاتا تھا جس سے دیانت دار لوگ خیال کرتے تھے کہ وہ ہر قسم کے مکر و فریب سے پاک ہے۔ جن لوگوں کی نسبت یشسکر کا خیال تھا کہ وہ غداری سے ڈرتے ہیں، اور جنہیں اسی لئے اس نے عہدے عطا کئے تھے وہی اس کے بیٹے کو تخت سے برطرف کرنے والے ثابت ہوئے۔

پروگپت کی ڈاڑھی گھاس کی کیاری کی طرح پھیلی ہوئی تھی اس کا رنگ ایک چھوٹے اونٹ کے بالوں کی رنگت کی طرح بھورا تھا۔ اور وہ راجاؤں کی طرح اسیر

گئے تھے معلوم ہوتا ہے کہ اس سادھو کا نام تبدیل مذہب سے پہلے بھوم سادہی تھا۔ اس سے معاً ہمارا خیال بھیم شاہی کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور خیال گذرتا ہے کہ غالباً شاہی کی بجائے بگڑ کر سادھی رہ گیا ہو۔

جب ہم بمزو کے نام پر غور کرتے ہیں جو اس مقام کا نام ہے تو اُس صورت میں بھی ہم اسی نتیجے پر پہنچتے ہیں۔ اس کے قریب والے مارتنڈ تیرتھ کے مہاتم کے دوسرے ٹل میں یہ نام بھیم دویپ کی صورت میں موجود ہے۔ یہاں پر صاف معلوم ہوتا ہے کہ دویپ ذو کی ایک صورت ہے جس کے معنے کشمیری زبان میں جزیرے کے ہوتے ہیں۔ بھیم جو بھوم سے مشابہ ہے اس سے ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ وہ بھیم کیشو کا مخفف ہے دریائے لدر میں اُس

زعفران لگایا کرتا تھا۔ چونکہ ایکانگوں کے خوف سے اس نوعمر راجہ کو علانیہ طور پر نہ مار سکتا تھا اس لئے اس نے اس مطلب کے لئے جادو سے کام لینا شروع کیا ایک روز رات کے وقت اسے ایک فوق الفطرت آواز سنائی دی جو یہ کہتی تھی کہ "جیت کی پہلی تاریخ سے یہ سلطنت قانوناً تمہاری اور تمہاری نسل کی ہو جائیگی۔ اگر تم نے کچھ اور کارروائی کی تو تمہاری زندگی اور کنبہ کا جلدی خاتمہ ہو جائیگا" اس پر اس نے معلوم کر لیا کہ جادو سے کام لینا فضول ہے۔ مگر اس کا اضطراب اور بھی بڑھ گیا۔ وہ ایکانگوں کی مخالفت سے ڈرتا تھا لیکن ساتھ ہی اضطراب اور اندیشہ کی وجہ سے روز بروز عنان صبر اس کے ہاتھ سے نکلی جاتی تھی۔ آخر کار شب و روز اس کی بے چینی اس انتہا کو پہنچ گئی کہ یکایک ایک روز جب کہ لوگ سخت برفباری کے باعث گھروں سے باہر نہ نکلے تھے اس نے فوجیں جمع کر کے محل کا محاصرہ کر لیا۔

اس موقعہ پر وفادار وزیر رام وردھن اور اس کے بیٹے بدھ نے مقابلہ کیا لیکن وہ میدان میں کام آئے جس پر پر وگپت نے ایک پھولوں کی رسّی جسے اس کے

چنانی ٹیلے کے سامنے جس کے دامن میں یہ مندر واقع ہے بہت سے چھوٹے چھوٹے جزیرے واقع ہیں اور اسی وجہ سے اس مقام کا موجودہ نام بُمزو رہ گیا ہے۔

یہ مہاتم جو نسبتاً زمانہ حال میں لکھا گیا ہے اس کے اندر بھیم کیشو کا کچھ ذکر نہیں آتا اس میں بھیم دویپ کا نام مارتنڈ کی شکتیوں میں سے ایک یعنی بھیما سے لیا گیا ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ امر قابل غور ہے کہ مارتنڈ تیرتھ کی یاترا کے لئے بُمزو جانا ضروری نہیں۔ یہ مقام اس صورت میں ایک قدیم روایت کے اندر سے حذف نہ کیا جاتا اگر بُمزو کا نام بھیما اور مارتنڈ کی پوجا سے منسوب ہوتا۔

دیر جا بھٹ اور شُک کی راج ترنگنی کے شلوک ۳۳۰ میں جہاں بھیما دیوی کے نام سے

باپ (یشسکر) کا ولادت بطور نذرانہ کے لایا تھا خمیدہ پا (وکرانگھری) سنگرام کی گردن میں باندھ دی اور اُسے تخت پر سے نیچے گھسیٹ لیا اور اس کے بعد اس نے اُسے ایک دوسرے محل میں لے جاکر جان سے مار ڈالا اور اس کی گردن میں رسی باندھ کر بوقت شب دریائے وتستا میں پھینک دیا اس طرح بیہودہ بدکار شخص لوکک سمت ۴۰۲۵ (۹۴۹ء) کے ماہ پھاگن کے کرشن پکش کی دسویں تاریخ کو تلوار اور زرہ بکتر لیکر تخت شاہی پر بیٹھا۔

راجہ پروگپت

سنہ ۹۴۹ء تا سنہ ۹۵۰ء

پروگپت جواب تخت نشین ہوا سنگرام گپت کا بیٹا تھا جو پاری وشوک میں ابھینو نامی ایک مصنف (دِوِد) کے گھر پیدا ہوا تھا۔ پہلے بعض لوگوں نے خیال ظاہر کیا تھا کہ اس کی مخالفت کی جائیگی لیکن اس کے ڈر کے مارے بسبب

بمزو کا ذکر آیا ہے اسے چنداں اہمیت نہیں دی جا سکتی۔ یہ کتاب سولھویں صدی کے آخیر میں لکھی گئی تھی اور اس کے مصنفوں نے وادی کے قدیم مقامی ناموں کے متعلق ایک سے زیادہ مقامات پر غلطی کھائی ہے۔ جیسا کہ نوٹ ۱۳۵ کتاب ہذا سے ظاہر ہوتا ہے بھیما دیوی کی پوجا حقیقت میں جدید موضع بران میں ہوا کرتی تھی جو سری نگر سے زیادہ فاصلہ پر نہیں)۔

جس مندر کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اُس کے قریب ہی ٹیلے کے اندر ایک چھوٹی سی غار ہے جس میں ایک چھوٹا سا مندر عمدہ حالت میں موجود ہے۔ کنگھم صاحب نے جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال بابت ۱۸۴۸ء کے صفحہ ۲۵۲ پر اس کے متعلق بیان کیا

اگلی صبح اس کی اطاعت گذاری کی بدخواہ والیان ریاست۔ ایکانگ لوگ وزرائے خاص۔ اہلکار اور تنتریِن سب اس سے ڈرتے تھے اور آخر کو ان سب نے غلطی کا اُٹھایا کیا
مدنادتیہ نامی ایک ایکانگ کا جو سویہ کی نسل سے تھا نقارہ بے احتیاطی سے راجہ کے کمرہ دربار میں پھٹ گیا۔ اس پر راجہ نے غصہ میں آ کر اُس کے کپڑے اُتروادیئے۔ اور اس کے ساتھ بدسلوکی کی اس پر وہ شخص سر منہ منڈوا کر سنیاسی بن گیا۔ اس حالت میں بھی اس کی بیوی بچے[۳۴۴] پاس تھے چنانچہ آج تک ترپوریشور میں اس کی اولاد موجود ہے۔

راجہ پروگپت نے دولت جمع کی اور ان اہلکاروں کو جو لوگوں کے لیے متبرکہ طاعون کے ثابت ہوتے ہیں اختیارات دے دیئے۔ لیکن اپنے اس بُری طرح کمائے ہوئے روپے سے بھی اس نے سکند بھون[۳۴۵] وہار کے محل وقوع کے قریب پروگپت یشور نامی شوجی کا مندر قائم کروایا۔

مشہور و معروف راجہ یشسکر کے رنواس کی عورتوں میں ایک نیک دل رانی ایسی تھی کہ گوری کی طرح اس نے اپنی نسبت تمام بُری افواہوں کو دور

ہے کہ یہ ایک نہایت قدیم مندر ہے گو انھوں نے اس بارہ میں جو دلایل پیش کی ہیں وہ قاطع و ساطع نہیں۔ جہاں تک کشمیر کے فن عمارت کے متعلق ہمارا موجودہ علم پہنچا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مندر اور وہ چھوٹی سی کوٹھری جو بام دین صاحب کی زیارت کے جنوب مغرب کی طرف چند قدم کے فاصلہ پر واقع ہے اور ایک اسلامی مقبرے کی صورت میں مبدل ہو چکی ہے یہ دونوں بھیم شاہی یا اُس کے بعد کے زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

یہ امر اغلب ہے کہ کشیم گپت کے عرفی نام دوا کشیم کے متعلق یہاں پر جو روایت بیان کی گئی ہے وہ اس راجہ کے سکوں کی داستان سے منسوب کی جا سکتی ہے جن پر دی کشیم گپت دیو کا نام مندرج تھا۔ کنگھم صاحب نے اپنی کتاب کائنز میڈیول انڈیا کے صفحہ ۴۵ پر یہ خیال ظاہر

کرکے دکھا دیا۔ اس پاکباز عورت نے بڑی چالاکی کے ساتھ پروگپت کو دھوکا دیا جو بے موقعہ محبت کی شاخیں پھوٹ نکلنے کے باعث اُس کی نظر لطف کا خواستگار تھا۔ اس گمراہ کرنے والے کو اس خوبصورت بھنوؤں والی رانی نے یہ جواب دیا۔ "میرے شوہر نے یشسکر سوامن کا جو مندر بنوانا شروع کیا تھا اور جو اس کی موت کے وقت آدھا ہی بنا تھا۔ جب تم اس کی تعمیر کو مکمل کردو گے اس وقت میں یقیناً تمہاری خواہش پوری کردونگی"۔

اس پر راجہ نے پھولے نہ سماکر اس مندر کو چند ہی دنوں میں مکمل کروا دیا۔ اس پر وہ پاکباز رانی اس ہون کی آگ میں جل کر بھسم ہوگئی جس کو گھی اور پورن آہوتی کے ذریعہ روشن کیا گیا تھا۔ اس جان پر کھیل جانے والی پر توبکثرت پھولوں کی بارش ہوئی اور اسپر جو اسکی جا میں لگا ہوا تھا لعنت اور ملامت کی بوچھاڑ۔ اپنے تیز التواء کاموں کے تفکرات اور اضطراب کی وجہ سے پروگپت کو مرض استسقا لاحق ہوگیا بیوقوف لوگ گو تکالیف اور تفکرات کو دور کرنے کے متعلق اپنی عبث کوششوں سے سمجھتے ہیں کہ ہماری زندگی عارضی ہے تاہم دغا باز قسمت کی

کیلئے کہ یہ نام دوا کشیم گپت کا مخفف تھا بہر نوع کشیم گپت کی اپنی رانی کا نام سکوں پر درج کرنے کی وجہ خواہ کچھ بھی ہو یہ بات صاف طور پر واضح ہوتی ہے کہ اس کا ایسا کرنا ہی اس کے عرفی نام کے مشہور ہونے کے لئے کافی تھا۔ زمانہ حال میں کشمیریوں کو اپنے فرمانرواؤں کے عرفی نام رکھنے کے متعلق جو اشتیاق ہے اس کے لئے دیکھو لارنس صاحب کی کتاب ویلی صفحہ ۲۷۷۔ کلہن نے جن راجاؤں کے عرفی نام دیئے ہیں ان کا ذکر ترنگ ۵ کے شلوک ۲۵۴۔ ترنگ ۶ کے شلوک ۱۲۸ و ۱۶۱ اور ترنگ ۸ کے شلوک ۸۵۸-۹۰۴- اور ۱۴۴۵ میں آتا ہے۔

ف ۲۲۸ دامودر آرنیہ وہ دریائی سطح مرتفع ہے جس کا نام دامودر اودر ہے اور جسکا

خواہش کے دھوکہ میں آکر آگے بڑھتے جانے سے نہیں رکتے ہر چند کہ اس حالت میں اسے بہت سے تفکرات لگے ہوئے تھے تاہم اپنے سابقہ جنموں کے اعمال نیک کے باعث جنکا اثر تا حال زائل نہ ہوا تھا وہ سوریشوری تیرتھ کے نواحات میں مرا۔ وہ شاہی طاقت جو اس نے دغا سے حاصل کی تھی لوکک سمت ۲۶ (سنہ ۹۵۰ء) کے ماہ اساڑھ کے شکل پکش کی تیرھویں تاریخ کو اس کے ہاتھ سے جاتی رہی۔ اگر کسی شخص کو اس زندگی میں برے کاموں کے بعد بہت جلد اس قسم کی موت نظر نہ آئے جو آنے والی زندگی کی خوفناک تکالیف کے نتائج پیش کرنے والی ہو تو کون ایسا ہے جو برے کاموں کے ذریعہ طاقت حاصل کرنے کی کوشش نہ کریگا۔

راجہ کشیم گپت

سنہ ۹۵۰ء تا سنہ ۹۵۸ء

پروگپت کے بعد اس کا بیٹا کشیم گپت تخت نشین ہوا جس کے اندر دولت

ذکر راجہ دامودر کی روایت کے متعلق دامودر سود کے نام سے نوٹ ۶۳ کتاب ہذا میں آچکا ہے۔

للیان کا ذکر سوائے اس کے کسی اور جگہ پر نہیں آتا۔ شمکا کا ذکر آگے چل کر ترنگ ۷ کے شلوک ۷۰۰ میں آتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ نواحات وج بروریں کوئی مقام تھا۔ سٹائن صاحب کو اس کی صحیح مقامیت کا پتہ نہیں چل سکا۔

یہ امر اغلب ہے کہ کلیان اور شمکا اور دروں یا دریائی سطوح مرتفع کے نام ہیں۔ ان مقامات میں چونکہ کاشت نہیں ہوسکتی اس لئے عام طور پر وہ ویران ہی پڑے رہتے

اور شباب کی حرارت شرابخوری کے باعث اور بھی بڑھ چکی تھی۔ یہ شخص فطرتاً بد تھا۔ رہا سہا شریروں کی صحبت سے بگڑ گیا۔ جس طرح کالی رات کو سیاہ بادل اور بھی بھیانک بنا دیتے ہیں۔ ایک سو بدچلن منہ لگے درباری جن کا رہبر پھلگن تھا اس راجہ کے گرد موجود رہا کرتے تھے اور اس کے برابر قدر و قیمت کے کپڑے اور زیورات پہنتے تھے۔ ہر چند کہ خوشامدی راجہ کو لوٹ رہے تھے اور وہ جوئے۔ شراب اور عیاشی میں بہت سا روپیہ لٹاتا تھا تاہم وہ شان و شوکت سے بالکل عاری نہیں ہوا۔ جو راجہ جذبہ محبت کا غلام ہو جائے۔ شراب پر مفتون ہو۔ جوا کھیلتا ہو اور اس کے گرد اس قسم کے شرابی لگے رہیں جو اس کے خزانہ کی دولت لوٹیں وہ اس کنول پھول کی مانند ہوتا ہے جس کا رنگ سرخ ہو جس کے اندر میٹھا شہد اور بیج ہوں اور جس کے اندر شہد کی مکھیاں جمع ہو کر رس چوستی رہیں۔ اس صورت میں اگر اس کنول پھول پر (خواہ ایک دن کے لئے ہی) رونق آجائے تو پھر راجہ کے باشان و شوکت ہونے میں کونسی تعجب کی بات ہے۔

ہیں اور گیدڑ وہاں بکثرت پائے جاتے ہیں۔

۴۴۹ھ اس جگہ یہ بات واضح نہیں ہوئی کہ کس مہینے کا حوالہ دیا گیا ہے چونکہ کشمیر میں مہینے کا حساب کرشن پکش سے شروع ہوتا ہے اس لئے شائد ماہ بدی پوہ سے مراد ہے۔ یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ ماہ مگھر کی چودھویں تاریخ سے مراد لی گئی ہو۔ جس موقعہ پر شیو چتردشی کے نام سے اب تک تعطیل ہوتی ہے۔

۴۵۰ھ درہ کشمیر سے مراد قدیم بارہ مولا کے جائے وقوع اور اس کے نواحات سے ہے جہاں پر اب تک وادی کے مغربی راستے پر بارہ مولا کا شہر آباد ہے۔ زمانہ قدیم سے اس مقام کی نسبت خیال چلا آتا ہے کہ یہ نہایت مقدس ہے کیونکہ دشنو نے

دامن اور جشنو کے دوسرے شریر بیٹوں نے راجہ کے دل کو اپنے قابو میں کر لیا اور ایک شیطان کی طرح اس کے اندر برے جذبات پیدا کر دیئے۔ راجہ جو بد معاشی پر تلا ہوا تھا۔ دوسروں پر خوب ہنسی اڑاتا۔ دوسروں کی بیویوں سے محبت کرتا اور دوسروں کی مرضی کے ماتحت رہتا تھا۔ وہ قابل عزت لوگوں کی داڑھیوں پر تھوکتا۔ ان کے کانوں میں گالی گلوچ کے الفاظ پہنچاتا اور ان کے سروں پر مکے مارا کرتا تھا۔ عورتیں اس سے بغل گیر ہو کر۔ شکاری اسے ہمراہ لیکر جنگل میں پھر کر۔ اور خوشامدی غیر مہذب باتوں کی تعریف کر کر کے اس کے منظور نظر بنتے تھے۔ دربار شاہی میں کمینوں۔ بد معاشوں۔ احمقوں اور لڑکوں کا اخلاق بگاڑنے والوں کا دور دورہ تھا۔ اس لئے دانا وہاں جانا نامناسب سمجھتے تھے۔ جشنو کے شریر بیٹے راجہ کشیم گپت کو اس طرح نچاتے تھے گویا وہ ایک پتلی ہو اور جیسے کھلاڑی رسیوں کے ذریعہ متحرک کر رہے ہوں۔ انہوں نے اس کا نام کنکن ورش (کنگن برسانے والا) رکھا ہوا تھا اور اس بات سے

اسی جگہ پہ وراہ اوتار لیا تھا۔ مقدس محل وقوع اور اس کے نواحات کے مقامات کے متعلق روایات کا ذکر وراہ کشتیر مہاتم میں موجود ہے جن کا حوالہ دوسرے مہاتموں اور نیل مت پوران کے شلوک ۱۱۸۰ و ۱۳۴۸ میں آتا ہے۔ پروفیسر بوہلر نے اپنی رپورٹ کے صفحہ ۱۱ پر ان تیرتھوں اور نواحات کی قدیم چیزوں کے متعلق نہایت صحیح کیفیت اور ان روایات کا خلاصہ درج کیا ہے۔

کلہن نے اس جگہ اور ترنگ ۶ کے شلوک ۲۰۶ میں وراہ کشتیر کا لفظ سارے نواحی علاقے کے لئے استعمال کیا ہے۔ جس میں بائیں دریائی کنارے کے ہنگ پور کا جائے وقوع بھی شامل ہے۔ بعد کی تاریخوں اور مہاتموں میں وراہ کشتیر۔ وارا کشتیر۔ وراہ تیرتھ یہ تینوں نام ایک ہی معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ دیکھو سری ور کی راج ترنگنی ترنگ ۱

خوش ہوتے تھے کہ وہ ان کے بازوؤں میں کنگن ڈلے۔ راجہ کو خوش کرنے کے لئے وہ بے عیبوں کے عیب نکالتے۔ عجیب عجیب باتوں کی نمائش کرتے اور بے قصور لوگوں کے سروں پر تھپڑ لگاتے تھے۔ یہ لوگ عاشق مزاج راجہ کو اپنے گھروں میں لے جاکر اپنی بیویوں کی چھاتیاں اور کمریں ننگی کرکے دکھلاتے تھے اور جوا کھیل کر اسے لوٹتے تھے۔ وہ اس کے لئے باامن طریقہ پر لطف عیش حاصل کرنے کے موقعے مہیا کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے تھے۔ بے شرمی سے خود اپنی بیویاں راجہ کے روبرو پیش کرتے اور کہتے تھے کہ آپ ان کی صفاتِ خاص تجربہ کے ذریعہ معلوم کریں۔ جب وہ عیش کے مزے لوٹ چکتا تو وہ اس سے پوچھتے تھے کہ کس نے آپ کو زیادہ خوش کیا ہے ان حالتوں میں یہ لوگ جو مانگتے راجہ انہیں دیا کرتا تھا۔ اس کے چاپلوسوں میں دو آدمی ہری اور دھورجٹی نامی دلالی کے فن میں سادہ لوح تھے کیونکہ انہوں نے اپنی ماتاؤں کی عصمت کو بچائے رکھا۔ خوشامدی لوگ اپنے جسم پر تمسخر اڑوا کر اپنی عزت کو زائل کرتے ہیں۔ اپنی عورتوں کو خود بدچلن کرکے اپنے گھروں سے

شلوک ۴۰۳-۴۔ پرجابھٹ اور شک کی راج ترنگنی شلوک ۴۰۳-۴۰۰-۵۲۰ و ۴۴۶ اور ہرچرت چنتامنی ادھیائے ۱۳ شلوک ۴۳ وغیرہ۔

وراہ کا قدیم مندر (دیکھو ترنگ ۶ شلوک ۲۰۶۔ ترنگ ۷ شلوک ۱۳۱۰ جو مزاج کی راج ترنگنی شلوک ۶۰۰) دریا کے دائیں کنارے اور پہاڑیوں کے دامن کے درمیان ایک تنگ قطعہ زمین پر واقعہ تھا وہ شہر جو اس مندر کے قریب آباد ہوگیا ہے اور جو ویسی ہی حیثیت رکھتا تھا جیسے موجودہ وراہ مول اس کا نام بارہ مولا ہے دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۴۵۲۔ پرجابھٹ اور شک کی راج ترنگنی شلوک ۷۔

ہشک پور جس کا ذکر نوٹ ۱۶۷ کتاب ہذا میں آچکا ہے اس کا موجودہ نام اُشکر ہے

پاکبازی کا عنصر دور کرتے ہیں اور عرصہ دراز تک خدمت گذاری کر کے اپنے آرام کو گنواتے ہیں۔ اس صورت میں جبکہ وہ انہی چیزوں سے دست بردار ہو جاتے ہیں جن کے لئے انسان کو کوشش کرنی لازم ہے پھر میں نہیں سمجھ سکتا کہ وہ اپنی خدمت کے ذریعے کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں؟

بھٹ پھلگن پٹشکر کا مشیر ہوا کرتا تھا۔ لیکن اس خوشی بھڑکنے کی خواہش کا برا ہو کہ انجام کار وہ بھی کشیم گپت کا درباری بن گیا۔ اس نے پھلگن سوامن نامی وشنو کا مندر اور بعض اور مندروں کی بنیاد ڈالی راجہ پس پشت اسکے مشوروں پر ہنسا کرتا تھا۔

رک نامی ایک پرانا کمانڈر انچیف (کمپنیش) بھی اس بری مجلس میں شریک ہو گیا اور اسے بھی ناراضگی دور کرنے کے لئے ضرورتاً سر پر ٹھوکریں سہنی پڑیں۔ جب ڈامر سنگرام پر قاتلوں نے حملہ کیا تو وہ جے ایندر وہار میں داخل ہو گیا جس پر کشیم گپت نے بے رحمی سے اس وہار کو جلوا دیا۔ یہ وہار بالکل جلکر راکھ ہو گیا جس کے بعد راجہ نے اس کے اندر سے سگت[۴۳۴] (بدھ) کی مورتی کا

یہ شہر ایک کھلے میدان میں واقع تھا اور زمانہ قدیم میں بظاہر بارہ مولا سے بڑا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر موقعوں پر مذہبی بنیادوں کا ذکر ہشک پور ہی کے متعلق آیا ہے دیکھو ترنگ ۴ شلوک ۱۸۸۔ ہیون سانگ نے اپنی کتاب لائف کے صفحہ ۶۰ پر صرف ہشک پور کا حوالہ دیا ہے لیکن البرونی نے اپنی کتاب انڈیا کی جلد ا کے صفحہ ۲۰۷ پر لکھا ہے کہ اشکارلہ اور بارہ مولا دونوں وادی کے دہانہ پر واقع ہیں لیکن اس زمانہ کے بعد ہشک پور یا اشکر تو ایک چھوٹے سے گاؤں کی حیثیت میں رہ گئے ہیں بجائیکہ بارہ مولا ایک خاصی اہمیت رکھنے والا شہر ہے اور بجانب مغرب جو مال روانہ ہوتا ہے یہ اس کی ایک منڈی ہے۔

پتیل لیکر اور چند گرتے ہوئے مندروں سے پتھر جمع کر کے شہر کی منڈی میں شوجی کا ایک مندر کشیم گوریشور نامی بنوا دیا اور بیوقوفی سے یہ خیال کیا کہ اس سے میری شہرت ہمیشہ قائم رہے گی۔ جب ایک آدمی مرجاتا ہے تو دوسرا اسکی جائداد پر قبضہ کر کے بہت خوش ہوتا ہے وہ یہ نہیں جانتا کہ جب میں مرجاؤں گا تو یہی دولت کسی دوسرے خزانہ میں چلی جائیگی۔ افسوس ہے کہ یہ جھوٹی دیل بازی اپنی ناقابل بیان دھوکا دہی سے تاریکی پھیلانے کا باعث ثابت ہوتی ہے۔ عیاش کشیم گپت نے جلے ہوئے وہار کے ۳۶ گاؤں واپس لیکر انہیں حاکم کہش کے قبضہ میں دیدیا۔

راجہ کی شادی رانی دوا کے ساتھ سنگھراج والئے لوہر نے جو چند دوسرے تلعوں پر بھی قابض تھا اور اپنی طاقت کے لحاظ سے اندر سے مشابہ تھا اپنی بیٹی دِدا کی شادی اس راجہ سے کردی۔ چونکہ راجہ کا دل ہر وقت دِدا ہی کی طرف لگا رہتا تھا جو شاہی کی بیٹی کی بیٹی تھی اس لئے لوگوں نے اس کا نام دِدا کشیم رکھ لیا۔

ہشک پور میں کشیم گپت نے جو دو مٹھ بنوائے تھے ان کے محل وقوع کا اب کچھ پتہ نہیں چلتا۔

۴۵۱ ورد ہین سوامن کے مندر کے متعلق قبل ازیں ترنگ ۳ کے شلوک ۳۵۰ میں بیان کیا جاچکا ہے کہ وہ پرورسین کے شہر کے ایک طرف کی انتہائی مد تھا۔ اس کی مقامیت معلوم نہیں۔ اور نہ بھکشو کی پارک کی معلوم ہو سکی ہے۔

دیتال سوتر پادے میں بظاہر صاف طور پر ترنگ ۳ کے شلوک ۳۴۸ کا حوالہ دیا گیا ہے جس میں ایک دیو نے پرورسین کو نئے شہر کے لئے جگہ بتائی تھی۔ ممکن ہے کہ وہ جگہ جس کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ دیو نے اپنی رسی سے اسپر نشان لگا دیا تھا اس کا

اس رانی کے نانا مشہور و معروف بھیم شاہی[۴۴۷] نے بھیم کیشو نامی وشنو کا بلند مندر تعمیر کروایا۔

دوارپتی پھلگن نے اپنی بیٹی چندرلیکھا کی شادی راجہ سے کردی تھی اور دِوا اس پر رشک کرنے لگ گئی۔

اس راجہ نے استادوں سے بڑی تکلیف اُٹھاکر فن نیزہ بازی سیکھا لیکن اس فن سے اس نے جو بُرے کام لئے ان کے باعث اس کا حصول قابل نفرت بن گیا۔ لازم تھا کہ ان نیزوں کو وہ بہادری کے کاموں میں استعمال کرتا مگر اس نے انہیں گیدڑوں کا شکار کرنے کے لئے انسب خیال کیا۔ لوگ دیکھا کرتے تھے کہ وہ کتے اور جال ساتھ لیکر ڈوموں اور جنگلی لوگوں کے ہمراہ شکار کی تلاش میں پھرتا ہے۔ اُس نے اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ داموور[۴۴۸] آرنیہ للیان اور شمکا وغیرہ مقامات میں گیدڑوں کا شکار کرتے ہوئے گذارا۔

وہ کرشن پکش کی چودھویں[۴۴۹] تاریخ کو شکار کھیل رہا تھا کہ اس نے ایک چیختے ہوئے مادہ گیدڑ کے منہ سے آگ کا شعلہ نکلتا دیکھا۔ اس سے وہ اسقدر

نام ویتال سوتر پاٹھ ہے۔

۴۵۲ سروادھیکار کے لغوی معنے تمام عہدوں کے چارج کے ہیں۔ لیکن اصطلاح میں یہ عہدہ وزیر اعظم کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کی بجائے آجکل دیسی ریاستوں میں دیوان کا لفظ مروج ہے اس کی توضیع ترنگ ۸ کے شلوک ۲۳۰ اور ۲۷۰ کے مقابلے سے ہوتی ہے جہاں پر سروادی کار اور راکھ منترتا کے نام ایک ہی عہدے کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔ چونکہ اس اہلکار کا ذکر شاذ و نادر مقامات پر آیا ہے۔ اس لئے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ افسران سرکاری میں باقاعدہ طور پر ایک اعلےٰ عہدہ نہ ہوتا تھا بلکہ غیر معمولی طور پر اثر اور طاقت رکھنے والے اہلکاروں کو دیا جاتا تھا۔ اس کی

خائف ہوا کہ اسے بخار کے ساتھ مرض لوتا ہو گیا جو آخر کار اس کی موت کا باعث ثابت ہوا۔ مرتے وقت وہ وراہ کشیتر[۴۵۱] کو چلا گیا جہاں اس نے ہشک پور کے قریب سر یکنٹھ مٹھ اور کشیم مٹھ کی بنا ڈالی تھی۔ اس کے جسم پر مسور کی دال کی طرح لوتا کے دانے نکل آئے اور وہ لوکک سمت[۴۰۳۴] (۹۵۸ء) کے ماہ پوس کی شکل پکش کی ۹ تاریخ کو راہی ملک عدم ہوا۔

راجہ ابھیمنیو

۹۵۸ء تا ۹۷۲ء

راجہ کشیم گپت کے بعد اس کا نو عمر بیٹا ابھیمنیو رانی ودا کے زیر نگرانی راجہ بنا جس کی فطرت میں رحم نام کو نہ تھا۔ نظارت خارجہ۔ صرف خاص اور دیگر عہدوں کے افسر بلا تامل رانی کے کمرے میں چلے جایا کرتے تھے۔ اس راجہ کے عہد میں یکایک تنگیشور منڈی کے نواحات میں ایک خوفناک آگ لگ اٹھی۔ یہ آگ

توضیح اس بات سے ہوتی ہے کہ جیسا شلوک ۳۳۲ سے معلوم ہوتا ہے رانی ودا کے زبردست وزیر کو یہ خطاب حاصل تھا ایسے ہی ترنگ ۷ کے شلوک ۵۷۰ سے معلوم ہوتا ہے جہاں پر سروادھی کارن گورک نے انتظامی قواعد مرتب کئے تھے۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۲۴۷، میں شرنگار کی موت کے موقعہ پر سروادھی کار کے اختیارات کی تقسیم کا ذکر آیا ہے مزید حوالوں کے لئے دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۳۶۴ - ۵۶۸ - ترنگ ۸ شلوک ۸۲۴ و ۱۸۵۰۔

[۴۵۱] کاشتھ واٹ سے مراد علاقہ کشتوار نہیں ہو سکتی جو کشمیر کے جنوب مشرق کی طرف واقعہ ہے کیونکہ بدونتس یا پُرنتس کا راستہ جہاں پھلگن پہنچنا چاہتا تھا ایک

۱۵۱ شلوک
وردھن سوامن نامی وشنو کے مندر کے قریب بھکشو کی پارک تک جا لگی تھی۔ اور اس سے ویتال سوتر پاٹ تک تمام بڑی بڑی عمارات ضائع ہو گئی تھیں۔ اس آگ نے ایک طرح پر ملک کو پاک وصاف کر دیا کیونکہ اس سے وہ بڑی بڑی عمارات جل کر ضائع ہو گئیں جو ڈوموں اور چنڈالوں سے تعلق رکھنے والے راجاؤں کی چھوت سے ناپاک ہو چکی تھیں۔

اس راجہ کی ماں کا دل جو اس کی سرپرست تھی مضطرب رہتا تھا اور جیسا کہ عورتوں کا دستور ہے وہ ہر شخص کی باتیں سنتی اور اس بات میں تمیز نہ کرتی تھی کہ ان میں سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا۔

پھلگن وزیر کی علیحدگی جب اس کا شوہر زندہ تھا وزیر اعظم پھلگن سے اس کی اس لئے دشمنی تھی کہ اس نے اپنی بیٹی کی شادی راجہ (اس کے شوہر) سے کر دی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب راجہ کے مرنے پر اس نے دوسری رانیوں کو ستی ہونے کے لئے تیار دیکھا اور خود بھی جل مرنے کو تیار ہوئی تو پھلگن نے جلدی سے اسے منظوری دیدی۔

مختلف سمت میں واقع تھا لیکن اس شلوک میں جس مقام سے مراد لی گئی ہے وہ بظاہر وہی کاشتھ واٹ ہے جس کا ذکر ترنگ ۸ کے شلوک ۰۹ ۳ میں اُس مہم کے متعلق آتا ہے جو سُسل لیکر لوہر سے کشمیر کی جانب روانہ ہوا تھا۔ اس کے متعلق نوٹ عل ضمیمہ کتاب ہذا میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ اس مہم کے موقعہ پر سُسل اُن راستوں میں سے ایک کے ذریعے بڑھا ہو گا جو وادیٔ سدرُون سے جو پرنتس کے شمال میں واقعہ ہے بارہ مولا کے نیچے وتشٹا کی وادی کی طرف جاتے ہیں۔ کشمیر سے پرنتس جانے کا سب سے زیادہ سہل راستہ انہیں سڑکوں پر سے ہے جو حاجی پیر یا درہ تیج پیر سے ہو کر گزرتی ہیں۔ شلوک محولہ بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ جب سُسل کاشتھ واٹ میں پہنچ گیا تو اُسے ایک

لیکن چتل کے قریب پہنچکر اسے اپنی کارروائی پر افسوس ہوا جس پر وزیر نرواہن نے اس پر رحم کھاکر باصرار اسے جل مرنے سے باز رکھا۔ رک نے جو فطرتاً کینہ ور تھا مصیبت زدہ رانی کے دل میں یہ شبہ پیدا کر دیا کہ پھلگن خود سلطنت غصب کریگا۔ جب پھلگن نے ناپسندیدگی کی علامات سے دیکھا کہ دوسرے وزرا کے ساتھ رانی مجھ سے ناراض اور متنفر ہے تو خود اسے بھی اندیشہ پیدا ہوگیا۔ چونکہ وہ وزیر اعظم (سروادھیکار[452]) کا عہدہ رکھتا تھا اور اپنے فہم۔ دلیری۔ پھرتی اور دیگر صفات کے باعث دوسروں پر فوقیت رکھتا تھا اس لئے سبھی اس سے نفرت کرتے تھے۔

جب اُس کا بیٹا کردمراج کشیم گپت کی ہڈیاں لیکر گنگا کو چلا تو پھلگن نے جو محل کی طرف سے بے اعتباری رکھتا تھا اور دشمنوں سے ڈرتا تھا کہ وہ ضرور مجھے ضرر پہنچائینگے ارادہ کرلیا کہ میں اپنے بیٹے کی واپسی تک پرنوتس ہی میں ٹھیرونگا۔ یہ عزم کرکے وہ بیشمار فوج ساتھ لے کر شہر سے چل پڑا اور مع اپنے مقبوضات اور سپاہ کے کاشٹھ واٹ[453] کے قریب پہنچا تھا کہ رانی ودا نے

مخالف کی فوج نے جو ہشک پور کے مقام پر جمع تھی روک لیا۔ اسی طریقے پر معلوم ہوتا ہے کہ جب پھلگن کو پرنوتس کے راستے پر روکا گیا تو وہ کاشٹھ واٹ سے وارا کفیر یعنی بارہ مولا کو چلا آیا۔

اس سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ کاشٹھ واٹ کسی ایسے مقام کا قدیم نام ہوگا جو کروہن پرگنہ کے مغربی حصے یا اُن پہاڑیوں میں واقع ہو جو آخر الذکر کے عین مغرب کی طرف موجود ہیں (یعنی وادیٔ گنیار اور نوشہرہ) سٹائن صاحب لکھتے ہیں کہ مجھے ان اطراف میں کاشٹھ واٹ کے برابر کا کوئی مقامی نام نہیں مل سکا۔ لیکن یہ امر قابل غور ہے کہ کشتوار جو کاشٹھ واٹ کے ساتھ بلحاظ ادائے لہجہ کے ملتا جلتا ہے ایک اور

رک اور دوسروں کے ایما پر بجائے واپسی کی درخواستوں کے چوبداروں کو اس کے پیچھے روانہ کیا۔ اس مزید بے عزتی کا پھلگن کو سخت رنج ہوا اور وہ بہت سی فوج ساتھ لیکر واپس وراہ کشتیر کی طرف روانہ ہوا۔

جب دِدا نے سنا کہ وہ عزت دار شخص فوج لئے واپس آرہا ہے تو اسے اور باقی وزیروں کو حملہ کا خوف پیدا ہوا اور وہ کانپنے لگے۔ لیکن پھلگن نے اپنے مردہ آقا کے لئے آہ وزاری کرتے ہوئے اپنی تلوار وراہ کی مورتی کے قدموں میں رکھ دی۔ ایسا کرنے سے اس نے اس شبہ کو کہ وہ غداری پر آمادہ تھا دور کردیا اور راجہ کی ماں کا خوف بھی رفع ہوگیا۔

علم (شاستر) اور تلوار (ششتر) ان دونوں سے جب کوئی ایسا شخص کام لے جو صحیح اور غلط میں امتیاز نہیں کرسکتا تو ان سے سخت مصیبت نازل ہوتی ہے۔ اگر وہ غصہ میں ان دونوں میں سے کسی ایک کو استعمال کرے تو اس پر سخت دغا بازی کا الزام قائم کیا جاتا ہے۔ چونکہ شاستر اور ششتر سے اس قسم کی ناکافی امداد حاصل ہوتی ہے اس لئے صرف صحیح قوت فیصلہ رکھنے والے شخص کو ہی انکے

مقام پر کشمیر کے مقامی نام کی حیثیت میں مستعمل ہوا ہے۔ ایک چھوٹا سا گاؤں کشتوار کے نام کا دوتس (دونسو) پرگنہ میں نونر کے قریب واقعہ ہے۔

اس شلوک میں جس کاشتھ واٹ کا ذکر کیا گیا ہے وہ ترنگ ۸ کے شلوک ۲۹۰ میں بھی مذکور ہے۔ دریائے چناب پر ایک علاقے کے نام کی حیثیت میں کاشتھ واٹ کے ذکر کے متعلق دیکھو نوٹ ع ۵۹۱ کتاب ہذا۔

۲۵۴ھ حیدر ملک اور نارائن کول کی تاریخوں میں ہمک کا نام اس حیثیت میں دیا گیا ہے کہ وہ ایک ترک تھا۔

۲۵۵ھ اس فرمانروا کے متعلق کوئی حالات معلوم نہیں ہو سکے ممکن ہے کہ وہ

ساتھ زیادہ موانست رکھنی چاہئے۔

جب پھلگن معہ اپنی فوج کے آہستہ آہستہ پرنوتش کو چلا گیا تو وزرا اس طرح خوش ہوئے جیسے لڑکے اس وقت ہوتے ہیں جب اُن کا اُستاد انہیں چھوڑ کر کہیں چلا جائے۔

اب کشیم گپت کی رانی کو اپنے اختیارات کی توسیع اور طاقت برقرار رکھنے کی فکر پڑی وہ دشمنوں کو مارنے کی تجاویز پر راتوں کو اکثر غور کیا کرتی تھی۔

مہی من کی بغاوت اس سے قبل جبکہ پروگپت تاج پر قبضہ پانے کی فکر میں تھا اس نے اپنی دو لڑکیوں کی شادی چوج اور بھوبھت نامی وزیروں سے کر دی تھی۔ جنہوں نے کوش پیٹھن کے طریق پر حلف لیا تھا ان دو لڑکیوں کے بطن سے مہی من اور پاٹل نامی دو لڑکے پیدا ہوئے جنہوں نے راجہ کے محل میں ویسے ہی پرورش حاصل کی تھی گویا وہ اس کے اپنے بیٹے ہوں اور اس وقت تک وہ وہیں رہتے تھے۔ ان دونوں نے تخت کا خواہشمند ہو کر ہمک[۴۵۵] اور بعض دوسرے جوشیلے آدمیوں کے ساتھ مل کر سازش کی۔

قریب کے پہاڑی علاقے کا کوئی چھوٹے درجہ کا حکمران ہو اور اپنے آپ کو کابل اور گاندھار کے شاہی خاندان کی نسل سے ظاہر کرتا ہو۔ شاہی خاندان کے متعلق دیکھو نوٹ ۱۲ ضمیمہ کتاب ہذا۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۳۱۲ میں ودیا دھر نامی ایک ورد حکمران کا نام آتا ہے جس کا لقب شاہی تھا۔ ہمکن کا نام اور مقامات پر بھی آتا ہے دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۲۲۴ و ۲۴۷ وغیرہ۔

۴۵۶ جب کسی مفتوح راجہ کو دوبارہ بہ حیثیت ایک باجگذار راجہ کے تخت نشین کیا جاتا ہے تو اُس کی رسم ابھی شیک (تخت نشینی) از سر نو ادا کی جاتی ہے۔

۴۵۷ بھٹارک مٹھ کا نام اب "بردی مر" کی صورت میں موجود ہے جو سرینگر کے

کمزور رانی نے ان دونوں طاقتور اشخاص کو محل شاہی سے نکال دیا تھا اور جب وہ غصہ سے بھرے ہوئے اپنے گھر سے نکل کر ادھر ادھر پھر رہے تھے رانی نے علانیہ مخالفت کا اظہار کر کے چوبداروں کو مہی من کے پیچھے اس لئے بھیجا کہ وہ اسے جلاوطن کر دیں۔ مہی من اپنے خسر شکتی سین کے گھر چلا گیا اور یہ بھی اس کے پیچھے پیچھے دبیں گئے۔ جب شکتی سین کے شائستہ طور پر کہنے پر بھی چوبدار واپس نہ لوٹے تو اس نے اپنے داماد کو جو اس وقت خائف تھا علانیہ طور پر پناہ دیدی۔ یہاں پناہ حاصل کرنے پر ہمک۔ ہوکل۔ ارمنتک سکنہ پر بھاسپور امرتاکر کا مشہور ومعروف بیٹا اودے گپت۔ یشو دھر اور للتادتیہ پور کے ادر آدمی اس کے ساتھ آملے۔ ان میں سے ہر ایک نے اس قدر فوجیں جمع کیں کہ انکے چلنے سے زمین کانپ اُٹھی اور مہی من کے ساتھ سازش کر کے بغاوت کر دی۔ اس خطرہ کے موقعہ پر وفادار وزیر نرواہن ہی ایسا تھا جس نے معہ اپنے رشتہ داروں کے ودا کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ آخر کار جب فوجیں جمع ہوگئیں تو دشمن چمکدار ہتھیار لئے جنگ کے لئے آمادہ ہوکر پدم سوامن کے

اُس حصے کا نام ہے جو دریا کے دائیں کنارے پر چوتھے اور پانچویں پل کے درمیان واقعہ ہے۔ اس شناخت کی تصدیق ایک ٹیکا کار ترنگ ۸ کے شلوک ۲۹ اور مشہور پنڈتوں کی زبانی ہوتی ہے۔ نیز دیکھو پروفیسر بوہلر کی رپوٹ صفحہ ۱۶۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۲۴۲۶ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ تھبارک مٹھ ایک بڑی جسامت کی عمارت تھی دیکھو ورکمانک دیوچرت ادھیائے ۱۸ شلوک ۱۱۔

ترنگ ۶ کے شلوک ۲۲۰ سے واضح ہوتا ہے کہ جو مٹھ مستطیل صورت میں بڑی مضبوطی سے بنائے جاتے تھے وہ محل شاہی کی نسبت زیادہ محفوظ ہوا کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ اُن سے پناہ گزینی کا کام لیا جاتا ہے نیز دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۳۷۴ و ۱۰۵۲۔

مندر کے قریب آ گیا۔ اس پر ودا نے اپنے بیٹے کو شور مٹھ روانہ کیا اور بحالت اضطراب اس مصیبت کو دور کرنے کے لئے مختلف وسائل سوچنے لگی۔ اس نے زرِ کثیر صرف کرکے للتادتیہ پور کے برہمنوں کو اپنی طرف ملا لیا اور اس طرح پر دشمن کے جتھے کو توڑ ڈالا۔

انہوں نے طریق پیت کوش پر یہ کہتے ہوئے حلف لیا کہ اگر ایک پر حملہ کیا گیا تو ہم سب اس کا انتقام لینگے۔ اور اس کے بعد مہی من اور رانی میں صلح کروا دی اس لنگڑی رانی کے متعلق کسی کو خیال نہ آ سکتا تھا کہ وہ ایک گلٹے کے کھر کے نشان کے اوپر سے گذر سکے گی لیکن وہ اپنے دشمنوں کی سمندر جیسی جماعت پر سے اس طرح گذر گئی جیسے ہنومت سمندر پر سے گذرا تھا۔ دولت جسے اس قسم کی عجیب و غریب طاقت حاصل ہے واقعی قابلِ تعظیم ہے! جب یہ خرچ کی جائے تو اس سے وہی بات حاصل ہوتی ہے جو جواہرات اور قیمتی بوٹیوں کے جمع کرنے سے یعنی یہ کہ تکالیف دور ہو جاتی ہیں۔ یہ خیال کرکے کہ رشوت میں دیئے ہوئے روپے کی نسبت عنایات اعلےٰ درجہ رکھتی ہیں ودا نے یشو دھرا اور باقیوں کو

۴۵۸ اس سے پہلے کلہن نے ترنگ ۴ کے شلوک ۱۰۵ میں ایک برہمن جادوگر کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ راجہ چندر پیڈ نے اسے سزا دی اور گو اس کے ساتھ ہی یہ بات واضح کر گیا ہے کہ بوجہ اُس کے برہمن ہونے کے اس کو سزائے موت نہ دی گئی تھی تاہم یہ کہیں نہیں لکھا کہ بجائے موت کے اُسے کیا سزا دی گئی۔ یعین ہی یہ صورت اس شلوک کی ہے جس میں یشو دھر سد بھدر اور مکل کی سزا یابی کا ذکر کیا گیا ہے لیکن انکی سزا کی نوعیت کا کچھ حوالہ نہیں دیا گیا۔ گو آگے چل کر ارمنتک کی سزا یابی کا جو ذکر کیا گیا ہے اُس سے اور نیز شلوک ۲۵۶ - ۲۵۸ سے جہاں پر یہ لکھا ہے۔

"ان دغا باز وزیروں کی رانی ودا نے بیخ کنی کر دی تھی" معلوم ہوتا ہے کہ ان تینوں کو بھی

فوج کی کمان اور دوسرے عہدے دیدیئے۔ اس کے چند دن بعد اس نے جادو کے زور سے مہی من کو ٹھکانے لگایا اور اس کے بعد ملک میں ہر جگہ اس بیوہ کو ہی سب پر فوقیت حاصل ہوگئی۔

شاہی راجہ ٹھکن پر فوج کشی ایک موقعہ پر کمانڈر انچیف نے کینے کے باعث معہ اپنے رشتہ داروں کے شاہی خاندان کے حکمران ٹھکن[۴۵۸] کے برخلاف مہم تیار کی ہر چند کہ وہ ملک بباعث اپنی ندیوں اور پہاڑوں کے بعید از رسائی ہے تاہم اس نے پورا زور لگا کر بہت جلد اس ملک پر حملہ کر دیا۔ اور ٹھکن کو گرفتار کر لیا۔ یہ راجہ اس کا مطیع ہو گیا اور اس نے اس سے خراج حاصل کر کے شہرت کی بیل کو رسم ابھی شیک[۴۵۹] (تخت نشینی) کے پانی سے سیراب کیا۔ انہی دنوں میں رک اور بعض دیگر شریر آدمیوں نے جن کی بیوقوف رانی تک رسائی تھی کمانڈر انچیف کے خلاف اس کی دشمنی کو بھڑکایا۔ راجہ بلور اور بری فطرت کی عورت کے دل میں جب ان کے ہمیشہ کے ساتھی موجود نہ ہوں تازہ جذبہ (یا رنگ) داخل ہو جاتا ہے۔ خوشامدی لوگ شریرانہ

یقیناً سزائے موت دی گئی ہوگی۔ یہ امر مشتبہ ہے کہ وہ سزائے موت فوری تھی یا کچھ عرصہ تک کسی قسم کی قید کی حالت میں رکھ کر دی گئی تھی۔

۴۵۹ھ اس جگہ پر اُس خاص قسم کے ٹیکس کا ذکر کیا گیا ہے جو ان یاتریوں کو ادا کرنا پڑتا ہے۔ جو گیا جی میں سرادھ کرائیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ارمنتک نے کوئی بہت بڑی رقم خود دیکر اس تیرتھ کو جانے والے کشمیری یاتریوں کو اُس ٹیکس سے محفوظ کرا دیا ہوگا آگے چل کر ترنگ ۷ کے شلوک ۱۰۰۸ سے بھی اس ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیئے جانے کا پتہ چلتا ہے۔

جغرافیہ کشمیر مصنفہ پنڈت ہرگوپال کول کے صفحہ ۸۰ پر ایک گیا کا تیرتھ دکھلایا گیا

طور پر اپنے خیالات کے مطابق باتیں بنا کر گنوار لوگوں اور فاحشہ عورتوں کے دلوں کو ویسے ہی قابو حاصل کر لیتے ہیں جیسے خانگی غلام اپنے آقاؤں پر۔ جب انہوں نے رانی سے کہا کہ یشودھر نمک حرامی کر رہا ہے اور اس نے ٹھکن سے کچھ روپیہ لیکر اُسے تخت پر بٹھا دیا ہے تو اس نے ان کی بات کو بالکل سچ مان لیا۔ اس کے بعد جب کمانڈر انچیف اپنی فتح کی خوشی میں بھرا ہوا اپنے مکان پر پہنچا تو ودانے چوبداروں کی معرفت اس کی جلا وطنی کا حکم بھیجدیا۔

رانی ددا کے برخلاف بغاوت ہمک۔ ارمنتک اور دوسروں نے جب اس قسم کی بے عزتی کے سلوک کی خبر سنی تو انہوں نے چونکہ طریق کوش پر حلف لیا ہوا تھا دفعتاً بغاوت کر دی جیسا کہ اس سے پہلے موقعہ پر ہوا تھا اس مرتبہ کھلبلی کی اپنی فوجوں میں بدامنی پھیل گئی لیکن نرواہن اور اس کے متعلقین نے اس کا ساتھ نہ چھوڑا۔ جب سوبھدر اور اور لوگ جوش میں بھرے ہوئے شہر کے اندر داخل ہوئے تو ودانے پھر ایک مرتبہ اپنے بیٹے کو بھتارک سنگھ کو روانہ کر دیا۔ قسمت کے ہاتھوں اس طرح دھوکھا کر انہوں نے رانی کو اسی وقت جان سے نہ مارا اور ودا اپنے

ہے جو شادی پور میں واقعہ ہے کلہن کی مراد شاید اسی تیرتھ سے ہو۔

سمت ۱۵۱۶ بکرمی کے ایک کتبے میں گیا کی آزادی کا جو ذکر ہے جس کا ترجمہ کنگھم صاحب نے آرکیولوجیکل سروے رپوٹ جلد ۳ صفحہ ۱۳۱ پر کیا ہے اُس سے بھی غالباً اسی قسم کے فیاضی کے کام سے مراد ہے۔ ڈاکٹر جی۔ اے گریرسن نے سٹائن صاحب کو بتایا تھا کہ تھوڑی مدت گذری اس وقت تک گیا میں بینو سپلٹی کی طرف سے جاتریوں سے ایک ٹیکس وصول کیا جاتا تھا۔

۲۶۰ اترگھوش سے مراد کلہن نے غالباً موجودہ موضع گش سے لی ہے جو اتر پرگنہ میں

بیٹے کے بغیر محل کے اندر محصور رہی۔ اس سے اگلے روز رانی کی فوجیں جمع ہوگئیں جن کی مدد سے اس کی حالت کسی قدر محفوظ ہوگئی۔ دشمن کی فوجیں جیا بھٹارکا کے قریب سے لیکر سورمٹھ کے نواحات تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اب اُن کے ساتھ لڑائی شروع ہوئی۔ جب شاہی فوج بحالت اضطراب بھاگ کر محل میں داخل ہوگئی تو ایکانگوں نے صدر دروازے پر اپنی صف کی نمائش کی اور اپنی جانوں کی پرواہ نہ کرکے انہوں نے اپنی منتشر جمعیت کو یکجا کیا۔ دشمنوں کی فوجوں پر حملہ کیا اور اپنے مخالفین میں سے بعض کو بھگا دیا۔ اس موقعہ پر راج بھٹ اپنے جنگی بلبے کی آواز سے اپنے فریق کو خوش اور دشمن کی جماعت کو منتشر کرتا ہوا آ پہنچا۔ اس کی آمد پر دشمن کی فوج جو پہلے ہی منتشر ہو رہی تھی بھاگ گئی۔ واقعی جنگ کے دیوتا (شستر دیوتا) غداری کو پسند نہیں کرتے۔ خوفناک بہادر ہمک جس نے پہلے اس خبر کی تصدیق کردی تھی کہ وہ لوہے کی زنجیروں کو کاٹ اور پتھروں کو چیر کر دو کر سکتا تھا اس کی تلوار جب میدان جنگ میں راج کل بھٹ کی کمر پر پڑی تو اس سے اس کی زرہ کا چھڑہ بھی نہ کٹ سکا۔ دشمن کی فوج نے جب یہ ناقابل اعتبار واقعہ دیکھا تو وہ سخت افسردہ خاطر ہوگئے۔ ہمک لڑائی میں

واقعہ ہے شاردا مہاتم کے شلوک ۱۲۴ میں اس جگہ کا نام گھوش آیا ہے اور نیل مت پوران کے شلوک ۹۳۹ میں اس کے ناگ کا حوالہ غالباً گوش کے نام سے دیا گیا ہے۔

اُتر پرگنہ جو کرم راج (کمراز) کے منتہائے شمال مغرب میں واقع ہے اس کا ذکر لوک پرکاش کے ادھیائے ۲ میں اترک کے نام سے کیا گیا ہے۔

۳۶۱ ؎ راجپوری ایک پہاڑی علاقہ کا پرانا نام ہے جس کا موجودہ نام راجوری ہے یہ سلسلۂ پیر پنچال کے مرکزی حصے کے جنوب میں واقع ہے اور اس میں وہ وادیاں شامل ہیں جنہیں راجوری کی توہی ندی اور اس کے معاون سیراب کرتے ہیں۔ اس کا موجودہ

مارا گیا اور یشودھر کو سپاہیلسنے گرفتار کر لیا۔ ارمنتک باوجود ان سب باتوں کے تھوڑی دیر تک لڑتا رہا۔ لیکن آخر اس کی بھی تلوار ٹوٹ گئی۔ وہ گھوڑے پر سے گر پڑا اور زندہ گرفتار ہوا۔ مشہور و معروف اودے گپت کو اس کے شاہی خاندان کے تعلق کی وجہ سے گرفتار نہ کیا گیا لیکن وہ بھی میدان جنگ سے بھاگ کر کہیں جا چھپا۔

جس وقت رانی نے فتح حاصل کر لی تو اس نے غصے میں آ کر یشودھر، سوبھد مکل اور انکے رشتہ داروں کو سزا دی ۴۵۸ ۔ پر اس پور کے رہنے والے بہادر ارمنتک کو بھی جس نے کشمیریوں کو گیلک کے شرادھوں کے ٹیکس ۴۵۹ سے سبکدوش کرایا تھا اُس کی گردن میں ایک بڑا سا پتھر بندھوا کر ویلئے وتشٹا میں گروا دیا گیا۔ اور اس طرح پر اُس کے بُرے چال چلن کا نتیجہ غصے میں آئی ہوئی رانی کی طرف سے مل گیا۔

ان دغا باز وزیروں کو جو لوکک سمت ۴۰۷۷ (۹۰۱ء) سے لیکر عرصہ ساٹھ سال تک راجہ گوپال ورمن سے لیکر ابھے منیو تک سولہ راجاؤں کا اعزاز۔ زندگیاں اور ان کی دولت تباہ کرنے آئے تھے موت انکے مورثوں اور ہمراہیوں سے رانی ودا

کشمیری نام راز دیر ہے۔ جس کا ذکر پربا بھٹ اور شک کی راج ترنگنی کے شلوک ۲۴۲ ۵ میں راج ویر کے نام سے ہوا ہے۔ دیکھو کنگھم صاحب کی کتاب جغرافیہ قدیم صفحہ ۱۲۹۔ آخری دو ترنگوں میں کشمیر اور اس چھوٹی کوہی ریاست کے تعلقات کا کئی موقعہ پر ذکر کیا گیا ہے۔

ہیون سانگ کے زمانہ میں راجپوری جس کا نام اُس سیاح نے ہولوشی پولو لکھا ہے کشمیر کے ماتحت تھی دیکھو "سی یوکی" جلد ا صفحہ ۱۶۳۔ ددا کے عہد میں اور نیز اسکے بعد راجپوری کے فرمانروا عملی طور پر بالکل آزاد ہی رہے ہونگے گو اس لحاظ سے کہ

نے خوفناک تیوڑی سے بہت جلد اس طرح برباد کر دیا جس طرح ددگا نے اسروں کی بیخ کنی کر دی تھی۔ ان لوگوں کو تباہ کرنے کے بعد جو اپنے غرور میں نہایت متکبر ہو رہے تھے رانی نے رک اور دوسروں کو فوج کی خاص کمان اور سرکاری عہدے دے دیئے۔

نرواہن کا عروج } اس طرح پر وفادار نرواہن نے جو بہترین وزیر تھا بہو رانی کو سارے ملک کا اختیار دلایا۔ اور اب وہ اندر سے مشابہ ہو گئی جو سارے آسمان پر اختیار رکھتا ہے۔ رانی بھی اس کی اسقدر ممنون احسان تھی کہ وہ وزرا کی کونسل میں اس وفادار وزیر کو راجانک (چھوٹا راجہ) کہا کرتی تھی۔ جب وہ سوتا تھا تو یہ سوتی تھی۔ جب وہ کھاتا تھا تو یہ کھاتی تھی۔ اس کی خوشی میں اس کی خوشی تھی اور جب وہ مغموم ہوا کرتا تھا تو یہ بھی ہمدردی سے افسردہ خاطر ہو جاتی تھی۔ جب وہ اپنے گھر کے اندر رہتا تھا تو یہ اس وقت تک خوش نہ ہوتی تھی جب تک اس کی صحت کے حالات اور اس کی نصیحت معلوم نہ کر لے یا اُس کے پاس کچھ تحفے تحائف نہ بھیج لے۔

کوبیہ نامی ایک پالکی بردار کے دو بیٹے سندھو اور بھویہ تھے ان میں سے

راجپوری جنوبی شاہراہ پر ایک اہم حیثیت رکھتی ہے بعد کے راجگان کشمیر اپنے اختیارات کو اس طرف پھیلانے کے لئے بہت کچھ کوشش کرتے رہے۔ البرونی اپنی کتاب انڈیا کی جلد ا صفحہ ۲۰۸ پر راجاوری کی مقامیت کا صحیح طور پر ذکر کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ یہ بعیدترین مقام تھا جہاں اس زمانے میں مسلمان تاجر تجارت کیا کرتے تھے۔ راجوری کی تاریخ مابعد کے لئے دیکھو وگنی صاحب کی کتاب "ٹریولس" جلد ا صفحہ ۲۲۵ - اور ڈریو صاحب کی کتاب جموں صفحہ ۱۵۵۔

ث ۴۶۲ ؎ دواہوشن کے مندر اور دواپور کے متعلق کچھ حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

بڑا یعنی سندھو پروگپت کے گھر میں منظور نظر رہ چکا تھا اور کچھ عرصہ تک خزانچی کا کام بھی کرتا رہا تھا۔ اب اس نے رانی سے بھی خزانہ کا چارج لے لیا اور اس طرح پر مسلسل افسر خزانہ (گنج ایش) رہ کر اس نے سندھو گنج نامی عہدہ مالگزاری کی بنا ڈالی۔ اس شریر آدمی نے رانی کو جو کانوں کی ہلکی تھی جتلایا کہ نرواہن آپ بہت کچھ شاہی طاقت لے چکا ہے۔ وہ اس رائے کو تسلیم کر چکی تھی کہ اتفاق سے وزیر نے اپنی وفاداری کے باعث اس سے درخواست کی کہ آپ میرے گھر آکر کھانا کھائیں لیکن جب سندھو نے اُسے بتایا کہ اگر تم جاؤگی تو نرواہن یقیناً تمہیں اور تمہارے ہمراہیوں کو گرفتار کر لیگا۔ اس پر رانی نے خوف زدہ ہو کر اس سے مشورہ پوچھا اور چپکے سے بغیر کچھ کہے محل کو واپس چلی گئی اور وہاں جا کر کملا بھیجا کہ میں نہانے والی ہو گئی ہوں۔ اس طرح پر جب رانی راستے سے لوٹ آئی تو وزیر کی اس کے ساتھ جو محبت اور نیک دلی کا احساس تھا اس کا خاتمہ ہو گیا۔

ددا اور نرواہن کی شکر رنجی اس کے بعد جب ان کی باہمی محبت دور ہو چکی تو سازشیوں نے اُنکے

اس جگہ جس مٹھ کا حوالہ دیا گیا ہے وہ بلا شبہ ددا مٹھ ہے جس کا ذکر ترنگ ۲ کے شلوک ۱۱۔ اور ترنگ ۸ کے شلوک ۳۴۷۹ میں آتا ہے۔ اس کا نام اب سری نگر کے حصہ دومر کی صورت میں باقی رہ گیا ہے جو دریا کے دائیں کنارے پر چھٹے اور ساتویں پل کے درمیان واقعہ ہے۔ اس شناخت کی تصدیق پنڈتوں نے کی ہے اور اس کے علاوہ بعد کے مورخوں نے بھی اس حصے کا نام ددا مٹھ ہی لکھا ہے دیکھو سری ور کی راج ترنگنی ترنگ ۳ شلوک ۱۷۳۔ ۱۸۶۔ ترنگ ۴ شلوک ۱۲۶۔ اور پرجا بھٹ اور شک کی راج ترنگنی شلوک ۳۲۲۔ ۳۵۰۔ ۶۲۹۔ و ۶۹۸۔

اندر یہاں تک نفاق پیدا کردیا جتنا کہ تل اور کھلی میں پایا جاتا ہے۔ ہیرا تمام دھاتوں سے محفوظ خیال کیا جا سکتا ہے (کوئی دھات اس کو کاٹ نہیں سکتی) اور پتھر کے بند سے پانی نہیں گذر سکتا لیکن ایسی کوئی چیز نہیں جو جھوٹ کے اثر کو روک سکے۔ جو لوگ ایک بچے سے زیادہ بیوقوف اور ساتھ ہی دیوتاؤں کے اُستاد (برہسپتی) سے زیادہ چالاک ہیں ہم نہیں جانتے کہ وہ کن ذرات سے مرکب ہیں۔ کوا جس کے من میں سب کی طرف سے بے اعتباری ہوتی ہے دوسرے پرندوں کے بچوں کو اپنا بنالیتا ہے (کوئل اپنے انڈے اس کے آشیانے میں دی جاتی ہے اور یہ انہیں سنتیا اور بچوں کی پرورش کرتا ہے)۔ راج ہنس کو ہر چند کہ یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ اپنی چونچ سے دودھ اور پانی کو الگ الگ کر سکتا ہے تاہم وہ ایک خالی بادل سے ڈرتا ہے۔ راجہ جس کا من اسقدر ہوشیار ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کی حفاظت کر سکتا ہے ایک بدمعاش کے الفاظ کو صحیح مان لیتا ہے۔ قدرت کا یہ انتظام جس میں چالاکی اور حماقت ایک دوسرے سے ملی رہتی ہیں واقعی قابل افسوس ہے۔ رانی جو اپنے پاؤں استعمال کرنے کے قابل نہ (کرن ہیں) تھی اپنے اخلاقی اصولوں (سرتی باہتیا) کی کمی کے

مدیہ دیش کے متعلق جس کے معنے وسطی ملک کے ہیں دیکھو لاسن صاحب کی کتاب انڈس آلٹرتھمس کنڈ جلد ا صفحہ ۱۱۹۔ اور فلیٹ صاحب کی انڈین اینٹی کوئی جلد ۱۲ صفحہ ۲۴۹۔

سود وتر کا نام اور کہیں پر استعمال نہیں ہوا۔ البتہ بعض مورخوں نے اس کی صورت کو سودوورتا قائم کیا ہے جس سے ہمیں سود اور اودر کے دو نام ملتے ہیں آخرالذکر بقول فلیٹ صاحب اوڑیسہ کا نام ہے۔ اور سود سے مراد سوت سے ہے جو انڈین اینٹی کوئی کی جلد ۱۲ صفحہ ۱۸۰ کے ایک کتبے میں مالوا اور گورجر کے درمیان مذکور ہے۔

۲۶۳ کنگن پور شاید موجودہ موضع کنگن کا نام تھا جو دریائے سندھ کے دائیں

باعث قابل نفرین بن گئی۔ اس کی حالت واقعی اس بیوقوف برہمن کی سی تھی جو سادہ لوح اور مراسم (کرن) سے ناواقف ہونے کے باعث وید (سرتی) کا علم نہ رکھنے کی وجہ سے قابل نفرین بن جاتا ہے۔ اس نے مختلف موقعوں پر نرواہن کو اس قدر تنگ کیا کہ بے عزتی سے دکھی ہو کر اس نے خودکشی کر لی۔ جب عزت دید لوگوں کی شرافت کو ایک لاعلاج صدمہ پہنچے اور اس سے ان کے من کو تکلیف ہو تو سوائے موت کے اُن کے لئے اور کونسی جائے پناہ ہو سکتی ہے؟

جس طرح رات میں بغیر چندر ماں کے یا کلام میں بغیر صداقت کے چمک نہیں پائی جاتی ویسے ہی جب نرواہن سے شاہی اعزاز جدا ہوا تو اس کی بھی چمک جاتی رہی۔ متواتر بے رحمی کرتے رہنے سے سخت دل ہو کر رانی نے ارادہ کر لیا کہ سنگرام ڈامر کے جس نے پہلے بہادری دکھائی تھی بیٹوں کو جو اس وقت اس کے پاس موجود تھے مار ڈالا جائے مگر یہ دونوں خوف زدہ ہو کر اپنے وطن گھوش واقعہ اُتر کی طرف بھاگ گئے اور وہاں جا کر دوار پتی کیک اور دوسرے لوگوں کو جنہوں نے ان پر حملہ کیا مار ڈالا۔ جب رانی نے بغاوت سے ڈر کر عاجزی کی شرم سے لاپرواہ ہو کر انہیں خوش کرنے کی پوری کوشش کی۔ بھلا جو لوگ

کنارے پر واقعہ ہے۔

۲۶۴؎ بعض مورخوں نے لفظ دیشک کے معنے دوا کے ملک کے لوگ یا استاد لئے ہیں۔ لیکن مذکور بالا شلوک کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد کشمیریوں کے مقابلے میں غیر ملکی لوگوں سے لی گئی ہے۔ جو نراج نے اپنی کتاب سری کنٹھ چرتر کے ادھیائے ۲۵ شلوک ۲۲ کی شرح میں اس لفظ کے معنے یہی لئے ہیں۔ کلہن نے ترنگ ۸ کے شلوک ۱۳۲۸ میں بھی یہ لفظ انہیں معنوں میں استعمال کیا ہے اور اُس جگہ اس کے کوئی اور معنے نکل ہی نہیں سکتے۔ ایسے ہی ترنگ ۷ کے شلوک ۹۷-۱۰۹-۱۹۳-اور ترنگ ۸ کے

خود غرضی میں غرق ہوں انہیں عزت کا احساس کہاں رہ سکتا ہے؟ رانی کے پاس اگر انہوں نے خوف کے مارے ستھانیشور اور دوسرے بڑے، بڑے ڈمروں سے اتحاد پیدا کر کے از سر نو طاقت حاصل کی۔

ودا کا پھلگن کو واپس بلانا جب رک مرگیا تو رانی نے جوان سے ڈرتی تھی اور ایک مضبوط آدمی کی تلاش میں تھی پھلگن کو اپنے پاس بلالیا۔ ہر چند کہ وہ پہلے تلوار کو ہاتھ سے رکھ چکا تھا تاہم تاج کے معاملات سر انجام دینے کے لئے اس نے پھر اُسے ہاتھ میں لے لیا۔ واقعی خوشیوں کی خواہش کو ترک کرنا بہت مشکل ہے۔ راجپوری [۴۶۱] اور دوسرے علاقوں کے اس فاتح کی عجیب و غریب عظمت آخر کار گویا اس متلون مزاج بڑھیا کی آشنا ثابت ہوئی۔ شریر بجے گپت کے سپرد جو رانی کے بھائی اودے راج کا منظور نظر ہم جلیس تھا اکش پٹل کا انتظام تھا۔ اس کے ساتھ مل کر دوسرے بے رحم عمال نے کشمیر کو خوب ہی لوٹا جس کا باعث اس ملک کے دیرینہ گناہ تھے۔ انہیں دنوں ابھے منیو جسے اس کی بد اطوار ماں کے گناہوں نے افسوس ناک حالت میں پہنچا رکھا تھا تپ دق میں مبتلا ہوگیا۔ اسکی آنکھیں

شلوک ۳ و ۴۴ میں یہ لفظ انہیں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ دیشک کے معنے غیر ملکی ہونے کے متعلق دیکھو وکرمانک دیو چرت ادھیائے ۱۸ شلوک ۴۴۔ ہیم چندر نے دیشک کے معنے سیدلح کے بھی لئے ہیں۔

ودا کے وہار کا ذکر آگے چل کر ترنگ ۸ کے شلوک ۵۸۰ میں آتا ہے۔

[۴۶۵] ترنگ ۷ کے شلوک ۱۵۶۸ میں سنگھ راج مٹھ کا جو حوالہ دیا گیا ہے اس سے خیال کیا جا سکتا ہے کہ یہ مندر وجیشور کے قریب کسی مقام پر واقع تھا۔ سنگھ راج سوامن کے وشنو کے مندر کا ذکر ترنگ ۸ کے شلوک ۱۸۲۲ میں آتا ہے جہاں لکھا ہے کہ یہ لوہر میں واقع تھا

کنول پھولوں سے مشابہ تھیں۔ تعلیم یافتہ تھا۔ علما اور دوانوں کے لڑکے اسکی صحبت کی قدر کرتے تھے اور وہ تعلیم اور شباب کے باعث مشہور ہو چکا تھا جس طرح سورج کی گرمی سریش کے پھولوں کو کملا دیتی ہے ویسے ہی یہ شریف چلن راجہ بُروں سے اختلاط رکھنے کی وجہ سے قبل از وقت مرجھا گیا۔ رعایا کے اس چاند کو جبکہ وہ ابھی آدھا ہی ہوا تھا لوکک سمت ۴۸ (سنہ ۹۷۲ء) کے ماہ کاتک کے شکل پکش کی تیسری تاریخ کو گہن لگ گیا۔

راجہ نندی گپت

سنہ ۹۷۲ء تا سنہ ۹۷۳ء

اب تخت پر ابھے منیو کا بیٹا نندی گپت بیٹھا اور دوا کے دل میں اپنے مردہ بیٹے کا غم۔ جس طرح چھوٹا شمشی شیشہ جب اس کی آگ پیدا کرنے والی خاصیت اندھیرے کی وجہ سے چھپی ہوئی ہو سرد ہو جاتا ہے ویسے ہی اپنے بیٹے کے غم سے رانی کی ظالمانہ فطرت مدہم پڑ گئی اور وہ امن اور استقلال کے ساتھ کام کرنے لگی۔ اس وقت کے بعد وہ دولت جو اس نے بُرے طریقوں سے کمائی تھی اس کے تعجب خیز اعمال پاکبازی کے ذریعے پاک ہو گئی۔ سندھو کے بھائی بھویہ نے جو ایک نیک مرد تھا اور کوتوال شہر کا عہدہ رکھتا تھا اُسے ان

---

۴۶۶ زمانہ حال کے ایک ٹیکا کار نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ بدی واس سے مراد بودول یا بودل کا مشہور گاؤں ہے جو پیر پنچال کے جنوب میں دریائے انس کے بالائی معاونوں میں سے ایک پر واقع ہے۔ سلسلہ کوہ کے ایک درے کا نام اور اُس سڑک کا جو اس پہاڑ میں سے ہو کر گذرتی ہے یہی پڑ گیا ہے دیکھو ڈریو صاحب کی کتاب جموں صفحات

پاکبازی کے کاموں میں ترغیب دی۔ اس وقت سے لیکر جب سے اس نے رانی کے اندر رعایا کے متعلق بیش قیمت محبت کا احساس پیدا کر دیا تھا اور اس نے اپنے اطوار بد ترک کر دیئے تھے ہر شخص رانی کی عزت کرنے لگا۔ واقعی ایسا وزیر شاذ و نادر ملتا ہے جو تند خوئی سے پاک رہ کر رعایا کے لئے راجہ کی خدمت کو ویسے ہی آسان بنا دیتا ہے جیسے موسم سرما سورج کی حرارت کا لطف اُٹھانے کو۔

دداکی مقدس عمارات

اپنے مرحوم بیٹے کی خوبیوں کو بڑھانے کے لئے رانی نے ابھے منیو سوامن وشنو کا مندر اور ابھے منیو پور نامی شہر تعمیر کروایا۔ اس کے علاوہ اس نے دداسوامن نامی وشنو کا مندر۔ ددا پور شہر اور ایک مٹھ[۴۶۲] مدھ دیش۔ لاٹ اور سو دوتر کے لوگوں کی رہائش کے لئے بنوایا۔ اپنے شوہر کنکن ورش کی خوبیوں میں اضافہ کرنے کے لئے جو سونا برسایا کرتا تھا اس رانی نے کنکن پور[۴۶۳] شہر تعمیر کرایا۔ اور ایک اور مندر ...من نامی وشنو کا سفید پتھروں کا بنوایا جو اس طرح چمکتا تھا گویا وشنو کے قدموں کے پاس سے نکلی ہوئی گنگا کے پانی میں دھویا گیا ہو۔ اس حسین رانی نے ایک بلند احاطے والا دہار[۴۶۴] کشمیریوں اور غیر ملکی لوگوں کی رہائش کے لئے تعمیر کروایا۔ اپنے باپ سنگراج کے نام سے اس نے سنگھ سوامن نامی وشنو کا مشہور مندر اور غیر ملکی برہمنوں کی رہائش کے لئے ایک مٹھ[۴۶۵] تعمیر

---

۳۴۶ و ۳۴۷ ش ۔ یہ امر مشتبہ ہے کہ آیا یہ خیال درست ہو سکتا ہے کیونکہ بودل اُس علاقے سے بہت دور واقع ہے جو اب پُرنتس (پرنوتس) سے متعلق ہے اور ایک بلند سلسلہ کوہ اسے جدا کرتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کنگھیم صاحب نے بھی اس شناخت کی خبر سن لی ہوگی کیونکہ وہ اپنے جغرافیہ قدیم کے صفحہ ۱۳۳ پر کشمیر کے جنوبی پہاڑی ریاستوں کی

کروایا۔ مٹھ بنواکر بیکنٹھ (وشنو) کی مورتیاں رکھواکر اور نیکی کے کام کرکے اس نے وتشٹا اور سندھو کے مقام اتصال کو پوتر کر دیا۔ لیکن اس کے کاموں کو کہاں تک گنوایا جائے۔ بیان کیا گیا ہے کہ اس نے مختلف مقامات پر ۶۴ ایسی بنیادیں رکھوائی تھیں۔ اس رانی کو چونکہ تباہ شدہ عمارات کی بحالی کا شوق تھا اس لئے اس نے قریب تمام ایسے مندروں کے گرد جن کی محیط دیواریں جل چکی تھیں پتھر کی دیواریں بنوادیں۔ ونگا نامی ایک کلی عورت نے جو اُن موقعوں پر لنگڑی رانی کو پیٹھ پر اُٹھالیتی تھی جبکہ کسی کھیل میں بھاگنے کی ضرورت پڑتی تھی ونگا مٹھ تعمیر کروایا۔

تمی مچھلی ہر چند کہ مقدس پانی میں رہتی ہے اور ایک مُنی کی طرح خاموشی اختیار کئے رکھتی ہے تاہم اپنی نسل کی مچھلیوں کو کھا جاتی ہے۔ مور ہر چند کہ بارش کا پانی پیتا ہے تاہم ہر روز سانپ نگل جاتا ہے بگلا ہر چند کہ فرضی مراقبے کی حالت میں رہتا ہے تاہم بھولی بھالی مچھلیوں کو کھا جاتا ہے واقعی شریر لوگوں کے نیک کاموں یا بُرے فعلوں کی تبدیلی کا کسی کو پتہ نہیں چل سکتا۔ ایک سال گذرنے پر جبکہ اس کا غم کسی قدر رفع ہو گیا تو اُس بد عہد عورت نے جو خوشیوں کی خواہشمند تھی اپنے چھوٹی عمر کے پوتے کو جادو کے زور سے مروا ڈالا۔ لوکک سمت ۴۹ ۴۰ (۹۷۳ء) کے ماہ مگھر کی شکل پکش کی بارھویں تاریخ کو اس رانی نے اپنے پر گناہ طریقے پر بار بار چلتے ہوئے راجہ کو ٹھکانے لگایا۔

فہرست میں بدوال یا بدی واس کا ذکر کرتے ہیں)۔ بدوال کا نام اور کہیں نظر نہیں آتا اور خیال ہے کہ اغلباً اس سے مراد بودل ہی ہے۔

تنگ کی ابتدائی زندگی کے حالات اکثر پہاڑ کے باشندوں سے بالخصوص زمانہ حال کے گوجروں کے حالات سے مشابہ ہیں یہ لوگ پرنتس اور دیگر نواحی پہاڑی علاقوں سے مع

راجہ تربھون

۹۷۳ء تا ۹۷۵ء

اسی طریقے پر اس نے لوک سمت ۴۰۵۱ (۹۷۵ء) کے ماہ مگھر کی شکل پکش کی پانچویں تاریخ کو اپنے پوتے تربھون کو بھی مار ڈالا۔

راجہ بھیم گپت

۹۷۵ء تا ۹۸۰-۱ء

اب اس بے رحم رانی نے بلا تامل اپنے آخری پوتے بھیم گپت کو موت کے راستے پر جس کا نام تخت تھا بٹھا دیا۔

انہی دنوں بوڑھا پھلگن بھی انتقال کر گیا۔ جس کے لحاظ سے ددا نے اب تک اپنے ظلم اور جوش کو چھپایا ہوا تھا جس طرح ایک مست ہتھنی جوش میں آکر اپنے چہرے کے کپڑے کو پھاڑ دیتی ہے ویسے ہی اس نے بھی علانیہ بد اطواری کے ذریعے سینکڑوں بے جا کاروائیاں کیں۔ افسوس کہ شریف النسل عورتیں بھی دریاؤں کی طرح فطرتاً نیچے کی طرف حرکت کرتی ہیں۔ لکشمی ہر چند کہ منور سمندر سے

اپنی بھینسوں کے کشمیر چلے آتے ہیں اور چونکہ یہ لوگ پھرتیلے اور قابل اعتبار ہوتے ہیں۔ اس لئے انہیں شکاریوں یا ڈاک کے ہرکاروں وغیرہ کے کام بہ آسانی مل جاتے ہیں۔

پنڈت ہر گوپال کول اپنی کتاب گلدستہ کشمیر اور منشی محمد الدین صاحب اپنی کتاب تاریخ کشمیر میں لکھتے ہیں کہ تنگ راجہ پونچھ کی طرف سے بطور ایلچی کے ددا کے پاس آیا تھا اور

جو پانیوں کا شہنشاہ ہے پیدا ہوئی تھی تاہم وہ مستقل طور پر اپنی جائے رہائش ایک کنول پھول میں رکھتی ہے۔ جو ایک تھوڑے پانی کے چشمے میں پیدا ہوتا ہے ایسے ہی اعلےٰ نسل کی عورتیں ادنےٰ کاموں کی طرف مائل رہتی ہیں۔

تُنگ کا عروج بلن نامی ایک کہش کا بیٹا تنگ نامی تھا جس کا وطن بدی واس[۲۶۶] دافعہ پر نوتس تھا۔ وہ بھینسے چرایا کرتا تھا۔ کشمیر پہنچ کر اس نے معہ اپنے پانچ بھائیوں۔ سوگندہی سی۔ پرکٹ۔ ناگ۔ اتا ایک اور سن مکھ کے ہرکارے کی ملازمت اختیار کرلی۔ ایک موقعہ پر رانی نے اس شخص کو وزیر خارجہ کے پاس دیکھا اور اس پر مفتون ہوگئی۔ اس نے ایک قاصد کے ذریعے خفیہ طور پر اس جوان کو بلوایا۔ اور جیسا کہ اس کی قسمت میں لکھا تھا اس کے ساتھ اس کی محبت ہوگئی گو اس سے پہلے بھی اس کے بہت سے آشنا تھے۔ تب رانی نے جو بے شرم تھی اور تنگ سے محبت رکھتی تھی بھوبہ کو زہر دیکر مار ڈالا کیونکہ اس نے بے اطمینانی ظاہر کی تھی۔ اُن نہ سوچنے والے اور خراب من کے بُرے آقاؤں پر شرم ہو جو خوش ہوتے ہیں تو خالی تعریف کردیتے ہیں جس سے کچھ انعام حاصل نہیں ہوتا لیکن کوئی خطا سرزد ہو جائے تو جان و مال ضبط کر لیتے ہیں۔ درک کے بیٹے دیوکلش نامی ویلاوت کو جو ایک بیشرم آدمی تھا اور دلالی کا کام کیا کرتا تھا رانی نے بھوبہ کا عہدہ دیدیا۔ کردم راج دواب تی اور بڑے بڑے آدمی بھی دلالی کیا کرتے تھے۔ انکے علاوہ اور بھی تھے لیکن انہیں

یہ اس کو دیکھ کر فریفتہ ہوگئی تھی مگر یہ غلط ہے اصل کتاب میں لکھا ہے کہ وہ معہ اپنے پانچ بھائیوں کے یہاں آکر ہرکاروں میں نوکر ہوا تھا۔

[۲۶۷] کنک وارک کے صحیح معنے مشتبہ ہیں اس کا ذکر صرف ایک مرتبہ آگے جلد ۸ ترنگ ۸ کے شلوک ۱۶۱۸ میں آتا ہے۔ جہاں یہ فرمانروائے راجپوری کے ایک ملازم کے

کیونکر گنا جا سکتا ہے۔

ادھر جب بھیم گپت چار پانچ سال محل میں رہنے کے بعد کسی قدر سمجھدار ہوگیا اور اس نے دیکھا کہ سلطنت کا کاروبار اور میری دادی کا طریق معاش غیر درست اور قابل اصلاح ہے تو متلون مزاج رانی کو اس کی طرف سے شبہ ہوگیا۔ کیونکہ وہ فطرتاً بے رحم ہونے کے علاوہ جسمانی اور اخلاقی نقائص رکھتی تھی۔ یہ ایک بڑے شریف خاندان کی نسل سے تھا جسے ابھے منیو کی بیوی نے خفیہ طور پر اپنے بیٹے سے بدل لیا تھا۔ اسی وجہ سے اس کا چال چلن ایسا اعلیٰ تھا۔ اب اس بیشرم رانی نے ڈر کر دیو کلش کے ایما پر بھیم گپت کو علانیہ طور پر قید کر دیا۔ نندی گپت اور دوسروں کو اس نے خفیہ طور پر جو ضرر پہنچایا تھا اس کے متعلق اب تک لوگوں کو شبہ چلا آتا تھا لیکن اب رانی کی علانیہ کارروائیوں سے وہ بالکل دور ہو گیا۔

رانی ددا

سنہ ۹۸۰ء تا سنہ ۱۰۰۳ء

بھیم گپت کو مختلف اذیتیں دے دیکر مارنے کے بعد رانی ددا لوکک سمت ۴۰۵۶ (سنہ ۹۸۰ء) میں خود تخت نشین ہوئی۔ تُنگ جو دن بدن رانی کے اُمیدوار رفتہ

متعلق استعمال ہوا ہے۔

۴۶۸؎ اصل کتاب میں سیب کے لئے لفظ پالیوت استعمال ہوا ہے جس کے معنے کشمیری پنڈتوں کی دانست میں سیب کے ہیں اس پھل کا ذکر سری ور نے اپنی راج ترنگنی کی ترنگ اشلوک ۱۹۶ میں کیا ہے اور اس کے ساتھ ہی لفظ ٹنک اور پیرا استعمال

ہونے کے باعث متکبر ہوتا جارہا تھا وزیر اعظم (سرواد ہی کارن) بنا اور اُسے ہر شخص سے بڑا عہدہ دیا گیا۔ ٹُنگ اور اُس کے بھائیوں نے جن سابقہ وزیروں کی جگہ حاصل کرلی تھی ان میں بدرجہ غائت بے اطمینانی پھیل گئی اور انہوں نے سلطنت کے خلاف بغاوت کھڑی کرنے کے لئے پوری کوشش کی۔

وگرہ راج کی بغاوت

سب نے مل کر ایک اجلاس کیا اور دولے کے بھائی وگرہ راج کو جو طاقت ور اور نہایت بہادر تھا کشمیر لے آئے۔ اس جگہ پہنچکر اس نے بڑی دانائی سے کام لیا کہ تمام برہمنوں کو جن کے پاس بڑے بڑے اگرہار تھے اس بات پر آمادہ کیا کہ ملک کے اندر بدامنی پھیلانے کے لئے پرائے اپویش (فاقہ کشی) شروع کریں۔ جب برہمن متفق ہوگئے تو ساری رعایا میں ایک شور سا مچ گیا اور ہر مختلف مقامات کو ڈھونڈنے لگا کہ اگر وہ مل جائے تو اُسے جان سے مار دیا جائے۔ سودہانے بغاوت سے ڈر کر چند دن تک ٹُنگ کو اپنے ایک کمرے میں دروازے بند کرکے چھپائے رکھا۔ اور سومنو منتک اور دوسرے برہمنوں کو روپیہ کا لالچ دیکر اپنا طرف دار بنالیا اور اس طرح پر اُس پرائے اپویش کا خاتمہ ہوگیا۔ جب رانی نے رشوتیں دیکر اس مشکل کو دور کردیا تو وگرہ راج کی طاقت ٹوٹ گئی اور وہ خالی ہاتھ واپس چلا گیا۔

اب چونکہ ٹُنگ اور اس کے ہمراہیوں کو دوبارہ طاقت حاصل ہوچکی تھی۔

کئے ہیں جن کے معنے غالباً ناسپاتی اور خوبانی کے ہیں ان الفاظ کو اس نے اس موقعہ پر استعمال کیا ہے جہاں وہ کشمیر کے قحط کا ذکر کرتا ہے۔

۴۶۹؎ جس لکڑی کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ وہ بغیر جلنے کے بندروں کو گرم کردیتی ہے اس کا ذکر آگے چل کر ترنگ ۸ کے شلوک ۲۶۲۷ میں "واندر ایندھن" یا بندروں کے

اس لئے انھوں نے اپنے آپ کو تقویت دیکر مناسب عرصہ گذرنے پر کردم راج اور دوسرے اُن لوگوں کو جنہوں نے بغاوت پھیلائی تھی جان سے مار ڈالا۔ بحالت ناراضی انہوں نے رکھ کے بیٹے سوکن اور دوسرے بڑے بڑے مشیروں کو جلا وطن کر دیا تھا لیکن پھر انپر خوش ہو کر انہیں واپس بلا لیا اس اثنا میں وگرہ راج نے جس کی عداوت دن بدن بڑھتی جا رہی تھی خفیہ قاصد بھیجکر پھر برہمنوں سے پرائے اپویش شروع کروا دیا۔ برہمن اس غرض کے لئے جمع ہوئے لیکن وہ چونکہ رشوتیں لینے پر آمادہ تھے اس لئے تُنگ نے جو اپنے آپ کو مستحکم کر چکا تھا اُن سے بہ آسانی نجات حاصل کر لی۔ وگرہ راج کا ۳۴۶ کٹک وارک (منظور نظر افسر؟) ادتیہ نامی جو خفیہ طور پر انکے پاس رہتا رہا تھا بھاگتا ہوا جان سے مارا گیا۔ وتسراج نامی ایک چیمبرلین زخمی ہوا۔ اور اُسے فراری کے دوران میں نین کوٹک اور دوسروں نے گرفتار کر لیا۔ اس کے علاوہ تُنگ نے سومنومنتک اور دوسرے برہمنوں کو جنہوں نے دولے روپیہ لیا تھا گرفتار کر کے قید خانے میں ڈالدیا۔

راجپوری پر فوج کشی

اب چونکہ بھلگن انتقال کر چکا تھا اس لئے راجپوری کے فرمانروا نے دوبارہ اظہار نخوت شروع کیا اور سارے وزرا غصے میں آ کر اسپر مہم لیکر چڑھے۔ دوسری طرف سے پرتھوی پال یعنی راجپوری کے بہادر راجہ نے کشمیری فوج پر ایک تنگ درے میں حملہ کیا اور اُسے بالکل تباہ کر ڈالا۔ سپاٹک اور ہنسراج دونوں وزیر اس جگہ کام آئے

اینداھن کے نام سے آیا ہے اس شلوک سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس قسم کی لکڑی ہے کہ جسے جلایا نہیں جا سکتا۔ سٹائن صاحب کو کشمیر میں اس قسم کا کوئی درخت معلوم نہیں ہو سکا جس کے متعلق یہ اعتقاد قائم ہو۔

برہموں کے آگ کے ذریعے اپنے آپکو صاف کرنیکے متعلق دیکھو نوٹ ع ۳۳۹ کتاب ہذا۔

چند اور بعض دوسروں کو اس قسم کی تکالیف پہنچیں کہ موت اُن کے لئے باعث آرام ثابت ہوتی۔ تب بہادر تنگ مع اپنے بھائیوں کے ایک دوسرے راستہ پر سے ہو کر یکا یک راجپوری میں جا داخل ہوا اور اُسے بالکل جلا ڈالا۔ اس طرح پر راجہ پرتھوی پال مغلوب ہوا اور دوسرے ونداکی فوجوں کو درے سے باہر نکالا گیا۔ اپنی محتاجی کی حالت میں راجہ تنگ کا مطیع ہو گیا اور اس طرح پر وزیر نے اس موقعہ پر ایک ہاتھ سے نکلی ہوئی بات کو دوبارہ حاصل کر لیا۔ وہاں سے سرینگر کو واپس آتے وقت فوج کی کمان تنگ کے سپرد کی گئی اور اس نے ایک شیر کی بہادری کے ساتھ بے شمار ڈامروں کو قتل کر ڈالا۔

سنگرام راج کا ولی عہد مقرر کیا جانا

اب ددا نے بغیر کسی تامل کے اپنے بھائی اودے راج کے بیٹے سنگرام راج کو طریق ذیل پر آزمانے کے بعد یوراج کا عہدہ دیدیا۔ رانی کے تمام بھتیجے بچے ہی تھے جو اس کے گرد جمع تھے اُنکے آزمانے کے لئے اس نے انکے سامنے بہت سے سیب[۴۷۰] ڈال دیئے اور سب کو مخاطب کر کے کہا کہ دیکھیں تم میں سے ہر ایک کتنے سیب حاصل کر سکتا ہے جس سے اُن سب میں ایک گھبراہٹ سی مچ گئی۔ رانی نے دیکھا کہ باقیوں نے بہت سی چوٹیں کھانے کے بعد صرف چند سیب حاصل کئے ہیں لیکن سنگرام راج

---

۴۷۰ کلہن یہاں پر درلب وردہن کی اننگ لیکھا کے ساتھ شادی کا حوالہ دیتا ہے جس کے باعث بموجب ترنگ ۳ شلوک ۴۸۹ کارکوٹ خاندان تخت نشین ہوا تھا۔ اس کے علاوہ دوسرا حوالہ نرجت ورمن کی تخت نشینی کے متعلق ہے جو بموجب ترنگ ۵ شلوک ۲۵۱ رانی سوگندھا سے رشتہ رکھنے کے باعث تخت پر بیٹھایا تھا۔

۴۷۱ خیال کیا جاتا ہے کہ سانپوں کے راجہ شیشناگ نے زمین کو اپنے ایک ہزار پھنوں

کے پاس سیب بہت ہیں اور کسی نے اس کو چھوا تک نہیں۔ جب اس نے حیرت میں آکر پوچھا کہ تم نے اس قدر سیب بغیر چوٹ کھائے کیونکر جمع کرلئے ہیں تو اس نے جواب دیا۔ "میں نے یہ پھل اُن لڑکوں کو تندی کے ساتھ ایک دوسرے سے لڑنے اور خود الگ کھڑا رہ کر حاصل کئے ہیں۔ جس سے مجھے بالکل ضرر نہیں پہنچا۔ جو لوگ خود کوشش کئے بغیر دوسروں کے جذبات کو نہ بڑھاتے اور آپ چپ چاپ الگ کھڑے رہتے ہیں انہیں کونسی کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی"۔ جب رانی نے یہ جواب سنا تو وہ سمجھ گئی کہ اس کا دل کس قدر ٹھہرا ہوا ہے۔ اور خود چونکہ بزدل تھی اس لئے جیسے کہ عورتوں کا وطیرہ ہے اُسے تخت کے لائق خیال کیا۔ جس طرح بزدل کسی چیز کو محتاط طریقے پر قابل حصول خیال کرتے ہیں ویسے ہی دلیر آدمی اُسے دلیری کے ذریعے قابل حصول جانتے ہیں۔ لکڑی[۳۷۱] بغیر جلنے کے بندروں کی سردی دور کردیتی ہے اور پانی اور آگ بغیر ہونکی کھال کو صاف کرسکتے ہیں کیونکہ وہ اپنے آپ کو آگ کے شعلوں میں پاک (اگنی شوچ) کہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف چیزیں ہر ایک وجود کے مدعا کو اس کے اپنے طریق پر پورا کرسکتی ہیں۔ گو حقیقت میں اُنکے اندر کوئی مخصوص خاصیت موجود نہیں ہوتی۔ (پنڈت ہرگوپال اور منشی محمد الدین صاحب فوق کے مشترکہ بیان سے پایا جاتا ہے کہ اس رانی کے اخیر دور حکومت میں

پر اُٹھایا ہوا ہے۔ یہ چونکہ نسبتاً چھوٹے چھوٹے اور ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہیں اس لئے اُن کا مقابلہ کنول کی جڑوں سے کیا گیا ہے۔

۳۷۲ اس جگہ جو اعداد دیئے گئے ہیں وہ یشسکر کی تخت نشینی (ساڑھے سدی ۲۴ اشٹ ۲۰۵ لوکک) سے لیکر دد کے انتقال (۷ شدی بہادروں لوکک سمت ۲۰۰۹) تک کے عرصے سے بالکل مطابقت کھاتے ہیں۔

سلطان محمود غزنوی نے کشمیر پر حملہ کیا لیکن اس کی فوج راستہ بھول گئی۔ جاڑا سر پر آن پہنچا۔ برف گرنے لگی۔ بہت سے آدمی بھی ہلاک ہوئے اور سلطان محمود بغیر جنگ بہت سی زحمت اُٹھا کر ناکام واپس چلا گیا۔)

جب رانی نے لوکک سمت ۴۰۷۹ (۱۰۰۳ء) کے ماہ بھادروں کے شکل پکش کی آٹھویں تاریخ کو انتقال کیا تو یوراج تخت نشین ہوا۔

اس ملک کے شاہی خاندانوں میں یہ تیسری عجیب و غریب تبدیلی[۲۷۰] ہے جو رشتہ شادی کی وجہ سے ظہور میں آئی ہے۔ اس ملک میں جو دشمنوں (یا کانٹوں) سے پاک اور دولت سے مالا مال ہے مشہور و معروف سات واہن کی نسل کو اس طرح پر عروج حاصل ہوا جس طرح کسی باغ میں جنگلی آگ لگ جانے سے ادنیٰ درجے کے درخت جل چکیں اور زمین بادلوں کے پانی سے تر ہو جائے تو آم کی شاخ پھوٹتی ہے۔ جس طرح پر سانپوں کا راجہ (ششیش ناگ)[۲۷۱] اپنے سانس کی طاقت کو اپنے پھنوں کے نیچے جو کنول کی جڑوں کے خوشنما گچھے کی صورت رکھتے ہیں چھپائے ہوئے اُن پر ساری دنیا کا بوجھ اُٹھائے ہوئے ہے ویسے ہی سنگرام راج نے جس کی مضبوط قوت ارادی اس کی نرمی میں پنہاں تھی سارے ملک کو بآسانی اپنے بازو پر سہارا دیا ہوا تھا۔

یہاں پر کشمیر کے مشہور وزیر چمپک کے بیٹے کلہن کی بنائی ہوئی راج ترنگنی کی چھٹی ترنگ ختم ہوتی ہے۔

(عرصہ چونسٹھ[۲۷۲] سال ڈیڑھ ماہ اور آٹھ دن میں دس راجاؤں نے حکومت کی جنہوں نے اس دنیا پر عیش و عشرت کے مزے لوٹے)



مکمل راج ترنگنی

ساتویں ترنگ

وہ گوری پتی (شوجی) اس دنیا کو برکت دیں جنھوں نے پہاڑوں کی بیٹی (پاربتی) کی جو اس بات پر حسد کرتی تھی کہ وہ سندھیا کو مخاطب کر کے دعا کرتے ہیں۔ ذیل کے پیچیدہ[۴۷۳] الفاظ میں تعریف کرتے ہوئے شفق (سندھیا) کی بھی پوجا کی تھی:-

"اے پاربتی! تیری ماں کا قابل پرستش جسم برہما نے پتروں کے بے عیب خاندان میں پیدا کیا ہے شفق کی روشنی میں تم مجھ سے بغلگیر ہو کر میرے نچلے ہونٹ کو جو چینی گلاب کی مانند ہے چھیڑتی ہو" .... یا:-

"اے سندھیا! برہما نے تیرا قابل پرستش جسم پیدا کیا ہے اور تو پتروں کے بے عیب خاندان کی ماں ہے جب تو شفق میں نمودار ہوتی ہے تو ہر بار میرے ہونٹ پر رہتی ہے جو دعا کرنے (جپ) میں مصروف ہوتا ہے"

---

۴۷۳ یہ دعا یہ شلوک ذو معنی ہے اور اس کے متعلق جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ دونوں معنے لئے جا سکتے ہیں یعنی یہ کہ یا تو اس میں پاربتی اور یا سندھیا کو مخاطب کیا گیا ہے

راجہ سنگرام راج

سنہ ۱۰۰۳ء تا سنہ ۱۰۲۸ء

اس راجہ کے من میں تحمل (کشما) اور بازو میں زمین (کشما) تھی۔ وہ بلحاظ طاقت فوجی افسروں (واہنی پتن) اور بلحاظ عمق سمندروں (واہنی پتن) پر فوقیت رکھتا تھا۔ ہر چند کہ لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ جس طرح دن کی شان و شوکت دور ہونے کے وقت سورج مع شفق کے غروب ہو جاتا ہے ایسے ہی رانی کے مرنے پر تنگ بھی اپنے عہدے سے گر جائیگا لیکن بخلاف اس کے انہوں نے دیکھا کہ وہ اپنے مختلف دشمنوں کے جتھے پر غالب آکر ترقی پا گیا ہے۔ واقعی خالق کے طریقوں کو کون جان سکتا ہے؟ انہیں دنوں بہادر اور طاقتور چندراکر کا جس کا اس راجہ سے رشتہ تھا اور جو وزیر اعظم کے عہدے کے لائق تھا انتقال ہو گیا۔ ادھر موضع بھیم ٹکا[۷۷۴] کے ایک دولت مند مندر بنا کر کے بہادر بیٹوں نے بھی دائمی آرام حاصل کیا۔ پس لائق وزیروں کی عدم موجودگی کے باعث قسمت راجہ کو اس کی مرضی کے خلاف تُنگ کی طرف کھینچ لے گئی کیونکہ اس کے لئے اس کے سوائے کوئی اور طریقہ ہی نہ تھا۔ اس سے پہلے رانی ودانے مرتے وقت سنگرام راج، تُنگ اور باقی ماندہ لوگوں کو بہ طریق کوش حلف اٹھوایا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو ضرر

جو شفق اور شفق کے وقت کی جانے والی دعا کی مجسم صورت سمجھی گئی ہے۔ پاربتی کی ماں اور ہماوت کی بیوی مینا کے متعلق خیال ہے کہ وہ پتروں کے باطن خاندان سے تھی۔ سندھیا کی نسبت یہ اعتقاد ہے کہ وہ پتروں کی ماں ہے۔

۷۷۴ بھیم ٹکا کے نام کی موجودہ صورت غالباً بمائی ہے جو زین گر پرگنہ کا ایک بڑا

نہ پہنچائینگے۔ راجہ چونکہ تکالیف برداشت کرنے کے ناقابل تھا اور اس پر کام کا بوجھ بھی زیادہ تھا اس لیئے اس نے رعایا کا انتظام تنگ کے سپرد کر دیا اور خود عیاشی میں پڑ کر کاہل الوجود ہوگیا۔ اس کی بزدلانہ فطرت کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال مل سکتی ہے کہ اس نے غیر یکساں تعلقات شادی منظور کر کے اعزاز شاہی کو گھٹا لیا اور امداد حاصل کرنے کے لیئے اس نے اپنی بیٹی لوتھکا کی شادی ددامٹھ کے منتظم برہمن سے جو دولت۔ ہمت اور اور نیک صفات رکھتا تھا کر دی۔ کسی راجکماری کی شادی ایک ایسے راجہ کے ساتھ جو عالمگیر فتوحات کے لئے آمادہ ہو یا اس تنگ دل برہمن کے ساتھ جس کا ہاتھ سنکلپ کے پانی سے تر رہتا ہو ہونے میں کتنا فرق ہے؟

تُنگ کے برخلاف سازش اس موقعہ پر برہمن مشیروں نے تُنگ کو اپنے عہدے سے گرانے کا ارادہ کر کے مقدس مندروں کے برہمنوں اور پروہتوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ پرایس پودھیں پر لئے اپویش (فاقہ کشی) کریں۔ راجہ کے لئے اس بغاوت کو فرو کرنا مشکل تھا جو برہمنوں اور وزیروں کے یک دل ہو کر کوشش کرنے سے اس طرح پر ظہور میں آئی تھی جس طرح آگ اور آندھی مل کر ایک عظیم آتشزدگی پیدا کر دیتے ہیں۔ برہمن تو راجہ کو بھی معزول کر دینے پر آمادہ تھے لیکن جب ان سے التجا کی گئی تو انہوں نے اس بات پر اصرار کیا کہ بطور پراشچت کے تُنگ کو نکال دیا

گاؤں ہے نیز دیکھو بُمزدا در بھیم کیشو مذکورہ نوٹ ۴۲۷ کتاب ہذا۔

۴۷۵ کیش ہوم کا ذکر پورانوں میں اکثر پایا جاتا ہے مثال کے طور پر دیکھو پدم پوران جلد ۲۔ ادھیائے ۲۳ شلوک ۵۔ ایسے موقعوں پر رشی اپنے بال آگ میں ڈالا کرتے تھے اور اُس کے اندر سے ایک بھوت پیدا ہوا کرتا تھا جس کے ذریعے وہ اُن لوگوں سے جنہوں نے

جلائے۔ جب راجہ۔ تنگ اور سب لوگ اس بات پر رضا مند ہوگئے تو اُن پر شریر برہمنوں نے کچھ اور طلب کرنے پر بھی اصرار کیا۔ انہوں نے کہا یہ "برہمن جو تنگ کے جبر سے مرا ہے ہمیں اُسے تنگ کے گھر میں جلانے کی اجازت دی جائے" حقیقت یہ تھی کہ ان بدمعاشوں نے کسی کنوئیں سے ایک لاش نکال لی تھی اور اُسے تنگ کے مکان کی طرف لئے جارہے تھے کہ کیش ہوم[۴۷۵] (بالوں کے ہوم) کے ذریعے انہوں نے جو بدروح (کرتیہ) پیدا کرلی تھی وہ الٹی انہیں پر حملہ آور ہوئی۔ یکایک فساد پیدا ہوگیا اور ان ناپاک برہمنوں کی تباہی کے لئے تلواریں کھینچ لی گئیں۔ اس پر برہمن تتر بتر ہوگئے اور مارے خوف کے راج کلش کے گھر میں جس نے خفیہ طور پر انہیں سب کچھ سکھایا پڑھایا تھا جا چھپے۔ اسکی عیاری ظاہر ہوگئی اور وہ ایک عرصہ تک ڈٹتا رہا لیکن برہمن عقبی دروازوں اور کھڑکیوں میں سے نکل کر اپنے اپنے گھروں کو بھاگ گئے۔ جب راج کلش مغلوب ہوگیا تو سری دھر کے ساتوں بیٹے جو برہمن اور مشیر تھے آکر جنگ کرنے لگے۔ انہوں نے لڑائی میں بڑے معرکے کی کارروائیاں کیں لیکن آخر سب کے سب کام آئے۔ اور ساتوں سیدھے سورج لوک میں داخل ہوگئے۔

تنگ کی فتح جب وہ میدان جنگ میں کام آچکے تو تنگ نے راج کلش کو جسے سوگندی سینہ نے مغلوب کیا تھا بیڑیاں ڈلوا کر اپنے مکان پر منگوایا۔ اُس کے بازو کاٹ دیئے گئے اور اُسے مجروح کرکے تنگ کے

انکو تکلیف پہنچائی ہو انتقام لیا کرتے تھے۔

[۴۷۶] اس جگہ عبارت مشتبہ معلوم ہوتی ہے کیونکہ اگر راجہ نے خود تنگ کو مارنے کے لئے آدمی بھیجے ہوتے تو پھر بھوتی کلش اور اُس کے بیٹے کو خواہ مخواہ سزا دینے کی کیا ضرورت تھی اس بارے میں بابو جوگیش چندر دت کا ترجمہ زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے جنہوں نے لکھا ہے

نوکر اُسے اپنے کندھوں پر اُٹھا کھیلے گئے اور سڑکوں پر نچواتے رہے۔ ایک اور وزیر بھوتی کلش بھی مغلوب ہو چکا تھا۔ مگر جب کچھ عرصہ بعد سوگندھی سیہ اور باقیوں نے رحم کھا کر اُسے رہا کر دیا تو وہ اپنے بیٹے راجک سمیت شورمٹھ کو چلا گیا اور اُس کے اندر ذلت کی آگ شعلہ زن تھی۔

غرض پر ہاس پور کے اندر جو یہ ہلچل پیدا ہوئی تھی اُسے قسمت نے ایسا بنا دیا کہ اُس سے تنگ کی شان و شوکت اور بھی بڑھ گئی۔ بعد ازاں وزیر گن دیو نے راجہ کو راضی کر لیا جس پر بھوتی کلش گنگا میں اشنان کر کے واپس چلا آیا مگر جب اس نے محل شاہی میں رفتہ رفتہ تھوڑا سا اقتدار حاصل کر لیا تو راجہ نے خفیہ طور پر تنگ کو مارنے کے لئے آدمی بھیجے۔ تنگ اس بات سے باخبر ہو گیا اور سارا معاملہ راجہ کے روبرو بیان کر دیا۔ جس پر اس نے بھوتی کلش اور اُس کے بیٹے کو دوبارہ جلاوطن کر دیا۔

انہی دنوں چندر اکر کا بیٹا مئے منتک جس نے اب کچھ اقتدار حاصل کر لیا تھا انتقال کر گیا۔ ادھر راجہ کا خیر خواہ مشہور و معروف پرمین بھی سلکھاری سے اپنی شادی کا لطف تھوڑا عرصہ حاصل کرنے کے بعد فوت ہو گیا۔ راجہ کے باقی سارے دوست گنگ وغیرہ مر گئے اور صرف تنگ ہی مع اپنے بھائیوں کے مزے اُڑانے کو باقی رہ گیا۔ اس طرح پر ہر بات جو اُس کے تنزل کے لئے کی جاتی تھی وہ خوبیٔ قسمت سے اس کی عزت و شہرت کو اور بھی دوبالا کرتی تھی

گو راجہ نے بھوتی کلش کو تنگ کے مارنے کے لئے متعین کیا تھا لیکن جب اس بات کی خبر تنگ کو ہو گئی تو راجہ نے غالباً اپنی صفائی کے لئے بھوتی کلش اور اُس کے بیٹے کو ملک بدر کر دیا۔ اس کے متعلق یہ امر بھی معلوم ہوتا ہے کہ راجہ کا اس معاملہ میں کچھ دخل ہی نہ ہو اور بھوتی کلش نے خود ہی انتقام لینے کے ارادہ سے تنگ کو مروانے کا بندوبست کیا ہو جس کی خبر

ٹھیک اسی طرح پر جس طرح دریا کے وہ طوفان جن کی نسبت احتمال ہوتا ہے کہ وہ کنارے کے اُن درختوں کو گرا دیں گے جن کے نیچے کی زمین عرصہ دراز گذرنے کے باعث نکل چکی ہوتی ہے اور جنہیں سہارا دینے والی انکی جڑیں ہی ہوتی ہیں اُس کیچڑ کے ذریعے جو انکے پانی میں آتا ہے اس زمین کو جس پر درخت کھڑا ہوتا ہے مضبوط کردیتے ہیں۔ لیکن تنگ جو اپنے افعال میں عاقبت بینی سے کام لیتا تھا اور ہمیشہ لوگوں کو خوش کرنے کی فکر میں رہتا تھا جوں جوں اُس کے سابقہ جنم کی خوبیاں کم ہوتی گئیں۔ غیر مستقل مزاج ہوتا گیا۔

بھدریشور کا عروج چنانچہ ایسا واقعہ ہوا کہ بد قسمتی سے اس نے ایک نیچ جنم کے کائستھ بھدریشور نامی کو اپنا نائب بنا لیا اس شخص کا موروثی پیشہ باغبانی تھا اور وہ میلا[⁎] اُٹھاتا تا۔ قصاب کا کام کرتا اور ایندھن بیچتا تھا۔ اس کے بعد وہ معاش حاصل کرنے کے لئے اہلکاروں کے ساتھ لگا پھرتا رہا تھا وہ اُن کے جُزدان اور قلمدان اُٹھایا کرتا تھا اور اس کی پیٹھ پر ایک سب سے ہلکے درجہ کا اونی کپڑا (کمبل) ہوتا تھا۔ جب تنگ نے جو بے انتہا سرکاری و دیگر معاملات کے تفکرات سے تنگ آچکا تھا اُسے اپنا نائب بنایا تو اُسے یہ معلوم نہ تھا کہ اس تعلق سے میری اپنی قسمت کی تباہی ہونے والی ہے۔ عابد اور نیک سیرت دھرمارک کو برطرف کرکے اس نے اس شریر شخص کو گرہ کرتیہ کے دفتر کا انتظام سپرد کر دیا۔ اس بدطینت شخص نے جو ایک وقت

ہونے پر راجہ نے اُسے ملک سے نکلوا دیا ہو۔

[⁎] اصل عبارت میں اس جگہ لفظ آرامک استعمال ہوا ہے جس کے لئے کشمیر میں آجکل لیار کا لفظ موجود ہے۔ ان لوگوں کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ غلاظت کو کھاد وغیرہ کے طور پر استعمال کریں اور اس لحاظ سے اُن کے پیشے کو ذلیل سمجھا جاتا ہے دیکھو لارنس صاحب

موت سے مشابہ تھا دیوتاؤں۔ گوٹھ۔ برہمنوں۔ غریبوں۔ اجنبیوں اور شاہی نوکروں کے رونیے گھٹا دیئے۔ ایک بھیانک کا پالک (شخص) بھی جو لاشیں کھا کر گذارہ کرتا ہے اپنی قوم کے لوگوں کو پالتا ہے لیکن شریر بھدریشور نے اپنی قوم کے لوگوں کو بھی جینا دوبھر کردیا۔ ماہ چیت میں تُنگ نے بھدریشور کو سیاہ و سفید کے اختیارات دے دیئے اور اساڑھ کے مہینے میں سوگندی سیہ مرگیا۔ اپنے بھائی کے مرنے پر جو تمام تفکرات کو برداشت کیا کرتا تھا مصیبت زدہ تُنگ کو ایسا معلوم ہوا گویا کسی نے اس کا سر کاٹ دیا ہو۔

راجہ ترلوچن پال کی مدد پر فوج کشی ماگھ کے مہینے راجہ نے تُنگ کو مشہور شاہی ترلوچن پال کے ملک میں جس نے امداد طلب کی تھی روانہ کیا۔ بہت بڑی فوج جس میں کئی ایک راج پُتر۔ مشیر خاص۔ باجگذار والیان ریاست اور عزت دار لوگ شریک تھے اور جو تعداد میں اتنی بڑی تھی کہ زمین اس سے کانپ جائے اس کے ہمراہ گئی جب وہ معہ اپنے بیٹے کے اس جگہ پہنچ گیا تو شاہی نے اس کا بہت اچھی طرح سے استقبال کیا لیکن جب اسے وہاں رہتے پانچ چھ دن ہو گئے تو شاہی نے دیکھا کہ یہ لوگ رات کے پہروں۔ جاسوسوں کی تعیناتی۔ فوجی تواعد اور حملہ کی دیگر تیاریوں کی طرف توجہ نہیں دیتے اس لئے اس نے تُنگ سے جو خود اعتمادی کی شراب میں مست تھا یہ بات کہی: "جب تک آپ ترشک

کی کتاب دیکھیں صفحات ۳۰۷ و ۳۲۲۔ جو کاشت کار اس قسم کا پیشہ اختیار کرتا ہے اس کا باقی کاشتکار مسلمانوں سے قطع تعلق ہو جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں کے زمانے میں انہیں (اور بھی) زیادہ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہونگے۔ بھدریشور کے حالات کے متعلق اس شلوک میں جو کچھ لکھا ہوا ہے اُس سے پایا جاتا ہے کہ آجکل ہندوستان کے دوسرے

طریق جنگ سے واقف نہ ہو جائیں بہتر ہے آپ اس پہاڑی کی چوٹی پر ٹھہریں اور حسبِ خواہش آرام کرتے رہیں"۔ لیکن تنگ نے نخوت میں آ کر ترلوچن پال کی نیک نصیحت نہ مانی اور معہ اپنی فوج کے لڑائی کا منتظر رہا۔

ہمیر (محمود) کا مقابلہ

وہ تھوڑی سی فوج لے کر توشی[ش۴۳۰] کے دوسرے کنارے پر چلا گیا اور وہاں پر اُس دستے کو مغلوب کیا جو ہمیر نے بھیجا تھا۔ ہر چند کہ وہ نخوت سے بھرا ہوا تھا تاہم شاہی نے جو جنگی تجربہ رکھتا تھا بار بار اُسے یہی نصیحت کی مگر لڑائی کی خواہش میں اندھا ہو کر تُنگ نے شاہی کے مشورے کو منظور نہ کیا۔ جن لوگوں کی موت قریب ہو انہیں نصیحت سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا۔ صبح کے وقت ترشک فوج کا سردار جو فن حرب سے واقف تھا جوش میں بھرا ہوا میدان جنگ میں نکلا۔ جس پر تُنگ کی فوج فوراً تتر بتر ہو گئی۔ البتہ شاہی کی فوج کچھ عرصہ تک میدان میں متحرک نظر آتی رہی۔ جس وقت شاہی کی فوج منتشر ہو گئی اس وقت بھی بجے سنگھ۔ سری وردھن اور خاندان سنگرام کا ڈامر وبر مارک لڑتے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ ان تین بہادروں نے اس جنگی میدان میں لڑ کر جو گھوڑوں کی ٹاپوں سے گونج رہا تھا اپنے ملک کی عزت کو ضائع ہونے سے بچایا۔ ترلوچن پال کی عظمت کو کون بیان کر سکتا ہے جسے لاتعداد دشمن بھی لڑائی میں شکست نہ دے سکے۔ ترلوچن پال اس وقت میدان میں خون بہاتا

حصوں سے آئے ہوئے شخص کو کشمیر کے اندر اجتماعی طریقوں کی جو آزادیاں نظر آتی ہیں وہ زمانہ حال کی نہیں بلکہ قدیم کی چلی آتی ہیں مسٹر لارنس نے اپنی کتاب کے صفحہ ۳۰۶ پر اس معاملہ پر بہت اچھی طرح سے بحث کی ہے اور مختلف مثالیں بھی دی ہیں۔

ش۴۳۰ کا پالک سے مراد عام طور پر شوجی کے معتقد فقیروں کے ایک فرقے

بھاشوجی (ترلوچن) کی اس حالت سے مشابہ تھا جبکہ وہ کلپ کے خاتمہ پر دنیا کے جلانے کے لئے آگ نکالتا ہے۔ لڑائی میں کروڑوں زرہ بکتر لگائے ہوئے سپاہیوں سے لڑکر یہ راجہ جو بن معاملات میں تجربہ کار تھا اکیلا اپنے دشمنوں کے محاصرے سے باہر نکل آیا۔ جب ترلوچن پال پیچھے ہٹ گیا تو سارے ملک پر خونخوار چنڈالوں کے گروہ ٹڈی دل کی طرح چھا گئے۔ فتح حاصل کرنے کے بعد بھی ہمیر نے آزادی کے ساتھ سانس نہیں لیا۔ کیونکہ وہ مشہور و معروف ترلوچن پال کی فوق الفطرت بہادری سے واقف تھا۔ ترلوچن پال نے اپنے رتبہ سے گر کر بھی بہت بڑی ہمت کا اظہار کیا اور اپنے ہاتھیوں کی طاقت پر بھروسہ کر کے فتح کرنے کی کوشش کی۔

سلطنت شاہی کی بربادی } میں نے اس جگہ مفصل طور پر یہ بات بیان نہیں کی کہ شاہی خاندان کی شاہی عظمت کا نام تک کس قدر جلدی مٹ گیا کیونکہ یہ محض ایک واقعہ ہے قسمت کے آگے کوئی بات ناممکن نہیں۔ یہ اُن باتوں کو بھی بہ آسانی سرانجام دیتی ہے جو خواب تک میں ناقابل اعتبار معلوم ہوتی ہیں اور جہاں تک ہماری قوت متخیلہ نہیں پہنچ سکتی۔ وہ سلطنت شاہی جس کی عالمگیر عظمت کا ذکر خلاصہ کے طور پر راجہ شنکرورمن کے عہد میں آچکا ہے اس کے متعلق لوگ اب سوال کرتے ہیں کہ آیا اس کے راجہ وزیر اور درباری کبھی عدم سے وجود میں آئے بھی تھے

لی جاتی ہے جو کھوپریاں کھا کر گذارہ کرتے ہیں۔ مذکورہ بالا شلوک سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں میں وہ طریقے پائے جاتے تھے جو زمانہ حال کے اگھور پنتھیوں میں پائے جاتے ہیں۔

۴۹ شاہی ترلوچن پال سے مراد انند پال کے بیٹے ترلوچن پال سے ہے جس کے

یا نہیں ! -

اس کے بعد تُنگ جس نے اپنی شکست یابی کے باعث ترشکوں کو سارے روئے زمین پر پھیلا دیا تھا رفتہ رفتہ اپنے ملک کو واپس آگیا۔ راجہ جس کا چال چلن اس کی دلیری کے مطابق تھا تُنگ کے اس قصور پر ناراض نہیں ہوا گو وہ ایک گیدڑ سے شکست کھا آیا تھا تاہم اُسے اس بات پر ناراضگی ضرور ہوئی کہ میں تُنگ پر دارومدار رکھتا ہوں۔ کیونکہ دوسروں پر انحصار رکھنے سے ایک حیوان تک کی روح کو بھی تکلیف ہوتی ہے اُدھر تُنگ کے بیٹے کندپ سنگھ نے بھی جو اپنی دولت اور طاقت کے باعث مغرور تھا راجاؤں کی سی حرکات کر کے اُسے مضطرب کر دیا۔

تُنگ کے برخلاف ایک اور سازش

راجہ کے بھائی وگرہ راج نے جو موقعہ کا منتظر تھا خفیہ خطوط کے ذریعے اس کو ترغیب دی کہ تُنگ کو راستہ سے دور کیا جائے۔ راجہ بہت دیر تک کوش کے خلعت اور دوسرے واقعات کو یاد کر کے بحالت تذبذب رہا اور آخر جب اُسے بار بار ترغیب ملتی رہی تو ترغیب دینے والوں سے کہنے لگا "اگر وہ کسی روز مع اپنے بیٹے کے اکیلا ہمارے ہاتھ آگیا اس وقت دیکھیں گے کہ ہم کیا کر سکتے ہیں ورنہ اگر یوں ہی اس پر حملہ کیا گیا تو ممکن ہے وہ ہمیں بھی مروا ڈالے"۔ یہ کہہ کر راجہ رک گیا مگر اُس کے یہ الفاظ ان کے دلوں میں بیجوں کی طرح بیٹھ گئے

متعلق البرونی اپنی کتاب انڈیا کی جلد ۲ صفحہ ۱۳ پر بیان کرتا ہے کہ وہ ہندوشاہی خاندان کا آخری مطلق العنان فرمانروا تھا۔ دیکھو ے ناڈ صاحب کے "میمائر" صفحہ ۲۵۹ اور ٹرائر صاحب کی راج ترنگنی ترنگ ۳ صفحہ ۶۴۹۔ اور اس خاندان کی ابتدائی تاریخ کے متعلق دیکھو نوٹ علا کتاب ہذا۔ یہ راجہ بہت سی جد و جہد کے بعد جس کے حالات

دیا انہوں نے تُنگ کو قابو میں لانے کی کوشش شروع کر دی۔

اس کے چھ ماہ بعد قسمت کی مرضی سے یہ واقعہ ظہور میں آیا کہ تُنگ کو راجہ نے طلب کیا تو وہ معہ اپنے بیٹے کے گھر سے روانہ ہو پڑا بحالیکہ اُسے ایک بُرا خواب آیا تھا۔ محل میں داخل ہو کر راجہ کے حضور میں تھوڑی دیر تک رہنے کے بعد وہ پانچ چھ ہمراہیوں سمیت کونسل ہال (دربار) کی طرف روانہ ہوا۔ پروشرکرک اور چند اور آدمی تُنگ کے پیچھے پیچھے گئے اور راجہ کو خبر کئے بغیر انہوں نے اسے تلواروں سے وار کیا۔ تُنگ کے ہمراہیوں میں سے صرف ننگ ارتھ ہی تعریف کا مستحق تھا۔ یہ شخص مہارتھ کی اولاد میں سے تھا جو شنکر ورمن کا وزیر ہو گندلے۔ ہر چند کہ وہ نہتہ تھا تاہم فوراً ہی اُس نے اپنے آپ کو تُنگ پر ڈال دیا تاکہ اُس وقت جبکہ دشمن اسپر وار کر رہے تھے اُسے محفوظ رکھ سکے۔

تُنگ کا قتل پہلے ہی وار میں مارے خوف کے تنگ کا دم رک گیا اور یہ خبر سُنکر راجہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ برہمن دھرم جو شاہی کونسل (استھان برہمن[۴۸]) سے تعلق رکھتا تھا اُس کا بیٹا بدبخت پاتھ اور بیوقوف کنک تنگ کے ہمراہ تھے لیکن مارے خوف کے اِس وقت انکو دست لگ گئے۔ انہوں نے اپنے آپ کو بچانے کے لئے مویشی کی طرح منہ میں اُنگلیاں لے لیں اور ڈر کے مارے ہتھیار چھوڑ دیئے۔ چنگ اور باقی مانده

اس زمانہ کے مسلمان مورخوں نے قلمبند کئے ہیں آخرکار محمود غزنوی کے ہاتھوں مفتوح ہوا دیکھو ایلیٹ صاحب کی ہسٹری اف انڈیا جلد ۲ صفحہ ۴۴۴۔ اسی کتاب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ترلوچن پال نے اپنے باپ کے عہد (۱۰۰۲ء تا ۱۰۱۳ء) میں فوج لیکر مسلمانوں کے حملے کو روکنے کی کوشش کی تھی مغربی کتابوں میں ترلوچن پال کے نام کو

لوگ جو تنگ کے گہرے دوست اور مشیر تھے مارے خوف کے عورتوں کی طرح چپ چاپ بیٹھ گئے گو وہ مسلح تھے۔ راجہ نے اس ڈر سے کہ تنگ کے ہمراہی اگر اس کی موت سے باخبر نہ ہوئے تو مارے جوش کے آگ لگا دینگے اور بلوے وغیرہ کرینگے فوراً تنگ اور اُس کے بیٹے کے سر کٹوا کر اس غرض سے باہر ڈلوا دیئے کہ اُس کے اپنے نوکروں کی حوصلہ افزائی ہو۔ فوجوں نے اپنے آقا کا سر جدا دیکھا تو وہ ڈر کر بھاگ گئیں لیکن تنگ کے بعض متعلدوں نے سچے نوکروں کی طرح اپنی وفاداری کا پورا پورا ثبوت دیا۔ بھجنگ جو ایک برہمن با گکنار راجہ (سامنت) کا بیٹا تھا اور اپنے گھر سے یہاں پہنچا تھا سنگرام راج کو ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے کمرے میں بھگائے پھرتا رہا۔ اپنے طلائی ڈنڈے کے ذریعے بند دروازے کو توڑ کر اس نے دربار شاہی میں بیس سپاہیوں کو مار ڈالا اس لڑائی میں ترلوک راج خزانچی اور کے منتک کا کوکہ بھائی بہادر ابھی نو کام آئے۔ صحن میں تیس بہادر ایکانگے جو تنگ کے ملازم تھے ایک قطار میں آسمان کی سیڑھی کی طرح مردہ پڑے تھے۔ ایک شخص پدم راج نامی نے ہر چند کہ لڑائی میں حصہ لیا تھا تاہم وہ بے ضرر ہی بچ نکلا اور اپنے آقا کی موت سے اُس کے دل میں جو جلن پیدا ہو رہی تھی اُسے اس نے تیرتھوں کی یاترا کر کے دور کیا۔ دوسروں نے تلوار کو جو لڑائی کے موقعہ پر دونوں عالم میں زندگی کو محفوظ رکھتی ہے پھینک دیا اور اس طرح عزت اور زندگی دونوں سے ہاتھ دھوئے چند

بہت کچھ بگاڑ کر لکھا گیا ہے مثلاً کہیں پر پورو جیپال کہیں نروجن پال آیا ہے۔ دیکھو ایلیٹ صاحب کی کتاب مذکورۃ الصدر جلد ۲ صفحہ ۴۲۶۔

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ کلہن نے اس جگہ اُن مہمات میں سے ایک کا ذکر کیا ہے جو محمود غزنوی نے ترلوچن پال اور اُس کے معاونین پر سر کی تھیں۔ رینا ڈ صاحب نے

جلپنے آپ کو ایک بڑا جنگ جو خیال کرتا تھا ۔ ارجن نامی ایک غیر ملکی (دیشنک) اور ڈامر ہیلا چکر نے اپنی تلواریں پھینک دیں اور دشمنوں کے ہاتھوں کام آئے تُنگ کا مکان لٹ گیا ۔ اُس کا مال و زر چھین لیا گیا اور اس طرح پر راجہ نے اُسے بارہ شدی اسالیہ کو محض کہانیوں کا ایک مضمون بنا دیا ۔

جب تُنگ جس کا چال چلن دغا بازی سے پاک تھا مع اپنے بیٹے کے راجہ کے ہاتھوں قتل ہوا تو دربار شاہی میں زیادہ تر گنڈوں نے اقتدار حاصل کرنا شروع کیا ۔

تنگ کے قتل کے بعد کے واقعات راجہ نے تنگ کے بھائی ناگ کو فوج کی خاص کمان سپرد کر دی ۔ وہ یہی شخص تھا جس نے درپردہ راجہ کو سکھا پڑھا کر اپنے بھائی اور بھتیجے کو مروا ڈالا تھا اور جو اپنے خاندان کا ناش کرنے والے کی حیثیت میں بدنامی کے داغ

قبل ازیں یہ بات تسلیم کر لی ہے کہ اس جگہ جس ہمیر کا ذکر کیا گیا ہے بعد اصل محمود ہی تھا اُس سے پہلے ٹامس صاحب جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی کی جلد ۹ صفحہ ۱۹۰ میں یہ بات دکھا چکے ہیں کہ یہ لفظ عربی لقب امیر المومنین سے نکلا ہوا ہے ۔ اور سکوں وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ غزنوی سلطان کے لئے استعمال کیا جاتا تھا ۔ ریے ناڈ صاحب نے بجا طور پر واضح کیا ہے کہ شلوک ۵۱ ۔ ۵۶ میں ترلوچن پال کے مخالفوں کے لئے ترشک کا جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ محمود کی فوج کے عین حسب حال ہے ۔ جس میں زیادہ تر ترکستانی نسل کے سپاہی موجود تھے ۔

سٹائن صاحب نے جو رسالہ "زرعیشنٹ ڈرچاہیزوان کابل" کے صفحہ ۲۰۱ پر لکھا ہے کہ مسلمان مورخوں نے محمود کے بعد کے حملوں کی تفاصیل ملکی وسنی میں جو اختلافات پیدا کر دیئے ہیں ان سے یقینی طور پر معلوم نہیں ہو سکتا کہ کلہن نے کس حملے کے متعلق ذکر کیا ہے یا امر بھی افسوس ناک ہے کہ کلہن نے تنگ کی چڑھائی کا سن نہیں لکھا بہر نوع اگر اسلامی تاریخ

سے داغدار ہو چکا تھا۔ جس طرح اندھیری رات کا بھوت سے میل جول ہوتا ہے ویسے ہی کندرپ سنگھ کی بدرجۂ غائت بے وفا بیوی کشما ناگ سے محبت کے لئے ملا جلا کرتی تھی۔ بدامنی دور ہونے کے چار دن بعد تنگ کی بہو بمبا جو خاندان شاہی کی ایک لڑکی تھی آگ میں ستی ہوگئی۔ تنگ کی بیوی منکھنا مصیبت کی حالت میں ملک کو چھوڑ گئی اور راجپوری میں رہنے لگی۔ وہ کندرپ سنگھ کے دونوں بیٹوں مشہور وچتر سنگھ و ماتر سنگھ کو بھی جو مماں نامی ایک فاحشہ عورت کے بطن سے تھے مع انکی والدہ کے اپنے ساتھ لے گئی۔ اب راجہ نے تنگ کے بجائے تریہ بھدریشور کو مقرر کیا اور اس نے خزانہ اور بھوتیشور اور دوسرے مندروں کا مال و زر خوب لوٹا۔ راجہ کے اندر قوت فیصلہ کی جو کمی تھی اس کی مثال اس سے بڑھ کر اور کیا مل سکتی ہے کہ اس نے پارتھ جیسے آدمیوں کو بھی عہدے دیدیئے۔ بے سمجھ راجہ نے نہایت احمق پارتھ

غائر نگاہ ڈالی جائے تو اس مسئلے کا پورا پورا تصفیہ ہو سکتا ہے۔

ایلیٹ صاحب کی تاریخ میں جسقدر مصالح موجود ہے اس سے اندازہ کرتے ہوئے اکثر واقعات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ محمود نے ۱۰۱۳ء میں حملہ کیا تھا اور جیسا کہ ایلیٹ صاحب نے اپنی تاریخ کی جلد ۲ صفحہ ۵۰۴ پر لکھا ہے یہ اس کا نواں حملہ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس موقعہ پر ترلوچن پال نے پنجاب کی طرف سے اُس کا آخری مرتبہ مقابلہ کیا تھا۔

تاریخ یامنی میں اس فیصلہ کن لڑائی کی جو مفصل کیفیت موجود ہے (دیکھو ایلیٹ صاحب کی کتاب مذکورۃ الصدر جلد ۲ صفحہ ۳۷) وہ دونوں فوجوں کی مقامیت اور اس معرکے میں تبدیل قسمت کے بیان کے اعتبار سے کلہن کی کیفیت سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ محمود نے یہ فتح اُن وادیوں میں سے ایک میں حاصل کی تھی جو علاقۂ جہلم کی طرف سے کشمیر کو جاتی ہیں اور اس کے بعد ترلوچن پال کا اسی سمت میں تعاقب کرتا چلا گیا تھا یعنی

کو جس کے متعلق معلوم تھا کہ وہ اپنی بہاوج سے ناجائز تعلق رکھتا ہے کوتوال شہر (نگرادھی کرتا) مقرر کر دیا۔ پارتھ نے جس کے دل میں نیکی کا نام و نشان تک نہ تھا پورویش نامی شولنگ کے مقدس چبوترے (رنگ پیٹھ) پر قتل اور سارے گناہ کئے۔ سندھو کا بیٹا متنگ جو بخیلوں کا سردار تھا رعایا کو لوٹنے کا خوب ڈھنگ جانتا تھا اُس نے اس حریص راجہ کے خزانے کو پُر کر دیا۔ دیولکھ نامی ایک محرر کا ایک فاحشہ عورت کے بطن سے چندر مکھ نامی بیٹا تھا جو کچوریاں بیچا کرتا تھا تنگ کے زیر اثر یہ راجہ کا منظور نظر بن گیا تھا۔ اس نے ایک کوڑی (ورا ٹک) سے شروع کر کے کروڑوں کی رقم جمع کی اور باوجود بڑے عہدے پر پہنچنے کے وہ کنجوس ہی رہا اور اپنے خاندان کے آبائی پیشہ کے بموجب وہ مٹھائی جو دوسرے لوگ اس کے پاس بطور تحائف کے لیکر آتے تھے نوکروں کے ہاتھ بیچا کرتا تھا۔ لوگ اس پر ہنستے تھے کیونکہ پہلے اس کی قوت ہاضمہ تیز

بیان کیا گیا ہے کہ سلطان کی اس فتح کی وجہ سے علاقہ کشمیر کے بعض والیان ریاست محمود کے مطیع ہو گئے تھے۔ اس بات کا بھی ذکر آتا ہے کہ اس موقعہ پر کشمیریوں کو زبردستی مسلمان کیا گیا تھا۔

یہ تفصیلات اُس بیان سے بالکل مطابق ہیں جو کہ ابتدا میں ایک کشمیری فوج کے ترلوچن پال کو مدد دینے کے متعلق موجود ہیں۔ بالخصوص اس مقامیت کے اعتبار سے یہ دونوں بیانات ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں جس کے متعلق کلہن نے لکھا ہے کہ اُس جگہ مشترکہ فوجوں کو شکست ہوئی تھی۔ دریائے توشی جس کا ذکر شلوک ۵۳ میں آتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دریائے توہی ہے جو پرنوتس (پرنتس) میں سے بہتا ہوا قصبہ جہلم سے اوپر کی طرف وتستا سے جا ملتا ہے۔ وادیٔ پرنتس میں سے لوہر (لوہرین) تک کا راستہ بذریعہ توہی برلب آرام دہ بے ملا ہے ایک اور سڑک درۂ توش میدان پر سے گذرتی ہوئی کشمیر تک پہنچتی ہے جس سے زمانہ قدیم

اور صحت اچھی تھی لیکن اقبال حاصل کر کے اُسے بدہضمی اور بیماری کی شکایت ہو گئی۔ اس نے مرتے وقت صرف ایک کام نیکی کا کیا جو یہ تھا کہ ان ایشور نامی شوجی کے مشہور مندر کی مرمت کے لئے ½ کروڑ روپیہ چھوڑ گیا۔ اس کے تین بیٹے نان۔ بھاگ اور نندی ملکھ تھے جنہیں راجہ نے تُنگ کے ماتحت فوجی دستوں کے کمانیر مقرر کر دیا تھا۔ راجہ کے لئے انہیں تنگ کا عہدہ دینا قابل تمسخر اور ٹھیک اسی طرح تھا جس طرح کوئی بچہ سونا سمجھ کر جو کے بالوں کو اکٹھا کرے۔ جب انہیں ترشکوں[۲۸۵] کے ساتھ لڑنے کے لئے بھیجا گیا تو وہ بھی تنگ کی طرح بھاگ کر اپنے ملک کو واپس آ گئے۔ اس طرح پر جبکہ وزیر نا قابل تھے اور راجہ متحمل مزاج تھا چند دردوں۔ دوروں (مجروں) اور ڈامروں نے اقتدار حاصل کر لیا۔

مقدس عمارات } راجہ کی بیٹی لوتھکا نے لوتھکا مٹھ تعمیر کروایا۔ اور اپنی ماں تلوتما کے نام پر ایک اور مٹھ کی بنیاد ڈالی جیرت

میں بہت کچھ کام لیا جاتا تھا۔ اس کے دو سال بعد محمود نے کشمیر پر جو حملہ کیا وہ اسی راستہ سے تھا۔ دیکھو نوٹ ع۲ ضمیمہ کتاب ہذا قلعہ لوہ کوٹ جس کے متعلق البرونی نے اپنی کتاب انڈیا کی جلد ۱ صفحات ۲۰۸ و ۳۱۱ میں لوہور کا نام لکھا ہے۔ اور جس کے ذریعے بعد کے موقعہ پر محمود کو آگے بڑھنے سے روکا گیا تھا اس کے متعلق مذکورہ بالا نوٹ میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ قلعہ لوہر تھا۔

منشی محمد الدین صاحب فوق نے اپنی تاریخ کشمیر کے حصہ اول میں صفحہ ۲۲۸ پر ایک نوٹ کے ذریعہ میں اُس غلطی کا جو مسلمان مورخ قدیم سے کرتے چلے آئے ہیں اعادہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ترلوچن پال لاہور کے راجہ جیپال کے جانشینوں میں سے ہو گا۔ اس غلطی کی بڑی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ لوہ کوٹ کے قلعے کا نام البرونی نے جیساکہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے

کی بات ہے کہ کبھی کبھی گنہگاروں کو بھی نیکی کے کام کرنے کی سوجھتی ہے۔ چنانچہ بھدریشور نے بھی ایک مشہور و معروف وہار تعمیر کروایا تھا۔ سنگرام راج نے حقیقی دور اندیشی کا اظہار کیا اور ایک سبیل (پرپا) تک نہ لگوائی کیونکہ وہ کہتا تھا کہ میری ساری دولت ناجائز[۴۸۶] طریقوں پر حاصل کی ہوئی ہے۔ مشہور و معروف ایتو منگل کی بیٹی رانی سری لیکھا اس لئے بدچلن ہو گئی کہ اس کا خاوند کمزور تھا۔ سوگندھی سیہ اور جے لکشمی کا بیٹا تربھون اس رانی پر فریفتہ ہو گیا اس کے علاوہ ظریف طبع جیاکر جو صیغۂ خزانہ میں اچھی طرح کام کرتا تھا اور جس نے جیاکر گنج اور اور فنڈ (گنج[۴۸۷]) قائم کئے تھے وہ بھی اس رانی کا آشنا تھا۔ یہ خوبصورت رانی جو دولت جمع کرنے کی بہت شائق تھی اور جس نے سے گرام کا گنج اور دوسرے فنڈ قائم کئے تھے راجہ کی منظور نظر ہونیکی وجہ سے بڑی بااختیار تھی۔

لوہور لکھا ہے جس سے اُن لوگوں نے جنہیں سنسکرت کتابیں دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا یہ نتیجہ نکال لیا ہے کہ یہ نام دراصل لاہور ہے اور ایسے ہی تراوچن پال سے مراد جیپال لیتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اس تفاوت کا باعث شاستری تلفظ ہے لیکن جیساکہ ہم سطور بالا میں واضح کر چکے ہیں غلط فہمی کی ابتدا البرونی (عربی مورخ) ہی کی طرف سے ہوئی ہے۔ بہرنوع قدیم معتبر کتب کے مطالعے سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ لاہور کے راجۂ جیپال کا خاندان شاہی سے کچھ تعلق نہ تھا اور اس جگہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ خاندان شاہی ہی کے متعلق ہے۔ راجہ جے پال یا اُس کے خاندان کا اس سے کچھ سروکار نہیں۔

چونکہ وادیٔ پرنتس توہی میں کوٹلی تک کشمیری آبادی آجتک بہت زیادہ پائی جاتی ہے۔ اس لئے ہم بآسانی کشمیریوں کے تبدیل مذہب کے متعلق ظاہر کردہ خیال کو سمجھ سکتے ہیں۔ جیساکہ لاسن صاحب نے اپنی کتاب انڈش آلٹرتھس کنڈ کی جلد ۳ صفحہ ۱۰۴۸ میں بیان

راجہ ہریراج

سنہ ۱۰۲۸ء

راجہ سنگرام راج نے لوکک سمت ۴۱۰۴ (سنہ ۱۰۲۸ء) اساڑھ کی پہلی تاریخ کو انتقال کیا۔ اور اس کے بعد اس کا بیٹا ہریراج تخت نشین ہوا۔ یہ راجہ دانا آدمیوں (سُمن) سے گھرا ہوا تھا جن کی وجہ سے لوگوں کو بہت سی امیدیں (آشا) لگی ہوئی تھیں اور ہر شخص کو اُس سے خوشی (ہلاد) حاصل ہوتی تھی۔ جس طرح چیت کے مہینے میں پھول (سُمن) ہوتے ہیں جن کے باعث تمام علاقوں (آشا) میں چمک پیدا ہوتی ہے اور ہر شخص ٹھنڈک (ہلاد) حاصل کرتا ہے۔ اس راجہ کا حکم کبھی رد نہیں ہوا تھا۔ اس نے ملک کو چوروں سے پاک کر دیا اور حکم دیدیا

گیاہے اس سے اس بات کی تردید نہیں ہوتی کہ کشمیر واقعہ میں غیر مفتوح رہا تھا۔

کلہن کا یہ خیال بظاہر راست معلوم ہوتا ہے کہ توشی کی لڑائی میں خاندان شاہی کی قسمت کا آخری فیصلہ ہو گیا تھا۔ راج ترنگنی کے بیان کے مطابق مسلمان مورخوں نے بھی اُن موقعوں کا ذکر کیاہے جبکہ ترلوچن پال نے بہادری سے کھوئی ہوئی سلطنت کو دوبارہ حاصل کرنیکی کوشش کی۔ ان مورخوں کا یہ بھی بیان ہے کہ یہ لڑائیاں پنجاب میں نہ لڑی گئی تھیں جو بعد کے شاہی راجاؤں کے اختیارات کا مرکز تھا۔ اُن کے بیانات سے اس بات کا بھی پتہ چلتاہے کہ کلہن نے شلوک ۶۰ تا ۶۵ میں ترلوچن پال کی شخصی بہادری اور اس کی اٹل شجاعت کی جو تعریف کی ہے وہ بالکل بجاہے۔

ترلوچن پال کی موت بقول البرونی سنہ ۴۱۲ ہجری (سنہ ۱۰۲۱-۲ء) میں واقعہ ہوئی تھی۔ اُس کا بیٹا بھیم پال اُس کے بعد صرف عرصہ پانچ سال تک زندہ رہا اور مسلمان مورخوں نے

کہ رات کے وقت منڈی کے دروازے بند نہ کئے جائیں۔ یہ راجہ غیر متوقع قابلیت رکھتا تھا لیکن اُس کا عہد حکومت بہت تھوڑی دیر رہا۔ وہ اس قابل تھا کہ ہلال کی طرح اس کی تعریف کی جائے۔ بائیس دن حکومت کرنے کے بعد یہ بے عیب شہرت رکھنے والا راجہ ۸ شدی اساڑھ کو رحلت کر گیا۔ اُن لوگوں کی شان و شوکت جو ستاروں کی طرح صرف تھوڑی دیر چمکتے ہیں ایک مختصر سی گرمائی رات کی طرح بہت جلد گذر جاتی ہے۔ عام افواہ یہ پھیلی ہوئی تھی اور جس کی کسی نے تردید بھی نہیں کی کہ اس کی بدچلن ماں نے اپنے بیٹے کو جادو کے ذریعے مروا ڈالا ہے کیونکہ وہ اس کے چال چلن سے ناراض تھا۔

راجہ اننت

۱۰۲۸ء تا ۱۰۶۳ء

جبکہ راجہ ہر یراج کی ماں سری لیکھا جو خود تخت پر قبضہ کرنا چاہتی تھی

کہیں اُس کے ایک آزاد حکمران کی حیثیت میں حکومت کرنے کا ذکر نہیں کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانے کے مشاہدہ کرنے والے لوگوں کے دلوں پر طاقتور شاہی خاندان کے فوری زوال کا بہت اثر پڑا ہوگا۔ مسلمان مخالفوں تک نے اس ملک کے راجاؤں کی اعلےٰ صفات کو تسلیم کیا ہے۔

البرونی جس نے اُن واقعات کو بچشم خود دیکھا تھا جس کے باعث خاندان شاہی کے ہاتھ سے طاقت نکل گئی اس بارے میں لکھتا ہے۔ "یہ ہندو شاہی خاندان اب نیست و نابود ہو چکا ہے اور ساری نسل میں سے ذرا سا نشان بچا ہوا نظر نہیں آتا۔ ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ باوجود اس قدر شان و عظمت رکھنے کے ان راجاؤں نے کبھی نیک اور سچی بات کرنے میں

غسل تخت نشینی کر کے آ رہی تھی اور تخت نشانی کی تیاریاں ہو چکی تھیں ایکانگوں اور راجہ کے سوتیلے بھائی ساگر نے مل کر اُس کے خورد سال بیٹے انتت کو راجہ بنا دیا۔ اگر کوئی شخص کسی ایسے خزانے کو حاصل کرنے کی خواہش سے جسے پہلے نکال لیا گیا ہو اُس سانپ کو مار ڈالے جو حریصانہ طور پر اس کی نگرانی کرتا ہو تو اس کو سوائے پاپ کے اور کیا حاصل ہو گا۔ اسی طرح جب راجہ کی ماں نے خود تخت حاصل کرنے کی خواہش سے اپنے بیٹے کو مار ڈالا تو اس کی بدولت اُس سے صرف گناہ ہی سرزد ہوا کیونکہ تخت پر تو ایک دوسرا شخص قابض ہو گیا۔ تخت حاصل کرنے کی اس نظر فریب خواہش نے اُس بدطینت رانی کے دل سے اپنے بیٹے کی محبت بھی بُھلا دی۔ افسوس خوشیاں حاصل کرنے کی جھوٹی خواہش کس انتہا تک جا پہنچتی ہے!!

وگرہ راج کا حملہ کشمیر پر

اسی اثناء میں خورد سال راجہ کا عمر رسیدہ چچا وگرہ راج خود تخت پر قبضہ کرنے کے ارادہ

تامل نہیں کیا۔ وہ شریف خیال اور اعلیٰ اطوار کے لوگ تھے (انڈیا جلد ۲ صفحہ ۱۴)

پس کلہن شلوک ۶۶ تا ۶۹ میں جن الفاظ میں اس عظیم الشان نسل کے نیست و نابود ہونے کا ذکر کرتا ہے اُس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اس سانحہ روح فرسا کا کیا اثر ہوا تھا۔

۴۸۰ پروفیسر بوہلر نے اپنی رپوٹ کے صفحہ ۳ پر بیان کیا ہے کہ توشی کا قدیم نام توہی ہے۔ اور یہ نام بہت سی پہاڑی ندیوں سے منسوب کیا جاتا ہے جو سلسلۂ کوہ پیر پنچال کے جنوبی ڈھلوانوں سے نکل کر وتستا اور چناب میں جا ملتی ہیں نیل مت پوران کے شلوک ۱۱۲ میں ایک توشی ندی کا ذکر آپ گا (اپگا) اور چندر بھاگا کے ساتھ آیا ہے ہر چند کہ پروفیسر بوہلر کا یہ خیال درست ہے کہ توہی ایک عام نام ہے جو جنوب کشمیر کے پہاڑی علاقوں میں ہر ایک

سے آیا اور بہادری کا اظہار کیا۔ وہ لوہر[ف۴۸۹] سے کوچ در کوچ وہاں پہنچا۔ دعار کو جلا ڈالا اور ڈھائی دن کے عرصے میں غیر متوقع طور پر شہر کے اندر جا داخل ہوا اور لوٹھکا مٹھ میں ڈیرہ جمایا۔ مگر سری لیکھا کی بھیجی ہوئی فوجوں نے مکان کو آگ لگا کر اُسے اور اُس کے ہمراہیوں کو مار ڈالا۔ اب اس بد چلن رانی نے دو مٹھ ایک اپنے شوہر اور دوسرا اپنے بیٹے کے نام پر بنوائے اور شب و روز غداری کی دھن میں رہنے لگی۔ اس کے کچھ عرصے بعد جب راجہ کچھ بالغ ہو گیا تو وہ اُس شخص کی مانند جو تخت پر ہی پیدا ہوا ہو فضول خرچی اور دوسروں عیبوں میں مبتلا ہو گیا۔

شاہی شاہزادوں کا عروج اُسے سب سے زیادہ پیار رودرپال اور دوسرے شاہی شاہزادوں[ف۴۹۰] سے تھا جنھوں نے

ہمیشہ بہنے والی پہاڑی ندی کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے تاہم اس میں کلام نہیں کہ اس سے پہلے نوٹ میں جو دلائل پیش کئے گئے ہیں اُن کی بناء پر معلوم ہوتا ہے کہ پرنتس کی توہی سے مراد لی گئی ہے۔

دوسری قریب ترین ندی جس کا نام عام طور پر توہی ہے وہ راجوری کی ہے لیکن اس قدر زیادہ مشرق کی طرف بہتی ہے کہ ممکن نہیں محمود کے حملے کی صد وہ ہو۔ پرنتس توہی کا ذکر آگے چل کر نوٹ ۵۴۳ کتاب ہذا میں آتا ہے۔

پروفیسر بوہلر نے بیان کیا ہے کہ توشی کا لفظ غالباً سنسکرت کے توشر سے نکلا ہوا ہے جس کے معنے برف کے ہیں۔ اور اس طرح پر اس لفظ کے معنے برف سے نکلنے والی ندی کے لئے جا سکتے ہیں۔

ف۴۸۱ یہ لفظ آگے چل کر ترنگ ۸ کے شلوک ۱۶۲۰ میں آتا ہے اور اس سے مراد ایک خاص عہدے سے ہے جو غالباً موجودہ ہندوستان کے عہدہ درباری کے برابر ہوا کرتا ہو گا۔ ترنگ ۷ کے شلوک ۱۵۰۵ میں استھان کا جو لفظ آیا ہے اس کا مطلب یہی

بڑی بڑی تنخواہیں لیکر سلطنت کا خزانہ خالی کر دیا۔ ہر چند کہ رودرپال کو راجہ کی طرف سے ڈیڑھ لاکھ دینار روزانہ کا گذارہ ملتا تھا تاہم اُسے اپنے روپیہ کی مشکلات سے کبھی نجات حاصل نہ ہوئی۔ دواپال کو راجہ کی طرف سے اسی ہزار دینار روزانہ ملتے تھے لیکن کبھی رات کو امن سے نہیں سو سکا۔ اننگ پال نامی بیتال جو راجہ کا منظور نظر تھا ہر وقت دیوتاؤں کے سنہری بتوں کو توڑ ڈالنے کی دھن میں لگا رہتا

غالباً یہی ہے۔

کلہن اس جگہ اس قدیم ہندوستانی رسم کا حوالہ دیتا ہے جس کی رو سے وہ لوگ جن کی زندگی خطرے میں ہو رحم کے ملتجی ہونے کے لئے اپنے منہ میں گھاس لے لیا کرتے تھے۔ اس طرح پر وہ گویا اپنے آپ کو مویشی ظاہر کر کے اس قابل ہو جاتے تھے کہ کوئی اُن پر ہاتھ نہ اُٹھائے۔ ہماری داستان کے کشمیری بہادروں کے پاس چونکہ اس وقت گھاس کے تنکے موجود نہ تھے اس لئے انہوں نے انگلیاں ہی اپنے منہ میں ڈال لیں۔

اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی مد نظر رکھنے کے قابل ہے کہ راج ترنگنی میں جابجا انگلی کاٹنے کو اطاعت کی ایک علامت خیال کیا گیا ہے۔ دیکھو نوٹ ۱۵۵ کتاب ہذا۔

۲۸۲ء یہ دیکھنا موجب دلچسپی ہے کہ تنگ ایک ادنےٰ خاندان سے تعلق رکھتا تھا تاہم اپنے بیٹے کے لئے شاہی خاندان کی بیٹی شادی میں حاصل کر سکا۔ کیا ہم یہ خیال کر سکتے ہیں کہ بماترلوچن پال ہی کی بیٹی تھی ؟ اس صورت میں ہم سمجھ سکینگے کہ راجہ کشمیر کی طرف سے ترلوچن پال کو جو مدد ملی تھی اس کی ایک وجہ کیا تھی ؟

۲۸۳ء رنگ پیٹھ کے معنے مشتبہ ہیں یہ لفظ لوک پرکاش کے ادھیائے ۳ کے شروع میں آتا ہے جہاں لنگ پیٹھ بھدر پیٹھ وغیرہ دوسرے الفاظ بھی موجود ہیں لیکن وہاں بھی اس کی کوئی توضیح نہیں کی گئی محض لنگ پیٹھ سے مراد اس جگہ سے ہوتی ہے جہاں لنگ اور دوسری مقدس مورتیاں رکھی جاتی ہیں۔

تھا۔ وودرپال اُن لوگوں کی محافطت کرتا تھا جو دوسروں کی جائداد لوٹتے تھے اور جانیں ضائع کرتے تھے وہ چوروں اور چنڈالوں وغیرہ کی محفوظ جائے پناہ تھا۔ اور کایستھ جو لوگوں پر ظلم وستم کرتے تھے اُس کے گہرے دوست تھے۔ ان میں جو سب سے بڑا مشہور ومعروف اُتپل تھا اس نے اندھوں کے لئے ایک مٹھ تعمیر کروایا۔ اس

۴۸۴؎ مصنف کی مراد ان چھوٹے چھوٹے نذرانوں سے ہے جو استقبالیہ جلسوں کے موقعہ پر بڑے بڑے آدمیوں کو دیئے جاتے ہیں۔

۴۸۵؎ معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ مراد محمود کے کشمیر پر چڑھائی کرنے سے لی گئی ہے شائد یہ اس کی وہ مہم تھی جس میں وہ لوہر یعنی لوہ کوٹ تک پہنچ گیا تھا دیکھو نوٹ ۴۲۹ کتاب ہذا۔

۴۸۶؎ ناجائز طریقے پر حاصل کی ہوئی دولت کو مقدس کاموں میں لگانا بے سود خیال کیا جاتا ہے دیکھو وشنو دھرم کا وہ فقرہ جو چیتر درگک ادھیائے ا صفحہ ۱۴۵ میں بطور حوالہ مندرج ہے۔

۴۸۷؎ لفظ گنج جس کا ذکر قبل ازیں ترنگ ۴ کے شلوک ۵۹۹ میں بھی آ چکا ہے اس جگہ اور ترنگ ۸ کے شلوک ۲۶۶ (سندھو گنج) ترنگ ۷ کے شلوک ۵۷۰ (دلش گنج) میں صاف طور پر ان مختلف فنڈوں کے لئے آیا ہے جن کے لئے آمدنی کے خاص وسائل مقرر تھے اور جن کا انتظام خاص خاص افسر کیا کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جو اہلکار ان فنڈوں کا انتظام کرتا تھا وہ اسی کے نام سے منسوب کئے جاتے تھے۔ یا اُس جگہ کے نام سے جہاں سے ان کی آمدنی وصول ہوتی تھی

آخری صورت سے گراسن گنج کی حالت میں دیکھی جاتی ہے جہاں یہ نام موضع علیہ گرام سے منسوب کیا گیا ہے جو جیسا کہ ترنگ ۸ کے شلوک ۲۹۷ سے ظاہر ہوتا ہے موجودہ موضع مہم کا نام تھا جو جنوبی وادیٔ سندھ میں واقع ہے۔ مں گام ایک بہت بڑے رقبہ کا بڑا سا گاؤں

راجہ کی رودرپال سے جو محبت تھی اس کا اس سے بڑھ کر اور کیا ذکر کیا جائے اس نے خود اندو چندر والئے جالندھر کی بڑی بیٹی ماہروآسمتی (ا؟) سے جس نے ترپور یشور نامی مٹھ تعمیر کروایا تھا اُس کے عجیب وغریب حسن کے باعث شادی کر لی تھی اور بعد میں اس کی کسی قدر چھوٹی بہن سوریہ متی کی شادی راجہ سے کرادی۔ رودرپال

ہے جس کے متعلق اعلیٰ درجہ کے چاولوں کے کھیت ہیں آخری بندوبست کی رو سے یہ گاؤں کشمیر کو ۲۲ سو روپیہ سالانہ مالگزاری ادا کرتا ہے۔

پنڈت صاحب رام کی تیرتھ سنگرہ میں اس گاؤں کا نام مایہ گرام اور مانوگرام بھی آیا ہے۔

نوٹ ۴۸۸ اس شلوک اور نیز شلوک ۲۱۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ کلہن کے عہد میں بھی کشمیر میں آج کل کی طرح ہی سے مہینہ شروع ہوا کرتا تھا۔

نوٹ ۴۸۹ نوٹ ۶ ضمیمہ کتاب ہذا میں اس بات کی توضیح کی گئی ہے کہ موسم گرما میں جبکہ درہ توش میدان کھلا ہوتا ہے یہ بات ممکن ہے کہ لوہرین اور سری نگر کا درمیانی فاصلہ تھوڑے وقت میں طے کر لیا جائے لیکن چونکہ کم از کم فاصلہ ۶۰ میل کا ہے اور ۱۲۰۰۰ فٹ کی بلندی کو عبور کرنا پڑتا ہے اس لئے وگرہ راج اور اس کے ہمراہیوں میں کوچ کی بہت بڑی طاقت ہوگی البرونی اپنی کتاب انڈیا کی جلد ا صفحہ ۲۰۷ میں لکھتا ہے کہ لوہور (لوکوٹ) سے دارالسلطنت کشمیر تک ۶۵ میل کا فاصلہ ہے جس میں سے نصف حصہ میدان اور باقی نصف حصہ ایک ناہموار ملک ہے۔

دوار سے مراد اس جگہ توش میدان سڑک کی چوکی ہے جس کا صحیح نام کارکوٹ درنگ ہے۔ اس کی موجودہ مقامیت کا نام درنگ ہے دیکھو نوٹ ۴۸۶ کتاب ہذا۔ ترنگ ۸ شلوک ۱۹۹۷۔ اور نوٹ ۹۷ کتاب ہذا۔ وہ مقام جہاں سے یہ سڑک توش میدان کی سطح مرتفع پر سے ہوکر گزرتی اور موضع درنگ تک پہنچتی ہے۔ وہاں اب تک ایک پورانا برج موجود ہے آجکل اس جگہ کا نام بریل ہے جس میں بر کا کشمیری لفظ سنسکرت کے لفظ دوار سے مشابہ ہے۔

نوٹ ۴۹۰ یہ شاہی شاہزادے غالباً خاندان شاہی سے تعلق رکھتے ہونگے اور کشمیر میں پناہ

کی ہمراہیت سے جو اُس کے کانوں کو خوش کرتا رہتا تھا۔ راجہ اسی طرح عادات بد کا شکار ہو گیا جس طرح سیو دہن (دریو دہن) کرن کی وجہ سے ہوا تھا۔

کمانڈر انچیف تربھون کی بغاوت انہیں ایام میں طاقتور کمانڈر انچیف تربھون نے ڈامروں کو جمع کر لیا اور راجہ کو تخت سے محروم کرنے چلا آیا۔ صرف ایکانگوں اور سواروں نے راجہ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ انکے علاوہ وہ باقی ساری فوج کو لیکر میدان جنگ میں آ اُترا۔ قابل تعریف بہادری کے ساتھ اننت دیو نے خود تربھون پر حملہ کیا اور اُس کے غلطی نہ کرنیوالے تیروں کو اپنی تلوار سے روکا۔ تربھون کو اسکی چلنوں سے اپنے زرہ پوش جسم پر زخم آئے وہ میدان سے بھاگ گیا اور اسکی شان و شوکت اس خون کے راستے بہ گئی جو اسکے منہ سے نکلا تھا۔ جب راجہ کی غیر متوقع طاقت کو دیکھکر وہ میدان جنگ کو چھوڑ کر بھاگ گیا تو راجہ نے جو ابھی بچہ ہی تھا اور جس نے اپنے با حیا چال چلن میں اپنی مردانگی کو چھپایا ہوا تھا سالا استھل کے مقام

لینے کی غرض سے چلے آئے ہونگے۔ انکے ناموں اور دریال۔ سوپال وغیرہ کی ساخت آخری چار شاہی راجاؤں کے ناموں سے ملتی جلتی ہے جن کے نام جے پال۔ ترلوچن پال وغیرہ تھے۔

۳۹۰ چونکہ جالندھر کی پرانی سلطنت میں ترگرت یا کانگڑہ بھی شامل تھا دیکھو نوٹ ۔ اب بغیر اس کے ہم جیسا کہ کنگھم صاحب نے جغرافیہ قدیم کے صفحہ ۱۳۹ پر لکھا ہے خیال کر سکتے ہیں کہ اندو چندر وہی اندر چندر تھا جس کا ذکر راجگان کانگڑہ کی فہرست میں آتا ہے اس بات کا ثبوت کہ خود کلہن نے اندو چندر لکھا تھا اس بات سے ملتا ہے کہ اس نے اسکے بعد فوراً ہی لفظ اندو کلہم استعمال کیا ہے۔

۳۹۲ سالا استھل سے مراد بظاہر ہل تھل سے ہے جو اس مقام کا پرانا نام ہے اور جس کے متعلق ابوالفضل نے اپنی کتاب کی جلد ۲ صفحہ ۳۶۲ میں ذکر کیا ہے کہ وہ بیچ پرگنہ میں ایک گاؤں ہے سٹائن صاحب لکھتے ہیں کہ بیچ پرگنہ میں ہل تھل کے نام پر ایک گاؤں موجود

پر قابل تعریف بہادری سے ابھی نونامی ڈامر کے حملوں کو جو سمالا کا رہنے والا تھا اور نیزوں کے ذریعے لڑتا تھا روکا اور اُسے مغلوب کیا۔ راجہ اننت کی تلوار گوشت اور خون سے ڈھک کر ایک ڈنڈے کی مانند بن گئی۔ وہ میدان جنگ میں بھیروں کی طرح پھر رہا تھا اور ساری زمین کانپ رہی تھی۔ جب راجہ نے ہر ہر قدم پر ایکانگوں کو دیکھا کہ انکے جسم نہایت زخمی اور مجروح ہیں اور اپنے نوکروں کے ذریعے اُنکے ناموں کو سنا تو ازراہ مہربانی اُن کو دفتر اکشں ٹپل کے غیر معین انحصار سے چھٹکارا دیا۔ اور اُنکے لئے ایک خاص رقم (ولب دہی ستھا در؟) مقرر کر دی۔ اپنے شکریہ کا اظہار کرنے کے لئے بتہ ریج اپنے نوکروں کو ۹۶ کروڑ دینار کی رقم (ولب دہی[۵۹۳])

ہے لیکن میں اس کی مقامیت کا پتہ نہیں لگا سکا۔ پر جا بھٹ اور شرنک نے اپنی راج ترنگنی کے شلوک ۲۲۵ میں جس سلا ستھل کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کرپاس کے ضلع ناگام میں ایک بغاوت ہوئی تھی اُس سے بھی مراد غالباً اسی جگہ سے ہے۔

سمالا موجودہ حل پرگنہ کا پورانا نام ہے جو سوپور کے مغرب میں کمراز میں واقع ہے۔ آٹھویں ترنگ کے شلوک ۱۰۰۳-۱۰۱۱ اور ۱۰۳۲ میں سمالا کا جا بجا ذکر آیا ہے۔ ایسے ہی جو نراج کی راج ترنگنی کے شلوک ۹۲-۱۰۷ اور ۲۵۲ اور سری ور کی راج ترنگنی ترنگ[۴] شلوک ۱۰۸ میں اس کا ذکر آتا ہے۔ ترنگ ۷ کے شلوک ۱۰۲۲ اور ترنگ ۸ کے شلوک ۵۹۱-۱۵۱۷ اور ۲۷۰۹ میں سمالا کے ڈامروں کا ذکر آتا ہے۔

[۵۹۳] لفظ ولب دہی کے معنے مشتبہ ہیں اس کا ذکر صرف ساتھ والے شلوک میں آتا ہے اور وہیں سے اس کے معنے کے متعلق اندازہ کیا گیا ہے۔ اکش ٹپل کے متعلق مفصل ذکر قبل ازیں ع۲۱ اور ع۴۱۲ میں آچکا ہے۔

ہمارے شلوک کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ راجہ نے اپنی ممنونیت کا اظہار کرنے کے لئے ایکانگوں کو جو ادائیگی فرائض میں زخمی ہو چکے تھے اکش ٹپل کے تکلیف دہ فرائض سے

عطا کی۔ روایت ہے کہ جب راجہ میدان جنگ سے واپس لوٹا تو اُس کے ہاتھ میں تلوار کا قبضہ نہایت مضبوطی کے ساتھ جم چکا تھا اور اُسے بمشکل دودھ چھڑک چھڑک کر چھڑایا گیا تھا۔ راجہ کی عظمت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ جب تربھون باہر سے مصیبت کی حالت میں آیا تو اُس نے اس کا اس طرح پر استقبال کیا گویا وہ اس سے بالکل ناراض ہی نہ تھا۔

راجہ اچل منگل کا حملہ کشمیر پر

اس کے بعد اس نے اپنے ایک رشتہ دار برہم راج نامی کو سپرنٹنڈنٹ خزانہ (گنج آدھیپ) بنا دیا۔ لیکن اس کی رددر پ ں سے دشمنی ہو گئی اس لئے وہ ناراض ہو کر وہاں سے چلا گیا اور بہت سی کوششوں سے اپنے ساتھ چند ڈامروں اور دردوں کے راجہ اچل منگل کو ملا کر موسات ملیچھ بادشاہوں کے راجہ کے خلاف روانہ ہوا۔ جب وہ درد فرمانروا کشیر پرست[۲۹۴] کے گاؤں میں پہنچا تو لڑائی کا شائق بہادر رودرپال اُس کے

نجات دلا کر اُس دفتر سے بالکل علیحدہ اُنکے لئے ایک ایک رقم جو ایک قسم کی پنشن تھی مقرر کر دی اس بارے میں ایک اور خیال اغلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایکانگوں کو اکش ٹپل کے دفتر سے غیر معین تنخواہیں ملا کرتی تھیں ممکن ہے انکے لئے اس قسم کا انتظام رکھا گیا ہو کہ دفتر اکش ٹپل کی بچت کا کچھ حصہ کسی تناسب سے اُن لوگوں میں تقسیم کیا جاتا ہو۔ اس صورت میں یہ امر واضح ہوتا ہے کہ راجہ نے انکے فرائض سے خوش ہو کر ان کی مقررہ تنخواہیں لگا دی ہوں۔

[۲۹۴] ایک ٹیکا کار خیال ظاہر کرتا ہے کہ کشیر پرست سے مراد موضع کھروٹے سے ہے جو کرمراج میں واقع ہے سٹائن صاحب لکھتے ہیں کہ گو مینے اتر پرگنہ میں کھوئی ادت نامی ایک جگہ کا ذکر سنا ہے تاہم اُس کا پتہ نہیں لگ سکا۔ یہ امر اغلب ہے کہ کشیر پرست ان مختلف سڑکوں میں سے ایک ہو جو کمراز کے شمال سے وادیٔ کشن گنگا کو جاتی ہیں۔

مقابلے پر اُترا۔ جب اس بات کا انتظام ہو گیا کہ دونو فوجوں میں اگلے روز جنگ ہو تو درد راجہ پاس ہی ایک جوہڑ پر جو پنڈارک نامی[۴۹۵] ایک ناگ کا جائے رہائش ہے تفریح حاصل کرنے گیا۔ ہر چند کہ اُس کے ہمراہیوں نے اُسے منع کیا لیکن اس نے شرارت سے ایک مچھلی کے جسم میں جو وہاں تیر رہی تھی نیزہ گھونپ دیا۔ اس پر وہ ناگ گیدڑ کی شکل اختیار کر کے اس جوہڑ سے باہر نکلا اور درد راجہ نے تعاقب کی خواہش میں اس کا پیچھا کیا۔ جب راجہ کی فوجوں نے اُسے بھاگتے ہوئے دیکھا تو خیال کیا کہ وہ عہد نامہ کی شرائط کو توڑ رہا ہے۔ اور حملے کے ڈر سے وہ جنگ کرنے نکلے۔ اس وقت میدان جنگ میں ایک ایسی دعوت کا سامان شروع ہوا جس میں بہادروں کی شادیاں اپسراؤں سے ہوئیں اور ہتھیاروں کے ٹکرانے سے جابجا آگ جلتی نظر آنے لگی۔ جنگجوؤں کے اس معرکے میں درد راجہ کا سر کٹ گیا اور ردد پال کی شہرت جس کی شان و شوکت رعب پیدا کرنے والی تھی

آخر الذکر کا بہت بڑا حصہ جیسا کہ آجکل بھی حال ہے زیادہ تر دردوں سے آباد رہا ہے۔ چونکہ وادیٔ کشن گنگا کا تعلق بہت سے دروں کے ذریعے چلاس اور استور وادی دریائے سندھ سے ہے اس لئے ممکن ہے کہ وہ ملیچھ یا مسلمان فرمانروا جن کا ذکر اس جگہ آیا ہے انہیں علاقے کے ہوں۔ دردوں اور ملیچھ فرمانرواؤں کے کلہن کے زمانہ میں حملہ آور ہونے کے متعلق دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۲۷۶۰۔

دردوں اور شکوں پر راجہ اننت کے فتح ہونے کا ذکر بلہن نے بکرمانک دیوچرت کے ادھیائے ۱۸ شلوک ۵۷ میں کیا ہے۔

۴۹۵؎ یہ ایک عجیب بات ہے کہ اس ناگ کا نام ہر چند کہ رزمیہ نظموں اور پرانوں میں مشہور ہے تاہم نیل مت پوران اور مہاتموں کے اندر کشمیر کے مقدس چشموں کی جو طویل فہرستیں دی گئی ہیں ان میں اس کا کہیں ذکر نہیں آتا۔

دو بالا ہو گئی۔ ملیچھ راجہ قتل ہوئے یا پکڑے گئے اور کشمیر کے راجہ کو سونا جواہرات اور اور چیزیں ہاتھ لگیں۔ رودرپال ردرراجہ کامراپنے فرمانروا کے روبرو لایا جس کے بہتے ہوئے خون کو اُس کے تاج کے موتیوں کی آب پاک وصاف کر رہی تھی۔ ایسے ہی اور بہت سی مشکلات اُسے اپنے بھائی اودے نوتس اور برہمنوں کے ساتھ پیش آئیں جو پیراے اپویش کرتے تھے۔ رودرپال مرض لوٹا سے مرگیا اور شاہی شاہزادے بھی جلدی ہی انتقال کر گئے۔ رودرپال اور اُس کے بھائیوں کے لئے راجہ کو جو اندھا دھند محبت تھی اُس کے دور ہو جانے پر راجہ کو نیکی کی زندگی میں لطف آنے لگا اور وہ ایک آئینہ بن گیا جس میں رانی سوریہ متی کی شبیہ منعکس ہوتی تھی۔ (رانی سوریہ متی سے بے حد محبت کرنے لگ گیا)۔

رانی سوریہ متی کی مقدس عمارات { اس رانی نے شوگوریشور کا مندر تعمیر کرایا۔ اور چونکہ اس کا دوسرا نام سوبھتا[۲۹۷] تھا اس لئے اس نے دریائے وتستا کے کنارے پر سوبھتا مٹھ کی بنیاد ڈالی۔ سداشو کے مندر کے قیام پر اس نے بہت سے برہمنوں کو گوئیں۔

---

[۲۹۷] بلہن نے اس رانی کی تعریف میں بہت کچھ لمبا چوڑا ذکر لکھا ہے اور وہ اسے سوبھتا کے نام سے یاد کرتا ہے۔ اس نے شوجی کے ایک مندر کا ذکر کیا ہے جو سوبھتا نے وتستا کے کنارے پر بنوایا تھا۔ نیز ایک مٹھ کا جو اس نے اپنے نام سے ودیارتھیوں کی رہائش کے لئے دارالسلطنت میں تعمیر کروایا تھا۔ دیکھو کرمانک دیوچرت ادھیائے ۱۸ شلوک ۴۵ تا ۴۶ سوریہ متی کے مٹھ کا ذکر آگے چل کر ترنگ ۷ کے شلوک ۱۶۵۸ اور کلہن کے زمانے میں اس کی بحالی کا ذکر ترنگ ۸ کے شلوک ۳۳۲۱ میں آتا ہے۔ سوریہ متی کے شوگوریشور کا ذکر ترنگ ۷ کے شلوک ۲۰۷ و ۳۶۷ میں بھی آتا ہے۔ ان شلوکوں سے واضح ہوتا ہے کہ یہ دونوں عمارتیں سری نگر میں واقع تھیں۔

سونا۔ گھوڑے۔ جواہرات اور نادر تحفے تحائف دیکر مالامال کر دیا۔ چونکہ اُسے اپنے چھوٹے بھائی کلن سے جس کا دوسرا نام آس چند تھا محبت تھی اس لئے اس نے اُس کے نام پر بھی ایک مٹھ معہ اگرہار کے تعمیر کرایا۔ اس نے دو مٹھ وجیش اور امریش[۴۹۷] کے مندروں کے پہلو میں اپنے بھائی بِلن اور اپنے شوہر کے نام پر تعمیر کروائے وجیشور کے شاندار مندر پر اس نے ایک سو آٹھ[۴۹۸] اگرہار فاضل برہمنوں کو

[۴۹۷] یہ امر غلب ہے کہ کلہن اس جگہ اور شلوک ۱۸۵ میں امریش یا امریشور کے نام سے اُس مندر کا ذکر کرتا ہے جو اُس جگہ واقع تھا جہاں آجکل موضع امرہیر واقع ہے یعنی سرینگر کے شمال میں نواد یئے سندھ کی سڑک پر قریباً ۴ میل کے فاصلہ پر۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۵۰۲۔ ۵۹۰۔ ۲۹۔ ۷۔ ۵۶۔ ۲۴۔ ۱۱ میں یقیناً اسی جگہ کا ذکر آتا ہے جس کا جدید نام امریشور سے ماخوذ ہے۔ ان تمام شلوکوں میں سری نگر کے عین قریب کی لڑائیوں کا ذکر آتا ہے جو نراج نے اپنی راج ترنگنی کے شلوک ۸۹۰ میں اسی کا نام امریش پور کے طور پر کیا ہے۔

پنڈت صاحب رام اپنی تیرتھ سنگرہ میں صحیح طور پر امریشور کو گاؤں کا پرانا نام ظاہر کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ یہاں امریشور لنگ کی پوجا ہوا کرتی تھی۔ سٹائن صاحب جون ۱۸۹۵ء میں جب اس جگہ گئے ہیں تو انہیں ایک پرانے مندر کے آثار نظر آئے جو فرخ زاد صاحب کی زیارت میں بنا ہوا ہے۔ آخر الذکر کے کسی قدر مغرب کی طرف جھیل انچار کے کنارے پر دو ناگ ہیں جن میں سے ایک پر جس کا نام گنگا ہے اب بھی سالانہ کوہ ہرمکٹ کے تیرتھ کو جانے والے یاتری جایا کرتے ہیں۔

امرناتھ (جس کا کشمیری نام امبرناتھ ہے) جو لدر کے منبع سے اوپر بلندی پر واقع ہے اس کے تیرتھ سے غالباً اس جگہ مراد نہیں لی گئی کیونکہ جس جگہ یہ واقع ہے وہاں مقدس مورتی کے قریب ایک مٹھ کی تعمیر ناممکنات سے ہے۔

[۴۹۸] بلہن نے وکرمانک دیوچرت ادھیائے ۱۸ شلوک ۴۵ میں عام طور پر زمین اور

پُن کیئے۔ اس کے علاوہ اس نے اپنے شوہر کے نام پر امریشور پر اگنی ہار دان کئے اور ترسول[499]۔ بان لنگ وغیرہ استھاپن کرائے۔

راجہ اننت کا نیا شاہی محل جب ان کا بیٹا راج راج انتقال کر گیا تو راجہ اور رانی نے محل شاہی کو چھوڑ کر سداشو[500] کے مندر کے قرب میں سکونت اختیار کی۔ اس کے بعد اجاؤں نے

دوسرے اُن علیات کا ذکر کیا ہے جو سو بھتانے فاضل لوگوں کو دیئے تھے۔

۱۰۸ کی تعداد اس لئے مقدس خیال کی جاتی ہے کہ یہ مالا کے منکوں کی تعداد ہے۔

[499] ترسول کو شوجی کی علامت خیال کیا جاتا ہے اور اُسے عام طور پر شوجی کے مندروں پر یا اُن کے قریب نمایاں کرتے ہیں۔

بان لنگ لنگ کی شکل کے وہ روڑے ہوتے ہیں جنہیں دریائے نربدا کی تہ سے نکال کر لاتے ہیں دیکھو نوٹ ۳۲۷ کتاب ہذا۔ کشمیر اور شمالی ہند کے دوسرے مقامات میں اکثر انکی پوجا کی جاتی ہے ان کا نام بان نامی اُسرے سے نکلا ہے۔ جس نے اندر کی پوجا کی تھی ان کا دوسرا نام نرمدلیشور ہے۔

[500] یہ شلوک اس لحاظ سے ایک خاص دلچسپی رکھتا ہے کہ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ سداشو کا مندر یا لنگ اور محل شاہی کلہن کے زمانے میں کس جگہ واقع ہوا کرتے تھے۔ آخرالذکر کے متعلق ترنگ ۸ کے شلوک ۳۲۷ و ۹۵۵ میں صاف طور پر اس بات کا جغرافیائی پتہ چلتا ہے کہ کشیتکا ندی (مرتم) کے قریب کس مقام پر محل شاہی واقع تھا۔ جیسا نوٹ ۱۳ کتاب ہذا سے واضح ہوتا ہے اس ندی سے مراد وہی نہر ہے جو اب کُٹ کل کہلاتی ہے۔ کُٹ کل ندی دریائے وتستا سے شیر گڈھی کے نیچے بائیں کنارے سے نکلتی ہے اور ڈیڑھ میل کا چکر کاٹ کر ساتویں پل کے قریب پھر اس میں جا ملتی ہے۔ ان دونوں شلوکوں سے جن امور کا پتہ چلتا ہے اُن کے ساتھ اگر اس واقفیت کو بھی ملا لیا جاوے جو ترنگ ۷ کے شلوک ۱۵۴۹

اگلے راجاؤں کی جائے سکونت کو چھوڑ کر اس رواج کے مطابق اُس نئی جگہ کو اپنا جائے سکونت بنا لیا۔ چونکہ اس راجہ کو گھوڑوں کا شوق تھا اس لئے اُس کے منظور نظر چابک سواروں نے اس کے عطیات اور ملک کی لوٹ مار کے ذریعے اس کے برابر کا درجہ حاصل کر لیا۔ غیر ملکی شخص ڈنک جس کے ساتھ راجہ کی محبت ایک ایسے ہی شخص کی مانند تھی گویا وہ بھی تخت پر پیدا ہوا اور جس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہ تھی کہ وہ ظریف الطبع تھا ملک کو خوب لوٹتا رہا۔ اس راجہ کو پان کھانے کا بہت شوق تھا اور اس میں وہ بڑی بڑی فضول خرچیاں کیا کرتا تھا پدم راج نامی ایک غیر ملکی شخص جو اس راجہ کا منظور نظر تھا اُسے پان دیا کرتا تھا۔

میں حاصل ہوتی ہے اور جس میں لکھا ہے کہ محل شاہی کے سامنے والا کنارہ شمالی یا دائیاں تھا تو ہم اس نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ بعد میں جو محل قائم ہوا وہ موجودہ کٹ کل اور دریا کے بائیں کنارہ کے درمیان کسی مقام پر واقعہ تھا۔ بہر نوع اس کی صحیح مقامیت کے متعلق کوئی پتہ نہیں چلتا۔

آگے چل کر کلہن نے ترنگ ۷ کے شلوک ۶۷۳۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۹۳۴ و ۱۱۲۴ میں سداشو کے مندر کا جو حوالہ دیا ہے اُس سے بھی اس معاملہ پر کچھ روشنی نہیں پڑتی۔ البتہ برجا بھٹ اور شُرک کی راج ترنگنی میں اسی بارے میں جو ذکر آیا ہے وہ خاص طور پر مفید ہے۔

اُس کتابہ کے شلوک ۵۰۳۔ ۵۴۹۔ ۶۱۴۔ ۶۹۷۔ ۷۶۶۔ ۸۰۶ میں سداشو پورہ کا ذکر جو سداشو کے قریب ایک محلے کا نام تھا اس حیثیت میں آتا ہے کہ گویا وہ شہر سری نگر کا کوئی حصہ تھا۔ ان شلوکوں میں سے دو اس قسم کے ہیں جن سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ سداشو پورہ دریا کے بائیں کنارے پر محلہ سمدرہ مٹھ کے مقابل واقع تھا۔ شلوک ۳۰۱ میں ایک شہری لڑائی کا ذکر آتا ہے جس میں چکوں (شکوں) کے طرفداروں نے جو سمدرہ مٹھ میں بر لب دریا متعین تھے اپنے ان مخالفوں پر فیر کئے تھے جو سداشو پورہ پر قابض تھے شلوک ۷۰۱ میں بھی ایک عظیم آگ کا ذکر آتا ہے جو سداشو پورہ میں لگ گئی تھی اور جس نے

اس شخص کی معرفت مالوے کے راجہ بھوج[۵۰۱] نے بہت سا سونا بھیجکر کپٹیشور میں ایک کنڈ بنوایا تھا۔ چونکہ راجہ بھوج نے عہد کر رکھا تھا کہ میں ہمیشہ پاپ سودن کے پانی سے منہ دھویا کرونگا اس لئے یہ شخص اس تیرتھ سے بہت سے شیشے کی صراحیاں پانی کی بھر کر با قاعدہ اس کے پاس بھیجا کرتا تھا۔ اس شخص نے جو پان کے پتے ناگرکھنڈ[۵۰۲] اور دوسرے اجناکے ساتھ بیجا کرتا تھا۔ ملک کا سارا روپیہ اس راجہ کے ہاتھ سے لٹوا دیا۔ راجہ کے قرضخواہ کی حیثیت میں اس نے بطور ضمانت کے ایک تاج جس میں پانچ چمکدار ہلال لگے ہوئے تھے ۔ اور اُس کا تخت گرو رکھ لیا۔ ہر مہینے دربار کے موقعہ پر شاہی اعزاز کے یہ نشانات اُس کے مکان سے لائے جاتے تھے۔ آخر کار رانی سوریہ متی نے اس بے عزتی کا خاتمہ جو پدم راج کے ذریعے ملک کی ہو رہی تھی اس طرح پر کیا کہ اپنا بچا ہوا مال و زر اُس کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد جب چاپک سواروں۔ ڈلک اور باقیوں کے پیدا کردہ فسادات رفع ہو گئے تو ملک میں دوبارہ امن و چین ہوا۔

رانی سوریہ متی کے اختیارات } اس کے بعد رانی خود راجہ کا کاروبار کرتی تھی اور راجہ اپنی بہادری کی

وتستا کے اوپر سے گذر کر اس نے سمدر امٹھ اور شہر کے نواحی حصوں کو خاک سیاہ کر ڈالا تھا۔

سری ورنے اپنی راج ترنگنی کی ترنگ ۲ شلوک ۱۲۱ و ۱۶۹ میں سمدرامٹھ کو سمدرمٹھ لکھا ہے جس سے اس کی مراد یقیناً سودرہ کے موجودہ محلے سے ہے یہ محلہ دریا کے بائیں کنارے پر دوسرے پل کے عین نیچے واقع ہے۔ اس کے مقابل میں بائیں کنارے پر زیندار محل برش یار۔ کرہل محل۔ ملک یار وغیرہ محلے آباد ہیں جن میں سے سب کے سب ضلع تاشوان سے متعلق ہیں۔ پس ہمیں خیال کرنا پڑتا ہے کہ کلہن کے زمانے میں سداشو کا مندر، اور محل شاہی

ڈینگیں مار چھوڑا کرتا تھا۔ یا جو کچھ اُسے کہا جائے وہ کر دیتا تھا۔ چونکہ ان کے تعلقات زنا شوئی پر کسی قسم کی حرف گیری نہ ہو سکتی تھی اس لئے شوہر کی زنانہ تابعداری اور رانی کے اپنے شوہر پر بیجا اقتدار رکھنے پر کسی کو اعتراض نہ تھا۔ دانا اننت دیو شوجی کی پرستش اپنے عہد۔ اشنان۔ فیاضی۔ اخلاق اور دوسری نیکیوں کے باعث مُنیوں پر بھی سبقت لے گیا۔ اس راجہ کے طویل عہد حکومت میں شاہی نظر عنایت ایک نوکر سے دوسرے پر اس طرح بدلتی رہتی تھی جس طرح اُس کنواری لڑکی کی جس نے شوہر کو تلاش کرنا ہو۔ کشیم نامی ایک حجام نے دوادش بھاگ (۱/۱۲ حصہ کا محصول) کے ذریعے اور دوسرے طریقوں سے راجہ کے خزانے کو پر کر دیا۔ لیکن جب کیشو نامی ترگرت کا ایک دیانتدار برہمن وزیر بنا تو اس نے راجہ پر اس طرح چمک ڈالی۔ جس طرح چاند کی روشنی سفید چبوترے پر پڑتی ہے۔ لیکن اسی شخص کو بھی بعد میں لوگوں نے تنہا اور بحالت افلاس پھرتے ہوئے دیکھا۔ خوش قسمتی جو قسمت کے بادلوں کی بجلی کی چمک کی مانند ہے وہ کس کے لئے دیرپا ثابت ہو سکتی ہے؟ جب ہم اس خیال کو مدنظر رکھتے ہیں کہ مقبوضات قسمت کے مطیع ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اپنی خاندانی عظمت اور طاقت پر جو گھمنڈ کرتے ہیں وہ فضول اور جھوٹا ہے۔

اسی جگہ واقع ہوا کرتا تھا چونکہ کُٹ کل اس حصۂ شہر میں ونشٹا سے متوازی اور اُس سے کوئی چار سو گز کے فاصلہ پر بہتی ہے اس لئے راج ترنگنی کے وہ شلوک جن کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے اور جن سے معلوم ہوتا ہے کہ محل کشتپکا یا کٹ کل کے قریب واقع تھا ہمارے بیان کی پورے طور پر تصدیق کرتے ہیں۔

سطور بالا میں جو کیفیت قلم بند کی گئی ہے اسی کے مطابق ایک مقامی روایت اس حصہ شہر کے متعلق پھیلی ہوئی ہے ایک قدیم لنگ جو چند سال گذرے اس وقت تک پُرش یار کے گھاٹ یا پل پر دوسرے پل کے نیچے کوئی ۵۰ گز کے فاصلے پر موجود تھا اُس کے متعلق ان

وزیر اعظم ہلدر بھوتی نام ایک ویش جو گوریش کے مندر کا پہرے دار تھا اُس کے تین بیٹے ہلدر۔ وجر اور وراہ تھے۔ ان میں سے ہلدر[۵۰۳] دن بدن سدیہ متی کی خدمت میں ترقی کرتا گیا اور بالآخر وزیر اعظم (سرواد ہی کار) کے عہدے تک جا پہنچا۔ چونکہ وہ اپنے عقلمندانہ انتظامات کے ذریعے چھوٹے درجے کے راجاؤں کو مطیع کر چکا تھا اس لئے راجہ اور رانی احکام کے لئے اُس کے منہ کو تکتے تھے پلواگر[۵۰۴] کا دفتر جسے سب سے پہلے کشیم نے قائم کیا تھا اُسے اس اعلےٰ خیال کے وزیر نے علانیہ طور پر تمام دفاتر سے بالا کر دیا۔ اس نے دانائی کے ساتھ سونے پر اس کی رنگت (صفت) قیمت وغیرہ کے لحاظ سے نشان لگانے[۵۰۵] کے شاہی حق کو منسوخ کر دیا جس سے معلوم ہوا کرتا تھا کہ لوگوں کی بچت کیا ہے تاکہ آئندہ راجاؤں کو سزا دہی کے طریق پر یا دوسری وجوہ سے جمع شدہ روپیہ حاصل کرنے میں سہولیت ہو۔ چند قابل نفرت چابک سواروں کو قتل کر کے جو لوگوں کی جائداد اور عورتوں کو لوٹا کرتے تھے اس نے لوگوں کی تکالیف کو دور کر دیا۔ ٹیکسوں کو منسوخ کرنے والے اس شخص نے وتشٹا اور سندھو کے مقام اتصال کو سنہری مندروں۔ مٹھوں اور اگرہاروں کے ذریعے چمکدار بنا دیا۔ اُس کے بھائی اور بیٹے چونکہ دولت (لکشمی) رکھتے تھے اس لئے

علاقوں کے رہنے والے قدیم پروہتوں میں سدا شو کا نام مشہور تھا۔ اب اس لنگ کو ایک چھوٹے سے مندر میں جو دریا کے بائیں کنارے پر اس کے مقام کے قریب ہی بنا ہے رکھ دیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ اس لنگ کے روایتی نام میں ہمیں اس مقام کے قدیم نام کا باقی بچا ہوا پتہ ملتا ہے۔

قدیم محل کا ذکر ترنگ ۸ کے شلوک ۷۳۰ میں بھی آتا ہے۔ لیکن اس کی مقامیت کا کوئی پتہ نہیں۔ ہم خیال کر سکتے ہیں کہ پرورسین کے آباد کئے ہوئے باقی شہر کے ساتھ یہ بھی دائیں کنارے پر واقع تھا۔

وہ کبھی قیمتی عطیات (دان) دینے سے نہیں رُکے جس طرح پر ہاتھی جو لکشمی سے واقف ہو کر دیوانے ہو جاتے ہیں اپنی کنپٹیوں (دہن) سے رس بہانے سے کبھی نہیں رُکتے اس کے بھائی وراہ کے بیٹے بہادر اور مشہور بمب نے جو دوار پتی کا عہدہ رکھتا تھا اس طرح فیاضیاں کیں جیسے پرلے (قیامت) کے روز بادل پانی برساتے ہیں۔ یہ شخص جس نے بہت سے ڈامروں کو بیوقت مروایا تھا خود بھی کمفوں کے ساتھ لڑتا ہوا مارا گیا۔ جبکہ اُس کے ساتھ صرف چند ایک ہمراہی تھے اور وہ پیچھے ہٹنا منظور نہ کرتا تھا

راجہ اننت کی غیر ملکی فتوحات راجہ اننت نے بہت سے راجاؤں پر فتوحات حاصل کیں اس نے چمپا[۵۰۲] کے مقام پر راجہ سال کو مغلوب کر کے ایک نئے فرمانروا کو تخت پر بٹھایا۔ یہ راجہ چونکہ بے سوچے

۵۰۱ بھوج راج سے مراد بلاشبہ دھارا نگری کے راجہ بھوج سے ہے جو لٹریچر کا ایک بہت بڑا مربی ہو گذرا ہے اور گیارھویں صدی کے ابتدائی نصف حصہ میں مالوہ پر حکمران تھا۔ اس کے عہد حکومت کے متعلق اب اندازے کے طور پر خیال کیا جاسکتا ہے کہ اس نے ۱۰۱۰ء سے ۱۰۶۳ء تک حکومت کی تھی۔ دیکھو ترنگ ۷ کا شلوک ۲۵۹ جہاں مذکور ہے کہ راجہ بھوج ۱۰۶۳ء میں کلش کی تخت نشینی کے بعد زندہ تھا۔

پاپ سودن۔ کے قدیم تیرتھ واقعہ کپٹیشور کے متعلق جس کا موجودہ نام کوتھیر ہے نوٹ ۱۱ کتاب ہذا میں بحث ہو چکی ہے۔

سٹائن صاحب بیان کرتے ہیں کہ واٹنا اور رنیٹل جرنل کی جلد ۵ صفحہ ۳۴۷ پر نے اپنے سفر نامے کے نوٹ میں ان آثار کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے جو اس احاطے کے نیچے کچھ باقی ہیں۔ جس کے متعلق اوپر ذکر آیا ہے کہ بھوج نے اُسے اس مقدس چشمے کے گرد بنوایا تھا۔ یہ چشمہ اب ایک کنڈ میں سے نکلتا ہے جس کا قطر کم از کم ساٹھ گز ہوگا۔ اس کے گرد ٹھوس پتھر کی دیوار ہے اور نیچے پانی تک سیڑھیاں بنی

سمجھے غیر ملکی علاقوں پر حملے کر بیٹھتا تھا اس لئے بسا اوقات اسے خطرات پیش آتے تھے - ایک موقعہ پر اس نے تنگ کے بیٹے کلش پر چڑھائی کی اس کی فوجیں تھک چکی تھیں لیکن آخر ہلدر نے چالاکی سے اُسے ولاپور سے نکالا - اسی طرح جب اس نے ارشہ پر چڑھائی کی اور دشمن نے راستے روک لئے تو اُس کے کمانڈر انچیف نے سڑکیں صاف کرکے واپسی کو ممکن بنایا - اُدھر وہ ممالک غیر میں دشمنوں کے ساتھ جدوجہد کر رہا تھا اِدھر ہر لمحہ اُس کے اپنے ملک میں مختلف واقعات جبر ظہور میں آرہے تھے - بھدریشور کا بیٹا مشہور و معروف راجیشور جو دور اپتی تھا کرمراج میں رہتا ہوا ڈامروں کے ہاتھ سے مارا گیا اور ایسے ہی اور بہت سے لوگ کام آئے -

وزیر اعظم ہلدر کا زوال } آدمی خواہ کیسی ہی نگاہ دور اندیشی سے اپنے کام کو دیکھے اور سمجھ سوچ سے کام کرے پھر بھی کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص جو راجہ کے محل میں خدمت کرتا ہوئے آبرو ئی سے بچ سکے - ہلدر چونکہ متواتر رانی کی خدمت میں رہا کرتا تھا اس لئے لوگوں

ہوتی ہیں - سٹائن صاحب جب ماہ ستمبر ۱۸۹۱ء میں اس جگہ گئے ہیں تو انہیں تالاب کی گہرائی معلوم نہیں ہو سکی - البتہ اسقدر معلوم ہوتا تھا کہ وہ کافی گہرا ہے - زمین کی ساخت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تالاب کو مصنوعی طور پر وہ گلی بند کرکے بنایا گیا ہے جس میں سے پہاڑی پر یہ چشمہ نکلتا ہے - اس مطلب کے لئے جو بند لگایا گیا تھا وہ تالاب کے بائیں کنارے کا کام دیتا ہے -

اس تیرتھ کے پردہتوں میں جو مقامی روایت پھیلی ہوئی ہے اور سٹائن صاحب کو اس چشمے پر رہنے والے ایک عمر رسیدہ سادھو مہادیو کول سے معلوم ہوئی وہ یہ ہے کہ اس تالاب اور اس کے سنگین احاطے کو دکن کے ایک راجہ مُتس کنڈ (مچھو کنڈ) نے بنوایا

میں اس کا چرچا بڑھ گیا اور آخر کار آش چندر اور دوسروں نے جنہیں اس کے خلاف غصہ تھا اُسے قید خانہ میں ڈال دیا۔ راجہ نے اُس کا سارا مال ومتاع ضبط کر لیا اور وہ قید کی تکالیف بھوگتا رہا۔ جب خوش قسمتی کی طاقت غیر معین ہو تو کامل خوشی کیونکر حاصل ہو سکتی ہے؟ راجہ نے اُسے قید سے آزاد کر دیا تو معلوم ہوتا تھا کہ شاہی جلوس اس کی طرف متوجہ ہو کر اُس سے بغلگیر ہوا چاہتا ہے اور فکر کی مُسکراہٹ جو اُس کے چہرے کو روشن بنا رہی تھی چتر شاہی کی چمک کی مانند تھی۔ (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قید سے آزاد ہو کر اس نے دوبارہ شاہی مہربانی حاصل کر لی تھی) اس نے اس رانی کے ہاتھوں لمحہ بہ لمحہ غصے اور مہربانی کے فوری سلوک کی تبدیلیاں دیکھیں جس طرح موسم برسات میں ابر آلود آسمان اور دھوپ دیکھی جاتی ہے۔

انت کی سلطنت سے دستبرداری

کچھ مدت گذرنے پر سادہ لوح راجہ بالکل اپنی رانی کے اقتدار میں آ گیا جس سے بہت سے بد نتائج پیدا ہوئے۔ اس کی

تھا یہ راجہ اُن سینگوں کی وجہ سے بد نما ہو گیا تھا جو اس کے سر پر نکل آئے تھے اور گو اس نے بہت سے تیرتھوں کی جاترا کی تھی تاہم اس سے کچھ فائدہ نہ ہوا آخر کپٹیشور کے قریب اس نے دیکھا کہ ایک زخمی کتا اس مقدس چشمے کے پانی میں داخل ہوا تو اُس کے زخم مندمل ہو گئے راجہ نے بھی اس کی تقلید کی اور اس کے سینگ دور ہو گئے۔ اسپر اپنے شکریہ کا اظہار کرنے کے لئے اس نے تالاب کی درستی کروادی۔ اسی راجہ کے عہد میں معمولی کشمیری وضع کا وہ مختصر سا مندر تعمیر ہوا تھا جو تالاب کے دائیں کنارے پر واقع ہے۔ نیز وہ چھوٹے چھوٹے حجرے تعمیر ہوئے تھے جن کے کھنڈرات کم و بیش اچھی حالت میں قریب ہی پائے جاتے ہیں۔
یہ امر اغلب ہے کہ یہ روایت جو تھوڑی تھوڑی تبدیلیوں کے ساتھ کو تہیر کے مسلمان

رانی اپنے بیٹے کی محبت سے اندھی ہو رہی تھی اور اس کی متواتر ترغیبوں سے وہ چاہتا تھا کہ شاہی اعزاز اپنے بیٹے کلش کو دیدے۔ گو ہلدر جیسے دانا آدمی اُسے سمجھاتے تھے کہ آپ کے تخت سے اُتر جانے پر بہت سی خرابیاں پیدا ہونگی اور جن پر بالآخر آپ کو متاسف ہونا پڑیگا مگر اس نے جیمبر لین رنادتیہ کو تاجپوشی کی تیاریاں کرنے کا حکم دیا گو اس نے بھی سمجھایا کہ آخر میں آپکو سوائے افسوس کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔

راجہ کلش

سنہ ۱۰۶۳ء تا سنہ ۱۰۸۹ء

چھ شدی کاتک لوکک سمت ۴۰۳۹ (سنہ ۱۰۶۳ء) کو راجہ اننت نے اپنے بیٹے کلش کو تاج پہنایا اور جب رنادتیہ راجہ کے دربار میں مختلف والیان ریاست کو ملاقات کے لئے پیش کر رہا تھا تو وہ چونکہ شاہی اعزاز کی عظمت میں محو تھا

دیہاتیوں کو بھی معلوم ہے اُسی کہانی سے نکلی ہے جو کلہن نے راجہ بھوج کے روزمرہ کپٹیشور کے پانی میں نہلانے کے متعلق بیان کی ہے۔

یہ بات ناممکنات سے نہیں کہ یہ کہانی بجائے خود کچھ بنیاد رکھتی ہو۔ زمانہ حال کی سڑکوں اور ریلوں کی تیاری سے پہلے دریائے گنگا کا مقدس پانی بہت بڑی مقدار میں دور دور تک لے جایا جاتا تھا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں جمعدار خوشحال سنگھ کے متعلق بھی بیان کیا جاتا ہے کہ وہ سوائے اُس پانی کے جو ہردوار سے بھیجا جاتا تھا کبھی دوسرا پانی نہ پیتا تھا۔

کلہن نے راجہ بھوج کے جن خزانوں کا ذکر کیا ہے ان کی کسی قدر یاد اُس قصہ میں

اور یوں بھی اس کے اطوار میں گنوار پن پایا جاتا تھا اس نے اننت کی گردن پر ہاتھ رکھ کر اُسے بدیں الفاظ پیش کیا۔ "مہاراج! یہ راج پتر اننت ہے" جب اس نے اس کی طرف خشمگین ہو کر دیکھا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا اور سادگی سے کہنے لگا۔" جب کینیا کبج اور دوسرے ملک کے حکمرانوں کو اسی طریق پر پیش کیا جاتا ہے تو کیا ضرورت ہے کہ آپ کے لئے جو شاہی اختیار سے دست بردار ہو چکے ہیں نئے ضابطہ کی پابندی کی جائے۔ یقین رکھئے۔ آپ کو دن بدن اس پر متاسف ہونا پڑے گا کیونکہ کوئی منی بھی اپنی نخوت سے دست کش نہیں ہو سکتا" یہ الفاظ دور اندیش وزیروں کے دلوں کی تہ تک جا پہنچے۔ اور جب راجہ نے انہیں سنا تو وہ کچھ جواب نہ دے سکا۔

اگلے روز جب دانا ہلدر نے دیکھا کہ نئے راجہ کے گرد شاہی درباری جمع ہیں اور پورانے کے ساتھ صرف چند ایک ہمراہی ہیں تو اس نے بناوٹی غصے کی حالت میں راجہ کو ملامت کی اور اس طرح پر اُسے اپنا شاہی اعزاز دوبارہ حاصل کرنے کی ترغیب دی اور کہا۔" کیا آپ کو شرم نہیں آتی کہ آپ نے

باقی ہے جو سٹائن صاحب کو دیہاتیوں سے معلوم ہوا جنہوں نے بیان کیا تھا کہ تالاب بناتے وقت راجہ نے اس کے نیچے سونا اور اور قیمتی چیزیں دفن کرا دی تھیں۔ یہ اس لئے کہ آگے چل کر جو شخص اس تالاب کی مرمت کرائے وہ اس روپیہ سے اپنا معاوضہ حاصل کر سکے بیان کیا جاتا ہے کہ مختلف حروف میں ایک کتبہ سکھوں کے زمانہ تک تالاب کے شمالی حصے میں دروازے کے قریب پتھر میں لگا ہوا ہوتا تھا اس کتبے کو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں یہاں کے مسلمان جاگیردار نے پانی میں پھینک دیا تھا۔ اس کے متعلق خیال ہے کہ اس کتبے میں راجہ نے اس قسم کی ہدایات درج کی تھیں جن سے معلوم ہو سکتا تھا کہ خزانہ کہاں موجود ہے۔

تاج کا بوجھ اپنے نوعمر بیٹے کے اوپر ڈال کر اُسے متفکر بنا دیا ہے اور بڑھاپے کی عمر میں اپنے ذاتی آرام کا خیال رکھا ہے۔ پس لازم ہے کہ آپ خود سلطنت کے کاروبار کو سرانجام دیا کریں جب تک آپ کا بیٹا نوعمر ہے آپ اُسے خوشیوں سے محروم نہ کریں۔"

اننت کا دوبارہ شاہی اختیارات ہاتھ میں لینا

اس طرح پر اُس نے راجہ کو دوبارہ اختیارات اپنے ہاتھ میں لینے پر آمادہ کردیا اور اپنی مدبرانہ چال سے راجہ کلش کو دھوکا دیا۔ اس کے بعد کلش برائے نام ایک راجہ رہا۔ حتےٰ کہ وہ کھانا تک باقاعدہ اپنے والدین کی موجودگی میں کھایا کرتا تھا۔ تمام مجالس ہتھیاروں [شف] کی پوجا اور شاہی جلسوں کے موقعوں پر وہ بطور نائب کے رہا کرتا تھا اور اس طرح عمل کرتا تھا گویا اپنے باپ کا پروہت ہو۔ جس طرح حیوانات پر کوئی اعتبار نہیں ہوسکتا ایسے ہی اُن لوگوں پر بھی نہیں ہوسکتا جو بلا وجہ خوش ہوتے اور غمگین ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ایسا ظہور میں آیا کہ بہت کچھ

یہ بات قابل ذکر ہے کہ تالاب اور مندر کے گرد جو گول دیوار بنی ہوئی ہے اس میں نسبتاً زمانہ قدیم کی تعمیری علامات پائی جاتی ہیں جس سے ہم اندازہ کرسکتے ہیں کہ یہ راجہ بھوج ہی کے عہد میں بنی ہوگی۔

ف ۵۰۲ معلوم نہیں ناگر کھنڈ سے مراد کیا ہے اس میں شک نہیں کہ ناگر کے معنی ادرک کے ہوتے ہیں گو یہ کبھی سننے میں نہیں آیا کہ ادرک کو پان میں لگا کر استعمال کیا جاتا ہو۔

آجکل کشمیر میں پان کھانے کا رواج قریب قریب معدوم ہو چکا ہے۔ زمانہ قدیم میں پان کے تازہ پتے کشمیر تک پہنچانے واقعی مشکل ہوتے ہونگے اور یہی وجہ ہے کہ بہت سا روپیہ صرف کرکے ہی یہ چیز حاصل ہوسکتی تھی۔

احترام کے بعد اپنے شوہر کو شاہی طاقت دے دینے پر آمادہ کرنے کے بعد اُن بھی خود متاسف ہوئی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُس کے دل سے بیٹے کی محبت دور ہو گئی ہے۔ وہ حسد میں بھری ہوئی اور سخت ناراض تھی۔ چنانچہ وہ اپنی بہوؤں کو بارستگار اور اس قسم کے کام کرنے سے جو راجہ کی نوجوان رانیاں ہونے کی حیثیت میں انہیں کرنے چاہئیں تھے روکتی تھی۔ وہ اپنے بیٹے کی رانیوں سے لونڈیوں کی طرح کام لیتی تھی حتےٰ کہ وہ فرش کو گوبر سے لیپنے سے بھی انکار نہ کرتی تھیں۔

انند اور کشتی راج کی ملاقات ایک موقعہ پر راجہ کا چچا زاد بھائی وگو راج کا بیٹا کشتی راج[۵۰۹] اس کے پاس آیا۔ اس نے اس غم و غصے کا ذکر کیا جو اُس کے دل میں اس وجہ سے موجود تھا کہ اس کا بیٹا بھون راج نہایت حریص تھا اور تخت پر قابض ہونا چاہتا تھا۔ اس کا بیٹا نیل پور[۵۱۰] کے فرمانروا کے پاس پناہ گزیں ہو چکا تھا اور اور اب اُس راجہ کی فوج ہمراہ لیکر اپنے باپ پر چڑھائی کرنے کی تیاری کر رہا تھا۔ اس نے بعض بھاگونوں[۵۱۱] کے نام پر جن کی اس کا باپ عزت کرتا تھا اپنے

---

۵۰۳ بلہن نے وکرمانک دیوچرت کے ادھیائے ۱۸ شلوک ۱۹ میں کسی ہلدرے کے اگرہاروں کے قیام کا جو ذکر کیا ہے انہیں غالباً اسی ہلدرے سے منسوب کیا جا سکتا ہے۔

۵۰۴ پاواگر کا لفظ اس کے علاوہ شلوک ۱۷۵-۹۹۴ اور ترنگ ۸ کے شلوک ۱۴۸۲-۱۹۶۴-۲۲۲۴-اور ۲۳۵۲ میں استعمال ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی اعلےٰ عہدے کا نام تھا۔ اس کا ذکر سوائے اس تاریخ کے اور کہیں نہیں آتا۔ اور اسی لئے یہ بات پورے طور پر معلوم نہیں ہو سکتی کہ اس سے مراد کس قسم کے دفتر سے ہے۔ اس شلوک سے ظاہر ہوتا ہے کہ دفتر پاواگر براہ راست وزیر اعظم کا انتظام ہوتا تھا۔ (دیکھو ترنگ شلوک ۲۱۱) ترنگ ۷ کے شلوک ۱۷۵ میں ذکر آتا ہے کہ راجہ کلش نے پاواگر کا انتظام کسی خاص وزیر کے

کتوں کے نام رکھے ہوئے تھے اور اُن کے گلے میں برہمنی یگیو پویت ڈالے ہوئے تھے۔ ہر چند کہ کشتی راج کی بیوی اس بات کے خلاف تھی تاہم اُس نے کال تیاگ کا آب حیات چھکنے کا ارادہ کر رکھا تھا تاکہ اس کی روح ان تکالیف سے نجات حاصل کر سکے۔

ات کرش کی تخت نشینی لوہرمیں

اُس نے اپنی سلطنت کلش کے ۱۲ھ دوسرے بڑے بیٹے ات کرش کو جو رانی رام لیکھا کا شیر خوار بچہ تھا دیدی۔ اس کے بعد یہ راج رشی عالم آدمیوں کے ساتھ تیرتھ یاترا کے لئے روانہ ہوا اور ایک بڑے پکے معتقد وشنو کی حیثیت میں کئی سال برکات امن حاصل کرنے کے بعد اس راجہ نے بالآخر چکر دھر میں وشنو سے وصال حاصل کیا (فوت ہوگیا) ۱۱۳ھ یہ اور راجہ بھوج دونوں خود پڑھے ہوئے اور شاعروں کے دوست تھے اور اُس زمانہ میں انکی اعلےٰ فیاضی کی یکساں دھوم مچی ہوئی تھی۔

راجہ اننت نے اپنے نو عمر پوتے اُت کرش کو تنونگ راج کے سپرد کیا

سپرد نہیں کیا تھا گو وہ مالگذاری وصول کرنے میں کافی ہوشیار تھا۔ اسی ضمن میں اس کی بہت کچھ تعریف کی گئی ہے کہ اس نے رعایا کی خیر خواہی کا اظہار کیا۔

ترنگ ۸ کے شلوک ۱۸۶ اور ۲۲۴ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ پاواگر کے افسر کا کام ٹیکسوں کی وصولی ہوتا تھا۔ آخرالذکر شلوک میں ایک پرائے اپوش کا ذکر آتا ہے جو برہمنوں نے چترارتھ نامی پاواگر کے افسر کے خلاف اس لئے شروع کر دیا تھا کہ وہ بہ اصرار ٹیکسوں کی وصولی میں مصروف تھا۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۱۹۶۴ میں اسی افسر کے متعلق یہ ذکر بھی آتا ہے کہ اس کے سپرد پاواگر اور دوارپتی کے عہدے بھی تھے۔

لفظی طور پر پاواگر کے معنے اس افسر کے ہو سکتے ہیں جو راجہ کے روبرو کھڑا ہو۔

جو اُس کے والد کے عمزاد بھائی (جس راج) کا بیٹا تھا۔ تنونگ نے لوہر کے علاقے کو خوب رونق دی اور جب اُت کرش نے بھی ہوش سنبھال لئے تو وہ کشمیر لوٹ آیا اور چکردھر میں انتقال کر گیا۔ اُس وقت تک اس ملک کے شاہی خاندان کے اراکین تمام باتوں میں عوام کی طرح ہوتے تھے۔ اور انکے تعلقات پر دغا بازی کا دھبہ نہیں پڑا تھا۔

اندوراج کے بیٹے بدھ راج کا ایک بیٹا سدھ راج تھا جس سے بہادر مدن راج پیدا ہوا۔ آخر الذکر کا بیٹا جندوراج ایک بڑا متکبر مزاج آدمی تھا۔ جب راجہ نے اُس کے ساتھ غیر دوستانہ سلوک کیا تو وہ اس کے علاقے کو چھوڑ کر چلا گیا۔ چونکہ وہ بڑا دلیر تھا اس لئے خودرانی نے جسے ڈامروں نے
۵۱۴ تنگ کر رکھا تھا اُسے واپس بلا بھیجا اور وزیر مقرر کر دیا۔ جندوراج نے دِگرام کے یک چشم ڈامر سوبھہ پر جس نے راجہ کو بہت کچھ تکلیف دی ہوئی تھی حملہ کیا اور آخر کار اُسے قتل کر ڈالا۔ اس پر راجہ نے اس مشہور و معروف سردار کو فوج کی کمان سپرد کر دی اور راجپوری اور دوسرے علاقوں کو خراج ادا کرنے پر مجبور کیا۔

۵۰۵ یہ ایک طریقہ تھا جس سے لوگوں کی پرائیویٹ جائداد کا اندازہ ہو سکتا تھا جیسا کہ ہندوستان میں آجکل رواج ہے بلاشبہ ایسے ہی قدیم کشمیر میں روپیہ لگانے کی بہترین صورت یہی ہوا کرتی تھی کہ سونے چاندی کے زیورات بنائے جاتے تھے۔

۵۰۶ چمپا زمانہ حال کی پہاڑی ریاست چمبہ کا قدیم نام تھا جس میں دریائے راوی کے تمام منبعوں کی وادیاں اور دریائے چناب سے سیراب ہونے والی قریب کی وادیاں شامل ہیں دیکھو کننگھیم صاحب کا جغرافیہ قدیم صفحہ ۱۴۱۔

پروفیسر کیل ہارن نے راجہ سال کے متعلق صحیح اندازہ لگایا ہے کہ یہ وہ سالواہن تھا

بلدر جو راجہ اننت کی حکومت میں جو مختلف غلطیوں کی وجہ سے ایک نازک حالت میں تھی سہارے کا کام دیتا تھا انہیں ایام میں مرگیا۔ مرتے وقت چکردھر میں راجہ نے جو معہ اپنی رانی کے اُس کے پاس تھا اُس سے نصیحت پوچھی اس نے جواب دیا "جلدی میں بے سوچے سمجھے ممالک غیر پر حملے نہ کیا کرو۔ ولا بور اور دوسرے مقامات پر تمہاری پیدا کی ہوئی مصیبتوں کو مجھے چالاکی سے دور کرنا پڑا جند وراج سے جو اعلےٰ ترین درجے تک پہنچ گیا ہے ہوشیار رہنا۔ جیا نند تمہارے اور تمہارے بیٹے کے درمیان تفرقہ پھیلائے گا"۔ اس کی نصیحت کو یاد رکھ کر راجہ نے بج کے ذریعے جس نے چالاکی سے جند ورلج کے ہتھیار رکھوائے تھے

جس کا ذکر انڈین اینٹی کوئٹی کی جلد ۷ صفحہ ۷ پر راجہ سوسور دیو کے پیشرو کی حیثیت میں آتا ہے آخرالذکر اسٹ کے عہد میں قتل ہوا تھا جس کا ذکر شلوک ۵۸۸ میں آتا ہے کہ وہ راجہ کلش کے ماتحت چمپا کا فرمانروا تھا۔

کنگھیم صاحب آرکی لوجیکل سروے رپوٹ جلد ۱۴ صفحہ ۱۱۴ میں بیان کرتے ہیں کہ کلہن نے ترنگ ۷ کے شلوک ۵۸۸ و ۱۵۱۲ اور ترنگ ۸ کے شلوک ۵۳۸ ـ ۱۰۸۳ و ۳۴۴۱ میں چمپا کے حکمران خاندان کے اراکین اور کشمیر کے ساتھ اُن کے تعلقات کا جو ذکر کیا ہے وہ راجگان چمبہ کی اُس روایتی فہرست سے مطابق ہے جو اُس خاندان میں اب تک محفوظ ہے۔

بلہن وکرمانک دیوچرت کے ادھیائے ۱۸ شلوک ۳۸ میں ذکر کرتا ہے کہ راجہ اننت کے تفوق کو چمپ۔ داروابھیار۔ ترگرت اور بھرتل (ورتل) میں تسلیم کر لیا گیا تھا کنگھیم صاحب جغرافیہ قدیم کے صفحہ ۱۴۱ پر ذکر کرتے ہیں کہ راجہ اننت نے ۱۰۳۲ء اور ۱۰۳۱ء کے درمیان چمپا پر حملہ کیا تھا لیکن یہ نہیں بیان کیا کہ اُسے ان سنین کا کہاں سے پتہ چلا ہے۔

اُسے قید خانہ میں ڈلوا دیا۔

کلش کی بد چلنی اس کے بعد کچھ عرصہ گذرنے پر راجہ کلش کو جس کا چال چلن صاف نہ تھا اُس کے نوکروں نے ایسے طریق زندگی پر آمادہ کر لیا جو صرف شریر لوگ ہی اختیار کرتے ہیں۔ خاندان شاہی کے چار مغرور راج پتر بج۔ پھتہ راج۔ پاج اور ایک اور اُس کے منظور نظر تھے انکے علاوہ خزانچی ناگ کا بیٹا جیا نند اس کا معتبر نوکر اور چالبازیوں کا معلم تھا۔ جب امر کنٹھ[515] نامی اعلٰے برہمن شوجی سے وصال حاصل کر گیا تو راجہ اُس کے بیٹے پرمد کنٹھ کا چیلا بن گیا۔ کچھ تو یہ فطرتاً خراب تھا کچھ اُس کے گوروں نے اُسے

یہ امر قابل ذکر ہے کہ گو اس کتاب میں جا بجا لفظ چھپا استعمال ہوا ہے تاہم اوپر جو حوالے دیئے گئے ہیں ان میں لفظ چمپکا آیا ہے۔

۵۰۷ کنگھیم صاحب نے جغرافیہ قدیم کے صفحہ ۱۳۵ پر صحیح طور پر لکھا ہے کہ ولاپور سے مراد بلاور ہے جو جموں کے مشرق میں نشیبی پہاڑیوں میں واقعہ ہے اُس وقت سے تھوڑی مدت پہلے جبکہ بلاور کا علاقہ جموں کی سلطنت میں شامل ہو گیا اس جگہ کے راجاؤں نے اپنا پایہ تخت دریائے راوی پر بسولی میں منتقل کر لیا تھا لیکن بلاور کا چھوٹا سا قصبہ اُن کھنڈرات میں جن کا ذکر ڈریو صاحب نے اپنی کتاب جموں کے صفحہ ۸۴ پر کیا ہے اپنی سابقہ عظمت کے نشانات لئے ہوئے موجود ہے۔

ولاپور کے مالک کلش کا ذکر دوبارہ ترنگ ۷ کے شلوک ۵۸۸ میں آتا ہے جہاں لکھا ہے کہ وہ ان پہاڑی راجاؤں میں سے ایک تھا جو ۱۰۸۷ء کے موسم سرما میں راجہ کلش والئے کشمیر کے دربار میں حاضر ہوئے تھے۔ بعد ازاں سسل کے عہد میں ہم دیکھتے ہیں کہ ولاپور کا پدمک معہ اپنے بیٹے آنند راج کے پہاڑی والیان ریاست کی اُس مجلس میں شریک ہوا تھا جنہوں نے کشمیر کے دعویدار بھکشاچر کی تائید کی تھی ترنگ کے

بد چلن بنا دیا۔ اور اُسے اسباب کی تمیز بھلا دی کہ کن عورتوں تک ہاتھ بڑھانا واجب ہے اور کن تک نہیں۔ اس گورو کی شرارت کے متعلق اس سے بڑھ کر اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ بے کھٹکے اپنی بیٹی کے ساتھ ناجائز تعلق رکھتا تھا۔ وہ عزت دار[۵۱۶] اور فاضل لوگ (بھٹ پاد) جو عظیم مراسم کے موقعہ پر بے خوف رہنا جانتے تھے اور اپنی طاقت سے باخبر اور دوسروں سے بے خطر ہونے کی وجہ سے بھیڑ تک کی پرواہ نہ کرتے تھے وہ بھی بلیون کے سوداگر[۵۱۷] کے سامنے خوف کے مارے زمین پر گرتے اور زانو جھکاتے تھے اور جب وہ اُن کے سر پر ہاتھ پھیر دیتا تو مطمئن ہو جاتے تھے۔ اس جگہ پہلے ایک خاص سوداگر رہا کرتا تھا جس کے پاس

شلوک ۶۲۲ میں ذکر آتا ہے کہ آگے چل کر اس راجہ کو سسل کے دشمن و لاپور سے راجپوری میں لے آئے تھے۔

دوسری طرف برہم مجبل نامی وفادار راج پتروں کی فہرست میں ولاپور کے ایک راجہ کا ذکر آتا ہے جس نے مشکلات میں سسل کی مدد کی تھی۔ یہاں پر مراد غالباً خاندان ولاپور کے کسی مورث سے ہے۔ سسل کی بیوی چیلا بھی ولاپور کی رہنے والی تھی دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۴۴۴۔ آخیر میں ترنگ ۸ کے شلوک ۲۵۴۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ راجہ جے سنگھ نے ایک کامیاب مہم کے بعد ولاپور کی حکومت وکرم راج سے لیکر گلہن کو دیدی تھی۔ کننگھم صاحب لکھتے ہیں کہ انہیں کلش کا نام خاندان بلاور کے شجرہ نسب میں ملا تھا۔ البرونی نے اپنی کتاب انڈیا کی جلد اصفحہ ۲۰۵ پر لکھا ہے کہ بلاور قنوج سے کشمیر جانے والی سڑک پر واقعہ ہے۔

۵۰۸ اصل کتاب میں لفظ اشترپوجا آیا ہے جس کے معنے وہ رسوم ہیں جو تلوار اور دوسرے ہتھیاروں کے اعزاز میں ادا کی جاتی ہیں اور آج تک ڈوگرہ یا راجپوت جماعتوں میں پائی جاتی ہیں۔

چونکہ ایک سیاہ بلی تھی اس لئے اس کا نام عرف عام میں بلیوں کا سوداگر ہی پڑ گیا تھا اور کوئی شخص اس کا اصلی نام نہ لیتا تھا۔ باوجود جاہل ہونے کے وہ دھوکے باز اور ایک طبیب اور گورو کی حیثیت میں اپنی فضیلت کی نمود کرنے والا تھا۔ رفتہ رفتہ اس نے رنگریزوں اور دوسرے پیشہ وروں کے گورو کی حیثیت قائم کر لی۔ اس سوداگر کے ہاتھ سے بلیوں کے فضلہ اور ہینگ کی بہت تیز بو آتی تھی۔ اور وہ عزت دار اور فاضل لوگوں کے سروں پر ہاتھ رکھ کر انہیں اطمینان اور آسائش دیا کرتا تھا۔ ایسے گورو جو ہر روز باوجود نکما کیریکٹر رکھنے کے دھواں دھار تقریریں کیا کرتے تھے اُن کی بدولت کلش اس طرح تاریکی میں مبتلا ہو گیا جس طرح دھواں کے

---

۵۰۹ بلہن نے وکرمانک دیوچرت کے ادھیائے ۱۸ شلوک ۴۷ تا ۵۰ میں کشتی راج والئے لوہر کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ بڑا فاضل اور مشہور نبرد آزما تھا شاعروں کی قدر کرتا تھا اور راجہ بھوج کے برابر شہرت رکھتا تھا۔ بلہن نے ایک فتح کا بھی ذکر کیا ہے جو اس راجہ نے راجپوری پر حاصل کی تھی اور اس کے علاوہ سنیاسیوں کے ساتھ اُس کے تعلق اور وشنو کی پوجا پر بحث کی ہے (بلہن کی نظم مذکورہ ادھیائے ۱۸ شلوک ۴۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ کشتی راج رانی سوریہ متی کا بھائی تھا اور اس کے لئے لفظ بھراتا استعمال کیا ہے۔ لیکن مذکورہ بالا شلوک کی طرح اس جگہ بھی اس لفظ کے معنے عمزاد بھائی ہی کے لینے چاہیئے)۔

۵۱۰ نیل پور کے متعلق کوئی مزید حالات معلوم نہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کیا اسے اس مقام کے ساتھ منسوب کیا جا سکتا ہے جسے بپ نیل کہتے ہیں اور جس کا ذکر ترنگ ۸ کے شلوک ۱۹۸۹ و ۱۹۹۳ میں آیا ہے یہاں کے حکمران کیرتی راج کا ذکر ایک بار اور آگے چل کر ترنگ ۷ کے شلوک ۵۸۴ میں آتا ہے۔

۵۱۱ بھاگوت ایک قدیم وشنوی فرقے کے معتقدوں کا نام ہے۔

بادلوں کے ذریعے دن - ایک شخص چمک نامی اِدھر اُدھر پھر کر بانسری بجایا کرتا تھا اور وہ عورتوں کو بے حد بگاڑنے والا تھا - رات کے وقت اُسے اُن دوسرے موسیقی دانوں کے ساتھ ملا کر رکھا جاتا تھا جو رات کو بہت دیر تک جاگتے رہتے تھے۔ بہت زیادہ کھانا کھاتے تھے - ناقابل انہضام گوشت کو بذریعہ استفراغ خارج کر کے بدبو پھیلاتے تھے اور اس اعتبار سے بدررو سے مشابہ تھے کہ اُن کے حلق میں سے شراب کی ندیاں ویسی ہی جلدی اندر کو بہ جاتی تھیں جس طرح رفع حاجت کے بعد وہ پانی جس سے آبدست لیا جائے بدرو میں جلدی سے بہ جاتا ہے۔ بحالت نشہ ہلدر کا بیٹا کنک اُس سے ناراض ہو گیا اور اُسے ایک بلی سے بندھوا کر نوکروں سے

۵۱۲ بلہن اپنی کتاب وکرمانک دیوچرت کے ادھیائے ۱۸ شلوک ۷۶ میں ات کرش کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے کہ وہ لوہر پر جہاں کسی زمانے میں کشتی پتی کا ڈنکا بجا کرتا تھا قابض تھا اور اس نے زمین کو نزدیک و دور نے ملیچھوں کے نقش قدم سے پاک کیا - دیکھو پروفیسر بوہلر کی انٹروڈکشن صفحہ ۱۰

بعد میں اُت کرش کے تخت کشمیر پر قابض ہونے کے متعلق دیکھو ترنگ شلوک ۲۰۳

۵۱۳ یہ شلوک بلہن کی کتاب وکرمانک دیوچرت ادھیائے ۱۸ کے شلوک ۴۴ سے بالکل ملتا ہے جس میں اس نے کشتی راج کی تعریف کی ہے نیز دیکھو نوٹ ۵۰۹ وغیرہ ۱۸۰ کتاب ہذا -

۵۱۴ دگرام کا ذکر سوائے اس کے اور کسی مقام پر نہیں آیا - یہ امر اغلب معلوم ہوتا ہے کہ یہ وے گام کے جدید موضع کا نام ہو گا جو سوپیاں کے مغرب میں ریمبیار کے بائیں کنارے پر قریباً ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر واقعہ ہے وے گام کے جنوب میں چند سو گز کے فاصلے پر کپال موچن کا مشہور و معروف مقدس چشمہ ہے جس کا نام نقشے پر نگ بل لکھا ہوا ہے اس تیرتھ کے مہاتم میں اس جگہ کا نام دوی گرام آیا ہے اور اس نام کے

اس کی ناک کٹوا دی۔ اس چاپلوس کے بدشکل ہو جانے سے بدشگونی ثابت ہونے کی توقع تھی مگر رفتہ رفتہ وہ نئے راجہ کا دوست بن گیا اور اُس کے لئے دلال کا کام دینے لگا۔ راجہ کا منظور بن کر اس انسانی مرغے نے مشیروں میں جگہ حاصل کر لی اور اُسے ٹھکر کا خطاب دیا گیا۔[۵۱۵] جس طرح شہرت پا کر اس نے بہت جلد اپنے خاندانی تعلق (ونش) کو کاٹ ڈالا تھا کیونکہ اس سے اُس کی ذلت ہوتی تھی ویسے ہی یقیناً وہ اس وقت خوش ہوا ہو گا جب کہ اس کی ناک کی کوٹھی (ناش ونش) کاٹی گئی تھی۔ اس شخص نے راجہ کے اندر شرارت کا جو جذبہ پیدا کر دیا تھا اس میں آ کر اس بیشرم راجہ نے جو جو افعال کئے ہر چند کہ وہ ناقابل

متعلق ایک بڑی دلچسپ روایت بیان کی جاتی ہے پنڈت صاحب رام نے اپنی تیرتھ سنگرہ میں اس جگہ کا نام دوبی گرام ہی لکھا ہے اس تیرتھ کے متعلق قدامت ظاہر کرنے والی کوئی خاص بات نہیں۔

۵۱۵ کیٹا لوگس کیٹا لوگوم میں ایک امر کنٹھ کا ذکر آتا ہے جس کے متعلق مذکور ہے کہ اس نے شومت کے مہم نہ ستو تر کی شرح لکھی تھی۔

۵۱۶ جیسا کہ آئندہ سطور میں معلوم ہوتا ہے کلہن کا اشارہ ایک تاجر کی طرف ہے جس نے اپنے عطائی طریقوں اور دوسرے دھوکے بازی کے ذرائع سے صیغۂ تنتر میں گرو کی شہرت حاصل کر لی تھی۔ یہ بات کہ آخر الذکر کے متعلق رسوم کا اس جگہ بیان کیا گیا ہے لفظ سمے سے واضح ہوتی ہے جو اکثر تنتر کی کتابوں میں ادائیگی رسم کے معنوں میں استعمال ہوا ہے اور نیز بھیروں کے ذکر سے۔ اب تک کشمیر میں اس قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں جو تنتر ودیا میں مہارت رکھتے ہیں یا مہارت رکھنے کا دعوےٰ کرتے ہیں۔ اور یہ منتروں کے ذریعے لوگوں کا علاج کرنے کا دعوےٰ کیا کرتے ہیں۔

۵۱۷ اس جگہ اس عجیب طریقے کا جس میں اس تاجر نے یہ نام حاصل کیا تھا جو ذکر

بیان ہیں تاہم اُن کا ذکر اس جگہ اس لئے کیا گیا ہے کہ اُن کا اس داستان سے تعلق ہے۔ چونکہ اُسے دوسروں کی بیویوں کی عصمت دری کی خواہش لگی رہتی تھی اس لئے وہ راجہ کی بہن کلشا اور اس کی بھانجی ناگا پر بھی ہاتھ صاف کئے بغیر نہ رہا۔ جب بوڑھے راجہ اور اس کی رانی کو اسبات کی خبر ملی تو انہوں نے مارے شرم کے سرزنش کرنی مناسب نہ سمجھی اور اپنے غصے کو جذب کر گئے۔ ایک شریر برہمن لوشٹک نامی دیہاتی جو تنشی تھا جو موضع اودنا[۵۱۷] میں پیدا ہوا تھا اور مٹھی مٹھی بھر چاول مانگتا پھرا کرتا تھا۔ رات کے وقت پھرتے ہوئے اُسے کشتیر پال (ایک بڑے جن) کی مدد حاصل ہو گئی جس سے وہ اس قابل ہو گیا کہ لوگوں کی بند مٹھی کی

کیا گیا ہے وہ اس اعتبار سے موجب دلچسپی ہے کہ یہ اُن طریقوں کے ساتھ مطابقت کھاتا ہے جو آجکل کشمیر کے اہل شہر میں عرفی نام مقرر کرنے کے بارے میں مروج ہیں مسٹر لارنس اپنی کتاب ویلی کے صفحہ ۳۱۰ پر بجا طور سے بیان کرتے ہیں کہ شہر میں کرام نام بالکل ایک عرفی نام ہوتا ہے چنانچہ سری نگر کے برہمنوں اور مسلمانوں میں شخصی عادات پیشوں اور مقامات کے لحاظ سے بہت سے جانوروں کے نام لوگوں کے عرف کے طور پر استعمال ہوتے ہیں مثلاً برور (بلی) گگور (چوہیا) ہُنڈ (بھیڑ) شال (گیدڑ) پنسر (بندر) وغیرہ۔

۵۱۸ٹھکر ایک ایسا خطاب ہے جو اس تاریخ میں صرف چند ایک راجپوت شرفا کے متعلق استعمال ہوا ہے جو غالباً جنوب کشمیر کے پہاڑی علاقوں کے باشندے تھے۔ دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۵۳۵ - ۷۰۶ - ۷۸۰ - ۱۰۴۰ - ترنگ ۸ شلوک ۱۸۲۸ - ۱۹۴۲ - ۱۹۸۹ - ۲۲۲۳ - ۲۲۷۸ - آجکل ٹھاکر کا لفظ اُن علاقوں کے خاص کاشتکار جماعتوں کے لوگوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یہ جماعت راجپوتوں سے دوسرے نچلے درجہ پر ہے۔

جیزیں بتا سکتا تھا۔ اس اعتبار سے اس کا نام مشٹی لوشٹک پڑگیا۔ ایک گورو دلال اور جوتشی کی حیثیت میں نوجوان عیاش راجہ اس سے بہت محبت کرتا تھا۔ بھٹارک مٹھ کا منتظم عابد فقیر دیومشو نامی تھا جس نے کُہر کھٹ[۵۲۰] کا خطاب حاصل کرنے کے لئے بہت سی ریاضت کی تھی۔ پوجا کے وقت کے لئے اس نے مم نامی ایک اندھا موسیقی دان رکھا ہوا تھا جس کے پاس اونتی پور کا مدن نام ایک پاجی برہمن ملازم تھا اور جو اُسے ہاتھ سے پکڑ کرلے جایا کرتا تھا۔ جب آخرکار اس نے مم کی نوکری چھوڑ دی تو دیومشو نے اُسے اپنے پاس لے لیا۔ مدن کے پھٹے ہوئے بھنگ[۵۲۱] کے ریشوں کے بنے ہوئے کپڑے بدل کر اس نے اُسے پھوگ دیکر راجہ کے دربار میں بھیجا۔ جس پر وہ گپی شخص دلالوں کی بُری صحبت

۵۱۹۔ ایک ٹیکا کار کا خیال ہے کہ موضع اودنا سے مراد جدید موضع اوین سے ہے جو پامپر کے شمال مشرق کی طرف قریباً تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ مخفی نہ رہے کہ پامپر اور پدم پور دونوں مترادف نام ہیں۔ وگنی صاحب نے اپنی کتاب ٹریوس کی جلد ۲ صفحہ ۳۴ پر اس کے گرم چشمے کا ذکر کیا ہے۔

۵۲۰۔ معلوم نہیں کُہر کھٹ سے اس جگہ کیا مراد لی گئی ہے سٹائن صاحب خیال ظاہر کرتے ہیں کہ اس کا لفظ کمار کھود بمعنی جادو سے جس کا ذکر نوٹ ۲۲۳ کتاب ہذا میں آچکا ہے کچھ تعلق نہ ہوگا۔

۵۲۱۔ بھنگ کشمیر میں بکثرت پیدا ہوتی ہے اور اس سے ایک نہایت عمدہ ریشہ نکلتا ہے جس سے مضبوط اور پائدار رسیاں تیار کی جاتی ہیں۔ دیکھو لارنس صاحب کی کتاب ویلی صفحہ ۶۹۔ سٹائن صاحب لکھتے ہیں کہ جدید تحقیق سے معلوم ہے کہ اب اس ریشے کے کپڑے نہیں بنائے جاتے ترنگ ۸ کے شلوک ۹۲ میں ذکر آتا ہے کہ جیل خانے میں قیدیوں کو بھنگ کے کپڑے پہنائے جاتے ہیں۔

میں مل گیا اور بہت جلد راجہ کا گہرا رازدار بن گیا۔ ان اور انکے علاوہ دوسرے خوشامدی چاپلوسوں نے اسے اسقدر دھوکے میں ڈالا اور اوباش بنا دیا کہ کلش گناہوں کو بھی نیکیاں جاننے لگ گیا۔ جن شخصوں کے لئے وہ باتیں جن کے سننے سے انسان کو حیا آجائے معمولی تمسخر کا درجہ رکھتی ہوں۔ جو رعایا پر تشدد کرنا درست خیال کرتے ہوں۔ جن کے نزدیک بیشرمی ایک عزت ہو جو اُن عورتوں کے ساتھ جن کے پاس جانا اُن کے لئے ناواجب ہو ناجائز تعلق رکھتے ہوں۔ اور جو بدمعاشوں کی زبانی بُرے الفاظ سُنکر انہیں دیانتداری پر محمول کریں ایسے شخصوں کے لئے کوئی کام بھی بُرا نہیں رہتا۔ نہ وہ اس کی بُرائی کو پہچان کر اُس سے بچ سکتے ہیں۔ اس راجہ کو اپنی رانیوں کی بغلگیری سے بالکل خوشی حاصل نہ ہوتی تھی اور وہ ناجائز عشق کی دھن میں رات کے وقت گھر بہ گھر پھرا کرتا تھا۔ دوسروں کی بیویوں کے ساتھ لطف عیش حاصل کرنا جس میں خاص خوشی محض یہ ہوتی ہے کہ انسان کو دوسروں کا آسرا تلاش کرنا پڑتا ہے ایسے شخصوں کے لئے جو ناپاک جذبات سے بھرے ہوئے ہوں بعینہٖ ہی وہ کام دیتا ہے جیسے خواہش کی جلتی آگ پر گھی ڈالنا۔ ان پانچ دلالوں کو کام میں لگا کر راجہ بوقت شب ناجائز عشق کی دھن میں لگا ہوا جندوراج کے مکان پر پہنچا۔ جندوراج کی بہو ایک بڑی اوباش عورت تھی اور اُس نے اس رات راجہ کلش سے اپنے مکان پر ملنے کا وعدہ کر رکھا تھا۔ جس وقت وہ دروازے کے اندر داخل ہوا کتے بھونکنے لگ گئے۔ جسپر چنڈال چوکیدار یہ سوچ کر کہ چور آ گئے ہیں تلوار کھینچکر اسپر حملہ آور ہوئے۔ جب راجہ کے ہمراہیوں نے دیکھا کہ چنڈال اسپر وار کرنے والے ہیں اور وہ مارے خوف کے زمین پر گر پڑا ہے تو اُنہوں نے اُس کے جسم کو اپنے جسم آگے کر کے چھپا لیا اور اس طرح اس کی جان بچائی۔ جب چنڈال اُسے مُکے مار رہے

تھے تو نوکروں نے بمشکل انہیں یہ کہکر راجہ کو چھوڑوایا "ہٹو ہٹو یہ تو راجہ کلش ہے" چونکہ اس نے خود اس عورت کے پاس جانے سے پہلے نکٹے[۵۲۲] کو اسکے پاس بھیجا تھا اسی وجہ سے اُسے اس معاملہ عشق میں یہ مصیبت پیش آئی۔ وہ اپنی معشوقہ کی نگاہوں کا غلام ہوکر مکان سے روانہ ہوا تھا لیکن آگے گیا تو موت سے دوچار ہونا پڑا اور آخرکار قسمت نے اُسے اُس حالت سے نجات دی۔

ہرچند کہ وہ راجہ تھا تاہم بعید از اخلاق کام کرنے کی وجہ سے اُسے اپنے من کی خرابیوں کے باعث اُن لوگوں کے ہاتھوں ذلت اُٹھانی پڑی جنہیں چھوا تک نہیں جاتا۔ جبکہ جذبات نے اندر چندر اور دوسرے دیوتاؤں کو شرمسار کیا ہے تو کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ انسان کی عزت اِن کے ہاتھوں بچی رہے؟ پہلے ہلکی بیعزتی نمودار ہوتی ہے۔ اس کے بعد قابل الزام عیاشی۔ پہلے راست شعاری دور ہوتی ہے اس کے بعد موروثی ذاتی اعزاز۔ پہلے انسان کی نیک پیدائش مشتبہ بنتی ہے اور اُس کے بعد اس کا عہد زندگی۔ فی الحقیقت جب قابل عزت کیریکٹر جسے پارس پتھری کہا جائے تو بجا ہے زائل ہو جاتا ہے تو کونسی چیز بدتر نہیں ہوتی۔

کلش ورانت کا بگاڑ اسی رات جب عیاش راجہ محل میں پہنچا تو اُس کے والدین نے سُن لیا کہ کیا واقعہ ہوا ہے۔ انہیں اپنے بیٹے سے محبت تھی۔ جس کی وجہ سے مارے شرم اور دُکھ کے وہ عرصہ دراز تک روتے رہے۔ اور آخرکار انہوں نے فیصلہ کرلیا

[۵۲۲] نکٹے سے مراد چنگ ہی سے ہے جس کا ذکر قبل ازیں شلوک ۳۸۹ میں آچکا ہے رگھونیس کے کانڈ ۱۲ شلوک ۴۳ میں ذکر آتا ہے کہ بد نما شکل ضرور مصیبت لانے کا باعث ہوتی ہے۔ اس شلوک میں غالباً اسی خیال کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

کہ اُسے اُس کے عیوب کی وجہ سے قید کردیا جائے۔ رات بھر وہ اسی خیال میں لگے رہے کہ اپنے سب سے بڑے پوتے ہرش کو جو رانی بپکا کا بیٹا تھا اور تمام علوم میں مہارت رکھتا تھا تخت پر بٹھایا جائے۔ جب صبح کے وقت انہوں نے راجہ کلش کو بلوا بھیجا تو اس نے ڈرتے ڈرتے بج اور جیانند سے کہا کہ مجھے اپنے باپ سے خوف آتا ہے۔ اسی حالت میں جیانند اُسے ہاتھ سے پکڑ کر اُس کے والد کے کمرے تک لے گیا اور اُس کے پیچھے پیچھے بج گیا جونہی وہ اندر داخل ہوا اُس کے باپ نے تھپڑ مار کر کہا "بدذات اپنا خنجر رکھدے"۔ مارے خوف کے کلش کے اعضا کانپنے لگے لیکن بج نے اُسے اپنے ہاتھ سے سہارا دیا۔ اور تلوار پر ہاتھ رکھ کر مستقل ارادے کے ساتھ راجہ سے کہا "مہاراج! گو آپ عزت دار آدمیوں میں سب سے اعلےٰ درجہ رہتے ہیں تاہم کیا آپ کو یہ معلوم نہیں کہ عزت دار آدمیوں کو اپنا ذاتی اعزاز برقرار رکھنے کا عہد عظیم کبھی نہ توڑنا چاہیئے۔ کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں ایک راج پتر کی حیثیت میں تنخواہ لیتا اور ہتھیار لگاتا ہوا اس وقت تک اپنے آقا کو اس حالت میں چھوڑ دوں جب تک کہ میرے اندر جان ہے۔ آپ باپ ہیں۔ یہ بیٹا ہے۔ مہاراج کسی اور وقت جبکہ میں موجود نہ ہوں جو کچھ آپ کے جی میں آئے کیجئے گا"۔ سادہ لوح راجہ کو اس قسم کے الفاظ کے ساتھ جن کے اندر نازک احساس اور گنوارپن دونوں باتیں موجود تھیں مضطرب کر کے بج معہ کلش کے وہاں سے چلا آیا۔ دانا آدمی بج کی فوق الفطرت دلیری کی تعریف کرتے تھے کہ اس نے اننت دیو کے سامنے اس قسم کی کارروائی کی ہے۔ اٹل واقعات کے مغلوب کرنے والے زور سے مجبور ہو کر رانی اُس روز خاموش دعا میں محو رہی۔ اگر وہ خود اُس روز کچھ کرتی تو یقیناً دو میں سے ایک بات ضرور ہوتی۔

یعنی یا تو کلش بالکل تباہ ہو جاتا یا اُسے قید کر دیا جاتا۔ بج کانپتے ہوئے کلش کو جلدی سے رانی دلہا کے کمرے میں لے گیا۔ یہ چالاک عورت ہر چند کہ جانتی تھی کہ کیا واقعہ ہوا ہے تاہم اس نے یہ کہہ کر کہ میرے شوہر کو دردِ سر کی شکایت ہے کلش کے سر پر تیل ملنا شروع کر دیا۔ اس بہلانے سے سب لوگوں کو داخل ہونے سے روک کر اس نے اپنے خاوند کو چھپائے رکھا اور بج کو دروازے پر محافظ مقرر کر دیا۔ رانی سوریہ متی جب اپنے مراقبے سے فارغ ہوئی تو اس نے راجہ کو سخت سُست الفاظ کہے اور اس کے بعد اپنے بیٹے کی صحت معلوم کرنے کے بہانے اس کے پاس گئی مگر جب راجہ بھی اسی طریقے پر کلش کو قید کرنیکا پختہ ارادہ کر کے گیا تو بج نے اُسے اکیلے ہی اندر داخل ہونے دیا۔

اننت وجے کشتیر میں چلا گیا راجہ کو اس بات پر بہت غصہ آیا کہ میرے ہمراہیوں کو داخل نہیں کیا گیا اور وہ ناراض ہو کر وجے کشتیر کو چلا گیا لیکن جب وہ معہ اپنی رانی کے اونتی پور میں جو راستہ پر تھا پہنچا تو وشہ وٹ اور دوسرے مقامی برہمنوں نے اُس کے پاس جا کر کہا ”مہاراج جبکہ آپ خود اپنے اختیارات کو ہاتھ سے دے چکے ہیں تو اب کس لئے پچھتاتے ہیں؟ بھلا بُرا جو کچھ ہو چکا ہے اُس کے لئے افسوس کرنا فضول ہے۔ آپ کے لئے نامناسب ہے کہ اپنے بیٹے پر الزام دیں کیونکہ آپ کو یاد ہوگا آپ نے خود رعایا کو اس کی شرارتوں کا شکار بنایا تھا۔ ایک مصنوعی بنی ہوئی گڑیا کی مانند راجہ کے اندر بالکل قوت موجود نہیں ہوتی اُس کا اچھا یا بُرا ہونا رعایا کی خوش قسمتی یا بد قسمتی پر منحصر ہے۔ بادل درختوں پر بارش اور بجلی دونوں چیزیں پہنچاتے ہیں اور یہ سابقہ زندگی کے نیک و بد افعال کی جزا و سزا ہے اور یہ کیونکر درست ہو سکتا ہے کہ آپ آرام حاصل کرنے کے لئے روانہ

ہوتے وقت اپنے خزانے کو پیچھے چھوڑ چلے ہیں کیونکہ پیچھے آپ کا بدچلن بیٹا موجود ہے۔ کون ایسے شخص سے تعلق رکھنا منظور کریگا جس کے پاس وسائل (کوش) موجود نہوں گو اُس کی قابلیتیں ایسی ہوں کہ انہیں اعلےٰ درجہ (دہاما) تک پہنچایا جاسکے اور گو اُس کا خاندان (ونش) شریف اور اُس کا چال چلن پاک ہو۔ ایسے ہی کون اُس تلوار کو چھونا پسند کرسکتا ہے جس کا نیام (کوش) موجود نہ ہو گو اُس کے پھل میں طاقت (دھاما) ہو۔ اُس کا قبضہ (ونش) اچھا ہو اور وہ بالکل بے داغ (شُچی مان) ہو" ان الفاظ کو سنکر راجہ نے لوٹنے کا ارادہ کرلیا اور وہ اسی سوچ میں تھا کہ اس کا بیٹا معہ اپنی بیوی کے اُسے منانے کے لئے آیا۔ وہ شہر کو واپس چلا گیا۔ سوائے شاہی محلات کے اُس کی تمام چیزیں لے لیں۔ اور نہ بُجھے ہوئے غصے کے ساتھ واپس روانہ ہوا۔ وہ اپنے ساتھ گھوڑے۔ ہتھیار۔ زرہ اور دوسری چیزیں لیکر چل پڑا اور اس کے بعد رانی کے انتظار میں تھوڑی دیر کے لئے دریا کے کنارے بیٹھ گیا۔ رانیوں نے اپنی اپنی چیزیں تختۂ جہاز پر رکھدیں اور چلتے وقت محل کی دیواروں میں لوہے کی میخ تک نہ چھوڑی۔ ان واقعات سے بے خبر ہونے کی وجہ سے لوگ پہلی مرتبہ تو بوقت روانگی خاموش رہے تھے لیکن اب جب انہیں معلوم ہوا کہ کیا ہو رہا ہے تو انہوں نے آہ وزاری کرنی شروع کردی۔ لوگ جو آنسو بہاتے تھے[۵۲۳] معلوم ہوتا تھا کہ وہ ان کی صورت میں کوئی ہدیہ پیش کر کے اپنی خطاؤں کی معافی چاہتے ہیں۔ سارا شہر اُن کے آگے پھولوں کی مٹھیاں بھر بھر کر پھینک رہا تھا۔ سڑک پر سوائے ان دردناک آوازوں

---

۵۲۳ اس جگہ اہل شہر کی آنکھوں کو ارگے اور اُنکے آنسوؤں کو ارگے کے پانی سے تشبیہ دیگئی ہے۔ مخفی نہ رہے کہ پوجا کے اختتام پر دیوتاؤں کو پھول چڑھا کر ارگے کے ذریعے پانی دیا جاتا ہے اور یہاں پر مصنف کا اشارہ اسی طرف ہے۔

کے اور کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ "اے بابا! اے پتا! تم اس طرح کہاں جارہے ہو؟" جب اِدھر اُدھر سے سڑک پر سے آہ وزاری کی آوازیں بند ہوئیں تو موجوں کی آواز اس طرح سنائی دینے لگی گویا پہاڑ آہیں سرد بھر رہے ہوں۔ سڑک پر ان کی آہ وزاری سُنکر اُن کے کان ان آوازوں کے اسقدر عادی ہوچکے تھے کہ تنہائی میں بھی انہیں رہ رہ کر یہی آواز آتی تھی۔ لوگوں نے جب سڑک پر انہیں اپنے بیٹے کی خطا کے باعث اس حالت کو پہنچا ہوا دیکھا تو وہ اُن پرندوں کو بھی لعنت ملامت کرنے لگے جو درختوں پر بیٹھے تھے کہ اُنہوں نے کیوں اپنے بچوں کی پرورش کی ہے۔ اپنے بیٹے کی بدچلنی کے باعث انکے دلوں میں بے حد غم وغصہ تھا۔ آخر کار جب انہوں نے وجیشور کا مندر دیکھا تو اُن کے دلوں کو ویسی ہی خوشی حاصل ہوئی جس طرح کسی کو اپنا پیارا رشتہ دار دیکھ کر ہوتی ہے وہ دن انہوں نے وہیں گذارا۔ اپنے خزانے۔ گھوڑے۔ نوکر اور دوسری چیزوں کو ٹھکانے پر رکھا اور دوسری ضروری تیاریاں کیں۔ اُس جگہ میں جہاں اُنکے خزانے کی تھیلیوں کا ڈھیر پڑا تھا منڈیاں ایندھن کی گیلیوں[۵۲۴] سے ڈھپی ہوئی نظر آتی تھیں۔ تنونگ راج۔ گنگ اور دوسرے رشتہ داروں کے بیٹے اننت کے ہمراہ گئے اور ایسے ہی سوریہ ورم چندر اور دوسرے

۵۲۴ اصل کتاب میں لفظ گنڈالی استعمال ہوا ہے جس کے معنے کشمیری زبان میں ایک ٹیکا کار نے گنیر یعنی لکڑی کی گیلی کے لئے ہیں۔ سٹائن صاحب کو چونکہ اصل سنسکرت لفظ کے معنے کسی لغات سے نہیں مل سکے اس لئے انہوں نے اس ٹیکا کار کی شرح کے مطابق ہی معنے لکھ دیئے ہیں لیکن یہ تشبیہ اس صورت میں زیادہ واضح ہوسکتی ہے کہ ہم فرض کرلیں گنڈالی سے مراد اوپلوں وغیرہ سے ہو بہر نوع ہمارے اس خیال کی کسی خاص طریقے پر تصدیق نہیں ہوتی۔

ڈامر بھی۔ راجہ نے کشیر بھوپ اور دوسرے ڈامروں کو اپنی اپنی جگہ نونگار[۵۲۵] وغیرہ میں متعین کر کے اپنے آپ کو محفوظ کر لیا۔ مشہور و معروف راجہ اننت نے تمام تفکرات چھوڑ دیئے اور وجیشور میں اُس کے دن بڑی خوشی سے کٹنے لگے۔ راج پتر۔ سوار۔ سپاہی اور ڈامر سب پورانے راجہ کے پاس رہنے لگ گئے۔ چونکہ وہ لوکک سمت ۴۱۵۰ (۱۰۷۹ء) کے ماہ جیٹھ میں سری نگر سے روانہ ہوا تھا اس لئے وجے کشیتر میں پہنچکر اُسے بہشت کا لطف آیا۔

دوسری طرف کلش نے راجہ کے رخصت ہونے کے بعد دیکھا کہ زمین کی ساری دولت اس طرح زائل ہو چکی ہے جس طرح محافظ سانپ کے چلے جانے کے بعد چھپے ہوئے خزانے کی جگہ خالی نظر آتی ہے۔ اپنے عہد حکومت کو چمکدار بنانے کے لئے ہر چند کہ اُس کے پاس وسائل موجود نہ تھے تاہم اس نے بج اور دوسروں کے ساتھ مشورہ کر کے عزت دار شخصوں کو سرکاری اہلکار بنا دیا۔ جیانند کو وزیر اعظم (سروادھی کار) کا عہدہ دیا اور وراہ دیو کو جو موضع وتشتا ترکا رہنے والا تھا دوار پتی بنا دیا۔ اسی طرح وجے متر جو جند راج کے عہد کمان افسری میں کپڑوں کا منتظم تھا کمانڈر انچیف بنا۔

کلش کا حملہ اننت پر } دوسروں کو بھی ان کی قابلیتوں کے مطابق

---

۵۲۵ نونگر اس پہاڑی سطح مرتفع کا نام ہے جس کا نام آجکل نونگر او در مشہور ہے اور جو جنوب مشرق سے شمال مغرب کی طرف دریائے وتشتا کے بائیں کنارے پر پھیلی ہوئی ہے دیکھو وگنی صاحب کی کتاب ٹریوس جلد ۲ صفحہ ۳۹۔ وج برور (وجیشور) اور سری نگر کے درمیان دریا کے بائیں کنارے جس قدر سیدھی سڑکیں ہیں اُن سب پر اس سطح مرتفع کا اقتدار ہے آگے چل کر صرف ایک مرتبہ ترنگ ۸ کے شلوک ۵۹۵ میں اس کا ذکر آتا ہے۔

سرکاری عہدے دینے کے بعد کلش اس مطلب کے لئے سرمایہ جمع کرنے لگا کہ اس کا ارادہ اپنے باپ سے جنگ کرنے کا تھا۔ جیانند چونکہ پیادہ فوج جمع کرنا چاہتا تھا اس لئے اس نے دولت مندوں سے روپیہ قرض لیا اور اس بات کی پرواہ نہیں کی کہ وہ عزت دار ہیں یا بے عزت۔ پیادہ فوج جمع کر کے وہ بج اور دوسرے راج پتروں کی ایک جماعت ساتھ لیکر بڈھے راجہ کے ساتھ لڑائی کرنے چلا۔ اس اثناء میں جندو رلج بھی اپنے قید خانے سے نکل آیا تھا اور کلش نے اُسے اس موقعہ سے فائدہ اُٹھانے کے لئے رضامند کر لیا تھا اب وہ شمکا کے راستے حملہ کرنے بڑھا۔ ڈامروں۔ سواروں اور اُن لوگوں نے جو بڈھے راجہ کے طرفدار تھے جب ان لیڈروں کی کوششوں کا ذکر سنا تو انہیں جوش آگیا اور وہ شوق کے ساتھ اُس کے حامی بن گئے۔ وجیشور کا سارا میدان جو چتر شاہی سے ڈھپا ہوا تھا اور اس طرح پر ایک جنگل (چتر چھایا توی) سے مشابہ تھا اس وقت تنگ ہو گیا جبکہ اس میں وہ سوار جمع ہوئے جن کے گھوڑے سامنے رکھا ہوا گڑ (رنہاری) کھا رہے تھے بڈھا راجہ نہایت طیش میں آگیا لیکن سوریہ متی کو چونکہ اپنے بیٹے کی ماتا تھی اس لئے اس نے اپنے شوہر سے بمشکل دو دن کے التوائے جنگ کی مہلت حاصل کی۔ رات کے وقت اس نے مٹے اور دوسرے معتبر برہمنوں کو روانہ کیا اور ماتا میں آکر ان کی زبانی اپنے بیٹے کو ذیل کا خفیہ پیغام بھیجا۔

"اے بیٹا! تمہارے من میں یہ کیسا انقلاب واقعہ ہوا ہے کہ تم اپنے باپ کے ساتھ جس کی بہادری خوفناک ہے لڑنے پر آمادہ ہوئے ہو؟ یاد رکھو کہ اس سے تمہاری تباہی کا اندیشہ ہے۔ کیا وجہ ہے کہ تم ایک پتنگے کی طرح اُسکے غصے کی آگ میں داخل ہونا چاہتے ہو۔ جس نے محض تیوڑی پر بل ڈال کر دردوں کے

راجہ اور اپنے دوسرے مخالفوں کو تباہ کر ڈالا تھا؟ راجہ آگ کی مانند ہے جب وہ ایک بار گھوڑے پر سوار ہو گیا تو پھر تمہاری فوجوں کو جو گھاس کی مانند ہیں کون بچائے گا؟ تمہاری فوجوں کی کیا ترتیب - کیا بہادری ہو رکیا وسائل ہیں جنگی بلکہ پر تم حماقت سے اُس شخص کے ساتھ جو سب میں زیادہ مضبوط ہے لڑنے آگئے ہو؟ قسمت کی مرضی کے مطابق وہ ساری سلطنت تمہیں دے آیا ہے۔ تم اس میں خوشی مناؤ۔ تمہارے والد کے ایک مقدس مقام پر رہنے سے تمہیں کیا نقصان پہنچتا ہے؟ اس خوفناک طریقے پر لوگ تمہارے درمیان نفاق ڈلوانا چاہتے ہیں ان کے سکھے سکھائے تم جو پہلے ہی غریب ہو بالکل محتاج ہو جاؤ گے۔ اپنی فوجوں کو واپس لے جاؤ۔ جب تک میں زندہ ہوں تمہیں اپنے باپ کی طرف سے کچھ خوف نہیں۔ بلکہ وہ چونکہ راست شعار ہے اس لئے تمہیں واجب ہے کہ حلیمانہ الفاظ کے ذریعے اس کی ناراضگی رفع کرو۔"

کلش کی واپسی } جب بیٹے نے قاصدوں کی زبانی اپنی ماں کی طرف سے یہ خفیہ پیغام سُنا تو اس نے رات ہی رات میں تمام اطراف سے فوجیں ہٹالیں اور واپس چلا گیا۔ جب رانی نے فوجوں کی واپسی کا ذکر سُنا تو وہ صبح کے وقت اپنے شوہر کے پاس جسے قاصدوں نے یہ خوشخبری سنائی تھی گئی اور اُسے لعنت ملامت شروع کر دی۔ ہر چند کہ رانی نے انکے باہمی جھگڑوں کو بند کر دیا تھا تاہم شریر لوگوں کے سکھلائے پڑھائے انکے من میں پھر رہ رہ کر ابال آجاتا تھا۔ جس طرح گیلا کپڑا باوجود بار بار مرمت کرنے کے پھٹتا جاتا ہے ویسے ہی دشمنی کا یہ خاصہ ہے کہ گو اسے دبا یا جائے تاہم وہ رہ رہ کر دل میں داخل ہوتی ہے۔ جب راجہ دربار عام میں یا دوسری جگہ اپنے بیٹے کے افعال کا ذکر سُنکر ملول دل کے ساتھ گھر آتا تھا تو اپنی

گستاخ رانی کی باتیں سُنکر وہ اور بھی افسردہ ہو جاتا تھا۔ یہ قدرتی طور پر نیک دل راجہ ہر روز دن کے وقت تپش (غصہ) میں آتا اور رات کے وقت ٹھنڈا ہو جاتا تھا اس وقت اس کی حالت اس صاف پانی کے چشمے کی مانند تھی جسے موسم خزاں خشک کر دیتی ہے اور اس حالت میں وہ دن کے وقت گرم اور رات کے وقت ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ بیٹے نے ان لوگوں کی جائداد اور مکانات تباہ کروا دیئے جو اس کے باپ کے طرفدار تھے لیکن زن مرید باپ نے اس پر کچھ بھی کارروائی نہ کی۔ رانی اپنے بیٹے کی محبت میں اندھی ہو رہی تھی اس کے سخت الفاظ اور اپنے ہمراہیوں کی تکلیف سے دق آکر راجہ کی حالت واقعی افسوس ناک ہو رہی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ شاہی اعزاز اپنے بیٹے سے واپس لے لے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس کی فوج میں بہادر آدمی موجود نہیں۔ اس کے علاوہ جندوراج کی بہادری کو وہ یوں بھی حقیر خیال کرتا تھا۔

جب اپنے بیٹے کو معزول کرنے کی خواہش میں اننت نے تنونگ کے بیٹوں کو شاہی اعزاز پیش کیا جو اسے لینا نہ چاہتے تھے تو رانی نے اس ڈر سے کہ اُس کے اپنے جانشین مصیبت میں پڑ جائینگے رات کے وقت راجہ سے مشورہ کیا اور قاصدوں کے ذریعے ہرش کو اس غرض سے بلایا کہ اُسے راجہ بنا دیا جائے۔

اننت کا ہرش کو طلب کرنا جب ہرش کو اُس کے دادا کے قاصد بلانے گئے تو گو اُس کی نگرانی کرنے کے لئے پہرہ دار متعین تھے پھر بھی وہ روانگی کے لئے تیار ہو گیا۔ اس کا گھوڑا خیال کی طرح تیز رفتار تھا جسے ایڑ لگا کر اس نے پانچ یوجن[۵۲۶] کا فاصلہ چشم زدن

۵۲۶؎ یہ انگریزی وج بروڑ تک بہاء راست سڑک کا راستہ تقریباً ۴۰ میل ہے

میں طے کر لیا اس گھوڑے کو اعلےٰ درجہ کی تربیت دی ہوئی تھی بہت سے فوجی گھوڑوں نے اُس کے پیچھے چلنے کی کوشش کی لیکن تھک ہار کر سڑک ہی پر رہ گئے۔ جب اس نے وجے کشتیر میں پہنچکر اپنے آپ کو دادا اور دادی کے پاؤں پر گرایا تو انہوں نے اس پر خوشی کے آنسوؤں کے قطرے چھڑکے اور اس طرح پر رسم ابھی شیک (تخت نشینی) ادا کی۔

ادھر کلش اپنے بیٹے کے چلے جانے پر دل ہی دل میں کانپنے لگا۔ اور اپنے والدین کو رضامند کرنے کی خواہش میں اس نے مخالفت کے کام کرنے ترک کر دیئے۔ اس نے دور اندیشی سے شہر سے ہرش کے پاس خطوط بھیجے اور ملک کی بد امنی کی حالت میں علانیہ طور پر اپنی دشمنی کا اظہار نہ کیا۔ اسطرح پر تھوڑے عرصے کے لئے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا کلش اپنی ماں کی نصیحت پر عمل کر رہا ہے لیکن حقیقت میں اس کی اپنے باپ کے ساتھ جو مخالفت تھی وہ بڑھتی جا رہی تھی۔ جب کلش کے حکم سے کمانڈر انچیف کشتالی[۵۲۷] کی طرف جانے لگا تو رانی نے اپنے شوہر کو اسبات پر رضامند کر لیا کہ اطاعت گذاری

اس جگہ جو پانچ یوجن یا بیس کروش کا ذکر آیا ہے وہ اس صورت میں اس فاصلے کے مطابق ہو سکتا ہے اگر ہم خیال کریں کہ کروش سے مراد جدید کشمیری کروہ (کوس) کی طرح ڈیڑھ میل سے ہے۔

۵۲۷؎ سٹائن صاحب کا خیال ہے کہ اس جگہ جس علاقے سے مراد لی گئی ہے یہ وہی کہشالیہ ہے جس کا ذکر پرجا بھٹ اور شک کی راج ترنگنی میں آتا ہے۔ اور جس کا موجودہ نام "کہے شال" ہے اس کے محل وقوع کے متعلق دیکھو نوٹ ۱۰۳؎ کتاب ہذا کہے شال سے درہ مربل سے ہوتی ہوئی جو سڑک براہ راست جاتی ہے وہ وج برور کے پاس سے ہو کر گذرتی ہے۔

کے بعد اُسے گذر جانے دیا جائے۔ چونکہ باپ بیٹے کی دشمنی سے ملک تباہ ہو رہا تھا اس لئے برہمنوں نے اس مخالفت کو روکنے کے لئے دونوں کے خلاف پرائے اپویش شروع کیا۔ جسپر ان کے مطالبے کے مطابق فریقین میں مصالحت ہو گئی اور راجہ اور رانی دو ماہ کے عرصے کے لئے شہر کو چلے آئے مگر جب اُنہوں نے سُنا کہ جیا نند اور دوسروں کے کہنے سننے سے ان کا بیٹا انہیں قید کرنیکی تیاری کر رہا ہے تو وہ مضطرب ہو کر واپس چلے گئے۔ اور پھر وجیشور میں جا پہنچے۔ بیٹے نے رات کے وقت اننت کے چارے کے گٹھوں میں آگ لگا دی اور اس کی پیادہ سپاہ کو زہر۔ تلوار اور آگ کے ذریعے مروا ڈالا۔

ہر چند کہ اس طرح پر دشمنی بڑھتی جا رہی تھی تاہم ماستا کی ماری عابد رانی اپنے شوہر کو بیٹے کی تنبیہ سے باز رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ان ایام میں لُڈا نامی ایک بد چلن مچھیرن یہاں رہتی تھی جس کا عاشق ایک گنجا ڈامر ٹھک نامی تھا اور جس کے دل پر وہ پورا قبضہ رکھتی تھی جب کبھی کلش کے ہمراہی اُس کے والدین کا ذکر کرتے ہوئے انہیں اس جوڑے سے تشبیہ دیا کرتے تھے تو اُس کا چہرہ خوشی سے روشن ہو جاتا تھا۔ راجہ اور رانی کے دل میں جو غم پیدا ہو گیا تھا وہ انہوں نے عبادت کے بڑے بڑے کاموں کے ذریعے دور کیا اور تلا پرش[۵۲۸] کا دان کیا۔

کلش کا آگ لگوا کر وجیشور کو تباہ کر دینا } بباعث اپنی دولت کے جب ان کی حالت میں کوئی فرق واقع نہ ہوا تو اُن کے ناخلف بیٹے نے غصے میں آ کر رات کے وقت اُنکے مکان کو آگ لگا دی

---

۵۲۸ تلا پرش سے مراد تلا دان سے ہے جس میں بوقت خیرات قدیم راجہ اپنے وزن کے برابر سونا دان کیا کرتے تھے۔

جس کے ذریعے وجیشور کا شہر خاک سیاہ ہو گیا اور ساتھ ہی راجہ کا سارا ذخیرہ جل گیا۔ مصیبت زدہ رانی کو جو ہر چیز کے جاتے رہنے کے غم میں موت تلاش کر رہی تھی بالآخر تنونگ کے بیٹوں نے بمشکل جلتے ہوئے مکان سے باہر نکالا۔ راجہ کے تمام سپاہی چونکہ کپڑے اُتار کر سوئے تھے اور رات کے وقت بستروں سے اُٹھ کھڑے ہوئے تھے اس لئے اُنکے واسطے سوائے آسمان کے کوئی پوشش باقی نہ رہی۔ محل کے سب سے اونچے چبوترے سے اس آگ کو دیکھ کر راجہ کلش مارے خوشی کے اُن شعلوں کے ساتھ ساتھ جو آسمان تک پہنچ رہے تھے ناچنے لگ گیا۔ راجہ کی تمام چیزیں ضائع ہو گئیں اور وہ دریا کے دوسرے کنارے کی طرف چلا گیا گو معہ اپنی رانی کے وہ ناقابل عبور بحر غم میں ڈوبا جا رہا تھا۔

صبح کے وقت رانی کو جواہرات کا بنا ہوا ایک لنگ دستیاب ہوا جو آگ سے بچ رہا تھا اس نے اُسے خاندان تاک[۵۲۹] کے آدمیوں کے پاس جو وہاں آگئے

۵۲۹ لفظ تاک سے مراد یہاں کسی خاندان کا نام معلوم ہوتا ہے سٹائن صاحب کو جو اسبارے میں اطلاع حاصل ہوئی ہے اُس سے انہیں معلوم ہوا ہے کہ آج تک وج برور میں تاک نامی ایک مسلمان خاندان کی یادباقی ہے جو کسی زمانہ میں وہاں آباد تھا سنا گیا ہے کہ اس صدی کے ابتدائی حصہ تک اس خاندان کے لوگ تاجروں کی حیثیت میں بہت بڑی شہرت رکھتے تھے۔ پروفیسر بوہلر نے سٹائن صاحب کو بتایا تھا کہ اس خاندان کا نام تاک اس اعتبار سے تھا کہ وہ کسی زمانہ میں تک دیش سے تعلق رکھتا تھا انہوں نے یہ بھی ظاہر کیا تھا کہ مدن پال کے عہد میں تاک کا نام اسی ضلع کے ایک باشندے کے متعلق استعمال ہوا ہے۔ مدن پال کا نسب نامہ کتاب "مدن پاری جات" کے شروع میں دیا ہوا ہے۔

تھے ۷۰ لاکھ دینار کو فروخت کر دیا۔ اس روپیہ سے کھانا اور کپڑا خرید کر لوگوں کو دیا اور اس کے بعد خود جلے ہوئے مکانات کو چلی گئی۔ جن کی راکھ کے نیچے سے راجہ کو اس قدر سونا اور قیمتی چیزیں ملیں کہ ان کا ذکر سُنکر ہمیں حیرت ہوتی ہے۔ راجہ معہ اپنے ہمراہیوں کے اُس شہر میں جو چٹائی کی بنی ہوئی چھتری نما چھتوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ اور اب ایک ویران جنگل کی صورت اختیار کر چکا تھا بودوباش رکھتا تھا۔ بوڑھے راجہ نے اس شہر کو بحال کرنے کی کوشش کی لیکن اس کے پاس اس قدر سرمایہ موجود تھا تاہم وہ اس کام میں کامیاب نہ ہو سکا۔ جس کی وجہ محض یہ تھی کہ اُس کی طرف سے ضروری احکام حاصل نہ تھے۔ نیا راجہ چونکہ اپنی ماں کی مہربانی کی وجہ سے ہر کام بے روک کر سکتا تھا اس لئے وہ مختلف بُرے طریقوں پر اپنے باپ کو ہمیشہ تکلیف پہنچا رہا تھا۔

کلش کا اننت کو کشمیر چھوڑ جانیکا پیغام بھیجنا

کلش چاہتا تھا کہ میرا باپ ملک چھوڑ کر چلا جائے چنانچہ قاصدوں کے ذریعے اس نے رہ رہ کر یہ پیغام بھیجا کہ وہ پرنوتس کو روانہ ہو جائے اس کی بات ستر رانی بھی طعنے دے دیکر اُسے اسبات پر آمادہ کر رہی تھی اس پر ناراض ہو کر اس نے خلوت میں اس وقت جبکہ صرف تنونگ کا بیٹا ٹھکن موجود

---

۵۳ اس شلوک میں راجہ کی جس کاہلی کا اظہار ہوتا ہے اُس کے متعلق لارنس صاحب کی کتاب ویلی کے صفحہ ۲۰۷ پر سے ذیل کا اقتباس درج کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ بیان کیا جاتا ہے اور اس میں بہت کچھ سچائی بھی ہے کہ کشمیری کو کسی دعوت میں شریک ہونے کے لئے بھی کہا جائے تو وہ اُس وقت تک بھی نہیں جاتا جب تک کہ اُسے مجبور نہ کیا جائے ایسے ہی جب کبھی فصلوں کو کسی تباہی سے بچانے کے لئے جلدی کام کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تو اہل وہ خود کہا کرتے ہیں ہمیں روپیہ نہیں بلکہ جبر درکار ہے۔"

تھا۔ اس قسم کے سخت الفاظ کہے جو اس سے پہلے اس نے کبھی استعمال نہ کئے تھے۔

"عزت۔ توقیر۔ بہادری۔ شاہی اعزاز۔ طاقت۔ ذہانت اور دولت افسوس وہ کونسی چیز ہے جو میں نے اپنی رانی کے کہنے پر عمل کر کے ضائع نہیں کر لی؟ لوگ کہا کرتے ہیں کہ عورتیں مردوں کے لئے محض ایک غیر ضروری چیز ہیں۔ لیکن انجام کار ثابت ہوتا ہے کہ مرد عورتوں کے ہاتھ میں محض ایک کھلونا ہیں۔ اس دنیا میں کون ایسا شخص ہے جو جذبات بد رکھنے والی عورتوں کی نفرت یا غیر مطمئن استریوں کے شکوہ و شکایت کے باعث موت کا شکار نہیں ہوا۔ بعض عورتوں نے جادو کے زور سے اپنے خاوندوں کی وجاہت کو زائل کر دیا ہے بعض نے ان کی طاقت کو۔ بعض کی بدولت اُن کے شوہروں کی ذہانت جاتی رہی ہے اور بعض کی بدولت شجاعت۔ بعض ایسی بھی ہیں جنہوں نے اپنے خاوندوں کی جان تک لے لی ہے۔ جس طرح دریا بادلوں سے برسے ہوئے پانی کی وجہ سے طغیانی میں آکر (پئو دھرونت یات) اُن پتھروں کے ذریعے جو وہ اپنے ہمراہ لاتے ہیں زمین کو تباہ کر دیتے ہیں ایسے ہی اپنی اُبھری ہوئی چھاتیوں (پئو دھرونت یات) پر فخر کرنے والی عورتیں کسی دوسری نسل کے جنے ہوئے بیٹوں کو بدل کر اپنے شاہی خاوندوں کے ملک کو تباہ کر دیتی ہیں۔ عورتیں اپنے بچوں کی پرورش کرتی ہیں لیکن اپنے شوہروں کو تباہ کرتی ہیں۔ اُن کا خیال یہ ہوتا ہے کہ یہ (بچے) ہماری آخری عمر کا سہارا ہیں۔ بخلاف اس کے ان از کار رفتہ شوہروں سے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ ہر چند کہ میں شروع ہی سے اپنی بیوی کی خطاؤں سے واقف تھا تاہم اپنے اعلےٰ درجہ کا لحاظ رکھتے ہوئے میں نے اُسے ذلیل نہیں کیا۔ یہ غالب عورت اس دنیا میں میری خوشی تباہ کر کے دوسری دنیا میں بھی

میری خوشی کی امید کو تباہ کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ میں قریب المرگ ہوں چہرے پر جھریاں پڑ گئی ہیں۔ سفید بال نکل آئے ہیں۔ میں اگر وجے کشتیر میں نہ رہوں تو اور کس جگہ میرا جانا واجب ہے؟ وہ کونسا طریقہ ہے جس سے میں شوجی کے مقام رہائش کے دروازے کے قریب ٹھہرنے کی خواہش کو دور کر سکتا ہوں جو میرے گناہوں کو زائل کرنے کا واحد درجہ ہے۔ لازم ہے کہ بیٹا دونوں جہاں میں اپنے باپ کا محافظ ہو۔ مگر اور کس کا ایسا بیٹا ہوگا جو چاہتا ہے کہ میں ایک مقدس مقام کو چھوڑ کر بُری راہ پر جان دوں؟ اکثر مرتبہ دوہرائی ہوئی کہانی اب میرے دل کو چبھتی ہے کہ یہ بیٹا کسی اور نسل سے ہے اور رانی نے اِسے بدل دیا ہے۔ انسان کو جان لینا چاہیے کہ وہ بیٹا جو شکل و شباہت اور اطوار میں مختلف ہو۔ اپنے رشتہ داروں سے دشمنی رکھے۔ باپ کے لئے اُس کے دل میں محبت نہ ہو تو وہ ضرور کسی دوسرے کے نطفے سے ہے۔"

جبکہ اُس کا شوہر اپنے جوش کی روکاوٹ دور کر کے جس کے باعث اُسے ایک عرصہ دراز کے بعد اپنے محسوسات کو ظاہر کرنے کا موقعہ ملا بول رہا تھا تو رانی کے دل پر نمک چھڑکا جا رہا تھا۔ جب ایک رشتہ دار کی موجودگی میں رانی کو ایسے سخت الفاظ سے مخاطب کیا گیا اور اس کے بیٹے کی اصلیت کا راز طشت از بام ہوا تو اس نے بدرجہ غایت اپنی ذلت محسوس کی۔ یہ افواہ پھیلی ہوئی تھی کہ کلش پرسشت نامی ایک مہاتما[۵۳۱] کا بیٹا تھا اور رانی نے اپنے بیٹے کی

---

[۵۳۱] مہاتما سے مراد اس جگہ کسی عہدہ دار سے معلوم ہوتی ہے لیکن اُس کا درجہ واضح نہیں۔ ترنگ ۷ کے شلوک ۱۱۰۶-۱۱۷۰-۱۱۷۶ اور ترنگ ۸ کے شلوک ۲۴۰ و ۵۱۰ میں بھیل نام ایک اہمیت رکھنے والے شخص کا ذکر مہاتما کے طور پر ہوا ہے۔ آخری شلوک سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی وقت میں ایک سے زیادہ مہاتما موجود ہو سکتے تھے۔

موت پر اس کی پرورش شروع کر دی تھی ۔ وہ عورتیں جو اپنے شوہروں کو مطیع رکھتی ہیں اپنے شوہر کی زبانی کھری کھری باتیں سننا ایک قسم کی بے عزتی خیال کرتی ہیں گویا کسی ادنےٰ ترین درجے کے شخص نے انکے سر پر لات ماری ہو۔ غصے میں آکر اس نے ایک گنوار عورت کی طرح بلند آواز اور پر جوش الفاظ میں جنکی نامناسبت سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اپنا سکہ جمانے کی عادی ہے اپنے شوہر کو بدیں الفاظ مخاطب کیا ۔

"یہ منگتا ۔ بھکاری ۔ بیوقوف جس کا ساتھ خوش قسمتی نے چھوڑ دیا ہے اور جو فضول ہی بڈھا ہو گیا ہے یہ احمق نہیں جانتا کہ کس موقعہ پر کیا کہنا چاہئے ۔ وہ جس کے پاس غسل خانے سے نکلتے وقت اپنے آپ کو ڈھکنے کے لئے کپڑا تک نہ تھا[۵۳۲] سب لوگ جانتے ہیں کہ جب اس نے مجھے حاصل کیا تو کیا گنوایا ؟ جو کچھ تم نے میری نسبت کہا ہے وہ تمہاری اپنی رشتہ دار عورتوں کے متعلق صادق آسکتا ہے ۔ اب توبہ کرنے کا وقت ہے پھر تم کیوں تائب نہیں ہوتے ؟ ممکن ہے لوگ کہیں کہ وہ نکما ہے ۔ اپنے زمانے کو گذار چکا

ایک اور خطاب مہتر کا ہوتا ہے جس کا ذکر شلوک ۶۵۹ میں آتا ہے ۔

لوک پرکاش کے ادھیائے ۱ میں اہلکاروں کی جو فہرست آئی ہے اُس میں راج مہاتما کا نام بھی موجود ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا تعلق شاہی عدالت انصاف سے ہوا کرتا تھا ۔

۵۳۲ کشمیری عورتیں عام طور پر جن گالیوں کو استعمال کرتی ہیں ان کا کلہن نے ہو بہو نقشہ کھینچ دیا ہے ۔ معلوم ہوا ہے کہ کشمیر میں عورت جب مرد کو برابر سے جواب دیتی ہے تو اس میں زیادہ تر اس کی رشتہ دار عورت کو کوسا جاتا ہے ۔

جو شخص نہایت غریب ہو اُس کے متعلق کشمیر میں یہ محاورہ مشہور ہے "سران بیتھ نہ پُوچ" جس کے معنے یہ ہیں کہ اُس کے پاس نہانے تک کی لنگوٹی نہیں ہے

ہے۔ ہیٹنے نے اُسے ملک بدر کر دیا ہے اور اب اس کی بیوی بھی اُسے چھوڑے جاتی ہے۔ سننے فی التحقیقت یہی بات ہے جس کا مجھے خوف ہے۔"

اننت کی خودکشی رانی کے الفاظ سے جو نہایت تلخ تھے اور جس میں اس کے خاندان کی بد نامیوں کے حوالے موجود تھے دکھی ہو کر راجہ خاموش ہو گیا۔ بعد ازاں اُس پلنگ کے کنارے پر سے جس پر وہ لیٹا کرتا تھا خون کی ایک ندی بہتی ہوئی صاف طور پر نظر آئی۔ گو اس کی صورت میں کسی قسم کی تبدیلی واقع نہ ہوئی تھی۔ رانی حیران تھی کہ اسی اثنا میں ٹھکن نے آنکھوں میں آنسو بھر کر بیان کیا کہ راجہ نے غصے میں آ کر اپنی مقعد[۵۳۳] میں چھری ماری ہے۔ اب راجہ نے شرمندہ ہو کر بڑے استقلال کے ساتھ کہا "باہر یہ مشہور کر دو کہ راجہ کو جریان خون کا عارضہ لاحق ہو گیا ہے"

جو راجہ عورتوں کی مرضی کے ماتحت ہوتے ہیں۔ جو اُس نوکر پر از سر نو بھروسہ کرتے ہیں جو پہلے بد معاش ثابت ہو چکا ہو۔ جو اپنے ناواجب حملوں کے ذریعے ایک چھوٹے دشمن کو بھی اہمیت دے دیتے ہیں ایسے راجہ چونکہ عاقبت اندیش نہیں ہوتے اس لئے بہت جلد موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔

---

۵۳۳ خودکشی کرنے کے لئے مقعد میں چھری مارنا بادی النظر میں ایک عجیب طریق معلوم ہوتا ہے اور شائد یہی وجہ ہے کہ مختلف مورخوں نے اس بارے میں مختلف آرا کا اظہار کیا ہے چنانچہ منشی محمد الدین صاحب فوق اپنی تاریخ کشمیر میں لکھتے ہیں کہ راجہ نے اپنے سینہ میں چھری ماری پنڈت ہر گوپال صاحب کول مصنف گلدستہ کشمیر لکھتے ہیں کہ اس نے جگر میں چھری ماری تھی۔ بابو جوگیش چندر دت نے اس بارہ میں کچھ بھی توضیح نہیں کی اور صرف اتنا لکھنے پر ہی اکتفا کیا ہے کہ راجہ نے اپنے آپ کو تلوار سے زخمی کر لیا۔ بہر نوع اس سے اگلے شلوکوں پر نظر رکھی جائے تو یہی بات قرین قیاس نظر آتی ہے کہ اس نے اپنی مقعد ہی میں چھری ماری ہوگی۔

راجہ کے نوکروں نے اس راز کو محفوظ رکھا اور یہ بات مشہور کر دی کہ راجہ گھوڑے پر سوار تھا۔ موسم خزاں کی گرمی میں اُسے پیاس لگی اور اس نے دھانوں کے کھیت کا پانی پی لیا جس سے اُسے جریان خون ہو گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی شخص حقیقت حال سے واقف نہ ہو سکا۔ غرض یہ راجہ وجیش کے مندر کے سامنے لوکک سمت ۴۱۵۷ (۱۰۸۱ء) ماہ کاتک کی پورنماشی کو اس جہان سے رحلت کر گیا۔

اس راجہ کو جس کے لئے آرام کا عادی ہونا لازم تھا بالآخر اپنی بیوی اور بیٹے کی تکالیف سے نجات پا کر ٹانگیں پسارنے اور سونے کا موقعہ مل گیا!! موت کے بعد اُسے کسی پر اور نہ کسی کو اُس پر شکوہ اور گلہ رہا اور اجل نے اس متکبر راجہ کو خوش اور مطمئن بنا دیا۔ سنگرام راج کا وارث زمین پر ایک کپڑے سے ڈھکا ہوا سویا پڑا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا گویا کسی کو اس کی پرواہ نہیں اور وہ محتاج ہے! اپنی زندگی میں جن جن چیزوں سے وہ واقف ہوا تھا اس طویل نیند کے ساتھ ہی اُن سب سے دست کش ہو گیا۔ اب اُسے نہ تو اپنے دوستوں کی آہ و زاری سے خوشی تھی اور نہ مخالفانہ الفاظ سے ناراضگی۔ جب اس طرح پر اخلاق سے بعید الفاظ استعمال کرنے کی خطا کی توبہ کے طور پر شوہر اپنی جان قربان کر چکا تو رانی بھی اپنی ممنونیت کے اظہار کے طور پر اُس کے ذاتی معاملات کی محافظ بن گئی۔ اور اپنے شوہر کا لین دین صاف کرنے کے لئے اس نے شاہزادے سے لیکر چنڈال تک ہر شخص کی واجب الادا رقوم بڑے اطمینان کے ساتھ ادا کر دیں اور جب سب لوگوں کو اُن کی رقمیں مل چکیں تو اس نے وجیش کے شولنگ کے سامنے ان سے بطریق کوش حلف لیا کہ میرے پوتے (ہرش) کی محافظت رکھنا۔ جب اس کے پوتے نے حلف لیتے

ہوئے روتے روتے اُس کے پاؤں پر اپنا سر رکھا تو اس نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیکر کہا۔ "اپنے باپ پر اعتبار نہ کرنا"۔

انت کی آخری رسوم

رانی نے اُٹھ کر ایک ستی کے طور پر اپنے ہاتھ میں چھڑی لے لی اور آخری مراسم کی ادائیگی کے لئے آراستہ ہوتے ہوئے وہ اپنے شوہر کے دربان کے فرائض سرانجام دیتی رہی پہلے اس نے ایک سو سواروں کو اپنے پوتے کی نگرانی کا حکم دیا اور اسکے بعد اپنے شوہر کو ارتھی پہ لٹا کر باہر بھیجدیا۔ اس طرح پر ایک رات اور آدھا دن گزار کر اس وفادار عورت نے شیو جیش کی پوجا کی اور خود بھی ایک ڈولی میں بیٹھ کر روانہ ہوئی۔ جب لوگوں نے ان دونوں کو جلتے ہوئے دیکھا تو انکی آہ وزاری سے جن میں گھنٹوں اور گھڑیالوں کی آواز ملی ہوئی تھی ایسا معلوم تھا گویا افق پھٹنے لگا ہے۔ ارتھی کو جواہرات سے سجایا ہوا تھا اور اُس پر جھنڈیاں لگائی ہوئی تھیں۔ لوگوں کے چلنے پھرنے میں ان کی تصاویر جب ان جواہرات میں منعکس ہوتی تھیں تو ایسا معلوم ہوتا تھا گویا وہ راجہ کے قریب ہیں اور اس کے نیچے جانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جن شہزادوں نے ارتھی کو اپنے کندھوں پر اُٹھایا ہوا تھا اُن کے بال ہوا میں لہراتے ہوئے شاخدار جنوروں کی مانند معلوم ہوتے تھے جو اس راجہ پر اس ارتھی کے اندر موجود تھا ہلائے جارہے ہوں۔ فوجوں کی آخری خدمت دیکھ کر جب رانی مرگٹ میں پہنچی تو اس وقت سورج غروب ہو رہا تھا معلوم نہیں ماستا کی وجہ سے جس کا چھٹنا محال ہے یا کسی اور باعث سے اس نے اس وقت اپنے بیٹے کو دیکھنے کی خواہش کی۔ ہوا میں جو گرد و غبار پیدا ہوگیا تھا اس کی نسبت یہ خیال کرکے کہ وہ اُس کی مسلح فوج سے پیدا ہوا ہے اس نے اضطراب کے ساتھ دیکھنا

شروع کیا کہ شائد کلش آرہا ہو۔ عین اس وقت چند آدمی شہر سری نگر والی سڑک پر سے ہوتے ہوئے وہاں پہنچے اور رانی نے اُن سے خود پوچھا کیا کلش آگیا ہے؟ لیکن بیٹے کو جس نے اپنی ماں کے پاس آنے کی خواہش کی تھی اس جھگڑے کو پیدا کرنے والوں نے مختلف طریقوں پر ڈرا دھمکا کر روکے رکھا تھا۔

سوریہ متی کا ستی ہونا } آخر کار رانی اپنے بیٹے کو دیکھنے سے مایوس ہوگئی اس نے دریائے وتستا کا پانی مانگا اور اسکے بہ حسب ذیل شلوک پڑھا۔

"جو لوگ دریائے وتستا کا پانی[۵۳۴] اپنے جسم میں لیکر مرتے ہیں انہیں اُن لوگوں کی طرح جو مقدس تعلیم کا پرچار کرتے ہیں یقیناً نجات حاصل ہو جاتی ہے۔"

جب پانی اُس کے پاس لایا گیا تو اس نے اُسے پی کر اپنے جسم پر چھینٹے دیئے اور جن لوگوں نے بدگوئی کر کے باپ بیٹے میں تفرقہ پیدا کیا تھا انہیں بہ الفاظ ذیل بد دعا دی۔

"جن لوگوں نے ہم دونوں اور ہمارے بیٹے میں مہلک دشمنی پیدا کی ہے وہ بھی مع اپنے مورثوں کے بہت جلد مرجائیں۔"

دکھی رانی کی اس اٹل بد دعا سے جیانند جنندوراج اور دوسرے لوگ قبل ازوقت مرگئے۔ بلہ کے اُس کے معتبر مشیر ہونے کی حیثیت میں لوگوں میں جو طرح

۵۳۴۔ یہ شلوک کسی قدر اختلاف کے ساتھ وشنو پوران میں پایا جاتا ہے یہ امر اغلب ہے کہ کلہن نے اسے وہیں سے حاصل کیا ہو۔ اجکل کے پنڈتوں کی طرح یقیناً وہ ایک ایسے مشہور تیرتھ کے مہاتم سے باخبر ہوگا۔ چونکہ ہندوستانی مصنفوں کی عادت ہے کہ وہ جس بات کا حوالہ دیا ہو زبانی ہی بغیر اصل کتاب کو دیکھے دیدیا کرتے ہیں اس وجہ سے یہ اختلاف پیدا ہوا ہے۔

طرح کی افواہیں پھیل گئی تھیں انہیں روکنے کے لئے رانی نے اپنی آئندہ زندگی کی خوشی کا حلف لیکر اپنی بیگناہی کا اظہار کیا۔ اس طرح پر اپنے اخلاقی چال چلن کی پاک بازی کی تصدیق کر کے وہ مسکراتی ہوئی ڈولی میں سے جلتی آگ میں کود پڑی شعلوں کے اُٹھنے سے سارا آسمان سرخ ہو گیا اور ایسا معلوم ہوتا تھا گویا دیوتاؤں نے[۵۳۵] اس کی آمد کی خوشی میں سیندھور چھا دیا ہے۔ لوگوں کو اپنی آہ وزاری میں لکڑیوں کے جلنے کی آواز اور اپنی آتش غم میں آگ کی حرارت محسوس نہ ہوئی اور اُنہیں ایسا معلوم ہوتا تھا گویا یہ کوئی نقش کی ہوئی تصویر ہے۔

گنگا دھر۔ تکی بدھ اور ڈولی بردار ڈنڈک اور خادماؤں میں سے اودا۔ نانکا اور ونگلا نے اس کی تقلید کی۔ خاندان بپت اور ادبھت[۵۳۶] کے دو آدمی سینت اور کشیمت جو راجہ کے منظور نظر تھے دنیا کو تیاگ کر وجیشور میں بطور فقیروں کے جا ٹھہرے۔ ہمارے وجود چونکہ کمزور ہیں اور محض مصنوعی طور پر بنے ہوئے ہیں۔ اس لئے وہ دیر پا نہیں! لیکن من اور شیشے کی بوتل میں ایک مستقل خوبی یہ پائی جاتی ہے کہ عجیب وغریب قصہ اور دیولوک کی گنگا کا پانی جو علی الترتیب اس میں محفوظ رکھا جائے وہ نہ تو ان میں سے نکل سکتا ہے نہ اس میں ترشی پیدا ہوتی ہے اور نہ کمی۔

---

۵۳۵ رواج ہے کہ کسی عزت دار مہمان کی آمد یا اسی قسم کی خوشی کے دوسرے موقعوں پر مکانات کو سیندھور سے سرخ رنگ دیا جاتا ہے۔

۵۳۶ ادبھت سے مراد غالباً راجہ جیا پیڈ کے اس نام کے سبھاپتی سے ہے جس کا ذکر ترنگ ۴ کے شلوک ۴۹۵ میں آ چکا ہے اور جس کے خاندان کا ذکر دوبارہ ترنگ ۸ کے شلوک ۳۲۲۷ میں آتا ہے۔

بپت غالباً وہ شخص نہیں ہے جس کا ذکر شلوک ۴۰۵ میں آتا ہے۔

اس راجہ نے جب معہ اپنی رانی کے پوس کے دشمن (شو) اور گوری کے ساتھ وصال حاصل کیا تو اس کی عمر ۱۶ سال سے زیادہ تھی۔ چوتھے روز تتونگ راج کے سارے بیٹے ان کی ہڈیاں لیکر گنگا کو چلے گئے لیکن ہرش معہ اپنے دادا کے خزانے کے اُنکے جلوسے محصور وجیشور ہی میں رہا۔ اور اس کی اپنے باپ سے دشمنی ہوگئی۔ بصورت اول جب باپ بیٹے میں لڑائی ہوئی تھی تو باپ مشہور و معروف وجیشور میں تھا لیکن بخلاف اس کے اس موقعہ پر بیٹا اس جگہ تھا اور باپ سرینگر کے نواحات میں۔

کلش اور ہرش کی صلح

باپ کے پاس روپیہ وغیرہ کچھ موجود نہ تھا اور وہ افلاس سے ڈرتا تھا۔ اس لئے اس نے دور اندیشی سے اپنے بیٹے کے پاس جو بہت فضول خرچ تھا قاصدوں کے ذریعے صلح کی درخواست بھیجی۔ ان قاصدوں نے بار بار جاکر اور مناسب الفاظ استعمال کرکے بمشکل اس مغرور شاہزادے کو اسبات پر رضامند کیا کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ صلح کرے۔ اس نے اپنے باپ کے لئے کچھ رقم بطور روزانہ وظیفے کے مقرر کردی جس کے عوض باپ نے بیٹے کے ساتھ اس بات کا وعدہ کیا کہ اُس کے دادا کا خزانہ اور اس کی جان محفوظ رہے گی۔ جس وقت کلش اپنے بیٹے کے پاس وجیشور میں پہنچا تو جلے ہوئے کھنڈرات کو دیکھ کر اس کی آنکھوں اور لوگوں کا لعن طعن سُنکر اُس کے کانوں کو سخت تکلیف ہوئی۔ بیت کوش کے طریقے پر حلف لینے کے بعد وہ معہ اپنے بیٹے کے شہر کو واپس آگیا۔ اور خزانے پر ہرش کے نام کی مُہر لگاکر اُسے محفوظ رکھ دیا۔ اس اثنائے میں راجہ کی طبیعت سدھر گئی اور وہ مال و زر کی اچھی طرح احتیاط کرنے لگ گیا جس سے اُس کا افلاس دور ہوگیا۔

سلیہ پور[۵۳۷] کے ایک مالک مکان نیتن نامی کا چالاک بیٹا جیک رفتہ رفتہ ایک ڈامر کی حیثیت حاصل کر چکا تھا اس حریص شخص نے اپنی زمین کی آمدنی اور اشیائے خوردنی کی ممالک بعید میں تجارت کر کے بہت سی دولت حاصل کر لی تھی ۔ اور کچھ زمانہ گذرنے کے بعد وہ دولت کے دیوتا (کبیر) کا مقابلہ کرنے لگ گیا ۔ ڈیڑھ کروش (کوس ؟) تک زمین کھدوا کر وہ اس میں متواتر دینار بھرتا اور اُس کے اوپر کثرت سے دھان بچوا دیتا تھا ۔ وہ بہرات نوکروں کے ذریعے روپیہ دفن کراتا تھا اور خفیہ طور پر بہت سے نوکروں کو اس لئے مروا دیتا تھا کہ وہ اس کا رازفاش نہ کر دیں ۔ جب وہ بھانگل[۵۳۸] پر قبضہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا اُس کے ہمراہی یکا یک بھاگ گئے ۔ اس کے گھوڑے کا پاؤں ایک انگور کی بیل میں اٹک گیا اور اُسے کسی پیادہ سپاہی نے قتل کر ڈالا ۔ اس کی دولت زمین میں سے نکال

۵۳۷ھ سلیہ پور غالباً زمانہ حال کے سلی پور کا نام ہے جو وُلتس پرگنہ کا ایک بڑا گاؤں ہے اور جس کا نام غلطی سے نقشہ پر شلی پور لکھا ہوا ہے ۔ اس کی تصدیق ترنگ ۸ کے شلوک ۲۰۰ سے ہوتی ہے جہاں سلیہ پور کا ذکر سسل کے لوہرے سرینگر کو کوچ کرنے کے متعلق آیا ہے ۔ وہ سیدھی سڑک جو درہ توش میدان اور لوہر کو دارالسلطنت سے ملاتی ہے اُس پر سلی پور واقعہ ہے ۔

۵۳۸ھ بھانگل موجودہ پرگنہ بانگل کا نام ہے جو پر سپور کے جنوب مغرب کی طرف واقع ہے آئین اکبری میں اس کا نام جلد ۲ صفحہ ۳۷۱ پر بانگل آیا ہے ۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۳۱۳۰ میں بھانگل کے ڈامروں کا ذکر شنکر ورمن کے شہر یعنی پٹن کے متعلق آیا ہے نیز دیکھو جوناج کی راج ترنگنی شلوک ۲۵۱ و شلوک ۶۱۶ ۔ سری ور کی راج ترنگنی ترنگ ۳ شلوک ۳۶۰ و ۲۶۴ و - پرجا بھٹ اور شک کی راج ترنگنی شلوک ۶۵ -

معلوم ہوتا ہے کہ جیک کی ان علاقوں کے ڈامروں سے کوئی مقامی لڑائی چھڑی ہوئی تھی -

لی گئی اور اُس کے ذریعے راجہ کو ہمیشہ کے لئے مشکلات زر سے نجات حاصل ہو گئی۔ وہاں سے نکلا ہوا روپیہ شب و روز دریائے وتستا میں دھویا جاتا تھا اور اس کے باعث کئی مہینوں تک دریا کا پانی گدلا رہا۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ اعلےٰ حوصلے کے شخص حریصانہ طور پر بہت سی تکلیف کے ساتھ دولت کی محافظت کرتے ہیں۔ نہ اُسے دوسروں کو دیتے ہیں اور نہ خود اُس سے کچھ لطف حاصل کرتے ہیں محض اس لئے کہ مناسب وقت پر دوسروں کو اس سے فائدہ حاصل ہو سکے۔ سانپ ہوا کھا کر گذارہ کرتا ہے۔ نہایت اندھیرے سوراخ کے اندر رہتا ہے چونکہ ننگا ہوتا ہے اس لئے اسبات کی ضرورت ہوتی ہے کہ جفتی کرتے وقت کوئی اور اس کے اضطراب کو رفع کرنے کے لئے پردہ ڈالے [۵۳۹]۔ اس قسم کے بخل کو ظاہر کرتا ہوا بھی وہ ایک دوسرے شخص کے لئے روپیہ کی حفاظت کرتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ سوائے ایک دانش شخص کے اور کوئی دوسروں کی بھلائی میں اسقدر حصہ نہیں لیتا۔ جس طرح دریا سب کے سب سمندر میں گرتے ہیں ایسے ہی اور بہت سے طریقوں پر دولت کثرت سے اس راجہ کے پاس پہنچتی رہی جس طرح سورج غروب ہونے پر تمام اطراف سے پرندے درخت پر آ کر بسیرا

---

[۵۳۹] ایک عقیدہ اس مطلب کا دیہات میں پایا جاتا ہے کہ جب کوئی شخص سانپوں کو جفتی کرتے دیکھے تو اُن پر کپڑا ڈال دے۔ یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ اس قسم کا ڈالا ہوا کپڑا بعد میں نہایت متبرک ہو جاتا ہے اور اس کی تاثیر یہ بیان کی جاتی ہے کہ جس گھر میں وہ کپڑا رہے اس میں ہمیشہ برکت رہتی ہے اور جو شخص اس کپڑے کو دیکھ کر کسی کام کو کرنے جائے کامیاب ہو کر آتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس اصول کو زیادہ تر اس کے اخلاقی پہلو کی بنا پر قائم کیا گیا ہے۔

بنتے ہیں ایسے ہی جب کسی شخص کی قسمت عروج حاصل کرتی ہے تو دولت صد گنا ہو کر خود بخود اُس کے پاس آتی ہے۔ ندیاں تیز ہو کر زمین کی تہ میں پانی دیتی ہیں۔ آسمان سے پانی بارش کی صورت میں برستا ہے اور تمام اطراف سے نالیوں کے منہ سے پانی نکلتا ہے اس طرح پر موسم برسات میں ایک خالی تالاب بھر جاتا ہے واقعی جب قسمت کا ستارہ اوج پر ہو تو کس دروازے سے صد گنا ہو کر دولت داخل نہیں ہوتی؟ -

اس کے بعد رعایا کی سابقہ جنموں کی خوش قسمتی کے باعث کلش کا من نیک کاموں کی طرف اس طرح رجوع رہا جس طرح کسی باپ کا اپنے کنبے کی مہربانہ حفاظت کے لئے مصروف رہتا ہے۔ اس نے اپنی قابلیت کا اظہار اس طرح پر کیا کہ ایک سوداگر کی طرح اپنی دولت کا حساب رکھتا تھا۔ اُسے بہ احتیاط صحیح طریقے پر خرچ کرتا تھا اور ہمیشہ اُس کا ہاتھ کھلا رہتا تھا۔ وہ خود موجودہ اور مستقبل آمدنی اور اخراجات پر نگرانی کرتا رہا۔ اور ایک محرر کی طرح ہر وقت بھوج پتر

خط ۵۴۰ کوہ ہمالیہ میں ایک درخت پیدا ہوتا ہے جس کی چھال کے اندرونی حصے کو بھوج پتر یا بھوج پتر کہتے ہیں۔ سترھویں صدی تک کشمیر اور اس کے نواحی پہاڑی علاقوں میں عام طور پر بھوج پتر کو کاغذ کی بجائے مستعمل کیا جاتا تھا پروفیسر بوہلر نے اپنی رپوٹ کے صفحہ ۲۹ پر کھائی کے لئے بھوج پتر کی تیاری کا مفصل حال لکھا ہے۔ اس درخت کی چھال آجتک کشمیر میں دیہاتی دوکانداروں اور پٹواریوں وغیرہ کے کام آتی ہے جو اس پر مختصر نوٹ اور حساب وغیرہ لکھتے ہیں۔

البیرونی نے اپنی کتاب انڈیا کی جلد ا صفحہ ۱۸۲ پر اسباب کا ذکر کیا ہے کہ ہندوستان میں سفید کھریا مٹی سے چھوٹی چھوٹی سیاہ تختیوں یا سلیٹوں پر لکھا جاتا ہے یہ طریق آجتک کشمیر اور ملتان زرد شمال ہند میں سکولوں کے بچوں اور دوکانداروں میں ابتک مروج ہے۔

اور کھڑیا مٹی اپنے پاس رکھتا تھا۔ وہ جواہرات اور دوسری چیزیں چونکہ خود انکی اصلی قیمت کے اندازے کے مطابق خرید اکرتا تھا اس لئے کوئی مال فروخت کرنے والا اُسے دھوکا نہ دے سکتا تھا۔ وہ بہ آرام رہتا تھا۔ اُس نے اپنا وقت ۵۴۱ تین مختلف کاموں کے لئے وقف کر رکھا تھا اور سہ پہر کے بعد وہ اپنے اہلکاروں کی نظروں سے بعید رہتا تھا۔ چونکہ وہ اپنی رعایا اور اجنبیوں کی کاروائیوں کی نگرانی جاسوسوں کے ذریعے کروایا کرتا تھا اس لئے صرف اس کی رعیا کے خواب اُسے بے معلوم رہتے تھے۔ چونکہ وہ ملک کی نگہداشت ویسے ہی طور پر کرتا تھا جیسے کوئی مالک مکان اپنے مکان کی کرتا ہو اس لئے اس کی رعایا میں سے کوئی شخص مصیبت زدہ نہ تھا۔ یہ راجہ چرچا سے ڈرتا اور دشمنوں سے بھی میل ملاپ رکھتا تھا حتے کہ چوروں تک کو علانیہ سزا نہ دیتا تھا۔ اگر کوئی نقصان ہو جائے تو اُسے وزرا کے ذریعے پورا نہ کرواتا تھا بلکہ جو کچھ وزیروں کے ہاتھ سے جاتا رہے وہ خود پورا کر دیا کرتا تھا۔ اُس کے عہد حکومت میں لوگ خوش و خورم تھے اور ہر وقت شادی کی دعوتوں۔ میلوں۔ یاتراؤں اور دوسری خوشیوں میں محو رہتے تھے۔ دور اندیشانہ پولیسی سے اس نے نواحی حکمرانوں پر بھی فوقیت حاصل کرلی تھی۔ حتے کہ وہ اس کے سپرنٹنڈنٹوں کی نگرانی کے بغیر کھانا تک نہ کھا سکتے تھے۔ اُس کے جو رشتہ دار اُسکی خدمت میں موجود تھے مثلاً مُکھن اور تنونگ سے دو کر دیے ۵۴۲

---

۵۴۱ تین کاموں سے مراد دھرم، ارتھ اور کام ہے۔ مہابھارت کے پرب ۲، ادھیائے ۵ شلوک ۲۰ میں ان تینوں فرائض کی تشریح کی گئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ کلہن نے بھی اسی شلوک کو مد نظر رکھ کر یہ شلوک لکھا ہے۔

۵۴۲ تنونگ کے دوسرے بیٹے ابک اور دھمت تھے دیکھو شلوک ۱۰۲۲ و ۹۲۲ ترنگ ہذا۔

جو باہر سے واپس آ گئے تھے اور گنگ کے بیٹے ل اور دوسرے جو اپنے مردہ بھائی سے چھوٹے تھے انہیں اس نے شاندار تحائف دیکر ویسے ہی خوش کیا جس طرح چاند دیوتاؤں اور پتروں کو اپنی کلاکی تقسیم سے جس میں سے آبحیات ٹپکتا ہے خوش کرتا ہے ہر چند کہ راجہ پختہ عمر کو پہنچ چکا تھا تاہم اس نے ابھی تک نہ عیوب اور بری عادتیں نہ چھوڑی تھیں جو بد بخت غیر ملکی لوگوں نے اُسے سکھا دی تھیں۔ تُریہ نامی تک ترشکوں سے مختلف دور دراز علاقوں کی لڑکیاں خرید لاتا تھا اور اس کے ہاتھ بیچ دیتا تھا۔ اِن کے ذریعے اور اُن عورتوں کے ذریعے جنہیں اُن کے حسن پر مفتون ہو کر وہ دوسرے کے گھروں سے نکال لایا تھا اس نے اپنے رنواس کی عورتوں کی تعداد ۷۲ تک کر لی۔ ہر چند کہ وہ بہت سی عورتوں کے ساتھ روزانہ عیش کرتا تھا تاہم اس کی طاقت کم نہیں ہوئی کیونکہ وہ مچھلی کا شوربا اور دوسری مقوی چیزیں استعمال کیا کرتا تھا۔ چونکہ وہ عظیم رسوم[۵۴۳] (مہاسمیہ) منانے کا شائق تھا اس لئے اعتدال کو مدنظر رکھنے کے بغیر اپنے گوروں کی صحبت میں خوب شراب لنڈھایا کرتا تھا۔

کلش کی مقدس تعمیرات } اس راجہ کی کارروائیاں ملی جلی نوعیت کی تھیں۔ اس نے وجے کشیتر میں ازسر نو شہر اور شوجی کا سنگین مندر جنہیں وہ جلا چکا تھا تعمیر کروایا۔ وجیش کے سنگین مندر کی چوٹی پر اُس نے ایک سونے کا چھتر لگوایا جو آسمان سے باتیں کرتا تھا۔ ترپرشور میں اس نے ایک دوامی وقف (ورتیھتی) اور شوجی کا مندر بنوایا جس کا آملک[۵۴۴] زیور

---

[۵۴۳] عظیم رسوم سے مراد مشترک رسوم سے ہے جس میں شراب وغیرہ پی جاتی ہے۔ نیز دیکھو نوٹ ۵۱۶ کتاب ہذا۔

[۵۴۴] ترنگ ہذا کے شلوک ۹۳۸ اور ترنگ ۸ کے شلوک ۳۳۶۰ میں جو مندر کے

دآمل سار) سونے کا تھا۔ اس راجہ نے جو عبادت کے کاموں میں بڑی مہارت رکھتا تھا کلش ایشور نامی شوجی کے مندر کی بنا ڈالی جس کے سنگین مندر کی چھت

کی کیفیت سند سے ہے اُن موقعوں پر بھی لفظ "سورنا مل سار" استعمال ہوا ہے اور اس سے مراد مندر کے اس شکھر سے ہے جسے ہندوؤں کے فن معماری میں آملک کہتے ہیں دیکھو فرگوسن صاحب کی کتاب انڈین آرکی ٹیکچر صفحہ ۲۲۲۔ جہاں آملک کی تصویر بھی دی ہوئی ہے لفظ آملک دراصل اس نام کے درخت سے لیا گیا ہے جس کا عام نام آملہ مشہور ہے مندر کے اس حصہ کو آملک اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ یہ آملک پھل یعنی آملے سے بالکل مشابہ ہوتا ہے آج کل اس کا مشہور نام کلش ہے جس میں اس کے متعلق چند ایک دوسرے چھوٹے حصے بھی شامل ہوتے ہیں مسٹر فرگوسن صاحب کو شبہ ہے آیا آملک کی صورت حقیقت میں اس پھل سے ہی حاصل کی گئی ہے اور اس مشابہت کو وہ فرضی قرار دیتا ہے لیکن حقیقت میں یہ مشابہت درست معلوم ہوتی ہے اور اس شلوک سے اس امر کی توضیح ہوتی ہے کہ اس معماری اصطلاح کو ان معنوں میں خوب اچھی طرح سے سمجھا جاتا تھا۔ آمل سار کے معنے آمل کے پھل کی گٹھلی کے ہیں۔ ہیون سانگ نے بھی آملک کے بجائے لفظ "آو۔مو۔لو۔کیا۔کو" استعمال کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فن معماری کی اس اصطلاح سے واقف تھا۔ دیکھو "سی یوکی" جلد ۲ صفحہ ۹۵ و ۱۳۶۔

شمالی ہند میں ہر جگہ آملک نمونے کے کلش بکثرت پائے جاتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ کشمیری مندروں کی بلند چوٹیوں کی آرائش کے لئے بھی اسی نمونہ کو کام میں لایا جاتا تھا۔ چنانچہ یہ پانچ مندر ہیں جو اکیلا اس قسم کا مندر ہے جس کی چوٹی ثابت رہ گئی ہے پائی جاتی ہے۔ تصاویر کے لئے دیکھو فرگوسن صاحب کی کتاب انڈین آرکی ٹیکچر صفحات ۲۸۳۔۲۹۰۔۲۹۵۔

بے شمار طلائی پیالوں (گھنٹی)[۵۴۶] سے آراستہ تھی۔ جب یہ راجہ شو کلش ایش[۵۴۵] کے مندر پر گلٹی چتر چڑھانے لگا تو ترشکوں کے ملک سے ایک کاریگر آگیا۔ اس شخص نے کہا کہ میں کئی ہزار سونے کے سکوں سے چتر تیار کرسکتا ہوں اور اس بات کو پوشیدہ رکھا کہ تانبے پر سونا چڑھانے کا فن بھی جانتا ہوں۔ کئی روز تک وہ راجہ کے ہاں دعوتیں اُڑاتا رہا حتےٰ کہ نونک نامی وزیر نے جو بڑا ذہین تھا بالواسطہ طور پر اُس کے فن کو معلوم کر لیا اس طرح بر شرمندہ ہو کر وہ جیسے آیا تھا لوٹ گیا اور وہ چتر بہت تھوڑے سونے کے سکوں سے تیار کیا گیا۔ یہ راجہ فیاضی میں اندر سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ اس نے اتنتیش نامی ایک بان لنگ۔ اور اور بہت سی مقدس مورتیاں استھاپن کروائیں۔

راجپوری پر فوج کشی } راجہ سہپال کے مرنے پر اس کا بیٹا سنگرام پال راجپوری کے تخت پر بیٹھا۔ اس کم سن راجہ کا چچا مدن پال بڑا با اختیار اور مغرور تھا۔ اس نے خود تخت غصب کرنے کے لئے کوشش کی۔ اس سے ڈر کر سنگرام پال کی بہن راجہ کے پاس پناہ گزیں اور اس کی امداد کی طالب ہوئی اور ایسے ہی ٹھاکر حسبراج اُس کے پاس پناہ گزیں ہوا راجہ نے ان دونوں کو بڑی مہربانی سے رکھا اور اس کے بعد جیانند۔ بج اور

---

۵۴۵ اس مندر کا محل وقوع عدم پتہ ہے۔ اس ترنگ کے شلوک ۲ ۱۰۷۷ ۔ ۱۰۷۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی آرائش میں چونکہ سونا استعمال کیا گیا تھا اس لئے ہرش کے زمانہ میں اس مندر کے متعلق اکثر خطرہ لگا رہتا تھا۔

گھنٹی سے مراد اُس قسم کے گول پیالوں سے ہے جو مختلف دھاتوں کے بنے ہوئے ہوتے ہیں اور آجکل کے مندروں کی چوٹیوں پر بھی کہیں کہیں دیکھے جاتے ہیں۔ اکثر ان میں سے دو کو ملا کر ایک گول شکل بنائی جاتی ہے۔

دوسرے بہادر آدمیوں کو نند کے لئے اسکے ساتھ کر دیا۔ جب جیا نند نے دشمن کو منتشر کر دیا اور اپنا کام کر چکا تو اس وقت جب وہ بااثر ہو گیا اور ملک اُس کے زیر اختیار آ گیا اُسے سنگرام پال کے وزیروں کی طرف سے شبہ پیدا ہو گیا اُسے نکال دینے کے لئے اُنہوں نے اسے ڈرایا بھی اور دھمکی بھی دی لیکن یہ بہادر پورے طور پر ثابت قدم رہا۔ اب اُسے شبہ پیدا ہوا کہ بج نے یہ اندیشہ راجپوری کے مشیروں میں پیدا کر دیا ہے اور وہ اس پر خفا ہو گیا۔ جب وہ اپنی درخواست پیش کر چکے اور نذرانے گذار لئے تو وہ واپس چلا آیا لیکن دوراندیشی سے حفظ امن کے بہانے اپنی فوجیں وہاں چھوڑ آیا۔ راجہ کلش جو سمجھدار اور معاملات کے متعلق گہری دوراندیشی رکھنے والا تھا اس وقت جیا نند کے راجپوری پر قبضہ کر کے واپس آنے پر بہت خوش ہوا۔ اس اثناء میں بج اور باقی ماندہ لوگ راجوں کی طرح حکومت کرتے رہے اور جیا نند ایک مہلک مرض میں مبتلا ہو گیا۔ جب راجہ اس کا حال پوچھنے اُس کے گھر آیا تو اس نے اُسے دوران گفتگو میں کہا کہ میں نے آپ کو خفیہ طور پر کچھ بتانا ہے۔ جب باقی سب چلے جانے پر بھی وہ خاموش رہا تو بج منہ سے پان نکالنے کے بہانے باہر نکل آیا۔ ہر چند کہ معتبر وزیر اور راجہ نے اس کو باہر جاتے دیکھ کر پوچھا کہ تم کیوں جا رہے ہو تاہم وہ چونکہ سمجھدار تھا باہر نکل آیا اور وہیں ٹھہر گیا۔ جیا نند نے راجپوری کا سارا واقعہ راجہ سے بیان کیا اور کہنے لگا یقیناً ملک اب تمہارا نہیں ہے کیونکہ بج بااختیار ہو گیا ہے اس کے علاوہ سرکاری معاملات میں بج نے جو نفع کمایا تھا اس کا بھی اس نے راجہ کے آگے سارا ذکر کر دیا۔

بج کی جلاوطنی جب راجہ بحالت اضطراب اپنے ملک کو واپس آیا تو بج جو آثار کو سمجھتا تھا رخصت کا خواستگار ہوا۔ اور

جب اس نے اصرار کیا تو راجہ نے کسی قدر ناشائستگی کے ساتھ اُسے باز رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے بالآخر دل میں خوش ہوکر اُسے اجازت دیدی۔ حکم پاکر وہ گھر کو چلا آیا۔ اور اپنے بھائیوں کو معہ مال واسباب آگے آگے بھیج کر خود اجازت حاصل کرنے راجہ کے پاس آیا۔ اس وقت راجہ اور اُسکے نوکر کا برتاؤ کسی قدر حیرت خیز تھا کیونکہ ان میں سے ایک اپنے شاہی اعزاز کو استقلال کے ساتھ برقرار رکھے ہوئے تھا اور دوسرا اپنی خاموشی کو۔ راجہ نے اپنے منظور نظر نوکر کو جانے سے باز نہ رکھا اور آخرالذکر گو غصے میں بھرا ہوا تھا تاہم اس نے راجہ کے ساتھ جس سے وہ محبت کرتا تھا حیل وحجت نہیں کی۔ تھوڑی دیر تک راجہ سے جو اس کے ساتھ ساتھ چند قدم آگے بڑھا تھا آہستہ الفاظ میں گفتگو کرنے کے بعد بج مسکراتا ہوا رخصت ہوگیا۔ جس طرح ہلدر نے بستر مرگ پر چندر راج کو تباہ کیا تھا اسی طرح جیانند نے مرتے وقت بج کو عہدے سے گرا دیا۔ اس وقت وزرا راجہ سے کہتے تھے " دیکھئے! وہ شخص جا رہا ہے جو سوائے اس دولت کے جو آپ کے پاس ہے ملک میں کچھ نہیں چھوڑ گیا۔ لازم ہے کہ اس کی جائداد ضبط کرلی جائے " لیکن راجہ نے اس پر عمل نہیں کیا۔ اس توقع میں کہ راجہ یقیناً اُسے واپس بلالے گا سوائے راجہ کے باقی سب لوگ بج کے ساتھ ساتھ گئے۔ ادھر راجہ طاقتور بج سے حملے کا خوف کھاتا ہوا پانچ راتیں متواتر جاگتا رہا اگر کہیں گھاس کا تنکا بھی ہلتا تو وہ کانپ اُٹھتا تھا۔ جب بج کے ہمراہی شورپور۵۴۶ سے اُس کے رخصت ہونیکے

---

۵۴۶ سرینگر سے شورپور (جس کا جدید نام ہورپور ہے) تک کا فاصلہ آجکل اڑھائی منزل گنا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے اوپر والے شلوک میں جو پانچ دنوں کا ذکر ہے اس کا اندازہ صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ اسکے ہمراہیوں کو اڑھائی دن جانے اور اڑھائی دن آنے میں لگے ہونگے۔

بعد واپس چلے آئے تو راجہ نے خوف سے آزاد ہو کر اپنے اندیشے کا ذکر وزیروں سے کیا اور جب اُن لوگوں نے جنہوں نے بج کی جائداد ضبط کرنے کے متعلق رائے دی تھی یہ بات سنی تو انہوں نے تسلیم کیا کہ راجہ نے اگر اُن کے کہنے پر عمل نہیں کیا تو یہ اس کی دور اندیشی پر مبنی تھا۔

اُدھر بیگناہ بج اور اُس کے ہمراہی جس ملک میں جلتے تھے وہاں اُنکی جواہرات کی طرح عزت ہوتی تھی۔ ہر چند کہ بج بڑی اہمیت حاصل کر چکا تھا تاہم وہ بدستور وفادار رہا اور کلش دیو کے قدموں کی سوگند ویسے ہی کھاتا تھا گویا وہ کوئی دیوتا ہو۔ اس طرح پر بج اور دوسروں کو جلاوطن کر کے اور بہت ہی تھوڑا عرصہ عروج پر رہکر جیا نند سوریہ متی کے سراپ کے باعث بہت جلد مر گیا۔ انہی ایام میں جندو راج بھی جس نے راجہ اننت کی مخالفت کی تھی راہی ملک عدم ہوا اور اس کے مرنے سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ وہ سراپ رُکنے والا نہیں ہے۔ ایسے ہی تھوڑا عرصہ خوشحالی مناکر بج اور اُسکے ہمراہی اُس سراپ ہی کے باعث ملک گوڑ میں راہی ملک بقا ہوئے۔ بج ایک اتفاقیہ لڑائی میں کام آیا اور اُس کے چھوٹے بھائی ایک عرصہ دراز تک قید رہے جب وہ قید سے رہا ہوئے تو پاجک کو تو شیر نے پھاڑ ڈالا اور اُس کے چھوٹے بھائی بھی طرح طرح کی تکلیفیں اُٹھا کر مر گئے۔ نفاق پھیلانے والوں میں سے مدن کی طرح کے دو تین آدمی گو اس وقت نہیں مرے تاہم انکی قسمت میں جلدی ہی ایک خراب موت مرنا لکھا تھا۔

وامن کو وزیر اعظم بنایا جانا اب وامن کو جو جیا نند کا نائب تھا اور اُس کے بچوں کی محافظت کرتا تھا وزیر اعظم (سروادہی کارن) بنا دیا گیا۔ اب تک بوڑھے آدمی سمجھدار لوگوں کے مجمع میں اس ہوشیار

وزیر کے مختلف عجیب و غریب کاموں کا ذکر کیا کرتے ہیں۔ اُن گاؤں کو ضبط کر کے جو اونتی سوامن اور دوسرے مندروں کے اوقاف میں داخل تھے حریص راجہ نے کرم استھان کا دفتر جسے کلش گنج کہتے تھے قائم کیا۔ چونکہ وہ اپنی رعایا کے فوائد کی محافظت کے طریقے جانتا تھا اس لئے پادا گر کا عہدہ وزیر نونک کو گو وہ مالگذاری وصول کرنے میں ہوشیار تھا نہیں دیا جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ظالم تھا۔ راج کاش کے بیٹے پرشست کلش اور اُس کے بھائیوں نے وزیر بن کر راجہ کی منظور نظری خوب ہی حاصل کی مگر راجہ نے دانائی سے ایسے بیٹوں کو جو خودسر اور اطاعت نہ کرنے والے تھے اور اُن لوگوں کو جو چوروں اور خفیہ جماعتوں سے تعلق رکھتے تھے اپنی ملازمت سے باہر رکھا۔ جب راجپوری کے حاکم پر مدن پال نے دوبارہ حملہ کیا تو راجہ نے بپٹ کمانیر کو اس کی مدد کے لئے بھیجا۔

غیر ملکی مہمات یہ اس راجہ کے اقبال کا باعث تھا کہ ایک ایسے چھوٹے افسر نے ہی مدن پال کو شکست دی اور اُسے پابزنجیر کر کے کشمیر بھیج دیا۔ وراہ دیو کے دلیر بھائی کندرپ نے جسے راجہ نے دوارپتی بنا دیا تھا ڈامروں کو کچل ڈالا۔ اس نے تدبر اور بہادری جندوراج سے سیکھی تھی اور نواحی علاقوں کے والیان ریاست سر و چشم اُس کے احکام کی تعمیل کرتے تھے۔ اس نے راجپوری اور دوسرے مقامات میں فتوحات حاصل کیں چونکہ آدمی بہت جوشیلا تھا اس لئے کئی دفعہ اپنے عہدہ سے مستعفی ہوا۔ گو راجہ اُسے ہر بار مناتا اور دوبارہ متعین کرتا رہا۔ مدن نے جسے راجہ نے کمانڈر انچیف بنا دیا تھا بوپ اور دوسرے بے شمار ڈامروں کو جو بہت طاقتور بن چکے تھے مار ڈالا۔ وجے سنگھ نامی ایک

چتریمار[۵۴۶] کو راجہ نے اس کی خدمات پر نظر رکھتے ہوئے شہر کا کوتوال مقرر کر دیا تھا۔ اس نے تمام چوروں کی بیخ کنی کر دی۔ کندرپ۔ اودے سنگھ اور دوسروں کو ایک ساتھ لوہر بھیجکر راجہ نے بھون راج کو پیچھے ہٹ جانے پر مجبور کر دیا۔ جب اس نے نیل پور کے راجہ کیرتی رج کی بیٹی بھون متی سے شادی کر لی تو یہ دشمن بھی سیدھے راستہ پر آگیا۔ وجے سنگھ سے کوتوال شہر کا عہدہ لیکر راجہ نے گنگ کے بیٹے مل[۵۴۷] کو اس غرض سے دیدیا کہ وہ سرکاری کام سے واقف ہو جائے اور بعد ازاں اُسے دوارپتی کا عہدہ دیدیا گیا اور اسکے بعد اس حیثیت میں اُس نے دوسرے راجاؤں کو اپنا مطیع بنا لیا۔ اُرشہ پر حملے کرنیکے وقت مشہور و معروف مل نے جس بہادری کا اظہار کیا اس کی مثال صرف وہی ملتی ہے جس میں پرتھا کے بیٹے[۵۴۹] نے بغیر کسی کی مدد کے اتنے سے گوئیں واپس حاصل کر لی تھیں۔ پانچ چھ گھوڑوں کے ساتھ دریائے کرشنا[۵۵۰] کو عبور کر کے مل نے

---

[۵۴۶] ایک ٹیکا کار نے وجے سنگھ کو چوروں کا کپتان لکھا ہے اور خیال ظاہر کیا ہے کہ اُسے ملازم رکھ کر اُس کے سابق ساتھیوں کے خلاف مقرر کر دیا گیا تھا۔ مخفی نہ رہے کہ مشرق میں یہ طریق عام طور پر مروج تھا دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۶۲۔

[۵۴۸] مل کا باپ گنگ۔ تنونگ کا بھائی اور لوہر کے کانتیہ راج کا پوتا تھا دیکھو شلوک ۳۵۷-۱۷۔ ۵۔ جلد ۱۲ ترنگ ہذا۔ مل کے خاندان میں کشمیر کا تخت اس کے بیٹوں اوچل اور سسل کی وساطت سے ملا تھا۔

[۵۴۹] پرتھا کے بیٹے سے مراد ارجن سے ہے مہابھارت کے پرب ۴۔ ادھیائے ۳۵ میں مفصل طور پر اسباب کا ذکر کیا گیا ہے کہ دریودھن نے جو اتنے کے باپ وراٹ کی گوئیں چھین لی تھیں وہ اس نے کس طریق پر واپس لیں۔

[۵۵۰] کرشنا سے مراد دریائے کشن گنگا ہے جسے موجودہ مظفر آباد کے اوپر کی طرف عبور کر کے اُرشہ میں جس کا جدید نام ہزارہ ہے پہنچتے ہیں۔ اس دریا کا مختصر نام تنگ ۸

راجہ ابھے کی سلطنت مفتوح کر لی اور اُس کے تمام گھوڑوں پر قبضہ کر لیا جب اس ہوشیار راجہ نے زمین کو اپنے زیر اقتدار کر لیا تو لوگک سمت ۲۱۶۳ (شتہ ۱۰) میں ایک ہی وقت آٹھ راجہ اُس کے دارالسلطنت میں جمع ہوئے۔

پہاڑی راجاؤں کی مجلس

راجہ کے روبرو اس وقت حسب ذیل والیان ریاست ۱۵۵ جمع ہوئے۔ بدہاپور (؟) کا راجہ۔ چمپا کا راجہ آست۔ ولاپور کا راجہ کلش جو تک کا بیٹا تھا۔ راجپوری کا

کے شلوک ۱۰۴۳۰۱ نیل مت پوران کے شلوک ۱۲۹۸ اور ہر چرت چنتا منی ادھیائے ۱۲ کے شلوک ۴۴ میں بھی آتا ہے۔

۱۵۵ اس جگہ جن والیان ریاست کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے پہلے کا نام اور علاقہ بالکل غیر یقینی ہے ایک ٹیکا کار نے اس کے لئے لفظ کیرتی نیب پور لکھا ہے لیکن سٹائن صاحب کے خیال میں اس لفظ کی ترکیب اس شلوک کے باقی الفاظ کے ساتھ مطابقت نہیں کھاتی اور اس لئے وہ اسے غلط قرار دیتے ہیں بخلاف اس کے بابو جوگیش چندر دت نے اپنے ترجمہ میں اسی لفظ کا ترجمہ کیرتی والئے نیرب پور کر کے اس امر کا شبہ ظاہر کیا ہے کہ شائد اس نام سے مراد نیلا پور سے ہے۔ منشی محمد الدین صاحب فوق اور پنڈت ہر گوپال کول نے اپنی کتابوں میں کرتی والی ابھے پور لکھا ہے۔ سٹائن صاحب سوال پیدا کرتے ہیں آیا اس جگہ لفظ کیرتی کیرتی راج کا مخفف ہے جس کا ذکر ترنگ ۷ کے شلوک ۵۰۲ میں والی نیل پور کے طور پر ہو چکا ہے۔ آخرالذکر شلوک میں جس شادی کا ذکر ہے اس کے بعد کیرتی راج کا کلش کے دربار میں جمع شدہ راجاؤں میں موجود نہ ہونا حیرت کا باعث ہو سکتا ہے بہرنوع سٹائن صاحب نے اس جگہ ایک اور ٹیکا کار کے مطابق لفظ کیرتر بدہاپورہ کو ٹھیک سمجھ کر اس کا ترجمہ کیا ہے۔

آست والئے چمپا کے متعلق دیکھو نوٹ ۵۰۶ کتاب ہذا۔ کلش والئے ولاپور کا ذکر

راجہ سنگرام پال۔ لوہر کا راجہ اُت کرش۔ ارشہ کا راجہ سنگت (؟) کانڈ کا راجہ گام بھیرسی۔ اور کاشت واٹ کا راجہ مشہور و معروف اوتم راج۔ خلقت کے ہجوم میں راجاؤں کی یہ اہم منڈلی اسی طرح نظر آتی تھی جیسے سمندر میں برسات کے پانی سے بھرے ہوئے دریا کی طغیانی ہر چند کہ سردی کا موسم تھا اور دریائے وتسٹا کا پانی جم کر چٹان کی طرح سخت ہو رہا تھا تاہم راجاؤں کو پورا پورا آرام ملا۔ جس چیز کا خیال یہ راجہ اپنے من میں کر سکتے تھے وہ انہیں یہاں اپنے سامنے نظر آتی تھی کیونکہ وامن نے اُسے مہیا کر رکھا تھا۔ اس موقعہ پر اس وزیر کی ہوشیاری کا اظہار بڑی خوبی کے ساتھ ہوا کیونکہ اس نے بغیر کسی گھبراہٹ کے اس قسم کے انتظامات کر دیئے کہ کوئی دوسرا شخص معمولی سا انتظام بھی ویسے طور پر نہ کر سکتا۔ جب راجاؤں کے رخصت ہونے کے بعد مل نے اُس عہدے کو اپنے پاس نہ رکھنے کی خواہش ظاہر کی تو راجہ نے پھر کندرپ کو عہدۂ دوارپتی کا

ترنگ ۷ کے شلوک ۲۲۰ میں اور سنگرام پال اور اُت کرش کا ذکر شلوک ۵۳۳ و ۲۵۶ ترنگ ہذا میں ہو چکا ہے۔

اُرشہ کے فرماں روا کا نام مشتبہ ہے کیونکہ ایک ٹیکا کار اس کا نام سنگجے اور دوسرا سنگت لکھتا ہے لیکن سٹائن صاحب نے ان میں سے سنگت کو ہی صحیح خیال کیا ہے کیونکہ اس کا ذکر آگے چل کر ترنگ ۸ کے شلوک ۲۱۷ میں بھی آتا ہے۔

کانڈ کے ایک راجہ کا ذکر ترنگ ۸ کے شلوک ۱۳۴۵ اور کانڈ کی سڑک کا ذکر شلوک ۵۳۸ میں آتا ہے اس علاقے کے محل وقوع کے متعلق ٹھیک طور پر حالات معلوم نہیں ہو سکے لیکن آخرالذکر شلوک میں کانڈ کے متعلق لکھا گیا ہے کہ وہ بھدرواکاش یا بھدرواہ سے کشمیر کو جانے والے راستے پر واقع ہے جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ کانڈ ایک ایسے پہاڑی ضلع کا نام تھا جو کشمیر کے عین جنوب مشرق کی

چارج لینے کی ترغیب دی۔ اس باہمت وزیر نے اپنے خرچ پر ایک مہم تیار کی اور جنگ کے ذریعے سواپک نامی ایک مضبوط قلعے پر قبضہ کر لیا۔ اُس کے بعد شہر کو واپس آ کر وہ اپنے عہدے سے مستعفی ہو گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی وجہ سے بے حوصلہ ہو چکا تھا کیونکہ گو راجہ نے اُس سے یہ عہدہ رکھنے کی درخواست بھی کی مگر اس نے منظور نہ کیا۔ اب پرشست کلش نے جو راجہ اور کندرپ کے درمیان مسلسل پیغام رسانی کرتا رہا تھا اور جو کندرپ کے مغرورانہ الفاظ سے ناراض ہو چکا تھا حوصلہ کر کے اپنے روپیہ کے ذریعے سپاہیوں کی ایک تعداد جمع کی اور اپنے بھائی رتن کلش کے لئے کندرپ کی جگہ حاصل کر لی۔ ہر چند کہ پرشست کلش نے روپیہ کی مدد سے ایک بڑا عہدہ حاصل کر لیا تھا تاہم وہ کسی طرح بھی کندرپ کے برابر کا درجہ نہ رکھتا تھا۔ بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ کوئی تصویر کا شیر ایک حقیقی شیر کی مانند حرکات کرنے لگ جائے۔ رفتہ رفتہ

طرف واقع تھا۔

کاشت واٹ سے مراد موجودہ ضلع کشتوار یا کِشتوار سے ہے جو کشمیر کے جنوب مشرق میں بالائی چناب کی وادی میں واقع ہے۔ اس علاقے کی آبادی آجکل نصف سے زیادہ کشمیری ہے۔ جو نراج نے اس کا ذکر شلوک ۷۶ و ۳۱۳۔ سری ور نے ترنگ ۱ کے شلوک ۴۶ اور شک و پرجا بھٹ نے شلوک ۳۵۔ ۷۴۔ ۸۱۶۔ ۸۲۷ و ۹۹۱ میں کیا ہے۔

کشتوار کے مفصل حالات کے متعلق دیکھو ڈریو صاحب کی کتاب "جموں" صفحہ ۱۱۶ اس جگہ کے راجپوت راجاؤں کی دلچسپ تاریخ بھی اسی کتاب میں مل سکتی ہے جو اورنگ زیب کے وقت تک ہندو تھے۔ اور راجہ گلاب سنگھ کے فتح کرنے تک عملی طور پر خود مختار تھے۔

کشمیر میں ایک اور کاشت واٹ بھی موجود ہے جس کے متعلق دیکھو نوٹ ۲۵۲ کتاب ہذا۔

راجہ نے بمشکل اُس لائق افسر کو شہر کے راجستھان[۵۵۲] کا چارج لے لینے پر رضامند کر لیا لیکن جب ایک چور کو اس قدر مارا گیا کہ وہ بالکل ہی مر گیا تو اس پر مضطرب ہو کر اس رحم دل وزیر نے اپنے عہدے سے دست برداری کر لی اور گنگا کو چلا گیا۔ جب راجہ نے اُس کا دامن پکڑ کر اُسے روکنا چاہا تو اُس نے غصہ میں آ کر راجہ کا ہاتھ جھٹک دیا جس پر راجہ جوش میں آ کر اُس کا مخالف ہو گیا مگر جب اُسے دوبارہ راجہ کے سامنے لائے تو آخر الذکر کو ہر چند کہ بہت صدمہ پہنچا تھا تاہم اس نے صرف اس کی نخوت دور کرنے کی کوشش کے سوائے اُس کی جان لینے کا ارادہ نہیں کیا اب یہ راجہ استقلال۔ سمجھ اور صبر کے ساتھ بہادروں کے اسیفے منظور کرتا رہا۔ اسی نے اس ملک میں اوپانگ گیتوں کو مروج کیا تھا۔ اور جیسا کہ دوسرے ملکوں میں رواج ہے رقاصہ عورتیں بڑی احتیاط کے ساتھ منتخب کی تھیں۔ اب اس راجہ

۵۵۲ راجستھان ادھی کار یا راجستھان کے عہدے کا ذکر آخری دو ترنگوں میں کئی موقعوں پر آتا ہے چونکہ اس کے ہمراہ ترنگ ۸ کے شلوک ۱۸۱-۵۷۳-۱۰۴۶-۱۹۸۲ و ۲۶۲۴ میں کمپن اور دوار جیسے اعلےٰ عہدوں کا ذکر آتا ہے اس سے نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ یہ بھی یقیناً کوئی بڑا عہدہ ہوگا۔ ہمارے شلوک سے معلوم ہوتا ہے کہ راجستھان ادھی کار کا تعلق عدالتی انتظام سے کچھ نہ کچھ ہوا کرتا تھا۔ اگر ہم خیال کر لیں کہ اس عہدہ دار کے فرائض چیف جسٹس کے برابر ہوا کرتے تھے تو پھر اس کے لفظی معنوں کا کچھ مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔ راجستھان کا لفظ راج گرہ یا شاہی محل کا مترادف ہے جس کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ ترنگ ۸ کے شلوک ۲۲۱۸-۲۲۷۱ و ۲۹۲۵ میں بلا امتیاز یہ لفظ استعمال کئے گئے ہیں۔

زمانہ قدیم سے ہی ہندوستان میں عدالتی اختیارات براہ راست راجہ کے ہاتھ میں چلے آتے رہے ہیں جس کا فرض ہوتا تھا کہ وہ سمرتیوں کے مطابق اپنے محل کے

نے جے ون[۵۵۳] کے قریب ایک شہر کی بنا ڈالی جس میں بہت سے مکانات تھے۔ اس شہر کو اس نے اپنے نام سے منسوب کیا اور اس میں ہزاروں کی تعداد میں مٹھ۔ اگر ہار۔ ایوان۔ حویلیاں۔ خوشنما تالاب اور باغات بنوائے۔

راجکمار ہرش کا چال چلن

اس اثناء میں راجکمار ہرش نے جو غیر معمولی طور پر بہادر تھا[۵۵۴] اس قسم کی خوبیوں کے

ایک جداحصے میں عدالت قائم کرے۔ ہندوستانی روایات میں ایسی بات کا بھی ذکر آتا ہے کہ راجا اپنا یہ شاہی فرض ایک چیف جسٹس کی حیثیت کے شخص کے سپرد کر دیتا تھا۔ دھارمک کتابوں میں اس کے لئے مختلف الفاظ استعمال ہوئے ہیں ممکن ہے یہ بھی ان میں سے ایک نام ہو جس کی وجہ یہ ہو کہ وہ شاہی محل کے اندر اجلاس عدالت کیا کرتا تھا۔

ترنگ ۸ کے شلوک ۲۰۵۷ میں جو لفظ "راجستھانی منترنہ" کا استعمال ہوا ہے ممکن ہے اُس سے مراد چھوٹے درجہ کے عدالتی افسر ہوں۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۲۰۷۵ میں سیڈ نامی محاسب خانے کے لئے بھی لفظ راجستھان استعمال ہوا ہے۔

خاندان گپت کے کتبوں میں راجستھان کا لفظ ایک عہدے کے خطاب کی حیثیت میں مندرج ہے لیکن اس سے عہدے کی نوعیت پر کچھ روشنی نہیں پڑتی۔

[۵۵۳] جے ون موجودہ موضع زیون کا نام ہے جو سری نگر کے شمال مشرق میں چھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے دیکھو بوہلرصاحب کی رپوٹ صفحہ ۶۔ اس جگہ کے اسلامی قبرستانوں اور مکانات میں تراشے ہوئے پتھر ملتے ہیں لیکن وہ اس قدر تعداد میں نہیں ملتے جس سے معلوم ہو کہ عمارات بہت بڑی بڑی اور وسیع تھیں۔ ایک اور جگہ بھی کلش کے شہر کا حوالہ دیا گیا ہے ترنگ ۷ کے شلوک ۱۷۹۱ میں ہرش کے جن مٹھوں کو لوٹ لینے کا ذکر ہے غالباً وہی ہیں جن کا حوالہ اس شلوک میں دیا گیا ہے۔

[۵۵۴] بلہن نے بھی وکرمانک دیوچرت کے ادھیائے ۱۸ شلوک ۶۴ تا ۶۶ میں میلق

ذریعے شہرت حاصل کرتی جو سادہ و نادر دوسرے راجاؤں میں پائی جاتی ہیں۔ وہ تمام زبانیں جانتا تھا۔ تمام زبانوں کا اچھا شاعر تھا۔ علم و ہنر کی کان تھا اور اس طرح پر اس کا شہرہ دوسرے ملکوں میں بھی پھیل گیا تھا۔ مختلف ملکوں سے آئے ہوئے نیک صفات اور بہادر لوگوں کو جنہیں اس کا حریص باپ توجہ نہ دیتا تھا وہ بڑی بڑی تنخواہیں دیکر اپنی ملازمت میں رکھ لیا کرتا تھا۔ چونکہ اُس کا باپ اُسے جو خرچ دیتا تھا وہ اس فیاض منش راجکمار کے لئے ناکافی تھا وہ ہر دوسرے دن کھانا کھایا کرتا تھا۔ وہ ایک گویئے کے طور پر عوام کے روبرو اپنے باپ کو گیتوں سے خوش کیا کرتا تھا اور اس کی طرف سے جو انعام ملتا اُس سے اپنے عملے کا خرچ چلایا کرتا تھا۔ ایک موقعہ پر جب کہ وہ گا رہا تھا اور حاضرین سُن سُنکر خوش ہوتے تھے راجہ اُٹھکر رفع حاجت کے لئے باہر چلا گیا۔ غیور راجکمار نے جب اس وقفہ سے اپنے اعزاز میں فرق آتا دیکھا تو وہ شرم اور غصے سے نہایت مضطرب ہوا اور اپنی آنکھیں نیچی کرلیں۔ بے صبر استاد۔ دغا باز دوست۔ سخت کلام عورت۔ متکبر بیٹا۔ مغرورانہ جواب دینے والے نوکر اور دل جلانے والے ہمراہی ان سب کو معاف کیا جاسکتا ہے لیکن اُس سامع کو معاف نہیں کیا جاسکتا جو حقارت سے اپنی آنکھوں کے کونوں کو ادھر اُدھر ہلاکر لاپرواہی کا

جنگ میں ہرش کی شخصی بہادری اور شاعرانہ قابلیت کا اعتراف کیا ہے جس میں وہ شری ہرش پر بھی سبقت لے گیا تھا اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ بڑے دلکش راگ تیار کرسکتا تھا۔ پروفیسر بوہلر نے اپنے تالیف کردہ وکرمانک دیوچرت کے دیباچہ کے صفحہ ۱۹ میں لکھا ہے کہ زمانہ ماسبق کے شاہی مصنف شری ہرش کا حوالہ دینے سے یہ امر مشتبہ ہوگیا ہے کہ آیا رتناولی اور اسی قسم کی دوسری تصانیف کو ہرش دیو والئے کشمیر سے منسوب کیا جاسکتا ہے؟

اظہار کرے۔

ہرش کی ناراضگی اُس کے باپ کے ایک چاپلوس وشہ وت نامی نے تمسخر کے طور پر ہرش سے کہا کہ باپ کو مار کر خود حکمران بن جاؤ۔ لیکن جب ہرش نے غصے میں آکر اُسے ملامت کی تو دہمت نے بھی جو پاس ہی بیٹھا تھا ہنستے ہوئے کہا "اس نے کوئی نامناسب بات تو نہیں کہی"۔ زمانہ مستقبل کے فوائد کے خواہشمند ہو کر باپ کے ہمراہی اکثر خفیہ محبت ظاہر کر کے نوجوان بیٹوں کے ساتھ اس طرح لگ جاتے ہیں جس طرح فاحشہ عورتیں اپنے آشناؤں کے دوستوں کا تعلق اپنے ساتھ قائم کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ جب راجہ دربار میں واپس آیا تو اس نے راجکمار کو بہت سے انعام و اکرام دیکر خوش کیا لیکن اگلے روز جب وہ اپنے باپ کے ساتھ کھانا کھا کر اپنے کمرہ میں واپس آیا تو وشہ وت نے اس کے پاس آکر پھر چپکے سے پہلے کی طرح اس کے کان میں وہی بات کہی۔ جب باوجود متواتر منع کرنیکے وہ ان باتوں پر مصر رہا تو ہرش نے غصے میں آکر اُسے تھپڑ مارا مگر جب اس عالی نسب راجکمار نے دیکھا کہ اُس تھپڑ کے باعث اُس کی ناک سے خون بہنے لگ گیا ہے تو اس نے رحم کا اظہار کیا۔ اس نے نوکروں کے ذریعے خون دھلوایا اور مسکرا کر یہ کہتے ہوئے اُسے کپڑے دیئے "یہ صرف شریرانہ بات کہنے کا نتیجہ ہے"۔ اس سے اس بدبخت نے نتیجہ نکالا کہ ہرش اب وہ بات چاہتا ہے جو درحقیقت وہ نہ چاہتا تھا۔ یعنی ہی اُس طرح جیسے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کی بیوی کو محض مسکراتے دیکھ کر خیال کرتا ہے کہ اُسے میرے ساتھ محبت ہے۔ اس لئے وہ عرصہ دراز تک بار بار کوشش کر کے اس بات کی ترغیب دیتا رہا اور یہ سارا کام دہمت کے توسط سے ہوا۔

ہرش کی سازش

اب خود ہرش کے دل میں روز افزوں دغابازانہ خواہش پیدا ہونے لگی۔ وہ اُس گناہ پر مجبور ہوگیا اور دوسروں کے ساتھ سازش کرکے اس نے اپنے باپ کو مارنے کے لئے قاتل (تیکشن) مقرر کردیئے۔ کلش اکثر انکے قابو میں آجاتا تھا مگر بیٹا کسی پرانی محبت کی رہی سہی یاد کے باعث انہیں اس کو مارنے نہ دیتا تھا تاہم وہ اپنی اس تجویز سے دست بردار نہیں ہوا۔ جب یہ قاتل ہرش کے معتبر آدمی بن گئے تو وشاوت نے معاملے کے انکشاف سے ڈر کر جلدی سے راجہ کو خبردار کردیا۔ جب راجہ نے یہ بات سنی تو اُسے خوف پیدا ہوگیا اور گو راجہ نے اُسے قاصدوں کے ذریعے بلوایا تاہم وہ اس دن کھانا کھانے نہ گیا۔ اُس کے نہ آنے سے باپ کو بھی اس معاملے میں پورا یقین ہوگیا اور اس کے دل میں یسا رنج پیدا ہوا کہ اُس روز نہ تو اس نے نہ اُس کے ہمراہیوں نے کھانا کھایا۔ جب صبح کے وقت ٹھکن سعہ اپنے بھائی کے آیا تو کلش نے اُس کے روبرو اپنی مصیبت کا حال بیان کیا اور اس کی بغل میں سردیکر دیر تک روتا رہا۔ دہمت کے متعلق داستان بیان کرنے کے بعد اس نے اپنی مضطربانہ گفتگو کے دوران میں یہ بھی کہا کہ تمہیں چاہیے دہمت کو پکڑ کر میرے حوالے کردو لیکن تنونگ کے دونوں بیٹوں نے اپنے بھائی دہمت کی طرف سے یہ جواب دیا "ہمیں اُس کے افعال کی کچھ خبر نہیں۔ مہاراج ہم نے آپ کی مہربانی کے بل بر اپنے آپ کو مصیبت زدگان کی محافظت کے لئے وقف کر رکھا ہے اور ہمارا دروازہ بوقت شب بھی اُن کے داخلے کے لئے کھلا رہتا ہے۔ اے پرتھوی کے مالک! یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ گو ہماری جانیں بھی جاتی ہوں وہم اپنے بے خطا یا پُرخطا چھوٹے بھائی کا ساتھ چھوڑ دیں۔ اگر اس کی اس قسم کی حفاظت کے متعلق کہا جائے

کہ ہم راجہ سے بے وفائی کرتے ہیں تو یقیناً ہمارے لئے سوائے اس کے اور کوئی پناہ نہیں کہ ہم جلا وطنی اختیار کریں" یہ کہکر انہوں نے روتے ہوئے سر جھکا کر اس کے پاؤں پر رکھ دیئے جس پر راجہ نے بمشکل انہیں ملک چھوڑنے کی اجازت دے دی۔ اس اندیشہ سے کہ دہمت کو کوئی راستہ میں مار نہ ڈالے وہ اُسے اپنے ہمراہ لے گئے اور مع فوجوں اور گھوڑوں کے ملک کو چھوڑ دیا۔

جب تنونگن کے بیٹے محل خالی کر کے رخصت ہو گئے تو راجہ نے اپنے بیٹے کو بلوا کر نرمی سے کہا "آغاز عالم سے لیکر اس دنیا میں ہر جگہ لوگ بیٹے کا اندازہ اس کے باپ کی شہرت سے کرتے رہے ہیں۔ بخلاف اس کے اے بیٹا! میں تمام لوگوں میں تمہاری بدولت مشہور ہوں جس کا شہرہ تمام اطراف عالم میں اس طرح پھیل گیا ہے جیسے اتری اپنے بیٹے چاند کے ذریعے مشہور ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ تم جونکوں کے سردار ہو اور غیر محدود شان وشوکت رکھتے ہو کس طرح بروں کے راستہ پر چلنے لگے ہو؟ اس وجہ سے کہ مینے تمہارے دادا کا اور اپنا خزانہ تمہارے حوالے نہیں کر دیا تمہیں مجھے اُس وقت تک قصور وار نہ ٹھہرانا چاہئے جب تک میرا عذر نہ سن لو۔ مینے خزانہ اس لئے رکھا ہوا ہے کہ میں جانتا ہوں جس راجہ کے پاس وسائل نہ ہوں اُسے اپنی رعایا اور دشمنوں کا مطیع ہونا پڑتا ہے۔ اپنے شہر کی بنیاد مکمل کرنے کے بعد میں تاج کا بوجھ تم پر ڈال کر ایک سنیاسی بن کر ورانشی یا نندی کھیتر کو چلا جاؤں گا۔ اس طرح بہر زیادہ عرصہ گذرنے سے پہلے ہی تم تخت اور مال کے مالک ہو جاؤ گے پھر کس لئے تم پوری کوشش سے اس بات کے درپے ہو جو عزت داروں کے شایاں شان نہیں؟ بدمعاشوں نے تمہارے متعلق جو خبریں مجھے دی ہیں اُن پر مجھے یقین نہیں آتا۔ لازم ہے کہ صحیح بیان کے ذریعے تم

اُن جھوٹی خبروں کی تردید کرو۔"

راجہ نے یہ الفاظ ایک خاص مطلب سے کہے کیونکہ پدرانہ محبت کے باعث چاہتا تھا کہ وہ اپنی صفائی کے لئے ان حرکات سے انکار کر دے۔ چونکہ وہ خود معافی دینے کے لئے تیار تھا اس لئے اس کی خواہش تھی کہ اُس کے انکار محض کے ذریعے لوگوں کو اطمینان دلادے۔ لیکن ہرش نے ادب کے ساتھ ان سب باتوں کی صداقت تسلیم کرلی جو اُس کے باپ نے کہی تھیں اور یہ کہکر اُٹھ کھڑا ہوا کہ میں کسی معتبر شخص کے ذریعے واقعات بیان کرونگا۔ جس شخص کو اُس کے باپ نے بھیجا اُسے اس نے بحالت اضطراب یہ کہا "میں یہ کام دوسروں کے ایما پر کرنا چاہتا تھا" اور اس کے بعد گھر چلا گیا۔

ہرش پر حملہ جب راجہ نے پیغام بر کا اُترا ہوا چہرہ دیکھا تو اس نے اپنے سر پر دوہتڑ ماری اور "افسوس اے بیٹا!" کہکر اس پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ راجہ نے چونکہ حکم دیا تھا کہ اگر ہرش مارا گیا تو میں اپنا گلا کاٹ لونگا۔ اس لئے سپاہی محض اُس کے محل کا محاصرہ کرکے ٹھہر گئے۔ بخلاف اس کے قاتلوں نے جنہیں اپنی موت کا یقین تھا دروازے بند کر لئے اور راجکمار کے گرد جمع ہو کر اُسے مفصلہ ذیل گستاخی کے الفاظ کہے "بدبخت! تم نے لاپرواہی اور جہالت سے نہایت خطرناک غداری کی ہے۔ کیا اب تم توقع کرتے ہو کہ ہمیں مروا کر تم زندہ رہو گے؟ تمہارا باپ تمہیں اس طرح محفوظ رکھ لیگا جیسے تم نے اُسے رکھا۔ کیونکہ تم دونوں میں خون کا رشتہ ہے۔ لیکن تمہارے اور اُس کے درمیان ہم خواہ مخواہ مارے جائینگے۔ ہمارے ساتھ لڑ لو ورنہ ہم تمہیں قتل کر ڈالینگے۔ واقعی اب تمہارے جینے کا کوئی موقعہ نہیں" یہ خبر سُنکر اُس کا اپنا چیمبرلین (مہتر) ڈنڈک نامی جو مصیبت زدہ راجہ کے

سامنے کھڑا تھا ہرش کے پاس گیا۔ جب قاتلوں نے اُسے گھر کے ایک آدمی کی حیثیت میں مکان کے اندر داخل ہو جانے کی اجازت دیدی تو اُس چالاک شخص نے راجکمار کے پاس جا کر یہ کہتے ہوئے سب کو دھوکے میں ڈال دیا۔ "اے کشتری پتر! دیوتاؤں کو بھی جو سب سے بڑا کارن[۵۵۵] ہیں کئی یگ زندہ رہکر قسمت کی مرضی کے مطابق چلنا پڑتا ہے اس لئے اب جبکہ نہ رکنے والی موت آگئی ہے لازم ہے کہ تم اپنی اُس عزت کو برقرار رکھو جس کے لئے ہتھیار لگائے جاتے ہیں۔ تم ایک نوجوان اور شریف چھتری ہو۔ علمیت رکھتے ہو اور تمہاری شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی ہے تو پھر لڑائی میں تاخیر کر کے تمہیں کیا فائدہ حاصل ہو جانے کی توقع ہو سکتی ہے؟ ایسے ہمراہیوں کو ساتھ لیکر جبکہ میں آگے چلوں تمہارے لئے موت اور نصرت دونوں یکساں طور پر شاندار ہیں۔ اُٹھو اپنے ناخن۔ بال وغیرہ جلدی سے آراستہ کر لو اور سر پر بیر پٹا باندھ لو جو اپسراؤں کے ساتھ تمہاری شادی کا ہار ثابت ہونے والا ہے"۔

یہ کہکر اُس نے راجکمار کو معہ ایک حجام کے حجامت وغیرہ بنوانے کے لئے مکان کے اندر بھیجدیا اور قاتل اس کارروائی سے خوش ہوئے۔ عین اسی وقت اس نے اپنا خنجر پھینک دیا۔ خوشی سے اُچھلا اور پیچھے پیچھے جا کر کمروں کا دروازہ مضبوطی سے بند کر دیا۔ تب اس نے کھڑکی میں سے راجستھانیہ کو کہا۔ "راجکمار یہاں پر محفوظ ہے جو جی میں آتا ہے کر لو"۔ بھوتوں۔ ستاروں وغیرہ کے خطرے کو بوٹیوں کے ذریعے دور کیا جا سکتا ہے۔ دشمن کے خطرے کو مسلح فوجوں اور ہتھیاروں کے خطرہ کو زرہ بکتر کے ذریعے دور کر سکتے ہیں لیکن جہاں راجاؤں

---

۵۵۵ کارن سے مراد اس جگہ ایک ٹیکا کار نے مفصلہ ذیل پانچ دیوتاؤں سے لی ہے۔ جن کا شومت کے شاستر میں ذکر آیا ہے۔ برہما۔ وشنو۔ رودر۔ ایشور۔ سداشو۔

کے لئے خطرہ پیدا ہو جائے تو اُسے وہی لوگ دور کر سکتے ہیں جو پختہ دانائی رکھتے ہیں۔ جب سپاہیوں نے پرجوش نعرے لگا کر دیواروں۔ عمارتوں وغیرہ کے ذریعے راجکمار کے مکان میں داخل ہونے کی کوشش کی اور جب قاتل راجکمار کو چھوڑ کر جو محل کے بھاری دروازوں کے پیچھے محفوظ تھا باہر نکل جانے کی کوشش کر رہے تھے اور فرار ہوتے ہوئے گرتے جاتے تھے دو تین بہادر عزت دار آدمی جو بیگناہ تھے بہ اتفاقیہ طور پر موجود ہونے کے باعث اس معاملہ میں پھنس گئے تھے باہر نکل گئے۔ اس مکان کو پیچھے چھوڑ کر جو سوریہ متی گوریش کے مندر کے قریب تھا وہ اپنے مخالفوں کو مارتے کاٹتے ہوئے سماشو کے مندر کے قریب جا پہنچے۔ ان میں سب سے اول جو قتل ہوا وہ راجہ کا ایک رشتہ دار سہج نامی تھا گو اس کے متعلق راجہ نے اپنا رشتہ دار ہونے کے باعث حکم دے رکھا تھا کہ اُسے نہ مارا جائے۔ اس کے علاوہ فریق مخالف کے سپاہیوں نے تویہ نامی برہمن کو جو بہادر اور فاضل تھا۔ سام دیو کو جو اپنی شجاعت کے لئے مشہور تھا اور کرناٹ کے ایک شخص کیشن کو مار ڈالا۔ بعض بدبختوں نے اپنے ہتھیار پھینک دیئے بعض خودکشی کر کے مر گئے اور اس طرح پر انہوں نے موت۔ قید وغیرہ سزائیں بھگتیں جو بزدلوں کے حسب حال ہوتی ہیں۔

ہرش کا قید ہونا چھ شدی پوہ لوکک سمت ۴۱۶۴ (۱۰۸۸ء) کو اُن بدمعاشوں کا یہ بلوہ ہوا جنہوں نے باپ بیٹے میں تفرقہ کا بیج ڈالا تھا۔ متواتر فضول خرچی کرتے جانا۔ نوجوان اور چاہتی بیوی کی طرف سے ترغیب پانا۔ شریروں کی صحبت رکھنا۔ باپ کی طرف سے سابقہ محبت کا زائل ہو جانا۔ وزیر بھائی یا سوتیلی ماں کے ساتھ جھگڑنا ان باتوں سے نوجوان شاہزادوں کے دلوں میں اپنے باپ کی طرف سے کدورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس طرح پہ اس راجکمار کو اُس ناعاقبت بینی کی وجہ سے جو اس نے شریروں کی

صحبت میں حاصل کی تھی جیل خانہ میں قید ہونا پڑا اور ہر چند کہ آرام و آسائش کا عادی تھا تاہم لاچار مصیبت میں مبتلا ہوا۔ جب وہ قید ہوگیا تو خود دار رانی بھون متی نے جس نے ضامن ہوکر باپ بیٹے میں صلح کروائی تھی گلا کاٹ کر خودکشی کرلی۔ راجہ نے معتبر مشیروں کو اس کا محافظ مقرر کیا اور محبت پدری سے مجبور ہوکر ہر روز اُسے مناسب کھانا بھیجتا رہا۔ راجہ نے اس خیال سے اُس کے ذاتی نوکر پریاگ نامی کو اُس کے پاس چھوڑ دیا کہ وہ سازش وغیرہ نہ نہ کریگا۔ ہرش کے متعلق نونک نے راجہ کو مشورہ دیا کہ یا تو خود یا کسی دوسرے شخص کے ذریعے اُسے مروا یا اندھا کروا دیا جائے۔ راجہ کا چال چلن بالکل حیوانوں کے درجہ تک گر چکا تھا اس نے شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر اپنے بیٹے کی بعض بیویوں کے ساتھ اس طرح اختلاط شروع کردیا گویا وہ کسی دشمن کی ہوں ان میں سے سوگلا جو راجہ تک کی پوتی تھی اپنے خسر کی منظور نظر بن کر اپنے شوہر کو مارنے کی کوشش کرنے لگی۔ نونک اور اس نے مل کر مشورہ کیا اور ایک شریر باورچی کو اس بات کی ترغیب دی کہ وہ ہرش کے کھانے میں زہر ملادے جب پریاگ نے یہ بات ایک دوسرے باورچی کی زبانی سن لی تو اس نے اپنے آقا کو متنبہ کردیا کہ ان دونوں کا بھیجا ہوا کھانا نہ کھائے۔ ہرش نے بھی جب یہ بات سنی کہ جن دو کتوں کو یہ کھانا آزمائشاً دیا گیا تھا مرگئے ہیں تو وہ اپنی زندگی سے مایوس ہوگیا۔ چونکہ وہ خیال کرتا تھا کہ اس کے باپ نے یہ انتظام اُس کے مروا دینے کے لئے کیا ہے اس لئے اُس کا یہ قاعدہ ہوگیا کہ کھانے کو محض ہاتھ لگاکر چھوڑ دیا کرتا تھا اور وہ صرف اس قسم کا کھانا کھاکر گذارہ کیا کرتا تھا جو پریاگ باہر سے لے آتا تھا۔ جب راجہ نے باورچیوں کی زبانی یہ بات سنی کہ وہ کھانا نہیں کھاتا تو اس نے پریاگ کو بلاکر اُس سے اس کی وجہ دریافت کی اُس نے

زہریلے کھانے کا سارا قصہ بیان کر دیا۔مگر دونوں سازشیوں اور باورچیوں کے نام نہیں بتلائے۔البتہ یہ کہدیا کہ میرا آقا اس بات سے واقف ہے۔اس کے بعد گو اُس کے باپ نے باورچیوں کو بدل دیا تاہم راجکمار سوائے اس کے کچھ نہ کھاتا تھا جو پریاگ خرید کر لایا کرتا تھا۔چونکہ سب اس کے خلاف تھے اس لئے ہر روز جو وہ قید خانے میں گذارتا اُسے غنیمت سمجھتا تھا اور زمانہ مستقبل کا کچھ خیال نہ کرتا تھا۔انہیں ایام میں راجہ کے چال چلن میں ایک غیر متوقع بُری تبدیلی واقعہ ہوگئی جس سے خیال پیدا ہوگیا کہ اس کا خاتمہ قریب ہے۔اس نے پہلے توٹا مرسوامن نامی تانبے کی سورج کی مورتی [۵۵۶] توڑ ڈالی اور اس کے بعد بخوف ہوکر دہاروں سے پیتل کی مورتیاں اُٹھوالیں۔اس عیاش راجہ نے اپنے مظالم کے دوران میں تمام عزت دارانہ قواعد کو بالائے طاق رکھ کر یہ وطیرہ اختیار کرلیا کہ جو شخص بے اولاد مرتا یہ اس کی جائداد پر قبضہ کرلیتا تھا۔

کلش کی آخری بیماری

اس کے بعد یکایک اُس کے اعضائے رئیسہ کمزور ہو گئے جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ شہوات نفسانی کا بے حد غلام ہوچکا تھا۔اور یہ کسی کی بددعا کا اثر تھا۔جبکہ وہ شوجی کے مندر میں کنبھ پرتشٹا کی رسم ادا کرنے والا تھا اس کی ناک سے خون بہ کر مہا کال کے پیالے میں گر گیا۔اس بدشگونی کی علامت کو علاج معالجے سے بھی نہ روکا جا سکا بلکہ بخلاف اس کے علاج سے یہ مرض بڑھتا گیا۔چونکہ اس کا ہاضمہ کمزور تھا اور اس کے ساتھ دوسرے امراض بھی موجود تھے اس لئے اس کی طاقت اور گوشت کم ہوگیا اور وہ اُس چاند کی مانند بن گیا جو گھٹتے گھٹتے سوبھیا

۵۵۶ اس جگہ مراد غالباً بدھ مت کی مورتیوں سے ہے کلش کو جب مالی مشکلات پیش آئیں تو اس نے مقدس مورتیوں کو گلوانا شروع کر دیا۔

حصے تک پہنچ گیا ہو۔

ات کرش کا لوہر سے بلایا جانا۔ راجہ کا منشا ہرش کو تاج دینے کا تھا لیکن جب اس نے وزرا کی مخالفت دیکھی تو لوہر کی پہاڑیوں سے ات کرش کو اس غرض سے بلایا کہ اُسے تخت نشین کر دیا جائے

چونکہ اس کے دل میں شک تھا اس لئے گو بستر مرگ پر ہر بڑے چھوٹے شخص کو تحفے تحائف دیئے تاہم اپنی ونواس کی رانیوں کو کچھ نہ دیا۔ اس نے وزرا سے ہرش کو اپنے سامنے لانے کے لئے کہا کیونکہ وہ اُسے روپیہ دیکر ملک سے باہر بھیج دینا چاہتا تھا لیکن بر عکس اس کے انہوں نے پہلی گارد کو موقوف کر کے لہر کے ٹھکروں کو اس کی نگرانی پر متعین کر دیا اور اُسے اُت کرش کے حوالے کر دیا جس نے سوکھے ہوئے ہرش کو کمرہ رقص (ناٹیہ منڈپ) سے نکال کر اور دوستوں سے جدا کر کے اُسے چار ستونوں کے کمرے (چتوہ ستمب) میں قید کر دیا۔ راجہ نے جب اپنی مایوسی کی حالت میں دیکھا کہ اب میری جان نکلنے والی ہے تو وہ مرنے کے لئے کسی تیرتھ پر جانے کے لئے تیار ہوا۔ اس خیال سے کہ ٹامر سوامی کی مورتی توڑنے کی وجہ سے سورج دیوتا مجھ پر ناراض ہے وہ اپنی جان بچانے کے لئے مارتنڈ کے مندر میں پناہ گزیں ہونے کے لئے روانہ ہوا۔ اگرچہ وہ خود بھی شوجی کا پجاری تھا مگر وہ اسی خیال سے وجے کشتیر کو جہاں مرنے والوں کو موکش حاصل ہوتی ہے۔ چھوڑ کر اس تیرتھ کو چلا گیا۔ وہ اہلکار جو اپنے عہدے پر پہنچکر سارے عالم کو ایک تنکے کے برابر سمجھتا ہے تکلیف کے وقت گھر کی نوکرانیوں تک کے روبرو جھکتا۔ چیختا اور چلاتا ہے۔ شور وغل مچاتا ہوا اور غلط نصیحت حاصل کرنے کے باعث بیوقوفی کے خیال رکھتا ہوا اُس وقت جبکہ اس کا انجام قریب ہو وہ بچوں کی طرح کونسی بے جا کاروائی نہیں کر بیٹھتا؟ راجہ نے اپنے

گوروؤں کی ہدایات کے متعلق قبل ازیں جس تکبر کا اظہار کیا تھا وہ اس بزدلانہ اطاعت سے قابل تمسخر بن گیا جو بخیل بہ بختوں اور اسی قسم کے لوگوں کے زیادہ شایان شان ہو سکتی ہے۔ تیسری شندی گھر کو شام کے وقت یہ راجہ بستر سے اُٹھکر ڈولی میں بیٹھ کر مرنے کے لئے روانہ ہوا۔ لوگوں کی آہ زاری کی آواز نقاروں کی آواز کے باعث سنائی نہ دیتی تھی اس وقت یہ راجہ وزیروں اور رنواس سمیت آبی راستے کشتیوں میں روانہ ہوا۔ دوسرے دن کا ابھی ایک پہر باقی تھا کہ وہ مارتنڈ[۵۵۸] کے قدموں میں جا پہنچا اور اپنی جان بخشی کے لئے اس دیوتا کی ایک طلائی مورتی چڑھائی۔ اس وقت بحالت تکلیف وہ اپنے بڑے بیٹے کے انتظار میں تھا لیکن نوکر اُس کا کہا نہ ملتے تھے جس سے اُس کی تکلیف بڑھتی گئی۔ سرد آہیں بھرتا ہوا وہ کھلے دروازے میں سے اُن گویوں کی آوازیں سن رہا تھا جو باہر بیٹھے ہرش کے بنائے ہوئے گانے گاتے تھے۔ راجاؤں کو سب سے بڑا صدمہ اور تکلیف جانکنی کی حالت میں اسباب سے ہوتی ہے کہ جوں جوں موت قریب آتی ہے اُنکے اختیارات اس طرح سلب ہوتے جاتے ہیں جس طرح خواب میں تیزی سے چلنے کی طاقت زائل ہو جاتی ہے۔ جب وہ لوگوں اور اپنے بڑے بیٹے کو انعام و اکرام دینے کا حکم دے چکا اور رات کرش کو ہدایات کر رہا تھا تو اس کی زبان لڑکھڑا گئی۔ چونکہ وہ رہ رہ کر ہرش کا نام ایسے طریقے پر لیتا تھا جو سمجھا نہ جاتا تھا اس لئے

---

۵۵۷ اس جگہ حوالہ اس بات کی طرف دیا گیا ہے کہ پہلے یہ راجہ تنتروں اور شومت کا معتقد تھا لیکن بعد میں وشنو عقیدہ کا ہو گیا جو قابل حقارت تھا۔

۵۵۸ وجیشور (وج برور) سے مارتنڈ کے مندر کو جو عام سڑک جاتی ہے وہ دریائے وتستا کے کنارے کنارے اننت ناگ کے نیچے سے ہو کر گذرتی ہے یہی وجہ ہے کہ پانچ میل کے فاصلے تک اس کا گذر ایک سطح مرتفع پر سے ہوتا ہے۔

نونگ نے راجہ کے اصلی خیال کو چھپانے کے لئے اُس کے سامنے ایک آئینہ ۵۵۹
(آدرش) پیش کردیا۔ راجہ نے مسکرا کر اسے پیچھے ہٹا دیا۔ اپنے ہونٹوں کو کاٹا
سر کو جنبش دی اور کچھ بڑبڑایا۔ پھر وہ اڑھائی دن تک خاموش رہا۔ آخر کار جب
اس کا آخری دم قریب تھا اس نے اشارے سے وزرا کو بلایا اور اپنے خیال کو
ظاہر کر کے اُن کے ذریعے مارتنڈ کی مورتی کے سامنے پہنچا۔

کلش کی موت ۱۰۸۹ء

۴۹ سال کی عمر میں یہ راجہ چھ شدی مگھر لوکک سمت ۴۱۶۵ (۱۰۸۹ء) میں انتقال کر گیا۔ ممنکا۔ چھ اور شادی شدہ
رانیاں اور ایک مدخولہ عورت جے متی اُس کے ہمراہ جل مری لیکن اُس کی چاہتی
مدخولہ کیّا نے عورت ذات کے نام پر بٹہ لگا دیا۔ اگر اُسے یہ بات یاد نہ تھی کہ میرے
مالک نے رنواس میں مجھے سب سے بڑا درجہ دے رکھا تھا تو کچھ مضائقہ نہیں
کیونکہ وہ نیچ نسل کی تھی۔ لیکن ہمیں زیادہ رنج اس بات کا ہے کہ بعد میں اس نے
وجے کشیتر میں رہتے ہوئے ایک دیہاتی اہلکار کے ساتھ تعلق پیدا کر لیا اور اپنا
جسم جس کا تعلق ایک راجہ کے ساتھ رہ چکا تھا اور جو مسلسل آراموں کے باعث
خوبصورت ہو چکا تھا ایک دیہاتی کے حوالے کر دیا۔ ایسی کمینہ عورتوں پر دھتکار ہے!!!

راجہ اُت کرش

سنہ ۱۰۸۹ء

تمام وزیر اُت کرش کی تاجپوشی میں مصروف تھے اس لئے صرف شکرگذار

۵۵۹ ہرش کے لفظ کو نونگ اپنے خیال میں آدرش ظاہر کرنے کے لئے آئینہ
دکھاتا تھا۔

وامن نے ہی راجہ کی آخری رسوم ادا کیں ایک طرف تو رسم تاجپوشی کے شادیانے بج رہے تھے اور دوسری طرف ماتم کا باجہ اور آہ وزاری ہو رہی تھی۔ وجے مل جو رانی پدم شری کے بطن سے راجہ کلش کا بیٹا تھا اپنے بھائی کا مخالف بن گیا۔ راجہ اُت کرش نے کچھ روزانہ وظیفہ جو اُس کے باپ نے ہرش دیو کے لئے منظور کیا تھا اس کو دینا منظور کیا اور اعتبار جمانے کے لئے اس نے چند باجگذار والیان ریاست اور وزرا کو ضامن بنا لیا اور کہا کہ بیٹے ہے راج کو بھی وظیفہ دیتا رہا۔ متلون مزاج جوان عورتیں اس وقت جبکہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہوتی ہیں دوسرے وسائل معاش کا فکر کرنے لگتی ہیں۔ بیٹے جلتی چتا کے سامنے ہی جائداد کے متعلق جھگڑا کرنے لگتے ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ سینکڑوں مرتبہ دوسروں کی مرگ پر ایسے واقعات دیکھ کر بھی ایسے ایسے نادان لوگ موجود ہیں جو بیویوں بچوں وغیرہ کے لئے بُرے طریقوں سے کما کر دولت جمع کرتے ہیں۔

نیا راجہ شان وشوکت کے ساتھ شہر میں داخل ہوا مگر وہ اہل شہر کے دل میں داخل نہ ہو سکا کیونکہ وہ تو ہرش کے عروج کے متمنی تھے۔ ہرچند کہ یہ اس کی تخت نشینی کا دن تھا تاہم لوگوں کو اس سے کچھ خوشی حاصل نہ تھی جس طرح کسی مریض کو تہوار کی خوشی نہیں ہوتی۔ جب ہرش دیو کا بیمار باپ مرنے کے لئے روانہ ہوا تھا تو اُسے چنتوہ سہتمب کے کمرے میں قید کر دیا گیا تھا۔ اس نے اس دن بالکل کھانا نہ کھایا۔ اس سے اگلے روز وہ چپ چاپ اور اُس آوارہ گرد کی مانند جس کے ہمراہی اُس سے جدا ہو گئے ہوں غم زدہ رہا۔ آخر کار نوکروں نے بمشکل اُسے کھانا کھانے پر رضا مند کیا۔ انہوں نے اُس سے یہ بھی وعدہ کیا کہ ہم تمہیں اپنے ملک (لوہر) کا تخت دے دینگے۔ کیونکہ اُت کرش اکیلا دونوں

سلطنتوں پر حکومت کرنے کا مستحق نہیں ہے۔ جب اُسے اس طرح پر ان کی ہمدردی حاصل ہو گئی تو اس کے بعد اُسے اپنے باپ کے مرنے کی خبر ملی۔ اور اگلے روز جبکہ اس نے برت رکھا ہوا تھا اسے ات کرش کی آمد کی خبر دی گئی۔ وہ بہتے ہوئے آنسوؤں سے پتروں کو پانی دے رہا تھا کہ اُس کے چھوٹے بھائی یعنی راجہ ات کرش نے قاصدوں کی زبانی کہلا بھیجا کہ تم بھی نہالو[۵۶۰]۔ ادھر وہ نہا رہا تھا اُدھر اُت کرش رسم تاجپوشی کی تیاریاں کر رہا تھا۔ اس وقت دسم ابھی شیک کے مطابق باجا بج رہا تھا اور فتحمندی کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔ ہرش چونکہ فالوں کے سمجھنے میں مہارت رکھتا تھا اس لئے اس نے اس نیک شگون سے یہ نتیجہ نکالا کہ مجھے شاہی اعزاز حاصل ہو جائیگا جس طرح کوئی شخص بجلی کی چمک سے گرج کا اندازہ کر لیتا ہے۔ اس کے بعد ہرش کے سامنے جس کا عہد حکومت عنقریب آنے والا تھا نیک فال نوکروں کی طرح نظر آنے لگے۔ جب اُس کے بھائی نے قاصدوں کی زبانی اُسے کھانا کھانے کے لئے کہلا بھیجا تو اس نے انہیں یہ جواب دیکر رخصت کر دیا۔ "راجہ کو کہہ دو کہ وہ مجھے آزاد کر کے جلاوطن کر دے میں طریق کوش پر حلف لے لونگا کہ آئندہ کبھی اس کی مخالفت نہ کرونگا اگر یہ بات منظور نہ ہوئی تو میں فاقہ کشی کر کے جان دیدونگا"۔ اس پر راجہ نے اُس کے ساتھ جھوٹا وعدہ کر کے اور قاصدوں کی زبانی مہربانی کا پیغام بھیجکر اُسے اس بات پر راغب کر لیا کہ وہ حلف لیکر کھانا کھا لے۔ اس کے بعد جب کبھی وہ راجہ سے اپنی رہائی کے لئے کہتا تو ہر روز اس کو دوسرے دن پر ٹال دیتا۔ اس کی اس ٹال مٹول سے ہرش کے دل میں اندیشہ پیدا ہو گیا۔ اس نے خفیہ طور پر پریاگ کو اپنے کاق کا بالا دیکر وجے مل کے پاس بھیجا اور پریاگ نے

---

[۵۶۰] جو لوگ اپنے والدین کی ارتھی کے ساتھ نہ جا سکیں ان کا فرض ہوتا ہے کہ وہ مرنے کی خبر پاتے ہی اُن لوگوں کی طرح جو شمسان سے واپس آتے ہیں نہالیں۔

اُس سے جاکر کہا "تمہارا بدنصیب بڑا بھائی تم سے یہ کہنا چاہتا ہے کہ ات کرش راجہ اور تم ولی عہد ہو اور میں قید میں سڑتا ہوں" وجے مل نے اس پر بہت دیر تک غور کیا۔ اُسے اس سے بڑا دکھ پہنچا اور آخر اس نے جواب دیا "اس بارہ میں دوراندیش راجہ میرا کہنا کیونکر مانیگا۔ بایں ہمہ میں پوری کوشش کرونگا کہ تمہیں آزاد کرا دیا جائے لیکن ساتھ ہی تم نے بھی احتیاط سے اپنی جان کی حفاظت کرنا" یہ پیغام دیکر اس نے پریاگ کو ہرش دیو کے پاس واپس بھیجدیا اور خود اس مدعا کو حاصل کرنے کے ذرائع سوچنے لگا۔ ات کرش کی دیوتاؤں نے کچھ ایسی عقل مار دی تھی کہ تخت نشین ہونے کے بعد اس نے معاملات کا انتظام کرنے کے متعلق کچھ بھی کوشش نہ کی۔ ہرچند کہ اُس نے خود کندرپ اور دوسروں کو عہدے دیئے تھے تاہم اس نے ان سے کبھی سلطنت کے کاروبار کے متعلق سوال نہیں کیا نہ خود ہی کسی معاملے کے انتظام میں دخل دیا۔ اس کا روزانہ کام محض یہ تھا کہ وہ اپنے خزانے کا معائنہ کرتا اور اُسے تول چھوڑا کرتا تھا۔ دوراندیش لوگوں کو اُس کے حریصانہ چال چلن کا یقین ہوگیا۔ کیونکہ یا تو وہ ایسا کام کرتا تھا جس پر کچھ لاگت نہ آئے یا لاگت پر ہی غور کرتا رہتا تھا۔ اس کے باپ کی رانیوں نے جنہیں روکنا مشکل تھا اُس کے حرص کی داستان اس لئے مشہور کردی کہ وہ انہیں موڈگ (مونگ کی دال) کے ساتھ کھانا دیا کرتا تھا۔ وہ ایک پروہت (شرد تریہ) کی مانند بخیل تھا اور ہر کام میں اس کی کم ظرفی ہویدا ہوا کرتی تھی اس لئے لوگ جو چاہتے ہیں کہ ان کے مالک فراخ حوصلہ ہوں اُسے پسند نہ کرتے تھے۔

وجے مل کی روانگی { وجے مل کو اس حریص راجہ کی طرف سے اپنا مقررہ وظیفہ نہ ملتا تھا اس لئے غصے میں آکر وہ ملک چھوڑنے کی تیاریاں کررہا تھا۔ اپنی محافظت کے لئے اس نے اُن سب لوگوں کو جو ضامن

بنے تھے اپنے ہمراہ چلنے کی درخواست کی اور وہ اس کے ساتھ چلنے پر تیار ہو گئے۔ شہر سے روانہ ہو کر جب وہ ایک رات کے لئے لونتس میں جا ٹھہرا تو ضامنوں کی جمعیت کے سپاہی اُس کے پاس چلے آئے۔ اگر تم ہرش کو بیڑیوں میں چھوڑ کر جاؤ گے تو راجہ کی مراد بر آئے گی۔ اس لئے تمہارے لئے اُسی وقت جانا مناسب ہے جب تم اُسے قید سے رہا کر دو"۔ ہتھیار اُٹھا کر اور یہ کہتے ہوئے اُن سپاہیوں نے جب راجکمار کو رضا مند کر لیا تو اس نے واپس ہو کر صبح کے وقت شہر کی طرف کوچ کر دیا۔

ہرش کے طرفداروں کی بغاوت بعض ڈامروں نے جب سنا کہ وہ اس مطلب کے لئے واپس لوٹا آ رہا ہے تو وہ اس کے ساتھ شریک ہو گئے۔ مدہراوٹ نے جو سواروں کا کمانیر تھا اس وجہ سے کہ وہ ضامنوں میں سے ایک تھا بوقت روانگی اپنے بیٹے ناگ کو راجکمار کی محافظت کے لئے بھیجدیا تھا۔ چونکہ وفادار ناگ نے راجہ کی طرفداری نہ چھوڑی تھی اس لئے وہ مع چند سواروں کے پدم پور کے راستے راجہ کی طرف روانہ ہوا مگر بُرے فالوں کی وجہ سے راستہ میں رک گیا اور اُس کے شہر میں پہنچنے سے پہلے تیز کوچ کرنے والے راجکمار نے جسے نیک شگون پیش آتے رہے تھے محل کا محاصرہ کر لیا اور اس کی فوجوں نے اگن بان چلا کر مکانات کو جلا ڈالا۔ راجکمار بجے راج نے بھی میدان جنگ میں راجہ کا ساتھ چھوڑ دیا اور وجے مل کے ساتھ جا ملا۔ جس طرح دو نو عمر شاعر مل کر کسی مشہور شاعر کے طرز کلام کے متعلق اندازہ کر سکتے ہیں ایسے ہی دونوں راجکماروں نے مل کر اس بات کا اندازہ شروع کیا کہ ات کرش اس معاملے میں کونسا وطیرہ اختیار کریگا۔ وجے مل نے اپنے سپاہیوں کے ذریعے جو یہ کہتے تھے کہ ہم اس وقت تک یہاں سے

نہ جلینگے جب تک ہرش کو چھوڑا نہ لینگے ہاتھیوں اور بھینسوں کے اصطبلوں کو آگ لگوادی۔ شہر کے عزت دار باشندے بھی یہی کہتے تھے کہ ہرش دیو کا تاجدار ہونا ضروری ہے کیونکہ وہ اس بادل کی مانند جو دنیا کو ڈبو دینے والا ہو عطیات کی بارش کرتا ہے۔ اس حریص کرش کو جو ایک دوکاندار سا ہے سلطنت سے باہر نکال دو۔ اس کے بعد وہ ہرش کے پاس گئے اور کھڑکیوں میں سے پھول پھینک پھینک کر اُسے لاد دیا۔

جب یہ شور وغل مچ رہا تھا ہرش نے ٹھکروں کو روانہ کیا۔ ان کی زبانی راجہ کی جمعیت کے نام غیر طرفداری کا پیغام بھیجا۔ اس طرح پر اپنے دشمن ات کرش کو خود قید خانے میں ہوتے ہوئے ایک اور ضرر پہنچا کر اس نے جوش سے کانپتے ہوئے اعضا کے ساتھ ٹھکروں کو یہ کہا "مجھے آج نہایت خوف لگا ہوا ہے اس لئے مجھے زنجیروں سے آزاد کر دو ورنہ یقیناً راجہ کی طرف سے مجھے کوئی آزار پہنچے گا" لیکن ابھی وہ ان الفاظ کے متعلق آپس میں مشورہ کر رہے تھے کہ کسی نے عمارت کے باہر دروازے پر لاتیں مارنی شروع کیں اور ساتھ ہی کسی نے بلند آواز سے کہا۔ "بدمعاشو تم کس شرارت پر آمادہ ہو رہے ہو؟ ٹھکرو تم کو شرم ہے دروازہ کھول دو"۔ اس سے ٹھکر تو خوف زدہ ہو گئے لیکن ہرش نے دلیری سے خوف کی پرواہ نہ کرتے ہوئے خود دروازہ کھول دیا۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ لوہر کی گارد (حارک) کے سولہ سپاہی میرے مارنے کے لئے آئے ہیں تو اس کی جان اس وقت صرف آنکھوں میں رہ گئی۔ دراصل نونک رہ رہ کر ات کرش کو یہ مشورہ دیتا رہا تھا کہ جب ہرش کا سر کاٹ کر ظاہر کر دیا جائیگا تو سارا خطرہ دور ہو جائیگا۔ اسی نصیحت پر عمل کر کے راجہ نے ان لوگوں کو اُسے مارنے کے لئے بھیجا تھا۔ اس کے بعد اس بات پر غور

کہتے ہوئے کہ بعد میں مجھے کیا کرنا چاہئے اس نے یہ بھی سوچ لیا تھا کہ ہرش کو اگر مارا نہ گیا تو ممکن ہے کسی روز وہ کام آ سکے۔ اس لئے جب وہ چلنے لگے تو اس نے انہیں یہ حکم دیا " اُس کے پہرہ دار ٹھکروں کو اُن کے فرض سے سبکدوش کردو۔ اس کے بعد اگر میں نے بطور علامت کے یہ انگوٹھی تمہارے پاس بھیجی تو اُسے مار دینا لیکن اگر یہ (دوسری) انگوٹھی بھیجی گئی تو اُسے قید سے آزاد کر دینا یہ کہکر اس نے انہیں اپنے ہاتھ کی دو انگوٹھیاں دکھائیں اور کہدیا کہ اُس کے مارنے میں ضرور تاخیر سے کام لینا۔ یہی وجہ تھی کہ ٹھکروں کو اپنے فرض سے سبکدوش کرنے کے بعد اُنہوں نے فوراً ہی ہرش پر حملہ نہ کیا۔ ہرش نے انہیں سے ہر ایک کو اُس کے نام سے مخاطب کیا۔ انہیں پان دیئے اور اپنے سامنے بٹھا لیا۔ اس مہمان نوازی کے استقبال کو دیکھ کر وہ شرمندہ ہوگئے۔ اور اُس کے ہاتھ سے پان لیتے ہوئے اپنے ہاتھوں سے ہتھیار رکھ دیئے اور دل سے اُس کے مارنے کا ارادہ دور کر دیا۔ بولنے (گو) سے دولت حاصل ہوتی ہے۔ شہرت پیدا ہوتی ہے۔ گناہ دور ہوتے ہیں اور دشمن تک سے دوستی ہو سکتی ہے اُس کا ہر ایک لفظ (پرتی پدم) ایسے راستوں پر چلتا ہے جنہیں دانا پسند کرتے ہیں۔ بہت سی چیزیں دینے والی گلٹے (گو) کی مانند کونسی مصیبت ایسی ہے جس کی اس سے اصلاح نہیں ہو سکتی؟ راجکمار نے ان سے کہا " تم شرمندہ ہوئے کیوں کھڑے ہو؟ نوکر جب اپنے آقا کا حکم بجالاتے ہوں تو وہ ہمیشہ بے خطا ہوتے ہیں۔ تاہم تم انتظار کر سکتے ہو اس بات کو دیکھنے کے لئے کہ معاملات کا یہ عجیب انداز کیونکر بلحاظ رنگ بدلتا ہے۔ جس طرح آسمان میں سا چھوٹے بادل ہاتھیوں۔ چیتوں۔ درندوں۔ سانپوں۔ گھوڑوں اور دوسرے حیوانات کی صورتیں اختیار کرلیتے ہیں ویسے ہی بلحاظ بہ لحاظ انسانی دل کے

جذبات کی لہریں بھی نرمی اور سختی کے درمیان بدلتی رہتی ہیں۔ اس لئے جبکہ میں ہر لمحہ کا انتظار کر رہا ہوں تمہیں بھی چاہئے کہ اس امر کے منتظر رہو کہ آئندہ تمہیں کیا کرنا ہوگا۔ یا ممکن ہے زندگی کے اس قسم کے خطرات (ات۔ کرش کے) خیال میں تبدیلیاں پیدا کر کے کسی شخص کو (خود ہرش کو) تخت نشین بنانے والے ہیں۔ جس وقت بارش قریب ہوتی ہے تو دھوپ کی گرمی بہت تکلیف دہ محسوس ہونے لگتی ہے۔ صبح ہونے کے قریب ہوتی ہے تو رات کی تاریکی بہت گہری ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی جب غیر معمولی نیک بختی کسی شخص کے لئے فہم و خیال سے بالاشان و شوکت مہیا کرنے والی ہو تو دور ہونے والی بدنصیبی اپنے مصائب کے زور کو بڑھا دیتی ہے۔" اس طرح پر گفتگو کرتے ہوئے اس نے انہیں اس قسم کی نیک آدمیوں کی کہانیاں سنائیں جن سے اچھا نتیجہ نکلتا تھا اور جو اس کی حالت سے مطابقت کھاتی تھیں چونکہ ہر لحظہ اسے نیک فال دکھائی دیتے تھے اس لئے زیادہ وقت گذارنے کے لئے اس نے انہیں ہرشچندر کی کہانی سنائی جس کے خاص خاص امور پر بحث کر کے اس نے انہیں واضح کیا مگر اپنی قابلیت کی وجہ سے اس نے یہ معلوم نہ ہونے دیا کہ وہ ان کو خوش کرنے کی کوشش کرتا ہوا دراصل اپنی محافظت اور باہر سے خبر حاصل کرنے کا انتظار کرتا ہے۔

اس اثنا میں اس کے متعلق بہت سی نئی تجاویز ہوتی رہیں اور سینکڑوں مرتبہ شاہی خوش بختی اور دیوی کالی آئیں اور گئیں۔ کیونکہ راجہ ات کرش اکثر اُسے آزاد کر دینے کا خیال کرتا تھا اور اُس کے ساتھ ہی اتنی مرتبہ مختلف ہمراہیوں کو اس کے مارنے کا حکم دیتا تھا۔

ہرش کو قتل کرنے کی کوششیں لیکن آخر جب اس نے اس کی

موت کا حکم دیا تو وہ انگوٹھی جو علامت کے طور پر لے جانی ضروری تھی دینا بھول گیا یہی وجہ تھی کہ پہرے داروں نے اُن احکام کی تعمیل نہ کی جو قاصدوں نے اُن تک پہنچائے تھے۔ جب اُسے خیال آیا کہ قاصدوں کا جانا بے فائدہ ثابت ہوا ہے تو اُسے علامتی انگوٹھی کا انتظام یاد آگیا اور اس نے ستیہ (؟) کے بیٹے سلوچتر سور کو بھیجا مگر جس وقت وہ اس کے ہاتھ میں انگوٹھی دینے لگا قسمت نے اُس سے غلطی کروادی اور انگوٹھیاں بدل گئیں۔ والئ ملک سندھو (جیدرتھ[۵۶۱]) کے باپ بردھہ کشتبر کا سر اُسی بر کی وجہ سے ٹکڑے ہو کر اڑا تھا جو اس نے کسی اور کے لئے حاصل کیا تھا۔ فی الحقیقت وہی چیز جس کا مدعا حفاظت ہو قسمت کی مرضی سے آلۂ تباہی ثابت ہو سکتی ہے۔ اس طرح پر راجہ کے ایک علامت کو بھول جانے اور اس کے بجائے دوسری نشانی دے دینے سے خود اس کی تباہی ظہور میں آگئی۔ ہرش کے ملنسار طریقوں کی وجہ سے محافظ بہت جلد اُس کے خیر خواہ بن کر راٹ کرش کے احکام کی مخالفت پر آمادہ ہو گئے تھے۔ جب سور جوش میں

[۵۶۱] مہابھارت کے جیدرتھ پرب میں لکھا ہے کہ جب جیدرتھ پیدا ہوا تو آکاش بانی ہوئی کہ یہ لڑکا بڑا طاقتور ہوگا اور اس کا سر کوئی بہادر ہی کاٹے گا لیکن اس کے باپ بردہ کشتبر نے بر لیا تھا کہ جو آدمی میرے لڑکے کا سر زمین پر گرائے اُس کے سر کے بھی سو ٹکڑے ہو جائیں یہ بر قبول ہوئی اور جب ارجن کا بیٹا ابھمن چکرببوہ میں جیدرتھ کے ہاتھ سے مارا گیا تو اس نے دوسرے روز جیدرتھ کے قتل کی قسم کھالی۔ کرشن جی نے جنگ کے موقعہ پر سمجھایا کہ اس کا سر زمین پر نہ گرنے پائے ورنہ تمہاری خیر نہیں چنانچہ ارجن نے تیر سے جیدرتھ کا سر کاٹ کر آسمان کی طرف اُڑا دیا اور دوسرے تیر سے اسے اس کے باپ بردہ کشتبر کی گود میں جو ایک موقعہ پر تپیا کر رہا تھا پھینک دیا۔ بردہ کشتبر نے جھجک کر اسے زمین پر گرا دیا اور اسی وقت اُس بر کی بدولت اس کے اپنے سر کے بھی ٹکڑے اُڑ گئے۔ کلہن کا اشارہ اسی واقعہ کی طرف ہے

ہمراہی دروازے کے قریب پہنچا تو انہوں نے خیال کیا کہ وہ اُس کے قتل کے لئے آیا ہے اور اپنے ہتھیار اُٹھا کر اُسے مارنے پر آمادہ ہو گئے لیکن جب انہوں نے دروازہ کھولا اور اُس کے ہاتھ میں انگوٹھی دیکھی تو خوشی سے اچھلتے ہوئے اُس کے ساتھ ساتھ ہرش تک پہنچے۔ مگر جب انہوں نے اُس کے قدموں تک سر جھکا کر اُسے باہر چلے جانے کی درخواست کی تو راجکمار ایک تھوڑے عرصے کے لئے ٹھٹک گیا کیونکہ اُسے پورے طور پر یقین نہ ہوا تھا۔

اس اثناء میں وجے مل اس خیال سے کہ ہرش دیوارا گیا ہے اور بھی جوش کے ساتھ لڑ رہا تو اُدھ محل شاہی کو آگ لگانے ہی کو تھا کہ راجہ کے ہمراہیوں نے بمشکل اُسے یہ کہکر روکا کہ تمہارا بڑا بھائی زندہ ہے۔ اس پر راجہ نے فوراً ہرش کی بیوی سگلا کو مو اُس کے شوہرے باتے[۵۶۲] کے اُس کے اطمینان کے لئے بھیجا۔ جب راجکمار نے اُسے دیکھا تو وہ محل کو جلانے سے باز رہا اور راجہ نے خیال کیا کہ ہرش کو چھوڑ دینے سے خطرہ دور ہو جائیگا اسپر نونک۔ پرشست کش اور دوسرے وزیر خود وہاں گئے اور ہرش کی بیڑیاں اُتار کر اُسے قید سے نجات دی۔ یہ حکم بڑی مشکل سے انکی زبانوں سے نکلا اس وقت ان کی وہی حالت تھی جیسے کسی شخص کے مرنے کے وقت اُس کے سانس کے آنے جانے کی ہوتی ہے۔

ہرش کا رہا کیا جانا } اہل شہر نے ہرش پر جو پھول پھینکے وہ ان سے ڈھک گیا اور آخر گھوڑے پر سوار ہو کر وزیروں کے ساتھ

---

[۵۶۲] معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم میں باتے کی کوئی خاص نشانی کسی عورت کے شوہر کے زندہ ہونے پر ویسے ہی دلالت کرتی ہوگی جیسے آجکل عام طور پر عورت کے سہاگ کی علامت اُس کی نتھ خیال کی جاتی ہے۔

راجہ کے پاس پہنچا جو ابھی تک لڑائی میں مصروف تھا۔ راجہ نے اُسے مبارک باد دیکر کہا۔ "آپنے بھائی وجے مل کو جاکر کہو کہ محاصرے سے دست بردار ہو جائے اور اس کے بعد جب تم واپس آؤ گے تو ہم مناسب انتظام کر لینگے" جب ہرش اس بات پر رضامند ہو گیا اور وہاں سے چلا گیا تو اُت کرش میدان جنگ سے ہٹکر مع اپنے وزیروں کے خزانے میں پہنچا جہاں سونا اور اور قیمتی چیزیں رکھی رہتی تھیں۔ جب وجے مل نے دیکھا کہ اتنی تکلیفیں اُٹھانے کے بعد ہرش دیواب میرے پہلو میں ہے تو ایک لمحے کے لئے وہ مارے خوشی کے بیحس وحرکت ہو گیا اس کے بعد اس نے اس کی قدمبوسی کی۔ ہرش نے اُسے اُٹھا کر بغل گیر کیا۔ اور دونوں نے ایک دوسرے سے اپنے اپنے حالات بیان کئے۔ اس کے بعد ایک معتبر شخص نے وجے مل سے خفیہ طور پر کہا۔ "پہلے ہرش کو راستے سے دور کر دو اس کے بعد اُت کرش کو مار کر تم بلا مداخلت غیرے راجہ بن جاؤ گے" وفادار وجے مل نے اس نصیحت کو منظور نہ کیا لیکن ہرش آثار سے اس بات کو تاڑ گیا اور ایک لمحہ کے لئے اُس کے جسم میں کپکپی چھڑ گئی۔ وہ ایک بے بال وپر پرندے کی مانند تھا اور اپنے دونوں بھائیوں کے درمیان اس کی وہی حالت تھی جیسے کسی شکار کی دو شکروں کے درمیان ہوتی ہے۔ اب وہ گھوڑے پر سوار ہو کر اِدھر اُدھر جان بچاتا پھر رہا تھا۔ جب تیز بارش ہونے سے جنگل کی آگ بجھ جکتی ہے تو اس وقت درخت پر بجلی گرنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص مگرمچھ کے منہ سے بچ جاتا ہے تو اُسے سمندر میں غرق ہونے کا خطرہ لگا رہتا ہے ایسے ہی قسمت اُس شخص کے لئے جو ایک خطرے کو دور کر چکا ہو ایک نیا خطرہ اس لئے پیدا کر دیتی ہے کہ بعد میں اس نے جو خوش نصیبی بھوگنی ہے اس کی شیریں لذت کا زیادہ اچھی طرح حظ حاصل کر سکے۔ جب وہ گھوڑے کو پھرانیکے

بہانے سے جان بچاتا پھر رہا تھا اُس کے ساتھ چند آدمی جو حقیقت حال سے آگاہ ہو چکے تھے پیدل چل پڑے۔ آخر تھوڑی مدت وجے مل سے مشورہ کرنے کے بعد وہ راجہ کے پاس یہ کہنے کے لئے گیا کہ اب ہمارے درمیان کوئی عناد باقی نہیں۔ لیکن جب وہ راجکمار کو چھوڑ کر راجہ کے محل میں پہنچا تو وجے سنگھ نے اُسے داخل ہونے سے روک دیا اور کہنے لگا "ایک بار بچ کر اے ناعاقبت اندیش شخص اب تو پھر کس لئے مرتا ہے۔ جا اور بے کھٹکے تخت پر بیٹھ جا"

راجہ ہرش

۱۰۸۹ء تا ۱۱۰۱ء

اُس کے ایسا کہنے پر نوکر خزانے سے تخت نکال لائے اور ہرش دیو اس پر بیٹھ گیا۔ اتنے میں سگلا بھی دلیری سے اپنے گناہ عظیم کو چھپاتی ہوئی اپنے آپ کو اس کی پٹ رانی ظاہر کرنے کے لئے آ گئی۔ اس کی تاجپوشی کی افواہ سنکر تمام مشیر اس طرح جمع ہو گئے جیسے بادل کی گرج سے چاتک (پپیہا) جمع ہو جاتے ہیں اتکرش کو یہ خبر سُنکر بہت رنج پہنچا اور چالاک وجے سنگھ اُسے کمرے سے گھسیٹ کر دوسرے محل میں لے گیا۔ وہ عزت سے محروم ہو گیا۔ بہت کم ہمراہی اُس کے ساتھ تھے اور اسی حالت میں اُسے راجہ ہرش کے سامنے سے جو دربار کے کمرے میں بیٹھا تھا گذرتے ہوئے دیکھا گیا۔ واقعی کس شخص کی عظمت دیرپا ہو سکتی ہے!!!

جس وقت وہ اس عمارت میں داخل ہوا وجے سنگھ نے باہر پہرہ دار مقرر کر دیئے اور ہرش کو خبر دی کہ میں نے اپنا کام پورا کر دیا ہے۔ ہرش نے ٹھکر ذکو

جن کے ساتھ قید میں اُس کی واقفیت ہو چکی تھی اپنے گرد جمع کر لیا۔ اور وجے مل کے خطرہ کو اس طرح دور کیا کہ اُس کے راستہ پر اپنے سپاہی مقرر کر دیئے۔ وجے مل نے جب سنا کہ میرا بڑا بھائی تخت نشین ہو گیا ہے تو اس کی طرف جانے لگا لیکن ہرش کے آدمی جلدی سے ایک با ادب طریقے پر اُس کی جائے مقام رہائش پر لے گئے۔ اس اثنائے میں راجکمار کے سپاہی راجہ ہرش کے سامنے آ گئے جنہیں دیکھ کر اس نے دور اندیشی سے اسی لمحہ اُسے اپنے روبرو بلوایا۔ اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا "میں تمہارا ممنون احسان ہوں کہ تمہاری بدولت میری جان بچی اور مجھے سلطنت ملی ہے" قسمت کی یاوری سے اس کی اس مناسب حکمت عملی سے فوراً ملک میں امن چین ہو گیا۔ نئے راجہ نے ہر چند کہ ابھی تک وہی کپڑے پہنے ہوئے تھے جو جیل خانہ میں اُس کے بدن پر تھے تاہم تخت پر بیٹھا اپنی شان و شوکت کے باعث چمک رہا تھا۔ جب دن ختم ہوا تو مختلف جذبات سے تھک کر راجہ جس نے نیا نیا عروج حاصل کیا تھا چارپائی پر اس طرح گر پڑا جس طرح وہ مزدور گرتا ہے جس نے اپنا بوجھ اُتار دیا ہو۔ ہر چند کہ اس نے اپنی آنکھیں بند رکھیں تاہم معلوم ہوتا ہے کہ تمام چیزوں کے فضول ہونے پر غور کرتے ہوئے اُسے راحت خواب حاصل نہ ہو سکی۔ دوسری طرف اُت کرش جو دھوکے سے قید ہو چکا تھا اپنے مشیروں سے نصیحت پوچھ رہا تھا وہ ان میں سے کئی ایک کو جھڑک چکا تھا کہ آخر نونک نے اُسے ذیل کے سخت الفاظ سے مخاطب کیا۔ "اے دیوانہ تو نے وہ تدبیر جس کا صحیح تجھے مشورہ دیا گیا تھا دانائی کی عدم موجودگی سے تیری جو حالت ہونے والی ہے وہ اب مجھ سے سن! آج تو نے اس کو جو پابزنجیر تھا اُن کے حوالے کر دیا جو بچا کھچا کھانا کھاتے ہیں لیکن کل وہ تجھے اُنکے حوالے کر دیگا جو مُردہ کا گوشت کھاتے ہیں چنڈال ایسے حاسد کے لئے اب سوائے موت کے

اور کوئی پناہ نہیں لیکن چونکہ ہم جنگ سے دست بردار ہو چکے ہیں اس لئے ہمارے لئے موت حاصل کرنا بھی مشکل ہو گیا ہے ۔ کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ دشمن اُس طریق سرزنش سے کام نہیں لیتے جس کا نہایت گہرا زخم مفتوحوں کے دلوں پر پڑتا ہے جس طریقے پر تم نے خطرے سے لاپرواہ ہو کر عمل کیا اس سے ہر چیز یکایک اور ایک ہی لمحہ میں ضائع ہو گئی ہے ۔ چھوٹے سے عیب کو بھی اگر سلیقے کے بغیر رفو کرنے کی کوشش کی جائے تو اس میں سینکڑوں شگاف اس طرح پیدا ہو جاتے ہیں جیسے کسی پرانے کپڑے میں جس کی سوئی سے مرمت کی جائے ۔

ات کرش کی خودکشی ۸۲۰ء

جب ات کرش نے یہ باتیں سنیں تو وہ اُن کے درمیان سے اُٹھ کر مہ سہجا نامی مدخولہ عورت کے اندر محل میں چلا گیا اور اُسے یہ کہا کہ میں سندھیا کرنے تھوڑی دیر یہاں ٹھہروں گا وہ ایک پردے کے پیچھے ہو گیا ۔ اس وقت اُس کے پاس چونکہ کوئی ہتھیار موجود نہ تھے اس لئے ناچار اس نے ایک کپڑا کاٹنے کی قینچی سے اپنی شاہ رگ کو کاٹ ڈالا ۔ جس وقت سہجا نے قینچی کو زمین پر گرتے سنا تو وہ خائف ہو گئی اور دیکھا تو پردے کے پیچھے سے خون رس رس کر بہ رہا تھا اس نے آگے ہو کر دیکھا تو اُس کا سر جھکا ہوا تھا اور گاڑھا خون اس میں سے اس طرح ۔ رہا تھا جیسے کسی پہاڑی کے بلند ترین ٹیلے سے معدنیات اس وقت نکلتی ہیں جبکہ اس پر بجلی گر چکی ہو ۔ اس وقت سہجا نے جس شریفانہ چلن کا اظہار کیا اُس کے باعث آجتک اپنے خاوندوں کی منظور نظر عورتیں سر اُٹھا کر چلتی ہیں ۔ چاند جب گھٹنے لگتا ہے تو رات اُسے کسی مقام پر چھوڑ کر خود چلی جاتی ہے لیکن بخلاف اس کے شام غروب ہوتے ہوئے سورج کے پیچھے پیچھے رہتی ہے اس وجہ سے دانا آدمیوں کو یہ بات یاد رکھتے ہوئے کہ محبت انجام کا

بدل سکتی ہے عورتوں کو یقینی طور پر قابل الزام قرار دینا یا ان کی تعریف نہ کرنا چاہیئے۔ ہر چند کہ کیا اور سہجا کی ابتدا ان کی مجلسی حالت اور اپنے اپنے مالکوں سے ان کی محبت یکساں تھی تاہم اوالذکر کا چال چلن قابل الزام اور آخر الذکر کا قابل تعریف تھا۔ سہجا کسی زمانہ میں ایک مندر کی رقاصہ ہوا کرتی تھی اُت کرش نے اسے ناچتے ہوئے دیکھ کر مدخولہ عورت کی حیثیت میں اپنے رنواس میں لے لیا تھا۔ اب سہجا نے اپنے عاشق کا خون جو گیروے رنگ کا تھا اپنے اعضا پر گاڑھا گاڑھا مل لیا اور چتا میں داخل ہو کر سونے کی طرح اپنی محبت کو چمکا کر دکھا دیا۔ جب وہ ایک فاحشہ عورت کی حیثیت میں تھی تو ہرش دیو کی بھی اس پر مہربانی تھی۔ اس لئے گو اس نے اُسے زندہ رہنے کے لئے کہا تاہم اُس نے موت کا ساتھ نہ چھوڑا۔

اُت کرش جب مرا تو اس کی عمر چوبیس سال کی تھی اور وہ ۲۲ دن حکومت کر چکا تھا۔ ایک رات اس کی لاش پڑی رہی اور اُس کے اگلے دن صبح کے وقت جلائی گئی۔ اس کے علاوہ اُس کے رنواس کی بعض اور تیز نگاہ عورتیں جو لوہر کی پہاڑی پر اس کے ساتھ تھیں آگ کے راستے اُس کے نقش قدم پر چلی گئیں۔ جس وقت راجہ کے حامی اس کے مشیروں سے ہتھیار لے رہے تھے ننگ نے موت یا خواہشمند بن کر کچھ عرصہ کے لئے تلوار دینے سے انکار کیا جب پر پرشست کلش نے جو اس کی اپنی ہی جماعت سے تعلق رکھتا تھا اُسے یہ کہا "ہمارے علاوہ راجہ کے وزیر اور کون بنینگے؟ چند دن میں وہ ہمیں رہا کر دیگا اس بات کا لحاظ رکھتے ہوئے تمہیں اپنی جان ضائع نہ کرنی چاہئے"۔ اس طرح پر اس نے اسے تلوار دینے پر رضامند کر لیا اور خود بھی اپنی تلوار دیدی۔ ہرشدیو نے ننگ سلہار۔ بٹھار۔ پرشست کلش اور باقیوں کو پابزنجیر کر کے قید کر دیا اور اس کے بعد اس نے ایک ہی دن میں ایک راجہ کو ایسا عجیب پلٹا دیا گویا

وہ خود قسمت کا درجہ رکھتا تھا۔ میرے قصے میں بہت سے راجاؤں کا مختلف طریقوں پر ذکر آچکا ہے اور ان پر سے درگذر ہوتا رہا ہے لیکن بدقسمتی سے اب ایک ایسا راستہ آگیا ہے جس کو عبور کرنا سمجھ کے لئے مشکل ہے۔

ہرش کا چال چلن راجہ ہرش کی وہ داستان کیونکر بیان کی جاسکتی ہے جس میں تمام الوالعزمیاں پیدا ہوئیں لیکن ساتھ ہی ہر قسم کی حکمت عملی غائب نظر آتی ہے۔ جس میں بہت بڑی طاقت حکمرانی نمودار ہوتی ہے لیکن ساتھ ہی ماتحتوں کی طرف سے اس کے احکام کی بے حد لاپرواہی کا اظہار ہوتا ہے۔ جس میں نہایت کثیر فیاضی کا ذکر آتا ہے لیکن اتنے ہی زیادہ غصب کے واقعات نمودار ہوتے ہیں۔ جس میں بے حد ہمدردی کے اظہار سے خوشی ہوتی ہے لیکن ساتھ ہی قتل کی بے شمار وارداتوں سے دل کو صدمہ پہنچتا ہے۔ جس میں عابدانہ کاموں کی افراط کی دلفریبی ظاہر ہوتی ہے لیکن جو گناہوں کی اتنی ہی زیادہ کثرت سے ناپاک شدہ ہے۔ جو ہر طرف سے دلچسپ لیکن بھیانک قابل تعریف لیکن موجب الزام ہے۔ جس پر سمجھدار شخصوں کو مباحثہ اور اظہار نفرت یا محبت اور رنج کرنا لازم ہے۔ جو اس قابل ہے کہ اسے بیان کیا جائے اور ساتھ ہی اس پر لعنت کی جائے۔ اسے یاد رکھا جائے اور ساتھ ہی لوح دل سے مٹا دیا جائے۔ یقیناً وہ روشنی کے سامان سے پیدا ہوا ہوگا ورنہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ بڑے بڑے آدمی بھی سورج کی طرح اس کی طرف بمشکل دیکھ سکتے تھے۔ اُس کے وجود کی نظیر فانی انسانوں یا دیوتاؤں میں نہیں مل سکتی لیکن ساتھ ہی دانا اگر اُسے تلاش کریں تو وہ انہیں شیطانوں کے سرگروہوں میں نظر آئیگا۔ اُس کے کان کے بالے اس طرح چمکتے تھے جیسے سورج کی منعکس تصویر۔ اُس کی گول فراخ پگڑی پر اونچا مکٹ لگا ہوا تھا۔ وہ ایک خوش وخرم شیر کی

طرح اپنے اردگرد دیکھا کرتا تھا۔ اُس کی گھنی دار ڈاڑھی نیچے لٹکا کرتی تھی۔ اُس کے کندھے سانڈ کی مانند۔ بازو بڑے اور جسم کی رنگت سیاہی مائل سرخ تھی۔ اُسکی چھاتی چوڑی اور کمر پتلی تھی اور آواز گرج کی مانند رکھتا تھا۔ ان حالتوں میں ممکن تھا کہ فوق الفطرت وجود بھی اُس کے سامنے اوسان ہار بیٹھتے۔ محل کے دروازے (سنگھ دوار) پر اُس نے چاروں طرف بڑے بڑے گھنٹے لٹکوا دیئے تاکہ انکی آواز سے اُسے معلوم ہو جایا کرے کہ کون عرضداشت کرنے کے لئے آیا ہے جب وہ سائلوں کی دردناک تقریر سُنتا تو وہ ان کی خواہش کو ایسی جلد پورا کر دیتا تھا جیسے موسم برسات میں بادل چاتک (پپیہا) کی اُس کے دربار میں کبھی کوئی شخص بغیر خوشنما پوشاک یا طلائی زیورات کے نہیں دیکھا گیا۔ نہ اس حالت میں کہ اُس کے ہمراہی تھوڑے ہوں یا وہ غیر مستقل مزاج ہو۔ اُس کے محل کے دروازے پر جہاں مختلف قوموں کے لوگ جمع ہوتے تھے تمام ملکوں کی دولت جمع معلوم ہوتی تھی۔ محل کے اندر مشیر۔ چمبرلین اور دوسرے نوکر چاکر لاتعداد سنہری زنجیروں اور کڑوں سے آراستہ پھرتے تھے۔ اس طرح اپنی نئی شاہی کی چمک دکھاتا ہوا یہ راجہ وجے مل کی رائے پر اس طرح عمل کرتا تھا گویا وہ کسی گورو کی رائے ہو۔ چونکہ ممنون احسان راجہ اُس کے کہنے پر چلتا تھا اس لئے خود اُس کے دربار میں راجہ کی طرح بے شمار لوگ موجود رہا کرتے تھے۔ ہرش نے اپنے ذاتی نوکروں کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی اور معاملات کی مقررہ صورت کو پلٹنے کی خواہش نہ کر کے اس نے علمی عہدے اپنے باپ کے وزراء کو دے دیئے۔

انتظامی تقرریاں اس نے کندرپ کو دوار کا انچارج کر دیا۔ مدن کو فوج کا کمپن و سپہ سالار بنایا اور وجے سنگھ

اور باقیوں کو ان کے سابقہ عہدوں پر بحال رکھا۔جب اس کا غصہ دور ہوا تو اس نے پرشست کلش اور باقیوں کو قید سے رہا کر کے اُن کے سابقہ عہدے اُنہیں دیئے البتہ وزیر نونک اور اُس کے کوکہ بھائی کو سولی دلوا دیا کیونکہ اُسے اُنکی بے شمار خطاؤں پر سخت غصہ تھا۔لیکن وقتاً فوقتاً جب معاملات مشکل ہو جاتے تو وہ یاد کیا کرتا تھا کہ نونک ایک بڑا فراخ حوصلہ اور وفادار شخص تھا اور اس پر اُسے افسوس ہوا کرتا تھا۔کسی لائق شخص سے اگر کوئی خطا بھی سرزد ہو جائے تو بھی بعض اوقات وہ مفید ثابت ہوتا ہے جس طرح وہ آگ جو مکان کو جلا دے کھانا پکانے میں مدد دیتی ہے۔راجہ کے نوکروں نے وشاوٹ کے کان اور ناک اُس کی بیوی کے سامنے کاٹ کر اُسے سولی دے دیا۔خوشحالی کی حالت میں ہرش نے اُن نوکروں کو بہت کچھ انعام و اکرام دیئے جو قید سے نکلے تھے جس طرح پرماہ چیت میں پھوٹنے والا درخت اُن سیاہ مکھیوں کی خوراک بہم پہنچاتا ہے جو زمین کے سوراخوں سے نکلتی ہیں۔وجر کا بیٹا اور کشیم کا پوتا سُن جو رک کی اولاد تھا اُسے سو اُس کے چھوٹے بھائی کے وزارت میں اعلیٰ عہدہ دیا گیا۔جب راجہ سفر پر جاتا اور نیز دوسرے موقعوں پر تماشائی غلطی سے ہر ایک وزیر کو باری باری راجہ سمجھ لیتے تھے۔اُس کا چھوٹا بھائی بے راج جسے اُس نے سارے جیمبر لینوں کا سرکردہ بنایا تھا اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھا۔تنونگ کا بیٹا دہمت جس نے اپنے دونوں بھائیوں کی موت پر اُن کے احسان کا شکریہ اس طرح ادا کیا تھا کہ یاترا کرنے گنگا چلا گیا وہ مع اپنے بھتیجوں کے واپس آگیا۔راجہ نے اُسے ایک ایسے شخص کی حیثیت میں خوش آمدید کہا جس کے دو بڑے بھائی اسی کی خدمت گذاری کرتے ہوئے مارے گئے تھے۔اور اُسے اور اُس کے بھتیجوں کو ایسا سمجھنے لگا گویا وہ اس کے خاندان سے ہوں۔

اس اثنا میں شریر لوگوں کے کہنے سننے پر وجے مل سرکش ہوگیا اور گو طریق مذکور پر ہرش نے اُس کے ساتھ شاہی طاقت تقسیم کر لی تھی تاہم اب اُس نے اُسکے خلاف غداری شروع کی۔

وجے مل کی بغاوت شریر لوگوں نے اُسے بھڑکایا کہ جب تم نے تخت کو خود فتح کیا تو وہ دوسرے کو کیوں دیدیا اُسے حاصل کرنے کے لئے اس نے بڑے بھائی کو قتل کرنے کی تجویز سوچنی شروع کی۔ اپنے تنہا محل میں اُسے جان سے مارنے کا ارادہ کر کے اس نے یگ کا بہانہ کیا۔ اور اس میں راجہ کو مدعو کیا۔ یہ خبر راجہ کے کانوں تک بھی پہنچ گئی جس نے حملے سے خائف ہو کر فی الفور فوجوں کو تیار ہونیکا حکم دیا۔ جس وقت راجہ کی فوجیں تیار ہوگئیں تو وجے مل جلدی سے باہر آیا اور راجہ کے گھوڑوں کو اصطبل سے لے گیا اس نے بہادری سے راجہ کی فوج پر حملہ کیا اور پوری قوت سے لڑتا ہوا شہر کو چھوڑنے کی تیاری کرنے لگا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا اور اس کی بیوی اُس کے پیچھے پکڑے بیٹھی تھی اس حالت میں وہ بڑی دلیری کے ساتھ لڑتا رہا۔ عین اس وقت بے موقعہ بارش شروع ہوگئی اور ہر جگہ زمین پانی سے ڈھک گئی اس لڑائی کے موقعہ پر آندھی کے تیز چلنے سے اس طرح کی آواز پیدا ہو رہی تھی جیسے بہت سے نقاروں کے بجنے سے ہوتی ہے۔ اس حالت میں راج کمار بارش اور تیروں کی بوچھاڑ میں گھر گیا۔ اس کی جمعیت بتدریج کم ہوتی جاتی تھی اور جس وقت وہ آگے کو بڑھ رہا تھا چندک کے بیٹے جو اُسے مار دینا چاہتے تھے اس طرح اس کے پیچھے پیچھے لگے رہے جیسے کسی شخص کے سابقہ جنم کے افعال اُس کے پیچھے لگے رہتے ہیں۔ دریائے وتستا اور سندھو کے مقام اتصال پر طوفان کی وجہ سے پل ٹوٹ چکا تھا اور اسے اس نے گھوڑے سے اُتر کر معہ اپنی بیوی کے تیرتے ہوئے عبور

کیا۔ وہ حوصلہ کر کے مع اپنی بیوی کے دشمن کی جمعیت میں گھرا ہوا پانی میں کود پڑا اس کا گھوڑا بھی اُمڈی ہوئی ندی کو عبور کر کے اُن کے پیچھے پیچھے دوسرے کنارے پر جا پہنچا۔ وہاں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر بہادر وجے مل دشمنوں کی نظروں سے غائب ہو گیا اور لہر کے راستے دردوں[563] کے ملک کی طرف چلا گیا۔ ہر چند کہ دواریتی کندرپ نے جابجا سڑکیں بند کر دی تھیں تاہم وہ پہاڑوں کو عبور کر کے دردوں کے شہر (درت پوری[564]) میں جو پہاڑوں میں چھپا ہوا تھا جا پہنچا دردوں کے فرمانروا مشہور و معروف ودیا دھر شاہی[565] نے اُس کا بہت اچھی

---

[563] یہاں کشن گنگا کی بالائی وادی کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے جہاں آج تک درد قوم کے لوگ آباد ہیں دیکھو نوٹ ع۱۲ کتاب ہذا۔ یہاں تک بہت سے پہاڑی راستوں کے ذریعے وادیٔ سندھ کی راہ سے پہنچا جا سکتا ہے۔ وتستا اور سندھو کا جس جگہ مقام اتصال ہے یعنی شادی پور کے مقابل اُسے عبور کرنے سے وجے مل کی مراد غالباً یہ معلوم ہوتی تھی کہ دردوں کے ملک کی طرف جاتے ہوئے دوبارہ دریائے سندھو کو عبور کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔

[564] دردوں کے شہر کا ذکر اس جگہ اور آگے چل کر ترنگ ۸ کے شلوک ۵۲۱۱ میں آیا ہے معلوم ہوتا ہے اس سے مراد جدید قصبہ گریز سے ہے جو بالائی وادیٔ کشن گنگا کا خاص مقام ہے دیکھو ڈریو صاحب کی کتاب "جموں" صفحہ ۴۹۲۔ پہاڑوں میں چھپے ہوئے کے لئے اصل کتاب میں لفظ "گری گپتا" آیا ہے جو اس مقام پر ٹھیک طور پر عاید ہوتا ہے گریز ایک ایسی وادی میں واقع ہے جس کی لیول زمین کہیں پر قریب ایک میل سے زیادہ چوڑی نہیں۔ اسکے تمام اطراف میں بلند پہاڑی سلسلے واقع ہیں۔

[565] صدیوں تک چترال اور یاسین کے درد حکمرانوں کا لقب شاہ رہا ہے دیکھو کننگھم صاحب کی کتاب "نومس میٹک کرانیکل" سلسلہ سوئم جلد ۱ صفحہ ۲۸۱۔ لیکن یہ امر مشتبہ ہے کہ آیا یہ لقب دورِ اسلامی سے پیشتر کا ہے اور وادیٔ کابل کے شاہی خاندان کے شاہی لقب سے اس کا کوئی تعلق

طرح استقبال کیا اور اس کے بعد کچھ عرصہ گذرنے پر اُس کے بعض ہمراہی اُسکے ساتھ آملے۔

جس وقت راجہ ہرش نے یہ بات سنی کہ ڈامر اور دوسرے لوگ جنگ پر آمادہ ہو رہے ہیں تو وہ نہایت خائف ہوا۔ اور دن بدن نئی چالیں چلنے لگا۔ مگر ان میں اُسے ناکامی ہوئی چنانچہ موسم سرما دردوں کے شہر (درت پور) میں گذار کر وہ (دیجے مل) یکا یک ماہ چیت میں ایک مہم پر روانہ ہوا جس کی وجہ یہ تھی کہ اُسے ڈامروں کے پیغام پہنچ چکے تھے۔ اگرچہ اس کے پہلے خطرات دور ہو چکے تھے مگر یہ بہادر راجکمار یکا یک ایک برفانی تودے کے گرنے سے اس وقت جبکہ وہ سڑک پر خیمہ زن تھا جان بحق تسلیم ہوا۔ اولالعزم لوگ جن کاموں کو پورا کرنے کے لئے بہت کچھ جوش کا اظہار کرتے ہیں قسمت اُنہیں ذرا سی بات میں بگاڑ کر رکھ دیتی ہے۔ سورج اپنی ایک ہزار کرنوں (کر) کے ذریعے جن کنول پھولوں کو بڑی محنت کے ذریعے کھلاتا ہے انہیں خالق اگر ناراض ہو تو ہاتھی کے ایک سونڈ (کر) کے ذریعے اکھڑوا دیتا ہے۔

اس کے بعد راجہ ہرش کی شاہی طاقت جو کچھ عرصہ کے واسطے تاج کے لئے جدوجہد ہونے کے خوف سے کم ہو گئی تھی دوبارہ پھیلنی شروع ہوئی۔ اُس زمانہ میں راجہ کا لقب کسی شخص کے لئے استعمال نہ ہو سکتا تھا۔ اس کے لئے اس لئے نہیں کہ وہ بہت بڑا درجہ رکھتا تھا اور دوسرے حکمرانوں کے لئے اس لئے نہیں کہ وہ بہت چھوٹے درجہ کے تھے۔

ہرش کی جدت

جس طرح موسم بہار اپنے ہمراہ جنگل میں پھول لاتی ہے ایسے ہی اس راجہ نے جو ادنے خیالات سے پاک تھا ملک میں شاندار فیشن رائج کئے اس سے پہلے اس ملک میں سوائے

راجاؤں کے عام لوگوں کے بال کھلے رہتے تھے نہ اُن کے سر پر پگڑی اور نہ کانوں میں بالے ہوتے تھے۔ ایک وقت تھا جبکہ اس ملک میں کمانڈر انچیف مدن نے اپنے بالوں کی پٹیاں جمائی تھیں اور وزیر اعظم جیا نند نے چمکدار رنگ کا چھوٹا کوٹ پہنا تھا تو راجہ انپر ناراض ہوگیا تھا لیکن اس راجہ نے عام لوگوں کے لئے ایک ایسا لباس مروج کیا جو راجاؤں کے لائق تھا۔ جب اس کے بعض وزیر شاندار چیزیں زیب تن کرکے اُس کے پاس آتے تھے تو اُسے ان پر حسد نہیں آتا تھا بلکہ اپنی خادماؤں کو ان کی آرتی اُتارنے کا حکم دیتا تھا۔ چونکہ اُسے دکھنی طرز کی تفریحات پسند تھیں اس لئے اس نے کرناٹ کی وضع کا ٹانک سکہ[۵۶۶] مروج کیا لوگ جب اُس کے لہلہاتے ہوئے کھجور کے پتوں سے آراستہ دربار میں جمع ہوتے تو ان کی پیشانیوں پر بڑے صندل کے ٹیکے اور شاندار لمبی کٹاریں لگی ہوئی ہوتی تھیں۔ اُس کی بے قرار بھوؤں والی عورتیں اپنے بالوں کی گندھی ہوئی لٹوں کو

۵۶۶ کنگھیم صاحب کی کتاب "کائنز آف میڈیول انڈیا" صفحہ ۴۴ پلیٹ سلسلہ ۵ عدد ۱۱ و ۲۳ میں وہ سکے دکھائے گئے ہیں جن کا کلھن نے یہاں پر ذکر کیا ہے۔ یہ سکے سونے کے ظاہر کئے گئے ہیں اور ان پر ہرش کا نام موجود ہے۔ کشمیر میں راجگان ہنود کے زمانے میں جو سکے تیار ہوتے رہے ہیں اُن سے ان سکوں کا نمونہ بالکل مختلف ہے۔ کنگھیم صاحب کا بیان ہے کہ اس بات کی تصدیق کہ یہ سکے کرناٹ کی وضع کے بنائے گئے تھے کرناٹ کے سکوں سے ہوتی ہے۔ مخفی نہ رہے کہ یہ سکے نہایت نایاب ہیں بجائیکہ ہرش کے زمانے کے پیتل یا تانبے کے سکے آجکل دیکھنے میں آتے ہیں۔

لفظ ٹانک سے اس جگہ مراد و نیز ترنگ ۸ کے شلوک ۱۵۲ میں سکے کے نمونے یا ٹھپے سے ہے۔ اور جیسا کہ کنگھیم صاحب نے لکھا ہے اس کے معنے عمدہ سونے کے سکے کے نہیں ہیں۔

جن میں کیتکی کے پتوں کی شکل کے سنہری زیورات لگے ہوئے ہوتے تھے لمبے ہاروں کی طرح لٹکائے رکھتی تھیں۔ اُن کے ماتھے کی بندیوں کے اوپر جو ٹیکے سجائے ہوئے ہوتے تھے اُن کے باعث اول الذکر غیر مستقل نظر آتی تھیں۔ انکی آنکھوں کے کونے سرمے کے دنبالوں کے ذریعے کانوں تک ملے ہوئے ہوتے تھے۔ اور ان کی زلفیں سنہری تاروں سے گندھی ہوئی ہوتی تھیں۔ ان کی چھاتیاں اس قسم کی انگیا سے ڈھکی ہوئی ہوتی تھیں جو ان کے بازوں کی نصف لمبائی تک آتی تھیں۔ جب وہ ادھر ادھر چلتی تھیں تو اپنی مسکراہٹ سے کافور کی سی چمک پھیلاتی تھیں اور جب وہ مردانہ لباس میں آراستہ ہوتی تھیں تو انکی شکل وشباہت عشق کے دیوتا (کام دیو) سے مشابہ ہوتی تھی جس طرح بادل سمندر کی مدد سے تمام چیزوں کو مفرح کرنے کے قابل ہوجاتے ہیں ویسے ہی اس راجہ سے سوال کرکے فقیر دوسروں کی مدد کرنے کے قابل ہوجاتے تھے۔ یہ فیاض راجہ اپنے گرد سونے کی بارش کیا کرتا تھا اور اس کی مہربانیوں سے تمام گویئے راجاؤں کا مقابلہ کرنے لگ گئے تھے۔ اس راجہ نے جو فاضلوں کے مکٹ کا جواہر تھا فاضلوں کو جواہرات سے آراستہ کیا اور انہیں پالکی گھوڑے اور چھتر وغیرہ استعمال کرنے کی اجازت دیدی۔ بلہن جو راجہ کلش کے عہد میں کشمیر سے چلا گیا تھا اُسے پرمادی والئے

شلوک ۹۳۶ اس دلچسپ شلوک کی اہمیت پر سب سے پہلے بوہلر نے بلہن کی کتاب وکرمانک دیوچرت کی ایڈیشن میں اپنی تمہید کے صفحہ ۱۲ پر بحث کی ہے۔ اس سے پیشتر اس شاعر کا نام اس وجہ سے چھپا ہوا تھا کہ کلکتہ ایڈیشن اور ٹرائر کے ترجمہ میں اس کا نام رلنو یا بلہو دروج تھا۔ پروفیسر بوہلر نے اپنی تمہید کے باب ۱ میں بلہن کی زندگی اور اس کی تصانیف پر نہایت جامع بحث کی ہے نیز دیکھو پروفیسر اف ریکٹ کی کتاب کیٹالوگس کیٹالوگرم۔

کرناٹ نے اپنا خاص پنڈت (زدیاپتی) بنا لیا تھا اور جب کرناٹ کے پہاڑی علاقے میں ہاتھیوں پر سفر کرنے کا اتفاق پیش آتا تو اُس کا چتھر راجہ کے آگے آگے اُٹھایا جاتا تھا لیکن جب اس نے سنا کہ فیاض ہرش اچھے شاعروں کے ساتھ عمدہ سلوک کرتا ہے تو اس نے ایسی دھوم دھام کے سلوک کو بھی جو اُس کے ساتھ کیا جاتا تھا۔ بالکل معمولی خیال کیا۔ اس راجہ کے بے شمار محل عجیب و غریب شان و شوکت سے چمکتے تھے۔ اندر آلک کے طلائی نشان موجود ہوتے تھے اور ان کی عمارتیں بادلوں تک پہنچتی تھیں۔ اُس کے نندن باغ میں سوائے

پرمادی چلوکیہ راجہ وکرمادتیہ تربھون مل کا مشہور لقب یا بردوہ ہے۔ مخفی نہ رہے کہ یہ وہی راجہ ہے جس کی خاندانی تاریخ اور کارناموں کے متعلق بلہن نے مذکورہ بالا نظم لکھی ہے۔ اُس نے ۱۰۷۶ء سے بکر ۱۱۲۶ء تک کلیان میں حکومت کی تھی۔

کلہن نے پرمادی کے دربار میں بلہن کے جس اعزاز کا ذکر کیا ہے اُس کا کچھ اندازہ اس کیفیت سے ہو سکتا ہے جو وکرمانک دیوچرت کے ادھیائے ۱۸ شلوک ۱۰۱ میں اُس شاعر نے خود قلمبند کی ہے۔ چنانچہ بوہلر صاحب لکھتے ہیں کہ اُس جگہ چلوکیہ راجہ کی طرف سے جس سے چول قوم کے لوگ ڈرا کرتے تھے اس خوش قسمت شاعر کی یہ عزت ہوئی کہ اُسے خاص پنڈت بنایا گیا اور اُسے ایک نیلا چھترا اور مست ہاتھی دیا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کلہن اس شلوک سے باخبر تھا۔

کلہن کا یہ ذکر کہ بلہن کلش کے عہد میں کشمیر سے چلا گیا تھا اُس شاعر کی سوانح عمری کے متعلق ایک خاص اہمیت رکھتا ہے پروفیسر بوہلر نے جو وزن دار دلائل پیش کئے ہیں انہیں مد نظر رکھتے ہوئے ہمیں خیال کرنا پڑتا ہے کہ اس جگہ مراد ۱۰۶۳ء سے ۱۰۸۱ء تک ہے جبکہ کلش برائے نام حکمران تھا۔ اُس کے باپ کے مرنے پر اُس کے حقیقت میں حکمران ہونے کے زمانے سے مراد نہیں۔

کلپ برچھ کے باقی سب درخت موجود تھے اور یہ بھی اس لئے موجود نہ تھا کہ وہ اسکی فیاضی سے شرمسار ہو چکا تھا۔ جھیل پمپا[۵۶۹] جو پانی سے بھری ہوئی تھی اور جس میں ہر قسم کے پرندے اور جانور پائے جاتے تھے اسنے اُس کے خمدار کنارے افق تک پھیلا دیئے۔ فی الحقیقت برہسپتی بھی ٹھیک طور پر اُن تمام علوم کے نام نہیں گنوا سکتا جن میں وہ مہارت رکھتا تھا۔ اس نے جو گیت تیار کئے تھے ان میں سے آج ایک بھی سنائی دے جائے تو اس کے دشمنوں کی آنکھوں سے بھی پانی بہنے لگ جائے۔

ہرش کا دربار

اس راجہ کو تفریحات کا بہت شوق تھا وہ دن کے وقت دوپہر سوتا اور رات کو جاگ کر دربار منعقد کرتا تھا۔ اسکی راتیں دربار ہی میں گذرتی تھیں جس میں ایک ہزار چراغوں کی روشنی ہوتی تھی ان درباروں میں عالم فاضل لوگ شریک ہوتے تھے اور رقص وسرود کے جلسے ہوا کرتے تھے۔ جب کبھی گفتگو رک جاتی تو اس وقت یا تو پان چبانے یا عودلو کی زسنوں اور اُن میں لگے ہوئے شیہپالی کے پھولوں کی سرسراہٹ کی آواز سنائی دیتی تھی۔ کونسا برہسپتی ایسا ہے جو اس راجہ کے منعقد کردہ شبینہ دربار کی پوری کیفیت بیان کر سکے جو شان وشوکت میں اندر کے دربار سے بھی بڑھا ہوا ہوتا تھا۔ اُس کے سائبان بمنزلہ بادلوں کے اور روشنی بمنزلہ آگ کی

---

۵۶۸ نندن دراصل اندر کے باغ کا نام ہے ممکن ہے ہرش نے بھی یہ نام اپنے کسی نشاط باغ کا رکھ لیا ہو۔

۵۶۹ معلوم ہوتا ہے اس جگہ مراد اُس پایاب جھیل سے ہے جس کا نام آجکل پمب سر ہے۔ یہ پٹن کے مشرق کی طرف واقعہ ہے اور گوندا براہیم اور اُس ندی تک جس کا نام نقشہ میں اودن دیا ہوا ہے پھیلتی ہے۔

دیوار کے ہوتی تھی۔ سونے کی چوبیں بجلی کی مانند اور بے شمار تلواریں دھوئیں کی مانند تھیں۔ حسین عورتیں اپسراؤں اور وزرا ستاروں کا درجہ رکھتے تھے۔ اس دربار کے فضلا رشی اور گویئے گندھرب تھے۔ غرض کہ یہ ایک ایسا مقام تھا جہاں کوبیر اور یم ایک دوسرے سے ملتے تھے اور فیاضی اور خوف کا یکساں دور دورہ رہتا تھا اس زمانہ میں اس ملک کے اندر طلائی اور روپہلی سکوں (دینار) کا چلن بہت زیادہ تھا لیکن تانبے کے سکے شاذونادر ہی چلتے تھے۔ اس وقت صرف کمینہ سُن ہی گو وہ پولیس کا کوتوال (ڈنڈ نایک[۱۵۷]) بن چکا تھا اور سب سے بڑا درجہ رکھتا تھا حرص کی وجہ سے اپنی مٹھیاں بند رکھتا تھا۔ اس کی حرص کی تصدیق اس بات سے ہوتی ہے کہ جب وہ سوریہ موتک۔ اور وجیشور میں اُس کے

---

۱۵۷ اس شاعرانہ مبالغہ آمیز بیان کی حقیقت یہ ہے کہ بعد کے راجگان کشمیر میں سے صرف ہرش ہی ایسا ہے جس کے زمانے کے صحیح سونے اور چاندی کے سکے دستیاب ہوئے ہیں دیکھو کنگھیم صاحب کی کتاب کائنز آف مڈیول انڈیا صفحہ ۳۶ اور پلیٹ سلسلہ ۵ عدد ۲۱ تا ۲۳ نیز نوٹ ۵۶۶ کتاب ہذا۔

معلوم ہوتا ہے کہ ہرش کے زمانہ میں تانبے اور پیتل کے سکے بہت بڑی تعداد میں مضروب ہوئے تھے کیونکہ کسی اور فرمانروائے کشمیر کی نسبت ہرش کے زمانے کے ایسے سکے بہت زیادہ تعداد میں ملتے ہیں بخلاف اس کے اُس زمانے کے سونے چاندی کے سکے بہت کم دیکھنے میں آتے ہیں۔

۱۵۷ ڈنڈ نایک کا لفظ صرف ترنگ ۷ ہی میں سُن کے سرکاری عہدے کی حیثیت میں استعمال ہوا ہے اس کے لغوی معنے سزاؤں کے کوتوال کے ہیں یہ اصطلاح اور نیز "سرو ڈنڈ نایک" کی اصطلاح نیپالی اور کانڑی کتبوں میں پائی جاتی ہے۔ دیکھو انڈین اینٹی کوئٹی جلد ۸ صفحہ ۱۹ جلد ۹ صفحہ ۱۶۷ جلد ۱۰ صفحہ ۱۲۹۔

اپنے مٹھ قائم تھے جن کے ساتھ اُن کے گذارے کے لئے اوقاف موجود نہ تھے پت کی شاہی دولت بھوکوں ۔ بیماروں ۔ محتاجوں ۔ غریبوں اور مصیبت زدہ لوگوں کی تکالیف کو دور کرنے کے کام آئی ۔ چمپک[۵۷۲] ہر سال سات دن نندی کشیتر میں گذارتا اور اُس وقت تک کی جمع کی ہوئی ساری دولت کو نیک کاموں میں لگا دیتا تھا ۔ یہ راجہ سوالیوں کی تکلیف کو کامل طور پر دور کرتا تھا اور برہمنوں کو سیاہ ہرن کی کھالیں ۔ بچھڑوں والی گائیں اور انعامات دیا کرتا تھا ۔ اس راجہ کی رانی بسنت لیکھا نے جو شاہی خاندان سے تھی سری نگر اور مقدس ترپور یشور میں مٹھ اور اگرہار قائم کئے ۔ اس طرح پر معلوم ہوتا تھا گویا اُس کے عہد میں کسی حد تک شوجی کی پوجا کا شعلہ تیز ہو رہا تھا ۔ تاہم اُس کے عہد حکومت کو ہم شریفانہ کاموں کا زمانہ قرار نہیں دے سکتے ۔ جب نئے وزرا نے بتدریج طاقت حاصل کر لی تو سابق مشیروں سے کینہ رکھنے کی وجہ سے اُنہوں نے راجہ کے دل میں شبہات پیدا کرنے شروع کر دیئے ۔ مور جس کے پاؤں میں کوڑھ ہے بھاگ کر بہت سے پاؤں والے سانپ کو پکڑ لیتا ہے ۔ سورج جس کے ایک ہزار پاؤں (کرنیں) ہیں اُس کی رہبری قدم بقدم صبح کاذب جو بغیر کو پاؤں کے

[۵۷۲] چمپک کا ذکر متواتر ترنگ ۷ کے شلوک ۱۱۱۷ - ۱۱۷۷ - ۱۵۸۶ اور ۱۶۲۳ میں ہرش کے ایک خاص افسر کی حیثیت میں آتا ہے ۔ وہ یقیناً کلہن ہی کا باپ تھا جس کے لئے پربھو کے خطاب کا استعمال ہوا ہے ۔ اس بارے میں جو شبہ تھا وہ اس طرح پر دور ہوتا ہے کہ ہرش کی موت کے متعلق کلہن نے جو بیان لکھا ہے اس میں نازک موقعوں پر چمپک کی کارروائیوں کو مناسب قرار دیا گیا ہے دیکھو شلوک ۵۸۶ ا کتاب ھذا ۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۲۳۶۵ سے نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ چمپک انجام کار نندی کشیتر یعنی بھوتیشور کے تیرتھ کو چلا گیا تھا ۔ خلاصہ کے متعلق دیکھو نوٹ ۱۲۰ و ۳۸۰ کتاب ھذا ۔

ہوتی رہے کرتی ہے۔ قسمت کی واقعی یہ ایک عجیب بات ہے کہ کمزور طاقتوروں کو دھوکا دیتے ہیں اور جن لوگوں کے ہاتھ میں تمام معاملات ہیں انہیں بے ضتیآ لوگ اضطراب میں ڈال دیتے ہیں۔ اس طرح پر ایسا واقعہ ہوا کہ یہ راجہ جو تمام علوم سے واقف تھا بیوقوف وزیروں کی بدولت بگڑ گیا۔ اُس کے مرحوم باپ نے جس دشمنی کا اظہار کیا تھا اُس کا بدلہ لینے کے لئے اس نے اُس کے راج دہائی نامی متھ[۵۷۳] اور اس کے متعلقہ اوقاف کو لوٹ لیا۔ فیاضی میں آکر اس نے دائیں بائیں اس دولت کو لٹانا شروع کیا جو اُس کے حریص باپ نے جمع کی تھی اور اس کا نام اس نے پاپ سین (شریروں کی فوج کا سردار) رکھ لیا ہوش وحواس کو کھو کر اس راجہ نے تین سو ساٹھ مشتبہ چلن کی عورتوں کو اپنے رنواس میں داخل کر لیا۔ ڈوم اور چنڈال قوم کی عورتوں کو چھوڑ کر جو عورت بھی اُس کے ہاتھ آئی وہ اُسے لیتا گیا۔

اس اثنا میں بھون راج نے قلعہ کی فوج (کوٹ پداتی)[۵۷۴] سے ترغیب پاکر لوہر پر قبضہ کرنے کی تیاری شروع کی لیکن ددیت پور پہنچکر جب اس نے سنا

---

۵۷۳ اس جگہ مراد غالباً ان متھوں اور عمارات سے ہے جو کلش نے بجے ون میں تعمیر کروانے شروع کئے تھے دیکھو ترنگ ۷ کا شلوک ۷۰۰۔

۵۷۴ لوہر کے متعلق کوٹ پداتی یا کوٹ بھرتیہ فوج کا ذکر ترنگ ۸ کے شلوک ۱۷۹۷ و ۲۰۲۹ میں آیا ہے۔ یہ فوجیں اُن قلعہ دار فوجوں سے مشابہ ہوتی تھیں جو تھوڑی مدت گذری اس وقت تک کشمیر کے گرد پہاڑی علاقوں کے بے شمار چھوٹے چھوٹے قلعوں میں رکھی جاتی تھیں۔ دیکھو ڈریو صاحب کی کتاب "جموں" صفحہ ۹۵۔ ان فوجوں کی خاص خاص قلعوں میں ہمیشہ کے لئے تقرری ہوتی تھی اور عام طور پر نواحات میں انہیں کچھ زمین بھی ملی ہوئی ہوتی تھی۔

کہ وہ اربتی کندرپ میرے ساتھ لڑنے کو آیا ہے تو وہ پھر غائب ہو گیا۔

مہم راجپوری انہیں ایام میں راجپوری کا عزت دار حکمران راجہ سنگرام پال کسی وجہ سے ناراض ہو گیا۔ چونکہ کندرپ قلعہ (کوٹ بیرت) کی ناراض فوج کو اپنے زیر اقتدار لا رہا تھا اس لئے راجہ نے غصے میں آ کر پولیس کے کوتوال (دسٹن) کو راجپوری پر چڑھائی کرنے کا حکم دیا اور وہ بہت بڑی جمعیت ساتھ لیکر لوہر کے راستے روانہ ہوا لیکن ناعاقبت اندیشی سے ڈیڑھ ماہ تک قلعہ لوہر کے نواحات میں ہی پھرتا رہا۔ کچھ تو وہ ماہ اساڑھ کی آمد کی وجہ سے گرمی[۵۷۵] اور کچھ دشمن کے جوش سے ڈرتا تھا اس لئے اس نے مہم پر روانہ ہونے کا منشا ظاہر نہ کیا۔ اس پر راجہ نے دور اندیشی کو بالائے طاق رکھ کر کندرپ کو جو سست بیٹھا تھا لعنت ملامت کی۔ اس سے غصے میں آ کر اس نے عہد کر لیا کہ میں اُس وقت تک فاقہ کرونگا جب تک کہ راجپوری کو فتح نہ کر لوں اور اس کے بعد وہ بغیر کچھ سامان ساتھ لئے روانہ ہو پڑا۔ چھٹے[۵۷۶] روز جو اس نے پہاڑوں میں فاقہ کرتے ہوئے گذارے تھے راجپوری سے ایک یوجن سے زیادہ فاصلے پر جا پہنچا اور دشمن کی جمعیت سے نہ رکتا اور مخالف کے ہتھیاروں کو پرے گراتا ہوا وہ راجپوری میں اس طرح جا داخل ہوا جیسے شیر کیلے

---

۵۷۵ وہ وادیاں جو لوہر کے عین جنوب کی طرف واقع ہیں ان میں موسم گرما میں سخت گرمی پڑتی ہے اور بخار بہت پھیل جاتا ہے دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۸۷۳ - اور نوٹ ۶ ضمیمہ کتاب ہذا۔

۵۷۶ لوہر (لوہرین) سے راجپوری تک جو راجوری کا قصبہ ہے براستہ سورن دتھان چار کوچ کا فاصلہ قرار دیا جا سکتا ہے معلوم ہوتا ہے کندرپ پہاڑوں کے کسی دشوار گذار راستے کو عبور کر کے گیا ہوگا۔

کی شاخوں کو دباتا ہوا جنگل میں داخل ہو جاتا ہے۔ کوتوال پولیس کی جمعیت کا صرف ایک آدمی کل راج نامی جو خاندان بدھ راج کی نسل سے تھا اُس کے ہمراہ گیا اور جب وہ بہت سے دشمنوں کو قتل کرنے کے بعد راجپوری کے محل کے بیرونی صحن میں گر پڑا تو دشمن نے سفید چتر کی علامت سے اندازہ کیا کہ کندرپ مارا گیا ہے۔

راجپوری پر قبضہ لیکن دوپہر کے وقت طاقت در کندرپ خود بیس تیس سپاہیوں کو ہمراہ لئے راجپوری کے شاہی محل میں داخل ہو گیا۔ اس کے تین سو پیادہ سپاہیوں نے جو بھاگنا پسند نہ کرتے تھے دشمن کے تیس ہزار ایسے سپاہیوں کو روکے رکھا۔ اس لڑائی میں دو سو کے قریب کشمیری کام آئے لیکن دوسری طرف چار سو کمش زمین پر پھیلے ہوئے تھے۔ جب دشمن مغلوب ہو چکا تو موت کا باورچی خانہ وہ بے شمار چتائیں تھیں جو دور تک پھیلی ہوئی تھیں اور جن میں لڑائی کے مردے جلائے جا رہے تھے۔ اس طرح پر اس دلیر آدمی نے اپنے مالک کی لعنت ملامت کو جو بیتال کی طرح میدان جنگ میں جبراً گوشت اور خون طلب کرتی تھی دور کیا۔ جب دن کا صرف ایک پہر رہ گیا تو دشمن نے پھر یکجا ہو کر شکست کے جوش میں کندرپ پر حملہ کیا اس پر اس نے جلتے ہوئے تیر جن میں نباتاتی تیل چپڑا ہوا تھا چلائے اور دشمن کی صف میں آگ لگا دی۔ یہ جان کر کہ وہ اگن استر[۲۷۵] چلانا جانتا ہے دشمن خائف ہو گئے اور اپنے آپ کو لعنت ملامت کرتے ہوئے بے تحاشا بھاگ نکلے۔ بے باکی۔ اوسان خطا نہ ہونے دینا۔ طاقت۔ قابلیت۔ یہ سب

[۲۷۵] اگن استر کا ذکر رزمیہ نظموں میں بار بار آیا ہے ان کے متعلق دیکھو ڈوسن صاحب کی کتاب میتھولوجی صفحہ

چیزیں نہایت خطرے کی حالتوں میں بھی بڑے بڑے آدمیوں کے دلوں کو جن میں استقلال موجود ہوتا ہے نہیں چھوڑتیں۔ محل میں دوبارہ داخل ہونے کے بعد جبکہ سورج غروب ہو رہا تھا اس نے دیکھا کہ محل کا بیرونی حصہ بڑی جمعیت سے رُکا ہوا ہے جب وہ لڑائی میں جانے کے لئے تیار ہونے لگا تو اس نے سنا کہ پولیس کوتوال آگیا ہے اور اُس کے سپاہیوں نے خوفناک میدان جنگ کو دیکھ کر ڈر کے مارے اپنے آپ کو چھپا لیا ہے۔ بعض لوگوں کا قاعدہ ہے کہ وہ میدان جنگ میں اپنے آدمی مرتے دیکھ کر زیادہ حوصلہ ور ہو جاتے ہیں اور بعض مرے ہوئے دشمنوں کو دیکھ کر کانپنے لگ جاتے ہیں۔ واقعی فانی انسانوں کے اختلاف کو کون جان سکتا ہے۔ اب کندرپ باہر آیا اور پولیس کوتوال کو جو اس طرح خوف میں ڈوبا ہوا تھا جس طرح کوا جنگلی راج ہنس کی نقل اُتارتا ہوا سمندر میں غوطہ لگاتا ہے۔ اپنے ہمراہ محل کے اندر لے گیا۔ اس جیسا شخص استقلال رکھتا ہوا۔ اور کون شخص دشمن کے ملک پر جس میں رعایا وفادار ہو۔ فوج بہت بڑی ہو اتفاق ہو۔ خزانہ بھرا ہوا حملہ کر سکتا ہے؟ اسکے بعد کندرپ والئے راجپوری سے جنے اطاعت قبول کر لی تھی خراج لیکر ایک مہینے کے اندر اپنے ملک کو لوٹ آیا۔ راجہ چونکہ اُسکے استقبال کو خود گیا اور اس نے دیگر طریقوں سے اسکی عزت کی اس سے کوتوال پولیس اور دوسروں کو سخت درد شروع ہو گیا۔ سخت دل

شلوک پراس پور کے پروہتوں کی انجمن کا جو حوالہ دیا گیا ہے اُس سے نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ آنند کا کچھ تعلق اس جماعت اور اُس مندر کی جائداد کے انتظام سے تھا جس سے یہ پروہت متعلق تھے۔ نوٹ ۱۳۳ کتاب ہذا میں یہ بات جتلائی جا چکی ہے کہ پرشد کی طرف سے پروہتوں کی ایک جماعت مقرر ہوتی ہے جو مندر یا مقام یاترا کی آمدنی کو مشترکہ طور پر وصول کرتی ہے۔

سٹائن صاحب لکھتے ہیں کہ اس قسم کی جتنی انجمنیں مینے کشمیر اور پنجاب میں دیکھی

آنند کو جسنے پرہاس پور میں بطور منتظم کام کرتے ہوئے واٹ گند نامی پروہتوں کے پریشد میں نام پیدا کیا تھا راجہ نے مشیروں کے صلاح مشورے سے جو رشوت لیکر اُس کے حامی بن چکے تھے دامن کو ہٹا کر پاواگر اور دوسرے عہدوں کا چارج دیدیا تھا اس وقت وہ عہدہ دوارپتی کا خواہشمند تھا اور وہ وزرا جو کندرپ کے دشمن تھے اس کے بہت بڑے حامی تھے۔ اس کے ایما پر راجہ نے کندرپ کو لوہر کی محافظت کیلئے بھیجدیا جہاں راجہ کے دشمن باغی ہو رہے تھے اور اُسے اس جگہ کا حاکم ۵۷۹ مقرر کردیا۔

کندرپ لوہر میں } اس چالاکی کے ذریعے اُن شریر وزیروں نے جو

ہیں ان میں ایک منتظم ہوتا ہے جسے عام طور پر داروغہ کہتے ہیں یہ تمام آمدنی کو جمع کر کے مختلف پروہتوں میں تقسیم کر دیتا ہے وہ اپنے لئے بھی ایک معقول حصہ نکال لیتا ہے اور بڑے بڑے تیرتھوں میں وہ بڑا باوسیلہ اور وجاہت رکھنے والا ہوتا ہے۔ عام طور پر اُسے یہ عہدہ موروثی طور پر حاصل ہوتا ہے لیکن اسبات کی احتیاط کی جاتی ہے کہ وہ نہ تو خود پروہت ہو اور نہ مقامی پروہتوں کے خاندان سے تعلق رکھتا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ آنند پرہاس پور کے کسی مندر میں اس قسم کا منتظم ہو۔ دیکھو ترنگ ۴ شلوک ۱۹۴ و نوٹ ۔ ضمیمہ کتاب ہذا۔

ترنگ ۷ کے شلوک ۱۱۷۷ میں انند کو واٹ گنہ کہا گیا ہے۔

لفظ پاواگر کی تشریح کے متعلق دیکھو نوٹ ۵۰۲ کتاب ہذا۔

۵۷۹ اصل کتاب میں حاکم یا گورنر کے لئے لفظ منڈل ایشور استعمال ہوا ہے جسکا ذکر لوہر کے متعلق ترنگ ۸ کے شلوک ۱۲۲۸-۱۸۱۴ اور ۲۰۲۹ میں ہوا ہے۔

ساتویں ترنگ میں خطاب بارہا اننم کے متعلق استعمال ہوا ہے دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۱۱۷۸-۱۲۲۷-۱۲۳۱ وغیرہ۔ معلوم ہوتا ہے کہ آخر الذکر بہ حیثیت ایک گورنر کے کشمیر خاص کا چارج رکھتا تھا۔

اپنے عروج کے خواہش مند تھے بیوقوف راجہ کے پاس سے اس جری اور دلیر شخص کو دور کر دیا۔ جاہل اور بیوقوف راجہ جو قوت فیصلہ سے عاری ہو اُس صورت میں بہت جلد اپنے خاتمے پر پہنچ جاتا ہے جب بدمعاشوں کے ایما پر وہ فصیح مشیر کو اس غرض سے باہر بھیج دیتا ہے کہ وہ ایک عمدہ سفیر کا کام دیگا۔ دانا سفیر کو اس لئے چھوڑ دیتا ہے کہ ممکن ہے اُس کے الفاظ رشتہ داروں سے علیحدگی کا باعث ثابت ہوں اور طاقت ور مشیر کو اس لئے الگ کر دیتا ہے کہ ممکن ہے کہ وہ تخت پر قبضہ کر لے۔ جس طرح ریت انسان کی مٹھی میں سے نکل جاتی ہے ایسے ہی کندرپ کی محبت ہر چند کہ دیرینہ تھی تاہم بتدریج راجہ کے دل سے دور ہو گئی کیونکہ اب وہ اس کی آنکھوں کے سامنے سے دور تھا۔ وزیر راجہ سے کہنے لگے "کندرپ اُت کرش کے بیٹے کو ساتھ لے گیا ہے اور اُسے لوہر کا راجہ بنانا چاہتا ہے"۔ راجہ اس بات سے متفق الرائے ہو گیا اور اُس نے فوراً پت اور اسی دھرنامی ایک تک کو مع ایک جمعیت کے کندرپ کو مارنے کے لئے روانہ کیا۔ چٹھیوں کی غلطی سے تقسیم ہو جانے کے باعث کندرپ اس تجویز سے باخبر ہو گیا اور ان لوگوں کے پہنچنے کے کچھ عرصہ بعد تک وہ بے حوصلہ اور متفکر رہا۔ اس کے بعد اسی دھر نے اُسے اس طرح گرفتار کرنے کی کوشش کی کہ ایک دن جب کہ وہ شطرنج کھیل رہا تھا وہ نوکر کی طرح اُس کے سامنے آیا اور اُس کا ہاتھ ملنے لگا اس پر کندرپ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور اپنے انگوٹھے کے اگلے سرے سے اُس کے ہاتھ کو ایسے زور سے رگڑا کہ ایک بھیگے ہوئے پرندے کی مانند اس کی کھال ادھڑ گئی۔ غصے میں آکر اس نے راجہ کو دوراندیشی کا مادہ نہ رکھنے اور اپنے آپ کو راجہ سے محبت کرنے پر لعنت کی اور پت کو مخاطب کر کے کہنے لگا "راجہ کو جس کے من پر دوسروں کی حکومت ہے چاہئے کہ

میر الکنبہ میرے پاس بھیج دے تب میں قلعہ چھوڑ کر خود کہیں چلا جاؤنگا"۔

جب اُس کے رشتہ دار جو اُس تک پہنچائے گئے تھے اُس کے پاس آگئے تو کندرپ اس جگہ کو چھوڑ کر وارانشی کو چلا گیا۔ وہاں اس نے ایک حاکم کو قتل اور دوسرے کو متعین کرکے کشمیریوں کو گیا کے سرادہ کے ٹیکس سے نجات دی۔ ایک خطرناک سڑک پر ڈاکوؤں کے ایک سردار کو معہ اُس کے آدمیوں کے مار کر اس نے مشرقی علاقوں کو سیاحوں کے لئے دشمنوں سے پاک کر دیا۔ وارانشی میں اس نے ایک خوفناک شیر کو مارا اور مشرقی علاقے میں متبرک مٹھ قائم کروائے۔

جن بُرے مشیروں نے کندرپ کو نکلوا کر اپنا مدعا حاصل کیا تھا اُنہوں نے باہمی حسد کے ذریعے راجہ کے کاموں میں اب رکاوٹ شروع کی۔ جب بُرے مشیر تغافل سے مخمور ہوکر اور بے انداز حسد کو اپنے دلوں میں لیکر اُن ہرنیوں کی طرح ایک دوسرے کا مقابلہ کرنے لگتے ہیں جو اپنے سینگوں کی کھجلی دور کرنے کے لئے لڑتی ہیں تو چند دن میں اُن کے درمیان راجہ کی وہی حالت ہوتی ہے جیسے ہرنیوں کے درمیان کسی بلی کی۔

دہمت کی سازش

جوں جوں وقت گذرتا گیا تنونگ کا بیٹا دہمت جو تخت کا خواہشمند تھا راجہ کو مارنے کے لئے ایک دغابازانہ منصوبہ باندھنے لگا۔ وہ اپنے بگڑے ہوئے من میں یہ سوچ کر بجے راج کو راجہ کے مارنے کی ترغیب دیا کرتا تھا کہ غداری کا تمام ضرر تو اُسے برداشت کرنا ہوگا اور میں تخت نشین ہو جاؤنگا کیونکہ وہ ایک فاحشہ عورت کے بطن سے ہونے کی وجہ سے تخت نشینی کے نا قابل ہے۔ بجے راج نے راجہ کے قتل کے لئے موضع بلادؔ کے چند قاتل مقرر کر دیئے اور رنو اس کی دو تین

عورتوں کو بھی اس سازش میں شریک کر لیا۔ جب یہ تجویز درجۂ تکمیل کو پہنچنے کے قریب ہوئی تو اتفاق سے راجہ نے دھمت کو بہت بڑے اعزاز کے ساتھ راجپوری میں سفیر مقرر کر کے روانہ ہونے کا حکم دیا۔ اب وہ سہر منگل[۵۸۰] کے مکان پر ٹھہرا ہوا تھا اور کسی سعد دن کا انتظار کرتا تھا۔ جے راج جسے ناکامی کا کھٹکا لگا ہوا تھا اس سے ملنے آیا۔ لیکن جب وہ کمرے میں اس معاملہ پر خفیہ طور سے باتیں کر رہے تھے تو پریاگ کا ایک نوکر دیوار کے پیچھے چھپ کر سن رہا تھا۔ اس لئے اس معاملہ کی خبر پریاگ کو دیدی جس کی اطلاع دہی پر راجہ نے دھمت کو روانگی سے روکدیا راجہ چونکہ اپنے رشتہ دار کو مارنے سے ڈرتا تھا اس لئے وہ مخالفانہ کاروائی کرنے میں سستی سے کام لیتا تھا۔ اور ہر روز خطرے میں رہتا ہوا اپنی جان کی حفاظت کیا کرتا تھا لیکن جے راج نے جب دیکھا کہ میں اپنے اس منصوبہ میں ناکام رہا ہوں تو اس نے دو بہادر ڈامر واگ اور پاج نامی کو سمالا سے بلایا۔ جے راج کے اپنے نوکروں نے اُس سے علیحدہ ہو کر اس بات کی اطلاع دیدی اور راجہ نے یہ بات سنکر کہ وہ نکل جانے کی تیاری کر رہا ہے تمام اطراف میں رات کے پہرہ دار مقرر کر دیئے صبح کے وقت تنونگ کے بیٹے دھمت نے یہ بہانہ

۵۸۰ بلاو کا ذکر صرف اسی جگہ آیا ہے معلوم ہوتا ہے یہ صد یہ موضع بلاؤ کا نام تھا جس کے بجائے نقشہ پر لفظ بلوہ لکھا ہوا ہے۔

۵۸۱ اگر از روئے نجوم سفر کا مہورت اُس وقت سے پہلے نکلے جبکہ سفر کرنیوالا آرام سے روانہ ہو سکتا ہے تو وہ شخص اسبات کا مجاز ہوتا ہے کہ اپنا مکان چھوڑ کر اُسی شہر میں اپنے کسی دوست کے یا کسی اور مناسب مکان میں جا ٹھہرے اس کے بعد جب وہ چاہے سفر پر روانہ ہو سکتا ہے۔ کشمیری برہمنوں میں آجتک۔ بھی اس کا رواج دیکھنے میں آتا ہے۔

کیا کہ میں سفر کو جا رہا ہوں اور بے وقوفی سے جے راج کو چار ستونوں والے کمرہ (چتشک) میں راجہ کی پوجا کے موقعہ پر موجود ہونے کے لئے لے گیا۔ مگر راجہ نے دروازہ نہ کھولا۔ اس لئے جے راج مع دھمت اور اپنے بھتیجے کے دربار کو چلا گیا۔ راجہ کا حکم پاکر پریاگ نے باہر پہرے دار مقرر کر دیئے اور مدہم آواز میں دھمت سے جے راج کو گرفتار کرنے کے لئے کہا۔ راجہ اکثر موقعوں پر بڑی سوچ سمجھ سے کام لیتا تھا۔ اُسے اس وقت یہی ترکیب بہترین نظر آئی اور اُس نے خیال کیا کہ دھمت کے بھروسے پر جے راج یقیناً اپنی تلوار چھوڑ دیگا۔ اور دھمت اس حکم سے یہ نتیجہ نکالیگا کہ اُس کے عندیہ کا ابھی تک پتہ نہیں لگا۔ اور دونوں لڑینگے اور ایک یا دونوں مارے جائینگے تو اس میں بھی ہمارا فائدہ ہے۔ یا اگر ان دونوں نے علانیہ طور پر اپنی سازش کا اقرار کیا تو عوام بھی اُن کے قتل کو پسند کرینگے۔ اس پر تنونگ کے بیٹے نے یہ یقین کرکے کہ راجہ میرے راز سے واقف نہیں ہوا جے راج کے قریب جا کر اُسے دلیری سے کہا "مہاراج تم سے غیر مطمئن ہیں اگر تم خطا سے پاک ہو تو اپنی بیگناہی کا ثبوت دینے کے لئے تلوار چھوڑ دو۔"

جے راج کا قتل ۱۰۹۵ء { جے راج نے جو تلوار اور کمان چلانے کے ہنر سے بخوبی ماہر تھا ایک معمولی شخص کی طرح تلوار ہاتھ سے دیدی۔ یا تو قسمت نے اُسے دھوکا دیا یا وہ دھمت پر اعتبار کرنے کی وجہ سے مارا گیا۔ اس کی کمزوری کو دیکھ کر نفرت سے اجک کے بیٹے اور تنونگ کے پوتے تل نے اُسے حسب ذیل سخت الفاظ سے مخاطب کیا۔ "اے بدبخت! تو کیا کے بطن سے راجہ کلش کا بیٹا نہیں ہے۔ تیرا باپ جو کوئی بھی ہو وہ یقیناً بزدل تھا۔" جب اس راجکمار نے جو نہایت قوی قوت ارادی رکھتا تھا اُسے اس طرح پر مخاطب کیا تو اس کی حالت ایک ایسے شخص کی مانند ہو گئی جس پر بحالت خواب ٹھنڈا

پانی چھڑک دیا گیا ہو۔ اس کے بعد جب جے راج سے بغاوت کی کیفیت طلب کی گئی تو اس نے بڑے استقلال کا اظہار کیا اور گو اُسے طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں تاہم وہ یہی کہتا رہا کہ اس معاملہ میں سارا قصور میرا ہی ہے اور دہمت کا کچھ سہو کا نہیں۔ زہریلے کھانے سے وہ اس لئے نہ مر سکا کہ اُسے زہر کے خلاف ایک کلام یاد تھا اس لئے بوقت شب اس کی گردن کے گرد رسی لپیٹ کر اُسے مار دیا گیا۔ جب جیک نامی چیمبرلین نے اُس کا سر کاٹ لیا تو اس کی لاش بھٹار ندولا[۵۵۴] کے پانی میں پھینک دی گئی اور مچھلیوں کی خوراک بنی۔

ماہ بھادوں لوکک سمت ۴۱۷۱ (۱۱۰۰ء) میں جے راج کو قتل کرنے کے بعد راجہ کو کسی قدر اطمینان ہو گیا تو وہ اب دہمت کو مارنے کی فکر کرنے لگا۔ اُسے قتل کرنے کے لئے اس نے خفیہ طور پر لوہر کے ایک بہادر ٹھکر کو جس کا نام کلش تھا اور جو اس کے سپاہیوں میں بہترین تھا طلب کیا اُس کے ساتھ مہربانی کا بہت سا برتاؤ کرنے کے بعد اس نے کہا "جب پریاگ تمہارے پاس قاصد بھیجے تو تم نے اس کام کو سرانجام دینا۔ پریاگ نے ناکامی کے خوف سے قاصد تو نہ بھیجا البتہ خشمناک راجہ سے کہنے لگا کہ آپ اس کام کو کرنے سے پہلے وزرا سے مشورہ کریں۔ اس صلاح کے مطابق جب راجہ پانچ وزرائے خاص کو طلب کر کے کونسل منعقد کر رہا تھا۔ وامن نے دروازہ بند کر لیا اور خود اُسکے آگے کھڑا ہو کر کہنے لگا "اگر اس کام کو وزیروں کے باہر نکلنے سے پہلے سرانجام دلوایا گیا تو کامیابی یقینی ہے"۔ اس پر پریاگ نے راجہ کا حکم پا کر قاصد بھیجا اور

[۵۵۴] اس نام کی موجودہ صورت براری نمبل کے طمہ پر اب تک قائم ہے جو اس باباب جھیل کا نام ہے جس میں مار (مہاسرت) گرتا ہے۔ اور یہ سرینگر کے جنوب مشرقی علاقے کے درمیان دلاور خاں کے باغ کے سامنے واقع ہے۔

قاتل (تیکشن) کلش راج مع اپنے دو بیٹوں کے دہمت کے مکان پر پہنچ گیا۔

دہمت کا قتل

اِس وقت تنونگ کا بیٹا (دہمت) محل کے اندر مع دو تین ہمراہیوں کے اپنے باز کو لئے دھوپ میں بیٹھا تھا کلش راج کو سامنے اور اُس کے بیٹوں کو پیچھے دیکھ کر خوف زدہ ہو گیا اور عین اس وقت اُس کے ہمراہی اس کو چھوڑ کر چلے گئے۔ جب وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر کلش راج پر وار کرنے کے لئے تلوار پر ہاتھ ڈال رہا تھا کلش راج کہنے لگا۔ "اے دہمت! کیا تو اپنی تلوار کھینچ سکتا ہے؟" اُس کے بعد اس نے خود سامنے سے اور اُس کے بیٹوں نے پیچھے سے وار کئے اور دہمت مہلک زخم کھا کر گر گیا۔ بحالت جان کنی اس نے کلش راج کے بڑے بیٹے پر وار کیا لیکن اُس کی تلوار چونکہ خراب تھی اس لئے اُسے بہت ہی ہلکا زخم لگا سکا۔ بدقسمتی سے اس بہادر راجکمار کی تلوار انہیں ایام میں ٹوٹ چکی تھی اور اُس کے پاس اچھے ہتھیار موجود نہ تھے۔ جس طرح شکاری پرندے کو مار کر گرا لیتے ہیں ایسے ہی انہوں نے اُس کو مار کر گرا لیا اور راجہ کے حکم سے سو پاکوں نے اُسے کتوں کے آگے ڈال دیا۔ رلہن اور سلہن نے جو تنونگ کے پوتے تھے اپنی تلواریں رکھ دیں اور راجہ نے صحن میں آکر انہیں حفاظت میں لے لیا۔

تل اور دوسرے جو حملے کی تیاری کر رہے تھے اور لڑنے کے خواہشمند تھے انہیں چالاک اودے سنگھ نے عجیب طور پر دھوکا دیا۔ وہ آکر اُن سے کہنے لگا "تم میرے بیٹے ہو"۔ اس کی بات پر اعتبار کر کے اور اپنی جان بچانے کے لئے انہوں نے اپنے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس کی یہ نصیحت مان کر کہ انہیں راجہ کے سامنے جا کر اپنی صفائی کرنی چاہیئے وہ محل شاہی کی طرف روانہ ہوئے اس پر تل کا چتر بردار جو بچپن سے تنونگ کے بیٹے کا پس خوردہ کھاتا رہا تھا ہنس کر

کہنے لگا۔ "اے تنونگ کے پوتے تو وہ بات بھول گیا ہے جو تو نے پہلے جھاج کو کہی تھی یعنی اے بدبخت تو جو کیا کے بطن سے نہیں ہے۔ الخ! ویسا ہی نازک موقعہ اب تیرے لئے پیش ہے اے بیوقت یہ موقعہ اپنے پورے استقلال کو ظاہر کرنے کا ہے پھر تو کس لئے کمزور بنتا ہے؟ یقیناً تم میرے باپ کی اولاد ہو جو پس خوردہ کھاتا تھا اور میں تمہارے مشہور باپ کی اولاد ہوں"۔ اتنا کہکر وہ تلواروں کی بوچھاڑ کے نیچے پوری کوشش سے لڑنے لگا اور اپنی خاندانی ناپاکی کو شریفانہ طور پر دھوتا ہوا کام آیا۔ اُدھر تل اور دوسروں کو جو راجہ کے سامنے جانے کا ارادہ کر رہے تھے پکڑ لیا گیا اور راجہ کے آدمیوں نے انہیں قید کر لیا۔ بھر جوانی کے نشہ سے مخمور وہ موسم بہار کے درختوں کی مانند نظر آتے تھے اس لئے راجہ نے رحم کھا کر انہیں بچائے جانے کا مستحق خیال کیا لیکن بمبیہ نامی ایک شریر ٹھک نے راجہ کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ رات کے وقت ان کا گلا گھونٹ کر مار دیا جائے۔

تنونگ کے پوتوں کا قتل تل۔ وجے راج۔ بل اور گُل تنونگ کے یہ چار پوتے مقتل میں کام آئے۔ آجتک بڑے بوڑھے جب کبھی ان کی داستان سناتے ہیں تو آنسوؤں کا تار بندھ جاتا ہے واقعی میں ان کی خوبصورتی موت میں بھی بدستور قائم تھی۔ پان کے مسلسل استعمال سے اُن کے چھوٹے چھوٹے دانت سرخ ہو چکے تھے۔ اُنکے گر جانے سے ایک عرصہ تک ایسا معلوم ہوتا تھا گویا مقتل میں لعلوں کی لڑی بکھیر دی گئی ہے۔ راجہ نے اس طرح اپنے خاندان کی بیخ کنی کرتے ہوئے ڈوم[۵۸۳] کو بھی خفیہ طور پر جو اُت کرش کے دو بیٹوں میں سے بڑا تھا

---

۵۸۳ میجر ٹمپل نے اپنی کتاب "پروٹیٹنمز اف پنجاب" کے صفحہ ۲۲ پر جن تو ہمات

اور جس کی اس نے خود پرورش کی تھی قتل کروا دیا۔ اس نے دجے مل کے بیٹے جے مل کو بھی مروا دیا کیونکہ وہ اُس چمکیلے (ہونہار) بچے کو آگ کی چنگاری سمجھتا تھا۔ جن راجاؤں کو قسمت تباہ کرنا چاہتی ہے وہ اپنے رشتہ داروں کو جو درحقیقت اس کی حفاظت کرنے والے ہوتے ہیں مار کر اپنی سلطنت کو رقیبوں سے پاک کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی اور شخص اکیلا لطف اُٹھانے کو رہ جاتا ہے۔ بیوقوف اشوتھ ۵۸۴ کے درخت کا قاعدہ ہے کہ اس کی بے شمار اونچی شاخوں کے گھنے گچھے میں جو شہد کا بڑا چھتا لگا ہوا ہو اُسے کسی خوش قسمت شخص کی رسائی اور گرفت کے دائرہ تک پہنچانے کے لئے قسمت کے ایماء پر خود بخود ہلنے لگ جاتا ہے اور وہ مکھیاں جو شہد کی حفاظت کرتی ہیں انہیں اس کے گرتے ہوئے پتے اپنی چوٹوں کے ذریعے مار ڈالتے ہیں اس راجہ کے من میں اپنے رشتہ داروں کی طرف سے بے حد تعصب پیدا ہو چکا تھا اب اس پر بدمعاشوں نے اس قدر غلبہ پایا کہ سادہ لوح شخصوں کی حالت میں بھی یہ بات ناقابل اعتبار خیال کی جا سکتی ہے۔ وامن کے بیٹے کشیم نے یہ جانکر کہ وہ اپنے

کا ذکر کیا ہے ان کی ایک مثال لفظ ڈوم میں ملتی ہے جو ایک قسم کا ذلت آمیز نام ہے۔ ایسے نام ہندوستان میں عام طور پر پائے جاتے ہیں اور اُن بچوں کے رکھے جاتے ہیں جو پہلے بچوں کے مرنے کے بعد پیدا ہوئے ہوں۔

۵۸۴ اس درخت کا اصطلاحی نام فی کس ریلجیو سا ہے اور اُسے سنسکرت میں اس لحاظ سے چلدل کہتے ہیں کہ اس کے پتے ہمیشہ جھڑتے رہتے ہیں دیکھو امرکوش جلد ۲ ادھیائے ۴ شلوک ۲۰۔ بابو جوگیش چندرت نے اس کے لئے پیپل کا لفظ استعمال کیا ہے لیکن پتے گرتے رہنے کی خاصیت پیپل میں خاص طور پر نہیں پائی جاتی اور اس کے پتے عام درختوں کی طرح صرف ایک مقررہ وقت پر جھڑتے ہیں۔

باپ سے نفرت کرتا ہے اُسے ترغیب دی کہ کلش ایش کے شوجی کے مندر کے کلش پر جو سونا لگا ہوا ہے اُسے اُتار لینا چاہئے۔ مگر عابد پریاگ نے چالاکی سے اس کی تجویز کو اس طرح روک دیا جیسے کوئی مستقل مزاج مہاوت مست ہاتھی کے ٹیلے سے نیچے گرنے کی خواہش کو روک دیتا ہے۔ ہلدر کے پوتے بدبخت لوشٹ دھر نے جو ہمیشہ بدچلن راجاؤں سے تعلق رکھنے میں ویسے ہی چالاک تھا جیسے بیتال بے حس وحرکت لاشوں کے متعلق ہوتا ہے ایک مرتبہ خفیہ طور پر راجہ سے اُسے خوش کرنے کے ارادے سے یہ بات کہی۔ "کلش ایشور کے شوجی کے مندر کے متعلق جو گاؤں۔ سونا اور دوسری جائداد ہے اُسے لے لینا چاہئے میں اس مندر کے پتھروں سے آپ کو وتشٹا ندی پر ایک پل بنا کر دکھا دوں گا۔ میں آسمان پر تصویر کھینچ سکتا ہوں۔ مجھے کنول کے ریشوں سے پوشاک بُننی آتی ہے۔ میں خواب میں دیکھا ہوا سونا مہیا کر سکتا ہوں اور برف کی دیوار بنا سکتا ہوں۔" بے سمجھ راجہ ایسی اور اس قسم کی اور باتوں کو سچ مان لیتا ہے۔ جو راجہ متحیر ہو کر ان باتوں کی نسبت کچھ رائے زنی نہ کر سکے سمجھ لو کہ وہ پختہ کار نہیں ہے اور اُسے دھوکا دیا جا سکتا ہے۔ لیکن جس طرح کوئی ہوشیار تیماردار بیمار کو مضر صحت کھانا مانگنے سے روکے رکھتا ہے ایسے ہی پریاگ نے اس راجہ کو اُس کے ارادوں سے باز رکھا۔ اسی طرح لوشٹ دھر نے ازراہ تمسخر ایک موقعہ پر راجہ سے ایک دیوتا کو قید سے آزاد کرنے کی درخواست کی۔

بھیم کیشو کے مندر کی لوٹ

جب راجہ نے پوچھا کہ اس سے تمہارا کیا مطلب ہے تو وہ مسکرا کر کہنے لگا۔ "ایک زمانے میں قصبہ اودبھانڈ میں بھیم شاہی رہا کرتا تھا۔ اس نے بھیم کیشو کا مندر تعمیر کروایا تھا جو وہاں کے پروہتوں کے جھگڑے کی وجہ سے کلش دیو کے

عہد میں عرصہ دراز تک بند رہا تھا جب جھگڑہ طے کرنے کے بعد انہوں نے مندر کا دروازہ کھولا تو معلوم ہوا کہ چور دیوتا کی مورتی کا چاندی کا غلاف اُتار کر لے گئے ہیں۔ بظاہر اس چوری کے اندیشے سے انہوں نے اُس وقت سے لیکر آجتک اس مورتی اور اُس کے متعلقہ خزانے اور سامان یگ کو بند ہی رکھا ہے اس لئے چاہئے کہ اس مندر کے خزانہ کو جس کے باعث چوری کا کھٹکا لگا رہتا ہے وہاں سے اُٹھوا لیا جائے اس کے علاوہ چاہئے کہ اُس مورتی کو بھی تیمے سے نجات دیکر اس قابل بنایا جائے کہ وہ پھولوں کی روشنی اور دوسرے چڑھاؤں کے مزے لوٹے"۔ اس طرح ترغیب پاکر راجہ نے اس پر عمل کیا اور وہاں سے اُسے جواہرات۔ سونا اور دوسری بہت سی قیمتی چیزیں دستیاب ہوئیں۔ اب اُسے خیال آیا کہ جب ایک ویران مندر میں اس قدر دولت موجود ہے تو دوسرے بڑے مندروں میں کیا کچھ کم ہوگا۔ مقامی پروہتوں نے پرانے اپولیش کے ذریعے راجہ کو اس بات پر رضامند کر لیا کہ انہیں بوجھ اُٹھانے کی بیگار سے مستثنےٰ قرار دیا جائے۔ چونکہ وہ اپنی فوج پر کھلا روپیہ خرچ کرنے کا عادی تھا اس لئے (اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے) اس نے مندروں کو لوٹنے کا پختہ ارادہ کر لیا اور اس حریص راجہ نے تمام مندروں سے وہ عجیب وغریب خزانے جو سابقہ راجاؤں نے عطا کئے تھے لوٹ لئے۔ جب مندروں کے خزانے حاصل کر لئے گئے تو دیوتاؤں کی مورتیاں حاصل کرنے کے لئے اس نے اودے راج کو دیوت پاتن نایک (دیوتائی مورتیوں کو اکھاڑنے والا کوتوال) کا عہدہ دیا۔ دیوتاؤں کی مورتیوں کو ناپاک کرنے کے لئے وہ ننگے فقیروں کے ذریعے جن کی ناک پاؤں اور ہاتھ گل چکے ہوں اُنکے چہروں پر نجاست اور پیشاب ڈلوایا کرتا تھا۔

دیوتائی مورتیوں کی ناپاکی } سونے چاندی اور دوسری دھاتوں کی دیوتائی مورتیاں نجاست سے آلودہ ہوکر سڑک پر ادھر اُدھر لکڑی کی گیلیوں کی طرح لڑکتی پھرا کرتی تھیں۔ ان کے ٹخنوں کے گرد رسیاں باندھ کر لولے لنگڑے ننگے فقیر اور اور لوگ گھسیٹتے پھرتے تھے۔ اور بجائے پھولوں کے انپر تھوک چڑھایا کرتے تھے۔ کسی گاؤں قصبے یا شہر میں کوئی بھی ایسا مندر باقی نہ تھا جسے اس ترشک[۵۸۵] راجہ ہرش نے ناپاک نہ کیا ہو صرف دو دیوتائی مورتیوں کی وہ تعظیم کرتا تھا ایک رن سوامن کی جو شہر میں واقع تھی اور دوسری مارتنڈ کی جو باہر قصبات میں تھی۔ بڑی بڑی مورتیوں میں سے صرف بدھ کی دو مورتیاں اُس وقت جبکہ اتفاقیہ طور پر راجہ مہربان تھا۔ درخواست کرکے بچالی گئی تھیں۔ ان میں سے ایک پرہاس پور[۵۸۶] والی گوے کنک کی جو بیں پیدا ہوا تھا بنوائی ہوئی تھی اور دوسری شہر میں شرمن کوشل شری کی۔ جو لوگ دولت جمع کرنے کے خواہشمند ہوتے ہیں وہ اُس صورت میں بھی بُرے کام کرنے سے نہیں رُکتے جب اُن کے پاس اس دنیا میں اتنی دولت جمع ہو جس سے سب حیران ہوتے ہوں۔ چنانچہ ہاتھی گو کنول سے پیدا شدہ دیوی لکشمی کی جائے نشست ہے تاہم کنول پھولوں کو حاصل کرنے کی خواہش میں اُس نے کنول کا

---

۵۸۵ ہرش چونکہ بت شکن اور دیوتاؤں کی مورتیوں کو بے حرمت کرنے والا تھا اس لئے اُس کے لئے لفظ ترشک استعمال کیا ہے۔

۵۸۶ پرہاس پور میں بدھ کی جو بڑی مورتی موجود ہے یقیناً وہی ہے جو راجہ للتادتیہ نے راج دھانی میں استھاپن کروائی تھی دیکھو نوٹ ۲۶۳ کتاب ہذا۔ ترنگ ۴ کے شلوک ۲۰۳ میں سسل کے عہد میں سری نگر کے اندر برہ(؟) بدھ کی مورتی کے سری نگر میں موجود ہونے کا جو ذکر ہے غالباً یہ وہی مورتی تھی جو اب تک سری نگر میں پائی جاتی ہے۔

تالاب خراب ہونے کا گناہ سرزد ہو جاتا ہے۔

ہرش کا جبریہ روپیہ وصول کرنا شرم کی بات ہے کہ گو اُس کے پاس اپنے دادا اور باپ کے خزانے اور نیز وہ دولت جو اُت کرش اپنے عہد حکومت کی ابتدا میں لوہر سے لے آیا تھا موجود تھی۔ اور گو اس نے سابقہ راجاؤں کی دی ہوئی دولت مندروں سے لوٹ لی تھی تاہم اب اس نے لوگوں کو دبا کر اور روپیہ جمع کرنے کی کوشش کی۔ اس کا حکم پا کر بدطینت وزیروں نے بیشمار ایسے افسر مقرر کر دیئے جن کے عہدوں کے نام اُن جدید قائم کردہ محصولات کے لحاظ سے رکھے ہوئے تھے۔ اُن شاہی نوکروں پر دھتکار ہے جو سوائے زبانہ سازی کے اور کچھ نہیں جانتے۔ یہی وجہ تھی کہ وزیر گورک نے گو کہ وہ ایک معزز آدمی اور عمر رسیدہ تھا ارتھ نایک (کوتوال جائداد) کا عہدہ راجہ کے حکم سے منظور کر لیا اور تمام مندروں اور گاؤں کی جائداد کو لوٹنے لگا۔ سمر سوامن کے مندر کے پروہتوں کے پرشستے تعلق رکھنے والے بہیل نے جو جے مل کا مشیر ہونے کی وجہ سے راجہ کو نہ بھاتا تھا اس طرح پر کوتوال جائداد کا عہدہ حاصل کر لیا کہ آمدنی کو دگنا کر دیا۔ اور ایک بار راجہ کے پاس رسائی حاصل کر کے کچھ عرصہ میں مہاتما بن گیا۔ اس سے زیادہ اور کیا بیان کیا جا سکتا ہے چونکہ اس نے تمام لوگوں کی جائداد مختلف طریقوں سے چھیننی شروع کر دی تھی اس لئے اُس نے آمدنی بڑھانے کے لئے ایک شخص کو کوڑا کرکٹ اور غلاظت کا کوتوال مقرر کر دیا۔ یہ راجہ نہایت بے سمجھ تھا گو کوئی اُسے اُس کے بلند رتبہ کی وجہ سے منہ پر ایسا نہ کہہ سکتا تھا۔ ہر چند کہ وہ مالا مال تھا اور مختلف طریقوں پر خزانہ جمع کرتا تھا وہ خود ویسا ہی برا تھا جیسے اُس کے روپیہ جمع کرنے کے طریقے۔ اس طرح پر حاصل کیا ہوا روپیہ جاہل اور کاہل لوگ جو راجہ کے گرد

رہتے تھے بڑے کاموں پر صرف کیا کرتے تھے۔ راجہ کا روپیہ آہو چشم عورتوں اور گھوڑوں کو جمع کرنے۔ درباریوں کی بُری نصیحتیں حاصل کرنے اور گویوں کی خوشامد سُننے پر صرف کیا جاتا تھا۔ اور اُس کا وقت زیادہ تر روٹھی عورتوں کو منانے۔ اُنکی خوشی سے خوش ہونے۔ گھوڑوں کی کیفیت سننے۔ نوکروں کی نصیحت پر عمل کرنے اور شکار کھیلنے پر صرف ہوتا تھا۔ راجہ لوگ چلتے۔ بیٹھتے۔ پیتے۔ کھاتے۔ لطف حاصل کرتے۔ خوش ہوتے یا خیرات کے کام کرتے ہوئے دوسرے لوگوں کی مثال کے پیچھے پیچھے سائے کی طرح چلتے ہیں اور اس بات کا اندازہ نہیں کرتے کہ آیا یہ کام نیک ہیں یا بد۔

اپنے گویوں کی خوشامد میں آکر وہ اپنے آپ کو فوق الفطرت خیال کرنے لگتے ہیں اور جانتے ہیں کہ دوسرے لوگوں سے ہماری ایک آنکھ یا دو ہاتھ زیادہ ہیں یہاں تک کہ اُنہیں کبھی موت کا خیال تک نہیں آتا۔ عورتیں جو رات کے وقت راجاؤں پر غلبہ حاصل کر لیتی ہیں وہ دن میں ان کی مشیر بنتی ہیں اور اس پر بھی وہ احمق راجہ خیال کرتے ہیں کہ ہم طاقتور ہیں۔ جس چیز کو دوسرے اچھا کہہ دیں اُسے وہ مزے سے کھاتے ہیں۔ جسے دوسرے بُرا کہہ دیں اُسے ناپسند کر دیتے ہیں۔ جب دوسرے انہیں ڈراتے ہیں تو وہ یکایک خائف ہو جاتے ہیں غرض راجہ اور لڑکے دونوں اس بارہ میں یکساں ہیں۔ راجاؤں کی یہ تمام بے وقوفیاں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ہرش دیو کی بے سمجھی کے مقابلہ میں

ف ٥٨٦ سٹائن صاحب نے اپنے ترجمے میں یہ چھ شلوک قلم انداز کر دیئے ہیں جس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ انہوں نے انہیں درج کرنا غیر ضروری سمجھا ہے مگر ہم نے یہ چھوں شلوک بابو جوگیش چندر دت کی کتاب سے ترجمہ کر کے داخل کتاب ہذا کئے ہیں۔

بالکل حقیر نظر آتی ہیں۔ ایک شخص بھیم نایک نامی کو جو دلفریب موسیقی کا ماہر تھا
اُس کے طبلہ بجانے سے[۵۸۹] خوش ہو کر اُس نے ایک ہاتھی اور ہتھنی دیدی۔ چمپک
کا ایک چھوٹا بھائی کنک[۵۹۰] گانے کے فن میں خود ہرش کا شاگرد بن گیا اور
راگ سیکھنے کے لئے بہت محنت کرنے لگا۔ اس کی اس محنت کے معاوضہ میں
اُسے ایک لاکھ طلائی دینار بلا عذر دے دیئے گئے۔ ایک دفعہ اس نے پرمادی[۵۹۱ الف]
والئے کرناٹ کی خوبصورت بیوی چنڈلا کی تصویر دیکھی تو وہ اس پر عاشق ہو گیا۔

۵۸۸ ہرش کی احمقانہ کاروائیوں کی یاد ابتک کشمیر میں باقی ہے جس کی توضیح کشمیری زبان کے اس فقرے سے ہوتی ہے "لی کیاہو ہرشد یو ہیو" یعنی وہ تو بالکل ہرشدیو جیسا ہے یہ فقرہ اُن لوگوں کے متعلق استعمال کیا جاتا ہے جو بیوقوفی اور فضول خرچی کے کام کرتے ہوں۔

۵۸۹ طبلوں کی جوڑی میں ایک نر اور ایک مادہ ہوا کرتا ہے مصنف نے اس شعر میں خوبی یہ ظاہر کی ہے کہ راجہ نے اُس کے طبلہ بجانے سے خوش ہو کر اُسے ایک نر اور مادہ ہاتھی دیا۔

۵۹۰ چونکہ اور کوئی تردیدی شہادت نہیں ملتی اس لئے ہمیں خیال کرنا پڑتا ہے کہ چمپک کا بھائی کنک جسے ہرش نے گانا سکھا کر انعام دینے میں اسقدر فیاضی سے کام لیا تھا وہ کلہن کا چچا ہی تھا۔ اسقدر عظیم الشان انعام دینے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ کلہن کا خاندان بہت عالی نسب تھا۔

۵۹۱ پرمادی یعنی وکرمادتیہ والئے کلیان کے متعلق دیکھو نوٹ ۲۹۷ کتاب ہذا۔ وکرمانک دیوچرت کے کانڈ ۸ اور ۹ میں چندر لیکھا یا چنڈلا دیوی کے ساتھ جو سلہار والئے کرہاٹ کی بیٹی تھی اُس کی شادی کا ذکر موجود ہے اس شہزادی کو راجہ نے سوئمبر میں حاصل کیا تھا۔ بلہن نے اس کے حسن و جمال کے متعلق بہت کچھ تعریف لکھی ہے۔ دیکھو پروفیسر بوہلر کی انٹروڈکشن صفحہ ۳۸۔

چنڈلا سے ہرش کا عشق

ادنیٰ فطرت کے خوشامدی بے سمجھ راجاؤں کو ہمیشہ اُکسا اُکسا کر کتوں کی طرح قابلِ مضحکہ حسد کی انتہا تک پہنچا دیتے ہیں۔ چونکہ خوشامدیوں نے اُس کا سر پھرا دیا تھا اس لئے بیشرمی سے اس نے اپنے دربار میں عہد کیا کہ میں پرمادی کو معزول کر کے چنڈلا کو ضرور حاصل کرونگا۔ چونکہ اس نے اس بات کا عہد کر رکھا تھا کہ میں اس وقت تک نہ اُبلا ہوا کافور[۵۹۲] استعمال نہ کرونگا اس لئے شاعر اس کی تعریف کے بہلنے سے ہجو کے گیت اس طرح گایا کرتے تھے۔
"گفتگو اور پوشاک سے تم دکن کے آوارہ گرد معلوم ہوتے ہو۔ خوشبو سے بھی ہم سمجھتے ہیں کہ تمہارے ہاتھ میں کافور کی ڈلی ہے اگر یہ اُبلی ہوئی ہے تو جا کر راجہ ہرش کو بطور پیشکش کے دو اگر نہیں تو اپنے پاس رکھ لو کیونکہ ایسا کافور تو سامنے والے ناریل کے درخت میں بھی پایا جاتا ہے۔ اس شاندار راجہ نے پوتا اس چبانا اُس وقت تک تیاگ رکھا ہے جب تک وہ کرناٹ کے راجہ کو قتل نہ کرے۔ جب تک چنڈلا سے بغل گیر نہ ہو جائے جب تک شہر کلیان[۵۹۳] میں

---

۵۹۲ کافور کو مختلف درختوں کی لکڑیوں سے اس طرح تیار کیا جاتا ہے کہ ان کے جوش دیئے ہوئے پانی کو سرد ہونے کے لئے رکھ دیتے ہیں اور اس میں سے کافور کی ڈلیاں چمکدار ٹکڑوں کی صورت میں بن جاتی ہیں۔ دیکھو واٹ صاحب کی کتاب اکنومک پروڈکٹس جلد ۲ صفحہ ۸۴۔ اس طرح سے معلوم ہوتا ہے کہ اُبلا ہوا کافور حقیقت میں کوئی چیز نہیں اور اس حالت میں ہرش کا یہ عہد ویسا ہی فضول ہے جیسے کرناٹ پر حملے کرنے کے متعلق اُس کی شیخی۔

۵۹۲ کلیان مغربی چلوکیا قوم کا پورا دارالخلافہ تھا اور اس جگہ واقع تھا جہاں آجکل اسی نام کا شہر حیدر آباد کے علاقہ بیدر میں موجود ہے۔

داخل نہ ہو سکے۔ جب تک بملا کو نہ دیکھ لے اور جب تک وہ راجہ کے باغ کی زمین میں دبے ہوئے بہت بڑے خزانے کے متعلق اپنا استعجاب رفع نہ کرے۔

بدبخت من نے جو کہ ڈرامہ انچیف تھا راجہ کو خوش کرنے کے لئے اُس رانی کا ایک بت بنا لیا اور خود اُس کا چیمبرلین بن بیٹھا اور اُسے پوشاک اور زیورات مہیا کرنے اور اس کی خوشنودی حاصل کرتے رہنے کے لئے راجہ سے ایک مقررہ رقم وصول کیا کرتا تھا۔ اس بات سے من کی بدمعاشی اُس کی بیشرمی اور راجہ کی حماقت کا اندازہ اسی طرح لگایا جا سکتا ہے جس طرح سونے کا کسوٹی پر۔ چند چاپلوسوں نے اُسے لوٹنے کا یہ ڈھنگ اختیار کیا کہ ایک بوڑھی عورت اُسے دکھا کر کہنے لگے "یہ آپ کی ماں بپکا ہے جسے ہم آسمان سے لے آئے ہیں" بعض اور لوگ اُس کے پاس لونڈیاں لائے اور کہنے لگے "یہ دیویاں ہیں" اس نے ان کی پرستش شروع کی اور اپنی حیثیت اور دولت کا کچھ خیال نہ کیا جس وجہ سے لوگ اس پر ہنسی اُڑانے لگے۔ خوشامدیوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ وہ ان لونڈیوں کو بعض باتیں سمجھا دیا کرتے تھے اور وہ راجہ کے آگے بیان کر کے ظاہر کیا کرتی تھیں کہ ہمیں یہ سب دیوتاؤں کے ساتھ گفتگو کرنے میں معلوم ہوتا ہے جس سے راجہ کی پریشانی بڑھتی تھی۔ ان میں سے بعض ایسے موقعوں پر عشق و محبت کے لئے بھی تیار ہو جاتی تھیں اور راجہ اپنے رتبے کو نظرانداز کر کے اُنکے ساتھ عشق کیا کرتا تھا۔ چونکہ وہ عرصہ

بملا کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ یہ کسی دریا کا نام ہے۔ سوائے اس جگہ کے اس کا ذکر اور کہیں نہیں آتا۔

پوتاس کے متعلق راج ترنگنی میں لکھا ہے کہ یہ کافور کی ایک قسم ہوتی ہے۔

دراز تک زندہ رہنے کا خواہشمند تھا اس لئے جب کبھی اپنی حماقت میں وہ عمر طویل کا طالب ہوتا تو وہ اُسے صدہا سال کی زندگی بخشا کرتی تھیں۔ جب وہ اپنے جسم کو سحر آمیز تکمیل (پنڈسدھی؟) دینا چاہتا تو کوئی ڈوم اُسے کوئی عرق پلا کر یہ کہہ دیتا تھا کہ اس اکسیر میں یہ اثر موجود ہے۔ اس راجہ کی حماقتوں کا کہاں تک اظہار کیا جائے بعض اوقات تو وہ اپنے خوشامدیوں کے کہنے پر اپنی زندگی کے حصے بھی اس طرح تقسیم کر دیا کرتا تھا گویا وہ بھی کوئی قابل حصول شے ہو۔ کون عزت دار شخص ایسا ہے جو اس راجہ کی اُن شرمناک باتوں کا ذکر کرنا گوارا کریگا جو اس نے طاقت اور خوبصورتی حاصل کرنے کے لئے کیں۔ چونکہ عقل بہت کم رکھتا تھا اس لئے کچھ تو اپنی بے سمجھی اور کچھ اپنے مشیروں کی شرارت کی وجہ سے وہ کئی سال تک بالکل اندھا بنا رہا جس طرح آجکل بعض ہلکے عقیدے کے لوگ اس قسم کے موجود ہیں جو میگواہن اور دوسرے قدیم راجاؤں کے معجز نما کاموں پر یقین نہیں کرتے ایسے ہی ایک وقت آئیگا جب لوگ اس راجہ کی اُن بدفعلیوں کی نسبت یقین نہ کر سکیں گے جن کا میں نے ذکر کیا ہے۔ ہر چند کہ دانائی نہ رکھنے کی وجہ سے وہ ایک دھوکے سے بھری ہوئی سلطنت میں رہتا تھا تاہم وہ کبھی اپنے دشمنوں کے رحم پر نہیں رہا کیونکہ ہمیشہ اپنی ملکی کمزوریوں کو رفع کرتا رہتا تھا۔ یہ بات کہ وہ کبھی اس وقت تیر سے زخمی نہیں ہوا یا اپنے کسی دشمن کے ہاتھوں نہیں مارا گیا جبکہ وہ روشن کمرے میں ننگا کھڑا ہو کر رقاصہ لڑکیوں کو سبق دیا کرتا تھا اس کی وجہ یا تو اس کی رعایا کی قسمت ہے یا یہ کہ ابھی اس کی زندگی کا کچھ عرصہ باقی تھا۔ اس کے بعد ایک اُس کے رنواس کی عورتوں میں کچھ بدچلنی پائی گئی جو اس مجسم بد اخلاق راجہ کے زوال کی علامت تھی یہ نوجوان

محبت میں سرشار تھے اور عورتیں جو جوانی میں مخمور تھیں ہرش دیو کو مارنے کا ارادہ کررہی تھیں۔ اس بھید کے کھلنے پر جوش میں آکر راجہ نے بعض عورتوں کو معہ انکے آشناؤں کے قتل کروادیا اور باقیوں کو اپنے رنواس سے نکال کر معہ انکے آشناؤں کے ملک بدر کردیا۔ تمام نوکر چاکر اپنے شریرانہ گناہ سے مضطرب ہوکر اُس کے لئے برائی سوچتے اور اس کی موت کی سازشیں کرتے تھے۔

ادھر راجہ نے بھی تمام پہلوؤں سے اُن اخلاقی کمزوریوں کا اظہار کیا جو کلش کے بیٹے کے شایاں شان ہوسکتی تھیں اُس کے باپ کی جن رانیوں نے اُسے اپنی گود میں بٹھایا تھا انہیں یہ بغل میں لیکر بوسے دیا کرتا تھا۔ اور متواتر اُنکے ساتھ عیش وعشرت میں محو رہتا تھا۔ اُس نے اپنی بہنوں کے ساتھ بدفعلی کرنے میں بھی فرق نہ کیا اور ایک سخت لمحے غصے میں آکر اپنی پھوپھی کی بیٹی ناگا^{۵۹۴} کو سزا دی اور بے حرمت کیا۔ وہ سو سو سپاہیوں کے دستے کے ترشک کپتانوں کو امداد زر دیا کرتا تھا لیکن یہ بگڑے دل راجہ مرتے دم تک پالتو سور^{۵۹۵} کا گوشت کھاتا رہا۔ اس طرح پر اپنی بدچلنی سے اس نے اس ملک کے راجاؤں کا نام ایسا ہی بدنام کیا جیسے کوئی حیوان دانا انسانوں کا کرے۔

---

۵۹۴ یہ امر مشتبہ ہے آیا یہ ناگا وہی ہے جس کا ذکر شلوک ۲۹۲ میں آچکا ہے۔ آخر الذکر کی ماں کا نک کے متعلق اس جگہ مذکور ہے کہ وہ کلش کی بہن نہیں بلکہ پھوپھی تھی بجائیکہ اس شلوک سے اس کا کلش کی بہن ہونا واضح ہوتا ہے۔

۵۹۵ اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ کلہن کا اشارہ ان مسلمان سپہ سالاروں کی طرف ہے جو ہرش کے ہاں ملازم تھے چونکہ مسلمان سور کا گوشت نہیں کھاتے اس لئے مصنف کو یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ راجہ ملیچھوں سے بھی بدتر درجہ پر تھا۔

راجپوری پر حملہ } ایک موقعہ پر غصے میں آ کر اس کاہل راجہ نے فوج جمع کر کے راجپوری پر حملہ کیا اور جب دوسرے بالاجاؤں نے اس کی فوج کی بے نظیر تیاریاں دیکھیں تو انہیں اندیشہ پیدا ہوا کہ یہ تو تینوں لوک پر حملہ کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔

پرتھوی گری کا محاصرہ } پرتھوی گری[۵۹۶] کا قلعہ دیکھ کر اس نے اس پر قابض ہونے کی خواہش ظاہر کی اور راجپوری کے دار السلطنت میں داخل ہوئے بغیر اس کے دامن میں ڈیرہ لگا دیا۔ جب اُسے اس جگہ ٹھہرے ہوئے ایک مہینہ ہو گیا تو محصورین اس وجہ سے تنگ ہو گئے کہ اجناس خوردنی اور دوسری چیزیں ختم ہو گئیں تھیں۔ قلعہ بند فوج کو بچانے کے لئے راجہ سنگرام پال نے بہت سا خراج اور اجناس دینے کا وعدہ کیا لیکن راجہ اپنی بات پر مصر رہا اور اس نے یہ چیزیں لینی منظور نہ کیں جس پر آخر کار کوتوال پولیس (سُن) کو رشوت دی گئی۔ جب راجہ نے واپس جانے پر رضامندی ظاہر نہ کی تو سن نے خفیہ طور پر سپاہیوں کو ترغیب دی کہ کوچ کا بہت سا جنگی بھتہ طلب کریں۔ اسپر یہ لوگ جو زیادہ تر ادنےٰ طبقے کے تھے کہنے سُننے میں آ کر پرائے اپویش شروع کر بیٹھے۔ راجہ کا خزانہ چونکہ دور تھا اس لئے اس کی فوج میں بدنظمی پھیل گئی۔ ادھر راجہ اس مشکل کو رفع کرنے کی کوشش کر رہا تھا اُدھر کوتوال پولیس نے راجہ کو ڈرانے کے لئے ترشکوں کے حملے کی افواہ اُڑا دی۔

پرتھوی گری سے واپسی } اسپر اس غیر مستقل مزاج راجہ نے اپنا ڈیرہ

---

۵۹۶ پرتھوی گری قلعے کا ذکر صرف اس جگہ آیا ہے اور اس کی مقامیت کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔

اُٹھالیا اور اپنا سارا مال وخزانہ سڑکوں پر چھوڑتا ہوا مارے خوف کے کوچ کرتا گیا۔ جس طرح خراب تلوار لڑائی میں اپنے مالک کے لئے ہلاکت کا موجب ثابت ہوتی ہے ایسے ہی وہ نوکر نازک وقت میں اپنے آقا پر مصیبت لاتا ہے جسے بغیر امتحان کے معتبر بنا لیا جائے۔ یہ وزیر جو خود نا قابل تھا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ دوسرے قابل لوگ راجہ کے گرد رہیں اس لئے جسطرح ایک ادنےٰ نسل کا گھوڑا سارے اصطبل کو خراب کر دیتا ہے ویسے ہی اسنے راجہ کی قسمت کو بگاڑ دیا۔ اسوقت کے بعد راجہ کی شان و شوکت کم ہوتی گئی اور پرتاب چکرورمن (سارے عالم کا شاندار حکمران) کی اصطلاح رفتہ رفتہ بالکل دور ہو گئی۔ افسردہ چہرے کے ساتھ اس نے کندرپ کی تعریف کی جس نے اکیلے وہ کام سر انجام دیا تھا جس میں تمام نوکر ناکام رہ گئے تھے۔ جب اس نے اُسے واپس بلانے کی خواہش ظاہر کی تو کوتوال پولیس نے اس کم سمجھ راجہ کے ارادے کو ایک سازش کے ذریعے باز رکھا۔ راجہ جب اس کوتوال کی شرارت سے واقف ہوا تو اس نے اُسے قید کر دیا اور اُسے ناراضگی کی وجہ سے نہیں بلکہ ضرورت وقت کی وجہ سے سزا دی۔ جب راجہ نے اُسے قلعہ بند کر رکھا تھا اور اس کی زندگی کا سوال ابھی زیر غور تھا تو وہ اِس وقت بھی حریصانہ طور پر پان کپڑے اور دوسری چیزیں جو اُس کے نوکر اور رشتہ دار بھیجتے تھے جمع کیا کرتا تھا۔ لیکن راجہ نے قسمت کے پھیر میں آکر دوبارہ اسی وزیر کو اُس کے عہدے پر مامور کر دیا جو موت کا مستحق تھا اور جس نے آخر کار تباہی لانی تھی۔ جس طرح کرن اور باقیوں نے کوروں کے جانشین (دریودھن)[۵۹۷] کو اُس وقت جوش دلایا تھا جب گوالوں پر حملہ کرنے میں شکست یاب ہو چکا تھا

۵۹۷ دریودھن نے وراٹ کے ریوڑوں کو اڑانے کی جو کوشش کی تھی اس جگہ اس کا حوالہ دیا گیا ہے دیکھو مہابھارت پرب ۲ ادھیائے ۲۴۹ شلوک ۱۔

ویسے ہی اب خوشامدیوں نے پالاکی کی تعریفوں کے ذریعے راجہ کو اکسایا۔ جو شخص بحث میں ہار جائے وہ اپنی شکست کا عوض اس طرح لیتا ہے کہ اپنے مخالف کو گالیاں نکالنے لگ جاتا ہے۔ بے وفا بیوی اپنے شوہر کے ساتھ بات بات پر جھگڑا کرنے لگتی ہے اور جس افسر نے ساری دولت و عظمت ضائع کر دی ہو وہ راجہ کو مصیبت میں پھنسا دیتا ہے۔ سہیل نامی مہاتما نے اس واجب الاداروپے کی نسبت جو تغلب میں آ چکا تھا باز پرس کے خوف سے اور اپنے فائدہ کو مدنظر رکھتے ہوئے راجہ کو ایک سخت مشکل میں پھنسا دیا۔

دُگدہ گھاٹ کا محاصرہ

دردوں کا ایک کمزور پہلو معلوم کر کے اس نے لہر کے لونیوں سے مل کر راجہ کو ترغیب دی کہ دگدہ گھاٹ[۵۹۰] نامی قلعے پر قبضہ کر لیا جائے۔ اس قلعے پر پہلے ڈامر لکن چندر کا جو

---

[۵۹۰] ایک ٹیکا کار نے اس کا نام دُرگ گھاٹ اور دوسرے نے دُگدہ گھاٹ لکھا ہے لیکن دونوں اس لحاظ سے متفق الرائے ہیں کہ یہ قلعہ کشمیر کے شمال میں علاقہ درد کی صد پر واقع تھا۔ جیساکہ نوٹ ۲۰۸ کتاب ہذا میں واضح کیا جا چکا ہے اس حد کی نسبت ہم خیال کر سکتے ہیں کہ کلہن کے زمانہ میں بھی آجکل کی طرح وہ اُس سلسلہ کوہ تک پھیلی ہوئی ہوگی جو دریائے وتشتا اور سندھ کے مابین ایک طرف اور وتشتا اور کشن گنگا کے مابین دوسری طرف فاصل آب کا کام دیتا ہے۔

دُگدہ گھاٹ کی مقامیت کے متعلق مزید واقفیت شلوک ۱۱۷۹ و ۱۱۹۲ ترنگ ہذا میں محاصرے کی کیفیت کے دوران میں دریائے مدھومتی کے ذکر سے حاصل ہوتی ہے یہ دریائے مدھومتی بند پورتاں (جو نقشہ میں بدکول یا بدکول مندرج ہے) کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا ہے جو شمال کی طرف سے آکر موضع کلس کے قریب جھیل ولر میں جا ملتا ہے اور آجنک وادی کے برہمن اُسے اسی نام سے یاد کرتے ہیں اس دریا کے

بعد میں راجہ اننت کے حکم سے دواپتی جنک کے ہاتھوں قتل ہوا قبضہ ہوا کرتا تھا اس ڈامر کی بیوی نے جو راجہ کے دروازے کے سامنے فاقہ کشی کر رہی تھی یہ قلعہ کلش کو دینے کی خواہش ظاہر کی لیکن راجہ کلش نے چونکہ اس کے لینے سے انکار کیا اس لئے آخر دردوں کا راجہ اس پر قابض ہو گیا۔ چونکہ اس قلعہ پر قبضہ رکھنے کی وجہ سے دردوں کے ہاتھ میں علاقہ کشمیر کے بھی بہت سے گاؤں تھے اس لئے وزیر سہیل نے راجہ کو اس مہم کے لئے راغب کر لیا اُس جگہ کوئی تالاب نہ تھا اور برف جو قلعہ بند فوج کے لئے رکھی جاتی تھی خشک سالی کی وجہ سے ختم ہو چکی تھی۔ جب مہاتما سہیل کو جاسوسوں کی مدد سے یہ کمزوری معلوم ہو گئی تو وہ بار بار راجہ کو اس قلعے پر قبضہ کر لینے کے لئے

مختلف سنگموں پر نواحی اضلاع کے برہمن آ جنک یاترا کرنے جاتے ہیں یہی وجہ ہے۔ کہ نیل مت پوران کے شلوک ۱۲۶۱ و ۱۳۹۸ میں مہومتی کو ایک مقدس دریا لکھا گیا ہے اسی نام کی دوسری ندی جو سارداتیرتھ کے قریب کشن گنگا میں جا ملتی ہے اور جس کا ذکر قبل ازیں نوٹ ع۱۵ کتاب ہذا میں آ چکا ہے اُس کے متعلق خیال نہیں کیا جا سکتا کہ اس جگہ مراد اُس سے لی گئی ہے کیونکہ اس کی مقامیت حدود کشمیر سے باہر ہے۔

سٹائن صاحب لکھتے ہیں کہ جب میں ماہ اگست ۱۸۹۴ء میں بندپور نال کا معائنہ کرنے گیا تو ایک درہ دیکھا جو پہاڑوں کے اوپر سے شمال کی جانب ہوتا ہوا گریز (جسکا نام نقشے پر گریس ہے) کی سمت میں دُدکھٹ کے نام سے پھیلا ہوا ہے۔ چونکہ ناموں میں یکسانیت پائی جاتی ہے اور جغرافیائی تفاصیل بھی ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ اس لئے یہ امر اغلب معلوم ہوتا ہے کہ درّے کا نام پرانے قلعے کے نام ہی سے منسوب چلا آتا ہے۔ سنسکرت میں لفظ دُگدہ کے جو معنے ہیں وہی کشمیری زبان میں دُد کے ہیں یعنی دُودھ۔ کشمیری زبان میں لفظ کھٹ کے معنے ایک تنگ راستے کے ہوتے

کہتا تھا جس پر آخر کار یہ اس مہم پر روانہ ہوا۔ جب چمپک جو دوارپتی تھا راجہ کے زیر حکم اس مہم پر روانہ ہونے والا تھا واٹ گند (اننہ) نے اس پر غالب آنیکی کوشش کی۔ آخر الذکر کو چونکہ راجہ نے دوارپتی کا عہدہ نہ دیا تھا اور اُسے گورنر مقرر کر دیا تھا اس لئے جو لوگ اس عہدے پر سرفراز ہوتے تھے وہ ان سے دشمنی کیا کرتا تھا۔ گو اننہ نے فوج میں اضطراب پیدا کر دیا تاہم دوارپتی چمپک نے دریائے مدھومتی کو عبور کر کے فوجوں کی مدد سے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ راجہ ہر چند کہ تمام اطراف سے والیان ریاست کو اس قلعے کی طرف بھیج رہا تھا تاہم خود وہ اُس سے ایک کوچ کے فاصلے پر رہا۔ کشمیریوں کا درد سپاہیوں سے مقابلہ ہوا جو ان پر بڑے بڑے پتھر اور ایسی ہی دوسری چیزیں پھینکتے تھے لیکن خود

ہیں کلہن نے دُگد کے ساتھ جو لفظ گھاٹ استعمال کیا ہے وہ قدیم کشمیری نام گھٹ کی سنسکرت صورت معلوم ہوتا ہے۔

سٹائن صاحب دُدگھٹ کے درے سے خود بھی گذرے تھے اُن کا بیان ہے کہ یہ اُس وادی کے اوپر کی طرف واقعہ ہے جس کا نام نقشہ میں منی مرگ لکھا ہوا ہے۔ جنوب یا کشمیر کی طرف سے یہاں تک پہنچنے کا راستہ ایک کھلی وادی کی صورت میں ہے جو تین میل کے فاصلے تک ایک گھاس والے ڈھلوان کے ساتھ ساتھ بتدریج اُٹھتی ہے۔ اس وادی کا نام وبجے مرگ ہے اور ممکن ہے یہ وہی ہو جس کا ذکر ترنگ کے شلوک ۱۱۲۲ میں پراجی مٹھکا کے نام سے آیا ہے۔

موضع آست وتھ سے درہ دُدکھٹ کو جو سڑک جاتی ہے اسپر سے لدے ہوئے جانور بخوبی گذر سکتے ہیں اور جب تک گلگت کی ٹرینسپورٹ سڑک درۂ تراگ بل کے اوپر سے تیار نہ ہوئی تھی تو گمریز کے اکثر درد تاجر اسی سے گذرا کرتے تھے۔ اس بارہ میں مزید واقفیت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ سکھوں کے عہد میں اس سڑک کو باقاعدہ طور پر

چونکہ قلعہ کی پناہ میں تھے اس لئے انہیں شکست دینا مشکل تھی ۔ لگک کا بیٹا ل معہ اپنے بیٹوں کے پراجی مٹھکا نامی حملے کے مقام پر قائم تھا اُس نے دشمنوں پر اس قسم کے حملے کئے جنہیں وہ بمشکل برداشت کر سکے ۔ اس کے دو بہادر بیٹے ادچل اور سُسل جنہیں ایک جوتشی نے بتایا تھا کہ تمہیں شاہی طاقت حاصل ہوگی اسی ہوس کی وجہ سے اپنے اعزاز کو برقرار رکھنے کی کوشش کر رہے تھے ۔ ان میں سے بڑا جسے قابو میں رکھنا زیادہ مشکل تھا ہر چند کہ تخت سے نفرت کرتا تھا تاہم واقعات سے مجبور ہو کر مہم پر روانہ ہو گیا تھا خشک سالی اور راجہ کے تیج سے جُھلس کر در دسپاہیوں نے مشکل سے قلعے پر قبضہ قائم رکھا ۔

اُس وقت تک فوجی ٹرنیسپورٹ کے کام میں لایا جاتا تھا جبکہ آخر کار ایک حادثہ اس فوج کو پیش آیا جو اس وادی پر سے گذر رہی تھی ۔ یہ حادثہ ایک پہاڑی تودے کی صورت میں تھا جو نیچے وادی میں آگرا ۔ اس کے بعد سڑک کو درہ ترآگ بل کی طرف سات میل جانب جنوب مشرق بدل دیا گیا ۔ اس وقت سے لیکر آخر الذکر درہ ہی زیر استعمال رہا ہے ۔ گو اس میں شک نہیں کہ یہ درہ دُدکھٹ کی نسبت اونچا ہے اور یوں بھی بلحاظ آمد و رفت اس کی نسبت کم موزوں ہے ۔

درہ دُدکھٹ کا فاصل اب تقریباً ½ میل چوڑے ہموار میدان کی صورت میں ہے جس کے مشرق کی طرف ۱۵۰ فٹ اونچا چٹانی ٹیلہ ہے جس کی دیواریں جنوب اور مغرب کی جانب عمودی ہیں اور باقی دو اطراف میں بھی اس تک بمشکل پہنچا جا سکتا ہے اس سطح مرتفع پر سٹائن صاحب کو بعض دیواروں کے چند ایک آثار نظر آئے جو اُن برجوں سے متعلق معلوم ہوتے تھے جیسے آج تک بھی درہ پیر پنچال اور توش میدان میں پائے جاتے ہیں ۔ فوجی نکتہ خیال سے اس ٹیلے کی مقامیت نہایت اعلٰے ہے ۔ ممکن

ڈگدہ گھاٹ سے واپسی اتنے میں نہایت زور سے بارش اُتر آئی۔ تمام زمین ایک قطعہ آب بن گئی اور ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ہرش کا تیج مٹانے کے لئے یہ قسمت کا حکم ہے۔ قسمت محصورین پر مہربان ثابت ہوئی اور اس نے قلعے کی پہاڑیوں کو برف کے ناقابل عبور تودوں سے اس طرح ڈھک دیا گویا کہ وہ ایک ذرہ تھی۔ یہ قسمت ہی ہے جو اوپر اُٹھتے ہوئے شخصوں کو گرا اور گرتے ہوؤں کو اُٹھا دیتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ گیند کی طرح کھیلتی ہے۔

اب اُن بُرے مشیروں کو جنہیں برستے ہوئے پانی نے نہایت الم ناک بنا رکھا تھا گھر یاد آیا اور انھوں نے پہلے کی طرح راجہ کے کیمپ میں گڑبڑ مچانی شروع

ہو سکتا ہے یہ آثار ہی اُس قلعہ ڈگدہ گھاٹ کے کھنڈرات ہیں جس کا ذکر اس کتاب میں آیا ہے۔

ڈگدہ گھاٹ کے محاصرے کے متعلق جو تفاصیل مذکور ہوئی ہیں ان سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے اس ٹیلے کی ساخت اور چٹان کی سختی کے باعث کسی تالاب کا تیار کیا جانا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جیسا شلوک ۱۱۷۵ ترنگ ہذا میں مذکور ہے قلعہ بند فوج کے لئے بجائے پانی کے برف جمع کر رکھا کرتے تھے۔ اس بات کی تصدیق کہ قلعہ ڈگدہ گھاٹ بلندی پر واقعہ تھا اس بات سے ہوتی ہے کہ وہاں جیسا شلوک ۱۱۸۶ میں واضح ہوتا ہے اس قدر برف باری ہوئی کہ مجبوراً محاصرہ اُٹھا لینا پڑا۔ شلوک ۱۱۷۵ اور ۱۱۸۵ میں خشک سالی اور گرم موسم کے متعلق جو کچھ ذکر آ چکا ہے جس سے قلعے کی برف کی بہم رسانی ختم ہو چکی تھی اُس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ برف باری موسم گرما کے آخیر میں یا موسم خزاں کے ابتدا میں ہوئی ہوگی۔ اس بارے میں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ سنین حال میں ستمبر تک کے مہینوں میں درہ تراگ بل میں بہت بڑے برفانی

کردی۔ اُس مچھلی کی طرح جو ندی کی رو کے خلاف تیرتی ہوئی چٹان کے ساتھ اپنے منہ پر چوٹ لگا بیٹھتی ہے راجہ اُس جگہ سے بھی فتح کی پرواہ نہ کرتا ہوا واپس لوٹا ساری فوج نے اپنا سامان راستے ہی میں چھوڑ دیا۔ خزانہ پھینک دیا۔ قیمتی چیزیں چھوڑ دیں اور ہتھیار پٹک دیئے اور سوائے بھاگنے کے اب انہیں کچھ اور نہ سوجھتا تھا۔ راستے میں چڑھی ہوئی ندی میں راجہ کے سپاہی اُس حالت میں جبکہ وہ آہ و زاری کرتے ہوئے مختلف راستوں سے بھاگنے کی کوشش کر رہے تھے اور دشمن اُن کے تعاقب میں تھا غرق ہو گئے۔ دریائے مدہومتی میں لوگوں کے رہے ہوئے کپڑے ہنسوں کی قطار کی مانند معلوم ہوتے تھے۔ ان کی ڈھالیں کنول پھولوں کی طرح۔ تلواروں کے ڈھیر آبی پودوں کی مانند

طوفان آتے دیکھے گئے ہیں۔

باوجود اس قدر بلندی اور موسمی حالات کی سختی کے درہ دُدکھٹ کے قلعے میں سال بھر کسی قلعہ بند سپہ کا موجود رہنا ناممکنات سے نہیں ہے جس کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ سنین حال کے موسم سرما میں درہ تراگ بل کے زیادہ کھلے مقامات پر جو جھونپڑیاں بنی ہوئی ہیں ان میں سڑک گلگت کے محکمہ ڈاک اور تار کے ملازم اکثر رہتے رہے ہیں۔

اخیر میں یہ بات قابل ذکر معلوم ہوتی ہے کہ مدہومتی اور اُس کے شمالی معاون کی کھڈین جس میں سے ہو کر درہ دُدکھٹ کی سڑک موضع آت وٹھ کے اوپر اور نیچے کی طرف گذرتی ہے وہ اس کیفیت سے مشابہ معلوم ہوتی ہیں جو شلوک ۱۱۹۱ میں اس سڑک کے متعلق دی گئی ہے جس پر سے ہو کر کشمیری فوج دُگدگھاٹ سے واپسی کے وقت گذری تھی۔

۵۹۹ لونیا قوم کے لوگ جن کا ذکر اس جگہ پہلی مرتبہ آیا ہے اُن ملکی تکالیف میں بہت سا حصہ لیتے رہے ہیں جن کا ذکر ترنگ ۷ اور ترنگ ۸ میں آتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں وہ کشمیر کی دیہاتی آبادی کا ایک نہایت اہم حصہ ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ

گھوڑے چٹانوں کی طرح۔ سنہری برتن سرخ ہنسوں اور چاندی کے برتن جھاگ کی مانند نظر آتے تھے۔ فتح مند دردوں نے جن لوگوں کو گرفتار یا قتل کیا اور جو ندی میں بہ گئے ان کی تعداد شمار سے باہر تھی۔ بہادر اوچل یعنی مل کا بیٹا واحد شخص تھا جو معہ اپنے چھوٹے بھائی کے وہاں سے فرار نہ ہوا بلکہ اس طرح پر بغیر افسروں کے رہی ہوئی فوج کو بچانے کی کوشش کرتا رہا۔ دردوں کی ساری جمیعت اُس سمندر کی مانند آگے کو بڑھ رہی تھی جو ہر چیز کو بہا کر لے جاتا ہے لیکن اُسے ان دو شخصوں نے جو عظیم ساحلی چٹانوں کے مانند تھے روکے رکھا جب یہ دونوں فوج کو بچانے اور انمول شہرت حاصل کرنے کے بعد واپس ہوئے تو ایسا معلوم ہوتا تھا گویا اُس دوشیزہ لڑکی کی مانند جو اپنے لئے شوہر منتخب

تنتریوں کے نام کی طرح اُن کا نام بھی آجتک لونی کی صورت میں باقی چلا آتا ہے۔ جن بے شمار شلوکوں میں اس قوم کے لوگوں کا ذکر اجتماعی وانفرادی طور پر آیا ہے۔ ان سے انکی ابتدا کے متعلق کوئی حال معلوم نہیں ہوتا البتہ اسقدر ضرور معلوم ہوتا ہے کہ مالکان اراضی اور ایک سرکردہ قبیلے کی حیثیت میں وہ نہایت اہم درجہ رکھتے ہونگے۔ شلوک ۱۲۲۷ میں مدرراج میں لونیا قوم کے لوگوں پر تشدد کا ذکر آیا ہے جہاں اُن کے متعلق کئی موقعوں پر لفظ ڈامر استعمال کیا گیا ہے۔

آجکل لونی قوم کے لوگوں کو دوسرے مسلمانوں سے ممیز کرنے والے کوئی رواجات یا پیشے باقی نہیں رہے۔ اس فرقے کے لوگ وادی میں جابجا پائے جاتے ہیں۔ لارنس صاحب نے اپنی کتاب ویلی کے صفحہ ۳۰۶ پر ایک دیہاتی کی زبانی یہ بات لکھی ہے کہ اس قبیلے کے لوگ اپنے آپ کو چلاس سے آیا ہوا خیال کرتے ہیں۔ لیکن سٹائن صاحب اس روایت کی تصدیق نہیں کر سکے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جونراج کے زمانہ تک یہ لوگ خاصی اہمیت رکھا کرتے تھے کیونکہ اس کی تاریخ میں بھی ان کا ذکر کئی موقعوں پر آیا ہے لیکن سری ور کی راج ترنگنی میں ان کا ذکر ایک سے زیادہ موقعوں پر نہیں آیا۔

کر رہی ہو شاہی قسمت کی چمک نمایاں طور سے انپر پڑ رہی ہے۔ اس وقت کے بعد سب لوگوں کو خیال پیدا ہو گیا کہ بزدل راجہ تخت کا حقدار نہیں بلکہ یہ دونوں راجکمار مستحق ہیں۔ لوگوں کا یقین اس صورت میں اور بھی پختہ ہو گیا جب انہوں نے دیکھا کہ انعام و اکرام کی پرواہ نہ کرتے ہوئے یہ اپنے کارہائے نمایاں کے بعد راجہ کو ملنے تک نہ گئے۔ جب راجہ کو دشمنوں کے خوف سے نجات حاصل ہوئی تو وہ شہر کو روانہ ہوا اور مل راج کے دونوں بیٹوں کی شان و شوکت تمام اطراف میں پھیل گئی۔ آئندہ واقعات کے انتظار میں لوگ ان دونوں کو رام اور لکشمن اور راجہ کو راون سے مشابہ قرار دیتے تھے لیکن اس بے سمجھ راجہ نے خوف اور شرم کو بالائے طاق رکھ کر ملک پر ویسا ہی جبر و تشدد شروع کر دیا گویا یہ اس کا مقررہ پیشہ تھا کم ظرف آدمی پاس والے شخص پر جس سے چھوٹی سی سزا ہی سرزد ہوئی ہو حملہ کر بیٹھتا ہے لیکن بڑی خطا والے اُس دشمن پر حملہ نہیں کرتا جو اُس سے دور ہو ایسے ہی کتا غصے میں آکر اُس پتھر کو کاٹ کھاتا ہے جس سے اس کو چوٹ لگے لیکن اُس شخص کو نہیں کاٹتا جس نے دور کھڑے ہو کر وہ پتھر پھینکا ہے۔

مدن کا قتل جب وہ واپس آیا تو اس نے سنا کہ مدن جسے اس کی خدمات سے خوش ہو کر اس نے کمانڈر انچیف بنا دیا تھا علانیہ طور پر میری شکست کا ذکر کر رہا ہے۔ غصے میں آکر اس نے اُسے مارنا چاہا لیکن اس پر جرم ایک اور قائم کیا جو یہ تھا کہ اس نے رانی کے بھیجے ہوئے تحریری حکم کی پرواہ نہیں کی۔ جب مدن مدو راج سے واپس آیا اور راجہ نے اسے شرف حضوری نہ بخشا تو وہ خوف زدہ ہو کر ایک اور مشیر لکشمی دھر کے مکان پر جو تک خاندان سے تھا چلا گیا۔ ہر چند کہ اس کی طرف

سے ایک اور وزیر نے عذر معذرت کی تھی تاہم راجہ نے اُسے مع اُس کے بیٹے کے قتل کروا دیا اور اس نظارے کو فوجیں کھڑی ہنستی دیکھتی رہیں۔ راجہ کی ناراضگی کی مسکراہٹ۔ درخت کی بے موسم کلی اور بیتال کی ہنسی یہ چیزیں کبھی بلا نتیجہ ثابت نہیں ہوتیں۔ جو لوگ عظیم مہربانیوں پر بھروسہ کرکے اپنے آقا کی لاپرواہی سے خدمتگذاری کرتے ہیں اُن کا انجام اُن سپیروں کی طرح ہوتا ہے جو کسی بڑے سانپ کے ساتھ ہر قسم کے کھیل کرنے کی شیخی بگھارتے ہوئے سحر کارگر نہ ہونے کی وجہ سے مارے جاتے ہیں۔ اس طرح پر سوریہ متی کی بددعا سازشیوں کے گروہ کے متعلق یہاں تک صادق ثابت ہوئی کہ آخر کار مدن بھی اس سے نہ بچ سکا۔ راجہ نے جو دوسروں کی بہادری دیکھ کر ڈرتا تھا کلش راج کو لکشمی دھر کے مکان میں پابزنجیر کروا دیا۔ اُسے بے عزت کرنے کے لئے اُس نے اُس کے پاس اس کا دشمن اودے اس بہانے سے بھیجا کہ اُس سے کچھ بات پوچھ آئے۔ بہادر کلش راج نے جب ایک اور شخص کو خوش قسمتی کی حالت میں دیکھا تو اس کے غصے کی آگ بھڑک اُٹھی اور اس نے ایک آدمی کا ہتھیار چھین کر اسے مار کر گرا دیا جس پر اودے سنگھ کے نوکر اس پر ٹوٹ پڑے اور اُسے بھی قتل کر ڈالا۔ اور اس طرح پر اُس بدطینت راجہ کے نوکروں کا خاتمہ ہوا۔

اس ملک پر جسے راجہ نے زخم لگائے ہوئے تھے مصائب کا ایک اور سلسلہ نمک کی طرح پڑا۔ اگر کوئی شخص دن کے وقت راجہ کے کمرے سے سونے کا پیالہ لیکر جاتا تو لٹیرے اُسے بھی لوٹ لیتے تھے۔ وبا پھیلی ہوئی تھی اور شب و روز ماتمی باجے کی آواز بند نہ ہوتی تھی جس کے ساتھ ہی لوگوں کی آہ و زاری کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

کشمیر میں قحط سنہ ۱۰۹۹ء لوکک سمت ۴۱۷۵ (سنہ ۱۰۹۹-۱۱۰۰ء) میں ایک طغیانی کے باعث بہت سے گاؤں غرق ہو گئے۔ اور ہر چیز کی بے حد قلت ہو گئی چاولوں کی ایک کھاری ۵۰۰ دینار میں فروخت ہوتی تھی اور دو پل عرق انگور ایک دینار میں۔ اون کا ایک پل چھ دینار میں فروخت ہوتا تھا اور نمک مرچ (حاشیہ ۱۰) اور ہینگ کا تو نام بھی سننا مشکل تھا۔ ندیوں کا پانی مُردوں سے اٹا پڑا تھا جن کی لاشیں پانی کی وجہ سے پھول گئی تھیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا گویا کٹے ہوئے درختوں کے جنگل کے جنگل پہاڑوں سے بہ کر آرہے ہیں۔ اس خیال سے کہ محل دوسرے درختوں میں چھپا ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آتا راجہ نے انہیں کٹوا دیا۔ درخت جو مع اپنے شگوفوں اور پھلوں کے اہل مکان کی مانند معلوم ہوتے تھے جا بجا کٹوا دیئے گئے۔ اور شہد کی مکھیاں جو اُنکے کنبے کا درجہ رکھتی تھیں اُنکے گرائے جانے پر آہ و زاری کرتی تھیں۔ ایک طرف تو لوگ اس مصیبت میں مبتلا تھے دوسری طرف راجہ نے انپر ایسے ایسے بھاری جرمانے کئے کہ اُن کا دم خشک ہو گیا۔ بعینہٖ یہ وہی مثل تھی جیسے اُس بوڑھے بیل پر جو ہل کو کھینچتا کھینچتا تھکا ماندہ ہو گیا ہو ایک بڑا سا پتھر پھینک دیا جائے۔ اس نے لوگوں کو کایستھوں کے ذریعے بہت اذیت پہنچائی اور یہاں تک بھاری جرمانے کئے کہ شہر گاؤں یا کوئی بھی جگہ اُن سے نہ بچ سکی۔

ڈامروں پر تشدد اب موت کے دیوتا کی مانند خشمناک ہو کر اس نے

(حاشیہ ۱۰) نمک کشمیر میں پیدا نہیں ہوتا بلکہ اس کی درآمد پنجاب اور لداخ سے ہوتی ہے۔ دیکھو لارنس صاحب کی کتاب ویلی صفحہ ۶۳ و ۳۹۳۔ ہینگ بھی حدود کشمیر میں پیدا نہیں ہوتی دیکھو صفحہ ۶۸ کتاب مذکورۃ الصدر۔

گورنراسنہ کو حکم دیا کہ تمام ڈامروں کو قتل کردیا جائے کیونکہ وہ بہت صاحب اثر بن گئے تھے۔ پہلے اس نے مدوراج میں ہولدا کے بے شمار ڈامروں پر حملہ کیا اور انہیں اس طرح مارڈالا جیسے شکاری پرندوں کو ان کے گھونسلے میں ماردیتا ہے جب وہ لونیا لوگوں کو تباہ کررہا تھا اس نے مدوراج میں کوئی بھی ایسا برہمن زندہ نہ چھوڑا جس نے اپنے بالوں کو اونچا کرکے آراستہ کررکھا ہو اور شکل و شباہت سے با اثر معلوم ہوتا ہو۔ چونکہ وہ اُن مسافروں کو بھی سولی دیدیتا تھا جو لونیا قوم کے علاقے میں جارہے ہوں اس لئے ملک دیکھنے میں بھیڑوں کے باورچی خانہ کی طرح بھیانک بن گیا۔ اور جب گورنر نے ایک لونیا کی خونخوار بیوی کو سولی دے دیا تو تمام لونیا لوگ دہشت زدہ ہو کر تمام اطراف میں بھاگ گئے۔ ان میں سے بعض نے ملیچھوں کے ملکوں میں جاکر تبدیل مذہب کرلیا اور بعض رہٹوں اور چکیوں میں محنت مزدوری کرنے لگ گئے۔ گورنر اس بھیروں روپی راجہ کے پاس لونیا لوگوں کے سروں کی لڑیاں اس طرح بھیجا کرتا تھا گویا وہ کوئی نہایت عمدہ تحفہ ہے۔ راجہ کے محل کے دروازے پر ہر جگہ محرابوں پر ڈامروں کی کھوپریاں پیالوں (گھنٹی) کی طرح نظر آتی تھیں۔ جو شخص کسی ڈامر کا سر لاتا تھا اُسے زیورات پوشاکیں اور اور قسم کے انعامات جو محل شاہی کے دروازے پر لٹکے رہتے تھے دیئے جاتے تھے۔ گدھ بگلے اور اور پرندے راجہ کے دروازے پر جمع رہتے تھے اور ڈامروں کے سروں کو نوچنے کے لئے آگے بڑھی ہوئی محرابوں پر ڈیرہ جمائے رکھتے تھے۔ جہاں کہیں راجہ رہائش رکھتا تھا لوگ لونیا قوم کے آدمیوں کے خوفناک سروں کے بڑے بڑے ہار سجادیا کرتے تھے سارا ملک لاشوں سے شمسان بھومی کی طرح اٹا پڑا تھا۔ بدبو اس قدر پھیلی ہوئی تھی کہ ناک نہ دیا جاتا تھا۔ کان گیدڑوں کی آوازوں سے پریشان ہوئے جاتے

تھے اور بلرک پرپا سے لیکر لوک پن تک گورنر نے ڈامروں کو سولیوں پر چڑھا کر ایک راستہ تیار کر دیا تھا۔

اس طرح پر مدو راج کے ڈامروں کا خاتمہ کر کے گورنر انند اسی طریق پر عمل کرنے کے لئے کرم راج کو روانہ ہوا۔ کرم راج کے ڈامروں کو چونکہ یقین تھا کہ اب ہماری قسمت کا فیصلہ ہوا چاہتا ہے اس لئے انھوں نے لولاہ[۱] میں ایک فوج جمع کی، اور سب نے مل کر اسقدر کشت و خون کیا جس کی وجہ سے گورنر ایک عرصے تک رُکا رہا۔ سوائے اس کے اور کیا خیال کیا جا سکتا ہے کہ ہرش کی صورت میں کوئی دیو اُس ملک کو جسے دیوتاؤں۔ تیرتھوں اور رشیوں نے مقدس کیا ہوا ہے تباہ کرنے کے لئے زمین پر آ گیا تھا۔ رات کے وقت چہل پہل رکھنا دن کے وقت سونا۔ ظلم۔ حد اعتدال سے گذرنا۔ کینہ پن۔ موت کے دیوتا کے شایاں شان کام کر کے خوش ہونا۔ یہ اور اسی قسم کی اور عادتیں جو اس کے لئے مخصوص تھیں ایک بھتنے کی عادات سے مشابہ تھیں۔ اور یہ بات اُس زمانے کے تمام سمجھ دار لوگوں کو معلوم تھی۔

اس اثنا میں مل کا چھوٹا بیٹا سُسل نشۂ شباب میں مخمور لکشمی دھر کی بیوی کے دل کو ٹٹولا کر رہا تھا وہ اس راجکمار پر جو اس کے قریب ہی رہتا تھا مفتون ہو چکی تھی کس کے شوہر کی شکل چونکہ بندر کی طرح تھی اس لئے اُس سے اُسے بالکل محبت نہ تھی۔ اے راجہ تو نے کیوں اوچل اور سُسل کو قتل نہیں کیا

[۱] لولاہ غالباً لولاب پرگنہ کا پورانا نام ہے جو جھیل ولر کے شمال مغرب کی طرف واقع ہے جدید نام کا تلفظ کشمیری زبان میں لولاو ہے۔ لوک پرکاش کی جلد ۲ میں لولاد کو لولوک کی صورت میں لکھا گیا ہے اور پنڈت صاحب رام نے اپنی کتاب تیرتھ سنگرہ میں لفظ للو استعمال کیا ہے۔

جن میں ایسی صفات موجود ہیں جو ان کو تخت کے لائق بناتی ہیں اور جو ہیں بھی حریص ہیں بحالیکہ تو نے اپنے تمام دوسرے چھوٹے درجہ کے رشتہ داروں کو بھی قتل کردیا ہے"۔ ہرچند کہ لکشمی دھر جوش رقابت میں راجہ سے اس طرح کہا کرتا تھا تاہم اس نے اُن کے خلاف کسی قسم کے غصّے کا اظہار نہ کیا کیونکہ وہ پہلے رشتہ داروں کے قتل پر ہی نہایت متاسف تھا۔ ہرچند کہ لکشمی دھر رہ رہ کر خود کہتا اور دوسروں کی زبانی کہلاتا تھا تاہم ان کی بہادری سے ڈرتا ہوا خود بھی ہاتھ نہ اُٹھا سکتا تھا۔ آخر کار رشتہ داروں کی محبت کو بھلا کر اور اُنکے تعلقات کو بالائے طاق رکھ کر راجہ نے وزرا کے ساتھ اس امر کا مشورہ کیا اور اوچل اور سسل کو قتل کرنے کا فیصلہ ہوگیا۔ مگر ٹھکنا نامی ایک فاحشہ عورت نے جس کا تعلق اُن دونوں کے ساتھ تھا راجہ کے اس بُرے منصوبے کی خبر ان تک پہنچادی اور جب اُن کے دوست درشن پال نے بھی اس بارے میں انکے شکوک و شبہات رفع کر دیئے تو وہ دو تین نوکروں کو ہمراہ لیکر رات کے وقت شہر سے نکل گئے۔

اوچل اور سسل کی فراری [۱۱۰۰ء] ماہ مگھر لوکک سمت ۴۱۷۶ (سنہ ۱۱۰۰ء) میں شہر سے روانہ ہوکر یہ دونوں اُس ڈامر کے مکان پر پہنچے جو اُتر اس [۶۰۲] میں رہتا تھا۔ دغا باز لون [۶۰۳] پرشست راج اپنے چھوٹے بھائی

[۶۰۲] ایک ٹیکا کار کا خیال ہے کہ اُتر اس جدید موضع وترس کا نام ہے جس کا نام نقشے پر دتُو دراسو درج ہے اور جو کٹھار پرگنہ میں سانگس کے قریب واقع ہے پنڈت صاحب رام نے اپنی تیرتھ سنگرہ میں لفظ اُترس استعمال کیا ہے۔

[۶۰۳] اس شلوک کا مطلب کسی قدر مشتبہ ہے معلوم نہیں مصنف کا اس کے درج کرنے سے یہ منشا ہے کہ دونوں بھائی لونیا پرشست راج کے ہمراہ باہر جاکر مختلف مقامات

سل راج پر غالب آکر انہیں باہر لے گیا۔ مگر بڑا بھائی راجپوری کو چلا گیا اور چھوٹا کلیہ والئے کالنجر کے دربار میں پہنچا۔ جب یہ دونوں ملک کو چھوڑ کر چلے گئے تو کسی شخص کو ہرش کی حکومت پر اعتبار نہ رہا حتےٰ کہ خود راجہ بدشگونیوں سے خائف ہونے لگا۔ اس نے راجپوری کے راجہ سنگرام پال کو لکشمی دھر کی زبانی ادچل کو ملدنے کی درخواست کر بھیجی اور اس مطلب کے لئے روپیہ کا لالچ بھی دیا۔ جب مل کا بیٹا (ادچل) سنگرام پال کے پاس پہنچا تھا تو اُس نے اس کے ساتھ

کو چلے گئے یا جیساکہ بابو جوگیش چندر دت نے لکھا ہے اس سے یہ مراد ہے کہ پرشست راج نامی ایک لونیا نے راجہ کے خلاف بغاوت کا علم بلند کرنے کے ارادہ سے اپنے چھوٹے بھائی سل راج کو بھیجکر ان دونوں جوانوں کو اپنے ہاں طلب کیا جس کے بعد ادچل راجپوری اور چھوٹا یعنی سسل کالنجر کو چلا گیا۔

۲۰۴ ؎ کالنجر جس کا ذکر ترنگ ۸ کے شلوک ۲۰۴-۶۱۸ و ۹۱۵ میں آتا ہے۔ اس سے مراد وہ مشہور کالنجر نہیں ہے جو وسط ہند کے راجگان کلچھری کا شہر تھا جس کا موجودہ قائم مقام کالنجر کا پہاڑی قلعہ ہے اور جو صوبہ جات مغربی شمالی کے ضلع باندہ میں واقعہ ہے دیکھو انڈین اینٹی کوئی جلد ۲۲ صفحہ ۱۸۰۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۹۱۵ کے نفس مضمون اور اُن شلوکوں سے جن میں کلہ اور یہ مرتھ والئے کالنجر کا ذکر آتا ہے (ترنگ ۸ شلوک ۵۱۹-۵۸۱-۱۹۲۳-۱۹۳۲-۹۷۴) ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد کشمیر کے جنوب میں کسی پہاڑی علاقے سے ہے۔ تاریخ فرشتہ کا جو ترجمہ برگنز صاحب نے کیا ہے اس کی جلد ا صفحات ۹۸ و ۹۹ میں واضح طور پر سرحد کشمیر پر کالنجر کے ایک پہاڑی قلعے کا حوالہ دیا گیا ہے اس قلعے کا ذکر کرتے ہوئے فرشتہ نے لکھا ہے کہ یہ وہی مقام تھا جہاں محمود غزنوی نے اپنے ایک افسر اعلےٰ کو قید کیا تھا۔ اس کے علاوہ سردست اس کے متعلق کوئی مزید حالات معلوم نہیں ہو سکتے۔

بہت کم توجہ کا اظہار کیا تھا لیکن اب ہرش کے اظہار خوف سے اُس نے اس کی زیادہ عزت شروع کی۔ اس دنیا میں بارہا ایسا واقعہ ہوتا ہے کہ اظہار خوف کر کے کوئی کینہ ور شخص قسمت کے ایما پر چل کر اپنے دشمن کو جس کی کامیابی قریب ہوتی ہے زیادہ اہمیت دے دیتا ہے۔ راجپوری کے لوگ فطرتاً کشمیر کے ہوا خواہ نہیں ہیں پھر اُن سازشوں کا کیا ٹھکانا ہے جو اس صورت میں پیدا ہو سکتی ہیں جب فرمانروائے کشمیر کا کوئی زبردست مخالف اُن میں جا ملے۔

اوچل راجپوری میں } اب اوچل نے ڈامروں کے ساتھ چند شخصوں کی معرفت جو زیادہ تر بددیانت تھے اور اس کے فریق میں مل گئے تھے عہد و پیمان شروع کیا۔ ڈامروں نے جنہیں راجہ بہت کچھ دبا چکا تھا اوچل کو پھر کشمیر میں لانے کی بہت کچھ کوشش کی اور اُس کے پاس معہ تحفہ تحائف کے قاصد بھیجے۔ سوریہ ورم چندر کے بیٹے جنک نے فتنہ ساز قاصد بھیجکر مزید کوششیں کیں۔ سنگرام پال نے جب ڈامروں کے قاصد دیکھے تو اس نے راجہ کے خوف کو دل سے دور کر دیا اور اوچل کی علانیہ عزت کرنے لگا۔ ہرچند کہ وہ خود معاملہ کی اہمیت سے افسردہ خاطر ہو رہا تھا تاہم سنگرام پال نے اوچل کے سر پر اس کی حفاظت کی خاطر کافور توڑ کر[۶۰۵] روانگی کی خواہش ظاہر کی لیکن اُس علاقے کا خاص ٹھکر جسے ہرش دیو نے رشوت دی تھی اُس کے پاس تنہائی میں آکر کہنے لگا۔ "راجہ ہرش کو نظر انداز کر کے اوچل کی تائید کرتے ہوئے تم گائے کو چھوڑ کر عمداً بکرے کی گردن پکڑتے ہو بھلا یہ اوچل بھی کشمیر کا کوئی راجکمار ہے! یہ گداگر کیا کر سکتا ہے؟ اس لئے

---

۶۰۵ کافور توڑنے کی رسم کے متعلق خیال کیا جاتا تھا کہ اس سے اجنبی یقینی طور پر محفوظ رہتا ہے۔

راجہ ہرش کو خوش کر کے بے کھٹکے ہو جاؤ۔ اوچل کو راج گری[۴۰۶] کے قلعے میں بند کردو۔ پھر ہرش ڈر کے مارے جو کچھ تم کہوگے قبول کریگا اور ہمیشہ کے لئے تمہارا دوست بن جائیگا۔" اس قسم کی چکنی چپڑی باتیں سنکر کمزور کمش حاکم جو ہرش سے ڈرتا اور اپنی دولت بڑھانے کی خواہش کرتا تھا رضامند ہوگیا۔

اوچل کے خلاف سازش } مگر جواب دیا کہ میں دیرا اوچل کو پکڑنے کے قابل نہیں ہوں جب میں کسی بہانے سے تمہارے پاس بھیجوں تو تمنے اُسے روک لینا۔ اتنا کہہ کر اس نے اُسے تو اپنے گھر بھیجدیا اور اوچل سے کہنے لگا۔ "صبح آپ کلش راج سے ملنے جائیں وہاں کا

---

۴۰۶ قلعہ راج گری کا ذکر راجہ گری کے نام سے البرونی کی کتاب انڈیا کی جلد ا صفحہ ۲۰۸ پر آتا ہے جس کا ذکر نوٹ ع‌۱ ضمیمہ کتاب ہذا متعلقہ لوہر میں آیا ہے البرونی کے خیال میں یہ قلعہ کو لار جک کی برفانی چوٹی کے جنوب میں واقع ہے۔ جس کے متعلق سٹائن صاحب کا خیال ہے کہ یہ سلسلہ کوہ پیر پنچال کی بلند ترین چوٹی ہے البرونی نے راج گری اور لاہور کے قلعوں کو دو نہایت مستحکم مقامات کا درجہ دیا ہے۔

البرونی نے راج گری کی جو مقامیت لکھی ہے نیز یہ بات کہ محمود کے حملہ کشمیر کے موقعہ پر اس نے یہ قلعہ دیکھا ان سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ قلعہ وادیٔ پرنتس توہی میں واقعہ تھا جو درہ پیر پنجال کا ایک راستہ ہے۔

سٹائن صاحب لکھتے ہیں۔ "میں نے سنا ہے کہ بہرام گلہ اور سورن کے درمیان اُس وادی میں بہت سے تباہ شدہ قلعے موجود ہیں مگر خود مجھے اُن کے دیکھنے کا موقعہ نہیں ملا۔ مقامی روایات اور پہاڑی علاقے کے جغرافیائی حالات کا پورے طور پر امتحان کیا جائے تو غالباً ہم اس قابل ہو سکیں گے کہ لوہر کی طرح راج گری کی مقامیت کو بھی صحیح طور پر قائم کر سکیں۔

وزیر اعظم ہے اس کی بدولت تم تمام خطروں سے بچے رہو گے اس کے بعد تمہیں وہ تمہاری جمعیت کے دشمن کو تباہ کرنے کے لئے روانہ کر دوں گا"۔ اگلے روز جب اوچل اس وزیر کے مقام رہائش کی طرف چلنے لگا تو پہلے چند فال نحس پیش آئے اس کے بعد اُس کے معتبر دوستوں نے اُسے روکا۔ جب کلش راج نے سنا کہ اوچل راجہ کہش کے پاس واپس چلا گیا ہے اور تجویز ظاہر کی ہو گئی ہے تو وہ اپنے مسلح سپاہیوں کے غصے میں بھرا ہوا وہاں پہنچا۔ اوچل جان گیا کہ وہ مجھ پر حملہ کرنے آیا ہے چونکہ وہ خود بھی عمدہ سپاہی تھا اس لئے خود لڑنے کے لئے وہ اپنے ہمراہیوں کے باہر نکلا۔ جب لڑائی شروع ہو گئی تو کہشوں کے راجہ نے صلح کرانے کی کوشش کی اور خود کلش راج کے پاس ٹھہر کر اوچل سے دربار میں آنے کو کہا۔ طاقتور اوچل نے ان نوکروں کی کچھ پرواہ نہ کی جو اُسے روکنا چاہتے تھے اور فوراً کہش کے دربار میں جا پہنچا اُس وقت اس کا نچلا ہونٹ غصے سے کانپ رہا تھا اور اس کی شان وشوکت کی طرف نہ تو راجہ اور نہ کلش راج دیکھ سکتے تھے جو غصہ میں اُس سورج سے مشابہ معلوم ہوتا تھا جس نے کلپ کے اخیر میں دنیا کا خاتمہ کرنا ہے۔ جب دربار کو غیروں سے صاف کر دیا گیا تو اوچل نے کہش راجہ سے جو اُسے منانے کی کوشش کرتا تھا اور اُس کے وزیر کو یہ الفاظ جن میں غصے کی وجہ سے ایک قسم کی تلخی پائی جاتی تھی کہے۔

اوچل کا نسب نامہ

بہت مدت گذری دارو ابھیسار کا راجہ نر ہوا کرتا تھا جو بھاردواج کی اولاد تھا۔ اُس کا بیٹا نرواہن تھا اور اُس کا پھل۔ آخر الذکر کا بیٹا سات واہن ہوا۔ اس کا چند۔ چند کا ہندو راج۔ جس کے دو بیٹے گوپال اور سنگراج تھے۔ سنگراج کے بہت سے

بیٹے تھے اس کی بیٹی ددا کی شادی راجہ کشیم گپت سے ہوئی جب اُس کا شوہر اور اولاد نرینہ زندہ نہ رہی تو اس نے اپنے بھائی اودے راج کے بیٹے سنگرام راج کو تخت پر بٹھا دیا۔ ددا کا ایک اور بھائی کانتی رج تھا جس کا بیٹا جس راج ہوا۔ سنگرام رج اننت کا باپ تھا اور جس راج تنونگ اور گنگ کا۔ اننت کا بیٹا کلش اور گنگ کا مل ہوا۔ کلش سے ہرشدیو اور باقی پیدا ہوئے ہیں اور ہم مل کی اولاد ہیں۔ جب ہمارا نسب نامہ اُس قسم کا ہے تو حیرت ہے کہ احمق لوگ کیوں یہ پوچھتے ہیں کہ کیا یہ بھی کشمیر کا کوئی راجکمار ہے لیکن اس زمین پر اظہار نسب کی ضرورت ہی کیا ہے؟ یہ ہمیشہ طاقتور کے ہاتھ آتی ہے اور مضبوط آدمی کا مددگار سوائے اس کے بازو کے اور کوئی نہیں ہوتا۔ شکر ہے کمینے قابل رحم باتوں کو اپنے ہاتھوں سے اپنے سر کو چھونے کی اجازت نہیں دی (میں رحم کا محتاج نہیں بنا) اور نہ میں راجگان کشمیر کی نسل کی تذلیل کا باعث ثابت ہوا ہوں۔ آئندہ تم میری طاقت دیکھو گے۔

اتنا کہہ کر وہ وہاں سے چلا گیا اور ایک سو پیادہ سپاہی ہمراہ لیکر فتوحات حاصل کرنے بڑھا۔ راستے میں ایک شخص ملا جس کے ہاتھ میں ذبح کیا ہوا خرگوش[۶۰۷] تھا۔ اس فال نیک سے اس نے اندازہ لگایا کہ میں دشمن کی شاہی کو جیت چکا ہوں۔ واشدیو اور دوسرے جلاوطن ڈامر رہٹ اور رجکیوں وغیرہ کا کام چھوڑ کر کوچ میں اس کے ساتھ آملے اور جب وہ سنگرام پال کو جو کیمپ[۶۰۸]

---

۶۰۷ جوتش شاستر میں اسبات کو فال نیک خیال کیا جاتا ہے کہ کسی شخص کو چلتے وقت خرگوش نظر آئے دیکھو برہت سنگتا ادھیائے ۸۶ شلوک ۲۲۔

۶۰۸ معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا تمام واقعہ اس وقت وقوع میں آیا تھا جبکہ سنگرام پال راجپوری سے باہر کیمپ میں تھ[illegible] اور وہاں سے چل کر اوچل جب راجپوری میں پہنچا تو سنگرام پال

میں تھا چھوڑ کر بحالت اضطراب راجپوری پہنچا تو آخر الذکر کی رانیوں نے اُسے خوش کرنے کی کوشش کی۔

راجپوری میں اوچل کی لڑائی جس وقت اوچل رانیوں کے ہاں کھانا کھا کر اپنے مکان کی طرف جا رہا تھا تو باہر کلش راج کے سپاہی اُس پر حملہ آور ہوئے۔ رانیوں نے دروازہ روک کر اسے نکلنے نہ دیا۔ کوشٹاوت اور اُس کے دوسرے مسلح ہمراہی لڑائی میں کام آئے اور جب راجپوری کے بڑے بڑے آدمیوں نے مل کر اس جنگ کو بند کرایا تو اوچل نے دیکھا کہ میرے سپاہی جو پہلے ہی کم تھے اب اور بھی تھوڑے رہ گئے ہیں۔ ہر چند کہ وہ صرف چیت کی پورنماشی کے دن خطرات میں مبتلا ہوا تھا تاہم پندرہ شدی بیساکھ کو وہ بے خوف و خطر مہم پر روانہ ہو گیا۔ اس نے واٹ دیو اور دوسروں کو مختلف راستوں سے بغاوت پھیلانے کے لئے بھیجدیا اور خود کرمراج کے راستے کشمیر پر حملہ آور ہونے کی تجویز کرنے لگا۔ کشیم راج کے بیٹے کپل نے جسے راجہ نے اودے سنگھ کی موت کے بعد علاقہ لوہر کا قبضہ دیدیا تھا اس کی مزاحمت نہ کی۔ سب کے آگے ڈھال تلوار لٹکائے کوچ کرتے ہوئے اوچل نے سب سے پہلے پرنوتس میں راجہ کے سپاہیوں کو بھاگنا سکھایا۔

اوچل کا حملۂ کشمیر سجک نامی دوارپتی کو گرفتار کرنے کے بعد جو آرام کے مزے لے رہا تھا اوچل کشمیر پر ایسی تیزی سے

کی رانیوں کے اُسے خوش کرنے کی وجہ غالباً یہ تھی کہ اُن میں سے بعض اوچل کی رشتہ دار تھیں۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۱۴۴۴ میں ذکر آتا ہے کہ اوچل کی ایک لڑکی کی شادی سنگرام پال کے بیٹے سومپال سے ہو چکی تھی۔

حملہ آور ہوا جیسے شکرہ گوشت کے ٹکڑے پر گرتا ہے اس کے وہاں پہنچتے ہی راجہ کے دشمن مثلاً پہاڑی ڈامر اور کھش اُس کے ساتھ مل گئے۔ جب راجہ ہرش نے اُس کے یکایک آنے کی خبر سنی تو وہ کانپنے لگ گیا اُسے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا اوچل آسمان پر سے گر پڑا ہے یا دفعتاً زمین کے رحم سے نکل آیا ہے۔ اب اُسے اس خیال سے پریشانی پیدا ہوئی کہ ممکن ہے وہ اپنا پاؤں مضبوطی سے جمالے اور کرمراج کے حاکم آنند کو قتل کردے۔ کوتوال پولیس (سن) نے چونکہ فوجوں کو جمع کرنے میں تاخیر کی اس لئے ہرش نے جلدی میں پٹ کو مع بہت سے افسروں کے روانہ کر دیا مگر معلوم نہیں قسمت نے اُس کا حوصلہ زائل کر دیا یا اُس کا منشا دغابازی کا ہو گیا بہر نوع پٹ نے بھی کوچ میں تاخیر کردی اور دشمن پر حملہ کرنیکا عمدہ موقعہ ہاتھ سے کھو دیا۔ راجہ جس کو بھیجتا مثلاً تلک راج وغیرہ کو وہ سب پٹ کے پاس چلے جاتے تھے اور ان میں سے کوئی بھی کارروائی میں حصہ نہ لیتا تھا۔ چونکہ کوتوال پولیس اور راجہ کے بھیجے ہوئے دوسرے آدمی گھبرا گئے اس لئے اوچل کا پاؤں اچھی طرح جم گیا۔ جب وہ وراہ مولا کو کوچ کر رہا تھا اُسے ایک عمدہ نشانوں والا گھوڑا ملا جو دشمن کی فوج کی طرف سے چلا آیا تھا اور شاہی خوش قسمتی کا نشان معلوم ہوتا تھا۔ علاوہ ازیں اوچل کے سر پر مہا وراہ کی مورتی کے سر سے ایک ہار اس طرح گرا گویا اس زمین نے جو اُس دیوتا کے کندھوں پر ہے اُسے اپنا حکمران منتخب کیا ہے۔ چونکہ اُس کا راستہ کاک[۶۰۹] اور دوسرے خاندان

[۶۰۹] خاندان کاک کا ذکر اکثر موقعوں پر ترنگ ۷، ۸ میں آتا ہے تلک یو بیک اور دوسرے لوگ جو اوچل کے ماتحت اعلےٰ عہدوں پر مامور تھے اسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۸۰-۵۳۳-۵۷۵-۱۰۲۹-۱۱۰۲-۱۲۹۲ وغیرہ۔ کاک خاندان

اطباء کے لڑنے والوں سے رُکا ہوا تھا وہ ہشک پور چھوڑ کر کرمراج کی سمت میں چلا گیا۔

ڈامروں کی بغاوت اس اثنائے میں ڈامروں نے اوچل کی آمد کی خبر سنکر دلیری حاصل کی اور گورنر کو اضطراب کی حالت میں ڈال دیا۔ قبل ازیں وہ اُسے شکست دے چکے تھے اور لیشوراج وغیرہ بہت سے قابل ذکر جنگ جوؤں کی جانیں لے چکے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ گورنر کی حکومت مانند پڑتی جا رہی تھی اس لئے اس نے آہستگی سے پیچھے ہٹ کر تارملک[۶۱۰] پر قبضہ کر لیا مگر اُس کے دشمن معہ اوچل کے اُس کے پیچھے پیچھے جا پہنچے۔ پھر بھی اُس نے ایک بہت بڑی سپاہ جمع کر کے اُنکے تیز حملوں کا مقابلہ کیا جو مشرقی آندھی کی مانند تھے جو اوچل روپی بادل سے پیدا ہوئی تھی اور جس نے کلپ کے خاتمہ پر دنیا میں تباہی پھیلانی تھی۔ اب دونوں فوجیں فتح کے لئے یکساں جدوجہد اس طرح کرتی تھیں جیسے دو ہاتھی ایک ہتھنی کے لئے کرتے ہیں۔ اتنے میں اوچل کے ماموں انند نے ڈامروں کو جمع کر کے

کے لوگوں کے طبیب ہونے کا ذکر اور کہیں نہیں آتا۔ طبیب کے لئے اصلی کتاب میں لفظ وید استعمال کیا گیا ہے جسے ایک ٹیکا کار کی کتاب میں اصلاح کر کے کسی اور شخص نے لفظ ویش کر دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ ویش فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔

[۶۱۰] ہر چند کہ تارملک کا ذکر ترنگ ۷ کے شلوک ۱۳۳۹ - ۱۳۵۹ اور ترنگ ۸ کے شلوک ۲۹۳۸ - ۲۹۵۸ - ۳۰۹۷ اور ۳۱۲۴ میں آتا ہے۔ تاہم اس کی مقامیت کا اندازاً بھی کوئی پتہ نہیں چل سکا۔ سٹائن صاحب نے اس بارہ میں کمراز میں تحقیقات کی لیکن کوئی مقامی نام اس قسم کا معلوم نہ ہو سکا جسے تارملک سے منسوب کیا جا سکے۔

مدوراج میں بغاوت پیدا کر دی۔ ان مشکلات میں بے شمار ڈامر تمام علاقوں سے اس طرح نکل آئے جیسے برف پگلتی ہے تو شہد کی مکھیاں زمین کے سوراخوں سے نکل آتی ہیں۔ اُس زمانے میں بدنصیب راجہ کی فوج کا کمانڈر انچیف اور دوار پتی مہاتما سہیل نامی کایستھ تھا اور یہ ایک بڑی بات تھی کہ گو آنند نے اس پر کئی حملے کئے تاہم سہیل نے مدوراج کو نہیں چھوڑا۔ اس پر اوچل نے عجیب وغریب پھرتی کا اظہار کرکے بہت بڑی فوج تیار کر لی اور گورنر کو معہ اس کی فوج کے لڑائی میں محصور کر لیا۔ ہم نہیں جانتے یہ کیونکر ہوا کہ گو سپاہیوں کے پاس تلواریں گھوڑے اور زرہ تھیں تاہم وہ زیر حراست ہو گئے۔ جب وہ اعلیٰ صفت گورنر اس طرح پر گرفتار ہو گیا تو اب اُسے صرف اسی بات کا خیال تھا کہ میرے آقا کو کس طرح مدد دی جاسکتی ہے۔ عزت دار آدمیوں میں مرتے دم تک آقا کی وفاداری میں تبدیلی پیدا نہیں ہوتی پس اس نے اوچل کو ترغیب دی کہ جلد شہر کی طرف روانہ ہو اور ساتھ ہی اُسے کہا کہ اس کے بعد تجھے دوسرا موقعہ نہ مل سکیگا۔ جس وقت اوچل نے کوچ شروع کیا تو آنند نے شہروں قصبوں وغیرہ کو اوچل کی مختلف فوجوں سے اس خیال سے لٹوا دیا کہ ایسی باتوں سے اُس کے نام پر بٹہ لگ سکے گا۔

اوچل پرہاس پور میں } اب آنند اُسے پرہاس پور[۶۱۱] پر قبضہ کرنے کے لئے لے گیا جہاں سے اُس کا نکلنا اس وجہ سے مشکل

---

۶۱۱ اس جگہ پرہاس پور کی مقامیت کی جو کیفیت دی گئی ہے وہ بالکل ٹھیک ہے اور دریا پرس پور کی سطح مرتفع جس پر پرہاس پور کے کھنڈرات واقعہ ہیں اس کے تمام پہلوؤں پر سیدھی ڈھلوانیں واقع ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دلدل جو سوائے جنوب کے اس کے تمام اطراف میں پھیلے ہوئے ہیں زمانہ قدیم میں نہایت وسیع ہوا کرتے تھے۔

تھا کہ عمودی ڈھلوان مقامات تھے اور ارد گرد پانی جمع تھا۔ وہاں اس نے اپنے لوگوں کو اس بات کی ترغیب دی کہ بوقت شب اوچل اور میں جس حصہ مکان میں سوتے ہیں اُسے آگ لگا دینا لیکن اُس کا لحاظ کر کے لوگوں نے ایسا نہ کیا بھلا وہ شخص کیا کچھ نہیں کر سکتا جو اپنی شخصیت تک کی پرواہ نہیں کرتا ! ہاں ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ اس کا جسم اور من دونوں الوالعزمانہ ہوں بزدل کچھوے کے جسم پر اس قسم کی کھال ہوتی ہے جس کے اندر کوئی چیز داخل نہیں ہو سکتی اور اس سے اُس کا جسم محفوظ رہتا ہے۔ لیکن بہادر اور معرکے کے کام کرنے والا شیر ہمیشہ غیر محفوظ حالت میں رہتا ہے۔ اُس قسام ازل کو شرم آنی چاہئے جو کمینوں کے لئے اس قسم کی طرفداری کا اظہار کرتا ہے اور بہادروں کے جسم کو ہر طرف سے کمزور بنائے رکھتا ہے۔ اب انند نے راجہ کو کہلا بھیجا کہ میں اُسے گھسیٹ کر لے آیا ہوں اور گیدڑ کی طرح تمہارے سامنے ڈال دیا ہے اب جلد آکر اُسے پکڑ لو۔ اس پر راجہ بے شمار سپاہ اور والیان ریاست کو ہمراہ لیکر اس ارادے سے شہر سے روانہ ہوا کہ آج موت ہے یا فتح۔ چونکہ اس کی اپنی جان خطرے میں تھی اس لئے اُس نے سب لوگوں کو معافی دینے کی منادی کروادی اور تمام اہل شہر اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئے۔ راجہ کے ہمراہیوں نے جو اچھی نسل کے گھوڑوں پر سوار تھے چشم زدن میں یہ فاصلہ طے کر لیا۔ اور دشمن کی فوج کو جو بھرت سیتو میں پہنچ چکی تھی شکست فاش دی۔ جبکہ راجہ کی فوج ایک مضطرب سمندر کی مانند چڑھتی آرہی تھی گورنر نے دشمن کی فوج میں گھس کر اُسے تباہ کر دیا۔

ان کی موجودہ حالت اس قسم کی ہے کہ موسم بہار یا ابتدائے گرما میں اُس جگہ فوجی کارروائیاں کرنے میں سخت مشکلات پیش آتی ہیں۔

اوچل کی شکست جب اوچل کی جمعیت اس طرح پر منتشر ہو گئی تو چند تیز رو ڈامر فرار ہو گئے اور بعض جو تھکے ماندے تھے راج دہا میں پناہ گزین ہوئے۔ ایک ڈامر ترل سین نامی کو دشمنوں نے دہار میں داخل ہوتے دیکھ کر خیال کیا کہ وہ اوچل ہے اور دہار کو آگ لگا دی۔ بہادر اوچل کو جو عرصہ دراز تک درشن پال کے ماموں سومپال کے ساتھ دشمن کے سواروں کے درمیان لڑتا رہا تھا جنک چندر اور چند اور لوگ بمشکل اس بات پر رضامند کر سکے کہ میدان جنگ کو چھوڑ کر پرہاس پور کو چلا جائے کیونکہ اس جگہ اب اُس کے لئے موت کا سامنا تھا جس پر وہ موضع گوری کا بال کے قریب دریائے وتشٹا کو اپنے گھوڑے سمیت عبور کر کے معہ ڈامروں کے تار ملک کو چلا گیا۔

اس محدود فتح کے نشہ میں سرشار ہو کر راجہ اُس جواری کی مانند جو تھوڑا سا جیت کر بہت خوش ہو جاتا ہے دارالسلطنت کو واپس آیا اور گورنر آنند کی بہت کچھ تعریفیں کرنے لگا۔ اپنے مخالف کو زندہ جانتے ہوئے بھی اس نے چونکہ تعاقب نہ کیا اس لئے ڈامروں کو باوجود شکست کھانے کے بھی حوصلہ ہو گیا اوچل نے پختہ ارادہ کر کے ماہ جیٹھ میں دوبارہ اس بات کی کوشش کی کہ جو لوگ منتشر ہو چکے تھے انہیں دوبارہ جمع کیا جائے۔ چونکہ اس بہادر راجہ کا دست اُس کا اپنا بازو تھا اور وہ دوسروں پر انحصار رکھتا تھا اس لئے قحط کے دوران میں اس قسم کی کوشش کرنے سے اُسے بہت سی مشکلات پیش آئیں۔

پرہاس کیشو کی مورتی کی تباہی راجہ نے پرہاس کیشو[۶۱۲] نامی وشنو کی شاندار مورتی توڑ وا کر اٹھوا لی بجائیکہ

۶۱۲ کلہن کا اشارہ پرہاس کیشو کی اُس مورتی کی طرف ہے جو للتا دتیہ نے پرہاس پور میں استھاپن کی تھی جیسا کہ ترنگ ۴ کے شلوک ۲۰۲ میں آچکا ہے اس مورتی میں ۸۴ ہزار

ان ایام قحط میں اوچل نے اس وقت بھی اسے محفوظ رکھا تھا جبکہ وہ بالکل محتاج ہو چکا تھا۔ اس مورتی کے توڑے جانے کے بعد آسمان اور زمین پر اس قسم کا غبار چھا گیا جیسے کبوتروں کے پروں کی رنگت ہوتی ہے اور یہ حالت ہرش کے مرنے کے وقت تک رہی۔ لوگوں میں عام طور پر روایت پھیلی ہوئی تھی کہ اس مورتی کے استھاپن کرنے سے پہلے اس ملک میں دن کے وقت بھی تاریکی ہوا کرتی تھی لیکن پرہاس کیشو کی مورتی استھاپن ہونے کے بعد یہ بات نہ رہی تھی کیونکہ اس کی چاندی سے دن کی روشنی پیدا ہوتی تھی۔ چنانچہ اُس مورتی کو توڑنے کے بعد ڈیڑھ ماہ تک پھر وہی حالت رہنے لگی۔ جبکہ راجہ نے ذرا دم لیا اور اُس کے دشمن کی دلیری ذرا کم ہوئی تو اتنے میں شورپور کی طرف سے سُسل نمودار ہو گیا

پل چاندی تھی جس کا وزن بقدر ۳ لاکھ ۳۶ ہزار تولک (تولہ) ہوتا ہے۔ ہرش کے زمانہ میں اس قدر چاندی کی جو قیمت ہو سکتی ہے اس کا ٹھیک طور پر اندازہ نہیں کیا جا سکتا لیکن بہرنوع اس کی قیمت موجودہ نرخ کی نسبت زیادہ ہوگی۔

۶۱۳ اس عجیب اور کسی قدر پیچیدہ شلوک میں کلھن ایک قدرتی ظہور کی طرف اشارہ کرتا ہے جو ہرش کے عہد حکومت میں ۱۱۰۰ء سے ۱۱۰۱ء تک موجود رہا اور جسے پرہاس کیشو کی مورتی کی تباہی سے منسوب کیا جاتا تھا۔ اس عجیب اتفاق ہی کی وجہ سے ممکن ہے کہ یہ روایت مشہور ہو گئی ہو کہ یہ عظیم الشان چاندی کی مورتی ابتدا میں کسی ایسے ہی ظہور کو دور کرنے کے لئے کھڑی کی گئی تھی۔

ہرش کے زمانہ میں اس ظہور کے واقعہ ہونے کے متعلق کلھن کے بیان سے ہمیں دو باتیں ملتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ کبوتر کے رنگ جیسی خاک کرہ ہوائی میں مورتی کو توڑنے کے وقت سے لیکر یعنی ماہ جیٹھ مطابق ۲۷ اپریل تا ۲۶ مئی کے بعد اور ۹ شدی ساون مطابق ۱۰ جولائی ۱۱۰۱ء (سمت ۷۶ء) سے پہلے شروع ہو کر ہرش کی موت کے وقت تک

کیونکہ جب وہ اوناہ[۶۱۴] میں ٹھہرا ہوا تھا تو اُس کے باپ نے اُسے ایک سخت چٹھی لکھ کر اور اُس چٹھی میں اُس کے بڑے بھائی کی تعریف کر کے اُسے بیدار کیا تھا۔

جب راجہ کلہس نے اُسے چند گھوڑے پیش کئے تو وہ (بطور شکر گذاری) چند روز اُس کے پاس ٹھہرا رہا اور اس اثنا میں اس نے راجہ ہرش کے خیال کو ملتوی کر رکھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے کام میں تاخیر واقعہ ہوئی۔ ہر چند کہ وہ بعد ازاں ایک خونخوار جد و جہد میں مصروف رہا تاہم اول سے آخر تک

جو شدی بھادوں سمت ۴۱۷۶ مطابق ۳۰ اگست سنہ ۱۱۰۰ء میں واقع ہوئی قائم رہی تھی۔ دوسری بات یہ ہے کہ مورتی کو توڑنے کے بعد ڈیڑھ ماہ تک تاریکی رہی تھی۔

ان دونوں واقعات کو مدنظر رکھا جائے تو یہ خیال قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ یہ ظہور محض کرہ ہوائی کی خاک کی ایک حالت تھی جو نہایت نمایاں طور پر عرصہ ڈیڑھ ماہ تک اوائل موسم گرما سنہ ۱۱۰۰ء سے شروع ہو کر سال آئندہ کے موسم گرما تک کم و بیش قائم رہی۔

یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ ترنگ ۴ کے شلوک ۱۹۴ تا ۲۰۶ میں گو پریہاس پورہ میں للتادتیہ کے بہت سی مورتیاں اور مندر قائم کرنے کا ذکر آیا ہے تاہم وہاں اس حالت کے پہلے سے موجود ہونے کا اشارتاً بھی ذکر نہیں کیا گیا۔ اس موقعہ پر بھی طرز بیان نہایت محتاط رکھا گیا ہے جس سے ہمارے خیال کی مزید تصدیق ہوتی ہے۔

[۶۱۴] ایک ٹیکا کار کے خیال میں اوناہ سے مراد پودو یا دگرام سے ہے جو جنگل یاد پادن کے نام سے ہورپور سے بانچ میل کے فاصلے پر اُس جگہ واقعہ ہے جہاں ہیدپور اور سداؤ کی سڑکیں ایک دوسرے سے الگ ہوتی ہیں پیمائش کے بڑے نقشے میں اس جگہ کا نام ٹھیک طور پر پدپون لکھا ہے لیکن ترنگ ۸ کے شلوک ۲۰۲۳ میں اوناہ کا ذکر جس لحاظ سے آیا ہے اس سے یہ خیال مشتبہ ہو جاتا ہے۔

اس چالبازانہ تے بہت کچھ اخلاق کا اظہار کیا جس سے دشمن کو دھوکا ہو گیا۔ کمانیر پاننکیہ کو لڑائی میں شکست دیکر اس نے شور پور کی چوکی میں فتح اور مال و دولت حاصل کی۔ اس طرح پر جو دولت اُس کے ہاتھ لگی اس کی وجہ سے اس قسمت کے برگزیدہ شخص نے ہر وقت اپنے عجیب و غریب اثر کا اظہار شروع کیا اس پر راجہ نے اوچل کی پرواہ نہ کرتے ہوئے گورنر پت اور دوسروں کو سُسل کے مقابلہ پر جس کی حرکات بہت تیز تھیں روانہ کیا۔ مگر بہادر راجکمار سُسل نے ان فوجوں کو شور پور کے مقام پر شکست فاش دی۔ بہت سے لوگ تو پانی میں غرق ہو گئے اور بہتوں کا خاتمہ وترنی ندی[۶۱۶] کے پانی میں ہوا۔

شور پور میں سُسل کی فتح

فتح کی دیوی نے حیران ہو کر بہادر درشن پال کے جسم کو نہ چھوا کیونکہ وہ اپنے آقا کے ساتھ

---

۶۱۵ معلوم ہوتا ہے کہ سُسل نے اپنے استعمال کے لئے سور پور کے دفتر خونگی کا روپیہ لے لیا تھا۔ دیکھو سری ور کی راج ترنگنی ترنگ اشلوک ۲۰۸۔ راج ترنگنی ہذا ترنگ ۸ شلوک ۲۰۱۰ اور شک اور پرجیا بھٹ کی راج ترنگنی شلوک ۲۵۸۔

۶۱۶ وترنی ندی وہ ہے جسے یم لوک میں جاتے وقت عبور کرنا پڑتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نام اُن ندیوں میں سے ایک کے لئے بھی استعمال کیا جاتا تھا جو جیشور سے اوپر وتستا کے ساتھ جا ملتی ہیں۔ لیکن نیل مت پوران کے شلوک ۱۳۱۹ اور مختلف مہاتموں۔ وتستا مہاتم۔ گنگو دبھید مہاتم۔ کدار مہاتم وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شناخت درست نہیں سور پور کے قریب واحد دریا ریمبیا ریار منیہ توی ہے اور یہ بات عجیب ہے۔ کہ جیشور بر دہتوں کی جو روایت سٹائن صاحب کو اس جگہ کے پنڈت داسو بھو یونے سنائی تھی اس میں وترنی کا نام ریمبیار کے اُس حصہ کے لئے استعمال ہوا تھا جو سوپین کے نیچے اور اس کے قریب واقعہ ہے۔

وفادار نہ رہا تھا۔ اس سے اگلے روز مفرور فوجیں جو جان بچا کر بھاگی تھیں سہیل کے پاس جو لوک پنیہ میں قیام پذیر تھا چلی گئیں۔ سہیل کو سُسل کے حملے کا اسقدر خوف تھا گویا دنیا کا خاتمہ قریب ہو۔ اس لئے وہ مختلف مغلوب فوجوں کو لیکر شہر کی طرف روانہ ہوا جب سسل کی آمد سے راجہ اس طرح بحالت اضطراب رہ گیا تو اوچل جو تار ملک میں موجود تھا اور بھی مستحکم ہو گیا۔ ڈامر چونکہ زیادہ تر پیادہ تھے اس لئے انہیں راجہ کے رسالے کی طرف سے بہت کچھ خوف لگا ہوا تھا۔ جسے وہاں تک لہر کی مشکل پہاڑی سڑک کے راستے پہنچایا گیا تھا اب راجہ نے اودے راج کو دوارپتی مقرر کر کے دوبارہ لہر کے گورنر کو اوچل کے ساتھ لڑنے بھیجا۔ جب مل کے بیٹوں کا ماموں پدم پور میں پہنچ گیا تو خائف وزرا میں سے کوئی بھی راجہ سے فوج کی خاص کمان لینا منظور نہ کرتا تھا لیکن جب راجہ نے مایوس ہو کر پوچھا کیا اب کوئی میرا حامی ہے؟ چندر راج نے اُس کے ہاتھ سے عہدے کا ہار (ادھی کارسرج ۶۱۷) لے لیا۔ یہ شخص مشہور و معروف جندو راج اور اُن لوگوں کی نسل سے تھا جنھوں نے چارپائی پر مرنا گوارا نہ کیا تھا اس لئے اس نے بھی اپنے شریفانہ چال چلن کا اظہار کیا۔ درونا کے بیٹے (اسوتھامان) کی طرح فوج کی کمان اس کے سپرد ایک نازک موقعہ پر کی گئی تھی چنانچہ اس نے کوچ کر کے اُس مخالف جماعت کو پدم پور سے پیچھے ہٹا دیا۔ رفتہ رفتہ وہ علاقے پر قابض ہوتا گیا حتے کہ ۹ شدی ساون کو اس نے اونتی پور کے اندر دشمن کے جرنیل کو قتل کر ڈالا۔ آخر الذکر اپنی فوجوں سے

---

۶۱۷ اس لفظ کی تشریح جو نراج نے سری کنٹھ چرت کے ٹیکا ادھیائے ۳ شلوک ۵۰ میں کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو نیا عہدہ دیا جاتا تھا انہیں پھولوں کا ایک ہار پہنا دیا جاتا تھا۔

الگ ہو کر جو گوردھن دھر میں ۶۱۸ لڑ رہی تھیں موچند ہمراہیوں کے راگ سننے میں محو تھا کہ دشمن کا رسالہ دریائے وتستا کے کنارے کے پاس والی سڑک پر ٹوٹ پڑا اور اُسے یکایک قتل کر ڈالا۔ جو لوگ لاپرواہ ہیں وہ کیونکر خوش قسمت ہو سکتے ہیں؟ جب راجہ نے دشمن کے جرنیل کا سر جو چندر راج نے بھیجا تھا دیکھا تو اس نے اس خیال سے کہ قسمت کی مہربانی ہے نئے سرے سے فتح کی امید لگانی شروع کی۔ قسمت جس وقت نفرت کرتی ہوئی پرے ہٹتی ہے تو مہربانی سے اپنے واپس آنے کا اس طرح دھوکا پیدا کر دیتی ہے جس طرح شیر پرے ہٹتا ہوا پیچھے کو دیکھتا جاتا ہے۔

اب چندر راج جس کی کوششیں پھرتی کا اظہار کرتی تھیں فوجیں جمع کر کے وجے کشتیر کو روانہ ہوا۔ اس وقت اُس کے ہمراہ فوج کے اٹھارہ حصے تھے ابتدا میں خالق نے ایک ہوشیار ڈنڈی بردار کی طرح دونوں فوجوں کی یکسانیت میں دو پلڑوں کی طرح فرق نہ آنے دیا۔ مگر تیسرے روز گورنر کی فوج لہر کو بھاگ گئی جس کی وجہ بے وقت بارش تھی۔ سپاہیوں نے جو سرد ہوا سے کانپتے اور کھیتوں کی کیاریوں میں گرتے جا رہے تھے بیکس جانوروں کی طرح اپنے گھوڑے تلواریں۔ زرہ اور دوسرا سامان جنگ یکدم چھوڑ دیا۔ اس کے بعد جنگ چندر

۶۱۸ گوردھن دھر کی مقامیت نامعلوم ہے اس نام کا جو مندر پرہاس پور میں واقعہ ہے یہاں غالباً اُس سے مراد نہیں ہو سکتی۔ پنڈت صاحب رام اپنی تیرتھ سنگرہ میں گوردھن نامی ایک ناگ کا ذکر کرتا ہے جو اننت ناگ کے قریب واقعہ ہے ممکن ہے یہاں اُسی سے مراد ہے۔

گنگود بھیہ مہاتم کے شلوک ۹۹ میں گوردھن دھرم دشنو کا ذکر کیا گیا ہے جسکی پوجا بھیہ ادیوی کے تیرتھ کے قریب ہوا کرتی تھی لیکن اس جگہ اور اونتی پور کے درمیان بہت بڑا فاصلہ ہے

اور دوسروں نے گورنر کو مروا ڈالا گوا وچل کا ارادہ مہربانی سے اُسے محفوظ رکھنے کا تھا۔ راجہ ہرش کے نوکروں میں عام طور پر دغا بازی اور بزدلی پائی جاتی تھی اور یہی ایک وزیر ایسا تھا جس نے اپنے جسم کو قربان کرکے عزت حاصل کی۔ یقیناً دیوشرمن اور دوسروں نے اسی کی ہمسری کرنے کی کوشش کی تھی۔ گو ممکن ہے کہ اس ترتیب کو منقلب کرنے کے متعلق کوئی مجھے بُرا ہی کیوں نہ کہے کون ہے جو اس بات کو یاد رکھتا ہوا کہ نتیجے کا دارومدار قسمت پر ہے لوگوں کی تباہی۔ دشمن کی صف جنگ میں اضطراب پیدا کرنے اور اُس کے ایسے ہی دوسرے کاموں کے لئے دیوشرمن کی تعریف نہ کریگا؟ کیا سمندر کی دوزخ جیسی تاریکی کو دور کرنے والا چاند موجود نہیں ہے؟ کیا اس سمندر کو ڈرانے کے لئے جو دریاؤں کو نگل جاتا ہے کال کوٹ کا زہر نہیں ہے؟ کیا سمندر کی تہ کی آگ کو بجھانے کے لئے دھنونتری موجود نہیں؟ ہر چند کہ سمندر کے یہ تمام خواص یک جا طور پر بے فائدہ ثابت ہوئے ہیں تاہم سمندر کو بیوقوف نہ خیال کرنا چاہئے۔ جو لوگ خیال کرتے ہیں کہ کامیابی کا دارومدار قسمت پر ہے وہ اس کی تعریف کرکے معاملات کی صداقت کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔

دیوشرمن کی ماں گنجا چتا میں جل مری اور اس طرح پر اس نے اپنے شریفانہ چال چلن کو اُن نیک عورتوں کے برابر ثابت کر دکھایا جن کے بطن سے ایسے بیٹے پیدا ہوئے ہیں اور جن کی لوگ اس لئے تعریف کرتے ہیں کہ وہ پرماتما کی عبادت کرکے اعلےٰ درجہ حاصل کر چکے ہیں۔ جب کبھی راجہ اس کے بیٹے کو خطرناک کاموں پر بھیجا کرتا تھا تو وہ بچاری ماتا کی ماری اُس سے یہ کہا کرتی تھی مہاراج! میرے اکلوتے بیٹے کو کسی ایسے کام پر نہ لگایئے جس میں جان کا

خطرہ ہو کیونکہ اس کے سوائے میرا اور کوئی بچہ نہیں" مگر ایسے موقعوں پر راجہ ہمیشہ اُسے یہی جواب دیتا تھا "اے ماتا! جس طرح وہ تیرا واحد سہارا ہے جس کا اور کوئی بچہ نہیں ایسے ہی اس اعتبار سے وہ میرا واحد سہارا ہے جس کا اور کوئی (وفادار) نوکر نہیں"۔ راجہ کی زبانی اپنے بیٹے کی وفاداری کی یہ قدر سُنکر وہ نیک اور دلیر عورت اس اعلےٰ رتبے کو سمجھ چکی تھی جو اس کے بیٹے نے حاصل کر لیا تھا۔

اوچل کی رسم تاجپوشی اسی اثنا میں جب اوچل ہرن پور میں پہنچا تو اس جگہ کے برہمنوں نے اکٹھے ہو کر اُسے تاج پہنا دیا۔ جب یہ واقعات ظہور میں آرہے تھے وزرا نے راجہ کو جو بہت بے حوصلہ ہو چکا تھا یہ مشورہ دیا۔ "چونکہ تمام لوگ اب آپ کے دشمن ہیں اس لئے آپ کوہستان لوہر میں چلے جائیں۔ جب نئے فرمانروا کا اشتیاق لوگوں کے دل سے دور ہو جائیگا تو وہ آپ کو خود بخود بلالیں گے۔ یا آپ خود چند روز میں واپس آنے کے قابل ہو جائینگے" مگر اس نے جواب دیا۔ "میں فوراً ہی رنواس کی عورتوں۔ خزانے۔ تخت۔ اور دوسری قیمتی چیزوں کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا"۔ وزرا نے پھر عرض کی "معتبر نوکر گھوڑوں پر سوار ہو کر اپنی پیٹھ کے پیچھے خزانے اور رنواس کی عورتوں کو رکھ لینگے اور انہیں آپ کے پاس پہنچا دینگے جس تخت پر ایک سو پاک عورت کا عاشق (جگرورمن) بیٹھ چکا ہے اس پر اگر کوئی اور شخص بیٹھ جائے تو عزت میں کچھ فرق نہیں آتا"۔ مگر جب راجہ نے اُن پر یہ کہکر دباؤ ڈالا کہ اس معاملہ کو جانے دو اور مجھے کوئی اور نصیحت کرو تو وزیروں نے جواب دیا۔ جو راجہ کشتریوں کے اصولوں کے مطابق حکومت کرتے ہیں اور میدان جنگ میں موت کو باعث عزت سمجھتے ہیں وہ اس دنیا میں

اپنی فوج کو آرام نہیں لینے دیتے۔ کوشش نہ کرنا۔ غرور۔ خوف۔ دشمنوں میں نہیں بلکہ وزیروں میں اختلاف یہ اپنے دشمن ہیں جن سے راجاؤں کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ جو کاہل شخص اپنے کام کی نگرانی نہیں کرتا بلکہ اپنے نوکروں پر اعتبار کرتا ہے اُسے ہر قدم پر خطرہ پیش آتا ہے۔ واقعی اس کی حالت اس اندھے کی مانند ہے جو اپنی لاٹھی کے سہارے چلتا ہے۔ جو بیوقوف غرور میں اندھا ہو کر چھوٹے سے چھوٹے دشمن کے خلاف بھی اپنے آپ کو تیار نہیں رکھتا وہ جان بوجھ کر دشمن کو طاقت حاصل کرنے دیتا ہے۔ وقت پا کر اندر بھی ایک کیڑے تک گھٹ اور ایک کیڑا اندر تک بڑھ سکتا ہے اس لئے یہ خیال کرنا کہ فلاں طاقتور اور فلاں کمزور ہے ناواجب غرور میں داخل ہے جس کی تیاریاں مکمل ہوں وہ ایک فاتح کے اندر اضطراب پیدا کر سکتا ہے اور گو وہ اپنی تیاریوں کے لحاظ سے مکمل ہوتا ہم اُسے تباہ کر سکتا ہے۔ دولتمند اور مالدار لوگ بعض اوقات غریبوں یا اُن لوگوں کے جو دوسروں پر بھروسہ رکھتے ہیں حملوں میں آ جاتے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ اول الذکر مغلوب ہوئے اور آخر الذکر سے خائف تھے؟ یا کیا وجہ ہے کہ وہ اپنی طاقتیں ظاہر نہ کر سکتے تھے؟ جب تک وزیروں میں اختلاف رائے ہو کوئی کام سرانجام نہیں پا سکتا جیسے سراون پھیرنے میں ضروری ہوتا ہے کہ دونوں فریم یکے بعد دیگرے چلنے کی بجائے اکٹھے چلیں۔ اگر راجہ کے پاس ملک کی ساری دولت بھی موجود ہو لیکن اس کا دارومدار صرف امید پر ہو تو اُس کا دشمن جو محض کمزور ہو اس کی جان اور سلطنت لے سکتا ہے۔ جو دشمن کے پیچھے پیچھے جاتا ہے اور اُنہیں مقامات تک کوچ کرتا ہے جن پر دشمن حملہ کرے وہ کبھی فتح مند نہیں ہوتا۔ ممکن ہے قسمت مخالف ہو لیکن راجہ اگر جنگجوؤں سے گھرا ہوا

میدان جنگ میں کام آئے تو وہ شہرت حاصل کرلیتا ہے۔ صرف خوش قسمت لوگ ہی معرکے کے میدان میں کام آتے ہیں۔ اُن کی دلیری ظاہر ہو جاتی ہے۔ انکی شخصیت عزت کی مستحق ہوتی ہے اور ان کو تمام برکات حاصل ہو جاتی ہیں۔ میدان جنگ میں موت کو ایک شریفانہ کام سمجھ کر ہی کشتری لوگ جواریوں کی طرح بے خوف ہوتے تھے۔ جب راجہ نے اس نصیحت کو بھی ناپسند کیا اور خزینہ ہاپات کے لئے زور دینے لگا تو انھوں نے مایوس ہو کر حسب موقع اُسے تندی سے جواب دیا۔ "اپنی مشکلات میں آپ کو بھی اُت کرش کی طرح جان دیدینی چاہئے ورنہ ممکن ہے کہ آپ کو کوئی اس قسم کی بے عزتی برداشت کرنی پڑے جو آپ کے دشمنوں نے آپ کے لئے تجویز کر رکھی ہو۔" اسپر راجہ نے جواب دیا "میں خود تو اپنے آپ کو مار نہیں سکتا اس لئے جب کوئی مصیبت کا وقت آئے تو آپ لوگوں کو مجھے قتل کر دینا چاہئے۔" وزیروں کو راجہ کے ان الفاظ سے بہت دُکھ پہنچا کیونکہ وہ ایک کمینے آدمی کی طرح بزدل بن گیا تھا۔ انہوں نے اپنی آنکھوں میں آنسو بھر کر اُسے بدیں الفاظ مخاطب کیا۔ "اگر ہم قسمت کے ہاتھوں طاقت سے محروم ہو کر اس خطرے کو رفع نہیں کر سکتے تو ہمارے ہتھیار اس قسم کا فعل بھی کیونکر کر سکیں گے؟" واقعی وہ مشیر جنہیں راجہ بقدر چاہتا تھا حیوان بصورت انسان ہونگے کیونکہ جب وہ اس قسم کی قابل رحم حالت میں پہنچ چکا تھا تو انہوں نے اُس کی مصیبت کو رفع نہ کیا۔ ایسے موقعوں پر نوکروں کی طرف سے کمزوری کا جو اظہار ہوتا ہے اس پر دھتکار ہے۔ جبکہ کامیابی محض اس جسم کی قربانی سے حاصل ہو سکتی ہے جو یگوں کے اخیر تک بھی زندہ رہے تو آخر اس کا زوال پذیر ہونا لازم ہے تو کون شخص اُس سے زیادہ کمینہ ہو سکتا ہے جو مرد ہوتا ہوا آقا کی اُس محبت کو بھلا دیتا ہے جس کی یاد عورتوں کو چتا میں

داخل ہونے کے قابل بنا دیتی ہے۔ جو لوگ اپنے مالک کے غم۔ اندیشے مصیبت اور تکلیف کو محض ایک ایکٹر کے افعال کے برابر سمجھتے ہیں وہ حقیقت میں اس پرتھوی کو ناپاک کرتے ہیں بحالیکہ اس میں بہت سے مقدس مقامات موجود ہیں۔ اگر کوئی آدمی اپنے بیٹے کو بھوکوں مرتا دیکھے۔ اس بات پر مجبور ہو کہ اپنی بیوی کو کسی دوسرے شخص کے گھر میں بھیجدے۔ اُس کے بہترین دوست مصیبت میں ہوں۔ اس کی گائے کو چارہ اور آرام نہ ملنے سے تکلیف ہو اور وہ تکلیف سے کراہ رہی ہو۔ اُس کے والدین بیمار اور قریب المرگ ہوں۔ اُس کے آقا پر دشمن غالب آچکا ہو تو ان سے بڑھ کر دوزخ میں بھی اُسے تکلیف نہیں پہنچ سکتی۔ راجہ نے جو باوجود برائیوں میں پڑنے کے بہت سے اچھے کام کر چکا تھا پھر ان حیوان صفت آدمیوں کو مخاطب کیا اور کہنے لگا۔ "میں جانتا ہوں اور کوئی شخص اس قسم کے وسیع مقاصد کو مدنظر رکھ کر حکومت نہ کریگا جیسے کہ میں کچھ عرصہ سے کر رہا ہوں۔ یہ کہاوت کہ موت اور خوش قسمتی راجاؤں کے لبوں پر ہوتے ہیں اس کلجگ میں مجھ ہی پر صادق آتی تھی۔ جب قسمت کی پیروی رودر۔ اوپیندر (وشنو) اور عظیم الشان اندر کو بھی کرنی پڑتی ہے تو پھر ایک فانی انسان کو کیا غم ہوسکتا ہے؟ مجھے تو صرف اس بات سے دُکھ پہنچتا ہے کہ یہ ملک ایک باعصمت عورت کی طرح رہ کر ایک فاحشہ عورت کی مانند گستاخوں کے قبضہ میں آنے والا ہے۔ آئندہ یہ حال ہوگا کہ اس سلطنت کی طاقت چونکہ زائل ہو چکی ہے اس لئے جو شخص محض سازش سے کامیاب ہونا جانتا ہوگا اس کا خواہشمند بن جایا کریگا۔ بزدل جن کی کامیابی کا دن آگیا ہے یہ بات دیکھ کر نخوت کے ساتھ ہنسیں گے کہ جو کام مینے فوق الفطرت کوشش کے ساتھ کیا وہ

بے فائدہ ہی ثابت ہوا ہے۔ لوگ اگر کسی کام کی کامیابی کو دیکھ لیں تو وہ اس پر اعتراض نہیں کرتے کیونکہ انہیں اس بات کا خیال نہیں ہوتا کہ متعلقہ حالات میں اس کا کیا جانا درست تھا یا غیر درست۔ چونکہ سمندر کے بلوئے جانیکا کام ہو چکا ہے۔ تو اب کیا کوئی بلونے والے پہاڑ (مندر ادری) کو اُن ناواجب حالتوں کے متعلق جو اس کام میں پیش آئیں قابل الزام ٹھہراتا ہے یعنی یہ کہ وہ جس نے پہاڑوں کے پر کترے تھے (اندر) اور جو حقیقت میں دشمن تھا وہ اس موقعہ پر معاون بنا اور وہ جس کا لعاب موت کا باعث ثابت ہوتا ہے (واسکی ناگ) اُسے بلونے کی رسی بنایا گیا۔ میرے اضطراب کا باعث یہ ہوا ہے کہ لوگوں کو خوشحال بنانے کے لئے ہر چند کہ میں مختلف علوم سے ماہر تھا تاہم میں نے محض دولت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اوچل جسکی قابلیت کو انگلی کی نوک پر جمع کیا جا سکتا ہے وہ بھی اپنے سیاہ دانت نکال کر میرے کاموں پر ہنسی اڑائے گا۔ پس میں اب جبکہ بیکسی کی حالت میں ہو گیا ہوں اس بے عزتی کی وجہ سے موت کا طلبگار رہوں کسی اندیشے کی وجہ سے نہیں۔ اور اس طرح پر اپنے آپ کو صحیح النسل ثابت کرنا چاہتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ اُس شہرت کو برقرار رکھوں جو مجھے حاصل ہے۔ کیونکہ اُس صورت میں لوگ یہ کہیں گے ”اگر اُس کے اپنے آدمی اُسے نہ مار ڈالتے تو اُس کا ملک کون اُس سے چھین سکتا تھا“۔ ایک موقعہ پر راجہ نکتا پیڈ جو راجاؤں کا سرتاج تھا دشمنوں کے نرغے میں پھنس گیا اور اس کی حالت نہایت نازک ہو گئی جبکہ وہ مع اپنے چند ہمراہیوں کے مختلف راستوں پر اپنی فوجوں کو چھپا کر شمالی علاقے کی طرف کوچ کر رہا تھا دشمن نے اُسے ایک مشکل راستہ میں روک لیا۔

راجا مکتاپیڈ کی موت کا قصہ چونکہ اُس کے پاس سامان خوردنی کم ہوگیا تھا اور وہ سخت مایوسی کی حالت میں تھا اس لئے غنیم یعنی راجہ سلیہ نے جس کے پاس آٹھ لاکھ گھوڑے تھے اُسے گرفتار کرنے کا ارادہ کر لیا۔ راجہ اس خیال سے کہ عہد و پیمان یا دوسری اسی قسم کی باتوں سے کچھ کام نہیں نکل سکتا نہایت بے حوصلہ ہوگیا۔ آخرکار اس نے وزیر اعظم بھوسوامن سے پوچھا کہ اس موقعہ پر کیا کرنا چاہئے۔ چونکہ وزیر کو بھی یقین تھا کہ اس مصیبت کو رفع نہیں کیا جا سکتا اس لئے اس موقعہ پر کوئی مناسب کاروائی کرنے کی ضرورت کو تسلیم کرتے ہوئے اس نے جواب دیا جو لوگ شہرت کی خواہش رکھتے ہیں وہ فرض کے راستہ پر چلتے اور اپنی قوت فیصلہ کو برقرار رکھتے ہیں۔ جو اپنے فرض کو سمجھتے ہیں وہ اپنی شہرت کو قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کے بعد حصول سلطنت خود بخود ظہور میں آجاتا ہے۔ جب جسم تلف ہو جاتا ہے اور اس کی راکھ بن جاتی ہے۔ تو انسان صرف اپنی شہرت کی وجہ سے ہی یاد رہتا ہے۔ جس طرح کافور کو اسکی خوشبو سے جانا جاتا ہے اسی طرح زندگی ختم ہو جانے پر بھی مشہور آدمی کا نام اُن لوگوں کی زبانوں پر رہتا ہے جو اُس کی تعریف کرتے ہیں۔ مشہور ہونا گویا زمانہ (کلپ) کے اخیر تک زندہ رہنا ہے کیونکہ شہرت میں کسی قسم کی کمی واقعہ نہیں ہوتی۔ سمجھدار لوگ اس وقت روپیہ کا خیال نہیں کرتے جب دشمن دولت اور طاقت کو لوٹنے کی کوشش کرتا ہے۔ بر ہما اکثر اعلےٰ درجے کے لوگوں کو بے عزت کرتا ہے۔ جس کنول پھول سے وہ پیدا ہوا تھا اُسی کو ہاتھی کے ذریعے توڑوا دیتا ہے۔ اور چنڈال (گرہن) کے ذریعے چاند کی بے ادبی کرتا ہے۔ جو لوگ اپنی شہرت کو ایسے معاملات سے جو عزت کو بگاڑ کر کسی شخص کو یکا یک

ذلیل کر دیتے ہیں بچا سکتے ہیں وہ یقیناً خوش قسمت ہیں۔ بید جو پہاڑ پر اُگتا ہے بانس کے ساتھ چمٹا رہتا ہے اور اپنی عزت کو برقرار رکھنے کے لئے جنگل کو آگ لگا دیتا ہے اُسے ذلیل کرنے کے لئے راجہ اپنے دربانوں کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں۔ اے راجہ! اس بات کو تسلیم کرتے ہوئے کہ وہ خوشیاں جنہیں تم اب تک بھوگتے رہے ہو اب بالکل زائل ہو گئی ہیں۔ وقت آگیا ہے کہ کوشش کر کے آپ اپنی عزت کو برقرار رکھیں۔ اے راجہ! تم اس بات کا بہانہ کرو کہ یکایک تم اُس جلدی سے اثر کرنے والے مرض ڈنڈ کا لسک (فالج) میں مبتلا ہو گئے ہو اس کے بعد کل میں تمہیں بتاؤں گا کہ اس مصیبت کو کیونکر دور کیا جا سکتا ہے۔"

"اتنا کہکر وزیر اعظم اپنے مقام رہائش کو چلا گیا۔ اب راجہ نے ڈنڈ کا لسک بیماری کا بہانہ کیا۔ اور آنکھوں کو بے حرکت کر کے ادھر ادھر لٹکنے اور ایک فاترالعقل شخص کی طرح چلانے لگا۔ جب پسینہ آنے۔ مالش کرنے سے قے لانے اور دوسرے علاجوں سے بھی اُسے کچھ افاقہ نہ ہوا تو لوگوں نے خیال کیا کہ وہ مرنے لگا ہے۔ اس پر وزیر نے اس بات کا اعلان کر دیا کہ میرا آقا قریب المرگ ہے اور اپنی وفاداری کا اظہار کرنے کے لئے پہلے خود جل مرا۔ راجہ نے اس بات کی تعریف کی کہ اس نے مناسب طور پر خود کٹھن عمل کر کے دکھا دیا جس کی نسبت وہ پہلے ذکر کر چکا تھا کہ سوائے اس کے کوئی اور طریقہ باقی نہیں رہا۔ اب وہ بہادر راجہ بھی یہ کہتا ہوا کہ میں اس بے حد تکلیف کو سہار نہیں سکتا جل مرا اور اس دانا حکمران نے اپنی جان دیکر دوسروں کے لئے نہیں بلکہ خود اپنی شہرت کی سیڑھیاں تیار کیں۔ اسی طرح پر مضبوط دل راجہ اُس بے عزتی کو دور کرنے میں جو قسمت پیش لائے اپنے ارادے یا کسی مشیر

کی نصیحت سے کامیاب ہوجاتے ہیں "

جب ہرش یہ الفاظ کہکر چپ ہوا تو وزیروں نے اُسے مشورہ دیا کہ اپنے بیٹے بھوج کو نسل باقی رکھنے کے لئے لوہر کو بھیج دے۔ لیکن جب کوئی مناسب لگن مقرر کرنے کے بعد راجکمار روانہ ہوچکا تو کوتوال کے دھوکے میں آکر اس نے اُسے پھر واپس بلا لیا۔ تباہی کے وقت مصیبت میں اس راجہ کی دانائی۔ دلیرانہ ارادے اور قوت فیصلہ سب باتیں یک بہ یک کافور ہوگئیں تھیں۔ خوش قسمتی کی بجلی۔ شان و شوکت کی سارس۔ دلیری کی گرج اور شہرت کی قوس قزح یہ سب قسمت کے بادل کے ساتھ ہی ساتھ رہتے ہیں۔ وہی راجہ جس کی نسبت خوش بختی کے زمانہ میں اس کی دانائی۔ دلیری اور دوسری صفات کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ اندر پر حملہ کر سکتا ہے سیاہ بختی کے وقت ایسا ناقابل بن جاتا ہے گویا وہ کوئی لولا۔ لنگڑا۔ بے وقوف اور اندھا ہو اور لوگ حیران ہونے لگتے ہیں کہ کیونکر یہ شخص زمین پر پاؤں رکھ سکا ہوگا۔

ہرش کے نوکروں کی ناراضگی جب تنتریں فوجوں کو دشمن کے مقابلہ کے لئے بھیجا گیا تو انہوں نے کوچ کا خرچ مانگنا شروع کیا گو وہ شہر کے اندر ہی رہے۔ راجہ کے تمام نوکر اُس کے مخالف رشتہ داروں کے پاس چلے گئے اور وہ جو چند ایک باقی رہ گئے اُنکے بھی جسم ہی باقی تھے۔ من وہاں موجود نہ تھا۔ دو تین ایسے تھے جو دشمن کے ساتھ شریک ہونا نہ چاہتے تھے لیکن ہم کیوں ان کی تعریف کریں جب ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے عورتوں کی طرح اپنی جانیں دیدیں۔ رقاصہ کانشرہ وتی کے خاندان کی ایک ناچنے والی نے کسی نامعلوم نسل کی ایک لڑکی جے متی نامی کو گود میں لے لیا تھا۔ آخرالذکر اپنی عصمت کو زائل کر کے اب جوانی کی حالت میں اچل

کی مدخولہ تھی اور بعد میں وہ روپے کے لالچ میں آکر گورنر آتند کی آشنا بن گئی جب وہ مرگیا تو وہ بیشرمی سے پھر اوچل کے پاس چلی گئی۔ اسی عورت کو قسمت نے اوچل کی پٹ رانی بنانا تھا۔ شاہی نوکر جمع ہو کر بے کھٹکے اوچل کا ذکر کیا کرتے تھے۔ خواہ راجہ انہیں دیکھتا بھی ہو۔ ہر ایک سپاہی جسے حریص لوگ (دشمن) اپنا ذریعہ بنا سکتے تھے جو میدان جنگ میں بلند آواز سے لیڈروں کی حرص اور بے عزتی کے متعلق گفتگو کر کے لوگوں کی دلیری دور کر سکتا تھا۔ جو خود ناقابل ثابت ہو کر تکلیف دہ مذاق کی باتیں کرتا تھا جو راشن لیتے وقت کسی خاص حق کا مستحق بنکر دنگہ فساد کرنے لگتا تھا۔ جو اپنے آقا کی (اوچل) کی فیاضی کی عظمت پر بحث کرنے میں ماہر ہوتا تھا سپاہ میں بد اخلاقی پھیلاتا پھرتا تھا۔ راجہ نے جوسل کے خاندان سے نفرت رکھتا تھا سری لیکھا کے بھتیجے کے لئے وید منگل پر حملہ کروا کر اُسے مروادیا۔ اس کی بیوی جوسل کے بیٹوں کے ماموں کی بیٹی تھی اور اس کی ساس نے مکان کو آگ لگادی اور خود اس میں جل مریں۔

ل پر حملہ اس وقت شاہی شاہزادیوں نے راجہ سے یہ کہا "ل ایک کامل درجہ کا دھوکے باز ہے جو یم کی مانند خاموشی کے عہد اور دوسری ریاضتوں کے پردے میں اپنی تند طبیعت کو چھپا کر دربار میں بدامنی پھیلا رہا ہے۔ اس لئے بہ حیثیت ایک دشمن کے جو اپنے بیٹوں کو تخت پر بٹھانا چاہتا ہے اسے بے خوف مروا دیجئے"۔ ہرش خود حملہ کرنے بڑھا اور جبکہ وہ دروازے پر اس کی جان کا خواہشمند کھڑا تھا ل اُس کا منشا پورا کرنے کے لئے اُس کے روبرو گیا۔ وہ ایک مُنی کی سی زندگی بسر کرتا تھا اور اپنے باعزت چال چلن کے مطابق اس نے راجہ کا ساتھ چھوڑنے سے انکار کر دیا تھا گو آغاز بغاوت کے

وقت اُس کے بیٹوں نے اُسے ایسا کرنے کو کہا تھا۔ بہر نوع وہ مکان ہی پر رہا تھا۔ اور راجہ کو مطمئن کرنے کے لئے سلہن اور آئندہ راجگان (اوچل اور سُسّل) کے دو سوتیلے بھائیوں کو بطور یرغمال دے چکا تھا۔ یہ شخص جو ایک منی کی سی زندگی بسر کرتا رہا تھا اور بچپن ہی سے مقدس آگ کی پرستش کرتا تھا غصے میں آکر راجہ اس کا دشمن بن گیا۔ وہ پوجا کر رہا تھا کہ دشمنوں نے اُسے طلب کیا اور جب وہ لڑائی کے لئے باہر نکلا تو اُسی پوشاک میں چمک رہا تھا اُس نے زنار پہنا ہوا تھا۔ ہاتھ میں مالا تھی۔ اس کی انگلیوں میں کُشا (گھاس) کے انگشتانے پہنے ہوئے تھے۔ اس کی پیشانی پر راکھ کا جو نشان تھا اسکی وجہ سے وہ مُسکراتا ہوا دوسرا مجد اگنی (پرسرام) معلوم ہوتا تھا۔ موت کے ۶۱۹ وقت اُس کے سر پر متحرک بالوں کے بھیس میں پریاگ کا پانی تھا کیونکہ اُسکے بال نہلانے کی وجہ سے ابھی تک تر تھے اور کسی قدر سیاہ اور کسی قدر سفید تھے اُس کا ویرپٹا ایک معمولی پگڑی اور اس کی ڈھال چھتری کی مانند تھی۔ اُس نے اپنی تلوار کا پھل (اسی دھار) اس طرح پکڑا ہوا تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ دھارا تیرتھ کو جا رہا ہے۔ اور اس کی تلوار اس کا ڈنڈا معلوم ہوتی تھی۔ اُس کے چند نوکر جو اُس کے آگے آگے گئے سب سے پہلے اپسراؤں سے بغل گیر ہوئے کیونکہ ملازمت میں بھی انہیں کا درجہ سب سے بڑا تھا۔ دو برہمن ریاوت اور دیے نیر، باورچی خانے کا منتظم اور سپاہی سجک یہ اس کی لڑائی میں مر کر مشہور ہوئے۔ دربان اودے راج گو زخمی تھا اور اجک اپنی جان بچا کر بھاگ گئے کیونکہ اُن کا وقت ابھی پورا نہ ہوا تھا۔ ل نے جب دیکھا کہ ہر طرف سے

۶۱۹؎ چونکہ گنگا کا پانی سفید اور جمنا کا سیاہ خیال کیا جاتا ہے اس لئے ل کے سر کے سیاہ اور سفید بالوں کے ملاپ کو پریاگ سے تشبیہ دی گئی ہے۔

مخالف سپاہیوں کا تانتا بندھا ہوا ہے وہ بے خوف ہوکر انپر حملہ آور ہوا۔ اس کے بال بڑھاپے سے سفید ہوچکے تھے اور تلواروں اور ڈھالوں کے درمیان دوڑتے ہوئے اس طرح معلوم ہوتا تھا گویا شیول پودوں اور کنول پھولوں کے درمیان کوئی پرندہ ہے۔ تھوڑے عرصے میں وہ سینکڑوں تیز نوک والے تیروں سے زخمی ہوتا اور بھیشم کی مانند اپنے بہادرانہ پلنگ پر سوتا ہوا دیکھا گیا۔

مل کی موت } اس قسم کا راجہ کسقدر افسوس ناک نہ تھا جس نے خود خاتمے کے قریب ہوتے ہوئے مل کا سر کاٹ ڈالا اور غرور میں آکر اپنے گھوڑے کو اس کی پیٹھ پر سے گذارا!! مل کی بیوی [illegible] اور اس کی سالی ولیھا اپنے مکان کے قریب آگ جلاکر اس میں جل گئیں۔ آسمتی اور سہجا جو مل کی بہوئیں اور ساہن اور راہہ کی بیویاں اور علے الترتیب سلج اور اوکلیہ کی بیٹیاں تھیں وہ بھی جل مریں۔ ان کے علاوہ اس گھر کی عورتوں کی چھ نوکرانیاں جو ہر طرح آرام و آسائش کی زندگی بسر کرتی تھیں اسی چتا پر جل کر خاک ہوگئیں۔ یہ واقعہ دریائے وتسٹا کے بائیں کنارے پر ظہور میں آیا اور اس کا پانی اُس بڑے مکان کی آگ اور غم کے آنسوؤں سے گرم ہوگیا۔ آئندہ ہونے والے راجاؤں (اوچل و سُسل) کی ماں ننداجو شریف النسل تھی اپنے رنواس میں دریا کے دوسرے کنارے پر شوق سے ایک بلند چبوترے پر سے اپنے بیٹے کے کیمپوں کی طرف جن کے نشان شمال اور جنوب میں اُن کے باورچی خانے کی آگ کے دھوئیں سے بن گئے تھے۔ دیکھ رہی تھی۔ یہ نیک عورت اپنے گھر میں جل مری اور اُس کے ساتھ ہی اس کی دایہ چاندری بھی جس نے اُسے اپنے دودھ سے پرورش کیا تھا اور جو اُس پانی کو دیکھنا گوارا نہ کرسکتی

تھی جو اُس (ننما) کے مرنے پر چڑھایا جاتا تھا جل کر راکھ ہو گئی۔ تندلنے چتا پر چڑھنے سے پہلے جبکہ آگ کے شعلے ادھر ادھر سہیلیوں کی طرح اُس کے گلے مل رہے تھے راجہ کو یہ بد دعا دی۔ "اے میرے بیٹو! بہت جلد تم بھی اپنے باپ کے دشمن کے خاندان کے ساتھ وہی سلوک کروگے جو جمد اگنی کے بیٹے (پرسرام) نے کیا تھا۔"

ہر چند کہ راجہ ورشن پال کو مارنے کی تیاریاں کر رہا تھا تاہم لمحہ بہ لمحہ وہ عجیب و غریب واقعات کی بدولت بچتا رہا کیونکہ اس کی قسمت میں ابھی جینا لکھا تھا۔ یا ممکن ہے کہ اُسے کینہ وری سے ایک سال اور اس لئے زندہ رہنے دیا ہو کہ وہ ذلت برداشت کرے اور مرض میں مبتلا ہو کر دکھ بھرتا رہے۔ جب مل کے بیٹوں نے ۹ بدی بہادوں کو اپنے باپ کے قتل کی خبر سنی تو اُن کا غم غصے سے مبدل ہو گیا۔

سُسل کا وجیشور پر حملہ کرنا

سُسل اپنے غصے کی آگ سے واہنی پورک تک گاؤں کو جلاتا ہوا جلدی جلدی کوچ کرتا وجے کشیتر کی طرف بڑھا اور جب چندر راج اُس کے حملے کا مقابلہ کرنے باہر نکلا تو پٹ۔ ورشن پال اور راور لوگ مع اپنی فوجوں کے اُس کا ساتھ چھوڑ گئے۔ ہر چند کہ اُس کے اپنے طرفداروں نے اُس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا اور اُس کے ساتھ بہت ہی کم جمعیت تھی تاہم وہ دشمن کی طاقتور فوج کے مقابلے میں ایک عرصے تک اڑا رہا۔ اُس لڑائی میں دوراج گرہ اشوک مل اور مل جن میں سے آخر الذکر جگر کی اولاد میں سے تھا السپراؤں کے پاس پہنچ گئے۔ گرد و غبار سے جو تاریکی پھیلی ہوئی تھی اس میں چندر راج کے جانب سے چھترے روشنی ہو رہی تھی آخر خود چندر راج بھی

اس موقعہ پر کام آیا اور مع اپنے ہمراہی اندوراج کے السپراؤں سے پاس پہنچ گیا۔ اس بہادر کی موت سے قسمت نے راجہ ہرش کی کنول روپی امیدوں کی جڑوں کو ان کی تہ تک سے اکھاڑ لیا۔

وجیشور کا سرہونا جب سُسل وجیشور میں داخل ہوا تو پت اور باقیماندہ لوگ ڈر کر وجیش کے مندر کے صحن میں بھاگ گئے اور انہوں نے دروازہ بند کر لیا۔ صرف مشیر (آستھانیہ) پدم باہر لڑتا ہوا کام آیا۔ لکشمی دھر کو جو موت کا متلاشی تھا ڈامر زیر حراست کر کے لے گئے اب سُسل وجیشور کے مندر کے خزانے (گنج) کی چبوترے دار چھت پر چڑھ گیا اور اس نے نیچے کی طرف سب لوگوں کو ڈرے ہوئے جانوروں کی طرح جمع دیکھا۔ شریر سُسل نے ضامن دیگر پہلے ہنستے ہوئے پت اور درشن کو اپنے سامنے بلایا چونکہ وہ سیڑھی کے بغیر اُس تک نہ پہنچ سکتے تھے اس لئے سُسل کے آدمیوں نے انہیں ایک رسی کے ذریعے جسے انہوں نے نیم مردہ حالت میں اپنے ہاتھوں سے پکڑا ہوا تھا اوپر کھینچ لیا اور جب شرمسار ہو کر انہوں نے ملک سے نکل جانے کی اجازت طلب کی تو سمجھدار سُسل نے اس بات کا وعدہ کر لیا اور اس طرح پر ان کی بے عزتی کو کم کیا لیکن جب اس نے ان کی دعوت۔ تلے ہوئے گوشت اور دوسری لذیذ چیزوں سے کی اور اُن کے ساتھ بڑی نرمی سے گفتگو کی تو اُسی روز وہ چلے جانے کی خواہش کو بھول گئے۔ اگلے روز سُسل نے کسی عجیب جوش میں آکر جو کچھ کیا اسکی یاد سے یقیناً اس دنیا کے خالق کے جسم میں بھی کپکپی پیدا ہو جاتی ہوگی۔ اس نے دروازہ کھولا اور تلوار ہاتھ میں لئے سخت سُست الفاظ کہتا ہوا اکیلا اُن لوگوں کے درمیان پہنچا جو وجیشور کے مندر کے صحن میں جمع تھے۔ اس جگہ

راجہ ہرش کے ماموں کا بیٹا راجہ جاسٹ[۶۲۰] اور تین اور والیان ریاست اوما دہر وغیرہ جمع تھے اور راج پتر دل - سوار دل - تنتر یوں باج گذار والیان ریاست اور فوج کے اٹھارہ حصوں کے بے شمار آدمی موجود تھے - جو لوگ اس کے مطیع ہو گئے اس نے ان کی حفاظت کا معاہدہ کیا اور شو وجیشور کی مورتی کو گواہ ٹھہرا کر وہاں سے چلا گیا - اب وہ چبوترے پر چڑھ گیا اُن سب کے ہتھیار رکھوا دیئے اور ان کی مشکیں کسوا کر اپنے نوکروں کے ذریعے سامنے بلوایا - جس جگہ سُسل نے دربار منعقد کیا وہاں سونے اور چاندی کے قبضے اور متھیا پھولوں کی طرح بکھرے ہوئے دکھائی دیتے تھے - اس نے ان لوگوں کو حفاظت کی غرض سے ڈامروں کے حوالے کر دیا اور اس وقت ان کی حالت ٹھیک اُن مویشیوں کی طرح تھی جو اکٹھے کسی چرواہے کے سپرد کر دیئے گئے ہوں - اس کے بعد وہ تین دن وہاں ٹھہرا رہا اور جب سورن سانور[۶۲۱] کے گاؤں میں پہنچا تو اس نے پت اور درشن پال کو جو ملک سے باہر چلے جانا چاہتے تھے رہا کروا دیا - کمزور پت جب سور پور میں پہنچا تو اس کی بیوی بھی اُس کے پاس پہنچ گئی - اسپر اُس کو ملک سے نکل جانے کا خیال بھول گیا - دغا باز درشن پال نے ملک سے

---

[۶۲۰] اس شلوک سے واضح ہوتا ہے کہ ہرش کی ماں بپکا چمبہ کی شاہزادی تھی کشمیر اور چمبہ کے شاہی خاندانوں کے تعلقات کے متعلق دیکھو نوٹ ۶۰۶ کتاب ہذا - جاسٹ کا ذکر آگے چل کر ترنگ ۸ کے شلوک ۵۳۸ و ۵۴۷ میں اس حیثیت سے آیا ہے کہ وہ چمبہ کا راجہ تھا -

[۶۲۱] سورن سانور سے مراد غالباً موجودہ موضع سن سال سے ہے - جو سکر دپرگنہ میں واقع ہے اس کی تصدیق ترنگ ۸ کے شلوک ۱۱۳۳ و ۱۳۶۷ سے بھی ہوتی ہے جہاں اس کے متعلق کلیان پور اور شور پور کے تذکرے کے دوران میں حوالہ دیا گیا ہے -

نکل جانے کے متعلق خواہش ظاہر کر کے تھوڑی بہت شائستگی سے کام لیا تھا مگر اب اسے بھی پت کی دوستی کی وجہ سے اپنا خیال چھوڑنا پڑا۔ اب سُسل جو خود تخت پر قابض ہونا چاہتا تھا اس بات کی خواہش کرنے لگا کہ اپنے بڑے بھائی کو شہر پر قبضہ کرنے سے روکے۔

سُسل کا سرینگر پر حملہ اس کی وجہ یہ تھی کہ بڑے اور چھوٹے بھائی کے تعلقات میں کسی قسم کی بڑائی چھوٹائی نہ پائی جاتی تھی کیونکہ وہ قریب قریب ایک ہی عمر کے تھے اور ہمیشہ یکساں مغرور رہے تھے۔ دو تین روز کے عرصے میں پھرتیلے سُسل نے مختلف مقامات پر قبضہ کر لیا حتےٰ کہ خود محل شاہی کے نواحات تک جا پہنچا اور جس وقت وہ کلش کو آگ لگانے والا تھا راجہ کا بیٹا بھوج دیو جس کا دوسرا نام بپ تھا۔ اُس کے ساتھ لڑائی کرنے نکلا۔ اُس کے باپ نے اپنی مثال سے ڈر کر اس خیال سے کہ راجکمار مجھ سے شرارت کا سلوک نہ کرے بدقسمتی سے اُسے ہمیشہ طاقت سے عاری رکھا تھا۔ لیکن اب جب کوشش کا کوئی اور ذریعہ باقی نہ رہا تو اُسے مناسب کارروائی کرنے کے لئے آزاد کر دیا۔ اور وہ اکثر لڑائیوں میں سب سے آگے ہو کر لڑا کرتا تھا۔ اگر اُسے اُس کے پڑدادا اننت کی طرح تربیت دی گئی ہوتی تو یقیناً یہ مستقل مزاج راجکمار سارے ملک کو دشمنوں سے پاک کر دیتا۔ لیکن یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ عمدہ تجویز پر عمل کرنے سے غفلت برتی جاتی ہے۔ تیر چلانا ہر شخص جانتا ہے لیکن وہ آدمی شاذ و نادر ہی نظر آتا ہے جو نشانہ باندھنا جانتا ہو جس طرح تمی گل مچھلی (تمی کو نگلنے والی) بڑی سمندری مچھلی (تمی) پر فوقیت رکھتی ہے۔ ویسے ہی یہ راجکمار اپنے مخالف پر سبقت پانے کے لئے پیدا ہوا تھا جس کی بہادری بے انتہا تھی۔ اگر باپ

ناشکراپن کا اظہار کرے تو اولاد لعنت و ملامت کی مستحق نہیں ہوتی۔ اگر تلوں سے تیل نکلتے وقت کھلی میں چیچپاہٹ موجود ہوتی ہے تو کیا وہ تیل جو اس میں سے دبا کر نکالا جاتا ہے اصلی شگوفوں کی خوشبو سے عاری ہوتا ہے؟ دیوالیشو کے شریر بیٹے پتھ کو ہر چند راجہ نے ایک اعلےٰ درجے تک پہنچا دیا تھا تاہم اب وہ دشمن کے فریق میں شریک ہو گیا۔ جب سُسل کے ساتھ لڑائی شروع ہوئی تو راجہ نے پتھ کے بیٹے بل سے گھوڑا چھیننا چاہا۔ راجہ کی حقارت آمیز نظر سے دکھی ہو کر اس نے کہا۔ "اے راجہ آج تمہیں میرا حقیقی کیریکٹر معلوم ہو جائیگا"۔ اس کے بعد وہ میدان جنگ میں گھس گیا اور تلوار کے پھلوں سے بہتے ہوئے خون کی ندی سے اُس نے اُس حقارت کے داغ کو دھویا۔ ہر چیز کی تباہی سے راجہ کو اس قدر تکلیف نہ پہنچی تھی جتنی اس بات سے کہ میں اُس شکر گذار آدمی کے حقیقی کیریکٹر سے واقف نہ ہو سکا۔ لیکن راجاؤں کو چونکہ اُن کے اعلےٰ درجہ کی وجہ سے دھوکا ہوتا رہتا ہے اس لئے انہیں اپنے نوکروں کا حقیقی کیریکٹر اسی وقت معلوم ہو سکتا ہے جب وہ اس کا اعزاز صرف زبانی کر سکتے ہیں۔ سُسل جس کی فوج کو بھوج نے شکست دی تھی میدان جنگ سے بھاگ کر لو نوتس کو چلا گیا اور اس طرح پر دو مرتبہ آیا اور گیا۔ جب بھوج سخت گرمی سے گھبرایا ہوا واپس آیا تو باغ میں اپنے باپ کے پہلو میں ایک چارپائی پر لیٹ کر پہلو بدلنے لگا۔

اوچل کا سرینگر میں داخل ہونا

اس اثنا میں اُس کنارے سے جو محل شاہی کے مقابل میں تھا جانب شمال سے یہ نعرہ سنائی دیا "مل کا بڑا بیٹا آگیا ہے پُل توڑ دو" شریر کو تال سُن نے اوچل کو کہلا بھیجا تھا اگر تم آج ہی یہاں نہ پہنچ گئے تو سمجھ لو کہ تخت سُسل کے قبضے

میں ہے" اس پر وہ تیزی سے کوچ کرتا ہوا بڑھا اور سب سے پہلے میدان جنگ میں دیو نایک کو جو نریندر ریشور[۶۲۲] کے مندر کے سامنے کھڑا تھا قتل کیا۔ ناظم شہر ناگ جس کے سپرد بے شمار فوج تھی سواروں کی جمیعت کو لیکر مقابلے پر نکلا۔ چونکہ ناگ کے ساتھ منتخب فوجیں تھیں اس لئے راجہ کا اُس پر بھروسہ تھا اور چونکہ سُسل کے ساتھ لڑائی میں کامیابی ہو چکی تھی اس لئے اب اُسے اوچل کی طرف سے بھی کھٹکا باقی نہ تھا۔ مل کا بیٹا اوچل جس کی جمیعت معدود تھی اُس کے حملے سے خائف تھا لیکن ناگ نے اپنا خود اُتار کر اس کے آگے سر خم کیا۔ اوچل کو شبہ پیدا ہوا کہ ممکن ہے ناگ گورنر آنند کی طرح دشمن سے ملا ہوا ہو اس لئے اس نے اُسے اپنے گھر چلے جانے کے لئے کہا اور یہ بات اُس کم بخت نے منظور کر لی۔ اس شخص کو اپنی دغا بازی کا جو عوض ملا وہ اس نے اپنی زندگی میں ہی دیکھ لیا کیونکہ وہ اسی ملک میں بھیک مانگتا ہوا مرا۔

شہر کے پل پر لڑائی } جب راجہ دریا کے کنارے پہنچا تو اس نے پل کے سرے پر ڈامروں کو دیکھا جن کی صورت تبدیل ہو چکی تھی اور جو اس طرح سیاہ نظر آتے تھے جیسے جنگل کی آگ سے جلے ہوئے درخت۔ اُن کے درمیان اُس نے صرف جنک چندر کا جسم جس نے سفید زرہ پہنی ہوئی تھی اس طرح چمکتا دیکھا جیسے شکر ستارہ تاریکی میں چمکتا ہے۔ راجہ

حاشیہ ۶۲۲ خیال ہے کہ اس مندر کو یا تو راجہ نریندر دت لکھمن نے تعمیر کروایا تھا یا اُسکے نام پر اس کا نام رکھا گیا تھا۔

یہ امر مشتبہ ہے آیا دیو نایک کوئی خاص نام ہے یا اودے راج کے لئے طنزاً استعمال ہوا ہے جسے ہرش نے ترنگ ۷ کے شلوک ۱۰۹۱ کے مطابق مورتیوں کو توڑنے کے لئے کوتوال مقرر کیا تھا۔

کی کشتیوں کا بڑا پل اپنے فائدے کے لئے بنوایا تھا لیکن قسمت کی مرضی سے انجام کار یہ دشمن کے فائدے کا باعث ثابت ہوا۔ شاہی شاہزادیاں اور دوسری رانیاں جو موت کی خواہشمند تھیں۔ چار ستونوں والے کمرے پر جو سودرفازوں[۹۲۳] والے محل میں تھا چڑھ گئیں۔ لوگ لاپرواہی سے اُس لڑائی کو دیکھتے رہے جو پل کے سرے پر اُن کے راجہ اور غنیم کے مابین ہو رہی تھی اور اُنپر اس لڑائی کا اثر صرف اتنا ہی پڑتا تھا جتنا کہ اسوج کے دن کے گھوڑوں کے کرتبوں سے۔ راجہ نے پل کے سرے پر لڑنا شروع کیا اور بار بار اپنی رانیوں کو اس خیال سے محل کو آگ لگانے سے روکتا رہا کہ شائد اب بھی فتح حاصل ہو جائے۔ جنک چندر اور دوسروں نے راجہ کے جنگی ہاتھی پر جو پل کے سامنے کھڑا تھا اور جس کی زرہ اتر چکی تھی تیر پھینکے۔ یہ تیر اُس کے جوڑوں پر بیٹھے جس ہاتھی چیختا چنگھاڑتا اپنی ہی جمعیت کو پاؤں کے نیچے کچلتا پیچھے کو بھاگ نکلا قسمت کے ہاتھوں اپنے ہی ہاتھی سے کچلے جا کر پیادہ اور سوار فوج تباہ ہو گئی اس پر راجہ نے دشمن کے سپاہیوں کے آگے آگے پیچھے ہٹتے ہوئے پل کو عبور کیا اور معہ سواروں کے بحالت اضطراب سو دروازوں کے محل کے صحن میں داخل ہو گیا۔ وہ جسے کبھی پرائیویٹ طور پر بھی شاندار پوشاک کے بغیر نہ دیکھا گیا تھا اور جس کے تاج میں لگی ہوئی جواہرات کی لڑیوں کے باعث کھانا کھاتے وقت بھی اُس کا منہ نظر نہ آتا تھا اُس کا جسم اب پسینے میں شرابور نظر آرہا تھا جس کی وجہ کچھ تو دھوپ کی تمازت اور کچھ خوف تھا۔

---

۹۲۳ شلوک ۱۵۵۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ کرست دوار محل شاہی کے ایک خاص حصے کا نام تھا۔ ممکن ہے یہ ایک وسیع پہلو کا نام ہو جس میں سو دروازے لگے ہوئے ہوں۔ چتش کا سے مراد محل سے متعلق ایک گنبد دار کھلی جگہ سے ہے جس میں چار ستون لگے ہوئے ہوں۔

اُس کے کندھوں سے زرہ گری پڑتی تھی جسے اُس کے نوکر بار بار لگاتے تھے۔ عنان اُس کے قابو سے نکل چکی تھی اور اُسے بار بار بازو کو اپنی طرف کھینچنا پڑتا تھا تاکہ اُس گھوڑے کو جو اُس کی غیر مستقل ایڑ سے چل رہا تھا اپنے قابو میں رکھے۔ اُس کے ہاتھ سے تلوار گر چکی تھی اور اب وہ اپنے بالوں کو جو اس کے گنجے سر کے پہلوؤں پر لٹک رہے تھے کانوں کے پیچھے آراستہ کرتا جاتا تھا۔ اس کی خشک گردن تک اُس کے لمبے کان کی لو۔ جس میں کوئی بالا وغیرہ موجود نہ تھا لٹک رہی تھی۔ اور اس وقت موت کے سانپ کی مانند دکھائی دیتی تھی۔ پان موجود نہ ہونے کی وجہ سے اُس کے ہونٹ خشک اور راکھ کی طرح زرد تھے۔ جن پر وہ بار بار زبان پھیرتا تھا۔ اس نے اپنا خشک اور سفید چہرہ جس میں آنکھوں کی پتلیاں گرد و غبار سے ڈھکی ہوئی تھیں دلی مایوسی کے ساتھ اُن رانیوں کی طرف اُٹھایا جو چھت پر کھڑی تھیں ہر چند کہ وہ عمارت کو آگ لگانے کی خواہشمند تھیں تاہم یہ انہیں اپنے ہاتھ سے روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس حالت میں لوگوں نے اُسے خوف زدہ ہو کر صحن میں اِدھر اُدھر پھرتے دیکھا۔

محل شاہی کا سر ہونا بھوج کی فراری

ل راج کی جائے رہائش محل شاہی کے قریب تھی۔ جنک چندر نے دریا کو عبور کر کے اُسے آگ لگا دی۔ جب بھوج نے محل کی طرف شعلے بڑھتے دیکھے تو اُسے یقین ہو گیا کہ اب سلطنت ہاتھ سے جاتی رہی اس لئے وہ وہاں سے فرار ہو گیا۔ اس نے دروازے کو جو دشمن کے تیروں سے سرکنڈوں کی طرح ڈھکا ہوا تھا۔ توڑ ڈالا اور اس کے بعد گھوڑے پر سوار ہو کر صحن سے میدان کی طرف بھاگ نکلا اور پانچ چھ سواروں کو ہمراہ

لیکروہ سنگرام مٹھ کے سامنے پل کو عبور کرکے لوہر کی طرف روانہ ہوا۔ وہ معہ چند سواروں کے گھوڑے پر سوار محل کے باہر پھر رہا تھا اور اشک آلود آنکھوں سے اس سمت میں دیکھ رہا تھا جدھر اس کا بیٹا غائب ہو چکا تھا اس اثناء میں رانیوں کے بعض نوکر چار ستونوں والے کمرے کو اس وجہ سے گرا رہے تھے کہ انہیں موت سے بچانے کی کوشش کریں۔ شاہی شاہزادیوں کو اس بات کا علم نہ تھا اور انہوں نے یہ خیال کرکے کہ دشمن کمرے کو توڑ رہا ہے۔ چھت کو آگ لگادی۔ جلتے ہوئے محل میں اہل شہر اور ڈامروں نے ہتھیار اُٹھا کر خزانے اور دوسری قیمتی چیزوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ بعض وہیں کام آئے۔ بعض نے اس جگہ افلاس سے نجات حاصل کی اور بعض کو ایسی ایسی چیزیں حاصل ہوئیں جو انہوں نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھیں۔ اور اس وجہ سے انکی حالت مضحکہ خیز بن گئی

محل کی لوٹ ایک شخص نے کافور کی ڈلی یہ سمجھکر اپنے منہ میں ڈال لی کہ یہ سفید کھانڈ ہے مگر جب اس کا منہ جلنے لگا تو اس نے اس برتن کو دریا میں پھینک دیا۔ چند نیچ لوگوں نے جو سونا حاصل کرنے کے خواہشمند تھے سونے کی نقش کاری کئے ہوئے کپڑوں کو جلا ڈالا اور اس کے بعد راکھ کو بڑے شوق سے ٹٹولنے لگے۔ ایک جگہ نیچ ذات کی عورتیں ان بدھ (بغیر سوراخ کے) موتی چکیوں میں پیس رہی تھیں کیونکہ وہ ان کے نزدیک سفید چاولوں کی قسم کا کوئی اناج تھا۔ دولت کی دیوی (لکشمی) جو اس ملک میں رہا کرتی تھی اُس کے ساتھ جب اس قسم کی بدسلوکی اور ٹھٹھے بازی ہوئی تو پھر اس نے کہیں اپنا منہ نہیں دکھایا۔ جنگلی ڈامر جا بجا رنواس کی رانیوں کو جنہوں نے شاندار پوشاکیں پہنی ہوئی تھیں اور

پریاں معلوم ہوتی تھیں اُٹھائے پھرتے تھے۔ سترہ رانیاں اور راجا کی بہنیں موہ سبنت لیکھا کے جل مریں اور باقی محل کو چھوڑ کر چلی گئیں۔ جلتے ہوئے مکانات سے جو ایک قسم کی کھڑکھڑاہٹ پیدا ہوتی تھی اُس سے معلوم ہوتا تھا کہ بے انتہا گرمی کی وجہ سے ہوائی ندی اُبل رہی ہے اور یہ اُسی کی آواز ہے۔ راجہ نے جب مشہور و معروف پدم شری کے پانی پینے کے چشمے (پرپا)[۶۲۴] کے قریب کھڑے ہوکر اس نظارے کو دیکھا۔ تو اُس نے بڑے رنج کے ساتھ یہ قدیم شلوک جو[۶۲۵] اُسے یاد تھا پڑھا۔

"جو آگ رعایا کی جلتی ہوئی تکلیفوں سے پیدا ہو وہ اس وقت تک نہیں۔ بجھتی جب تک راجہ کی نسل۔ دولت اور زندگی کو تباہ نہ کردے۔"

اوچل نے جب دیکھا کہ میرے دشمن کے پاس ابھی ایک مسلح فوج ہے تو وہ محل کو آگ لگا کر ڈامروں سمیت دوبارہ وتستا کے دوسرے کنارے پر چلا گیا۔ راجہ جو لڑتے ہوئے جان دینا چاہتا تھا ہر لمحہ اُن مختلف آرا کی وجہ سے اضطراب میں پڑتا جارہا تھا۔ جو اس کی پیادہ فوجوں میں پائی جاتی تھیں ہر موقعہ پر جب وہ انت پال اور دوسرے راج پتروں کے مشورہ سے لڑائی میں جانے لگتا تو کوتوال کے کہنے سے واپس چلا آتا تھا۔ چمپک نے اُسے مشورہ دیا کہ یا تو لڑو یا لوہر کو چلے جاؤ۔ پریاگ آخری کارروائی کا ہی موید تھا پہلی کا نہیں۔ راجہ کو اپنے بیٹے کی کوئی خبر نہ ملی تھی اس لئے فکرمند ہوکر

---

۶۲۴ معلوم ہوتا ہے کہ پدم شری پرپا جس کا ذکر صرف اسی جگہ آیا ہے اُسے کلش کی رانی پدم سری نے بنوایا تھا۔

۶۲۵ بوٹ لنک کا قول ہے کہ یہ شلوک کسی قدر تبدیلی کے ساتھ یاگولک سمرتی اور پنچ تنتر وغیرہ میں پایا جاتا ہے۔

اس نے چمپک کو اُس کا کھوج لگانے کی ہدایت کی۔

چمپک کا کھوج کے پیچھے بھیجا جانا

چمپک نے ایک آہ بھر کر کہا "اے راجہ عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب سوائے پریاگ کے کوئی آپ کے ساتھ نہ رہیگا اس لئے بہتر ہے کہ مجھے بھی روانہ نہ کرو"۔ راجہ نے آنسو بھر کر جواب دیا "لوگ کہتے ہیں تم بڑے دیانتدار ہو پھر کیا وجہ ہے کہ تم بھی اس وقت میرے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہو؟ بغیر اپنے بیٹے کے مجھے اپنا مکان بھی نظر نہیں آتا۔ ہر چند کہ دن نکلا ہوا اور سورج نمودار ہے۔ تمہیں اس سے ناراض نہ ہونا چاہئے جو تمہارے ہی ہاتھوں میں بالغ ہوا ہے"۔ یہ الفاظ اس لئے کہے گئے تھے کہ وزیر کا اُن دنوں مغرور راج کمار سے ایک گھوڑی کے معاملہ پر جھگڑا ہو گیا تھا اپنے آقا کے ان الفاظ سے متاثر ہو کر جو سرزنش کا پہلو لئے ہوئے تھے اس نے اپنا سر جھکا لیا اور راج کمار کے پیچھے روانہ ہوا۔ ہر چند کہ روانہ ہوتے وقت اُس کے ہمراہ پچاس سوار۔ اس کے بھائی۔ نوکر چاکر وغیرہ موجود تھے تاہم جب وہ دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچا تو اُس کے ہمراہ صرف چار آدمی رہ گئے جب اُس کے دو بھائی اور شیش راج کا بیٹا جو سوار تھا گھوڑوں کے مرنے کے بعد سڑک پر گر چکے تو وہ دہنک سمیت اکیلا ہی دریا کے کنارے پر آوارہ پھرتا رہا مگر راجکمار کی کچھ خبر نہ ملی اور آخر کار شام کے وقت وہ دریائے وتستا اور سندھو کے مقام اتصال پر پہنچا راجہ نے اسی طرح پر اور معتبر آدمیوں کو اپنے بیٹے کی تلاش میں بھیجا اور وہ اس بہانے سے اُس کا پہلو چھوڑتے گئے۔ کوتوال پولیس نے جو رشوتیں لے چکا تھا اور راجپوری اور دوسرے مقامات پر جنگ کے موقعوں پر اپنی ناراضگی کا اظہار کر چکا تھا۔ جس نے

اپنے ہمراہ قابل افسر نہ رکھ کر فوج کو نکما کر دیا تھا۔ جس نے راجہ کے بیٹے کے لوہر کو روانہ ہونے پر اُس سے اعتراض کروایا تھا۔ جس نے دشمن کو اُس وقت شہر میں داخل کر دیا تھا جبکہ راجہ ایک اور طرف لڑائی میں مصروف تھا۔ غرض جس نے ہر چیز کو تباہ کر دیا تھا راجہ کو مناسب کارروائی کرنے سے روکے رکھا۔ کمزور دل راجہ چپ چاپ اُس کی نصیحتیں سنتا رہا اور کسی خاص فیصلے پر نہ پہنچ سکا۔ جس طرح بانسری اس صورت میں آواز نہیں دیتی جبکہ سب لوگ اسے اس کے مختلف سوراخوں پر بجانے لگ جائیں۔ ایسے ہی اگر مختلف قسم کی نصیحتیں مختلف لوگوں کی طرف سے ہوتی رہیں تو کسی خاص فیصلے پر نہیں پہنچا جاتا۔ جب کوئی کمینہ شخص بن پوچھے دلیری سے اپنی ذہنی قابلیت کے مطابق نصیحت کرنے لگے۔ تو یقیناً یہ ایک آنے والے خطرہ کی علامت ہوتی ہے۔ جب راجہ لڑائی کے لئے جانے لگا تو ترلوکی نام ایک رتھ بان (سوت) نے اس کی باگ پکڑلی۔ اور کوتوال پولیس کی تعریف کر کے کہنے لگا "آپ کے دادا نے ایک موقعہ پر ایکا نگوں اور سواروں کے ساتھ فتح حاصل کی تھی اس لئے ہمیں انہیں جمع کرنے کے لئے دفتر اکش پٹل میں جانے دیجئے۔ انہیں اپنے ساتھ لیکر ہم پیچھے کی طرف سے دشمن پر جس کی جمیعت زیادہ تر پیادہ سپاہ پر مشتمل ہے حملہ کرینگے اور اس طرح پر اُسے تباہ کر دینگے جیسے باز پرندوں کو تباہ کر دیتے ہیں۔"

ہرش کی فوجوں کا اسکا ساتھ چھوڑ دینا

جب راجہ اُس طرف کو بڑھنے لگا تو اس کی تمام فوج اس طرح منتشر ہو گئی جیسے ناٹک دیکھتے وقت بارش ہو جانے سے لوگ اِدھر اُدھر بھاگ

۱۲۲

جاتے ہیں۔ سیا راج کے بیٹوں کو جو پارسے وتستا سے آئے تھے اس نے دینی

جواہرات کی مالا اور زیورات اس غرض سے دے دیئے کہ وہ اُس کے بیٹے کا زادِ راہ مہیا کر دیں۔ جس وقت یہ شاہی جواہرات ان منڈی کے مالیوں کے ہاتھ آئے تو راجہ جو اس وقت تک بہت بڑی چمک رکھتا تھا لوگوں کی نظروں میں اعزاز شاہی سے محروم ہو گیا۔ اس کے سپاہی قدم قدم پر اس کا ساتھ چھوڑتے چلے جا رہے تھے وہ دفتر اکش پٹل اور دوسرے دفاتر کے درمیان پھر رہا تھا لیکن کسی نے اُس کا ساتھ نہ دیا۔ شام کے وقت وہ اپنے وزیروں کے گھروں میں پناہ کا متلاشی ہوا لیکن جس وقت وہ اُن کے دروازے پر پہنچتا تو کوئی اُسے اندر داخل نہ ہونے دیتا۔ برہمن ہرچند کہ پرلے اپویش کرنے میں بہت ہوشیار ہوتے ہیں لیکن آخرکار بہت نکمے ثابت ہوتے ہیں۔ بدبخت برہمنوں پر راجاؤں کا بھروسہ کرنا بالکل فضول ہے۔ جس وقت وہ اپنے ملک کے تمام بڑے بڑے آدمیوں کے گھروں میں پناہ کی تلاش میں پھر رہا تھا تو کپل وزیر کے دروازے پر بھی جا پہنچا۔ یہ وزیر قلعہ لوہر کو گیا ہوا تھا مگر اس کی بیوی نے راجہ سے کہا کہ آپ یہاں ٹھہریئے اور اس کے بعد کشتیوں میں سوار ہو کر قلعے کی طرف چلے جایئے لیکن قسمت کے دھوکے میں آکر وہ اندر داخل نہ ہوا۔ وزیر کے بیٹے جن کی بے ایمانی اُن کے باپ سے کم نہ تھی بدنصیب راجہ سے اس طرح چھپ گئے جیسے مقروض قرضخواہ سے چھپتے ہیں اس سے پہلے بُرے مشیر تمام خراب باتیں اُس کی نظروں سے پوشیدہ رکھا کرتے تھے لیکن اب وہ لعنت ملامت سُنتا تھا۔ اور اپنے آپ کو خطاوار ہونا تسلیم کرتا تھا۔

۶۲۶ جونراج کی راج ترنگنی کے شلوک ۵۵۱ اور ۸۲۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ پاری وتشٹا سری نگر سے بہت سے فاصلے پر واقع ہوگا۔

سری نگر سے ہرش کی فراری

سخت مایوسی کی حالت میں اپنے طرفداروں کی بھی بے اعتباری کرتے ہوئے جس وقت اس نے پردیومن[۶۲۷] کی پہاڑی کو عبور کیا تو اُس کے ہمراہی سب کے سب اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔ وہ راج پتر یعنی اننت پال وغیرہ جو چھتیس خاندانوں[۶۲۸] کی موروثیت کا دعوےٰ رکھتے تھے اور جو غرور میں آ کر سورج کو بھی اپنے سے بڑا درجہ نہ دیتے تھے انہوں نے بھی یکے بعد دیگرے اُس کا ساتھ چھوڑ دیا اور اُن کے واپس ہوتے ہوئے گھوڑے گہری تاریکی میں غائب ہو گئے۔ جس وقت جوہل منٹھ کے قریب پہنچے۔ وہ اپنے گھوڑے سے اُترا تو کوتوال پولیس اور اُس کا چھوٹا بھائی بھی اُس کا ساتھ چھوڑ گئے۔ کوتوال کہنے لگا "یہاں میرے خسر کا گھر ہے میں آپ کے لئے رات بسر کرنے کا انتظام کر کے

---

۶۲۷ معلوم ہوتا ہے پردیومن در اصل پردیومن پیٹھ یا پردیومن شکھر کا مخفف ہے جو شارکا کی پہاڑی یا ہر پربت کا نام ہے۔ چونکہ پورانے سری نگر کا بہت بڑا حصہ دریا کے دائیں کنارے پر اور اُس پہاڑی کے گرد آباد تھا اس لئے ممکن ہے کہ ہرش اپنے مختلف وزیروں کے گھروں میں پھرتا ہوا شارکا پہاڑی سے پرے نکل گیا ہو۔

۶۲۸ اقوام چھتری کے ۳۶ خاندانوں یعنی راج کلوں کی فہرست ٹاڈ صاحب نے حسب ذیل دی ہے،

(۱) اکشواکو عرف سورج (۲) اندو عرف چندر (۳) گھلوٹ (۴) یادو (۵) توار (۶) راٹھور (۷) کچھواہا (۸) پرمار (۹) چوہان (۱۰) سولنکھی (۱۱) پرہار (۱۲) چورا (۱۳) تکشک (۱۴) جٹ (۱۵) ہن عرف ہون (۱۶) کاٹی (۱۷) بالا (۱۸) جھالا (۱۹) جیٹھو عرف کماری (۲۰) گیہل (۲۱) سرویہ (۲۲) سلار (۲۳) دابی (۲۴) گور (۲۵) ڈوڈ (۲۶) گھبیر وال (۲۷) بیر گوجر (۲۸) سینگر (۲۹) سیکروال (۳۰) بایک (۳۱) اہیہ (۳۲) جوہیہ (۳۳) موہیل (۳۴) نکمپ (۳۵) راج پالی (۳۶) داہیم ہل۔ داہریہ وغیرہ۔

واپس آتا ہوں "۔ اس بہانے سے وہ رخصت ہو گیا اور جب وہ جانے لگا تو پریاگ نے کوتوال پولیس کے چھوٹے بھائی سے سامان خوردنی حاصل کرنے کے لئے پالا مانگی مگر پالا کے بجائے اس نے اسے جو (ستو؟) دیئے - اب راجہ کے پاس صرف ایک لباس یا اس کی جان یا پریاگ باقی رہ گیا - اس موقعہ پر چمپک کے ملازم جلک کا باورچی ونگٹ راجہ کے ساتھ جا ملا اور اُس کا معتبر ہمراہی بن گیا - جس وقت وہ آوارہ پھر رہے تھے ایک عورت نے انہیں غاسے آواز دیکر کہا کہ اُن کے سامنے کی زمین طوفان کے باعث شق ہونے کی وجہ سے ناقابل گذر ہے[۶۲۹] - راجہ وتستا کے کنارے پر بیٹھ گیا اور پریاگ نے چند ملاحوں کو قعہ بجے پور[۶۳۰] کو چلنے کے لئے طلب کیا - پریاگ نے پہلے ہی وہاں ٹھہرے ہوئے سپاہیوں کے ساتھ اس بات کا انتظام کر رکھا تھا کہ وہ راجہ کو بھیمہ دیو کے جائے رہائش پر پہنچا دیں - بھیمہ دیو ہر چند کہ اوچل کا ہمراہی تھا تاہم وہ یہ بات کہہ چکا تھا کہ راجہ اگر میرے پاس آیا تو میں اس کا طرفدار بن جاؤنگا - لیکن جب ملاح کشتی لیکر آئے تو راجہ جس کی قسمت میں بُرائی لکھی تھی اور جو خطرات کی وجہ سے مضطرب ہو رہا تھا اس پر سوار نہ ہوا - جب جانداروں کا انجام آتا ہے تو اُنکی عقل کا چراغ اس طرح بجھنے لگتا ہے گویا اُسے آنے والی موت کے ہاتھ میں سانپ دکھائی دیتا ہو - راجہ کو اُس وقت جبکہ وہ پناہ کی تلاش میں تھا

---

۶۲۹ شہر سے نیچے کئی میل کے فاصلہ تک دریا کے کنارے کئی مقامات پر ٹوٹے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے طوفان کے موقعوں پر دریا کا برساتی پانی دونوں طرف بہ کر دلدلوں میں جمع ہو جاتا ہے -

۶۳۰ جے پور کوٹ کی بنیاد جے پیڈ نے ڈالی تھی اور یہ اُس جگہ واقع ہوا کرتا تھا جہاں آجکل اندرکوٹ ہے -

نیلاشو[۶۳۱] کا ڈامر بمبب یاد نہ آیا جو اس کے دشمنوں کے ساتھ نہ ملا تھا۔ جس طرح کوئی با عصمت بیوی سوائے اپنے مالک کے اور کسی کی طرف نگاہ بھر کر نہیں دیکھتی اسی طرح ایام بغاوت میں یہی ایک عزت دار آدمی وفادار رہا تھا۔

اسی اثناء میں بادلوں سے پانی برسنے لگ گیا گویا بادل بھی اس وقت یہ چاہتے تھے کہ زمین کو دغا بازی کی چھوت سے پاک کر دیا جائے۔ تنہا مقام۔ بارش۔ تاریکی۔ ادنیٰ لوگوں کی صحبت۔ دشمنوں کا خوف کونسی خرابی تھی جو اس وقت راجہ کو پیش نہ آئی ہو۔ افسوس ہے کہ اُن بد افعال لوگوں کا نام جو ہر چند کہ یاد کے غیر مستحق ہیں صرف داستان کا تسلسل قائم رکھنے کے لئے لینا پڑتا ہے!!!

ہرش کی آخری پناہ ایک مرگٹ میں سومیشور کے نام سے بعض دیوتاؤں کا ایک مندر ہے جہاں سوماتر نامی ایک جادوگر پوجا کیا کرتا تھا۔ یہ ایک جھونپڑی کے صحن کے اندر واقعہ تھا

---

۶۳۱ معلوم ہوتا ہے کہ نیلاشو کشمیر کے کسی حصے کا نام تھا جس کی شناخت آجکل نہیں ہوسکتی۔ لوک پرکاش میں نیلاش کا نام اُن کشمیری پرگنوں کی فہرست میں دیا ہوا ہے جو چوتھے پرکاش کے شروع میں موجود ہیں۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۴۴ ۴ - ۸ ۲۷ - ۲۷ ۱۴ ۲ و ۱۳۱ ۳ میں نیلاشو کے ڈامروں کا ذکر تو آتا ہے لیکن اس علاقے کی مقامیت کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ سری ور کی راج ترنگنی کی ترنگ ۴ شلوک ۱۱۰ میں نیلاشو کے لوگوں کے ایک مجمع کا ذکر آتا ہے جو وادیٔ سندھ کے نچلے دھانے پر جمع ہوا تھا۔ شک اور پرجا بھٹ کی راج ترنگنی کے شلوک ۲۶۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ نیلاشو مغربی سمت میں واقعہ تھا۔ ابوالفضل کی فہرست پرگنہ جات میں نیلاشو یا اس سے ملتے جلتے نام کے پرگنے کا کچھ ذکر نہیں آتا۔

اس میں ایک ادنےٰ درجہ کا بھکاری گُن نامی رہتا تھا۔ اور اُس کے گرد بلند سایہ دار درختوں کا ایک باغ تھا۔ یہ شخص ایک فاحشہ عورت کے دلال کی حیثیت پر رہتا تھا جس کا حقیقی نام تو بھشچا تھا لیکن عرف عام میں اُسے وراہ بھوجنگی[۶۳۲] کہتے تھے۔ اُکت راجہ کو رات بسر کرنے کے لئے اس بھکاری کی جھونپڑی میں جو پرتاب گوریش[۶۳۳] کے مندر کے نواحات میں رہتا تھا لے گیا۔ راجہ نے اُکت کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا اور پریاگ نے اُس کا۔ اس حالت میں وہ آگے کی طرف بڑھتے گئے۔ کبھی کبھی بجلی چمکتی تھی تو انہیں زمین نظر آجاتی تھی پریاگ اور اُکت راجہ کو جو ٹھوکریں کھا رہا تھا۔ جس کے سر پر پگڑی نہ تھی اور پانی میں تر کپڑے اُس کے جسم کے ساتھ چمٹے ہوئے تھے بمشکل اس جھونپڑی تک لائے۔ اب اُسے غم کے ساتھ کندرپ یاد آیا جسے شریر شرول نے نکال دیا تھا اور جو اس کی تباہی کو ویسے ہی دور کر دیتا جیسے اُت پل نے شیطان رودر کو یاد کیا تھا۔ اُکت نے دیوار پر چڑھ کر دروازہ کھولا تو راجہ جھونپڑی کے صحن میں داخل ہوا جس میں وہ بھکاری اس وقت موجود نہ تھا۔ داخل ہوتے وقت راجہ کا دائیاں پاؤں ایک پتھر سے ٹکرایا اور اُس میں سے خون بہنے لگ گیا۔ اس فال بد سے اُس نے اندازہ کیا کہ اب میری موت قریب ہے چونکہ جھونپڑی مقفل تھی اس لئے وہ صحن ہی میں بیٹھ

۶۳۲؎ وراہ بھوجنگی جو اس فاحشہ عورت کا عرف تھا اس کے لفظی معنے ایک اس قسم کے سانپ کے ہیں جس کا کوئی محبت کرنے والا نہ ہو۔

۶۳۳؎ اس مندر کی مقامیت کا کچھ پتہ نہیں چلتا اور یہی وجہ ہے کہ وہ جگہ معلوم نہیں ہوسکتی جہاں ہرش مارا گیا۔ ہرش کی فراری کے واقعات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ دریا کے دائیں کنارے پر سری نگر سے نیچے کچھ فاصلہ پر واقع ہو گا۔

گیا۔ اور وہ رات جو خوفناک بادلوں نے نہایت بھیانک بنا رکھی تھی ڈرتے ڈرتے بسر کی۔ وہ کیچڑ سے لت پت تھا اور کیچڑ والی زمین پر کھڑا تھا تمام رات اُس نے خوفناک بارش میں بسر کی۔ اُس کے جسم پر غلاموں کی طرح صرف ایک اونی لبادہ تھا۔ بار بار بیٹھنے اُٹھنے سے اُسے اپنی مصیبت بھی یاد نہ رہی لیکن ہر چند کہ وہ بیدار تھا تاہم اس شخص کی طرح خوف زدہ ہو رہا تھا۔ جو خواب میں ٹیلے پر سے گر پڑا ہو۔ "میں کیا ہوں؟ مجھ پر کیا مصیبت نازل ہوئی ہے؟ میں آج کس جگہ ہوں؟ میرے ہمراہ کون ہے؟ مجھے اب کیا کرنا ہے؟ یہ خیالات تھے جن کی وجہ سے وہ بار بار کانپ اُٹھتا تھا۔ "میری سلطنت ہاتھ سے جاتی رہی۔ رانیاں جل مریں۔ بیٹا مفقود الخبر ہو چکا ہے۔ میں بے یار و مددگار تنہا رہ گیا ہوں۔ نہ پاس سامان اور نہ اسباب ہے۔ اور ایک فقیر کے صحن میں لڑک رہا ہوں۔" جب وہ ان مصیبتوں میں سے ہر ایک پر غور کرتا تو اُسے قصے کہانیوں میں بھی کسی شخص کی ایسی نظیر نہ ملتی جو اس جیسی ادنےٰ حالت کو پہنچ گیا ہو اور اُس کے برابر کے غم میں مبتلا ہو۔

بھوج کا قتل دوسری طرف بھوج شہر کو چھوڑ کر صرف دو تین سواروں کے ساتھ آوارہ پھر رہا تھا حتےٰ کہ وہ آخر کار ہستی کرن میں جا پہنچا۔ جاتے ہوئے وہ خیال کر رہا تھا کہ یقیناً میں پانچ چھ روز میں دوبارہ تخت پر قبضہ کر لوں گا خواہ میرا دشمن اندر ہی کیوں نہ ہو۔ بہادر آدمی جو رحم کے اندر جلتے ہوئے جنین[۹۳۴] کی طرح بے چین ہوتا ہے وہ کون کون سے بڑے

[۹۳۴] ہندوؤں میں اعتقاد ہے کہ رحم کے اندر جنین کو اس کی سابقہ زندگیوں کے اعمال یاد ہوتے ہیں اور انہیں مد نظر رکھ کر وہ اپنی نئی زندگی کیلئے ارادے کرتا ہے لیکن جونہی وہ رحم سے نکلتا ہے اسکی سابقہ یاد اور تجاویز فراموش ہو جاتی ہیں اور اُسے اپنے کرم کے نتائج بھگتنے پڑتے ہیں۔

کاموں کو سرانجام دینے کی خواہش نہیں کرتا۔ لیکن قسمت بہ اصرار نسے اس طرح دھوا دیتی ہے۔ جیسے رحم سے نکلتے وقت بچے کو اُسے اُس کے تمام سابقہ ارادے، بھلادیتی ہے۔ وہ رنگ واٹ[۹۳۵] میں اپنے نوکر ناگیشور کے انتظار میں ٹھہر گیا۔ جسے اس نے اپنی ماؤں کے پاس زادراہ لانے کے لئے بھیجا تھا۔ وہ خالی حندر کی عمارت کے اندر ٹھہرا ہوا تھا کہ اس نے نوکر کے آنے کی خبر سنی لیکن جس وقت وہ باہر نکلا تو آخر الذکر نے بغیر کچھ کہے نے اس پر حملہ کیا۔ اُس راجکمار کی تعریف کئے بغیر کون رہ سکتا ہے جس نے اس دغا بازی کے وقت بھی کشتریوں کے فرائض پورے طور پر انجام دیئے۔ شیر کی طرح اس نے لڑائی میں اپنے حملہ آوروں کو مار گرایا اور جب خود گرا تو بجائے مرہم کے اس کا جسم خون سے ڈھپا ہوا تھا۔ اس حالت میں اس نے ایک بہادر کی سیج کو آراستہ کیا۔ اس کا ماموں زاد بھائی پدمک اور منظور نظر کھیل جنھوں نے لڑائی میں بے انداز بہادری کا اظہار کیا تھا یہیں کام آئے۔ اوچل رات بھر کے لئے رانی سوریہ متی کے مٹھ کو چلا گیا اور اس کا بھائی جو لڑائی سے تھکا ماندہ تھا وہ بھی لونوتس سے واپس آگیا۔ جب دونوں بھائیوں نے سنا کہ بھوج مارا گیا اور صرف ہرش باقی رہ گیا ہے تو اُن کے دل سے کانٹا دور ہو گیا اور اب اس کا صرف ایک ہی پہلو نکالنا باقی رہا۔ لیکن اُس وقت بھی جب انہیں اپنی سابقہ جلاوطنی فراموش تھی اور شاہی دولت حاصل

[۹۳۵] سٹائن صاحب کے خیال میں رنگ واٹ ہستی کرن کے قریب کسی بلیغچے یا مقدس احاطے (واٹ) کا نام ہے۔ چنانچہ یہی نام آجنک گوش کے اخروٹ کے درختوں کے ایک پرانے جھنڈ کے متعلق استعمال کیا جاتا ہے جہاں بعض لنگ اور مورتیاں موجود ہیں۔ اور لوگ اس کی یاترا بطور ایک تیرتھ کے کرتے ہیں۔

ہو چکی تھی انہیں حاصل کردہ تخت اس طرح معلوم ہوتا تھا گویا ابھی حاصل نہیں ہوا۔

صبح کے وقت بھکاری نے آکر جسے ٹکت کہیں سے ڈھونڈ لایا تھا اپنی جھونپڑی کا دروازہ کھولا اور راجہ کے سامنے ڈنڈوت کی۔ اس کی جھونپڑی مچھروں سے بھری ہوئی تھی۔ جائے نشست پر گھاس بچھایا ہوا تھا۔ جب ٹکت نے اس پر پانی چھڑک دیا تو راجہ اندر داخل ہوا۔ وہی راجہ جس کے ساتھ گفتگو کرنا راجاؤں کے لئے بھی باعث فخر تھا اس وقت مارے ڈر کے ایک بھکاری کی بھی خوشامد کر رہا تھا۔ وہ اس کے طرز تکلم اور اور کھانیکے طریق کو جو سخت بھدا تھا جیسا کہ بھکاریوں کا ہوتا ہے چپ چاپ دیکھتا گیا۔ پریاگ نے بھکاری کو اپنا کپڑا اُتار کر بغرض فروخت دیا۔ اور اُسے کسی دوکان سے کھانا لانے کے لئے بھیجدیا۔ بدبخت بھکاری بڑے سخت سُست الفاظ استعمال کرتا تھا اور راز فاش کرنے کا اندیشہ پیدا کر رہا تھا اس سے راجہ کو اس قدر تکلیف ہوئی جتنی کسی دشمن سے ہوسکتی ہے سہ پہر کے وقت وہ بدچلن بھکاری اپنی آشنا کو بھی ساتھ لے آیا۔ جس نے سر پر کھانوں کے برتنوں کا ٹوکرہ اُٹھایا ہوا تھا۔ راجہ نے جب دیکھا کہ پہلے تو نوکر (ٹکت) اور اس کے بعد بھکاری نے مجھے شناخت کر لیا ہے اور اب یہ عورت بھی میری شخصیت کو جان گئی ہے تو اس نے زندگی کی امید ہاتھ سے چھوڑ دی۔ اس کا دل خوفناک مصیبت کی وجہ سے بھرا ہوا تھا اُس نے کھانا کھایا تو نہیں البتہ پریاگ کی خاطر جس نے اُسکے آگے رکھا تھا اُسے ہاتھ لگا دیا۔

ہرش کا بھوج کے مرنے کی خبر سننا پریاگ نے صحن میں کھڑے

ہو کر اُس بھکارنی سے کوئی خبر پوچھی اور اس نے گنوار پن سے کھلے طور پر بھوج کے مرنے کا ذکر کر دیا۔ ہر چند پریاگ نے راجہ کو کہا کہ یہ خبر غلط ہے تاہم اُسے اپنے جسم میں ایک ایسی بھیانک علامت نظر آئی جس سے اُسے اس کی صداقت کا یقین ہو گیا۔ وہ کچھ تو پہلے ہی بحر مصیبت میں غرق تھا اب اس پر ایک ایسی مصیبت نازل ہوئی جو کسی بدخواہ دشمن کی زبان پر بھی نہیں آ سکتی۔ اپنے بیٹے کے غم میں باپ اس نے محسوس کیا کہ اُس کے شباب میں جو رو کاوٹ بیٹے حکمت عملی سے اس پر عائد کر رکھی تھی اسکی وجہ سے میں خود اس پر مصیبت لانے کا باعث ثابت ہوا ہوں۔ بے حد محبت کی وجہ سے اُسے محسوس ہوتا تھا کہ اُس کا بیٹا جو میدان جنگ میں ایک ایسے طریق پر کام آیا تھا جس پر بڑے بڑے بہادر رشک کریں۔ ایک معصوم بچے کی طرح قتل کر دیا گیا ہے۔ اپنی مصیبت میں اسے خیال گذرا کہ میرا بیٹا بچپن کی حالت میں موتیوں کی لڑیوں سے سجا ہوا میری اپنی جوان چھاتی پر لیٹ رہا ہے اور اس خیال میں وہ اُسے برکتیں دینے لگا۔ اُسے اس خیال سے شرمساری ہوئی کہ وہ جوان جس کا زندہ رہنا لازم تھا مارا گیا ہے لیکن میں بوڑھا ہو کر بھی ایسے ناواجب طریقوں پر اپنی زندگی کو طول دے رہا ہوں۔ اس طرح اپنے بیٹے کی خاطر آہ و زاری کرتا اور ناقابل بیان تکلیف سے کروٹ لیتا وہ ایک رات اور اسی بھکاری کے مکان میں رہا۔ پریاگ نے اُسے بھگون مٹھ کو چلنے کے لئے کہا لیکن فرط غم کی وجہ سے اُسے کسی بات کا خیال ہی نہ تھا اس لئے رات کے وقت اس نے ایسا کرنے کی خواہش تک بھی ظاہر نہ کی۔ جس وقت رات آئی تو اس نے اپنے غم کا اظہار بڑے بڑے شبنم کے قطروں کی صورت میں کیا جو چاند کے نیچے کی طرف جھکے ہوئے چہرے سے آنسوؤں کی طرح گر رہے تھے۔ اور راج ہنسوں کے چیخنے کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ پریاگ نے

جب صبح کے وقت اپنے آقا کو بھوک اور پیاس سے نحیف و زار دیکھا تو اس نے بھکاری کو کھانا لانے کے لئے کہا۔ بھکاری وہاں سے چلا گیا۔ اور واپسی پر لکڑی کے سلنے دو برتن لا رکھے جن میں کھچڑی پکی ہوئی تھی لیکن جب اُس نے یہ بات کہی کہ میں یہ کھانا ایک شخص کے یگ سے لایا ہوں تو پریاگ نے آہ بھر کر کہا آے راجہ دیکھ لوگ اپنے آقا کو کھو کر کیسے خوش ہیں؟ اس نے مسکرا کر جواب دیا۔ "تم کیوں سادہ لوح شخصوں کی طرح باتیں کرتے ہو۔ جو چلا گیا! چلا گیا! اُس کی مصیبت کا اثر کسی اور پر نہیں پڑتا۔ ہر شخص کو اپنی بہتری کا فکر ہے۔ سوائے اپنی مصیبت کے کوئی کسی کی مصیبت پر غم نہیں کھاتا جب سورج جو اس دنیا کی واحد آنکھ ہے دوسری دنیا میں چلا جاتا ہے تو سارا عالم اپنے گھروں میں بہ آرام سوتا ہے۔ تو پھر اور کون خیال کر سکتا ہے کہ بغیر میرے یہ سب سامان کیوں کر قائم رہ سکیگا؟ میری اپنے بیٹے سے اس قدر محبت تھی کہ اس وقت بھی جبکہ میں نے اس کی موت کی خبر سن لی ہے میرے دل میں کسی اور جاندار کی محبت پیدا نہیں ہو سکتی۔ اگر اُس بیٹے کی نسبت جو میری جان کی جان تھا یہ سُنکر کہ وہ مر گیا ہے میں اس طرح زندہ رہ سکتا ہوں گویا سب کچھ درست حالت میں ہے تو پھر کسی اور پر کیونکر عدم توجہی کا الزام عائد کیا جا سکتا ہے؟

راجہ کی اس قدر گفتگو کر چکنے کے بعد پریاگ نے پھر وہ برتن لوٹا دیئے اور خفیہ طور پر بھکاری سے اچھا کھانا لانے کے لئے کہا مگر اُس نے جواب دیا کہ کل کے اخراجات نکالنے کے بعد میرے پاس کافی رقم نہیں بچی تاہم میں کوشش کرتا ہوں اور اس کے بعد اس طرح چلا گیا گویا وہ خود بھی غم کو محسوس کرتا تھا۔

ہرش کے ساتھ دغابازی } جس طرح تھوڑی طاقت کے لوگ نا قابل اتلاف پارے کو ہضم نہیں کر سکتے ویسے ہی چھوٹے دل والے لوگوں کے واسطے خفیہ رازوں کا محفوظ رکھنا بہت مشکل کام ہے۔ ایک برہمن سنیاسی کے رشتہ دار منورتھ نے جب یہ واقعہ اُس بھکاری سے جو اس کا دوست تھا سنا تو اُس بد بخت نے یہ بات کہی کہ اگر ہم راجہ کو اوچل کے حوالے کر دیں تو ہمیں بہت کچھ دولت حاصل ہو سکتی ہے اور اس طرح پر اُسے دغابازی پر آمادہ کر لیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی قابل نفرت کمینے نوکر کا بیٹا تھا کیونکہ اچھے یا بُرے افعال کا اظہار اچھی یا بُری پیدائش سے ہوتا ہے۔ الہ راج نے ان دونوں سے یہ بات سُنکر اوچل کو خبر دی اور اس نے اسے خود اس معاملہ میں کارروائی کرنے کا حکم دیا۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ کائستھ بھوت بھیچ نے بھکاری اور برہمن کو الہ راج کے پاس بھجوایا تھا۔ اگر یہ کیفیت ایک اتہام ہے جو اس وقت باندھا گیا تھا جبکہ بہت سی افواہیں پھیلی ہوئی تھیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بدذات نوکر بھیچ اپنی دغابازی کے لئے مشہور تھا۔ اُسکے افعال کی واجب سزا یہی تھی کہ اُسے ایک سوپاک کی پیٹھ پر اُٹھوایا گیا اور مختلف قسم کا ذلت آمیز سلوک کرنے کے بعد اُسے قید خانے میں بھیجدیا گیا اور آخر کار وہ وہیں مرا۔ ہرش دیو نے گو اُس کے بیٹے کا غم ابھی تازہ تھا بھوک سے تنگ آکر اور پریاگ کے اصرار پر کھانا کھانے کا ارادہ کر لیا اور اب وہ بار بار اس خیال سے کہ بھکاری کھانا لیکر آگیا ہے کھڑکی میں سے اس طرح دیکھ رہا تھا جس طرح کسی پرندے کا بچہ گھونسلے سے دیکھتا ہے۔ اسی اثنا میں سپاہیوں نے جھونپڑی کا محاصرہ کر لیا اور ساتھ ہی صحن کے دروازے

کے کھلنے کی آواز اُس کے کان میں پہنچی۔ جس پر اس نے سمجھ لیا کہ میرا راز فاش ہو گیا ہے۔ اس کے بعد اس نے بدذات بھکاری کو سپاہیوں کے ہمراہ دیکھا جو صحن میں سے ملکت کو باہر بلا رہا تھا۔ راجہ نے ملکت ۶۳۶ کو اپنے پاس سے بھیجدیا۔ دروازے کھول دیئے اور بے خوف ہو کر وہ چھوٹا سا چاقو جو اس وقت اس کے پاس تھا اُٹھا لیا۔ ایک تندمزاج اور زندہ پوش سپاہی دلیری کر کے تلوار کھینچے اُس کے قریب پہنچ گیا مگر راجہ نے جو پہلوانی کرتب خوب اچھی طرح سے جانتا تھا۔ اور باوجودیکہ جھونپڑی کی تنگی کی وجہ سے وہ کھلے طور پر کچھ نہ کر سکتا تھا اُسے زمین پر گرا دیا مگر رحم کھا کر اسے قتل نہ کیا۔ اور اس وقت بھی بہادرانہ جوش میں آ کر کہنے لگا۔ "اس بدبخت کو مارنے سے جو زمین پر پڑا ہوا ہے مجھے کچھ فائدہ نہیں پہنچ سکتا"۔ ایک سپاہی جو چھت اُکھاڑ کر نیچے آ رہا تھا اور دوسرا جو اوپر لُٹنے کی کوشش کر رہا تھا دونوں نے جب راجہ کو ہتھیار اُٹھائے دیکھا تو زمین پر لیٹ گئے۔ ایک سمے تک راجہ مقابلے کی حالت میں اُس سپاہی کی پیٹھ پر جو پہلے داخل ہوا تھا اس طرح سیدھا کھڑا دکھائی دیا جیسے چامُنڈا ۶۳۷ رورو پر۔ راجہ کے آخری لمحے میں جو لڑائی ہوئی اس میں

---

۶۳۶ ملکت کے بچ جانیکا ذکر اس لحاظ سے دلچسپ ہے کہ اس سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ کلہن کو ہرش کی فراری اور موت کے واقعات براہ راست یا بالواسطہ طور پر اس شخص سے حاصل ہوئے ہوں جو خود اُس کے اپنے خاندان سے تعلق رکھتا تھا (ترنگ ۸ شلوک ۱۲۲۳) اس سانحہ کے موقعہ پر ملکت کے وہاں سے نکل جانے پر جو پردہ پوشی کیگئی ہے اسکی وجہ بھی یہی ہو سکتی ہے۔

۶۳۷ اُس لڑائی کی داستان جس میں چامنڈا نے جو درگا کی ایک صورت ہے معہ اپنی ہمراہی شکتیوں کے دیت رورو کو مغلوب کیا اور مارا تھا پدم پوران کی جلد ۵ ادھیائے ۲۶ شلوک ۵۹ تا ۹۰ میں مذکور ہے۔

نہ تو بہادروں کے شیروں جیسے نعرے۔ نہ نقاروں کی آواز اور نہ ہتھیاروں کی جھنکار سنائی دیتی تھی۔ بخلاف اس کے مسلح ڈامر چپ چاپ اس جھونپڑی میں اس طرح داخل ہو رہے تھے جیسے بلیاں اُس چوہیا کے گرد جمع ہو جاتی ہیں جو کسی ہنڈیا میں پڑی ہو۔ اس کے بعد ایک اور سپاہی نے جو چھت میں سے داخل ہوا تھا پریاگ کے کندھے اور سر پر وار کرنے کے بعد راجہ پر حملہ کیا اور اُس کے ہتھیار کو روکتے ہوئے بڑی پھرتی سے دو دفعہ اسکی چھاتی میں خنجر گھونپ دیا۔

ہرش کی موت ۱۱۰۱ء

دو دفعہ "اے ہیشور!" "اے ہیشور!" کہہ کر راجہ اس طرح زمین پر گر پڑا جیسے وہ درخت جس کی جڑھ کاٹ دی گئی ہو۔ ہر چند کہ وہ ایک راجہ تھا تاہم اُسے اُس چور جیسی موت نصیب ہوئی جو بھاگتے بھاگتے کسی گھر میں داخل ہو گیا ہو۔ اُس زمانہ میں کوئی راجہ ایسا طاقتور دیکھنے میں نہیں آیا جیسا کہ یہ تھا نہ کسی کا ایسا شرمناک جنازہ اُٹھا ہے۔ یہ صرف اُس جنگ سے جی چرانے کی ہی وجہ تھی کہ وہ اُس شان و شوکت سے جس کے ساتھ خوشی موجود ہوتی ہے محروم رہا۔ ممکن ہے اُس کا تصور صرف آزادانہ فیصلے کی عدم موجودگی ہو اور وہ تمام غلطیاں جو اس کی کامل تباہی کا موجب ثابت ہوئیں اُس کے وزیروں کی ہوں۔ جب وہ پانچ شدی بھادوں لوکک سمت ۱۷۷ (۱۱۰۱ء) میں قتل ہوا تھا تو اس کی عمر ۴۲ سال ۸ ماہ کی تھی۔ اس راجہ کی وہ طاقت جو اپنی نسل کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی تھی آخر کار دریودھن کی طرح اس کے اپنے ہی کنبے کی تباہی کا باعث ہوئی۔ وہ برج سرطان کی حالت میں پیدا ہوا تھا۔ اور اس کی پیدائش کے

وقت منگل اور سنیچر پانچویں۔ برہسپت اور بدھ چھٹے۔ شکر اور سورج ساتویں اور چندرمان دسویں خانے میں تھا۔ نتیجہ وہ ہوا جو اوپر بیان ہو چکا ہے۔ کیونکہ سنگھتا کے مصنف کا قول ہے کہ کورو کے جانشین اور دوسرے لوگ جو اس وقت پیدا ہوئے جب کہ چندرمان۔ شکر اور اور نحس ستارے دسویں۔ ساتویں اور پانچویں خانے میں تھے۔ اپنے ہی خاندان کو تباہ کرنے کا باعث ثابت ہوئے اس ملک میں جن لوگوں نے اپنے راجہ کا سر کاٹا اور ایک لیڑے کی طرح اُسے اس کے دشمن کے سامنے لے گئے وہ نہایت ناپاک تھے۔ جب راجہ کا سر کاٹا گیا تو زمین اور سمندر کانپ اُٹھے اور آسمان پر ہر چند کہ بادل نہ تھے تاہم سخت بارش شروع ہو گئی۔ لوگوں نے اُس سر کو ایک بانس پر اُٹھا کر اُس کے ساتھ جو جو بدسلوکیاں کیں اُن کے باعث اُنپر ایسے ہی مصیبتیں نازل ہونے والی تھیں جیسے کسی سراپ سے ہوتی ہیں۔ جس طرح ہرش کے عہد میں دیوتاؤں کی مورتیوں کی تباہی کا آغاز ہوا ویسے ہی اس وقت سے اس ملک میں

شہ ۹۳۸ سٹائن صاحب نے پروفیسر جیکبی کو اس بات کی درخواست کی تھی کہ ترنگ کے شلوک ۱۷۱۷ میں ہرش کی پیدائش کے متعلق جو تاریخ دی گئی ہے اس کی تصدیق اس کنڈلی سے ہوتی ہے یا نہیں اس کا جواب پروفیسر مذکور نے بدیں الفاظ بھیجا "ہرش کا زائچہ اُس کے لوک کال ۴۱۳۴ (کلجگی سمت ۴۱۵۹) (۱۰۵۸ء) نویں ماہ سے مطابق نہیں کیونکہ اُس وقت سنیچر برکھ راس میں تھا۔ برچھک میں نہ تھا۔ اور شکر برچھک میں تھا مگر راس میں نہ تھا۔ باقی ماندہ تین سیاروں بدھ۔ منگل اور برہسپت کی موجودگی ہمارے شلوک کے ساتھ مطابقت کھاتی ہے۔ سنیچر کی مقامیت کے متعلق جو غلطی ہے اس میں کسی قسم کی فرضی اصلاح کر لینا بالکل غیر ممکن ہے۔

راجہ کے سر کاٹنے کا نیا طریقہ شروع ہو گیا۔ جب یہ سر راجہ اوچل کے سامنے لایا گیا تو اُس نے مناسب خیالات کی وجہ سے اس کی طرف نہ دیکھا بلکہ ایک عرصے تک روتے رہنے کے بعد اُسے جلوا دیا مگر افسوس ہے کہ اتنے بڑے راجہ کے جسم کو ایک لوٹیرے کی لاش کی طرح اوچل کے احکام کے بغیر جلایا جانا بھی نصیب نہ ہو سکا!! نوکر اُسے چھوڑ گئے تھے اور اس کے خاندان کا کوئی بھی آدمی موجود نہ تھا اس حالت میں گورک نامی ایک لکڑہارے نے اس کی لاش کو ایک فقیر کی طرح بے کفن جلا دیا!!!

رامائن یا مہابھارت کی طرح ہرش کی داستان بھی طویل اور کسی قدر حیرت میں ڈالنے والی ہے۔ قسمت کے بادل سے دولت ایک بجلی کی چمک کا درجہ رکھتی ہے اور خاص عظمت کا انجام نہایت افسوس ناک ہوتا ہے۔ باوجود اس کے فرضی عظمت کا خیال اُن لوگوں کے دلوں سے دور نہیں ہوتا جو دھوکے میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ہر چند کہ اُس کے رنواس میں اتنی رانیاں تھیں تاہم ان میں سے ایک نے بھی اُس کے لئے آہ و زاری نہ کی۔ اُس کے اتنے ہمراہیوں میں سے ایک بھی نہ تو اُس کے ساتھ مرا اور نہ کسی مقدس مقام پر سنیاسی بنا۔ لوگوں کی طرف سے جن کا دل اپنے ہی آرام میں محو ہے اس قسم کی عدم توجہی دیکھ کر شرم کا مقام ہے کہ لوگ دنیا کو تیاگ کر جنگل میں نہیں چلے جاتے۔ آدمی جس کی نہ تو ابتدا اور نہ کچھ انجام ہے۔ ایک لمحہ بھر کے لئے خوشی اور مصیبت کی حالت میں سے گذر جاتا ہے۔ واقعی اس کی

---

۶۳۹ ان چھ راجاؤں کے زمانہ حکومت کا مجموعہ درست ہے کیونکہ ردا اور ہرش کی موت کی تاریخیں علی الترتیب ۸ شدی بھادوں لوکک سمت ۴۰۷۹ اور ۵ شدی بھادوں لوکک سمت ۴۱۷۷ ہیں۔

حالت ایک ایسے ایکڑ کی مانند ہے جس کا نہ سر ہو نہ پیر !!! -

سنسار کے پردے کے پیچھے چھپا ہوا وہ کہاں جاتا ہے ؟ اس بات کی ہمیں خبر نہیں !!! -

شاہی دولت خاندان اودے راج میں اپنی نشست چھوڑ کر سات واہن کی نسل کے اندر کانتی راج کے خاندان میں اس طرح چلی گئی جس طرح دن کی روشنی ہمالیہ کی چھوٹی کو اُس وقت چھوڑ کر جبکہ دیوتا وہاں سے اُٹھ جاتے ہیں کوہ میرو کے بہشتی ڈھلوانوں کی طرف چلی جاتی ہے -

یہاں پر راج ترنگنی کی جسے مشہور کشمیری مدبر چمپک کے بیٹے کلہن نے تالیف کیا ساتویں ترنگ ختم ہوتی ہے -

اس ترنگ میں خاندان اودے راج کے چھ راجاؤں کے عہد حکومت کا ذکر کیا گیا ہے جنھوں نے تین دن کم ۹۸ سال حکومت کی +

پہلی جلد ختم ہوئی



چنار پبلشنگ ہاؤس